فتاویٰ علماءِ ہند

جلد-۷

تیار کردہ

منتخب علماءِ ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمن قاسمی

زیر نگرانی

حضرت مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی

باھتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ

ممبائی۔الھند

نام کتاب	:	فتاویٰ علماء ہند (جلد-۷)
زیر سرپرستی	:	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب
زیر نگرانی	:	حضرت مولانا محمد اُسامہ شمیم الندوی صاحب
سن اشاعت	:	صفر المظفر ۱۴۳۸ھ مطابق نومبر ۲۰۱۶ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
کمپوزنگ و ڈیزائننگ	:	محمد رضاء اللہ قاسمی
ناشر	:	منظمة السلام العالمية، ممبائی، الھند

یہ کتاب ''منظمة السلام العالمية'' کی

طرف سے ہدیہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے

وقف ہے، اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

منظمة السلام العالمية

Global Peace Organisation (GPO)

Email: gpo.org@yahoo.com Mob. : +91-7303 7076 05

کتاب الصلاۃ

قال اللّٰہ عزوجل:

(سورۃالأعلٰی:۱۵)

قال عبادة بن الصامت رضى الله عنه:

سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: خمس صلوات افترضهن اللّٰه تعالٰى، من أحسن وضوء هن وصلاهن لوقتهن وأتم ركوعهن وخشوعهن كان له على اللّٰه عهد أن يغفر له ومن لم يفعل فليس على اللّٰه عهد إن شاء غفرله وإن شاء عذبه.

(سنن أبى داؤد،باب فى المحافظة على وقت الصلوات، رقم الحديث:٤٢٥)

فہرست عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحات

فہرست مضامین (۵-۲۷)

تکبیر تحریمہ - احکام و مسائل (۳۹-۴۶)

قیام - احکام و مسائل (۴۷-۶۶)

فرض قرأت-احکام ومسائل (۶۷-۷۶)

رکوع-احکام ومسائل (۷۷-۸۴)

سجدہ-احکام ومسائل (۸۵-۱۲۰)

قعدۂ اخیرہ و خروج بالاختیار - احکام و مسائل (۱۲۱-۱۲۶)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نماز کے واجبات (۱۲۷-۱۴۲)

قرأت میں سر و جہر کے مسائل (۱۴۳-۱۶۰)

دعاءِ قنوت اور تکبیر کے مسائل (۱۶۱-۱۶۲)

رکوع، سجدہ اور قومہ کے مسائل (۱۶۳-۱۶۶)

قعدۂ اولیٰ اور تشہد-احکام ومسائل (۱۶۷-۱۷۲)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

تعدیل ارکان (۱۷۳-۱۷۶)

رکوع وسجدہ کی کیفیت (۱۷۷-۱۸۸)

سلام کے ذریعہ نماز ختم کرنا (۱۸۹-۱۹۴)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نماز کا اعادہ-احکام و مسائل (۱۹۵-۱۹۸)

سنن نماز-قیام، تکبیر تحریمہ وغیرہ کے مسائل (۱۹۹-۲۳۰)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نماز کے آداب و مستحبات (۳۵۷-۴۱۶)

صفحات	عناوین	نمبر شمار

نماز میں قرأت کے احکام ومسائل (۴۱۷-۴۳۶)

صفحات	عناوین	نمبر شمار

نمبر شمار	عناوین	صفحات

مسنون ومستحب قرأت کے مسائل (۴۳۷-۴۵۲)

مکروہات قرأت (۴۵۳-۴۷۰)

غیر عربی میں قرأت کے مسائل (۴۷۱-۴۷۴)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

دوران قرأت آیتوں کا چھوڑنا (۴۷۵-۴۷۶)

مختلف قرأتوں کے احکام ومسائل (۴۷۷-۴۸۴)

لقمہ اور قرأت میں الفاظ کا چھوڑنا (۴۸۵-۴۹۲)

☆☆☆

کلمۃ الشکر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین و صلی اللّٰہ وسلم علی المبعوث رحمة للعالمین وعلی آله وأصحابه ومن تبعهم بإحسان إلی یوم الدین وسلم تسلیمًا کثیرًا؛أما بعد!

خدام ''منظمۃ السلام العالمیۃ'' ممنون ومشکور ہیں اللہ رب العزت کے بے پناہ رحم وکرم کا، جس نے محض اپنی قدرت سے ''فتاویٰ علماء ہند'' کی خدمت کے لیے قبول فرمایا۔ (فللّٰہ الحمد والشکر)

مفتیان کرام وعلماء عظام کی انتھک محنت اورلگن سے اب ساتویں جلد تیار ہوگئی، جوجلد ہی قارئین کے ہاتھوں میں ہوگی۔ (انشاءاللہ)

الحمدللہ فتاویٰ علماء ہند کے عربی وانگریزی اوراردو کے دس جلدوں پر کام ہورہاہے، ہماری بے بضاعتی از ہرمن الشمس ہے، خدام ہرطرح سے تہی دامن ہیں، اصل قبولیت ہے، قارئین اس کی قبولیت کی دعافرمائیں۔

علماء وصلحائے امت نے جواس مجموعے کی قدر کی ہےاور جودعائیں اورتائیدات ان سے مل رہی ہیں، وہ ہمارے گمان سے بالاترہے۔

ذرانم ہوتو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

دعاہے کہ اللہ پاک اس کاوش کوقبول فرمائےاورتمام معاونین ومحسنین کوجزائے خیرعطافرمائےاورامت کواس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

وفقط واللہ الموفق

(بندہ شمیم احمد)

خادم منظمۃ السلام العالمیۃ ممبئی الہند

۸ر ستمبر ۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

تمام اہل علم کے نزدیک یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ فیّاضِ علم اللہ جل شانہٗ کی تکوینی عنایتوں سے عالم کا وجود ہوا، اور اِسی عطیہ علم وادراک سے معرفتِ الٰہیہ کا وہ آفتاب طلوع ہوا جس سے عالَم کا ہر ذرّہ اس کی شناخت کا علَم بن گیا، پھر علم ہی کے بحرِ ذخّار سے معارف واحکام کے گوہر آبدار برآمد ہوئے تو وہی ''فقہ'' قرار پایا اور وہی فیاضِ علم اپنے کلام نفسی وازلی میں ''مفتی اعظمِ اوّل'' کے آئینہ میں جلوہ نما ہوا۔ ارشاد فرمایا:

﴿یسئلونک قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلالۃ﴾(سورۃ النساء:۱۷۷)

''لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں تو آپ فرمادیجئے کہ اللہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے کلالہ کے بارے میں''۔

پھر اسی کی تجلّیِ علم کا پرتو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات، علم الاولین والآخرین کی روشن آیات، معلم کائنات اور وحی الٰہی کی سند سے سرفراز ''مفتی رشد وہدایت'' بن گئی۔

اللہ جل شانہ نے فرمایا:

﴿یسئلونک عن الأھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج﴾(سورۃ البقرۃ:۱۸۹)

''لوگ آپ سے نئے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو آپ جواب میں فرمادیجئے کہ وہ لوگوں کے لئے اوقات اور حج کی پہچان کا ذریعہ ہے''۔

﴿ویسئلونک ماذاینفقون. قل العفو﴾(سورۃ البقرۃ:۲۱۹)

''لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کتنا خرچ کریں تو آپ فرمادیجئے کہ جتنا آسان ہو''۔

اس طرح کی متعدد آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت ''مفتی شریعت'' فتاویٰ احکام صادر کرنے کی ذمہ داری عطا فرمائی گئی، عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ محدث دارالعلوم دیوبند نے اپنی نورانی تالیف ''فتاویٰ محمدی'' میں ان کو جمع فرمادیا ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص اصحابِ علم وافتاء کو اجراءِ فتویٰ کا اہل قرار دیا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

''تمسکوا بعھد أم ابن عبد''. (ابن مسعود کی ہدایت وحکم کو مضبوط پکڑے رہو)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ دعا دی:

''اللّٰھم فقھه فی الدین''. (اے اللہ! عبداللہ بن عباس کو دین کا فقیہ بنادے)۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے لئے فرمایا:

''واعلمھم بالحلال والحرام معاذبن جبل''. (معاذ بن جبل حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم ہیں)۔

علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ حضراتِ صحابہ کرامؓ میں جن کے فتاویٰ منقول ہیں ان کی تعداد ایک سوتیں (۱۳۰) ہے اور جن مخصوص فقیہ حضرات صحابہؓ نے بکثرت فتاویٰ جاری فرمائے، وہ سات ہیں: حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ۔ ان میں سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اجراءِ فتاویٰ کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ خلیفہ مامون کے پڑپوتے ابوبکر محمد نے بیس جلدوں میں ان کو جمع کیا ہے، دیگر حضراتِ صحابہؓ کے آثار وفتاویٰ مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ اور ابوعبداللہ سید بن کسروی کی کتاب ''موسوعۃ آثارالصحابہ'' کی تین جلدوں میں منقول ہیں۔

پھر دورِ صحابہؓ کے بعد عہدِ تابعین میں جو فقہاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی ''من اراداللّٰه به خیراً یفقھه فی الدین'' کے مصداق ہوئے، ان میں فقہ وفتاویٰ کا سب سے پہلا عظیم کارنامہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیا جس سے ائمہ کرام اور فقہاء عظام نے استفادہ کیا، چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''الناس فی الفقه عیال علی أبی حنیفه رحمه اللّٰه''. (لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں)۔

دوسرے الفاظ میں منقول ہے:

''من أرادالفقه فھوعیال علی أبی حنیفة''. (جو شخص بھی علم فقہ حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ امام ابوحنیفہ کا محتاج ہے)۔(الطبقات الکبریٰ، للشعرانی الشافعی: ۴٦/۱، التاج المکلل من الطرازالآخروالاوّل، لعلامة صدیق حسن بھوپالی السلفی: ۸۳، الانتقاء لابن عبدالبرالمالکی: ۲۱۰، تذکرة الحفاظ للذھبی: ۱۵۹/۱)

علامہ جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''أول من دوّن علم الشریعة ورتبھا أبوابا ثم تبعهٗ مالک بن أنس فی ترتیب الموطأ ولم یسبق أباحنیفة أحدٌ''. (تبییض الصحیفة: ۳٦)

''امام ابوحنیفہؒ پہلے شخص ہیں، جنھوں نے علم شریعت کو باب وار مرتب فرمایا، پھر اپنی ''موطا'' کی ترتیب میں امام مالکؒ نے امام ابوحنیفہ کا اتباع کیا اور اس میں کوئی بھی امام ابوحنیفہؒ سے آگے نہیں بڑھ سکا''۔

علامہ ابن حجر مکیؒ نے بھی اعترافِ حق کرتے ہوئے فرمایا:

"انهٔ أول من دوّن علم الفقه ورتبهٔ أبواباو كتباًعلى نحوماهوعليه اليوم وتبعهٔ مالک فی موطائهٖ". (الخيرات الحسان: ٢٨)

"امام ابوحنیفہؒ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم فقہ کو باب اور کتاب کی ترتیب پر مدوّن فرمایا اور اسی ترتیب پر آج کے دور میں علم فقہ مرتب ہے اور امام مالکؒ نے اپنی "موطا" میں انھیں کی پیروی کی ہے"۔

یوں تو چاروں ائمہ کرام امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فقہ اسلامی کے امام برحق ہیں؛ لیکن منجانب اللہ اس معاملہ میں فقہ حنفی کو کمیت و کیفیت کے اعتبار سے جو خصوصیت حاصل ہے، وہ اپنی نظیر آپ ہے، غالبًا اسی وجہ سے علمائے سلف وخلف میں مشہور ہے کہ!

الفقه زرعهٔ ابن مسعود وسقاه علقمه وحصدهٔ ابراهيم وداسهٔ حماد بن سليمان وطحنهٔ ابو حنيفه وعجنهٔ ابو يوسف وطبخهٔ الامام محمد والناس ياكلون. (المسک الذکی علی جامع الترمذی: ١/٦٤)

"فقہ کا کھیت عبداللہ بن مسعود نے بویا، اور علقمہ نے اس کو سینچا، ابراہیم نخعی نے اس کو کاٹا، حماد بن سلیمان نے اسے گاہ کر دانہ نکالا، امام ابوحنیفہ نے اسے پیس کر آٹا بنایا، ابو یوسف نے اس کو گوندھا، امام محمد نے اس کی روٹی پکائی اور اب تمام لوگ اسے کھا رہے ہیں"۔

بعد کے زمانوں میں بھی یہ خصوصیت برقرار رہی اور عرب سے عجم تک دنیا کے جس خطے میں بھی تمدنی، معاشرتی، صنعتی، معاملاتی، سیاسی، تجارتی اور علمی واخلاقی، ملکی وبین الاقوامی جدید مسائل پیدا ہوئے ان کا مکمل تشفی بخش حل فقہائے احناف نے شریعت اسلامیہ کے تمام مآخذ ومصادر سے استنباط کر کے دنیا کے سامنے پیش کر دیا اور اس طرح تقریباً ساڑھے بارہ لاکھ مسائل کا مرتب ومحفوظ خزینہ امت مسلمہ کے ہاتھوں میں آ گیا اور الحمدللہ یہ عظیم الشان کارنامہ زیادہ تر حکومت مسلمہ کی سرپرستی کے بغیر فقہائے احناف کی ذاتی دلچسپی اور ذوقِ تفقہ کی بدولت وجود میں آیا، یہاں بطور نمونہ اس کا مختصر تعارف مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱)　خزانۃ الفقہ، امام ابواللیث السمرقندی، متوفی ص ۳۸۳ھ۔

(۲)　الواقعات للناطفی، احمد بن محمد بن عمر الناطفی تلمیذ امام جصاص رازیؒ متوفی ۴۴۶ھ۔

(۳)　عیون المسائل ۹ جلدیں، ابوالقاسم عبداللہ ابن احمد البلخی متوفی ۳۱۹ھ۔

(۴)　المبسوط، شمس الائمہ ابوبکر محمد ابن احمد ابوسھل السرخسی متوفی ۴۸۳ھ، ۳۰ جلدیں مصری۔

(۵)　فتاویٰ خانیہ، امام فخرالدین حسن بن منصور الاوزجندی المعروف بقاضی خاں متوفی ۵۹۲ھ، ۳ جلدیں۔

(۶) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی متوفی ۵۸۳ھ، ۱۰ جلدیں۔

(۷) کفایہ، ۸۰ جلدیں، اوراس کی تلخیص الھدایہ، علی بن ابی بکر برھان الدین المرغینانی متوفی ۵۹۳ھ۔

(۸) المحیط البرھانی، ۴۰ جلدیں، علامہ برہان الدین محمد متوفی ۶۱۶ھ۔

(۹) الفتاویٰ الحنفیہ، سعد الدین بن مسعود متوفی ۷۹۳ھ۔

(۱۰) فتاویٰ التاتارخانیہ ۲۳ جلدیں، علامہ علاء الدین الانصاری دہلوی متوفی ۷۸۶ھ بتحقیق قاضی سجاد حسینؒ۔

(۱۱) شرح فتح القدیر، ۸ جلدیں، کمال الدین ابن الھمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ۔

(۱۲) البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ۸ جلدیں، زین الدین ابراہیم المعروف بابن نجیم مصری متوفی ۹۷۰ھ۔

(۱۳) ردالمحتار علی الدر المختار، علامہ ابن عابدین الشامی متوفی ۱۲۵۲ھ، ۱۲ جلدیں۔

(۱۴) الفتاویٰ الھندیہ المعروف بالفتاویٰ العالمگیریہ، متوفی ۱۱۱۸ھ، ۱۲ جلدیں۔

(۱۵) فتاویٰ سراجیہ، علامہ سراج الدین عمر بن علی الاوشی، علی ھامش فتاویٰ قاضی خاں۔

(۱۶) فتاویٰ بزازیہ، حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن البزاز متوفی ۸۲۷ھ، ۳ جلدیں۔

(۱۷) مجلۃ الاحکام العدلیۃ للجنۃ علماء الخلافۃ العثمانیۃ الترکیہ۔

یہ چند تالیفاتِ فقہاء احناف کا ایک سرسری تذکرہ ہے ورنہ پوری فہرست کو جمع کیا جائے تو خود ایک ضخیم کتاب تیار ہوجائے گی اوراسے مزید وسعت دے کر ائمہ ثلاثہ کے مسالکِ فقہیہ کی تالیفات کو شامل کرلیا جائے تو کئی مجلدات کا اس فہرست میں اضافہ ہوجائے گا۔

یہاں اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم کا اعتراف ضروری ہے کہ اس نے فقہاء احناف کے ذریعہ ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو شریعت کے معاملہ میں خودکفیل بنادیا ہے اور کتاب وسنت کے سرچشمہ سے براہِ راست سیرابی واستفادہ میں ایسی بھرپور اہلیت وصلاحیت بخشی ہے جس کی بدولت حال ومستقبل کی تمام فقہی ضروریات کی فراہمی اور جدید مسائل کے حل میں وہ کسی کے دست نگر نہیں ہیں، ان کے عظیم الشان فقہی کارناموں کا بہت ہی مختصر جائزہ حسب ذیل ہے:

(۱) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، ۱۸ جلدیں، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ متوفی ۱۳۴۷ھ تحقیق وتعلیق حضرت مفتی ظفیر الدین صاحبؒ۔

(۲) فتاویٰ مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ، ۳ جلدیں، ان کی دیگر عربی تحقیقات فقہیہ کے علاوہ۔

(۳) امداد الفتاویٰ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ متوفی ۱۳۶۲ھ، ۶ جلدیں، ان کی ایک ہزار دیگر تصنیفات کے علاوہ۔

(۴)　کفایۃ المفتی، ۹ جلدیں، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵)　فتاویٰ محمودیہ کامل جدید، ۳۱ جلدیں، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۶)　نظام الفتاویٰ، ۳ جلدیں، حضرت مفتی نظام الدین مفتی دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ۔

(۷)　فتاویٰ یوسفیہ مکمل ۴ جلدیں، حضرت مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۸)　جواہر الفقہ ۵ جلدیں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم پاکستان متوفی ۱۳۹۶ھ۔

(۹)　احسن الفتاویٰ ۱۰ جلدیں، حضرت مولانا رشید احمد صاحب پاکستانی۔

(۱۰)　فتاویٰ امارت شرعیہ ۵ جلدیں، مفتیان کرام امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ، جھارکھنڈ۔

(۱۱)　اسلام اور جدید معاشی مسائل ۸ جلدیں، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی جسٹس پاکستانی شریعت کورٹ۔

(۱۲)　قاموس الفقہ ۵ جلدیں، حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی۔

(۱۳)　جدید فقہی مسائل ۵ جلدیں۔

(۱۴)　ترجمہ اردو موسوعہ فقہیہ کویتیہ ۴۵ جلدیں، فقہ اکیڈمی انڈیا دہلی۔

(۱۵)　اسلامی فقہ اکیڈمی دلّی کی فقہی مطبوعات ۲۳ جلدیں۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ مذکورۂ بالا سطور ابھی زیر تحریر تھیں کہ خود حضرت مرتب ''فتاویٰ علماء ہند'' کی عنایت بے غایت سے مطبوعہ تین جلدیں نظر نواز ہوئیں اور ابھی پہلی جلد کو ہی پڑھنا شروع کیا تو حیرت واستعجاب کے عالم میں بڑھتا گیا۔ آگے بڑھتا گیا اور حضرت مرتب کی علمی کمالات، فقہی تعلیمات اور بصیرت افروز تحقیقات کی بلندیوں تک جیسے جیسے چڑھتا گیا تو میری نگارشات خود میری نظر میں پست سے پست تر ہوتی چلی گئیں اور اپنی علمی کوتاہ نظری، بے بصیرتی، کم سوادی، بے بضاعتی اور فکری کم مائیگی کا احساس شدید مجھے شرمندہ کرنے لگا۔

واقعہ یہ ہے کہ فقہ وفتاویٰ کے بحر ناپائیدار کنار میں مجھے آج تک ایسا شناور، ماہر تیراک بہت کم نظر آیا، جس نے ''فتاویٰ'' کی تاریخی تفصیلات، اس کی ساری جزئیات اور اس کے باریک ونازک ترین گوشوں کے علم وادراکات تک اس درجہ میں رسائی حاصل کی ہو کہ ۳۳۸ صفحات پر مشتمل ضخیم مقدمہ اور ۳۰۷ عنوانات پر محیط وبسیط ''قاموس الفتاویٰ'' یعنی فتاویٰ انسائیکلوپیڈیا مرتب کر کے علمی دنیا کے حوالہ کر دیا ہو، جو نہ صرف چشم کشا، کحل البصر ہو؛ بلکہ اس وادیٔ سنگلاخ کے مسافر خجستہ گام کے لئے خضر راہ بھی ہو۔

مجھے یقین ہے کہ میری اس رائے کی تمام اہل علم بھی تائید کریں گے کہ یہ ''مقدمہ'' اس لائق ہے کہ ''فتاویٰ علماء ہند'' سے الگ مستقل کتابی صورت میں اس کو شائع کیا جائے؛ تاکہ وہ اہل علم، اربابِ فضل وکمال اور اصحاب افتاء اور طلباء

معاہدِ فقہ اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرسکیں اور مرتب موصوف کی فیوضات علمیہ عام اور اس کا نفع تام ہو۔

''مقدمہ'' کے بعد جب ''فتاویٰ علماء ہند'' کے استفتاء اور جوابات، ان کے حوالجات اور حوالوں کی تخریجات، مسائل کی تحقیقات اور ان کی تعلیقات کو دیکھا تو مزید حیرت ہوئی کہ جس مرتب دامت برکاتہم کی زندگی، علمی، قومی، سماجی، دینی اور ملی خدمات میں گھری ہوئی ہو اور علوم شرعیہ کو علوم عصریہ سے مربوط کر کے ملت مسلمہ کی دینی، اخلاقی اور معاشی خود کفالت کی راہ ہموار کرنے میں شب وروز مصروف ہو، اس سے یہ کس طرح ممکن ہوسکا کہ اتنا بڑا پاپڑ بیلنے کے ہم معنی عظیم وضخیم اور طویل وعریض کارنامہ انجام دے، جس کا حوصلہ بڑے سے بڑا متبحر، موقر اور دیدہ ور عالم اور بالغ نظر مفتی بھی نہ کرسکا۔ بات صرف دس بیس جلدوں میں تکمیل کی ہو، تب بھی بہت بڑی بات ہے؛ لیکن یہاں تو منصوبہ پورے ساٹھ جلدوں میں سمندر آباد کرنے کا ہے، جو حضرت علامہ ابن تیمیہ کے ''فتاویٰ ابن تیمیہ'' کے ہم پلّہ وہم سر کارنامے کی طرح تیس، چالیس ہزار صفحات میں ساٹھ جلدوں تک محیط ہو۔ ظاہر ہے کہ دینی علوم کے اس دورِ زوال میں ''دیوانے کے خواب'' کی مکمل تعبیر حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی دامت برکاتہم جیسا ''صاحب کرامت'' مفتی ہی فراہم کرسکتا ہے جس کے عزم وارادہ کی پشت پر حضرت مولانا محمد اسامہ الندوی جیسا اہم بامسمیٰ بلند حوصلہ عالم دین کھڑا ہو۔

یہ محض اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے ہندوستان کی ملتِ اسلامیہ کو اپنے دینی اور تہذیبی تشخص کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے محسن ملت حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ امارت شرعیہ بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ جیسا وسیع الجہات خدمات کا تاریخی ادارہ عطا فرمایا جس کا ایک قابل قدر حصہ اور لائق تحسین کردار خود مرتب ''فتاویٰ علماء ہند'' ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس ادارے کی فیوض وبرکات کے ظہور نے ہی حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی دام مجدہم کے شخصی پیکر کو عظیم شخصیت کے رنگ ونور میں تبدیل کیا اور اسی شخصیت سے اس علمی کارنامے کا صدور ہوا۔

چالیس، پینتالیس سال پہلے دارالعلوم دیوبند کے دورِ طالب علمی میں مولانا انیس الرحمٰن صاحب میری سرپرستی میں زیر تعلیم تھے۔ اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اسی دور میں وہ:

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

کا مصداق تھے اور بعد کے زمانوں میں وہ جیسے جیسے آگے بڑھتے رہے، ان کا ''شخص'' بہتر سے بہتر ''شخصیت'' کے سانچے میں ڈھلتا رہا؛ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قاضی شریعت، ناظم امارت شرعیہ، رکن مسلم پرسنل لا بورڈ، چیئرمین بہار اسٹیٹ حج کمیٹی، اور فاؤنڈر یوسف ڈگری کالج اور نہ جانے کتنے مدارس اور ملی رفاہی وفلاحی اداروں کا بانی وسرپرست بنایا۔

کسی شاعر نے سچ کہا ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی دامت برکاتہم کو اوروں نے پڑھا، یا دور سے دیکھا ہوگا؛ لیکن میں نے انھیں بہت قریب سے دیکھا بھالا اور سمجھا بوجھا ہے، وہ اتنے بااخلاق، کریم الصفات اور متواضع اور منکسر المزاج، صاحب تقویٰ اور سنجیدہ طبیعت عالم ہیں کہ ان کی مثال خال خال ہی مل سکے گی۔ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں قیام کے دوران میری گنہگار آنکھوں نے متعدد بار خود یہ منظر دیکھا ہے کہ مہمانوں کے ساتھ دسترخوان پر حق میزبانی ادا کرنے کے لئے شریک طعام تو ضرور ہوتے تھے؛ لیکن اپنے گھر سے اپنا ٹیفن منگا کر ہی کھاتے تھے، اس طرح فتویٰ اور تقویٰ کے امتزاج کا اتنا صالح نمونہ اس دور میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے اور اس آئینہ میں مجھے فتاویٰ علماء ہند کی حال و مستقبل میں کامیابی اور پذیرائی اور مقبولیتِ خدائی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔

اخیر میں اس اعتراف کے ساتھ اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ میں کتاب اور مرتب کتاب سے متعلق بہت سے گوشوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکا، بہت سی جزئیات کا احاطہ نہیں کر سکا اور اپنے علم وادراک کی کوتاہی کے سبب بہت سی قابل ذکر تفصیلات کو دائرہ تحریر میں سمیٹ نہیں سکا؛ کیونکہ دشتِ علم کی سیّاحی اور صحرائے فقہ وفتاویٰ کی جادہ پیمائی کیلئے جس ژرف نگاہی اور وسعتِ نظری ومعرفت آگاہی کی ضرورت تھی وہ اپنے اندر فراہم نہیں کر سکا اور اس احساس کے ساتھ اشہب قلم کو آگے بڑھنے سے روکنا پڑا کہ ؎

مجھے کچھ اور ابھی اذنِ خوں فشانی دے
ترا جمال بہت تشنۂ بیاں ہے ابھی

حررہٗ العبد
محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی
شیخ الحدیث مدرسہ امداد الاسلام
صدر بازار میرٹھ، یوپی
09837060386

تأثرات

باسمه العلی القدیر والصلاة علی رسوله البشیر النذیر، أما بعد!

میرے علمی، فقہی اور دینی ساتھی مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی صاحب اور اس عظیم کتاب کی تالیف اور نشر واشاعت کے تمام معاونین کے نام　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بفضلہ تعالیٰ عشرۂ اولیٰ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ میں عمرہ کے ارادہ سے مکۃ المکرّمہ حاضری کا شرف حاصل ہوا، بندہ ایک شب حضرت مولانا ذوالفقار احمد دامت برکاتہم سے ملاقات کے لیے گیا اور رہائش گاہ کے باہر مولانا سے ملاقات کے انتظار میں تھا، دیکھا کہ بعض احباب مجھ سے پہلے حضرت مولانا سے ملاقات کے انتظار میں کھڑے ہیں، انہیں میں سے ایک صاحب نے مجھے ایک رقعہ عطا فرمایا، جس میں ’فتاویٰ علماء ہند‘‘ سے موسوم گذشتہ دوسو سالوں میں دیئے گئے فتاویٰ کے مجموعہ اور ایک علمی فقہی موسوعہ کی طباعت کی خوشخبری تھی، قسم بخدا! اس مجموعہ کی ترتیب کی بشارت مجھے نصیب ہوئی، اس بیش بہا علمی خزانہ کی جمع وترتیب اور نشر واشاعت پر آپ کو اور آپ کے تمام رفقا کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

پھر میں انگلینڈ آ گیا اور اسی سال ماہ ذی قعدہ میں اس کتاب کی مسائل طہارت پر مشتمل کامل تین جلدیں موصول ہوئیں، کیا تھا! علمی جواہر پاروں کی ایک دکان اور قیمتی دفینہ، جب جب میں نے اس کا مطالعہ کیا، خوب سیر ہوا، روح کو سیرابی ملی اور تشنگی دور ہوئی۔ (والحمد للّٰہ علی ذلک)

اللہ آپ کی کوششوں کو قبول فرمائے، امید ہے کہ ان شاء اللہ مکمل مجموعہ کی طباعت کے بعد یہ کتاب تمام انسانوں کے لیے نفع بخش، باریک جزئیات کا خزانہ، حقائق کو پہچاننے کی علامت، صاف وشفاف خوشگوار سمندر اور تفصیلی وضاحت ہوگی، جو ایک علمی جواب، بدعات وخرافات اور جہالت سے بچنے کا ذریعہ، مبتدی کے لیے راہنما اور ماہرفن کے لیے کافی، ہر طالب علم کے لیے آسان فہم، ہر مسائل کے لیے ایک واضح روشنی اور فقہ حنفی کے تمام مسائل کی ایک کامل ومکمل تشریح ہوگی اور ان شاء اللہ آپ کا یہ منصوبہ اسلامی کتب خانہ کے ذخیرہ کا ایک نایاب موتی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی کوششوں اور محنتوں کو کامیاب فرما کر میزان عمل میں نیکیوں کا ذریعہ اور آپ کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے اور اسے قبولیت سے مالامال فرما کر آنے والی نسلوں تک کے لیے نفع کا سامان بنائے، بے شک اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

تاخیر جواب کے لیے معذرت!　　　　والسلام

بندہ محمد ایوب سورتی عفا اللہ عنہ
مدیر مجلس دعوۃ الحق، ستر، انگلینڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خاتم الأنبياء والمرسلين المبعوث رحمةً للعالمين محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد!

یہ بندہ ناتواں تہہ دل سے بارگاہ رب العزت میں شکر گذار ہے کہ اس نے محض اپنے لطف وکرم سے ''فتاویٰ علماء ہند'' جلد ہفتم پیش کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی، یہ جلد نماز کے فرائض، واجبات، سنن ومستحبات وغیرہ کے مسائل پر مشتمل ہے۔

اس جلد کی تصحیح وتوثیق میں نظر ثانی ونظر نہائی میں ہمارے علماء کرام ومفتیان عظام نے خوب محنت اور بڑی جاں فشانی کے ساتھ کام کیا ہے۔

حاشیہ میں اور دیگر مفتی بہ مسائل میں اضافے کا اہتمام کرتے ہوئے آثار واقوال کو نقل کرتے ہوئے نصوص کے ذریعے اور بھی مدلل کرنے کی کوشش کی ہے، اللہ پاک ان بزرگوں اور دوستوں کی محنت کو خوب قبول فرمائے اور ذخیرہ آخرت بنائے۔ (آمین)

یہ موسوعہ بارگاہ الٰہی میں قبول ہو جائے، اس کے لیے ملک وبیرون ملک کے اسفار کئے جارہے ہیں اور مشائخ طریقت علمائے شریعت، اصحاب فقہ وفتاویٰ کی خدمت میں کتابیں بھیجی جارہی ہیں، ان کی دعاؤں اور توجہات سے کام تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے، اللہ پاک اپنے فضل وکرم سے پایۂ تکمیل تک پہونچائے۔ (آمین)

محمد اسامہ شمیم الندوی

رئیس المجلس العالمی للفقہ الإسلامی ممبئ الہند

۷ر ستمبر ۲۰۱۶ء

ابتدائیہ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

به الإعانة بدءاً وختماً وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم ، أمابعد !

نماز تمام عبادتوں میں سب سے عظیم ہے، اسی لیے شریعت میں اہتمام کے ساتھ اس کے فضائل، اوقات، شروط وارکان، مستحبات وآداب اور مکروہات ومفسدات کو بیان کیا ہے؛ تاکہ نماز کا مقصد یعنی نفس کی صفائی ستھرائی حاصل ہوجائے اور نماز ادا کرنے والے ملکوتی صفات سے متصف ہوں جائیں۔

اللہ تعالیٰ شانہ کا شکر ہے کہ اس نے **"فتاویٰ علماء ہند"** کی نماز کے مسائل سے متعلق "جلد-۷" کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی، فتاویٰ کی اہمیت وافادیت ابتداء اسلام سے اب تک برقرار ہے، انشاء اللہ آئندہ بھی رہے گی۔ اس جلد میں نماز کے فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، مکروہات وغیرہ سے متعلق مسائل کو شامل کیا گیا ہے۔ جن اہم فتاویٰ سے سوال وجواب لیا گیا ہے، ان کا حوالہ بھی ہر فتووں کے ساتھ درج کیا گیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتیٰ بہ مسائل کا اضافہ بھی کردیا گیا ہے۔ امید ہے کہ علما، ائمہ، اہل مدارس اور اصحاب افتا خاص طور پر اس سے فائدہ اٹھائیں گے، حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے آثار واقوال کو نقل کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ مدلل بھی ہوگئے ہیں۔ (والحمد للہ علی ذٰلک)

میں ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن کے ارکان اور اپنے تمام معاونین، مخلصین کا شکر گذار ہوں؛ جن کی توجہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ رہا ہے، اسی طرح شکر گذار ہوں اپنے بزرگوں کا، جنہوں نے اس مجموعہ کے بارے میں اپنے تأثرات تحریر کئے، خاص طور پر حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی صاحب شیخ الحدیث مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ دامت برکاتہم کا جنہوں نے گراں قدر مقدمہ تحریر فرمایا، اسی طرح شکر گذار ہوں حضرت مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی دامت برکاتہم کا جنہوں نے سابقہ جلدوں کی طرح اس جلد پر بھی نظر ثانی کی اور مفید مشورے دیئے، اللہ ان تمام معاونین ومخلصین کی اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور میرے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

۲۸ رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ
۴ جولائی ۲۰۱۶ء

(انیس الرحمٰن قاسمی)
مرتب فتاویٰ علماء ہند
ناظم امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ

تکبیر تحریمہ - احکام ومسائل

تکبیر تحریمہ کی فرضیت:

سوال: نماز کے لئے تحریمہ شرط ہے یا سنت یا مستحب، اگر کوئی تکبیر نہ کہے، تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب

تکبیر تحریمہ نماز کے فرائض میں سے ہے، بغیر تکبیر تحریمہ کے نماز نہیں ہوتی۔(۱)

قال الحصکفی: (من فرائضها) التی لاتصح بدونها (التحریمة) قائمًا وهی شرط فی غیر جنازة علی القادر، به یفتیٰ. (الدرالمختار)

قال ابن عابدین تحت قوله علی القادر: متعلق بشرط لتضمنه معنی الفرض أی وهی شرط مفترضٌ علیه. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۱/ ٤٤٢) (۲) (فتاویٰ حقانیہ: ۳/۲-۷۳)

(۱) نماز کے اندر بعض اعمال فرض، بعض واجب، بعض سنت اور بعض مستحب ہیں۔ نماز کے اندر فرض اعمال (شرائط وارکان) یہ ہیں: (۱) تکبیر تحریمہ (۲) قیام (۳) قراءت (۴) رکوع (۵) سجدہ (۶) قعدۂ اخیرہ (۷) قعدۂ اخیرہ کے بعد نماز سے نکلنا۔ (شامی: ۱/۲۵۸) ان میں سے کوئی جان بوجھ کر یا بھول چوک سے چھوٹ جائے، تو نماز نہ ہوگی، پھر سے (دوبارہ) نماز پڑھنی پڑے گی۔ (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۱۸۔ انیس)

(۲) منها التحریمة... وهی شرط عندنا حتی أن من یحرم للفرائض کان له أن یؤدی بها التطوع هکذا فی الهدایة. (الفتاویٰ الهندیة، باب صفة الصلاة، الفصل الأول: ۱/ ٦٨)

﴿وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلّٰی﴾. (سورة الأعلیٰ: ١٥)

فجعله مصلیاً عقیب الذکر فدل ذلک علی أنه أراد ذکر التحریمة. (أحکام القرآن للجصاص: ۱/۷، ط: دارالکتب العلمیة. انیس)

عن رفاعة بن رافع قال: کنا مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم دخل رجل المسجد فصلی ورسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یرمقه ولایشعر ثم انصرف فأتی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فسلم علیه، فرد علیه السلام ثم قال: ارجع فصل فإنک لم تصل، قال: لا أدری فی الثانیة أو فی الثالثة، قال: والذی أنزل علیک الکتاب لقد جهدت فعلمنی وأرنی، قال: إذا أردت الصلاة فتوضأ فأحسن الوضوء ثم قم فاستقبل القبلة ثم کبر، ثم اقرأ، ثم ارکع حتی تطمئن راکعاً ثم ارفع حتی تعتدل قائماً ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً ثم ارفع رأسک حتی تطمئن قاعداً ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً فإذا صنعت ذلک فقد قضیت صلاتک وما انتقصت من ذلک فإنما تنقصه من صلاتک. (سنن النسائی، باب الرخصة فی ترک الذکر فی الرکوع (ح: ١٠٥٣)

==

نماز میں تکبیرات کہنا واجب ہیں یا سنت:

سوال: نماز میں تکبیرات کا کہنا سنت ہے یا واجب؟

الجواب

تکبیر تحریمہ تو فرض ہے اور باقی رکوع وسجدہ کی تکبیریں سنت ہیں۔

كما في الهندية: ٤٢/١ :فرائض الصلاة وهى ست منها التحريمة.

وفيه أيضًا، ص: ٤٥ :سننها رفع اليدين للتحريمة (إلى أن قال) وتكبير الركوع وتسبيحه ثلاثاً وأخذ ركبتيه بيديه وتفريج أصابعه وتكبير السجود والرفع.(١)

احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ۔ الجواب صحیح: ظفر احمد عفی عنہ۔ ۵/ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ۔ (امداد الاحکام: ۹۱/۲)

تکبیر تحریمہ میں کونسی چیز فرض یا واجب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ تکبیر تحریمہ میں کونسی چیز فرض اور کیا واجب اور سنت ہے، اشاعت فتاویٰ عالمگیری کیلئے باحوالہ جواب کا احتیاج ہے، کیونکہ عالمگیری میں نماز کے لئے واجبات میں تکبیر تحریمہ کے بارے میں کوئی چیز ذکر نہیں ہے۔ بینوا توجرا۔

(المستفتی: محمد صادق ناظم مجلس منتظمہ اشاعت فتاویٰ ہندیہ، سہگل، جہلم)

الجواب

تکبیر تحریمہ شرط اور فرض ہے۔ (الدرالمختار، باب صفة الصلاة) (٢) اور بالخصوص "الله أكبر" پڑھنا واجب یا سنت ہے۔ (الدرالمختار مع ردالمحتار: ٤٤٧/١) (٣) فقط (فتاویٰ فریدیہ: ۲۳۸/۲-۲۳۹)

== ولفظ البخارى ومسلم: إذا قمت إلى الصلاة فأسبغ الوضوء ثم استقبل القبلة فكبر. (الصحيح للبخارى، باب من رد فقال: عليك السلام (ح: ٦٢٥١)/ الصحيح لمسلم، باب وجوب قرأة الفاتحة فى كل ركعة (ح: ٣٩٧) انيس)

(١) الفتاوىٰ الهندية، الباب الرابع فى صفة الصلاة، الفصل الأول فى فرائض الصلاة/ والفصل الثالث فى سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها/ وكذا فى كنز الدقائق، باب صفة الصلاة: ١٦٠/١. انيس

(٢) قال العلامة الحصكفى: من فرائضها التحريمة وهو شرط. (الدرالمختار علىٰ صدر ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ٣٢٦/١)

(٣) قال العلامة الحصكفى: (وإذا أراد الشروع فى الصلاة كبر) لو قادرًا (للافتتاح) أى قال وجوباً الله أكبر.

قال ابن عابدين: وأجيب بأنه يفيد السنية أو الوجوب. (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب صفة الصلاة، فصل فى بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها: ٣٥٤/١)

نوٹ: بلاشبہ تکبیر تحریمہ فرض یا شرط ہے؛ لیکن سائل کا منشا تکبیر تحریمہ کے حکم کو جاننا نہیں ہے، بلکہ مقصود یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ میں کیا باتیں فرض یا واجب یا سنت ہیں، چنانچہ فقہا کی صراحت کے مطابق تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہنا واجب ہے، یعنی تکبیر تحریمہ میں قیام واجب ہے، اگر تکبیر تحریمہ سے پہلے جھک جائے پھر تکبیر کہے تو نماز صحیح نہیں ہوگی اور اللہ اکبر کہنے کو بعض فقہا نے واجب اور بعض نے مسنون قرار دیا ہے، اس لیے دوسرے کلمات جیسے اللہ اجل، اللہ اعظم وغیرہ سے احتراز بہتر ہے۔ انیس

تکبیر تحریمہ جس طرح مرد کیلئے ضروری ہے، عورت کیلئے بھی ضروری ہے:

سوال: تکبیر تحریمہ عورت کو بوقت نماز کہنا فرض ہے یا نہیں؟

الجواب ___________

تکبیر تحریمہ عورت اور مرد سب کو کہنا چاہئے، اس میں مردوں کی کچھ تخصیص نہیں ہے۔ کما فی عامة کتب الفقه. (۱)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۵۰)

مقتدی کے لئے تکبیر تحریمہ کا حکم:

سوال: مقتدی کے لئے تکبیر تحریمہ کہنا ضروری ہے یا امام کے تحریمہ سے کام چل جائے گا؟

الجواب ___________ وباللّٰہ التوفیق

امام ہو یا مقتدی ہر ایک کے لئے تکبیر تحریمہ کہنا فرض ہے، امام کا تحریمہ کہنا مقتدی کے تحریمہ کے لئے کافی نہیں ہے۔

(من فرائضها)التی لاتصح بدونها(التحریمة). (الدرالمختار علیٰ صدر رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۲/۱۲۷-۱۲۸)(۲)فقط واللّٰہ أعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی۔۲۴/۳/۱۴۰۸ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۳۸۵)

(۱) (من فرائضها)التی لاتصح بدونها(التحریمة)قائمًا وهی شرط.(الدرالمختار)

التحریمة:المراد بها جملة ذکر خالص مثل:"اللّٰه أکبر".(رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۱۱، ظفیر)

(۲) وإذا أراد الشروع فی الصلوٰة کبّر)لوقادرًا(للافتتاح)أی قال وجوبًا اللّٰه أکبرولایصیرشارعًا بالمبتدأ فقط کاللّٰه، ولا بأکبرفقط، هوالمختار.(الدرالمختار)

لأن الشرط الإتیان بجملة تامة ، الخ.(رد المحتار: ۲/۱۷۸)

(ینبغی الخشوع فی الصلاة وإذا أراد الدخول فیها کبر حاذقاً بعد رفع یدیه محاذیاً بإبهامیه شحمتی أذنیه وقیل ماساً وعند أبی یوسف یرفع مع التکبیر لا قبله والمرأة ترفع حذاء منکبیها ومقارنة تکبیر المؤتم تکبیر الإمام أفضل خلافاً لهما) ... فلو کبر قبله لم یصر شارعاً وکذا لو قال اللّٰه مع الإمام وأکبر قبله علی الأصح لأنه إنما یصیر شارعاً بمجموع الله أکبر لا بقوله الله فقط أو أکبر فقط وهذا ظاهر الروایة کما أفاده المصنف،قال فی البحر وهو المختار، بقی لو کبر غیر عالم بتکبیر إمامه ففی منیة المصلی وغیره إن کان أکبر رأیه إنه کبر قبله فلا یجزیه وإلا أجزأه ... (ولوقال بدل التکبیر اللّٰه أجل أو أعظم أو الرحمن أکبر أو لا إله إلا اللّٰه أو کبر بالفارسیة صح) فی الکل مع کراهة التحریم علی الراجح کما حرره فی البحر.(الدرالمنتقیٰ شرح المجمع،فصل فی صفة شروع الصلاة: ۱/۱۳۷-۱۴۰. دارالکتب العلمیة بیروت،انیس)

بزبان فارسی تکبیر تحریمہ کہنے سے نماز کا حکم:

سوال: تکبیر تحریمہ فارسی زبان میں کہہ کر نماز شروع کرے، تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب

امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق فارسی زبان میں تکبیر تحریمہ کہنے سے نماز صحیح ہوجائے گی، لیکن صاحبین کے نزدیک نماز درست نہ ہوگی، اگرچہ امام صاحب کے مذہب کے مطابق نماز درست ہے، پھر بھی خلاف سنت ہونے کی وجہ سے جو شخص عربی زبان پر قدرت رکھتا ہو، اس کے لئے فارسی زبان میں تکبیر تحریمہ کہنا مکروہ تحریمی ہے۔(۱)

ملاحظہ ہو! بدائع الصنائع میں ہے:

ولو افتتح الصلاة بالفارسية بأن قال ''خدائ بزرگ تر'' أو ''خدائ بزرگ'' يصير شارعًا عند أبي حنيفة وعندهما لايصير شارعًا إلا إذا كان لايحسن العربية. (بدائع الصنائع: ۱۳۱/۱، سعید کمپنی)

درمختار میں ہے:

(كما صح لوشرع بغيرعربية... قلت: وجعل العيني الشروع كالقراءة لاسلف له فيه) أي لم يقل به أحد قبله، وإنما المنقول أنه رجع إلىٰ قولهما في اشتراط القراءة بالعربية إلا عند العجز، أما مسئلة الشروع فالمذكورفي عامة الكتب حكاية الخلاف فيها بلا ذكررجوع أصلا (قوله ولاسند له يقوى) أي ليس له دليل يقوى مدعاه، لأن الإمام رجع إلىٰ قولهما في اشتراط القراءة بالعربية، لأن المأموربه قراءة القرآن... أما الشروع بالفارسية فالدليل فيه للإمام أقوى، وهو كون المطلوب في الشروع الذكروالتعظيم، وذلک حاصل بأي لفظ كان، وأي لسان كان، نعم لفظ ''اللّٰه أكبر'' واجب للمواظبة عليه لا فرض. (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۴۸۴/۱، سعید)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولو كبربالفارسية جاز، هكذا في المتون، سواء كان يحسن العربية أولا إلا أنه إذاكان يحسنها يكره وعلىٰ قول أبي يوسف ومحمد لايجوز، إلا إذاكان لا يحسن العربية، هكذا في المحيط. (الفتاویٰ الهندية: ۶۹/۱، الباب الرابع في صفة الصلاة)

---

(۱) یعنی ''اللّٰه أكبر'' کے الفاظ سے نماز شروع کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک توارث اور امت کا ان الفاظ سے ہی نماز شروع کرنے کا اہتمام؛ کی وجہ سے یہ واجب ہے، فرض نہیں اور واجب کے ترک سے نماز صحیح ہوجاتی ہے، البتہ اس میں کراہت آجاتی ہے۔

(قوله: لايوجب فساداً ولا سهواً) أي بخلاف ترک الفرض فإني يوجب الفساد وترک الواجب فإنه يوجب سجود السهو. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة: ۴۷۴/۱، دارالفكر. انیس)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

الصحیح أنه یصح الشروع عنده بغیر العربیة ولو کان قادرًا علیها مع الکراهة التحریمیة للقادر لأن الشروع یتعلق بالذکر الخاص وهو یحصل بکل لسان. (حاشیة الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح: ۲۸۰، قدیمی)

اوجز المسالک میں ہے:

والثابت بالخبر اللفظ المخصوص فیجب العمل به حتیٰ یکره لمن یحسنه ترکه. (أوجز المسالک: ۷۶/۲، باب افتتاح الصلاة، دار العلوم دمشق) **واللّٰه سبحانه وتعالیٰ أعلم** (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۱۲۸/۲-۱۳۰)

تکبیر تحریمہ اور رکوع اور سجدہ میں جانے کی تکبیر کب کہی جائے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ تکبیر تحریمہ کب کہے؟ ہاتھ باندھنے سے پہلے یا ہاتھ باندھ کر؟

(۱) اگر امام صاحب کان تک ہاتھ اٹھانے کے بعد جب ناف تک پہنچے اس وقت تکبیر تحریمہ کہے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

(۲) اگر امام صاحب کا ہاتھ ناف تک پہنچے اس وقت تکبیر کا ایک جزء کہے اور ہاتھ باندھنے کے بعد دوسرا جزء تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

(۳) غرضکہ تکبیر تحریمہ کب شروع کرے اور کب ختم کرے؟

(۴) رکوع وسجود کی تکبیرات کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

(۵) اگر امام نماز میں تکبیرات خلاف سنت کہے تو شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب

تکبیر تحریمہ یا تکبیر اولیٰ اور رفع یدین کے بارے میں تین قول ہیں:

(۱) پہلے رفع یدین کرے؛ یعنی دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر تکبیر (اللہ اکبر) شروع کرے اور تکبیر ختم ہوتے ہی ہاتھ باندھ لے۔

(۲) تکبیر اور رفع یدین دونوں ایک ساتھ شروع کرے اور ایک ساتھ ختم کرے۔

(۳) پہلے تکبیر شروع کر کے فوراً ہاتھ اٹھا کر ایک ساتھ ختم کر دے۔ (البحر الرائق: ۳۰۵/۱، در مختار مع الشامی: ۴۶۵/۱)(۱)

---

(۱) ولم یبین المصنف وقت الرفع لأنه عبر بالواو وهی لمطلق الجمع، وفیه ثلاثة أقوال:

القول الأول أنی یرفع مقارناً للتکبیر، وهو المروی عن أبی یوسف قولاً والمحکی عن الطحاوی فعلاً ==

مذکورہ تینوں صورتوں میں سے پہلی اور دوسری صورت افضل ہے، تیسری صورت بھی جائز ہے، مگر معمول بہا نہیں ہے۔ (ہدایہ:۱/۸۴)(۱) (شامی، البحر الرائق وغیرہ)

اور جوہرہ میں ہے، اصح یہ ہے کہ اولاً نمازی دونوں ہاتھ اٹھائے، جب دونوں ہاتھ کان کے محاذات میں پہنچ کر قرار پکڑیں، تب تکبیر شروع کرے۔ (جوہرہ:۱/۴۹)(۲)

(۱) صورت مسئولہ میں نماز ہوگئی، لیکن ہاتھ باندھنے تک تکبیر کو موخر کرنے کی عادت غلط اور مکروہ ہے، یہ ثنا پڑھنے کا محل ہے، نہ تکبیر کہنے کا، تکبیر ہاتھ باندھنے تک ختم ہوجانی چاہئے، ہاتھ باندھنے تک مؤخر کرنے میں یہ بھی خرابی ہے کہ اونچا سننے والا اور بہرا مقتدی امام کی رفع یدین کو دیکھ کر تکبیر تحریمہ کہے گا تو امام سے پہلے تکبیر کہنے کی بنا پر اس

== واختاره شيخ الإسلام وقاضي خان وصاحب الخلاصة والتحفة والبدائع والمحيط حتى قال البقالي:هذا قول أصحابنا جميعاً ويشهد له المروى عنه عليه الصلاة والسلام أنه كان يكبر عن كل خفض ورفع ومارواه أبوداؤد أنه صلى اللّٰه عليه وسلم-"كان يرفع يديه مع التكبير"وفسر قاضي خان المقارنة بأن تكون بداء ته عند بداء ته وختمه عند ختمه.

القول الثاني:وقته قبل التكبير،ونسبه في المجمع إلى أبي حنيفة ومحمد وفي غاية البيان إلى عامة علمائنا وفي المبسوط إلى أكثر مشائخنا وصححه في الهداية ويشهد له ما في الصحيحين عن ابن عمر قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم:إذا افتتح الصلاة رفع يديه حتى يكونا حذو منكبيه ثم كبر.

القول الثالث:وقته بعد التكبير فيكبر أولاً ثم يرفع يديه ويشهد له ما في الصحيح لمسلم أنه صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا صلى كبر ثم رفع يديه،ورجح في الهداية ما صححه بأن فعله نفي الكبرياء عن غيره تعالٰى والنفي مقدم على الإيجاب ككلمة الشهادة وأورد عليه أن ذلك في اللفظ فلا يلزم في غيره،ورد بأنه لم يدع لزومه في غيره وإنما الكلام في الأولوية ففي الأقوال الثلاثة رواية عنه عليه السلام فيؤنس بأنه صلى اللّٰه عليه وسلم فعل كل ذلك ويترجح من بين أفعاله تقديم الرفع بالمعنى المذكور وتحمل ثم في قوله ثم رفع على الواو ومع على معنى قبل لأن الظروف ينوب بعضها عن بعض وقد يقال:إن تقديم النفي في كلمة الشهادة ضرورة لأنه لايمكن التكلم بالنفي والإثبات معاً بخلاف ما نحن فيه،ورواية أنه كان يرفع مع التكبير نص محكم في المقارنة ،الخ.(البحر الرائق،آداب الصلاة: ۳۲۲/۱ /كذا في ردالمحتار،فروع كبر غيرعالم بتكبير إمامه: ۴۸۲/۱ .انيس)

(۱) ويرفع يديه مع التكبير وهو سنة لأن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم واظب عليه،وهذا اللفظ يشيرإلى اشتراط المقارنة وهو المروي عن أبي يوسف والمحكي عن الطحاوي والأصح أنه يرفع أولاً ثم يكبر لأن فعله نفي الكبرياء عن غير اللّٰه تعالٰى والنفي مقدم على الإثبات.(الهداية شرح بداية المبتدي،كتاب الصلاة: ۴۸/۱ .انيس)

(۲) (قوله:ورفع يديه مع التكبيرة)الرفع سنة وليس بواجب وقوله مع التكبيرة إشارة إلى اشتراط المقارنة والأصح أنه يرفع أولاً فإذا استقرتا في موضع المحاذاة كبر،لأن الرفع بمنزلة النفي كأنه نبذ ماسوى اللّٰه تعالٰى وراء ظهره فاليد اليمنٰى كالآخرة واليد اليسرٰى كالدنيا ولأن في الرفع نفي الكبرياء عن غير اللّٰه وقوله اللّٰه أكبر بمنزلة إثبات الكبرياء للّٰه تعالٰى والنفي مقدم على الإثبات كما في كلمة الشهادة لا إله إلا اللّٰه ولاتصح تكبيرة الإحرام إلا في حال القيام أما إذا حنى ظهره كبر إن كان القيام أقرب يصح وإن كان إلى الركوع أقرب لايصح.(الجوهرة النيرة،باب صفة الصلاة: ۵۴/۱ .انيس)

کی اقتدا اور نماز صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر تکبیر کا پہلا لفظ ''اللہ'' کہنے میں مقتدی سبقت کرے یا لفظ اللہ امام کے ساتھ شروع کرے مگر لفظ ''اکبر'' امام کے ختم کرنے سے پہلے ختم کردے، تب بھی اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ (درمختار مع الشامی: ۱/۴۴۸)(۱)

لہٰذا امام کو یہ عادت ترک کرنی چاہئے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

(۲) رکوع وسجود کی تکبیرات کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ رکوع کے لئے جھکنے کے ساتھ تکبیر شروع کرے اور (رکوع میں پہنچتے ہی) ختم کرے، اسی طرح سجدہ میں جاتے وقت بھی تکبیر شروع کرے اور (سجدہ میں پہنچتے ہی) ختم کرے، رکوع وسجود میں پہنچ کر تکبیر کہنا خلاف سنت اور مکروہ ہے اور دو طرح کی کراہت لازم آتی ہے۔ ایک کراہت ترک محل کی؛ کیونکہ یہ تکبیریں تکبیرات انتقال کہلاتی ہیں، رکوع اور سجدہ کی طرف منتقل ہونے، یعنی رکوع کے لئے جھکنے اور سجدہ میں جانے کے وقت ان کو کہنا چاہئے تھا، یہ ان کا محل تھا؛ جس کو ترک کردیا۔ دوسری کراہت: ادائے بے محل کی، یعنی جس وقت تکبیر کہہ رہا ہے؛ وہ ''سبحان ربی العظیم'' یا ''سبحان ربی الأعلیٰ'' کہنے کا وقت تھا، تکبیر کا وقت نہیں تھا، اس وقت تکبیر بے محل ہے۔ (منیۃ المصلی: ۸۴-۸۸، وکبیری: ۳۴۵)(۲)

مختصر یہ کہ امام کا یہ عمل خلاف سنت ہے۔ انہیں سنت کے مطابق عمل کرنا لازم ہے۔ (۳) فقط واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ رحیمیہ: ۱/۲۳۲-۲۳۳)

رکوع میں امام کے ساتھ شامل ہونے والا کتنی تکبیر کہے:

سوال: اگر امام رکوع میں چلا گیا، دوسرا مقتدی نماز میں شریک ہونے کے لئے صف میں کھڑا ہوا، لیکن ابھی شریک نہیں ہوا، تو اب وہ پہلے نیت کرے گا اور تکبیر کہے گا، اس کے بعد دوبارہ رکوع میں جانے کے لئے تکبیر کہنی پڑے گی، یا اس نیت والی تکبیر سے رکوع میں چلا جائے گا، اور نیت باندھنے کے بعد کچھ وقفہ کے بعد رکوع میں جائے گا یا فوراً؟ جو بھی درست ہو، جواب سے نوازیں؟

---

(۱) (فروع: كبر غير عالم بتكبير إمامه إن أكبر رأيه أنه كبر قبله لم يجز وإلا جاز، محيط) أى بأن كان أكبر رأيه أنه مع الإمام أو بعده أو لم يكن له رأى أصلاً والجواز فى الثالثة لحمل أمره على الصواب ولكن الأحوط كما فى شرح المنية أن يكبر ثانياً ليقطع الشك باليقين ووقع فى الفتح هنا نبه عليه فى النهر. (ردالمحتار: ۱/۴۸۱، دارالفكر. انيس)

(۲) (وينبغى أن يكون ابتداء تكبيره عند أول الخرور والفراغ) منه (عند الإستواء) راكعاً وقال بعض المشايخ يكبر قائماً ثم يركع وكذا ذكر فى المحيط مستدلاً بقول محمد إذا أراد أن يركع يكبر (وبعضهم) أى بعض المشايخ (قالوا: إذا أتم القراءة حالة الخرور لابأس به بعد أن يكون ما بقى من القراءة حرفاً) واحداً (أو كلمة) واحدة لا أكثر من ذلك لئلا يكون قارئاً فى الركوع وهذا يستلزم تأخير التكبير إلى أن يصل إلى الركوع وليس بشىء (و) القول (الأول) وهو المقارنة (أصح) الأقوال كذا قال الطحاوى وهو مفاد عبارة الجامع الصغير والمروى عنه عليه الصلاة والسلام قال أبوهريرة: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قام إلى الصلاة يكبر حين يقوم ثم يكبر حين يركع ==

الجواب ــــــــــــــــــــــ باللّٰہ التوفیق

جوشخص امام کوحالت رکوع میں پائے، وہ اگرایک تکبیر قیام کی حالت میں کہہ کر بھی رکوع میں چلا جائے، تو درست ہے، اس کے لئے دوتکبیر کہنا ضروری نہیں ہے۔

ولا يشترط تكبيرتان للإحرام والركوع الذى فى الفتح ومدرك الإمام فى الركوع لا يحتاج إلٰى تكبيرتين. (حاشية الطحطاوى على المراقى: ٤٥٦) **فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم** (دینی مسائل اوران کا حل: ۸۵)

تکبیر کے بغیر رکوع میں جانا:

سوال: زید مسجد میں ایسے وقت پہنچا کہ امام رکوع میں تھا، اس نے کانوں تک ہاتھ اٹھاتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہی اور بغیر ہاتھ باندھے رکوع میں چلا گیا، پوچھے جانے پر اس نے کہا کہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ رکوع نہ مل سکے گا تو صرف تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے بغیر ہاتھ باندھے رکوع میں چلے جانا جائز ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کیا رکوع کی تکبیر کہنا بھی ضروری نہیں اور کیا ہاتھ کانوں تک اٹھانا بھی ضروری نہیں؟

ھو المصوب ــــــــــــــــــــــ

تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھے بغیر کوئی شخص رکوع میں چلا جاتا ہے، تو اس کی نماز ہو جائے گی، اسی طرح تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کانوں تک اٹھانا، رکوع میں جاتے وقت تکبیر کہنا سنت ہے، اگر بھولے سے چھوٹ جائے تو بلاکراہت نماز ہوجائے گی۔

اتفق الفقهاء علٰى أنه يسن للمصلى عند تكبيرة الإحرام أن يرفع يديه. (الموسوعة الفقهية: ٨٤/٢٧)

ذهب جمهور الفقهاء الحنفية والمالكية والشافعية إلٰى أن تكبيرات الانتقال سنة من سنن الصلاة. (الموسوعة الفقهية: ٩٢/٢٧)

تحریر: ساجد علی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۱۳۹/۲-۱۴۰)

== ثم يقول سمع اللّٰه لمن حمده حين يرفع صلبه من الركوع ثم يقول وهو قائم ربنا لك الحمد ثم يكبر حين يرفع رأسه ثم يفعل ذلك فى الصلاة كلها حتى يقضيها ويكبر حين يقوم من الثنتين بعد الجلوس، متفق عليه، فإضافة ظروف الأذكار إلى الأفعال تقتضى مقارنتها كمقارنة سائر الظروف لظروفها ولأن فى المقارنة عدم اخلاء شىء من أجزاء الصلاة عن ذكر فكانت أولٰى. (شرح الكبير للحلبى، فصل فى صفة الصلاة: ٣١٥. مطبع سنده، انيس)

قال محمد: وإذا أراد أن يركع يكبر، قال بعض مشائخنا: ظاهر ماذكر محمد يدل على أن تكبير الركوع يؤتى به فى حال القيام فإنه قال: وإذا أراد أن يركع يكبر، وقال بعضهم: يكبر عن الخرور للركوع، فيكون ابتداء تكبيره عند أول الخرور والفراغ عند الاستواء للركوع لأن هذا تكبير الإنتقال ويأتى بجميع الانتقال والطحاوى فى كتابه يقول: يخر راكعاً ساكتاً وهذه إشارة إلى القول الثانى. (المحيط البرهانى، الفصل السادس عشر فى التغنى والألحان: ٣٥٩/١. انيس)

(۳) یہ تاکیداً ہے وجوباً نہیں۔ انیس

قیام-احکام ومسائل

تکبیر تحریمہ کے وقت قیام کی فرضیت:

سوال: مدرک جس وقت کہ امام رکوع میں ہے بعد تکبیر تحریمہ فوراً رکوع میں چلا جاوے، یا ثنا پڑھ کر یا بقدر اداء ثنا قیام کر کے رکوع میں جاوے، اگر مدرک کو یہ بھی خوف ہے کہ بقدر ادائے ثنا قیام کرنے پر رکوع نہیں پا سکتا، تو کیا کرے یعنی یہ قیام فرض ہے یا صرف سنت مستحب؟

الجواب

فی الدرالمختار، أول باب صفة الصلاة: (من فرائضها) التی لاتصح بدونها (التحریمة) قائمًا. (۱)

وفیه فی فصل یلیه: ویشترط کونه قائمًا فلووجد الإمام راکعًا فکبر منحنیًا إن إلی القیام أقرب صح ولغت نیة تکبیرة الرکوع. (۲)

وفی هذا الفصل: وهومخیربین قراءة الفاتحة... وتسبیح ثلاثًا وسکوت قدرها وفی النهایة: قدرتسبیحة.

وفی رد المحتار: (قوله قدرتسبیحة): قال شیخنا وهوألیق بالأصول، حلیة، أی لأن رکن القیام یحصل بها لمامرأن الرکنیة تتعلق بالأدنیٰ. (۳)

وفیه فی مفسدات الصلاة: ویفسدها أداء رکن ... وهوقدرثلاث تسبیحات مع کشف عورة، اه. (۴)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ میں قیام فرض ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ادنیٰ مقدار رکن کی ایک تسبیح یا تین تسبیح کی قدر ہے، پس اس شخص کو تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہنا چاہئے اور اتنی دیر کھڑا رہے کہ ایک بار یا تین بار **سبحان اللّٰہ** کہہ سکے، پھر رکوع میں جاوے اور ثنا پڑھنا یا ثنا کے قدر کھڑا رہنا ضروری نہیں، البتہ یہ جو عادت ہے کہ "**اللّٰہ أکبر**" کے ساتھ اول ہی سے رکوع میں پہنچ جاتے ہیں، ان لوگوں کی نماز نہیں ہوتی۔ (۵)

۱۷ر ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ۔ (امداد، جلد: ۱، صفحہ: ۶۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۱۹۰-۱۹۱)

---

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، صفة الصلاة: ۱/ ٤٤٢، انیس

(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار، فصل صفة الصلاة: ۱/ ٤٨٠، انیس

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار، بعد مطلب مهم فی عقد الأصابع: ۱/ ٥١١، انیس

(۴) الدرالمختار مع رد المحتار، مفسدات الصلاة: ۱/ ٦٢٥-٦٢٦، انیس

(۵) تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر ادا کرنے کے بعد تین یا ایک تسبیح کی برابر کھڑا رہنے کی ضرورت مسبوق کے لئے　==

تکبیر تحریمہ کہنے کے وقت قیام فرض ہے:

سوال: ایک شخص مسجد میں ایسے وقت آیا کہ امام رکوع میں ہے اس نے تکبیر تحریمہ کہہ کر فورا رکوع میں شرکت کر لی ،یعنی تکبیر تحریمہ کہہ کر قیام کچھ نہیں کیا،فورا جھک گیا تو نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب

اگر تکبیر تحریمہ بحالت قیام کہی ہے یا بحالت انحناء کہی ہے،مگر وہ اقرب الی القیام تھا تو نماز درست ہے،اگر بحالت انحناء کہی اور اقرب الی الرکوع تھا تو نماز درست نہیں،غرض تکبیر تحریمہ کا بحالتِ قیام یا بحالت اقرب الی القیام ہونا فرض ہے،تکبیر تحریمہ کے بعد مزید قیام فرض نہیں۔

قال فی مراقی الفلاح:والثانی من شروط صحة التحريمة الإتيان بالتحريمة قائمًا أومنحنيًا قليلاً قبل وجود انحنائه بما هوأقرب للركوع.قال في البرهان:لوأدرك الإمام راكعاً فحنى ظهره ثم كبرإن كان القيام أقرب صح الشروع ولوأراد به تكبيرالركوع وتلغونيته لأن مدرك الإمام في الركوع لايحتاج إلٰى تكبيرمرتين خلافاً لبعضهم وإن كان إلى الركوع أقرب لايصح الشروع.آه.(ص :۱۲۷)

۳/شعبان۔(امدادالاحکام:۲/۷۹)☆

== کسی روایت فقہی سے ثابت نہیں۔اس لئے سوال:۱۸۱،کے جواب میں جو کچھ حضرتؒ نے تحریر فرمایا ہے وہ اس پر شاہد ہے اور اس میں بحوالہ شامی یہ الفاظ بھی منقول ہیں:"لو كبرقائمًا فركع ولم يقف صح" یعنی اگر صرف تکبیر تحریمہ بحالت قیام ادا کر کے رکوع میں چلا گیا اور مزید کچھ قیام نہیں کیا تو نماز صحیح ہوگئی،اس لئے اس جگہ جو نماز نہ ہونے کا حکم فرمایا ہے اس میں کچھ تسامح ہوا ہے،صحیح یہ ہے کہ نماز ہو جاتی ہے۔(محمد شفیع عفااللہ عنہ)

عن عمران بن حصين رضى الله عنه قال:كانت بى بواسير،فسألت النبى صلى الله عليه وسلم عن الصلاة، فقال:صلِّ قائماً فإن لم تستطع فقاعداً فإن لم تستطع فعلى جنب.(الصحيح للبخارى،باب إذا لم يطق قاعداً صلى على جنب (ح:۱۱۱۷)/سنن ابن ماجة،باب ماجاء فى صلاة المريض (ح: ۱۲۲۳)/سنن أبى داؤد،باب فى صلاة القاعد (ح:۹۵۲)/سنن الترمذى،باب ماجاء أن صلاة القاعد على النصف (ح: ۳۷۲)/المنتقى لابن الجارود،ماجاء فى صلاة القاعد (ح: ۲۳۱)/مسند الرويانى (ح:۱٤٥)/صحيح ابن خزيمة،باب صفة صلاة المريض مضطجعاًإذا لم يقدر (ح:۹۷۹)/شرح مشكل الآثار،باب بيان مشكل ماروى عن عمران بن حصين (ح:۱٦۹۳)/صحيح ابن حبان، ذكر تفضيل صلاة القائم على القاعد،الخ (ح:۲٥۱۳)/المستدرك للحاكم (ح: ۱۱۸٦)/الطب النبوى لأبى نعيم الأصفهانى،باب البواسير وأوجاع المقعدة (ح: ٤٦۰)انيس)

عن أبى حنيفة عن حماد عن إبراهيم أنه قال فى الصلاة فى السفينة ،قال:صلِّ قائماً تيمم القبلة فإن لم تستطع فقاعداً تيمم القبلة.(الآثار لأبى يوسف،باب افتتاح الصلاة (ح: ۱۳۱)انيس) ==

رکوع سے پہلے، کھڑے ہوئے بغیر تکبیر تحریمہ کا حکم:

سوال: جناب کی کتاب بہشتی گوہر حصہ یازدہم بہشتی زیور صفحہ ۲۷ (بیان تکبیر تحریمہ) میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے ''کہ امام جب رکوع میں ہو، تو جو لوگ بغیر قیام تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے رکوع میں داخل ہو جاتے ہیں، تو ان کی نماز نہیں ہوتی''۔ حالانکہ شامی میں ہے کہ یہ قیام عارضی کافی ہو جاتا ہے، نماز اس سے بھی جائز ہو سکتی ہے، اگر چہ ایسا فعل اچھا نہیں۔ آپ شامی کو ملاحظہ فرماویں۔

الجواب ــــــــــــــــ

شامی میں ہے:

فلو أدرك الإمام راكعًا فكبر منحنيًا لم تصح تحريمته. (۴۷/۱)(۱)

اور اسی میں ہے:

فلو كبر قائمًا فركع ولم يقف صح لأن ما أتٰى به من القيام إلٰى أن يبلغ الركوع يكفيه، قنية.

في رد المحتار: (قوله فركع): أي وقرأ في هويه قدر الفرض أو كان أخرس أو مقتديًا أخر القراءة. (۴۶۳/۱)(۲)

بہشتی گوہر کی یہ عبارت ہے:

آتے ہی جھک جاتے ہیں اور اسی حالت میں تکبیر تحریمہ کہتے ہیں، الخ۔

یہ عبارت شامی کی پہلی عبارت ''**فكبر منحنيًا**'' کا صریح ترجمہ ہے، شاید سائل کو درمختار کی دوسری عبارت ''ولم

☆== فرض نماز کے لیے بیٹھ کر تکبیر تحریمہ کہنا:

سوال: اگر کوئی شخص فرض نماز کی تکبیر تحریمہ بغیر عذر بیٹھ کر کہے اور فوراً کھڑا ہو جائے، آیا اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

''لو قال المصنف: فرضها التحريمة قائمًا، لكان أولٰى؛ لأن الافتتاح لايصح إلا في حالة القيام، حتى لو كبر قاعدًا ثم قام، لايصير شارعًا؛ لأن القيام فرض حالة الافتتاح''، الخ. (بحر: ۲۹۱/۱) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۵۰۸/۱، رشيدية)

عبارت منقولہ سے معلوم ہوا کہ اس طرح شروع کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ ۱۳۸۸/۱/۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۴۴/۵)

(۱) رد المحتار، بحث شروط التحريمة: ۴۵۲/۱، انیس

(۲) الدرالمختار مع رد المحتار، بحث القيام: ۴۴۵/۱، انیس

یقف“ سے شبہ ہوگیا ہو، سو یہ وقوف بعد التحریمة للقراءة ہے، گو عارض کے سبب قرأت نہ ہو، چنانچہ اس قول پر شامی کا قول ”وقرأ فی هویه، الخ“ صریح دلیل ہے، تو اس سے قیام للتحریمہ کا انتفا ضرورت لازم نہیں آتا۔

چنانچہ درمختار میں اس ”لم یقف“ کے قبل ”فکبر قائمًا“ اس قیام کی ضرورت کو ثابت کررہا ہے۔(۱)

۱۰/ر شوال ۱۳۴۶ھ۔(تتمہ خامسہ، صفحہ:۵۹۵)۔(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۱۹۱-۱۹۳)

جھکتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر امام کے ساتھ شریک ہونا:

سوال: امام رکوع میں تھا، ایک شخص بعد میں آیا اور جھکتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر شریک ہوگیا تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر تکبیر تحریمہ کھڑے ہوکر نہیں کہی بلکہ اس طرح جھکتے ہوئے کہی ہے کہ رکوع میں تکبیر پوری ہوئی تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔(شامی:۱/۳۰۴)(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۴۳)

---

(۱) خلاصہ یہ کہ اگر امام کو رکوع کی حالت میں پایا تو مقتدی سے فریضۂ قیام (جو نماز کے ارکان میں سے ہے) ساقط ہوجاتا ہے، تمام فقہا اس پر متفق ہیں کوئی اختلاف مروی نہیں ہے۔ مقتدی کو چاہئے کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر فوراً امام کے ساتھ رکوع میں جا ملے۔

من أدرک الإمام فی الرکوع فقد أدرک الرکعة مع جمیع أجزاءها من القیام والقراءة تقدیرًا، آه.(نور الأنوار:۳۹، نامی: ۸۹/۱)

لیکن تکبیر تحریمہ کی صحت کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ (حالت قیام) میں کہی گئی ہو یعنی رکوع سے قریب ہونے سے پہلے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ چکا ہو، تب وہ تکبیر تحریمہ صحیح اور معتبر ہوگی اور اگر جھک کر رکوع سے قریب ہونے کی حالت میں تکبیر کہی ہے، تو یہ تکبیر تحریمہ صحیح نہیں ہے اس لئے نماز نہ ہوگی۔ بہرحال قیام للتحریمہ تو ضروری ہے لیکن قیام للصلوٰۃ (جس کی مقدار ایک یا تین تسبیح ہے) ساقط اور معاف ہے، جیسا کہ مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ نے سوال نمبر:۱۸۰ کے جواب (جو ایک صفحہ قبل گذرا ہے، انیس) پر حاشیہ میں لکھا ہے۔ سعید احمد

(۲) فلو قال:”اللّٰه“مع الإمام و”أکبر“قبله،أو أدرک الإمام راکعًا فقال:”اللّٰه“قائمًا و ”أکبر“ راکعًا لم یصح فی الأصح،کما لو فرغ من”اللّٰه“قبل الإمام...ویشترط کونه قائمًا،فلو وجد الإمام راکعًا فکبر منحنیًا، إن إلی القیام أقرب یصح ولغت نیة تکبیر الرکوع“.(الدر المختار، کتاب الصلاة،فصل فی بیان تألیف الصلاة إلی انتهائها: ۴۸۰/۱،سعید)

ولا یصیر شارعًا بالتکبیر إلا فی حالة القیام أو فیما هو أقرب إلیه من الرکوع،هکذا فی الزاهدی.وکذا لو أدرک الإمام فی الرکوع،فقال:اللّٰه أکبر،إلا أن قوله:”اللّٰه“کان فی قیامه،وقوله:”أکبر“وقع فی رکوعه، لایکون شارعًا فی الصلاة“.(الفتاویٰ الهندیة،الباب الرابع فی صفة الصلاة: ۶۸/۱-۶۹،رشیدیة)

”ولو جاء إلی الإمام وهو راکع منحنی ظهره،ثم کبر،إن کان إلی القیام أقرب،یصح،وإن کان إلی الرکوع أقرب لا یصح“.(البحر الرائق،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۵۰۸/۱،رشیدیة)

رکوع کی حالت میں تکبیر تحریمہ کا حکم:

سوال: ایک شخص مسجد میں پہنچا امام رکوع میں تھا، آنے والے نے جھک کر تکبیر کہی اور رکوع میں شریک ہوگیا، اس کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلياً

اگر اس نے گھٹنوں تک ہاتھوں کے پہنچنے سے پہلے تکبیر کہی ہے تو نماز ہوگئی اور اگر گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہی ہے تو نماز نہیں ہوئی۔

"فلو وجد الإمام راكعًا فكبر منحنيًا إن كان إلى القيام أقرب بأن لا تنال يداه ركبتيه صحت و لغت نية تكبيرة الركوع". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۲۳/۱) كذا في الطحطاوي على المراقي: ۱٤۸/۱) (۱) فقط والله تعالىٰ أعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۵۲/۳-۵۳)

کیا سنت میں قیام فرض ہے:

سوال: آپ نے میرے استفتا میں قیام کی فرضیت کے بارے میں بتایا ہے کہ قیام فرض ہے اور جو فرض نہ ہو، بلکہ فرض کے ساتھ ملحق ہو، جیسے واجب اور سنت فجر میں قیام فرض ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا یہ مسئلہ فرض اور واجب اور سنت فجر کے ساتھ مخصوص ہے یا اس میں سنت مؤکدہ بھی شامل ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلياً

سنت مؤکدہ میں قیام فرض ہے، سنت فجر کے علاوہ دیگر سنن مؤکدہ میں قیام فرض نہیں۔ (۲)

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۲۶/۱۲/۱۳۹۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۴۶/۵) ☆

---

(۱) الدرالمختار على صدر ردالمحتار، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ۴۸۰/۱/ كذا في النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ۱۹٤/۱/ وكذا في تبيين الحقائق، فصل الشروع في الصلاة وبيان أحوالها: ۱۰۹/۱/ وكذا في الجوهرة النيرة، باب صفة الصلاة: ۵۰/۱/ وكذا في درر الحكام شرح غرر الحكام، باب صفة الصلاة: ٦٥/۱./ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب شروط الصلاة وأركانها: ۲۱۸/۱. انيس

ولو وجد الإمام في الركوع أو السجود أو القعود ينبغي أن يكبر قائماً ثم يتبعه في الركن الذي هو فيه، ولو كبر للافتتاح في الركن الذي هو فيه لا يصير شارعاً لعدم التكبير قائماً مع القدرة عليه. (بدائع الصنائع، فصل في شرائط أركان الصلاة: ۱۳۱/۱. انيس)

(۲) "ومنها القيام في فرض) وملحقٍ به كنذر وسنة فجر في الأصح (لقادر عليه)". (الدرالمختار) ==

قیام، قرأت، رکوع وسجود کے فرض کی مقدار:

سوال: ارکان نماز میں یہ بتلایا گیا ہے کہ کم سے کم قیام تکبیر تحریمہ تک فرض ہے، اسی طرح کم سے کم قرأت ایک آیت تک فرض ہے، اسی طرح کم سے کم رکوع ایک تسبیح پڑھنے تک اور کم سے کم سجدہ بھی ایک تسبیح ادا کرنے تک فرض

== ("قوله: وسنة فجر في الأصح) أما على القول بوجوبها فظاهر وأما على القول بسنيتها فمراعاة القول بالوجوب و نقل في مراقي الفلاح أن الأصح جوازها من قعود، أقول: لكن في الحلية عند الكلام علىٰ صلاة التراويح لو صلى التراويح قاعدًا بلاعذر، قيل: لاتجوز قياسًا على سنة الفجر، فإن كلا منهما سنة مؤكدة، وسنة الفجر لاتجوز قاعدًا من غير عذرٍ بإجماعهم، كما هو رواية الحسن عن أبي حنيفة، كما صرح به في الخلاصة". (رد المحتار: ۳۹۹/۱، نعمانية) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۴۴۵/۱، سعيد)

"ولايجوز أن يصليها قاعدًا مع القدرة على القيام، ولهذا قيل: إنها قريبة من الواجب، كذا في التاتارخانية ناقلاً عن النافع". (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل: ۱۱۲/۱. رشيدية)

☆ نماز میں قیام کی کتنی مقدار فرض ہے:

سوال (۱) کیا قیام فرض واجب اور سنت سب نمازوں میں فرض ہے یا کچھ قید ہے؟

(۲) فرض پچھلی دو رکعتوں میں قیام کی فرض مقدار اور واجب کی کتنی مقدار ہے؟ بہشتی زیور میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کی مقدار تک چپ کھڑا رہنے پر نماز کا درست ہونا بتایا گیا ہے۔ (بہشتی زیور، حصہ دوم، فرض نماز پڑھنے کے طریقے کا بیان، ص:۲۰، امدادیہ) جب کہ آپ نے قرأت مفروضہ کی مقدار قیام کو فرض بتلایا ہے۔ (بحوالہ درمختار) (الدر المختار، كتاب الصلاة، بحث القيام: ۴۴۴/۱، سعيد)

فرض کی ادائیگی سے نماز ناقص ہوتی ہے اور دوبارہ پڑھنا واجب ہے جب تک کہ واجبات کی ادائیگی نہ کرے۔ اس میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہنا صرف قرأت مفروضہ کی ادائیگی ہوئی اور واجب ترک ہو گیا۔ اس مسئلہ کو صاف کریں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

"(ومنها القيام) في فرض وملحق به كنذر أو سنة فجر في الأصح آه". (درمختار) (الدرالمختار، كتاب الصلاة، بحث القيام: ۴۴۴/۱ـ۴۴۵، سعيد)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قیام نماز فرض ہے اور جو نماز فرض نہ ہو بلکہ فرض کے ساتھ ملحق ہو جیسے واجب اور سنت فجر اس میں بھی فرض ہے۔

فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں قرأت فرض نہیں بلکہ قرأت فاتحہ اور تین بار سبحان اللہ اور اتنی دیر سکوت کا اختیار ہے۔ جو صورت بھی اختیار کرے گا نماز ہو جائے گی، سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا، ہاں! سنت یہ ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھے۔ پس سورہ فاتحہ کی مقدار قیام سنت ہے اور تین تسبیح کی مقدار قیام بھی کافی ہے۔ اگر قرأت فرض ہوتی ہے تو اس کے قیام کو فرض کہا جاتا اور سورۂ فاتحہ کا پڑھنا اس موقع پر واجب ہوتا تو اتنی مقدار قیام کو واجب کہا جاتا جس کے سہواً ترک سے سجدہ سہو واجب ہوتا اور عمداً ترک سے اعادہ واجب ہوتا۔

ومفروضه وواجبه ومسنونه ومندوبه بقدر القراءة فيه (الدرالمختار، كتاب الصلاة، بحث القيام: ۴۴۴/۱، سعيد)

("واكتفى فيما بعد الأوليين بالفاتحة) فإنها سنة (وهو مخير بين القراءة) الفاتحة (و تسبيح ثلاثًا) وسكوت قدرها (على المذهب). (درمختار) (الدرالمختار، كتاب الصلاة، بحث القيام: ۵۱۱/۱، سعيد) فقط والله سبحانه وتعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۴۷ـ۵۴۸)

ہے،لیکن توضیح طلب امر یہ ہے کہ زیادہ کی کیا حد ہے؟ اگر کوئی مصلی قیام میں دس آیت تک قرأت کرے تو وہ قیام اور قرأت پورے کہ پورے فرض ہونگے یا نہیں؟ اسی طرح اگر کوئی رکوع وسجدہ میں دس دس بار تسبیح کہنے تک ٹھہرے تو وہ رکوع وسجدہ پورے کے پورے فرض ہوں گے یا نہیں؟ یا کچھ فرض کچھ واجب اور کچھ سنت ہوں گے؟

درمختار میں ارکان نماز کے ایک دوسرے کے فضائل میں بتایا گیا ہے کہ تمام ارکان نماز میں قیام افضل ہے؛ کیوں کہ اس میں قرآن کریم پڑھا جاتا ہے اور جتنا قرآن کریم پڑھا جائے گا، وہ پورا کا پورا فرض ہوگا چاہے، پورا قرآن کریم پڑھے۔(۱)

فتاویٰ عالمگیری اور درمختار میں قربانی کے بیان میں بتایا گیا ہے:

ایک صاحب نصاب پر بیل یا اونٹ کا ساتواں حصہ فرض ہے؛ لیکن اگر وہ پورا بیل قربانی کی نیت سے خریدے تو قربانی کے پورے حصے اس کے لیے فرض ہو جائیں گے، جس طرح قرآن کریم کی قرأت کہ مصلی جتنا قرآن کریم پڑھے گا؛ سب فرض ہوگا، اگر چہ پورا قرآن کریم پڑھ لے۔(۲)

اسی طرح درمختار میں ہے: امام محمد نے فتویٰ دیا ہے کہ سجدہ سے جب تک سر نہ اٹھایا جائے، سجدہ کی تکمیل نہ ہوگی، چاہے وہ کتنی ہی دیر مسجد میں رہے، جب وہ سجدہ سے سر اٹھائے گا اس وقت سجدہ پورا ہوگا، اسی طرح رکوع بھی جب تک سر نہ اٹھایا جائے، مکمل نہیں ہوگا، امام محمد کے یہاں سر جھکانا رکوع میں اور ٹیکنا سجدہ میں یہ رکوع اور سجدہ کی شرطیں ہیں، اسی طرح سر کا اٹھانا بھی شرط ہے۔ درمختار میں اس قول کے تحت یہ بھی بتایا گیا کہ اگر کسی رکن میں حدث ہو جائے اور بے وضو ہو جائے تو اب وضو کر کے اگر وہ اس نماز کو پوری کرنا چاہے تو اسی رکن سے بنا کرے، اگر سجدہ میں حدث ہوئے تو سجدہ ہی سے بنا کرے؛ کیوں کہ اس نے بے وضو سجدہ سے سر اٹھایا تھا اس لیے سجدہ مکمل نہیں ہوا، چاہے وہ کتنی ہی دیر سجدہ میں رہا ہو، ایسے ہی معلوم ہوا کہ ارکان میں کم کی حد تو ہے؛ لیکن زیادہ کی حد مصلی کا اپنے ارادے سے رکن ختم کرنا ہے۔(۳)

---

(۱) ولو قرأ القرآن كله في الصلاة وقع فرضًا، ولو أطال الركوع والسجود فيها، وقع فرضًا ، آه. ومقتضاه أنه لو أطال القيام يقع فرضًا أيضًا، فينافي هذا التقدير، وقد يجاب بأن هذا قبل إيقائه، أما بعده فأكل فرض، كما أن القراءة قبل إيقائها نوعت إلى فرض وواجب وسنة وبعد يكون الكل فرضًا. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۴۴۴_۴۴۵، سعيد)

(۲) وصح اشتراك ستة في بدنة شريت لأضحية: أي نوى وقت الشراء الاشتراك، صح استحساناً، وإلالا. (الدرالمختار)

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "أقول: قدمنا في باب الهدى عن فتح القدير معزوًا إلى الأصل والمبسوط: إذا اشترى بدنة لمتعة مثلاً، ثم اشترك فيها ستة بعد ما أوجبها لنفسه خاصةً، لايسعه، لأنه لما أوجبها صار الكل واجبًا بعضها بإيجاب الشرع وبعضها بإيجابه، فإن فعل فعليه أن يتصدق بالثمن". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۳۱۷/۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، ترك جميع واجبات الصلاة ساهياً: ۱۰۹/۲. انيس)

(۳) "ثم يرفع رأسه مكبرًا، ويكفي فيه أدنى مايطلق عليه اسم الرفع، كما صححه في المحيط، ==

ایسے شرائط کے ساتھ اگر مان ہی لیا جائے کہ قیام آیت تک ہی فرض ہے اور تین آیت کی حد تک واجب، باقی قرأت اور قیام سنت ہے تو ایک شخص نے پچیس آیت پڑھنے کا قصد کیا اور دس آیت کھڑے رہ کر پڑھنے کے بعد باقی پندرہ آیت بیٹھ کر پڑھی پھر اٹھ کر رکوع کیا تو اس کی نماز باطل نہیں ہوگی اور اگر سنت قرار دیا جائے تو نماز ہو جائے گی جس میں سجدہ بھی ہیں۔ اس طرح ایک شخص کی نیت بیس آیت پڑھنے کی تھی اور وہ دس آیت پڑھنے کے بعد باقی آیت بھول گیا اور اس کے یاد آنے تک اتنی دیر تک توقف کیا کہ تاخیر رکن کی وجہ سے سجدہ عائد ہو جائے اس تاخیر کی وجہ سے اس کو سجدہ سہو کرنا پڑے گا۔ اور یہ تاخیر کون سی وجہ سے ہوگی یا کیا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

قیام، قرأت، رکوع وسجود فرض ہیں، ان کی جتنی مقدار بھی ادا کی جائے، ادا ہو چکنے کے بعد سب کو فرض ہی کہا جائے گا، یہ تقسیم نہ ہوگی کہ ایک تسبیح یا تین تسبیح کے برابر رکن فرض ادا ہو، باقی واجب یا سنت یا نفل ہو، (۱) جس نماز میں قیام فرض ہے، اگر ادنی مقدار قیام فرض قیام کرنے کے بعد بقیہ طویل قرأت بحالت قعود کرے، پھر کھڑے ہو کر رکوع کرے تو نماز صحیح نہیں ہوگی، اسی طرح مقدار فرض ادا کرنے کے بعد اگر بھول جائے اور تین تسبیح کے مقدار خاموش کھڑا رہے تو سجدہ سہو واجب ہوگا، یہ نہیں کہا جائے گا کہ مقدار فرض قرأت ادا کر لی تھی اب سہو تو غیر رکن میں ہوا۔ (۲)

”القراءة وإن قسمت إلٰى فرض وواجب وسنة، إلا أنه مهما أطال، يقع فرضًا، وكذا إذا طال الركوع والسجود علٰى ما هو قول الأكثر والأصح؛ لأن قوله تعالٰى: ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾

== لتعلق الركنين بأدنى كسائر الأركان ... ثم السجدة الصلٰوتية تتم بالرفع عند محمد، وعليه الفتوى كالتلاوية اتفاقاً، مجمع“. (الدر المختار)

وفي ردالمحتار: ”(قوله: تتم بالرفع عند محمد) وعند أبي يوسف بالوضع، وثمرة الخلاف فيما لو أحدث وهو ساجد فذهب وتوضأ، يعيد السجدة عند محمد، لا عند أبي يوسف... ثم ظهر أن الرفع المذكور فرض مستقل عنده لا متمم للسجدة“. (كتاب الصلاة، فصل في بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها: ۱/۵۰۰، سعيد) (وكذا في مجمع الأنهر، فصل صفة الشروع في الصلاة: ۹۸. انيس)

(۱) كما أن القراءة قبل إيقاعها نوعت إلٰى فرض وواجب وسنة، وبعده يكون الكل فرضًا“. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۴۵، سعيد)

(۲) ”وتأخير قيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد بقدر ركن. وفيه: بحرف“. (الدر المختار)

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالٰى: ”(قوله وتأخير قيام) أشار إلٰى أن وجوب السجود ليس لخصوص الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم، بل لترك الواجب، وهو تعقيب التشهد للقيام بلافضل ... آه. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۸۱، سعيد)

لوجوب أحد الأمرين فمافوقها مطلقاً لصدق ماتيسرعلىٰ كل فرض،فمهما قرأ يكون الفرض ومعنى الأقسام المذكورة أن جعل الفرض مقدار كذا واجب،وجعله دون ذلك مكروه،وجعله فوق ذلك إلىٰ حد كذا سنة،لأنا إن اعتبرنا الواجب مابعد الآية الأولىٰ منضمًا إليها انقلب الفرض واجبًا،وإن اعتبرناه منفردًا كان الواجب بعض الفاتحة وقالوا:الفاتحة واجب، وكذا الكلام فيما بعد الواجب إلىٰ حد السنة.فليتأمل آه،كذا فى شرح المنية من باب سجود السهو،ونحوه فى الفتح وهوتحقيق دقيق فاغتنم". (ردالمحتار: ۱/ ۵۰۰)(۱)

اگرابتدا میں بیس آیت قرأت کرنے کا ارادہ تھا تو محض اس ارادہ سے ان بیس آیات کا پڑھنا فرض نہیں ہوگیا، جتنی مقدار پڑھی اتنی مقدار فرض ہوئی، اب اگر دس آیت کی مقدار پڑھ کر بھول گیا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ رکن قرأت ناتمام رہا بلکہ وہ تو پورا ہوگیا۔(۲) اب بھول کر خاموش کھڑے رہنے سے رکوع میں تاخیر ہوگی جو کہ موجب سہو ہے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔۲۳/ ۱۰/ ۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔۲۳/ ۱۰/ ۱۳۸۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۵۵۱-۵۵۲)☆

(۱) ردالمحتار،كتاب الصلاة،فصل فى القراء ة: ۱/ ۵۳٦،سعيد/الحلبى الكبير،فصل فى سجود السهو: ٤٦١، سهيل أكيڈمى لاهور

(۲) "كما أن القراة قبل إيقاعها نوعت إلىٰ فرض وواجب وسنة،وبعده يكون الكل فرضًا". (رد المحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۱/ ٤٤٥،سعيد)

"وقرأ المصلى لوإماماً أومنفردًا الفاتحة وقرأ بعدها وجوبًا سورةً أوثلاث آيات ولوكانت الآية،أوالآيتان تعدل ثلاث آيات قصار،انتفت كراهة التحريم،ذكره الحلبى،ولاتنتفى التنزيهية إلا بالمسنون". (تنويرالأبصارمع الدر المختار،كتاب الصلاة،فصل فى بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها: ۱/ ٤۹۱-٤۹۲،سعيد)

"ومنها القراء ة،وفرضها عند أبى حنيفة رحمه الله يتأدى بآية واحدة وإن كانت قصيرةً،كذا فى المحيط، وفى الخلاصة:وهوالأصح،كذا فى التاتارخانية". (الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،الباب الرابع فى صفة الصلاة، الفصل الأول فى فرائض الصلاة: ۱/ ٦۹،رشيدية)

(۳) "وتأخيرقيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد بقدرركن.وفيه:بحرف". (الدرالمختار)

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ:"(قوله وتأخيرقيام)أشارإلىٰ أن وجوب السجود ليس لخصوص الصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم،بل لترک الواجب،وهوتعقيب التشهد للقيام بلافصل...آه". (ردالمحتار،كتاب الصلاة، باب السجود سهو: ۲/ ۸۱،سعيد)

☆ تکبیر تحریمہ یا رکوع میں شریک ہونے کیلئے دوڑنے کا حکم:

سوال: نمازی حضرات وضو میں مشغول ہوں، اتنے میں تکبیر شروع ہوجائے، تو اس کے حصول کیلئے دوڑتے ہیں، تو اس طرح دوڑنا ضروری ہے؟

==

بلاعذر ایک پاؤں پر کھڑے ہوکر نماز پڑھنا:

سوال: جناب مفتی صاحب! نماز میں ایک پاؤں پر بلا عذر شرعی کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز میں دونوں پاؤں پر کھڑا ہونا چاہئے، فقہاء کرام نے ایک پاؤں پر بلاعذر کھڑے ہونے کو مکروہ قرار دیا ہے، اس لئے کہ ایسی صورت میں سستی اور کاہلی ظاہری ہوتی ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ تحت قوله ومنها القيام: ويكره القيام علىٰ أحد القدمين في الصلاة بلاعذر. (رد المحتار، فرائض الصلاة: ۱/ ٤٤٤)(۱)(فتاویٰ حقانیہ: ۳/ ۸۰)

بیٹھ کر نماز پڑھنے کے دوران کھڑے ہوجانا:

سوال: نماز بیٹھ کر پڑھنے کے دوران ایک رکعت کے بعد طاقت محسوس کی تو اب کھڑے ہوجانا درست ہے یا نہیں؟ اور بیٹھے ہوئے پڑھنے میں حرج تو نہیں؟

==

الجواب

صورت مسئولہ میں جلدی کرے، دوڑے نہیں، میانہ روی اختیار کرے، دوڑ نا منع ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب تم اقامت سنو تو نماز کے لئے اطمینان اور وقار سے چلو، دوڑ ومت۔(بخاری، پ: ۳/ ۸۸)

(عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا سمعتم الإقامة فامشوا إلى الصلاة وعليكم بالسكينة والوقار ولاتسرعوا فماأدركتم فصلوا ومافاتكم فأتموا. (الصحيح للبخاري، باب لايسعى إلى الصلاة وليأت بالسكينة (ح: ٦٣٦)/ الصحيح لمسلم، باب استحباب إتيان الصلاة بوقار (ح: ٦٠٢) انيس)

ایک حدیث میں ہے کہ نماز کے قصد سے نکلنا نماز کے حکم میں ہے۔(مسلم) **(عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لايزال العبد في صلاة ماكان في مصلاه ينتظر الصلاة وتقول الملائكة: اللّٰهم اغفرله اللّٰهم اغفرله، حتى ينصرف أويحدث، الخ.** (الصحيح لمسلم، باب فضل صلاة الجماعة وانتظار الصلاة (ح: ٦٤٩)/ مسند اسحاق بن راهويه، مايروى عن محمدبن قيس وغيره عن أبي هريرة (ح: ٥٢٨)/ مسند الإمام أحمد، مسند أبي هريرة (ح: ٩٣٧٤)/ مسند أبي يعلى الموصلي، شهر بن حوشب عن أبي هريرة (ح: ٦٤٣٠) انيس)

اسی بنا پر مستحب ہے کہ اثنائے راہ میں حتی الامکان ایسی حرکت نہ کرے جو ہیئت صلوٰۃ کے منافی ہو۔(شرح مسلم نووی: ۱/ ۲۲۰)

فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۱/ ۱۸۸)

(۱) وفي الهندية: ويكره القيام علىٰ أحد القدمين من غيرعذروتجوزالصلاة وللعذر لايكره. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول: ۱/ ٦٩) ومثله في الجوهرة النيره، باب صفة الصلاة: ۱/ ٥٨)

الجواب

نفلوں میں اس طرح کرنا بہتر ہے اور اگر فرض مجبور ہو کر بیٹھ کر پڑھ رہا تھا اور طاقت آ گئی تو کھڑا ہونا فرض ہے۔(۱) فقط
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔۱۶/۱۲/۷/۱۳۸۷ھ۔
الجواب صحیح: بندہ محمد عاشق الٰہی بلندی شہری۔ واللہ سبحانہ اعلم (فتویٰ نمبر: ۱۴۲۷/۱۸-الف) (فتاویٰ عثمانی: ۱/۴۱۲)

چلتی ریل گاڑی میں بیٹھ کر نماز پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص ریل گاڑی میں سفر کرتا ہے اور نماز کا وقت ہوا اب یہ شخص بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔
(المستفتی: گل محمد بلوچستان۔۲۱/۷/۱۹۸۶ء)

الجواب

ریل میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، اگر چہ چل رہی ہو اور قیام سے معذور ہو، البتہ استقبال قبلہ ضروری ہے۔(الفتاویٰ الهندية: ۱۵۲/۲) (۲) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۳۸)

(۱) وفی مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۲۲۹/۱ :ولوافتتحها قاعدًا للعجز يركع ويسجد فقدر على القيام بنى قائمًا عند الشيخين،الخ.

وإذا افتتح التطوع قاعداً وأدى بعضها قاعداً ثم بدأ له أن يقوم فقام وصلى بعضها قائماً أجزأه عندهم جميعاً أما عند أبى حنيفة وأبى يوسف رحمهما الله لا يشكل،لأن عندهما التحريمة المنعقدة للقعود منعقدة للقيام بدليل أن المريض إذا افتتح المكتوبة قاعداً ثم قدر على القيام جاز له أن يقوم ويصلى بقية الصلاة قائماً لهذا المعنى،أن التحريمة المنعقدة للقعود منعقدة للقيام وإنما يشكل على مذهب محمد رحمه الله لأن عنده التحريمة المنعقدة للقعود لا تكون منعقدة للقيام حتى أن المريض إذا قدر على القيام فى وسط الصلاة فسدت صلاته عنده مع هذا قال:هنا تجوز صلاته.وفى المريض لاتجوز صلاته والفرق لمحمد وهو أن المريض ما كان قادراً على القيام وقت الشروع فى الصلاة فما انعقدت تحريمته للقيام فأما هنا فى صلاة التطوع كان قادراً على القيام فانعقدت تحريمته للقيام فلو أنه افتتح قاعداً فكلما جاء أوان الركوع قام وقرأ ما بقى من القراءة وركع جاز،وهكذا ينبغى أن يفعل إذا صلى التطوع قاعداً.(المحيط البرهاني،الفصل الحادى والثلاثون فى صلاة المريض: ۱٤٤/۲.انیس)

(۲) قال فى الهندية:ومن أراد أن يصلى فى سفينة تطوعًا أوفريضةً فعليه أن يستقبل القبلة ولا يجوزله أن يصلى حيثما كان وجهه كذا فى الخلاصة.(الفتاویٰ الهندية،الفصل الثالث فى استقبال القبلة: ٦٣/۱-٦٤)

وفى منهاج السنن:وأما الصلاة فى السيارات البرية من القطارات وغيرها فعند الوقوف حكمها كحكم الصلاة على الأرض وعند السيرحكمها كحكم الصلاة فى السفينة السائرة فمن صلى فيها قاعدًا بركوع وسجود أجزأت،و من صلى فيها بالإيماء للزحمة وضيق المحل فالظاهرمن النظائرأن يعيد الصلاة،وأما الصلاة فى الطيارات فلعل حكمها كحكم الصلاة فى السفينة السائرة.(منهاج السنن شرح جامع السنن،باب الصلاة على الدابة حيث ماتوجهت به: ۲۳٤/۲)

ریل گاڑی میں بھی نماز کیلئے قیام فرض ہے:

سوال: ہم پشاور سے کراچی تک کا سفر ریل گاڑی سے کرتے ہیں، ریل گاڑی میں کثرت ازدہام کی وجہ سے کھڑے ہوکر نماز پڑھنا مشکل ہوتا ہے، ایسی صورت میں ہم بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب ——————

نماز میں قیام فرض ہے؛ بغیر شرعی عذر کے اس کا ترک کرنا درست نہیں، (۱) اس لئے پہلے تو اپنے ہمسفر لوگوں سے درخواست کر کے نماز کے لئے جگہ مانگی جائے، اگر وہ جگہ نہ دیں تو پھر بیٹھ کر نماز ادا کرلی جائے، مگر اس کا اعادہ لازم ہے، البتہ اگر سر چکرانے یا گرجانے کا خطرہ ہوتو پھر بلا اعادہ جائز ہے۔

قال العلامة ابن نجيم: الأسير في يد العدو إذا منعه الكافر عن الوضوء والصلاة يتيمم ويصلي بالإيماء ثم يعيد إذا خرج ...، لأن طهارة التيمم تظهر في منع وجوب الإعادة، ثم قال: فعلم منه أن العذر إن كان من قبل الله تعالىٰ لا تجب الإعادة وإن كان من قبل العبد وجب الإعادة. (البحر الرائق، باب التيمم: ۱/۱۴۹) (فتاویٰ حقانیہ: ۳/۷۹)

---

(۱) (وأركانها) أي أركان الصلاة (ستة) أشياء أيضاً (الأول: القيام) لقوله تعالىٰ: ﴿وَقُوْمُوا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ﴾ (البقرة: ۲۳۸). (منحة السلوك شرح تحفة الملوك، فصل في أركان الصلاة: ۱/۱۰۱)

وإن عجز عن القيام وقدر على القعود فإنه يصلي المكتوبة قاعداً بركوع وسجود ولايجزيه غير ذلك لأنه عجز عن نصف القيام وقدر على النصف فما قدر عليه لزمه وماعجز عنه سقط. وإن عجز عن الركوع والسجود وقدر على القعود فإنه يصلي قاعداً بإيماء ويجعل السجود أخفض من الركوع وإن عجز عن القعود صلى مستلقياً على ظهره وإن لم يقدر إلا مضطجعا استقبل القبلة وصلى مضطجعا يومىء إيماء. والأصل في هذا كله قوله تعالىٰ: ﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوداً وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾، الخ. (آل عمران: ۱۹۱) قال الضحاك في تفسيرها: هذا بيان حال المريض في أداء الصلاة بحسب الطاقة ... وقال عليه السلام لعمران بن حصين حين عاده وهو مريض: صل قائماً فإن لم تستطع فقاعداً فإن لم تستطع فعلى جنب تومىء إيماء. والمعنى في ذلك أن الطاعة بحسب الطاقة. (المحيط البرهاني، الفصل الحادي والثلاثون في صلاة المريض: ۲/۱۴۱)

عن الضحاك قال: رأى ابن مسعود قوماً يدعون قياماً فنهاهم فقالوا: أليس قد قال عزوجل: ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوداً وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾؟ قال: إنما ذلك في الصلاة المكتوبة صلِّ قائماً فإن لم تستطع فمضطجعاً وقالوا مثل ذلك الآية الأخرىٰ ﴿فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوداً وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾. (أحكام القرآن للطحاوي، تأويل قوله تعالىٰ: الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوداً وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (ح: ۴۴۵): ۱/۲۳۱) مصنف ابن أبي شيبة، في الرجل يصلي ثم يقوم يدعو (ح: ۸۴۵۵)

عن جبلة بن سحيم قال: سمعت ابن عمر، يسأل أيصلي الرجل على العود وهو مريض فقال: لا آمركم أن تتخذوا من دون الله أوثاناً من استطاع أن يصلي قائماً فليصل قائماً فإن لم يستطع فجالساً فإن لم يستطع فمضطجعاً يومىء إيماء. (مصنف عبدالرزاق، باب صلاة المريض (ح: ۴۱۳۹) انيس)

ریل کے سفر میں نماز کا مسئلہ:

سوال: ریل میں بحالت روانگی نماز ہوتی ہے، یانہیں، اور اکثر ریل میں قبلہ کی جانب منھ بھی نہیں کرسکتا اور نہ سجدہ ہوسکتا ہے، تو کیا کرے، پڑھے یا نہ پڑھے؟

الجواب

ریل جاری میں نماز نفل تو ہوتی ہے اور فرض میں اختلاف ہے، احتیاط اولیٰ ہے، چلتی میں نہ پڑھے، کھڑی ہوئی پر پڑھے اور جو سجدہ نہ کرسکے تو توقف کرے، چوکی پر جاکر نیچے اتر کر پڑھے۔(۱)

(بدست خاص، سوال:۱۲۶) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۵۳)

ٹرین میں ازدحام کی وجہ سے بیٹھ کر نماز:

سوال: سفر میں ٹرین پر بھیڑ کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق

اگر ٹرین میں رش اور ازدحام زیادہ ہو، کھڑے ہوکر نماز پڑھنا **ممکن** نہ ہو اور نماز کا وقت ختم ہوجانے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں بیٹھ کر نماز ادا کرلی جائے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ علم

محمد نعمت اللہ قاسمی ۔۴/۳/۱۴۰۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۶۷) ☆

(۱) چلتی ریل گاڑی میں نماز کے جائز ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ شروع میں اختلافی تھا، لیکن اب اس پر تمام علما کا اتفاق ہے کہ چلتی ریل میں بلاتأمل نماز ہوجاتی ہے، فرض ہو یا نفل، جو کھڑے ہوکر نماز پڑھ سکتا ہو، اس کا بیٹھ کر نماز پڑھنا یا استقبال قبلہ کے بغیر پڑھنا یا رکوع وسجود اشارہ سے کرنا درست نہیں۔ ہاں اگر گاڑی تیز رفتار ہو اور نماز کے وقت میں رکنے والی نہ ہو اور کوئی بوڑھا یا بیمار ہو کہ صحیح طرح کھڑے ہونے پر قادر نہ ہو، فرض نماز بیٹھ کر بھی پڑھ سکتا ہے اور بھیڑ کا عذر معتبر نہیں، اس صورت میں نماز مؤخر کرے یا قضا پڑھے، اس کو کچھ تفصیل اگلے نمبر پر آرہی ہے۔(پالن پوری)

(۲) (ومن تعذر علیه القیام) ... (صلی قاعدًا). (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار: ۲/۵۶۴-۵۶۵)

☆ **ریل گاڑی میں فرض نماز بیٹھ کر پڑھنا:**

سوال: ریل گاڑی میں اگر بھیڑ ہو تو بیٹھ کر فرض نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً

اگر کھڑے ہونے کی جگہ نہیں ہے تو بیٹھ کر پڑھ لے، تاکہ قضا نہ ہو، پھر جگہ ملنے پر کھڑے ہوکر اعادہ کرلے۔ **(وفی الخلاصة وفتاویٰ قاضیخان وغیرهما: الأسیر فی ید العدو إذا منعه الکافر عن الوضوء والصلاة، یتیمم، ویصلی بالإیماء، ثم یعید إذا خرج ... کالمحبوس لأن طهارة التیمم لم تظهر فی منع وجوب الإعادة... فعلم منه أن العذر إن کان من قبل اللّٰه تعالیٰ لا تجب الإعادة وإن کان من قبل العبد وجبت الإعادة. (البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۱/۲۴۸، رشیدیة)** فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۵۵)

موٹر میں وضوسے نماز ممکن نہ ہوتو جیسے ہو؛ اشارہ سے پڑھ لے، بعد میں اعادہ کرے:

سوال: سواری کے چلتے ہوئے اگر نماز کا وقت ہوجائے اور ڈرائیور موٹر نہ روکے اور نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب ہوتو نماز قضا کردے اور بعد اترنے کے قضا پڑھے، موٹر میں بیٹھ کر نہ پڑھے، نماز نہ ہوگی، یہ عذر نہیں چلتا، یہ زید نامی کہتا ہے اور دلیل اس پر یہ ہے کہ ایک شخص موٹر سے اس وقت اترتا ہے کہ سورج ڈوبنے کو ہوتا ہے اور اس میں نماز پڑھنی ہوتی ہے اور پانی قریب بھی ہوتا ہے اور اسے معلوم بھی ہوتا ہے تو اگر پانی کی طرف جاتا ہے تو نماز قضا ہوتی ہے تو جیسا اب پانی کے قریب ہونے کی وجہ سے تیمّم نہ کرے، نماز قضا کرے، پانی تک پہنچ کر وضو کرکے نماز قضا پڑھے، اب یہی نماز موٹر کا مسئلہ ہے۔

مثلاً: ایک عورت ہے نماز اس نے پڑھنی ہے ڈرائیور موٹر نہیں روکتا، اب وہ عورت مردوں میں کس طرح نماز پڑھے، قیام بھی نماز میں فرض ہے، موٹر میں قیام نہیں ہوسکتا، تو زید اس دلیل کا کیا جواب ہے۔

الجواب

بحر میں ہے کہ!

وفی الخلاصة وقاضی خان وغیرهما: الأسیر فی ید العدو إذا منعه الکافر عن الوضوء والصلاة یتیمم ویصلی بالإیماء ثم یعید (إلیٰ قوله) **فعلم منه أن العذر إن کان من قبل اللّٰه تعالیٰ لاتجب الإعادة وإن کان من قبل العبد وجبت الإعادة.** (البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب التیمم: ۱/۱۴۹)

روایت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں نماز کو قضا نہ کرنا چاہیے، البتہ ایسی صورت میں نماز اشارہ کے ساتھ ادا کرلینی چاہئے، دوبارہ بوقت فرصت اعادہ واجب ہوگا؛ کیونکہ اشارہ سے ادا کردہ نماز پر اکتفا صحیح نہیں اور یہی حکم ہے جب کہ مذکورہ وجہ کی بناء پر بیٹھ کر گاڑی یا موٹر میں نماز ادا کی گئی ہو، پس سائل کے کلام سے یہ؛ جو مترشح ہوتا ہے کہ موٹر میں اشارہ سے یا بیٹھ کر نماز نہ پڑھے، بعد میں قضا ضروری ہے (یہ غلط ہے)؛ بلکہ بعد از اترنے موٹر کے اس نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔۲۴/۱۱/۱۳۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ غفرلہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔ (خیر الفتاویٰ:۲/۲۸۵-۲۸۶)

سواری اور پیادہ پا کی حالت میں نماز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سواری اور پیادہ پا جانے کے وقت نماز کا کیا حکم ہے اور اس آیت کا کیا مطالبہ ہوگا: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً أَوْ رُكْبَاناً﴾. (الآیة)؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: محمد امین۔۲/۴/۱۹۷۴ء)

الجواب

اعلم أن الراجل هوالقائم على الرجلين سواء كان ماشيًا أولا كما أن الراكب هوالواقف على المركب سواء كان ذاهبًا أولا. لكن الفقهاء الكرام اتفقوا علٰى كون العمل الكثيرمفسدًا كما صرحوا به والمشي المتتابع عمل كثيرفيكون مفسدًا وهومقتضى الاحتياط،فافهم نعم لوورد مشاة أوركبانًا لقدم النص على الأصل فتقديم المحتمل على الأصل خلاف الاحتياط،وكذا الراكب هوالساكن وإنما الماشي هوالمركب فالتقابل أيضًا يقتضي الاحتياط.(۱)وهو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۴۳-۲۴۴)

بائیسکل، اسکوٹر، موٹرکار پر نماز کا حکم:

سوال: کتب فقہ میں صلاۃ علی الدابۃ کا جواز لکھا ہے کہ!"يتوجه المصلي إلٰى ما توجهت إليه راحلته، اور چلتے چلتے پیدل نماز درست نہیں ہے تو آیا سائیکل سوار کا حکم گھوڑسوار وغیرہ کا حکم ہے یا پیدل کا حکم ہے؟ نیز اسکوٹر اور موٹرکار کا کیا حکم ہے، ڈرائیور گاڑی چلاتے ہوئے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

بائیسکل کو دابہ پر قیاس کرتے ہوئے نوافل پڑھنے کی اجازت نہیں ہے اور اس پر قیاس، قیاس مع الفارق ہے، اسی طرح اسکوٹر سوار اور موٹرگاڑی کے ڈرائیور کے لئے بھی نوافل پڑھنے کی اجازت نہیں ہے، نہ ہی متوجهًا إلى القبلة اور نہ ہی حيث ما توجهت الدابة .(۲)فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، نائب مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان-۱۲/۲۶/ ۱۳۸۸ھ-

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، رئیس الافتا جامعہ خیر المدارس ملتان-(خیر الفتاویٰ:۲/۲۶۲)

(۱) قال العلامة ابن عابدين: فلايجوزعلى الدابة بلا عذرلعدم الحرج كما فى البحر(قوله:راكباً)فلا تجوزصلاة الماشي بالإجماع.بحرعن المجتبٰى.(ردالمحتارهامش الدرالمختار،مطلب فى الصلاة على الدابة: ۱/۵۱٦)

(۲) (ولاتصح صلاة الماشى) ولا السابع وهو يسبح،كما فى المضمرات،سواء كان بعذر أم لا،فرضاً كانت الصلاة أم لا، (قوله لاختلاف المكان) ولأن كلا من المشى والسباحة مناف للصلاة وأداء الأركان مع المنافى لايصح والله سبحانه وتعالٰى أعلم وأستغفرالله العظيم.(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح شرح نورالإيضاح،فصل فى صلاة النفل جالساً،الخ : ۱/٤٠٧)

والتقييد بالدابة ينفى جواز صلاة الماشى وهو بالإجماع كما فى البحر عن المجتبى.(درر الحكام شرح غررالحكام ، التنفل قاعداً مع القدرة على القيام : ۱/١١٨)/البحرالرائق،التنفل راكباً: ٢/٧٠/ردالمحتار،باب الوتر والنوافل:٢/٣٨،دارالفكر.انيس)

بیٹھ کر نماز کی شرطیں کیا ہیں:

سوال: بیٹھ کر نماز پڑھنے کی کیا کیا شرطیں ہیں؟

الجواب

نوافل میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کی بلا عذر بھی اجازت ہے اور فرائض وواجبات میں بلا عذر اجازت نہیں اور سنن مؤکدہ کو بھی بلا عذر بیٹھ کر نہ پڑھے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۹/۲-۱۶۰)

پانی جہاز میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: (پانی کے) جہاز میں بغیر لرزش کے بیٹھ کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

چلتے ہوئے جہاز میں بلا عذر بیٹھ کر فرض نماز پڑھنا بموجب قول راجح جائز نہیں ہے۔

درمختار میں ہے:

"(صلی الفرض فی فلک)جارٍ (قاعدًا بلا عذر صح) لغلبة العجز (وأساء)وقالا: لايصح إلا بعذروهو الأظهر،برهان.(۲)

پس صاحبین کا قول جو راجح ہے اس کے بموجب عدم جواز کا حکم ہے، اور امام صاحب کا قول جواز صلوٰۃ غلبۂ عجز پر مرتب ہے۔لیکن اس زمانہ میں کہ دخانی جہاز چلتے ہیں ان میں یہ علت متحقق نہیں، لہذا بالاتفاق بلا عذر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہ ہوا۔فقط

حررہ خلیل احمد عفی عنہ۔(فتاویٰ مظاہر علوم: ۹۷/۱)

---

(۱) **(ويتنفل مع قدرته على القيام قاعدًا)لا مضطجعًا إلا بعذر.(الدرالمختار)**

(قوله ويتنفل،الخ)أي في غيرسنة الفجرفي الأصح كما قدمه المصنف،بخلاف سنة التراويح لأنها دونها في التأكد،فتصح قاعدًا وإن خالف المتوارث،الخ.(ردالمحتار،باب الوتروالنوافل،قبل مطلب في الصلاة على الدابة: ٦٥٢/١،ظفير)

(ويتطوع قاعداً بغيرعذر)لأن باب النفل أوسع ثم قيل:يقعد متربعاً،والصحيح أن يقعد كما في التشهد،لأنه عهد مشروعاً في الصلاة (إلا سنة الفجر)لأنها في قوة الواجب فلاتجوز قاعداً إلا من عذر.(منحة السلوك شرح تحفة الملوك،فصل في السنن الرواتب وغيرها: ١٤٨/١.انيس)

(۲) **الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار،باب صلاة المريض،مطلب في الصلاة في السفينة: ٥١١/١-٥١٢، محمد خالد غفرله.**

کیا اس شخص کیلئے بیٹھ کر نماز جائز ہے جو چلتا پھرتا ہے:

سوال: جو شخص چل پھر کر اچھی طرح ضرورت پوری کر سکے اور وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے تو بیٹھ کر نماز فرض پڑھنا درست نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۲/۱۵۴)

معذور کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: نماز پڑھنے میں کھڑا ہونا دشوار ہے، درد سے بالکل مجبور ہے اور سالوں سے بیٹھ ہی کر نماز ادا کرتا ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ایسے معذور شخص کے لئے کھڑا ہونا ضروری نہیں، وہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۸۷)

بدون عذر فرض، وتر اور سنتِ فجر بیٹھ کر پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی:

سوال: یہاں پر عورتوں کا دستور ہے کہ جب نماز پڑھتی ہیں، تو پہلے کھڑی ہو کر ایک رکعت چاہے فرض ہو یا سنت، پڑھتی ہیں، باقی نماز بیٹھ کے پڑھتی ہیں، اور یوں کہتی ہیں کہ ہمارے واسطے یوں ہی حکم ہے، اور حالانکہ تندرست ہیں اور کوئی تکلیف نہیں۔ آپ فرماویں کہ یہ نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) (ومنها القيام)الخ (في فرض)وملحق به كنذروسنة فجرفي الأصح (لقادرعليه)وعلى السجود،فلوقدرعليه دون السجود ندب إيماء ه قاعدًا،وكذا من يسيل جرحه لوسجد.(الدرالمختار)

(قوله لقادرعليه)فلوعجزعنه حقيقةً وهوظاهرأوحكمًا كما لوحصل له به ألم شديد أوخاف زيادة المرض الخ فإنه يسقط.(ردالمحتار،باب صفة الصلاة،بحث القيام: ١/٤١٥،ظفير)

عن عمران بن حصين قال:كان بي الناصور،فسألت النبي صلى الله عليه وسلم فقال: صلِّ قائماً فإن لم تستطع فقاعداً فإن لم تستطع فعلى جنب.(سنن أبي داؤد،باب في صلاة القاعد (ح:٩٢٨)انيس)

(۲) بیٹھ کر پڑھنے میں اگر ٹیک لگانے کی ضرورت ہو تو ایسا بھی کر سکتا ہے۔

(من تعذرعليه القيام)أي كله (لمرض)حقيقي وحده أن يلحقه بالقيام ضرر،به يفتي (قبلها أوفيها) أي الفريضة (أو)حكمي بأن (خاف زيادته،أوبطء برئه بقيامه،أودوران رأسه أووجد لقيامة ألمًا شديدًا)أوكان لوصلى قائمًا سلس بوله، أوتعذرعليه الصوم كما مر(صلى قاعدًا) ولومستندًا إلى وسادة أوإنسان فإنه يلزمه ذلك على المختار.(الدرالمختار على صدرردالمحتار،باب صلاة المريض: ٢/٥٦٤-٥٦٦.[مجاهد])

الجواب

فرض، وتر اور سنت فجر میں بدون عذر بیٹھنا جائز نہیں، نماز درست نہ ہوگی اور بقیہ سننِ مؤکدہ میں بلا عذر قعود مکروہ ہے، (شامی: ۱/۶۰۷-۷۴۸-۷۴۰) کھڑا ہوکر پڑھنا ضروری ہے اور مرد عورت کا ایک ہی حکم ہے اور نفل میں ایسا کرنا جائز ہے کہ ایک رکعت کھڑی ہوکر پڑھی جائے باقی بیٹھ کر، وھو الأصح، اور اس میں بھی مرد عورت برابر ہیں، مگر یہ صورت صاحبین کے نزدیک نوافل میں بھی جائز نہیں، ہاں یہ جائز ہے کہ نوافل کو اول سے اخیر تک بیٹھ کر پڑھے۔ (شامی: ۱/۷۲۹) نیز نوافل میں یہ بھی اتفاقاً جائز ہے کہ دو رکعت قیاماً پڑھے اور دو رکعت جالساً، لأن کل شفعة منها صلاة علاحدة. (شامی: ص مذکور) اسی طرح شروع میں بیٹھ کر پڑھنا پھر کھڑا ہونا بالاتفاق جائز ہے۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۶/ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۹۹) ☆

گاڑی اور کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کا حکم:

(۱) سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس بارے میں کہ آج کل حرم شریف میں اور دیگر مساجد میں دیکھا جا رہا ہے کہ بہت سے نمازی جن کے گھٹنوں یا قدموں میں درد یا کسی قسم کی تکلیف ہے وہ کرسی یا گاڑی پر بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں گاڑی میں چلے آتے ہیں اور گاڑی ہی کو صف میں لگا دیا جاتا ہے اسی پر اشارے سے نماز پڑھ لیتے ہیں کرسی پر نماز پڑھنے والے بعض تو اپنے سامنے کوئی ٹیبل رکھ لیتے ہیں اس پر سجدہ کر لیتے ہیں، ان سب صورتوں کا کیا حکم ہے؟ کیا زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی طاقت ہوتے ہوئے اس طرح گاڑی یا کرسی پر بیٹھ کر نماز ہو جاتی ہے؟ اگر بیٹھ کر نماز پڑھیں تو آلتی پالتی مار کر دائیں بائیں ٹانگیں نکال کر رکوع سجدہ کر سکتے ہیں دلائل فقہیہ کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

(سائل: احقر خالد)

☆ **چارپائی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا:**

سوال: کیا چارپائی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، بغیر کسی مجبوری کے؟

الجواب

بغیر معذوری کے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (چارپائی وغیرہ پر کھڑے ہوکر نماز پڑھنا درست ہے۔ قلت: أرأیت الرجل یصلی علی الطنفسة أو علی الحصیر أو علی البوری أو علی المسح أو علی المصلی یسجد علی ثوبه أو لبده فیسجد علیه یتقی بذلک حر الأرض وبردها؟ قال: صلاته تامة. (الأصل للشیبانی، باب الدعاء فی الصلاة: ۱/۱۷۸-۱۷۹. انیس) (فتاویٰ احیاء العلوم: ۱/۳۲۲)

(۱) نوٹ: ''درج ذیل فتویٰ اگرچہ ہمارے دار الافتاء سے جاری شدہ نہیں ہے، بلکہ دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی سے جارہ شدہ ہے؛ مگر بینات میں ''مسائل واحکام'' کے زیر عنوان چھپنے کی وجہ سے شامل اشاعت کیا جا رہا ہے، اور یہ گویا دار الافتاء بنوری ٹاؤن کی تصدیق کے ساتھ شائع ہے؛ اس لئے یہ بھی دار الافتاء کے فتاویٰ کی فہرست میں شامل کیا گیا''۔

الجواب ـــــــــــــــــــــ باسمہ تعالیٰ

گھٹنوں یا قدموں میں معمولی تکلیف کی وجہ سے فرض نماز میں قیام کو ترک کر دینا اور بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں، ہاں اگر تکلیف اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ آدمی کھڑے ہوتے ہی گر جاتا ہے یا مرض کے بڑھ جانے یا شفایابی میں دیر لگ جانے کا ظن غالب ہو یا ناقابل برداشت تکلیف پہنچتی ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے، لیکن اگر تھوڑی دیر کے لئے ہی کھڑے ہونے کی طاقت ہو تب بھی اتنی دیر کھڑا ہونا فرض ہے، اگرچہ دیوار یا لاٹھی وغیرہ کے ساتھ ٹیک لگانی پڑے اس صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز نہیں۔

اگر قیام پر قدرت ہو، مگر رکوع وسجدہ پر قدرت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنا اور اشارے کے ساتھ سجدہ کرنا جائز ہے، تاہم اس صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا بہتر ہے، اسی طرح اگر رکوع وسجدہ کرنے کی طاقت ہو تو بیٹھ کر اشارے کے ساتھ رکوع وسجدہ کرنا جائز نہیں، بلکہ رکوع وسجدہ کرنا فرض ہے اس کے بغیر نماز نہ ہوگی۔ ہاں! اگر رکوع سجدہ کرنے کی بالکل طاقت نہ ہو تو اشارے کے ذریعہ سے رکوع سجدہ کیا جا سکتا ہے، لیکن سجدہ کا اشارہ رکوع کے اشارے سے زیادہ پست ہونا چاہئے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قیام پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں مریض کی لئے بنائی گئی گاڑی میں نماز پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ رکوع وسجدہ پر بھی قدرت نہ ہو اگر قیام پر تو قدرت نہیں مگر رکوع سجدہ پر قدرت ہے تو رکوع سجدہ کرنا فرض ہے، ایسی صورت میں اگر مذکورہ گاڑی میں سامنے ٹیبل وغیرہ رکھ کر سجدہ ادا ہو سکتا ہے تو اس میں نماز جائز ہے، ورنہ نہیں۔

عذر کی حالت میں آلتی پالتی مار کر یا جیسے آسانی ہو نماز پڑھنا جائز ہے، رکوع وسجدہ پر قدرت کی حالت میں بہر حال ورکوع وسجدہ کرنا پڑے گا۔

فی الدر المختار: (من تعذر علیه القیام)أی کله (لمرض) حقیقی وحده أن یلحقله بالقیام ضرر به یفتیٰ.

قال ابن عابدین ناقلاً عن البحر: أراد بالتعذر التعذر الحقیقی،بحیث لو قام سقط.

(أو)حکمی بأن(خاف زیادته أو بطء برئه بقیامه أودوران رأسه أووجد لقیامه ألمًا شدیدًا)...

(صلی قاعدًا)... (کیف شاء)علی المذهب؛لأن المرض أسقط عنه الأرکان فالهیئات أولیٰ،...

(برکوع وسجود وإن قدر علیٰ بعض القیام)ولو متکئًا علیٰ عصا أو حائط(قام)لزومًا بقدر ما یقدر

ولو قدر آية أو تكبير ة علـى المـذهب؛لأن البعض معتبر بالكل(وإن تعذرا)ليس تعذرهما شرطاً تعذر السجود كافٍ(لا القيام أومأ)بالهمز (قاعدًا)وهو أفضل من الإيماء لقربه من الأرض.(۱)

کتبہ: محمد طاہر مسعود

جواب صحیح ہےاور خلاصہ یہ ہے کہ جب قیام پر قدرت نہ ہوتو زمین پر بیٹھ کر بھی نماز جائز ہےاور گاڑی پر بیٹھ کر بھی؛ لیکن دونوں صورتوں میں اگر سجدے پر قدرت ہوتو سجدہ کرنا ضروری ہوگا،خواہ زمین پر کرے، یا گاڑی کے سامنے کوئی تختہ، یا میز رکھ کر، جب اس طرح سجدے پر قدرت نہ ہو،تب اشارہ جائز ہوگا، ورنہ نہیں۔واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی-۱۶/۴/۱۴۱۳ھ-بینات-رجب ۱۴۱۳ھ-(فتاویٰ بینات:۲/۳۸۸-۳۹۰)

نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے کا حکم:

سوال: زید نفل نماز بیٹھ کر پڑھتا ہے، جب کہ نماز میں قیام بھی فرائض میں شامل ہے،اس صورت میں زید کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

قیام غیر معذور شخص کے لئے فرض نمازوں میں ضروری ہے،نفل میں نہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری-۲۰/۱۱/۱۴۰۳ھ-(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۵۱-۴۵۲)

☆☆☆

(۱) تنوير الأبصار مع الدر المختار ورد المحتار، كتاب الصلاة،باب صلاة المريض: ۲/۹۵-۹۸. ط: ایچ ایم سعید

(۲) (ومنها القيام)...(في فرض)وملحق به كنذر وسنة فجر في الأصح(لقادر عليه).(الدر المختار علىٰ صدر الرد،بحث القيام: ۲/۱۳۱-۱۳۲)

ويجوز أن يتنفل القادر على القيام قاعدًا بلا كراهة في الأصح،كذا في شرح مجمع البحرين لابن الملك.(الفتاوى الهندية،باب النوافل: ۱/۱۱٤)

(ويجوز أن يتنفل القادر على القيام قاعداً)بلا كراهة في الأصح،اختلفوا في كيفية القعود في غير حالة التشهد،عن أبي حنيفة أنه يقعد كيف شاء؛لأنه لما جازله ترك أصل القيام فترك صفة القعود أولىٰ جوازاً،وعن محمد أنه يتربع؛لأنه أعدل،وعن أبي يوسف أنه يحتبي؛لأن عامة صلاة النبي صلى الله عليه وسلم في آخر عمره كانت بالإحتباء،وعن زفر أنه يقعد كما يقعد في التشهد؛وهذا هو المختار،لأنه عهد مشروع في الصلاة.(شرح مجمع البحرين لابن ملك، كتاب الصلاة،فصل في السنن الرواتب وإدارك الفريضة وفي النوافل وأحكامها والنذر: ۱٤۷، دار الكتب العلمية بيروت.انيس)

فرض قرأت-احکام ومسائل

نماز میں قرأت فرض ہے، جس کو قرأت نہ آئے، اس کے لئے کیا حکم ہے:

مسئلہ: قرأت مطلق [نماز میں مطلق قرأت فرض ہے]،(۱) مگر معذور کو تا حصول قرأت، قدر فرض تسبیح وتہلیل چاہئے،(۲) سو آپ نے؟ اگر چہ اس مصلی کو قرآن آتا تھا، مگر تعمیم فوائد کے واسطے مسئلہ معذور عن القراءۃ کا بھی فرمادیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بوجہ صیغہ خطاب کے، خود مخاطب کو ہی قرآن قدر فرض کے یاد نہ تھا، یا عربی تھا یا عجمی تھا، اس سے کچھ غرض نہیں؛ بلکہ وہ عربی تھے اور قرآن بھی کچھ کچھ یاد تھا اور یہ بیان بطور تعمیم فائدہ بیان مسئلہ واقع کے ہے اور بس۔ فقط والسلام

(مجموعہ کلاں، ص:۲۴۰) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۶۸)

---

(۱) ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾. (سورۃالمزمل: ۲۰)

وأدنى مايجزى من القراءة فى الصلاة آية عندأبى حنيفة رحمه الله وقالا: ثلاث آيات قصار أو آية طويلة لأنه لايسمى قارئاً بدونه فأشبه قراءة مادون الآية وله قوله تعالىٰ ﴿فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾. (سورۃالمزمل: ۲۰) من غيرفصل إلا أن مادون الآية خارج والآية ليست فى معناه. (الهداية شرح البداية، كتاب الصلاة: ۵۵/۱)

(وأدنى مايجزى من القراءة فى الصلاة ما يتناوله اسم القرآن) ولودون الآية (عند أبى حنيفة) واختاره المصنف ورجحها فى البدائع وفى ظاهرالرواية آية تامة طويلة كانت أوقصيرة واختارها المحبوبى والنسفى وصدر الشريعة كذا فى التصحيح (وقال أبويوسف ومحمد: لايجزى أقل من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة) قال فى الجوهرة: وقولهما فى القراءة احتياط والاحتياط فى العبادات أمر حسن، آه. (اللباب فى شرح الكتاب، باب صفة الصلاة: ۷۷/۱. انيس)

(۲) عن عبد الله بن أبى أوفىٰ قال: جاء رجل إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقال: إنى لا استطيع أن آخذ من القرآن شيئاً فعلمنى مايجزئنى منه؟ قال: سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر ولا حول ولا قوة إلا بالله العلى العظيم، قال: يارسول الله! هذا لله عزوجل فمالى؟ قال: قل اللهم ارحمنى وارزقنى وعافنى واهدنى، فلما قام قال: هكذا بيده فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أما هذا فقد ملأ يده من الخير. (سنن أبى داؤد، باب مايجزىء الأمى والأعجمى من القراءة (ح: ۸۳۲)/صحيح ابن حبان، ذكرالخبر المدحض قول من أمر لمن لم يحسن القراءة (ح: ۱۸۱۰)/المعجم الأوسط، من اسمه اسحاق (ح: ۳۰۲۵)/شرح السنة، باب صفة الصلاة (ح: ۵۵۳) انيس)

جس کو کوئی سورت یاد نہ ہو وہ نماز کیسے پڑھے:

سوال: اگر کسی کو ایک آیت بھی یاد نہ ہو تو کیا کرے؟ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب یوں تحریر فرمایا ہے، **سبحان اللّٰہ یا الحمد اللّٰہ** بجائے قرأت کے پڑھ لے اور جلد سے جلد اس پر قرآن مجید سیکھنا اور یاد کرنا فرض ہے، قرأت فرض کی مقدار یاد کر لینا فرض اور واجب کی مقدار واجب ہے اور نہ سیکھنے میں سخت گنہگار ہوگا، مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملہم الصّواب

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ صحیح ہے۔(۱)

قال فی الهندية: وفی المبسوط: والوبری والأخرس والأمی الذی لایحسن شیئًا یصیر شارعًا بالنیّة ولایلزمه التحریک باللسان، کذا فی التبیین. (الفتاویٰ الهندية: ۶۹/۱)(۲)

نومسلم پر اس طرح پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ واجب نہیں، البتہ اگر کوئی مسلمان ایسی غفلت میں رہا اور اب توبہ کی توفیق ہوئی تو بطریق مذکور فوراً نماز شروع کر دے، مگر بقدر ضرورت قرآن یاد کر لینے کے بعد ان نمازوں کو لوٹائے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲/ربیع الاول ۱۳۹۶ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۷۹/۳)

نفل کی سب رکعتوں اور فرضوں کی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے، اس کا کیا سبب ہے:

سوال: نفل کی نماز میں سب رکعتوں میں سورت پڑھنا فرض ہے اور فرض نماز میں فقط دو رکعت میں سورت پڑھنا فرض ہے، اس کا کیا سبب ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

فرضیتِ قرأت آیۃ ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ (۳) سے ثابت ہے اور فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت

(۱) وفی المضمرات شرح القدوری: اعلم أن حفظ قدرمایجوزبه الصلاة من القرآن فرض عین علی المسلمین لقوله تعالیٰ: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾. (سورة المزمل: ۲۰) وحفظ جمیع القرآن فرض کفایة وحفظ فاتحة الکتاب وسورة واجبة علی کل مسلم. (البحر الرائق، آداب الصلاة: ۳۵۹/۱، وکذا فی النهر الفائق، کتاب الصلاة، فرع: ۲۳۱/۱. انیس)

(۲) وفی المبسوط: ولونوی الأخرس والأمی الذی لایحسن شیئاً یکون شارعاً بالنية ولایلزمه التحریک باللسان. (تبیین الحقائق، فصل الشروع فی الصلاة وبیان إحرامها: ۱۰۹/۱. انیس)

(۳) سورة المزمل: ۲۰. (چار رکعت والی فرض نماز میں صرف دو رکعت میں قرأت قرآن فرض ہے، البتہ سنت کی تمام رکعتوں میں قرأت قرآن فرض ہے اور یہ ایک آیت ہے۔انیس)

میں فرض نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ سے روایات عدم وجوب قرینہ ہیں کہ یہ امر رکعت ثالثہ ورابعہ کی بابت وجوب کے لئے نہیں۔ کما فی البحرالرائق: ۵۶/۲ :

وإنما لم تكن القراء ة فی الأخريين واجبة فی الفرض كما هوالصحيح من المذهب مع وجود الأمرالمذكورالمقتضی للوجوب موجود صارف له عنه وهوقول الصحابة علٰی خلافه كما رواه ابن أبی شيبة عن علی وابن مسعود. قال: اقرأ فی الأوليين وسبح فی الأخريين، لكن ذكرالمحقق فی فتح القديرأنه لايصلح صارفًا إلا إذا لم يرد عن غيرهما من الصحابة خلاف و إلا فاختلافهم فی الوجوب لايصرف دليل الوجوب عنه فالأحوط رواية الحسن رحمه اللّٰه بالوجوب فی الأخريين، انتهی.

وقد يقال إن مقتضاه لزوم قراء ة ماتيسرفی الأخريين وجوبًا لا تعيين الفاتحة كما هورواية الحسن فليس موافقًا لكل من الروايتين، آه.(۱)

قلت: مقتضی الأمرالوارد فی الأية وجوب قراء ة ماتيسرفی الصلاة مطلقًا ولا تعرض له بالركعة ولا الركعتين ولا الأوليين ولا الأخريين وإنما قلنا بفرضية القراء ة فی الركعتين من الفرض لقيام الإجماع عليه ولا إجماع فی الأخريين وأما تعيين الأوليين للقراء ة فواجب لا فرض بدليل قضاء ها فی الأخريين إذا تركها فی الأوليين ودليل الوجوب فی ذلک مواظبة النبی صلی اللّٰه عليه وسلم علٰی ذلک من غيرترک واللّٰه تعالٰی أعلم

۲۶/ ذیقعدۃ ۱۳۴۳ھ۔ (امدادالاحکام: ۱۹۱/۲-۱۹۲)

قرأت فرض کی مقدار کیا ہے:

سوال: نماز میں قرأت فرض ہے، سوکس قدر فرض ہے؟

الجواب

مطلق قرأت بقدر ایک آیت کے فرض ہے۔

كما فی الشامی: أی قراء ة آية من القرآن وهی فرض عملی.(۲)

اورالحمد شریف اوراس کے ساتھ سورت ملانا واجب ہے اورمقدار چھوٹی سورۃ سے جیسا کہ " اِنَّـآ اَعۡطَيۡنٰکَ الۡكَوۡثَرَ" تین آیتیں ہیں، واجب ادا ہوجائے گا۔ (۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۶۶/۲)

(۱) البحرالرائق، كتاب الصلاة، القراء ة فی ركعات النفل والتر: ۶۰/۲. انيس

(۲) رد المحتار، باب صفة الصلاة، مبحث القراء ة: ۴۱۵/۱، ظفير

(۳) وتجب قراء ة الفاتحة وضم السورة أومايقوم مقامها من ثلاث آيات قصارأوآية طويلة فی الأوليين. (الفتاوی الهندية: ۶۶/۱، ظفير)/ الفصل الثانی فی واجبات الصلاة/ وكذا فی النهرالفائق، باب صفة الصلاة: ۱۹۷/۱. انيس)

قرأت فرض کی مقدار:

سوال: قرأت فرض کا اولیٰ درجہ جس کے سوا نماز صحیح نہیں ہوتی کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــ ومنه الصدق والصواب

بعض نے اٹھارہ حروف کا قول نقل کیا ہے، مگر احتیاط اس میں ہے کہ تیس حروف ہوں۔

قال العلاء:(وفرض القراء ة اٰية على المذهب)هى لغةً:العلامة،وعرفًا:طائفة من القراٰن مترجمة،أقلّها ستة أحرف ولوتقديرًا،كلَمْ يَلِدْ،إلا إذاكان كلمة فالأصحّ عدم الصحة وإن كرّرها مرارًا، الخ.

ولوقرأ اٰية طويلة فى الركعتين فالأصح الصحة اتفاقاً لأنه يزيد علٰى ثلاث اٰيات قصار،قاله الحلبى.

قال فى الشامية:(قوله فالأصح عدم الصحة) كذا فى المنية،وهوشامل لمثل.مُدْهَآمَّتَانِ.ومثل: صٓ.و.قٓ.و.نٓ.،لٰكن ذكرفى الحلية والبحرأنّ الذى مشى عليه الإسبيجابى فى الجامع الصغير وشرح الطحاوى وصاحب البدائع الجوازفى.مُدْهَآمتان.عنده من غيرحكاية خلاف.

(قوله لأنّه يزيد علٰى ثلاث اٰيات) تعليل للمذهبين؛لأنّ نصف الاٰية الطويلة إذاكان يزيد علٰى ثلاث اٰيات قصاريصحّ علٰى قولهما فعلٰى قول أبى حنيفة المكتفى بالاٰية أولٰى ح.قال فى البحر: وعلم من تعليلهم أن كون المقروء فى كلّ ركعة النصف ليس بشرط بل أن يكون البعض يبلغ ما يعد بقرأته قارئًا عرفًا،آه.

وأيضًا فيها:لكن التعليل الأخيرربّما يفيد اعتبارالعدد فى الكلمات أوالحروف... كقوله تعالٰى:﴿ ثُمَّ عَبَسَ وَبَصَرَثُمَّ اَدْبَرَوَاسْتَكْبَرَ﴾ (۱)وقدرها من حيث الكلمات عشر. (۲)ومن حيث الحروف ثلاثون.(رد المحتار: ۱/۵۰۲)(۳)

وفى واجبات الصلاة من الشرح: (وضم)أقصر(سورة) كالكوثرأوما قام مقامها،وهوثلاث اٰيات قصار،نحو﴿ثُمَّ نَظَرَ.ثُمَّ عَبَسَ وَبصَرَ.ثُمَّ اَدْبَرَوَاسْتَكْبَرَ﴾وكذا لوكانت الاٰية أوالاٰيتان تعدل ثلاثًا قصارًا،ذكره الحلبى.

---

(۱) سورة المدثر: ۲۳ـ انيس

(۲) دس کلمات ضروری نہیں، صرف تیس حروف کافی ہیں۔
كما فى الشامية فى بيان كراهة إطالة الركعة الثانية على الأولٰى:فالمعتبرعدد الحروف لا الكلمات.منه

(۳) **كتاب الصلاة، فصل كيفية الصلاة، فصل و يجهرالإمام ، قبيل مطلب فى الفرق بين فرض العين وفرض الكفاية: ۱/۵۳۸،دارالفكربيروت.انيس**

وفی الشامية: (قوله تعدل ثلاثًا قصارًا) أی مثل. ثُمَّ نَظَرَ. الخ وهی ثلاثون حرفًا، فلوقرأ اٰية طويلة قدرثلاثين حرفًا يكون قد أتى بقدرثلاث آيات، لكن سيأتی فی فصل يجهرالإمام أن فرض القراء ة اٰية وأنّ الاٰية عرفًا طائفة من القرآن مترجمة أقلّها ستة أحرف ولوتقديرًا كلَمْ يَلِدْ إلّاَ إذا كانت كلمة فالأصح عدم الصحّة آه. ومقتضاه أنّه لوقرأ اٰية طويلة قدرثمانية عشرحرفًا يكون قد أتى بقدرثلاث اٰيات.

وقد يقال: إن المشروع ثلاث آيات متوالية على النظم القراٰنی مثل. ثم نظر. الخ ولايوجد ثلاث متوالية أقصرمنها الخ. (رد المحتار، مطلب واجبات الصلاة: ۴۲۷/۱)(۱)

وقال الرافعی: المتبادرمن قوله ثلاثاً قصارًا الاكتفاء بقدرالثلاث من الاٰية أوالاٰيتين وإن لم تكن الثلاث علٰى ترتيب النظم القراٰنی واشتراط ذٰلک لاتدل عليه عبارة الحلبی إذ قوله تعدل ثلاث اٰيات قصارشامل لما إذاكانت على الوجه المشروع بأن تكون متوالية أو لا وإثباته لابدّ له من دليل فمع عدم وجوده يعمل بإطلاق عبارة الحلبی من الاكتفاء بالاٰية التی بلغت ثمانية عشر حرفًا لإقامة واجب القراء ة. (التحريرالمختار: ۵۷/۱)(۲) فقط واللّٰه تعالٰی أعلم

۲۵ رشعبان ۷۴ ۱۳ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۷۱)

سورۂ فاتحہ سے فرض قرأت ادا ہوجاتی ہے:

سوال: سورۂ فاتحہ نماز میں پڑھنے سے قرأت فرض ادا ہوجاتی ہے یانہیں؟

الجواب

فرض قرأت سورۂ فاتحہ کے پڑھنے سے ادا ہوگئی۔ (۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۴۷)

جو شخص نماز نہ سیکھے وہ نماز کس طرح پڑھے:

سوال: جو شخص نماز نہ سیکھے، وہ کیا کرے؟

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، واجبات الصلاة: ۴۵۸/۱، دارالفكربيروت. انيس
(۲) التحريرالمختار، مطلب واجبات الصلاة.
(۳) (وفرض القراء ة آية على المذهب) هی لغة: العلامة، وعرفًا: طائفة من القرآن مترجمة، أقلها ستة أحرف ولو تقديرًا، كلم يلد. (الدرالمختار)

(قوله على المذهب) أی الذی هوظاهرالرواية عن الإمام. (رد المحتار، فصل فی القراء ة: ۵۰۱/۱، ظفير) (كتاب الصلاة، فصل كيفية الصلاة، فصل ويجهرالإمام، قبيل مطلب فی الفرق بين فرض العين وفرض الكفاية، انيس)

واضح رہے کہ سورت ملانا واجب ہے، اس کے سہوا ترک کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ انیس

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

قرأت سیکھنے کی کوشش کرتا رہے اور افعال صلوٰۃ ادا کرتا رہے اور چاہئے کہ امام کے پیچھے جماعت میں شریک ہوکر نماز ادا کرے، جب قرأت وغیرہ سیکھے، اس وقت نماز باقاعدہ پڑھے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۰۹/۲)

گونگا نماز کیسے پڑھے:

سوال: گونگا اور بہرا جو کہ مادرزاد بہرا ہے، نہ بات کرسکتا ہے نہ سن سکتا ہے، وہ کس طرح نماز پڑھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملھم الصّواب

گونگا تکبیر تحریمہ اور قرأت کے لیے زبان ہلائے، بعض نے اس کو فرض قرار دیا ہے، مگر راجح یہ ہے کہ زبان ہلانا فرض نہیں، مستحب ہے۔

قال فی الدرالمختار: (ولایلزم العاجزعن النطق) کأخرس وأمّی(تحریک لسانه)وکذا فی حق القراء ة هوالصحیح لتعذر الواجب، فلا یلزم غیره إلا بدلیل فتکفی النیّة(إلٰی قوله)ثم فی الأشباه فی قاعدة التابع تابع فالمفتٰی به لزومه فی تکبیرة وتلبیة لا قراء ة.

وفی الشامیة:(قوله ثم فی الأشباه)أقول:عبارة الأشباه علٰی ما رأیته فی عدة نسخ:وممّا خرج أی عن القاعدة الأخرس یلزمه تحریک اللسان فی تکبیرة الافتتاح والتلبیة علی القول به،وأما بالقراء ة فلا علی المختاراھ وفی بعض النسخ علی المفتی به بدل قوله علی القول به:والأولٰی أحسن،لموافقتها لما ذکره صاحب الأشباه فی بحره عند قوله فرضها التحریمة،حیث نقل تصحیح عدم الوجوب فی التحریمة،وجزم به فی المحیط،ولکن یحتاج إلی الفرق بین التحریمة والتلبیة، فإنّه نص محمّد علٰی أنه شرط فی التلبیة،وقال فی المحیط:یستحب کما فی الصلاة،کذا فی شرح لباب المناسک، ثم قال قلت:فینبغی أن لا یلزمه فی الحج بالأولٰی؛لأن القراء ة فرض قطعیّ والتلبیة أمرظنی.(رد المحتار: ۱/ ۴۵۰)(۲)فقط واللّٰه تعالٰی أعلم

۸/ شوال ۱۳۹۶ھ۔(احسن الفتاویٰ:۲۹/۳)☆

---

(۱) وذکرالتمرتاشي: یجب أن لایترک الأمي اجتهاده اٰناء لیله ونهاره لیتعلم قدرما تجوزبه الصلاة فإن قصر لم یعذرعند اللّٰه تعالٰی.(غنیة المستملی: ۴۸۴)/ کذا فی البنایة،إمامة الأمي: ۳۷۴/۲،دارالکتب العلمیة.انیس)

(ولا یلزم العاجزعن النطق)کأخرس وأمی (تحریک لسانه) وکذا فی حق القراء ة هوالصحیح لتعذرالواجب، فلا یلزم غیره إلا بدلیل فتکفی النیة،لکن ینبغی أن یشترط فیها القیام،الخ.(الدرالمختار،باب صفة الصلاة،فصل کیفیة الصلاة،مطلب فی حدیث الأذان جزم: ۷۴/۱،ظفیر)

(۲) ردالمحتار،باب صفة الصلاة، فصل کیفیة الصلاة، مطلب فی حدیث الأذان جزم: ۱/ ۴۸۱-۴۸۲،انیس ==

== ☆ گونگے اور قرأت:

سوال: جولوگ گونگے ہوتے ہیں، وہ لوگ بہرے بھی ہوتے ہیں، ان کو نماز کے اذکار اور قرآن کی سورتیں کس طرح سکھائی جائیں، اور وہ کس طور پر نماز ادا کریں؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب

اگر تحریر کے ذریعہ ان کو سکھانا ممکن ہو، تو اس ذریعہ کو استعمال کیا جاسکتا ہے، غالبًا ایسے لوگوں کی تربیت کے لئے مستقل ادارے بھی ہیں، جہاں تک نماز کی بات ہے، تو چونکہ یہ قرأت سے عاجز ہیں، اس لئے ان کی نماز بغیر قرأت قرآن کے ہی درست ہوجائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کی طاقت وصلاحیت کے مطابق ہی مکلّف بنایا ہے۔ (﴿ لاَ يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلاَّ وُسْعَهَا﴾ (سورة البقرة:٢٦٦-مرتب)/"...وإن عجز عن ذلك كله تركه،الخ ... فإن عجزعن القراء ة يومى إيماء بغيرقراء ة" (الفتاوى الهندية: ١٣٧/١-١٣٨،الفصل الرابع عشر في صلاة المريض) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۹۷-۱۹۸)

گونگے کی نماز:

سوال: مادرزاد گونگا بہرہ آدمی جس نے کبھی نہ کوئی بات کان سے سنی، نہ زبان سے بولی وہ نماز کس طرح پڑھے؟

الجواب حامداً و مصلياً

ایسا شخص جب کہ قرأت پر قادر نہیں، تو وہ قراءۃ اس پر فرض نہیں، باقی جن ارکان: قیام وقعود وغیرہ پر قادر ہے، ان کو سب لوگوں کی طرح ادا کرتا رہے۔ اگر اس کو اتنی سمجھ ہے کہ نماز فرض ہے اور پھر نماز کو بقدر طاقت ادا نہ کرے گا، تو گنہ گار ہوگا۔

"(من فرائضها)...(التحريمة)قائمًا(وهي شرط)في غير جنازة على القادر به يفتٰى". (الدرالمختار)

قال الشامي:"أما الأمي و الأخرس لو افتتحا بالنية جاز؛لأنهما أتيا بأقصى ما في وسعهما". (رد المحتار: ٤٦٠/١)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٤٤٢/١،سعيد/البحرالرائق عن المحيط،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٥٠٨/١،رشيدية)/"وقالوا:يكتفي من الأخرس والأمي بالنية،ولا يلزمهما تحريك اللسان هو الصحيح؛ لأن الواجب حركة بلفظ مخصوص، فإذا تعذرنفس الواجب،لايحكم بوجوب غيره إلا بدليل". (النهر الفائق،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ١٩٥/١،مكتبة إمدادية،ملتان)

"(ولايلزم العاجزعن النطق)كأخرس وأمي (تحريك لسانه)كذا في القرء ة هو الصحيح".

(در،ص:٥٠٢)(الدر المختارعلٰى صدرالرد،كتاب الصلاة،فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ٤٨١/١، سعيد)/"وفي شرح منية المصلي:ولايجب عليهما تحريك اللسان عندنا، وهوالصحيح". (البحر الرائق،كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٥٠٨/١،رشيدية)

"هي فرض عين علٰى كل مكلف". (التنوير)

"ثم المكلف هوالمسلم البالغ العاقل ولوأنثى أوعبدًا ". (ردالمحتار: ٣٦٣)(ردالمحتارمع تنويرالأبصار،كتاب الصلاة: ٣٥١/١-٣٥٢،سعيد)فقط والله سبحانه وتعالٰى أعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ ۴/شعبان/۱۳۵۴ھ۔
صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ سعید احمد غفرلہ۔ ۶/شعبان/۱۳۵۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۵۳-۵۵۴)

نماز میں قرأت زبان سے ضروری ہے:

سوال: اگر نماز میں قرأت دل ہی میں پڑھی زبان سے نہیں پڑھی، تو نماز ہوئی یا نہیں، اوراسی طرح اگر علاوہ نماز کے قرآن شریف دل ہی دل میں پڑھا، تو ثواب قرآن پڑھنے کا ہوا، یا نہیں؟

الجواب

نماز میں قرآن زبان سے پڑھنا فرض ہے، دل سے کفایت نہیں اور خارج نماز کے بھی تفکر کا ثواب تو ہوگا؛ مگر قرأت کا ثواب جب ہی ہوگا کہ زبان سے پڑھے۔(۱) فقط

(بدست خاص، سوال:۱۲۱، جواب:۱۲۲) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۶۸) ☆

(۱) زبان سے پڑھنا تصحیح حروف کا درجہ ہے، یعنی زبان حرکت کرے مخارج پر لگے اور حروف کی ادائیگی ہو، چاہے اپنا پڑھنا خود بھی نہ سنے، یہ زبان سے پڑھنا ہے اور اگر اپنا پڑھنا خود سنے تو یہ سراً پڑھنے کا اعلیٰ درجہ ہے، بعض لوگ نماز پڑھتے ہیں اور ان کے ہونٹ بالکل نہیں ہلتے ، یہ دل میں پڑھنا ہے ان کی نماز نہیں ہوتی۔ (پالن پوری)

☆ دل میں قرأت ادا کرنا:

سوال: قرأت نماز میں بجائے زبان کے دل سے پڑھ لے تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اور درود شریف یا قرآن یا وظیفہ دل سے پڑھے، تو ثواب زبانی حاصل ہوگا یا نہیں؟

الجواب

اگر زبان سے کوئی لفظ نہ نکلا نہ آہستہ نہ پکار کر تو نہ فرضِ قرأت ادا ہوا، نہ سنت، نہ تسبیحات۔ (درمختار میں ہے) (تفصیل کے لیے دیکھئے: **الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، فصل فی القراءۃ: ۵۳۵/۱، دارالفکربیروت.)/وکذا فی الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ، کتاب الصلاۃ: ۱۲/۱-۱۳، بولاق مصر. انیس)** (تالیفات رشیدیہ:۱۷۲)

نماز میں دل ہی دل میں قرأت:

سوال: میں نے اپنے دوست کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے کہ ان کے ہونٹ قرأت قرآن کے درمیان ہلتے نہیں ہیں، استفسار کرنے پر انہوں نے کہا کہ میں آہستہ آہستہ پڑھتا ہوں، تو کیا اس طرح ہونٹ ہلے بغیر نماز ادا ہو جائے گی؟ اور جو لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں، کیا ان کی نماز درست ہوگی؟ (خان فیروز خان، پھولانگ)

الجواب

نماز میں اس طرح قرآن کریم کو پڑھنا کافی نہیں کہ ہونٹ میں حرکت بھی نہ ہو، بعض فقہا کے نزدیک کم سے کم ضروری یہ ہے کہ حروف بن جائیں، اور زبان و ہونٹ کی حرکت کے بغیر حروف نہیں بن سکتے اور اکثر اہل علم کی رائے یہ ہے کہ ایسا قرآن پڑھے کہ وہ خود یا اس کے قریب کا ایک دو آدمی سن سکے اور یہی صحیح و معتبر رائے ہے۔

”أن أدنى المخافتة إسماع نفسه أو من بقربه من رجل أو رجلين مثلا، وأعلاها تصحيح الحروف“. (رد المحتار: ۵۳۵/۲، ط: بیروت) (فصل: ویجهر الإمام، مطلب فی الکلام علی الجهر والمخافتة. انیس)

اس لئے آپ اپنے دوست کو صحیح طریقہ پر قرأت قرآن کی تلقین کریں، ہونٹ کی حرکت کے بغیر تلاوت کافی نہیں۔

(کتاب الفتاویٰ:۲/۲۰۳)

نماز میں قرأت حکایۃً ہے:

سوال: نماز میں قرآن مجید حکایۃً پڑھا جاتا ہے یا کہ انشاءً ؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ ومنه الصدق والصّواب

نماز میں قرآن مجید حکایۃً پڑھا جاتا ہے، بدلائل ذیل:

(۱) قرآن کریم کا وہ حصہ جس میں قصص واخبار ہیں اگر نماز میں پڑھے گا تو نماز ہوجائے گی، حالانکہ اس میں انشاء کا امکان ہی نہیں۔

(۲) قرآن کریم کے ایسے جمل انشائیہ جن کا مخاطب اس وقت موجود نہیں، مثلاً : "یـا مـریم، یـا یحیٰی، یـوسف، یٰآ اَیُّھَا النبِیُّ، یآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّرْ" وغیرہ پڑھنے سے نماز ہوجائے گی، حالانکہ یہ انشاءات محض حکایۃً پڑھے جاتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی اگر کوئی شخص نماز میں صیغ خطاب بجائے حکایت کے بہ نیت تخاطب کہے تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ **کما سیأتی.**

(۳) قرآن کے جمل دعائیہ یا تسبیح وتہلیل یا تسمیہ یا سورۂ فاتحہ کو اگر حکایۃً نہ پڑھا؛ بلکہ انشاء دعا یا تسبیح وتہلیل کی نیت سے پڑھا، تو یہ جمل قرآنیت سے نکل جائیں گے۔ اسی لئے جنب وحائضہ کو اس قصد سے پڑھنے کی اجازت ہے حالانکہ تلاوت کی نیت سے صرف تسمیہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں، **کـمـا فی الشامیة.** اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کریم خواہ نماز میں ہو یا خارج نماز بہرکیف حکایۃً ہی پڑھا جاتا ہے۔

(۴) **قال فی التنویر فی بیان ما یحرم بالحدث الأکبر: وتلاوة قراٰن بقصده.**

وفی الشرح: حتی لو قصد بالفاتحة الثناء فی الجنازة لم یکره إلا إذا قرأ المصلّی قاصدًا الثناء فإنها تجزیه لأنها فی محلها فلا یتغیر حکمها بقصده. (الدرالمختار)

وفـی الـحـاشیة: (قـوله حتی لو قصد الخ) تفریع علٰی مضمون ما قبله من أن القراٰن یخرج عن القراٰنیة بقصد غیره (قوله: فلا یتغیر حکمها) وهو سقوط واجب القراء ة بها. (رد المحتار) (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں اگر سورۂ فاتحہ انشاءً پڑھی، تو بھی اس کی نیت معتبر نہیں، غرضیکہ قرآن مجید کے جمل خبریہ واکثر جمل ندائیہ میں تو انشاء کا احتمال ہی نہیں، اور جن جمل ندائیہ میں انشاء نداء وخطاب کا احتمال ہے ان کو بہ بقصد انشاء پڑھا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ **کـمـا سیـأتی.** باقی دعا، ثنا، تسبیح وغیرہ کے جملوں میں اگرچہ انشا کا احتمال ہے؛ مگر بقصد انشائیہ جمل قرآنیت سے نکل جاتے ہیں۔ **کما مرّ.**

(۵) **قـال فی شرح التنویر: (وکذا) یفسدها (کل ما قصد به الجواب) کأن قیل أ مع اللّٰه إلٰه؟ فقال:**

---

(۱) کتاب الطهارة، سنن الغسل، مطلب یطلق الدعاء علٰی مایشتمل الثناء: ۱۷۳/۱، دار الفکر، انیس

لاَ إِلٰـهَ إِلاَّ الـلّٰهُ،أو ما مالک؟فقال:اَلْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ،أومن أين جئت؟فقال:وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْـدٍ،(أو الـخـطـاب،ک)قوله لمن اسمه يحيٰى أوموسٰى (يَايَحْيٰى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ) أو ''وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَامُوْسٰى''(مخاطبًا لمن اسمه ذٰلک)أولمن بالباب''وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِناً''.(الدرالمختار)

وفی الشامية: (قوله: أوالخطاب،الخ)هذا مفسد بالاتفاق،وهو مما أورد نقضًا علٰى أصل أبی يوسف فإنه قراٰن لم يوضع خطابًا لمن خاطبه المصلّی وقد أخرجه بقصد الخطاب عن كونه قراٰنا وجعله من كلام الناس.(رد المحتار)(۱)

البتہ حدیث ''إذا قال العبد:الحمد للّٰه رب العالمين،قال اللّٰه تعالٰی:حمدنی عبدی،الخ'' (۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت انشا بھی ملحوظ ہے، بالکلیہ متروک نہیں۔

حقیقت صلوٰۃ پر غور کرنے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کیوں کہ نماز شان جلالی کا مظہر ہے، بارگاہ الٰہی میں انسان حمد وثنا پیش کرنے کے بعد صراط مستقیم پر ثابت رہنے کی توفیق طلب کرنے کے لیے درخواست پیش کرتا ہے،اسی لیے امام کی قرأت مقتدین کے لیے کافی ہے، کیوں کہ درخواست پیش کرنے والا ایک ہی شخص ساری جماعت کی طرف سے نمائندہ ہوتا ہےاورسلام وآداب دربار ہر شخص پر لازم ہوتے ہیں،غرضیکہ صلوٰۃ میں قرآن مجید حکایۃً پڑھاجاتا ہے،مگر سورۂ فاتحہ میں انشاء بھی ملحوظ ہے،اصل مقصد اس میں بھی تلاوت قرآن ہی ہے۔

لقوله تعالٰی:﴿فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾(۳)

البتہ قرأت کو اس لحاظ سے انشاء کہا جاسکتا ہے کہ قاری اپنی طرف سے انشاء قرأت کرتا ہے،قرأت غیر کی حکایت نہیں کرتا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرہ ربیع الآخر ۱۳۷۴ھ۔(احسن الفتاویٰ:۳/۴۶-۴۸)

---

(۱) كتاب الصلاة،باب مايفسد الصلاة،مطلب المواضع التی لايجب فيها رد السلام: ۶۲۱/۱،دارالفكر.انيس

(۲) عن أبی هريرة قال سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يقول:من صلی صلاة لم يقرأ فيهابأم القرآن فهی خداع هی خداع غيرتمام،قال،قلت:ياأباهريرة إنی أحياناً أكون وراء الإمام،قال:فغمزذراعی ثم قال: اقرأبهافی نسفک يافارسی،فإنی سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يقول:قال اللّٰه تبارک وتعالیٰ:قسمت الصلاة بينی وبين عبدی نصفين،فنصفها لی ونصفها لعبدی ولعبدی ماسأل،قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم اقرءوا يقول العبد:﴿اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالِمِيْنَ﴾،يقول اللّٰه تبارک وتعالیٰ:حمدنی عبدی،ويقول العبد:﴿الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾،يقول اللّٰه: أثنی علیّ عبدی،ويقول العبد:﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾،يقول اللّٰه:مجدنی عبدی،يقول العبد:﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾،فهذه الأية بينی وبين عبدی ولعبدی ماسأل،يقول العبد:﴿اِهْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَاالضَّآلِّيْنَ﴾،فهؤلاء لعبدی ولعبدی ماسأل.(موطأالإمام مالک،باب القراءة خلف الإمام فيمالا يجهرفيه (ح:۳۹)ت:عبدالباقی.انيس)

(۳) سورة المزمل: ۲۰.انيس

رکوع-احکام ومسائل

کوزہ پشت رکوع کیسے کرے:

سوال: ایک آدمی کبڑا ہے اور کبڑے پن کی وجہ سے ہر وقت ایسے رہتا ہے؛ جیسے رکوع میں ہو تو جب یہ نماز پڑھے تو رکوع کیسے کرے؟

الجواب

اگر پہلے ہی اتنا جھکا ہو جتنا رکوع میں جھکتے ہیں تو ایسا شخص سر کے اشارے سے رکوع کرے، یعنی رکوع کے لئے سر کو نیچے جھکالے۔

”والأحدب إذا بلغت حدوبته الركوع يشير برأسه للركوع،آه،كذا فى الخلاصة . (الفتاویٰ الهندية: ۳٦/۱)(۱) فقط والله أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان ـ ۶/۳/ ۱۴۰۸ھ ـ (خیر الفتاویٰ:۲۴۶/۲)

(۱) الفصل الأول فى فرائض الصلاة: ۷۰/۱. بولاق مصر. انيس
رکوع بھی ارکان نماز میں سے ہے، معذور کے لیے رکوع کا اشارہ ہی رکوع کے قائم مقام ہے۔
﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوْدًا وَعَلَى جُنُوْبِهِمْ﴾(سورة آل عمران: ۱۹۱)
عن ابن المبارك قال: سمعت إبراهيم بن طهمان وتلا قول الله عزوجل﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوْدًا وَعَلَى جُنُوْبِهِمْ﴾(سورة آل عمران: ۱۹۱)فقال: حدثني المكتب عن عبدالله بن بريدة عن عمران بن حصين أنه كان به البواسير، فأمره النبى صلى الله عليه وسلم أن يصلى على جنب. (المستدرك للحاكم،ومن سورة آل عمران (ح: ۳۱۷۲)
عن على رضى الله عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: يصلى المريض قائماً إن استطاع فإن لم يتسطع صلى قاعداً فإن لم يستطع أن يسجد أومأ وجعل سجوده أخفض من ركوعه فإن لم يستطع أن يصلى قاعداً صلى على جنبه الأيمن مستقبل القبلة فإن لم يستطع أن يصلى على جنبه الأيمن صلى مستقلياً رجله مما يلى القبلة. (سنن البيهقى الكبرىٰ،باب ماروى فى كيفية الصلاة على الجنب،الخ (ح: ۳٦۷۸)
عن جبلة بن سحيم قال: سمعت ابن عمر يسأل أيصلى الرجل على العود وهو مريض فقال: لا آمركم أن تتخذوا من دون الله أوثاناً، من استطاع أن يصلى قائماً فليصل قائماً فإن لم يستطع فجالساً فإن لم يستطع فمضطجعا يؤمى إيماءً. (مصنف عبدالرزاق،باب صلاة المريض (ح: ۴۱۳۹)
فإن عجز عن الركوع والسجود يصلى قاعدًا ويجعل السجود أخفض من الركوع فإن عجز عن القعود يستلقى ويؤمى إيماءً لأن السقوط لمكان العذر فيتقدر بقدرالعذر. (بدائع الصنائع،فصل فى أركان الصلاة: ۱۰۵/۱ـ۱۰٦ـانيس)

بہرے مقتدی کی نماز:

سوال: ایک شخص بہرا ہے اور بینائی بھی کم ہے، جب وہ امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو کبھی امام کی آواز سنائی نہ دینے کی وجہ سے سجدہ چھوٹ جاتا ہے تو آیا ان کو ایسی حالت میں امام کے ساتھ نماز پڑھنا افضل اور بہتر یا تنہا؟ اور اگر رکوع یا سجدہ چھوٹ جائے تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر رکوع یا سجدہ بالکل چھوٹ گیا تو اس کی نماز نہیں ہوئی، (۱) اگر امام کے ساتھ نہیں ہوا؛ بلکہ اس کے بعد ادا کرلیا تو نماز ہوگئی۔ (۲) پاس والے کے رکوع سجدہ سے احساس کر کے رکوع سجدہ کرلیا کرے، جماعت کی فضیلت ایسی معذوری کی حالت میں بھی وہ حاصل کرتا ہے، تو بڑے اجر کا مستحق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔ ۷/۱۱/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۵۴/۵)

تکبیر اولیٰ کے پانے سے مراد کیا ہے:

سوال: حدیث پاک میں آتا ہے کہ چالیس دن تکبیر اولیٰ کی پابندی پر دو پروانے ملتے ہیں، بعض شراح نے یہ قید لگائی ہے کہ امام کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہی جائے تو تکبیر اولیٰ میں شریک ہونا شمار ہوگا، کذا فی فضائل اعمال۔ ''زید'' اس کے چھوٹنے کے اندیشہ پر سنن قبل الظہر کو نماز ظہر کے بعد ادا کرتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ نیز عندالجمہور تکبیر اولیٰ کب تک شمار ہوگی؟　　(محمد محسن علی مظاہری)

---

(۱) ''بقی من المفسدات: ...وترک رکن بلا قضاء، و شرط بلا عذر''. (الدرالمختار)

''(قوله وترک رکن بلا قضاء) کما لوترک سجدة من رکعة وسلم قبل الإتیان بها، وإطلاق القضاء علیٰ ذلک مجاز''. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، قبیل مطلب مسائل زلة القاری: ۶۲۹/۱-۶۳۰، سعید)

وکذا فی النهر الفائق، باب مایفسدالصلاة ومایکره فیها: ۲۷۴/۱، دارالکتب العلمیة. انیس

(۲) ''(...واللاحق من فاتته) الرکعات (کلها أو بعضها) لکن (بعد اقتدائه) بعذر کغفلة وزحمة وسبق حدث وصلاة خوف ومقیم ائتم بمسافر، وکذا بلاعذرٍ، بأن سبق إمامه فی رکوع وسجود فإنه یقضی رکعةً، وحکمه کمؤتم فلا یأتی بقراءة ولا سهوولا یتغیرفرضه بنیة إقامة، ویبدأ بقضاء مافاته عکس المسبوق ثم یتابع إمامه إن أمکنه إدراکه، وإلا تابعه، ثم صلی مانام فیه بلا قراءة، ثم ما سبق به بها إن کان مسبوقًا أیضًا، ولوعکس صح وأثم لترک الترتیب''. (تنویر الأبصار مع الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب فی أحکام المسبوق والمدرک واللاحق: ۵۹۴/۱-۵۹۶، سعید)

وإن رکع بعد الإمام وسجد بعده جازت صلاته. (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، فصل الشروع فی الصلاة وبیان إحرامها: ۱۹۹/۱، المطبعة الکبریٰ الأمیریة بولاق القاهرة. انیس)

الجواب ــــــــــــــــ

تکبیر اولیٰ کے پانے سے کیا مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث کی رائیں مختلف ہیں، احناف کے یہاں ترجیح اس کو ہے کہ رکوع پانے والا بھی تکبیر اولیٰ کو پانے والا سمجھا جائے گا، (۱) مولانا بنّوری نے معارف السنن میں اس موضوع پر ایک گونہ تفصیل سے بحث کی ہے۔ (۲) البتہ یہ ضرور ہے کہ ظہر کی نماز کا وقت قریب آ گیا ہو اور سنت میں مشغول ہونے کی وجہ سے پہلی رکعت کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو تو سنتِ ظہر کو مؤخر کر دینا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" **إذا أقيمت الصلٰوة فلا صلٰوة إلّا المكتوبة**". (۳) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۶۸-۱۶۹)

تکبیر اولیٰ کا ثواب کب تک حاصل ہوتا ہے:

سوال: کسے اگر در رکوع رکعت اولیٰ بجماعت شریک باشد، وراثواب تکبیر اولیٰ حاصل شود یا نہ؟ وثواب تکبیر اولیٰ تا کدام وقت از رکعت اولیٰ باقی ماند؟ (۴)

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

برقول صحیح حاصل شود ہر کہ رکعت اولیٰ نہ یافت، ثواب تکبیر تحریمہ نہ یافت، ودریں مسئلہ اقوال دیگر نیز ذکر کردہ شدہ، قول صحیح ہمیں است کہ تحریر نمودیم۔ (۵) (كذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح: ۱٤۹) (۶) **فقط واللّٰه تعالٰى أعلم**

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔ صحیح: عبد اللطیف۔ ۱۲/ربیع الثانی ۱۳۵۶/ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۷۹-۵۸۰) ☆

(۱) **عند أبي حنيفة واجد الركعة الأولٰى واجد، أي فضل التحريمة ممتدًا إلى الركوع. (العرف الشذي على الترمذي: ۱/٦٢) باب ماء جاء في فضل التكبيرة الأولٰى: ۱/۲٤۸، دار إحياء التراث الإسلامي بيروت. انيس)**

رکوع کا پانے والا نماز کو پانے والا ہوتا ہے تو پہلی رکعت کے رکوع کا پانے والا تحریمہ کی فضیلت کو پانے والا ہوگا۔

عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف أنه قال: دخل زيدبن ثابت المسجد فوجدالناس ركوعاً فركع ثم دب حتى وصل الصف. (موطأالإمام مالك، ت: عبدالباقي، باب مايفعل من جاء والإمام راكع (ح: ٦٤)

عن زيدبن وهب قال: خرجت مع عبداللّٰه من داره إلى المسجد فلما توسطنا المسجد ركع الإمام فكبر عبداللّٰه ثم ركع وركعت معه ثم مشينا راكعين حتى انتهينا إلى الصف حتى رفع القوم رؤوسهم قال: فلما قضى الإمام الصلاة قمت أنا وأنا أرى لم أدرك فأخذ بيدي عبداللّٰه فأجلسني وقال: إنك قدأدركت. (مصنف ابن أبي شيبة، في الرجل يدخل والقوم ركوع فيركع قيل أن يرفع، الخ (ح: ۲٦۲۲) انيس)

(۲) دیکھئے: معارف السنن: ۲/۳۴۶۔

(۳) **الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ۷۱۰، باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع المؤذن/جامع الترمذي، رقم الحديث: ٤۲۱. محشي**

(۴) ترجمۂ سوال: کوئی شخص اگر پہلی رکعت کے رکوع میں جماعت میں شریک ہوا، اس کو تکبیر اولیٰ کا ثواب حاصل ہوگا یا نہیں؟ ==

تکبیر اولیٰ میں شرکت کی حد:

سوال: جماعت میں تکبیر تحریمہ میں شرکت کی جو فضیلت ہے، وہ کس وقت تک ہے، اگر کوئی رکعت اولیٰ کے رکوع میں مل گیا، تو اس کو یہ فضیلت حاصل ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اس میں مختلف اقوال ہیں، ادراک فاتحہ کا قول راجح ہے۔

قال في الشامية: وفي التاترخانية عن المنتقى: ...وقيل بالشروع قبل قراءة ثلاث آيات لو كان المقتدي حاضرًا، وقيل سبع لو غائبًا، وقيل بإدراك الركعة الأولٰى، وهذا أوسع وهو الصحيح، اهـ، وقيل بإدراك الفاتحة وهو المختار، خلاصة. (رد المحتار: ۳۹۱/۱)(۱)

قلت: لفظ المختار آكد من لفظ الصحيح لأن الاختيار يستلزم التصحيح والتصحيح لا يستلزم الاختيار. فقط واللّٰه تعالٰى أعلم

۲۹ رشعبان ۱۴۰۰ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳۲۰/۳)

== اور تکبیر اولیٰ کا ثواب پہلی رکعت کے کس وقت تک باقی رہتا ہے؟

(۵) ترجمۂ جواب: صحیح قول کے مطابق حاصل ہو جائے گا جسے پہلی رکعت نہیں ملی اس کو تکبیر تحریمہ کا ثواب بھی نہیں ملا، اس مسئلہ میں دوسرے اقوال بھی ذکر کئے گئے ہیں، مگر قول صحیح یہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

(۶) "وقيل إلى الركعة الأولٰى، وهو الصحيح، كما في المضمرات". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في بيان سننها: ۲۵۸، قديمي)

"وقيل: بإدراك الركعة الأولٰى، وهذا أوسع، وهو الصحيح" آه. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها، مطلب في وقت إدراك فضيلة الافتتاح: ۵۲۶/۱، سعيد)

☆ تکبیر اولیٰ کا ثواب کب تک ہے:

سوال: تکبیر تحریمہ میں شامل ہونے کی حد کیا ہے؟ پہلی رکعت کے رکوع سے پہلے پہلے آ کر شامل ہو جائے، تو تکبیر تحریمہ کی فضیلت ملے گی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــ حامداً ومصلياً

مذکورہ مسئلہ درمختار میں ہے۔ تکبیر اولیٰ میں شامل ہونے کی حد میں اختلاف ہے، مگر صحیح قول یہی ہے کہ جس نے پہلی رکعت پالی، اس کو تکبیر اولیٰ کی بھی فضیلت حاصل ہوگئی۔

"أما فضيلة تكبيرة الافتتاح، فتكلموا في وقت إدراكها، والصحيح: من أدرك الركعة الأولٰى، فقد أدرك فضيلة التكبيرة الأولٰى، كذا في الحصر في باب أبي يوسف". (الفتاویٰ الهندية، طبع كانپور: ۳۵/۱) (كتاب الصلاة، باب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة: ۶۹/۱، رشيدية) **فقط واللّٰه تعالٰى أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۸۰/۵-۵۸۱)

حاشيه صفحه هذا:

(۱) كتاب الصلاة، فصل في بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها، مطلب في وقت إدراك فضيلة الافتتاح، انيس

امام کو رکوع میں پانے والے کی رکعت کا حکم:

سوال: جماعت کے اندر کوئی شخص رکوع میں آ کر ملا تو امام کے اٹھنے سے قبل کتنی مرتبہ تسبیح پڑھ لینے سے اس کی وہ رکعت پوری ہو جائے گی؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

امام کے ساتھ رکوع میں جب آدمی شریک ہو گیا تو اس کی رکعت پوری ہو گئی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔۲۸/۱۱/۱۳۶۹ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۲۸)

رکوع پانے سے رکعت پانے کی دلیل:

سوال: اگر کوئی شخص رکوع میں شاملِ نماز ہو، تو عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ اس نے رکعت پالی، لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ رکوع پانا اس رکعت کا پانا نہیں ہے، کیا اس سلسلہ میں حدیث سے کوئی روشنی ملتی ہے؟

(عبدالماجد نظامی، ٹولی چوکی)

الجواب ـــــــــــــــــــ

امام مالک نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے:

"من أدرک الرکعة فقد أدرک السجدة".

اس میں اہل علم کے نزدیک رکعت سے رکوع مراد ہے اور سجدہ سے رکعت نماز، کیونکہ دوسری احادیث میں بھی سجدہ بمعنی رکعت استعمال ہوا ہے، اب معنی یہ ہوئے کہ جس نے رکوع پایا اس نے رکعت پالی، اور آگے یہ فقرہ ہے کہ "جس سے سورۂ فاتحہ فوت ہو گئی، وہ خیر کثیر سے محروم ہوا"۔

"ومن فاتته قرأته بأم القرآن فقد فاته خير كثير".(۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے واضح ہے کہ اگر کوئی شخص حالت قیام میں شریک نماز نہ ہو سکے، تو گویا بڑی محرومی کی بات ہے، لیکن بہرحال رکوع پالینے کی وجہ سے، وہ اس رکعت کو پانے والا متصور ہوگا۔

---

(۱) "عن ابن عمر أنه قال: "إذا أدركت الإمام راكعًا فركعت معه قبل أن يرفع رأسه فقد أدركت الركعة وإن رفع رأسه قبل أن تركع فقد فاتتك تلك الركعة". (تبيين الحقائق، باب إدراك الفريضة: ١/١٨٥)

عن ميمون قال: إذا دخلت المسجد والقوم ركوع فكبرت قبل أن يرفعوا رؤوسهم فقد أدركت الركعة. (مصنف ابن أبي شيبة، من قال: إذا أدركت الإمام وهو ركوع، الخ (ح: ٢٥٢٣) انيس)

ایک لحہ بھی امام کو رکوع میں پالینے سے رکوع پانے والا سمجھا جائے گا، خواہ ایک تسبیح پڑھنے کی مقدار بھی یہ کیفیت نہ رہی ہو۔انیس

(۲) موطأ الإمام مالک: ١/٤. (ت: عبدالباقی، باب من أدرک رکعة من الصلاة (ح: ١٨) انیس)

مشہور فقیہ امام طحاویؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''من أدرك الركوع فقد أدرك الركعة''.(۱)

''جب تم نماز میں آؤ اور ہم لوگ سجدہ کی حالت میں ہوں، تو تم بھی سجدہ میں شریک ہو جاؤ، اور اسے کچھ شمار نہ کرو، اور جس نے رکوع کو پالیا، اس نے رکعت پالی''۔(۲)

اس لئے صحیح یہی ہے کہ جو شخص رکوع کو پالے وہ اس رکعت کو پانے والا سمجھا جائے گا۔(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۷۹-۱۸۰)☆

(۱) طحاوی:۱/۲٤۸۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من أدرك الصلاة ركعة فقد أدرك الصلاة. (شرح معاني الآثار، باب بيان مشكل ما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فيمن أدرك من الصلاة أنه قد أدرك الصلاة وفضلها (ح:۲۳۲۰) :۹۲/٦)

عن طارق قال: كنا مع ابن مسعود رضي الله عنه جلوساً فجاء آذنه فقال: قدقامت الصلاة فقام وقمنا فدخل المسجد فرأى الناس ركوعاً في مقدم المسجد فكبر فركع ومشى وفعلنا مثل ما فعل. (شرح معاني الآثار، باب من صلى خلف الصف وحده (ح:۲۳۲۳)

اسحاق بن راهويه قال: إذا قرأفي ثلاث ركعات إماماً أو منفرداً فصلاته جائزة بما اجتمع الناس عليه أن من أدرك الركوع أدرك الركعة. (التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد، الحديث الثاني: ۱۹۸/۲۰) انيس)

(۲) دیکھئے : الجامع للإمام الترمذي، رقم الحديث: ۵۹۱، باب ما ذكر في الرجل الذي يدرك الإمام وهو ساجد كيف يصنع؟ محشي

عن معاذبن جبل قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: إذا أتى أحدكم الصلاة والإمام على حال فليصنع كما يصنع الإمام. (رواه الترمذي وكذا رواه الشاشي في المسند، عبدالرحمن بن أبي ليلىٰ عنه (ح: ۱۳۵۹)/والطبراني في الكبير، عمروبن مرة عن عبدالرحمن بن أبي ليلىٰ (ح:۲٦۷)

قال الترمذي: هذا حديث غريب، لانعلم أحداً أسنده إلا من هذا الوجه، والعمل على هذا عند أهل العلم، قالوا: إذا جاء الرجل والإمام ساجد فليسجد ولاتجزيه تلك الركعة إذا فاته الركوع مع الإمام واختارعبدالله بن المبارك أن يسجد مع الإمام وذكرعن بعضهم فقال: لعله لايرفع رأسه في تلك السجدة حتى يغفرله. (سنن الترمذي، باب ماذكرفي الرجل يدرك الإمام وهوساجد كيف يصنع (ح:۵۹۱) انيس)

☆ رکوع میں امام کو پانے کی حد:

سوال: جماعت کھڑی ہو جانے کے بعد لوگ جلدی سے جا کر جماعت میں شریک ہو جاتے ہیں، بعض لوگوں کو رکوع کی تسبیح ایک مرتبہ بھی پڑھنے کا موقع نہیں مل پاتا، تو کیا اس رکعت کو بھی شمار کیا جائے گا اور وہ اس کو پانے والا سمجھا جائے گا؟

(مرزا الطاف بیگ، کنڈاکرتی) ==

عیدین میں رکوع چھوٹ جانے سے نماز نہیں ہوگی:

سوال: عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھاتے وقت امام نے غلطی سے دوسری رکعت میں رکوع ہی نہیں کیا، اس صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟

==

الجواب

امام کے ساتھ شامل ہونے کے لئے دوڑتے ہوئے نہ جانا چاہئے کہ اس سے سانس اکھڑنے لگتی ہے اور خشوع وخضوع باقی نہیں رہتا، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقار کے ساتھ چل کر جانے کا حکم دیا ہے۔(سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ٥٧٢، باب السعي إلى الصلاة، الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ١٣٥٩. محشی)/أبوهريرة يقول: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا ثوب بالصلاة فلاتأتوها وأنتم تسعون وأتوها وعليكم السكينة فما أدركتم فصلوا ومافاتكم فأتموا فإن أحدكم في صلاة ماكان يعمد إلى الصلاة. (موطأالإمام مالك، ت: عبدالباقي، باب ماجاء في النداء للصلاة (ح: ٤) انیس)

تاہم اگر کوئی شخص امام کو ایک لمحہ بھی رکوع میں پالے، یہاں تک کہ قیام کی حالت سے پہلے اٹھتی ہوئی حالت میں، تب بھی اقتدا درست ہوجائے گی، اور وہ اس رکعت کو پانے والا سمجھا جائے گا:

"... الأصح أن يعتد بها إذا وجدت المشاركة قبل أن يستقيم قائمًا وإن قل". (الفتاوى الهندية: ١٢٠/١) الباب العاشر في إدراك الفريضة/وكذا في البناية شرح الهداية، حكم من انتهى إلى الإمام في صلاة الفجر: ٥٧٩/٢، دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

(کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۷۸-۱۷۹)

کب رکوع میں شمولیت سمجھی جائے گی:

سوال: کسی بھی نماز کی جماعت میں اگر رکوع میں شامل ہوجائیں، تو اس رکعت کو شمار کیا جائے گا، لیکن اگر رکوع میں ایسے وقت داخل ہوئے کہ ایک مرتبہ بھی پوری طرح سے "سبحان ربي العظيم" نہ پڑھ سکیں، تو کیا اس صورت میں بھی رکوع اور رکعت میں شمولیت سمجھی جائے گی؟ یا ایک بار تسبیح پڑھنے پر ہی رکعت شمار کی جائے گی؟ کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ "اللّٰه أكبر" کہہ کر رکوع میں جاتے رہتے ہیں، اور امام صاحب تکبیر کہتے ہوئے اٹھتے ہیں، تو ایسی صورت میں کیا تصور کرنا چاہئے؟

(نادر المسدرسی، مغلپورہ)

الجواب

اگر امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے پہلے ایک لمحہ بھی مقتدی نے امام کو رکوع میں پالیا، گو ایک تسبیح سے کم ہو، تو وہ اس رکعت کو پانے والا سمجھا جائے گا، البتہ اگر امام رکوع سے اٹھنے کی حالت میں ہو اور مقتدی جانے کی حالت میں، تو اس رکعت کو دہرانا ہوگا۔

"ولكنه لم يدرك الركعة حيث لم يدرك في جزء من الركوع قبل رفع رأسه منه...". (مراقي الفلاح: ٢٤٧. نیز دیکھئے: الدرالمختار مع رد المحتار، مطلب في إدراك فضيلة الافتتاح: ٥١٦/٢. محشی)

(کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۷۷-۱۷۸)

الجواب ـــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

ہر نماز میں رکوع فرض ہے؛ اس لئے اگر عید الاضحیٰ کی نماز میں امام نے دوسری رکعت میں رکوع نہیں کیا تو نماز نہیں ہوئی۔(۱) اسی وقت اس نماز کا اعادہ کرنا چاہئے تھا، اس کی قضا نہیں کی جاسکتی۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی ۔۲۰۲/ ۱/ ۵/ ۱۳۷۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/ ۲۵۸)

(۱) ”(من فرائضها) التي لا تصح بدونها (التحريمة) ... (ومنها الركوع) بحيث لومدّ يديه نال ركبتيه“. (الدر المختار علٰی هامش ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۲/ ۱۲۷ـ ۱۳۴)

(۲) (وتؤخر بعذر) ... (إلى الزوال من الغد فقط) ... (وأحكامها أحكام الأضحى، لكن هنا يجوز تأخيرها إلٰى آخر ثالث أيام النحر بلا عذر مع الكراهة، وبه) أي بالعذر (بدونها). (الدر المختار)

”(قوله فقط) راجع إلٰى قوله: بعذر فلا تؤخر من غير عذر، وإلٰى قوله إلى الزوال فلا تصح بعده، وإلٰى قوله من الغد فلا تصح فيما بعد غد ولو بعذر كما في البحر، ط. (ردالمحتار، باب العيدين، قبل مطلب لايلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة الخ: ۳/ ۹۵)/ وكذا في البحر الرائق، كتاب العيدين: ۲/ ۱۷۵، دار الكتاب الإسلامي. انيس)

رکوع:

سر کے ساتھ پشت کے جھکنے کا نام رکوع ہے۔ (مراقی)

مسئلہ: شریعت میں رکوع کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ پشت اتنی جھکے کہ ہاتھ پھیلا کر گھٹنے کو پالے۔ (طحطاوی)

مسئلہ: کامل رکوع اس قدر جھکنا ہے کہ سر اور کمر برابر رہے اور ہاتھ پسلیوں سے جدا رہیں اور دونوں گھٹنوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا جائے۔ (تعلیم الاسلام:۳/ ۶۴)

مسئلہ: رکوع میں سنت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ گھٹنے پر رکھے اور دونوں ہاتھوں سے گھٹنے کا سہارا لے اور انگلیاں ایک دوسرے سے الگ رکھے ملائے نہیں اور پنڈلیاں سیدھی رکھے کمان کی طرح جھکانا مکروہ ہے اور سر، پشت اور کمر کو اس طرح برابر رکھے کہ کہیں سے کوئی حصہ نہ اونچا رہے اور نہ نیچا رہے۔ (شامی:۱/ ۳۳۲)

مسئلہ: رکوع میں باہیں (بازو) پہلو سے الگ رہیں، انگلیاں قبلہ رخ رہیں۔ (شامی:۱/ ۳۳۲)

مسئلہ: عورت اس طرح رکوع کرے کہ ہلکا سا جھکے انگلیاں ایک دوسرے سے الگ نہ رکھے سب ملی رہیں دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے پر صرف رکھے اپنے گھٹنے کچھ (مخنی) ٹیڑھا کرلے اور باہوں کو پہلوؤں سے الگ نہ کرے۔ (شامی:۱/ ۳۳۲)

مسئلہ: رکوع کی تسبیح تین دفعہ کہنا سنت کا ادنی درجہ ہے اور پانچ مرتبہ اوسط اور سات مرتبہ اعلیٰ اور اس سے زیادہ طاق عدد کہنا افضل ہے لیکن امام اتنی مرتبہ کہے کہ مقتدیوں کو گراں نہ گزرے۔ (طحطاوی، ص:۱۴۴)

مسئلہ: تسبیح تین مرتبہ سے کم کہنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (مراقی، ص:۱۴۴)

مسئلہ: امام نے رکوع میں زیادہ تسبیحیں پڑھی یا قراءت لمبی کردی؛ تاکہ آنے والے کو رکعت مل جائے اور طاعت پر مدد ہوجائے تو حرج نہیں ہے اور اگر اس لئے کیا کہ زیادہ تسبیح یا لمبی قرأت سے اللہ کی قربت زیادہ ہوگی تو ایسا کرنا افضل ہے اور اگر اس طرح کے ارادہ سے قرأت یا رکوع اتنا لمبا کردیا کہ مقتدیوں کو گراں گزرا، یا آنے والے کی محبت یا حیا یا دنیا والوں کی رعایت کی وجہ سے ایسا کیا تو مکروہ تحریمی؛ بلکہ شرک کا خطرہ ہے۔ (شامی:۲/ ۳۳۲) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل:۲۲۶ـ ۲۲۷) (انیس)

سجدہ-احکام ومسائل

نماز میں سجدہ کا حکم:

سوال: نماز میں سجدہ افضل ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز میں سجدہ ورکوع وقیام سب ہی فرض ہیں۔(۱) بعض اعتبار سے سجدہ افضل ہے اور بعض اعتبار سے قیام افضل ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۵۱)

(۱) (من فرائضها)التی لا تصح بدونها (التحريمة)قائمًا الخ (ومنها القيام) بحيث لومدّ يديه لاينال ركبتيه ، الخ (فی فرض)الخ (لقادرعليه) الخ (ومنها القراءة)لقادرعليها،الخ (ومنها الركوع)الخ (ومنها السجود) الخ.(الدر المختارعلٰی صدر رد المحتار،باب صفة الصلاة:۱/۴۱۶،ظفير)

(ومنها)السجود لوجود حد الركن وعلامته فی كل واحد منهما وقال اللّٰه تعالیٰ:﴿يٰاَيُّها الَّذِيْنَ آمَنُوْا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾(سورة الحج:۷۷)والقدرالمفروض من الركوع أصل الإنحناء والميل ومن السجود أصل الوضع.(بدائع الصنائع،فصل فی أركان الصلاة:۱/۱۰۵،دارالكتب العلمية)

﴿يٰاَيُّها الَّذِيْنَ آمَنُوْا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾(سورة الحج:۷۷)فی صلاتكم وكان أول من أسلموا يصلون بلاركوع وسجود فأمروا أن تكون صلاتهم بركوع وسجود وفيه دليل علی أن الأعمال ليست من الأيمان وأن هذه السجدة للصلاة لا للتلاوة.(مدارک التنزيل وحقائق التأويل للنسفی،من سورة الحج:۲/۴۵۶،دارالكلم الطيب بيروت)

أی صلوا عبر عن الصلاة بالركوع والسجود لأنهما ركنان لها لازمان لا تنفک عنهما بخلاف غيرهما من الأركان فإن القراءة تسقط عن الأخرس والقيام عمن لا يستطيعه وأما الركوع والسجود فلايسقطان عند أبی حنيفة رحمه اللّٰه حيث قال:من لم يقدر علی الأيماء برأسه للركوع والسجود يتأخر عنه الصلاة ولا يتأدی بالأيماء بالحاجب أو القلب،الخ.(تفسيرالمظهری،من سورة الحج:۶/۳۵۰،مكتبة الرشدية باكستان.انيس)

(۲) (وكثرة الركوع والسجود أحب من طول القيام)كما فی المجتبیٰ، الخ ، وأن مذهب الإمام أفضلية القيام.(الدر المختارعلٰی صدر رد المحتار،باب الوتروالنوافل،مطلب قولهم كل شفع من النفل،الخ :۱/۶۳۳)

تفصیل کے لئے دیکھئے !ردالمحتار حاشية الدرالمختار.ظفير (ردالمحتار،باب الوتر والنوافل: ۲/۱۷، دارالفكر.انيس)

دونوں رکعتوں کے دونوں سجدے فرض ہیں:

سوال: رکعت واحدہ میں ہر دوسجدہ فرض ہیں یا ایک واجب و ایک فرض، درصورت اخیرہ فرض کون سا ہوگا اورواجب کون سا؟

الجواب

دونوں سجدہ ہر ہر رکعت میں فرض ہیں۔(۱)

(مجموعہ رامپور،ص:۹)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۱)

کیا ہر رکعت میں دونوں سجدے فرض ہیں:

سوال: کیا نماز کی ہر رکعت میں دونوں سجدے فرض ہیں، یا ایک سجدہ فرض اور دوسرا واجب ہے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق

دونوں سجدے فرض ہیں۔

درمختار میں ہے:

وتكراره تعبد ثابت بالسنة كعدد الركعات.(۱۳۵/۲)(۲) فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم

عبداللہ خالد مظاہری۔۴/۹/۱۴۱۰ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۴۴۰/۲)

---

(۱) فإن قلت: ما الحكمة في تكرار السجود دون الركوع؟ قلت: مذهب الفقهاء أنه تعبد لايطلب فيه المعنى كعدد الركعات والسجدة الثانية فرض كالأولىٰ بالإجماع، والجلوس بينهما قدر التسبيح، وأما عند أهل الحكمة فقد اختلفوا فقيل: ترغيماً للشيطان، فإنه أمر بالسجود فلم يفعل، فنحن نسجد مرتين ترغيماً له، وإليه أشار النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في سجود السهو وقال: هما سجدتان ترغيماً للشيطان، الخ.(البناية شرح الهداية، كتاب الصلاة: ۲۴۸/۲، دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

(۲) (من فرائضها) التي لا تصح بدونها (التحريمة) ...(ومنها السجود)...وتكراره تعبد ثابت بالسنة كعدد الركعات.(الدرالمختار: ۱۲۷/۲-۱۳۵)(الدرالمختار علىٰ صدر ردالمحتار، باب صفة الصلاة)

(و) يفترض (العود إلى السجود) الثاني لأن السجود الثاني كالأول فرض بإجماع الأمة.(مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة: ۸۸، المكتبة العصرية)

عن أبي هريرة أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم دخل المسجد فدخل رجل فصلى فسلم على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فرد وقال: ارجع فصل فإنك لم تصل، فرجع يصلي كما صلى ثم جاء فسلم على النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: ارجع فصل فإنك لم تصل، ثلاثاً، فقال: والذي بعثك بالحق ماأحسن غيره فعلمني، ==

نماز میں سجدہ چھوٹ جائے، تو کس وقت ادا کرے:

سوال: اگر نماز کا کوئی سجدہ چھوٹ گیا ہے تو اس کی قضا کس طرح اور کب تک کر سکتے ہیں؟

== فقال:إذا قمت إلى الصلاة، فكبر،ثم اقرأ ماتيسر معک من القرآن ثم اركع حتى تطمئن راكعاً ثم ارفع حتى تعتدل قائماً ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً ، ثم ارفع حتى تطمئن جالساً ، ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً ، ثم افعل مثل ذلک في صلاتک كلها.(الصحيح للبخارى،باب أمر النبى صلى الله عليه وسلم الذى لا،الخ (ح: ٦٢٥١)انيس)

☆ **کیا ہر رکعت میں دوسجدے فرض ہیں:**

سوال: کیا دوسرا سجدہ واجب ہے؟ اگر امام کا ایک سجدہ چھوٹا تو سجدہ سہو ہوگا، نیز مقتدی کا ایک سجدہ چھوٹا، یعنی امام سجدہ سے کھڑے ہوکر مثلاً امام سورت پڑھنے لگا یا مقتدی کا رکوع چھوٹا جب تک امام سجدہ ثانیہ میں پہنچا تو اب مقتدی کیا کرے؟

الجو ابــــــــــــــــــ حامداً و مصلياً

ہر رکعت میں دوسجدے فرض ہیں، ایک بھی ترک ہوجائے گا، تو نماز صحیح نہیں ہوگی۔(السجود الثانى فرض كالأول بإجماع الأمة، كذا فى الزاهدى".(الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،الباب الربع فى صفة الصلاة،الفصل الأول فى فرائض الصلاة: ٧٠/١،رشيدية)/"والمراد من السجود: السجدتان فأصله ثابت بالكتاب والسنة والإجماع،كونه مثنى فى كل ركعة بالسنة و الإجماع،وهوأمرتعبدى لم يعقل له معنى علىٰ قول أكثرمشايخنا تحقيقًا للابتلاء".(البحرالرائق،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٥١١/١،رشيدية)

سجدۂ سہو کافی نہیں ہوگا۔("وفى الولوالجية:الأصل فى هٰذا أن المتروک ثلاثة أنواع: فرض وسنة وواجب،ففى الأول إن أمكنه التدارک بالقضاء يقضى،وإلا فسدت صلاته،وفى الثانى لاتفسد،لأن قيامها بأركانها وقد وجدت، ولايجبربسجدة السهو،وفى الثالث إن ترک ساهيًا يجبربسجدتى السهو،وإن ترک عامدًا،لا،كذا فى التتارخانية".(الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،باب سجود السهو: ١٢٦/١،رشيدية)

جس مقتدی سے شرکت کے بعد رکوع چھوٹ گیا تو وہ رکوع کرنے کے بعد سجدہ میں امام کے ساتھ جا ملے، جس سجدہ میں بھی شریک ہوجائے گا، درست ہے۔(عن أبى هريرة رضى الله عنه قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:إذا جئتم إلى الصلاة ونحن سجود، فاسجدوا و لا تعدوه شيئًا ، ومن أدرک ركعة فقد أدرک الصلوٰة ".رواه أبوداؤد.(مشكوة المصابيح،كتاب الصلاة،باب ماعلى المأموم من المتابعة وحكم المسبوق: ١٠٢/١،قديمى)/سنن أبى داؤد،باب فى الرجل يدرک الإمام ساجداً كيف يصنع (ح:٨٩٣)انيس)

"بخلاف مالوأدركه فى القيام ولم يركع معه فإنه يصيرمدركاً لها فيكون لاحقًا فيأتى بها قبل الفراغ".(الدرالمختار)/"(قوله فيأتى بها قبل الفراغ)المراد أنه يأتى بها قبل متابعة الإمام فيما بعدها،حتى لوتابع الإمام ثم أتى بعد فراغ إمامه بمافاته صح وأثم لترک واجب الترتيب".(ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب إدراک الفرضية،قبل باب قجاء الفوائت: ٦٠/٢ـ٦١، سعيد) ==

الجواب ــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

اگر کسی رکعت میں ایک ہی سجدہ کیا اور دوسرا سجدہ بھول گیا اور دوسری یا تیسری رکعت کے بعد یا قعدۂ اخیرہ میں التحیات پڑھنے کے قبل یاد آ جائے تو اس سجدہ کو ادا کیا جائے، (ا) اور پھر سجدۂ سہو کر لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی۔ ۵/ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۳۸۸)

فرض کے ترک پر شبہ کی صورت میں امام اور مقتدیوں میں سے کس کے قول پر عمل ہوگا:

سوال: زید امام ہے اور اس کو شبہ ہوا کہ میں نے رکعت ثالثہ میں ایک ہی سجدہ کیا ہے اور اس شبہ کی بنا پر سجدۂ سہو کر لیا اور بعد سلام حضرات مقتدین سے اس کا اظہار کیا تو انہوں نے بتایا کہ آپ کا شبہ غلط ہے، آپ نے دو ہی سجدہ کیا ہے تو صورت مذکورہ میں فرض کے ترک پر شبہ کرنے سے زید کا سجدۂ سہو کرنا کافی ہو گیا، یا یہ کہ نماز کا اعادہ کرنا ہوگا؟ بینوا توجروا۔

== ”وأما اللاحق فالواجب عليه الترتيب بعكس المسبوق، وعند زفر الترتيب فرض عليه، فإذا أدرك بعض صلاة الإمام فنام، فعليه أن يصلي أولاً مانام فيه بلا قراءة، ثم يتابع الإمام، فلو تابعه أولاً ثم صلى مانام فيه بعد سلام الإمام جاز عندنا وأثم لتركه الواجب، وعند زفر لاتصح صلاته“. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبل مطلب قد يشار إلى المثنى، الخ: ١/٤٦٣، سعيد) فقط والله تعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۹۱/۹/۷ ۱۳ھ۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۹۱/۹/۷ ۱۳ھ۔
(فتاویٰ محمودیہ: ۷/۵۶۷۔۵۶۹)

نماز میں صرف ایک سجدہ کا کیا حکم ہے:

سوال: زید نے دو سجدوں میں سے صرف ایک سجدہ کیا، تو اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

زید کی نماز نہیں ہوئی، البتہ اگر نماز ختم کرنے سے پہلے چھوٹے ہوئے سجدہ کی قضا کر لئے ہوتا اور سجدۂ سہو بھی کر لیتا تو نماز ہو جاتی۔

”السجود الثاني فرض كالأول بإجماع الأمة“، كذا في الزاهدي. (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الربع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة: ١/٧٠، دارالفكر بيروت. انيس)

”فإذا ترك سجدة صلبية من ركعة قضاها في آخرها إذا تذكروإلا تلزم إعادة ما بعدها“. (البحر الرائق: ١/١٠٦) ترك جميع واجبات الصلاة ساهياً: دارالكتاب الإسلامي. انيس) فقط والله تعالىٰ أعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۳/۱۰۵)

(ا) حتی کہ سلام کے بعد اور منافی صلاۃ پیش آنے سے قبل بھی فوت شدہ سجدہ کی قضا کی جا سکتی ہے، اس کے بعد پھر سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کرے۔ [مجاہد]

”حتى لونسي سجدة من الأولىٰ قضاها ولوبعد السلام قبل الكلام لكنه يتشهد ثم يسجد للسهوثم يتشهد“. (الدرالمختار علىٰ صدر ردالمحتار، باب صفة الصلاة، قبل مطلب قد يشار إلى المثنى، الخ: ٢/١٥٦)

الجواب

حامدًا و مصليًا و مسلمًا: صورت مسئولہ میں اگر سجدۂ صلاتیہ چھوٹنے کا یقین ہے تو نماز کا اعادہ فرض ہوگا؛ کیوں کہ یقین کی صورت میں مقتدیوں کی خبر کا اعتبار نہیں اور سجدۂ سہو، سجدۂ صلاتیہ کے مؤخر ہونے کی وجہ سے قائم مقام نہ ہوگا۔

ولو اختلف الإمام والقوم فلو الإمام علىٰ يقين لم يعد وإلا أعاد بقولهم. (الدر المختار: ۵۰۱/۱)(۱)

لم يذكر السجدة الصلبية حكمها أنه يجب نيتها إذا فصل بينها وبين محلها بركعة. (ردالمحتار: ۲۸۱/۱)(۲)

اور اگر امام کو سجدۂ صلاتیہ چھوٹنے کا یقین نہیں، بلکہ شبہ ہے تو صورت مسئولہ میں نماز کا اعادہ واجب ہے؛ کیونکہ جب دو عادل خبر دیں اور امام کو شک ہو تو ان کی خبر پر عمل کرنا واجب ہے، لہذا مقتدیوں کی خبر کی وجہ سے سجدۂ سہو زائد ہوا، جس کی بنا پر سلام ثانی؛ جو واجب ہے، مؤخر ہوا، اور تاخیر واجب؛ موجب سجدہ سہو ہے۔

وإن أخبره عدلان لا يعتبر شكه وعليه الأخذ بقولهما. (المراقی: ۲۵۹)(۳)

ولفظ السلام مرتين فالثاني واجب على الأصح. (الدر المختار: ۳۱٤/۱)(۴) **واللّٰہ أعلم بالصواب**

کتبہ: محمد عثمان عفی عنہ۔ ۷/۶/۱۴۱۸ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۵۲۲/۲-۵۲۳)

(۱) الدر المختار مع الرد، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۵۰۷/۱، نعمانية، ديوبند

(۲) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، بحث النية: ۲۸۱/۱، نعمانية، ديوبند

(۳) مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۳۰۸، مصرى

(۴) الدر المختار مع الرد، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ۳۱٤/۱، نعمانية ديوبند

خلاصہ بحث:

ماقبل کی تمام تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ سجدہ ثانیہ فرض ہے، اگر دوران نماز یا سلام کے پھیرنے کے بعد؛ نماز کے منافی عمل کے کرنے سے پہلے، اگر تشہد پڑھنے کے بعد سجدہ سہو کر کے دوبارہ تشہد پڑھ کر نماز کو مکمل کرلیا جائے، تو اس کی نماز درست ہوجائے گی، اگر ایسا نہیں کیا گیا تو دوبارہ نماز پڑھی جائے کہ سجدہ ثانیہ فرض ہے اور فرض کے چھوٹنے کی صورت میں نماز نہیں ہوتی ہے، واضح رہے کہ سجدہ سہو میں چھوٹی ہوئی سجدہ کا اعادہ شمار ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

علامہ ابن عثیمین نے اپنے فتاویٰ میں ارکان نماز کے ضمن میں آٹھواں رکن سجدہ ثانیہ بیان کیا ہے۔ (مجموع فتاویٰ ابن عثیمین، سوال عن أركان الصلاة: ۳٤٤/۱۳، دار الثريا)

فقہ مالکی کی مشہور کتاب شرح مختصر خلیل میں بھی سجدہ ثانیہ کو رکن کہا گیا ہے۔

"(نسي سجدة)... (فإنه يجلس ليأتي بها من جلوس)... (بناء على أن الحركة للركن مقصودة) أراد بالركن السجدة الثانية. (شرح مختصر خليل للخرشي، فصل حكم السهو ومايتعلق به: ۳٤۰/۱، دار الفكر للطباعة بيروت)

شوافع کے یہاں بھی صحیح قول کے مطابق رکن میں شمار کیا گیا ہے۔ (المجموع شرح المهذب، كتاب الصلاة: ۵۱٤/۳، دار الفكر)

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب شرح الزرکشی علی مختصر الخرقی میں ہے:

"أما السجدة الثانية ففرض مجمع عليه. (كتاب الصلاة، باب الدعاء بين السجدتين: ۵۷۲/۱، دار العبيكان. انيس)

گھاس پر سجدہ کرنے سے نماز درست ہے یا نہیں:

سوال: اگر گیاہ وغیرہ بدیں نوع کہ فرشِ بہیش بقدر شبر یا زائد باشد وبوقت سجدہ صعود وہبوط می کند نماز برآں جائز است یا نہ؟(۱)

الجواب

درمختار میں شروط جواز سجدہ میں یہ بھی لکھا ہے:

"وأن يجد حجم الأرض".

اوراس کی تشریح علامہ شامی نے یہ فرمائی ہے:

"إن الساجد لوبالغ لايتسفل رأسه أبلغ من ذلك،الخ". (۳۳۷/۱)(۲)

پس اگر وہ گھاس وغیرہ اس قدر رہو اور ایسی ہو کہ سجدہ میں سر رکھنے سے دب جاوے اور ٹھہر جاوے تو سجدہ اور نماز صحیح ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۵۲/۲)

چارپائی پر نماز درست ہے:

سوال: چارپائی پر نماز اس وقت درست ہے کہ جب چارپائی سخت ہو یا ڈھیلی ہو تب بھی؟

الجواب

چارپائی پر نماز ہر حالت میں درست ہے، اگرچہ وہ بہت سخت نہ ہو، کیونکہ اگر وہ ڈھیلی بھی ہے تو جس وقت گھٹنے چارپائی پر ٹھہریں گے اور زور پڑے گا تو سجدہ کی جگہ سخت ہو جاوے گی۔(۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۵۲/۲) ☆

---

(۱) خلاصۂ سوال: اگر گھاس وغیرہ ایک بالشت سے زیادہ موٹے ہوں اور سجدہ کے وقت اوپر نیچے ہوتے ہوں، تو اس پر نماز جائز ہے یا نہیں؟ انیس

(۲) ردالمحتار، باب صفة الصلاة، فصل فی تألیف الصلاة. ظفیر

(۳) ولوأن رجلا صلى على الثلج فإن لبده جازت صلاته وإن لم يلبده وغاب وجهه فی الثلج إذا سجد ولا ينتهی إلى شیء يجد حجمه فهذا لايجزيه كالساجد فی الهواء وإن سجد على شیء وجد حجمه جاز. (عيون المسائل للسمرقندی، الصلاة على ثلج: ۲٤/۱، مطبعة اسعد بغداد، انيس)

(۴) وعلى هذا إذا لقی فی المسجد حشيش كثير فسجد عليه إن وجد حجمه يجوز وإلا فلا وإذا صلى على التبن أوالقطن المحلوج وسجد عليه إن استقر جبهته وأنفه على ذلك ووجد الحجم يجوز وإن لم يستقر جبهته لايجوز. (المحيط البرهانی، الفصل السادس عشر فی التغنی والإلحان: ۳٦٥/۱، دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

☆ **چارپائی پر نماز پڑھنا:**

سوال: چارپائی پر بلا عذر نماز پڑھنے میں کوئی حرج شرعی ہے یا نہیں؟ ==

تکیہ پرسجدہ کرنے کی تحقیق:

سوال: مسئلہ ذیل اورروایت میں تعارض معلوم ہوتا ہےاس کی تحقیق مطلوب ہے۔

مسئلہ: سجدہ کرنے کے لئے تکیہ وغیرہ کوئی اونچی چیز رکھ لینااوراس پرسجدہ کرنا نہ چاہئے۔جب سجدہ کی قدرت نہ ہو،تو بس اشارہ کرلیا کرے۔تکیہ کے اوپر سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔(بہشتی زیورمطبوعہ الامداد پریس، باب صلاۃ المریض،حصہ دوم،صفحہ:۶۸)

روایت:(ولایرفع إلٰی وجهه شیئًا یسجد علیه)فإنه یکره تحریمًا.(الدرالمختار)

(قوله فإنه یکره تحریمًا) قال فی البحر:واستدل للکراهة فی المحیط بنهیه علیه الصلاة و السلام عنه،وهویدل علٰی کراهة التحریم آه وتبعه فی النهر.

أقول:هٰذا محمول علٰی ما إذاکان یحمل إلٰی وجهه شیئًا یسجد علیه،بخلاف ما إذاکان موضوعًا علی الأرض یدل علیه ما فی الذخیرة حیث نقل عن الأصل الکراهة فی الأول،ثم قال: فإن کانت الوسادة موضوعة علی الأرض وکان یسجد علیها جازت صلاته،فقد صح أن أم سلمة کانت تسجد علٰی مرفقة موضوعة بین یدیها لعلة کانت بها ولم یمنعها رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من ذٰلک آه.فإن مفاد هذه المقابلة والاستدلال عدم الکراهة فی الموضوع علی الأرض المرتفع.ثم رأیت القهستانی صرح بذٰلک.(ردالمحتار،باب صلاة المریض:۱/۵۰۹)

==

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

نمازتو ہوجائے گی،لیکن فرض نمازتو جماعت سے پڑھنا مؤکد ہے،اگر یہ ترک ہوتو پھراثم ہے،نفل پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے،مگر پھر بھی بغیرضرورت چارپائی پر پڑھنا شان عبدیت واہمیت عبادت کے منافی ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تہجد پڑھنا بستر سے علاحدہ ہوکرثابت ہے،اس لحاظ سے سنت کے بھی منافی ہوگا۔(''**فصح علٰی طنفسة وحصیر وحنطة وشعیر وسریر وعجلة إن کانت علی الأرض**.(رد المحتار: ۱/۴۶۸)(**کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب فی إطالة الرکوع للجائی،انیس**) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ۔۱۵/۱/۱۳۴۷ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۱/۴۶۔۴۷)

چاول اورچینی پراگر ماتھا ٹک جائے،توسجدہ کاحکم:

سوال: چاول اور جواراورچینی پراگر ماتھانہ دھنسے،تو سجدہ کرنا جائز ہے،یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

جس چیز پر ماتھا قائم ہوجاوے گا،نماز درست ہوجاوے گی،چاول ہو یا گندم،ورنہ نہیں۔

(بدست خاص،سوال:۱۵۸)۔(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۲)

الجواب

فـي مـراقي الفلاح: وجعل إيماء ه برأسه للسجود أخفض من إيماء ه برأسه للركوع وكذا لو عجزعن السجود وقدرعلى الركوع يؤمي بهما؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم عاد مريضًا فراٰه يـصـلي علىٰ وسادة فأخذها ورمىٰ بها فأخذ عودًا ليصلي عليه فرمىٰ به وقال: "صلّ على الأرض إن استـطـعـت وإلا فأوم إيماء واجعل سجودك أخفض من ركوعك". (رواه البـزاروالبيهقي عن جابررضي اللّٰه تعالىٰ عنه كذا في نصب الراية: ۱/ ۳۰٤)(۱)

قـال الـمـجيـب: (إلـىٰ قـولـه)فإن فعل أي وضع شيئًا فسجد عليه وخفض رأسه للسجود عن إيمائه للركوع صح أي صحت صلاته لوجود الإيماء لكن مع الإساء ة، لما روينا. (۱/ ۲۵۰)

وفـي حـاشية الـطحطاوي عليه: (قوله وجعل إيماء ه للسجود أخفض) تمييزًا بينهما ولايلزمه أن يبالغ في الانحناء أقصىٰ مايمكنه بل يكفيه أدنى الانحناء فيهما، نهرعن المجتبىٰ. (۱/ ۲۵۰)

بہشتی زیور کی اس میں صریح تائید ہے، پس تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ کراہت عدم عذر کی حالت میں ہو اور عدم کراہت عذر کی حالت میں ہو۔ عذر یہ کہ بدون تکیہ کے جھکانے میں تکلیف ہو۔

وفي عبارة الحاشية نفي لما كتبت في المكتوب السابق من لزوم أقصىٰ مايمكن من الانحناء فالنص يقضي على الرأي.

(ترجیح خامس، صفحہ: ۱۲۵)۔ (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۱۹۹-۲۰۰)

قالین پر نماز ادا کرنا کیسا ہے:

سوال: آج کل اکثر مساجد میں صفوں کے بجائے قالین بچھانے شروع کردیئے ہیں، اور قالین کی موٹائی بھی صفوں کی بہ نسبت کافی موٹی ہوتی ہے، کیا قالین پر سجدہ جائز ہے؟ اور نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ یا مکروہ، اس مسئلے کا قرآن واحادیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب

قالین پر نماز جائز ہے۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۳/ ۳۴۸) ☆

(۱) السـنـن الـصـغيرللبيهقي، باب صلاة المريض (ح: ۵۹۰)/ والـكـبـرىٰ، بـاب الإيماء بالركوع والسجود إذا عـجـزعـنهما (ح: ۳٦٦۹)/ مـعـرفة السـنـن والآثـار، صلاة المريض (ح: ٤۳۵۹)/ وكـذا فـي حـلية الأولياء وطبقات الأصفياء، سفيان الثوري ومنهم الإمام المرضي والورع: ۷/ ۹۲، دارالكتاب العربي بيروت. انيس

(۲) ولابـأس بـالـصـلاة والسجود على الحشيش والحصيروالبسط والبواري. (الفتاوىٰ الهندية: ۱/ ٦۳، الفصل الثاني في طهارة مايستربه العورة وغيره)

==

کمبل، نمدہ وغیرہ پر سجدہ کا حکم:

سوال: کمبل اور نمدہ پر نماز پڑھنا اور سجدہ تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ (از سوالات مولوی جمیل علی)

== ولا بأس بالصلاة على الفرش والبسط واللبود والصلاة على الأرض أو على ما تنبته الأرض أفضل. (فتاوى قاضي خان، ۱/۳۳، ط: كلكته. انيس)

☆ قالین پر سجدہ:

سوال: مساجد میں نرم قالینیں بچھی ہوئی ہیں، حالانکہ حکم یہ ہے کہ سجدہ سخت جگہ پر کیا جائے، گھروں میں بھی خواتین نرم مصلی استعمال کرتی ہیں، ایسی نرم چیزوں پر سجدہ کرنے کا کیا حکم ہے؟ (محمد جہانگیر الدین، باغ امجد الدولہ)

الجواب

سخت جگہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لوہے یا پتھر پر سجدہ کیا جائے، سخت جگہ کا مطلب یہ ہے کہ پیشانی ٹک جائے، چنانچہ فقہا نے لکھا ہے کہ گھاس، بھوسہ، اسپنج، یا برف پر سجدہ کیا جائے، اور پیشانی اور ناک ٹک جائے اور کسی سخت جگہ جا کر رک جائے، تو یہ بھی کافی ہے:

"ولو سجد على الحشيش أوعلى التبن أوعلى القطن أو الطنفسة أو الثلج إن استقرت جبهته وأنفه ويجد حجمه يجوز". (الفتاویٰ الهندية : ۱/۷۰، ط: مكة المكرمة. محشى)

اس لئے مروجہ قالین اور مصلی پر نماز درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۸۵)

قالین اور فوم کے گدوں پر نماز کا حکم:

سوال: ہمارے محلے کی مسجد میں ایک صاحب خیر نے نمازیوں کے لئے قالین بچھایا ہے، جو بہت نرم ہے، کیا اس قالین پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز میں زمین پر سجدہ کرنا ضروری ہے، یعنی زمین کی صلابت اور سختی کا ادراک ضروری ہے، لہٰذا اگر قالین پر سجدہ کے دوران نیچے کی زمین کی سختی کا ادراک ہوسکتا ہو، تو نماز جائز ہے، ورنہ نہیں، چونکہ آج کل کے قالینوں میں زمین کی سختی کا ادراک ہوتا ہے، اس لئے قالین، کارپٹ، دری وغیرہ پر نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ موٹے اور لچکدار فوم پر نماز جائز نہیں۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (لا) يصح لعدم السجود علىٰ محله وبشرط طهارة المكان وأن يجد حجم الأرض. (الدر المختار)

قال ابن عابدين تحت قوله أن يجد حجم الأرض: ...أوحشيش إلا إن وجد حجمه، ومن هنا يعلم الجواز على الطراحة القطن، فإن وجد الحجم جاز وإلا فلا، بحر. (رد المحتار، فصل إذا أراد الشروع: ۱/۵۰۱) (كتاب الصلاة، فصل تركيب الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، انيس)

قال العلامة ابن نجيم رحمه الله: والأصل أنه كما يجوز السجود على الأرض يجوز علىٰ ما هو بمعنى الأرض مما تجد جبهته حجمه وتستقر عليه، وتفسير وجدان الحجم: أن الساجد لو بالغ لايتسفل رأسه أبلغ من ذلك. (البحر الرائق، باب صفة الصلاة: ۱/۳۱۹) (فتاویٰ حقانیہ: ۳/۸۳-۸۴)

الجواب ــــــــــــــــــــ

جائز ہے، بشرطیکہ پیشانی اس پر قرار پا جائے، یعنی سجدہ کرنے میں بمقام سجدہ سختی معلوم ہو اور پیشانی بخوبی قرار پا جائے۔ (۱) (فتاویٰ عزیزی:۴۹۴)

گدے پر سجدہ کا حکم:

سوال: ہسپتال میں چار پائیوں پر گدے بہت موٹے ہوتے ہیں، ان پر سجدہ کرنے سے نماز میں کوئی خرابی تو نہیں آتی؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

اگر گدا سر کے مکمل بوجھ کو برداشت کرلے تو اس صورت میں نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر برداشت نہ کر سکے؛ بلکہ دبتا ہی چلا جائے تو نماز صحیح نہ ہوگی۔

قال فی شرح التنویر: وأن یجد حجم الأرض. (الدرالمختار)

وفی الشامیة: تفسیره: أن الساجد لوبالغ لایتسفل رأسه أبلغ من ذلک. (رد المحتار: ١/٤٦٨)(۲)

فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

۲۴ رمحرم ۱۳۹۵ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۴۳۲/۳)

تختہ پوش پر نماز پڑھنے کا مسئلہ:

سوال: آج کل لڑکیوں کے والدین شادی کے وقت جہیز میں یا لڑکے والے اس کے لئے فرنیچر میں نماز پڑھنے کے لئے ایک تخت بنواتے ہیں، جس کو پشتوں میں ''تختہ پوش'' کہا جاتا ہے، شرعاً اس پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

ایسے تخت لکڑی سے بنائے جاتے ہیں؛ جو کہ سخت ہوتی ہے، حالت سجدہ یا رکوع یا قیام پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، اس لئے ایسے ''تختہ پوش'' پر نماز پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ زمین پر رکھا ہوا ہو۔

---

(۱) **(ویجوز) أی السجود ... (وعلی شیء یجد) الساجد (حجمه وتستقر جبهته علیه لا علی ما لاتستقر) وحد الإستقرار أن الساجد إن بالغ لا ینزل رأسه أسفل من ذلک فعلی هذا لا تجوز السجدة علی الثلج بأن غاب وجهه فیه وإن استقر ووجد حجمه بأن تلبد الثلج تجوز وعلی هذا التفصیل التراب ونحوه. (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر، فصل صفة الشروع فی الصلاة: ١/٩٨، دار إحیاء التراث العربی. انیس)**

(۲) **کتاب الصلاة، فصل ترکیب الصلاة، مطلب فی إطالة الرکوع للجائی: ١/٤٥٤، دار الفکر بیروت. انیس**

قال العلامة الحصكفي: (لا) يصح لعدم السجود علىٰ محله وبشرط طهارة المكان وأن يجد جحم الأرض. (الدرالمختار)

قال ابن عابدين (تحت قوله أن يجد جحم الأرض): تفسيره أن الساجد لوبالغ لايتسفل رأسه أبلغ من ذلك، فصح علىٰ طنفسة وحصيروحنطة وشعيروسريروعجلة إن كانت على الأرض لا علىٰ ظهرحيوان كبساط مشدود بين أشجار. (ردالمحتار، فصل إذا أراد الشروع: ۵۰۰/۱) (۱) (فتاویٰ حقانیہ: ۸۳/۳)

صحن گرم ہوتو سجدہ کی جگہ پر کپڑا یا کوئی اور ٹھنڈی چیز رکھ لینا جائز ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز میں بسبب پتھر کے گرم ہونے کے یا کنکری پیشانی میں گڑ جانے کے سجدہ کی جگہ ٹکڑا تختہ کا یا کپڑا تہہ کر کے رکھ لینا جائز ہے یا نہیں، صحیح حدیث کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر صحن مسجد گرم ہوتو سجدہ گاہ پر کپڑا اڈالنے یا ٹھنڈی کنکریاں ڈالنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ایسی حالت میں صحابۂ کرام بھی تھوڑی کنکریاں ڈال دیتے تھے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ۔ ۱۳۴۵/۴/۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۶/۱)

(۱) كتاب الصلاة، فصل تركيب الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي: ۴۵۴/۱، دارالفكر، انيس

قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه اللّٰه: والأصل أنه كما يجوزالسجود على الأرض يجوز علىٰ ما هوبمعنى الأرض مما تجد جبهته حجمه وتستقرعليه وتفسيروجدان الحجم أن الساجد لوبالغ لايستفل رأسه من ذلك، فيصح السجود على الطنفسة والحصيروالحنطة والشعيروالسريروالعجلة إن كانت على الأرض لأنه يجد حجم الأرض. (البحرالرائق، باب صفة الصلاة: ۳۱۹/۱)

(۲) "ولوسجد علىٰ كورعمامته... أوسجد علىٰ فاضل ثوبه الذى هو لابسه حال وضع كورالعمامة أوفاضل الثوب علىٰ شيء طاهرجازسجوده عندنا، خلافاً للشافعي وأحمد ... عن ابن عباس. رضى اللّٰه عنهما. أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم كان يسجد علىٰ كورعمامة ... عن الحسن قال: كان أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يسجدون وأيديهم فى ثيابهم ويسجد الرجل منهم علىٰ كورعمامته ... وروى ابن أبى شيبة ... عن ابن عباس. رضى اللّٰه عنهما. أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم صلى في ثوب واحد يتقي بفضوله حرالأرض وبردها ... وأخرج الستة عن أنس. رضى اللّٰه عنه. كنا نصلى مع النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فى شدة الحرفإذا لم يستطع أحدنا أن يمكن وجهه من الأرض بسط ثوبه فسجد عليه. (غنية المستملي الكبير: ۲۸۶-۲۸۷)

(روى عن ابن عمر أن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم كان يسجد على كورالعمامة. (فوائدتمام لأبى القاسم، أحاديث جميع بن ثوب الرحبى (ح: ۱۷۸۲)/ رواية الحسن أخرجه ابن أبى شيبة فى المصنف، باب فى الرجل يسجد ويداه فى ثوبه (ح: ۲۷۳۹)/ وحديث ابن عباس الثالث رواه ابن أبى شيبة، فى الرجل يسجد على ثوبه من الحروالبرد (ح: ۲۷۷۰)/ وحديث بن مالك رواه الدارمى، باب الرخصة فى السجود على الثوب فى الحر (ح: ۱۳۷۶)/ والبخارى، باب بسط الثوب فى الصلاة للسجود (ح: ۱۲۰۸)/ مسلم، باب استحباب تقديم الظهر فى أول الوقت (ح: ۶۲۰)/ وابن ماجة، باب السجود على الثياب فى الحروالبرد (ح: ۱۰۳۳)/ وأبوداؤد، باب الرجل يسجد على ثوبه (ح: ۶۶۰) انيس)

==

ضعیف آدمی کا کرسی پر بیٹھ کر میز پر سجدہ کرنا:

سوال: ایک ضعیف عورت ایک کرسی پر بیٹھ کر دوسری چھوٹی میز پر سجدہ کرتی ہے، تو کیا نماز ہو جائے گی؟

الجواب ــــــــــــــــ

جو شخص سجدہ کرنے پر قادر نہ ہو، وہ سر کے اشارے سے سجدہ کرے، اور رکوع کے اشارے سے ذرا زیادہ سر جھکائے، چھوٹی میز پر سجدہ کرنا فضول ہے۔(۱)(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۳۴۹/۳)

== ☆ کورِ عمامہ (پگڑی کے بل) پر سجدہ کرنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ جو عمامہ پہنتے ہیں، وہ عمامہ کے کور پر ہی نماز میں سجدہ کرتے ہیں، جس کی وجہ سے نہ ناک زمین پر لگتی ہے اور نہ پیشانی، تو اس طرح سجدہ کرنے سے نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

اگر عمامہ کا کور پیشانی پر ہو، تو اسی حالت میں عمامہ کے کور پر سجدہ کرنا مکروہ ہے، اور اگر کور عمامہ پیشانی سے اوپر ہو اور سجدہ کورِ عمامہ پر کیا جائے، تو اس صورت میں سجدہ ادا نہیں ہوا؛ اس لئے کہ پیشانی یا ناک زمین پر نہیں رکھی گئی، لہذا اس صورت میں نماز پڑھنا درست نہیں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله: (كما يكره تنزيهًا بكورعمامته) إلا بعذر (وإن صح) عندنا (بشرط كونه علىٰ جبهته) كلها أو بعضها كمامر (أما إذا كان) الكور (علىٰ رأسه فقط وسجد عليه مقتصرًا) أى ولم تصب الأرض جبهته ولا أنفه على القول به (لا) يصح لعدم السجود علىٰ محله، الخ. (الدرالمختار علىٰ صدرردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل إذا أراد الشروع: ۵۰۰/۱)

قال العلامة أبوالبركات النسفي رحمه الله: وكره بأحدهما أو بكورعمامة، آه.

قال ابن نجيم رحمه الله تحت قوله كره بأحدهما الخ: أن صحة السجود علىٰ الكور إذا كان الكورعلى الجبهة أو بعضها أما إذا كان على الرأس فقط وسجد عليه ولم تصب جبهته الأرض على القول بتعيينها ولا أنفه على القول بعدم تعيينها فإن الصلاة لا تصح لعدم السجود علىٰ محله وكثيرمن العوام يتساهل فى ذلك. (البحرالرائق، باب صفة الصلاة: ۳۱۹/۱) (فتاویٰ حقانیہ: ۸۲/۳)

حالت احرام میں جاء نماز پر سجدہ کا حکم:

سوال: لوگوں کا خیال ہے کہ حالت احرام میں ناک اور چہرہ جاءِ نماز سے نہیں لگنا چاہئے، بلکہ اپنے دونوں ہاتھ ملا کر سجدہ اس پر کرنا چاہئے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

حالت احرام میں جاء نماز پر سجدہ کرنا جائز ہے، دونوں ہاتھ ملا کر ان پر سجدہ کرنا درست نہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔ ۱۲/۷/۱۳۹۷ھ (فتویٰ نمبر ۲۷/۲۷۷/۷۷) ۔ (فتاویٰ عثمانی: ۱/۴۰۰-۴۰۱)

(۱) وإن عجزعن القيام والركوع والسجود وقدرعلى القعود يصلي قاعدًا بإيماء ويجعل السجود أخفض من الركوع. (الفتاوىٰ الهندية: ۱۳۶/۱، الباب الرابع عشر فى صلاة المريض) / فتاوىٰ قاضى خان، باب صلاة المريض: ۲۰۴/۱، ط: كلكته. انيس)

معذور شخص کے لیے ٹیبل وغیرہ پر سجدہ کرنے کا حکم:

سوال: مسئلۂ ذیل میں شرع شریف کا حکم معلوم کرنا ہے:

خلاصۂ سوال: اگر زمین پر سجدہ کی قدرت نہ ہو، تو تکیہ، ٹیبل وغیرہ کسی بلند چیز پر کیا سجدہ کرنا فرض ہے؟

ایک مدرسہ کے ماہنامہ گجراتی رسالہ میں شائع شدہ فتاویٰ- جس کی عکسی تحریر بھی ساتھ ہے- جس کی خط کشیدہ عبارت میں دوجگہ زمین پر سجدہ سے معذور کے لیے کسی بلند چیز جس کی بلندی ۹/۱۲انچ سے زیادہ نہ ہو، پر سجدہ کرنا فرض لکھا ہے۔ جس کی وجہ سے بعض جگہوں پر شدید اضطراب وہنگامہ ہے۔

نیز یہ اظہار بھی ضروری ہے کہ، صاحب فتویٰ کی تنقیص یا تعریض یا تعاقب قطعاً مقصود نہیں، صرف رفع انتشار بین العلماء والعوام اور تسہیل فی العمل کا قصد ہے، غالباً کسی وجہ سے مرجوح روایت نقل ہوگئی ہو؛ کیوں کہ دلائل اور راجح قول اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ واللّٰہ أعلم وعلمہ أتم

بہشتی زیور اختری، فی صلاۃ المریض:

مسئلہ (۳): سجدہ کرنے کے لیے تکیہ وغیرہ کوئی اونچی چیز رکھ لینا اور اس پر سجدہ کرنا بہتر نہیں، جب سجدہ کی قدرت نہ ہو، تو بس اشارہ کرلیا کرے، تکیہ کے اوپر سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

وعلٰی حاشیہ نقلا عن شرح البدایة وعن شرح التنویر: فإن لم یستطع الرکوع والسجود أومٰی إیماء، وجعل سجودہ أخفض من رکوعہ، ولا یرفع إلٰی وجھہ شیئًا یسجد علیہ. (اختری: ۲/۴۵)(۱)

نصب الرایة (الطبع بدابھیل): عن جابر أن النبي صلی اللّٰہ علی وسلم أعاد مریضًا، فراٰہ یصلي علٰی وسادة فأخذھا، فرمٰی بھا، فأخذ عودًا لیصلي علیہ، فأخذہ فرمٰی بہ، وقال: صلّ علی الأرض إن استطعت وإلا فأومي إیماء، واجعل سجودک أخفض من رکوعک. (۲/۱۷۵)(۲)

وفیہ: عن ابن عمر قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من استطاع منکم أن یسجد فلیسجد، ومن لم یستطع فلا یرفع إلٰی جبھتہ شیئًا یسجد علیہ، ولیکن رکوعہ وسجودہ یؤمي برأسہ. (۲/۱۷۶)(۳)

---

(۱) الدر المختار علٰی صدر رد المحتار، باب صلاۃ المریض: ۲/۹۷-۹۸، ط: بیروت، انیس

(۲) أخرجه البیهقی فی السنن الصغیر، باب صلاة المریض (ح: ۵۹۰)/ وفی الکبریٰ، باب الإیماء بالرکوع والسجود إذا عجز عنهما (ح: ۳۶۶۹)/ وکذا فی معرفة السنن والآثار، صلاة المریض (ح: ۴۳۵۹)/ وکذا أخرجه أبونعیم فی حلیة الأولیاء وطبقات الأصفیاء، سفیان الثوری ومنهم الإمام المرضی والورع: ۷/۹۲، دارالکتاب العربی بیروت. انیس

(۳) أخرجه الطبرانی فی المعجم الأسط، من إسمه أحمد (ح: ۷۰۸۹) انیس

الهداية في صلاة المريض:

ولايرفع إلٰى وجهه شيء يسجد عليه،لقوله عليه السلام:إن قدرت أن تسجد على الأرض فاسجد وإلا فأوم برأسک.(۱۶۱/۱)(۱)

بدائع الصنائع،دارالكتاب ديوبند:

عن علي أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال في صلاة المريض:إن لم يستطع أن يسجد أومأ وجعل سجوده أخفض من ركوعه.(۲۸٤/۱)(۲)

وروي عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال:من لم يقدرعلى السجود فليجعل سجوده ركوعًا وركوعه إيماء والركوع أخفض من الإيماء.(۲۸٤/۱)(۳)

وعلٰى هامشه من حديث ابن مسعود موقوفًا: إن استطعت أن تسجد على الأرض فاسجد و إلا فأوم إيماءً واجعل السجود أخفض من الركوع.(۲۸۵/۱)(۴)

وفيه:لورفع إلٰى وجه المريض وسادةً أوشيئًا فسجدعليه من غيرأن يؤمي لم يجز؛لأن الفرض في حقه الإيماء ولم يوجد،ويكره أن يفعل هذا؛لما روي عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم:دخل علٰى مريض يعوده،فوجده يصلي كذلک ، فقال: إن قدرت أن تسجد على الأرض فاسجد وإلا فأوم برأسک.(۲۸۹/۱)(۵)

وفيه: روي عن عبداللّٰه بن مسعود:دخل علٰى أخيه يعوده،فوجده يصلي ويرفع إليه عودًا فيسجد عليه،فنزع ذلک من يد من كان في يده،وقال:هذا شيء عرض لكم الشيطان،أوم لسجودک.(۲۸۹/۱)(۶)

---

(۱) الهداية على صدرفتح القدير،باب صلاة المريض: ٤/۲،دارالفكر/والحديث أخرجه أبويعلى الموصلى فى المسند،مسند جابر (ح: ۱۸۱۱) بلفظ:إن استطعت أن تسجد على الأرض وإلا فأوم إيماء واجعل السجود أخفض من الركوع./وكذا الطبرانى فى المعجم الكبير،طارق بن شهاب عن ابن عمر (ح:۱۳۰۸۲)انيس

(۲) بدائع الصنائع،فصل فى أركان الصلاة: ۱۰٦/۱،دارالكتب العلمية/والحديث أخرجه الدارقطنى فى السنن،باب صلاة المريض ومن رعف فى صلاته كيف (ح: ۱۷۰٦)/والبيهقى فى السنن الكبرىٰ،باب ماروى فى كيفية الصلاة على الجنب (ح:۳٦۷۸)انيس

(۳) بدائع الصنائع،فصل فى أركان الصلاة: ۱۰٦/۱،دارالكتب العلمية /وروى عبدالرزاق الصنعانى فى المصنف،باب صلاة المريض: ٤۷۵/۲،ط:المجلس العلمي الهند موقوفاً عن ابن عمر أنه كايقول:إذا كان أحدكم مريضاً فلم يستطع سجوداً على الأرض فلا يرفع إلى وجهه شيئاً وليجعل سجوده ركوعاً وليؤمى برأسه.انيس

(۴) أخرجه أبويعلى الموصلى فى المسند،عن جابر بن عبداللّٰه (ح:۱۸۱۱):۳٤۵/۳،دارالمأمون دمشق.انيس

(۵) بدائع الصنائع،فصل فى أركان الصلاة:۱۰۸/۱،دارالكتب العلمية /تقدم تخريج الحديث.انيس

(۶) وكذا فى المحيط البرهانى،الفصل الحادى والثلاثون فى صلاة المريض: ۱٤٦/۲،دارالكتب العلمية/ البحر الرائق،تعذرعلى المريض القعود فى الصلاة:۱۲۳/۲،دارالكتاب الإسلامى.انيس/العود: لکڑی،کٹی ہوئی ٹہنی۔ [مصباح: ۵۸۳]

وفيه: روي أن ابن عمر رأى ذلك من مريض فقال: أتتخذون مع الله الٰهة أخرىٰ؟ فإن فعل ذلك ينظر، إن كان يخفض رأسه للركوع شيئًا ثم للسجود ثم يلزق بجبينه يجوز (أي الصلاة)؛ لوجود الإيماء، لا للسجود علىٰ ذلك الشيء، فإن كانت الوسادة موضوعة على الأرض وكان يسجد عليها جازت صلاته؛ لما روي أن أم سلمة كانت تسجد علىٰ مرفقة موضوعة بين يديها لرمد بها، ولم يمنعها رسول الله. (۲۸۹/۱)(۱)

ان اقوال واحادیث سے یہ امور ظاہر ہوتے ہیں:

(۱) بوقت قدرت زمین پر سجدہ۔ كما في البدائع (۲۸٤/۱) مكن جبهتك وأنفك من الأرض.

(۲) بوقت عدم قدرت فقط اشارہ۔ (إيماء لا علىٰ شيء) كما ورد عليه عامة النصوص وعليه أصحاب المتون.

(۳) زمین پر تکیہ وغیرہ رکھ کر سجدہ کرنا اباحت مرجوحہ۔ كما اختاره بهشتي زيور، ولأن حديث أم سلمة فعلي وما سواه قولي وفيهم صيغ الأمر وحديث أم سلمة ليس كذلك.

(۴) کوئی چیز اونچی اٹھا کر سجدہ کرنا، یہ منع ہے۔ كما منع ابن مسعود وابن عمر، واختاره الهداية كما مر.

(۱) اب سوال یہ ہے کہ: ٹیبل وغیرہ پر سجدہ کی فرضیت کی ترجیح کس دلیل سے؟

(۲) یہ کہ ۹/انچ یا اس سے کم بلندی پر سجدہ کی فرضیت کس وجہ سے؟

(۳) نیز یہ ۹/انچ (نصف ذراع) سجدہ میں کہاں سے اخذ کیا ہے؟

(السائل: فضل الرحمٰن ابن مولانا آدم صاحب طالعپوری)

الجواب ــــــــــ حامدًا ومصليًا ومسلمًا

آپ نے جس فتویٰ پر اشکالات کیے ہیں، اُس کے مجیب باحیات اور سلامت موجود ہیں، چاہیے تو یہ تھا کہ آپ اپنا یہ سوال ان ہی کی خدمت میں بھیجتے، اب جب کہ آپ نے ہم سے ہی جواب کا مطالبہ فرمایا ہے، تو اصل جواب سے پہلے بطورِ تمہید چند باتیں پیش کی جاتی ہیں؛ تا کہ اصل جواب پر کوئی اشکال باقی نہ رہے۔

(۱) اولاً تو آپ کے سوال کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

آپ نے فتویٰ کے دو مقامات پر اشکال کیا ہے، اُن میں سے ایک مقام ''زمین پر بیٹھ کر اشارہ سے سجدہ کرنا'' کے

(۱) المرفقة: چھوٹا تکیہ جس پر سوتے ہوئے رخسارہ رکھتے ہیں۔ [مصباح: ۳۰۶]/ بدائع الصنائع، فصل فی أركان الصلاة: ۱۰۸/۱/ رواية ابن عمر رواه عبدالرزاق الصنعاني بلفظ: دخل ابن عمر على ابن صفوان الطويل فوجده يسجد على وسادة فنهاه وقال: أومي واجعل السجود أخفض من الركوع. (باب صلاة المريض، رقم الحديث: ٤١٣٨)/ ورواية أم سلمة أخرجه عبدالرزاق الصنعاني بلفظ: تسجد على مرفقة وهي قاعدة أعني تصلي قاعدة. (باب صلاة المريض، رقم الحديث: ٤١٤٥. انيس)

عنوان کے ماتحت ہے،جس میں سوال کیا گیا ہے کہ زمین پر بیٹھ کر فرض، واجب یا نفل نماز پڑھنے والا زمین پر پیشانی رکھے بغیر صرف سر کو جھکا کر اشارہ سے سجدہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

اِس کے جواب میں مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ: ''نماز کے ارکان: قیام، رکوع، سجدہ، قعدہ، وغیرہ میں سجدہ کو خصوصی امتیازی حیثیت حاصل ہے،اور سجدہ یہ نماز کی روح ہے؛ اس لیے زمین پر بیٹھ کر کسی بھی قسم کی نماز پڑھنے والا نمازی اگر زمین پر پیشانی رکھ کر سجدہ کرسکتا ہے، یا زمین پر تپائی وغیرہ سخت چیز جو زمین سے نو/ انچ یا اس سے کم اونچی ہو ،اس پر پیشانی رکھ کر سجدہ کرسکتا ہے،تو اِن دونوں صورتوں میں زمین پر یا سجدہ کے لائق سخت چیز سجدہ کی جگہ پر رکھ کر اس پر سجدہ کرنا ضروری اور فرض ہے، اِن دونوں صورتوں میں صرف سر جھکا کر سر کے اشارہ سے سجدہ کرنا کافی نہیں،اور ان دونوں صورتوں میں اس طرح صرف سر کے اشارہ سے سجدہ کرنے سے نماز صحیح نہیں ہوگی،اور اس کے لیے ضروری ہے کہ سجدہ کے ساتھ دوبارہ نماز کا اعادہ کرے''۔

(۲) جو بیمار حقیقی سجود پر قدرت رکھتا ہو،اس کے لیے ایماء یعنی صرف سر کے اشارہ سے سجدہ کرنا درست نہیں۔

کنز میں ہے:

''تعذر عليه القيام أو خاف زيادة المرض صلّى قاعدًا يركع ويسجد،ومومئًا إن تعذر،وجعل سجوده أخفض''.

البحر الرائق میں ہے:

(قوله ومومئًا إن تعذر) أي: يصلي مومئًا وهو قاعد إن تعذر الركوع و السجود لما قدمناه،ولأن الطاعة بحسب الطاقة. (۱۲۲/۲)(۱)

درمختار میں ہے:

(وإن تعذرا) ليس تعذرهما شرطاً بل تعذر السجود كاف (لا القيام أومأ) بالهمز (قاعدًا) وهو أفضل من الإيماء قائمًا لقربه من الأرض. (الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار،باب صلاة المريض: ۵۶۰/۱)(۲)

وإن عجز عن القيام والركوع والسجود وقدر على القعود يصلي قاعدًا بإيماء،ويجعل السجود أخفض من الركوع، كذا في فتاویٰ قاضي خان. حتیٰ لو سوى لم يصح، كذا في البحر الرائق وكذا لو عجز عن الركوع والسجود وقدر على القيام فالمستحب أن يصلي قاعدًا بإيماء، وإن صلّى قائمًا بإيماء جاز عندنا،هكذا في فتاویٰ قاضي خان. (الفتاوى الهندية: ۱۳۶/۱)(۳)

---

(۱) باب صلاة المريض: ۱۲۲/۲،دار الكتاب الإسلامی. انیس

(۲) باب صلاة المريض: ۹۷/۲-۹۸،دار الفكر بيروت. انیس

(۲) الباب الرابع عشر فی صلاة المريض،ط: دار الفكر بيروت. انیس

بدائع میں ہے:

فإذا عجز عن القيام يصلي قاعدًا بركوع وسجود،فإن عجز عن الركوع و السجود يصلي قاعدًا بالإيماء،ويجعل السجود أخفض من الركوع.(البدائع:۱/۱۰۵-۱۰۶)

(۳) یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ، حقیقی سجود پر قدرت رکھنے والا کس کو کہا جائے؟ تو ظاہر ہے کہ شرعاً جس سجدہ کو معتبر اور صحیح قرار دیا گیا ہے، جو بیمار اُس طرح کا سجدہ کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو، اُسی کو اِیماء یعنی سر کے اشارہ سے سجدہ کرنے کی اجازت ہوگی۔ فقہانے جہاں سجدہ کی کیفیت سے بحث کی ہے، وہاں لکھا ہے کہ: زمین پر پیشانی رکھنے کو سجدہ کہتے ہیں، کسی نرم چیز پر جس میں سر ناک دھنس جائے اور ناک اور پیشانی قرار نہ پکڑے، مثلاً: گھاس یا روئی وغیرہ پر سجدہ کیا تو سجدہ جائز نہیں، اور اگر اُس کی پیشانی اور ناک قرار پکڑے اور اس جگہ کی سختی معلوم ہو، یعنی اب اگر مبالغہ کیا جائے، تو نہ دبے اور سر نیچے نہ جائے، تو سجدہ جائز اور درست ہے۔

نیز سجدہ کی جگہ پاؤں کی جگہ سے آدھ گز شرعی (ایک بالشت) یعنی نو/انچ تک اونچی ہو، تو سجدہ جائز ہے، اور اگر اس سے زیادہ اونچی ہو، تو جائز نہیں۔

چنانچہ نورالایضاح میں "**باب شروط الصلاة وأركانها**" کے عنوان کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں:

"**لا بد لصحة الصلاة من سبعة وعشرين شيئًا**".

آگے نمبر: ۱۷/ پر لکھا ہے:

"**والسجود علٰى ما يجد حجمه وتستقر عليه جبهته،إلخ**".

اس کے بعد نمبر: ۱۸/ پر لکھا ہے:

وعدم ارتفاع محل السجود عن موضع القدمين بأكثر من نصف ذراع،وإن زاد علٰى نصف ذراع لم يجز السجود إلا لزحمة سجد علٰى ظهر مصل صلاته.(۲)

مراقی الفلاح میں ہے:

ومن شروط صحة السجود:عدم ارتفاع محل السجود عن موضع القدمين بأكثر من نصف ذراع ليتحقق صفة الساجد،والارتفاع القليل لايضر،وإن زاد علٰى نصف ذراع لم يجز السجود ،أي:لم يقع معتدًا به،فإن فعل غيره معتبرًا صح،وإن انصرف من صلاته ولم يعده بطل. (مراقي الفلاح علٰى هامش الطحطاوي)

---

(۱) بدائع الصنائع،فصل فی أركان الصلاة.انیس

(۲) نورالإيضاح،جديد ایڈیشن:۱۹۹۔

طحطاوی میں ہے:

"والارتفاع القليل وهو ما كان من نصف ذراع فأقل". (ص:١٢٦)(١)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

إذا سجد المريض علىٰ شيء موضوع على الأرض صح علىٰ أنها سجود إن وجد قوة الأرض وكان ارتفاعه أقل من نصف ذراع؛وإلا فهو إيماء. قال الحلبي: و قوله:فكان ارتفاعه أقل من نصف ذراع،ظاهره أن الارتفاع نصف ذراع مضرفي السجود وليس كذلك؛بل المضرما كان أكثرعند عدم الضرورة. قال أبوالسعود: ولوسجد علىٰ ما يجد حجمه من وسادة لم يكن ارتفاعها القدرالمانع بأن كان قدرلبنة أولبنتين جازعلىٰ أنها بركوع وسجود، انتهىٰ. وقال في شرح الملتقىٰ: إلا أن يجد قوة الأرض فتكون صلا ته بالركوع والسجود، كما أفاده المصنف. واستفيد من هذين النصين أن الركوع في هذه المسئلة حقيقي كالسجود. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ١/٥٠٥)

منقولہ بالاعبارات سے یہ بات صاف ہوگئی کہ، جوآدمی سپاٹ زمین پرسجدہ کرنے پرکسی وجہ سے قادر نہ ہواور وہ کوئی اونچی سخت اور ٹھوس چیز رکھ کرسجدہ کرے بہ شرطیکہ اُس کی اونچائی ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو،تو اس کوحقیقتاً سجدہ کرنے والا سمجھا جائے گا،اوراس کے متعلق یہ کہنا درست نہیں کہ: وہ سجدہ کرنے سے معذور ہے،لہٰذا بہ ذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے اس کا سجدہ کرنا معتبر نہ ہوگا اوراس کی وہ نماز درست قرار نہ دی جائے گی۔

صاحب درمختار بہ ذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے کیے جانے والے رکوع اور سجدہ کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

(ويجعل سجوده أخفض من ركوعه)لزومًا(ولايرفع إلٰى وجهه شيئًا يسجد عليه)فإنه يكره تحريمًا(فإن فعل بالبناء للمجهول–ذكره العيني–(وهويخفض برأسه لسجوده أكثرمن ركوعه صح)علىٰ أنه إيماء لا سجود إلا أن يجد قوة الأرض(وإلا)يخفض (لا)يصح لعدم الإيماء. (الدر علىٰ هامش ردالمحتار،باب صلاة المريض: ١/٥٦١)

علامہ شامی تحریرفرماتے ہیں:

(قوله إلا أن يجد قوة الأرض)هذا الاستثناء مبنى علىٰ أن قوله: ولا يرفع إلخ شامل لما إذا كان موضوعًا على الأرض وهوخلاف المتبادر؛بل المتبادركون المرفوع محمولا بيده أويد غيره،وعليه فالاستثناء منقطع لاختصاص ذلک بالموضوع على الأرض،ولذا قال الزيلعي: كان ينبغي أن يقال: إن كان ذلک الموضوع يصح السجود عليه كان سجودًا وإلا فإيماء،آه،وجزم

(١) باب شروط الصلاة وأركانها: ٢٣٢،دارالكتب العلمية بيروت. انيس

به في شرح المنية. واعترضه في النهر بقوله: وعندي فيه نظر؛ لأن خفض الرأس بالركوع ليس إلا إيماء، ومعلوم أنه لايصح السجود بدون الركوع ولو كان الموضوع مما يصح السجود عليه، آه.

أقول: الحق التفصيل، وهو: أنه إن كان ركوعه بمجرد إيماء الرأس من غير انحناء وميل الظهر فهذا إيماء لا ركوع، فلايعتبر السجود بعد الإيماء مطلقاً، وإن كان مع الانحناء كان ركوعًا معتبرًا حتٰى إنه يصح من المتطوع القادر على القيام، فحينئذ ينظر إن كان الموضوع مما يصح السجود عليه كحجر مثلا ولم يزد ارتفاعه علٰى قدر لبنة أو لبنتين فهو سجود حقيقي، فيكون راكعًا ساجدًا لاموميًا، حتٰى إنه يصح اقتداء القائم به، وإذا قدر في صلاته على القيام يتمها قائمًا، وإن لم يكن الموضوع كذلك يكون موميًا فلايصح اقتداء القائم به، وإذا قدر فيها على القيام استأنفها؛ بل يظهر لي: أنه لو كان قادرًا علٰى وضع شيء على الأرض مما يصح السجود عليه أنه يلزمه ذلك؛ لأنه قادر على الركوع والسجود حقيقة، ولايصح الإيماء بهما مع القدرة عليهما؛ بل شرطه تعذرهما، كما هو موضوع المسئلة. (۵۶۱/۱)(۱)

اِس میں خط کشیدہ عبارت کو بغور پڑھیں۔

(۴)　جو آدمی حقیقۃً سجود پر قادر نہ ہو؛ وہ بذریعۂ ایماء؛ یعنی سر کے اشارہ سے سجدہ کرے گا، اِس صورت میں کوئی چیز اٹھا کر اس کی پیشانی اور ناک کے ساتھ لگانے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ ایسا کرنا مکروہ ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ جب اس کا سجدہ سر کے اشارہ سے ہو رہا ہے، تو پیشانی اور ناک کے زمین پر یا زمین پر رکھی ہوئی ایک بالشت یا اس سے کم اونچی کسی سخت چیز پر رکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، گویا اس کا سجدہ پیشانی اور ناک سے نہیں؛ بلکہ سر کے اشارہ سے ادا ہو رہا ہے، جب یہ صورت حال ہے، تو کوئی چیز اٹھا کر اس کی پیشانی اور ناک سے لگانا فضول ہے، جس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اوپر جو عبارات پیش کی گئیں، اُن میں اِس کی بھی صراحت موجود ہے۔

اب آپ کے پہلے اشکال کا جواب صاف ہوگیا کہ، زمین پر تپائی وغیرہ سخت چیز جو زمین سے نو/ اِنچ یا اس سے کم اونچی ہو، اس پر پیشانی رکھ کر جو نمازی سجدہ کرسکتا ہے، وہ چوں کہ حقیقتاً سجدہ پر قادر ہے؛ اِس لیے مفتی صاحب نے اُس کے لیے ضروری قرار دیا کہ وہ اس صورت میں اِسی طرح یعنی تپائی وغیرہ سخت چیز رکھ کر اس پر سجدہ کرے، اِس صورت میں صرف سر جھکا کر سر کے اشارہ سے سجدہ کرنا کافی نہیں۔ نیز چوں کہ یہ سجدہ حقیقی سجدہ ہے، بہ ذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے نہیں ہے؛ اس لیے یہ تپائی جو رکھی گئی ہے، اُس کو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی چیز اُس کے سر کی طرف اٹھائی گئی ہے، یہ ممانعت تو اُس وقت ہے جب کہ سجدہ بہ ذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے ہو؛ اِس لیے آپ نے چہرہ کی طرف

(۱)　ردالمحتار، باب صلاة المريض: ۹۸/۲-۹۹، دارالفكر بيروت. انيس

کسی چیز کے اُٹھائے جانے کی ممانعت کے سلسلہ میں جو روایات اپنے سوال میں بہ طورِ اشکال درج کی ہیں، وہ یہاں پیش نہیں کی جاسکتیں۔

حضرت مفتی صاحب زید مجدہم کے جواب کی تائید ''احسن الفتاویٰ'' کے جواب سے بھی ہوتی ہے، ملاحظہ ہو!

''اگر سر اتنا جھکایا جاسکتا ہو کہ زمین تک ایک بالشت یا اِس سے کم فاصلہ رہ جائے، تو کسی اینٹ یا تپائی وغیرہ پر سجدہ کرنا لازم ہے، اشارہ سے نماز نہ ہوگی''، اِلخ۔ (احسن الفتاویٰ:۴/۵۵)

مولانا مفتی سلمان صاحب منصور پوری زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

''جو شخص سپاٹ زمین پر سجدہ کرنے پر کسی وجہ سے قادر نہ ہو اور کوئی اونچی چیز رکھ کر اس پر سجدہ کرے، تو اگر وہ چیز سخت اور ٹھوس ہے اور اس کی اونچائی دو اینٹ سے زیادہ نہیں ہے، تو اُس کو حقیقتاً سجدہ کرنے والا سمجھا جائے گا، اور اسے سجدہ کرنے سے معذور قرار نہیں دیں گے اور اسی طرح سجدہ کرنا اس پر لازم ہوگا۔ (کتاب المسائل:۱/۵۳۳)

آپ کا دوسرا اشکال ''کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے سجدہ کرنا'' کے عنوان کے ماتحت دیئے گئے جواب پر ہے۔

پہلے مفتی صاحب کے جواب کی عبارت پیش کرتا ہوں، **وھو ھذا**:

''جو نمازی کھڑے رہ کر نماز نہ پڑھ سکنے اور زمین پر بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکنے کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھے، تو اگر وہ نمازی اپنے سامنے سجدہ کی جگہ پر کوئی ٹیبل وغیرہ رکھ کر اس پر پیشانی رکھ کر سجدہ کرسکتا ہو اور وہ ٹیبل اونچائی میں کرسی کے برابر یا نو/ اِنچ اونچا ہو، اِس سے زیادہ اونچا نہ ہو، تو اُس کے لیے اپنے سامنے اس طرح کا ٹیبل رکھ کر اُس پر سجدہ کرنا فرض ہے، کرسی پر بیٹھ کر اس طرح سجدہ کر سکنے کی صورت میں صرف سر کے اشارہ سے یا تھوڑا جھک کر سجدہ کرنا درست نہیں، اور اس صورت میں صرف سر کے اشارہ سے یا تھوڑا جھک کر سجدہ کرنے سے نماز صحیح نہ ہوگی''۔

آپ کے اِس اشکال کا جواب دینے سے پہلے یہ فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ سجدہ کی حالت میں گھٹنوں کا زمین پر رکھنا کیا حکم رکھتا ہے؟ اِس سلسلہ میں تین قول ہیں۔ چنانچہ صاحب درمختار نے **باب صفة الصلاة** میں سجدہ میں جانے کی جو کیفیت بیان کی ہے، وہاں فرماتے ہیں:

''**(ویسجد واضعًا رکبتیه)أولاً لقربهما من الأرض (ثم یدیه)**. (الدر المختار)

اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامی فرماتے ہیں:

(قوله واضعًا رکبتیه ثم یدیه)قدمنا الخلاف في أنه سنة أوفرض أوواجب؟(رد المحتار: ۱/۳۶۸)(۱)

یعنی گھٹنوں کو زمین پر رکھنے کے سلسلہ میں اختلاف ہے، کہ وہ سنت ہے یا فرض ہے یا واجب ہے؟ چنانچہ فقیہ

---

(۱) کتاب الصلاة، فصل کیفیة الصلاة، مطلب فی إطالة الرکوع للجائی، انیس

ابواللیث سمرقندیؒ اِس کے فرض ہونے کے قائل ہیں۔ علامہ شرنبلالیؒ نے ''نورالایضاح'' میں اِسی کو اختیار فرمایا ہے، چناں چہ ''باب شروط الصلاة وأركانها'' کے ماتحت فرماتے ہیں:

''لا بد لصحة الصلاة من سبعة وعشرين شيئًا. (نورالإيضاح)

آگے اِس کی تفصیل کرتے ہوئے انیسویں نمبر پر سجدہ کا طریقہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''ووضع اليدين والركبتين في الصحيح. (نورالإيضاح: ۲۰۰، شائع كرده: مكتبة كنوز العلم)

لیکن فتویٰ اِس کی عدم فرضیت پر ہے۔ چنانچہ صاحب درمختار نے جہاں نماز کی سنتوں کو بیان کیا ہے، وہاں پر تحریر فرماتے ہیں:

(...ووضع يديه وركبتيه) في السجود. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۵۲/۱)(۱)

جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ، صاحب درمختار کے نزدیک یہ سنت ہے۔

اِسی کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

(قوله ووضع يديه وركبتيه) هو ما صرح به كثير من المشائخ، واختار الفقيه أبو الليث الافتراض، ومشىٰ عليه الشرنبلالي، والفتوىٰ علىٰ عدمه كما في التجنيس والخلاصة، واختار في الفتح الوجوب؛ لأنه مقتضى الحديث مع المواظبة. قال في البحر: وهو إن شاء الله أعدل الأقوال لموافقته الأصول، آه، وقال في الحلية: وهو حسن ماش على القواعد المذهبية، ثم ذكر ما يؤيده. (ردالمحتار: ۳۵۲/۱)(۲)

اِس سے یہ معلوم ہوا کہ، اکثر مشائخ بوقت سجدہ گھٹنوں کو زمین پر رکھنے کی سنیت کے قائل ہیں، اگر چہ بقول علامہ شامیؒ راجح اور معتدل قول وجوب کا ہے۔

وہ شخص جو زمین پر بیٹھ کر سجدہ کرنے سے معذور ہے اور بیماری کی وجہ سے گھٹنوں کو زمین پر رکھ کر سجدہ نہ کر سکنے کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہے، اور اپنے سامنے ٹیبل وغیرہ ایسی چیز جس کی سطح اس کی کرسی کی سطح سے نو/ اِنچ سے زیادہ اونچی نہ ہو، رکھ کر اُس پر پیشانی رکھ کر سجدہ کر سکتا ہے، تو کیا اُس کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے؟

جن حضرات کے نزدیک سجدہ میں گھٹنوں کو زمین پر رکھنا فرض ہے، جیسے کہ صاحب نورالایضاح علامہ شرنبلالی وغیرہ، اُن کے مسلک کے اعتبار سے تو جب یہ آدمی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور زمین پر گھٹنے ٹیک کر سجدہ کرنے سے معذور ہے، تو اس کے حق میں حقیقی سجود کا تحقق نہ ہونے کی وجہ سے بہ ذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے سجدہ کرنے کا حکم جاری ہوتا ہے؛ اِس لیے سامنے ٹیبل رکھ کر اس پر پیشانی رکھنے کی طاقت ہونے کے باوجود ایسا کرنا اس کے لیے ضروری نہیں؛

(۱-۲) كتاب الصلاة، باب كيفية الصلاة، قبيل آداب الصلاة: ۴۷۶/۱، دارالفكر انيس)

کیوں کہ اس کا سجدہ بذریعۂ ایماء ہورہا ہے، اور وہ ٹیبل پر پیشانی رکھنے پر موقوف نہیں؛ بلکہ اس کے بغیر بھی بذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے سجدہ کا تحقق ہورہا ہے۔ البتہ جن حضرات کے نزدیک سجدۂ حقیقی میں گھٹنوں کو زمین پر رکھنا فرض نہیں؛ بلکہ واجب ہے، ان کے نزدیک جب یہ شخص اس پر قادر نہیں تو یہ وجوب اس سے ساقط ہوکر اس کے بغیر بھی اس کے حق میں سجدۂ حقیقی کا تحقق ہوسکے گا، اور جن حضرات کے نزدیک یہ سنت ہے اُن کے نزدیک تو بصورت عذر بطریق اولیٰ سجدۂ حقیقی کا تحقق ہوگا؛ اِس لیے ان دونوں فریق کے بقول کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا معذور شخص سامنے ٹیبل رکھ کر جس کی اونچائی اُس کی کرسی کی سطح سے نو اِنچ سے زیادہ نہ ہو، پیشانی رکھ کر سجدہ کرنے پر قادر ہے، تو اُس کے حق میں سجود حقیقی کا تحقق ہونے کی وجہ سے اُس کے لیے ایسا کرنا ضروری قرار دیا جائے، اِسی میں احتیاط ہے۔ اِس لیے حضرت مفتی صاحب نے اپنے جواب میں جو لکھا ہے وہ بالکل درست ہے۔

''احسن الفتاویٰ'' میں ریل گاڑی اور بس میں نماز کا جو طریقہ بتلایا ہے، وہ نقل کیا جاتا ہے:

''ریل گاڑی اور بس میں کھڑے ہوکر قبلہ رخ نماز پڑھیں، گرنے کا خطرہ ہو تو کسی چیز سے ٹیک لگا کر یا ہاتھ سے کوئی چیز پکڑ کر کھڑے ہوں، حالتِ قیام میں ہاتھ باندھنا سنت ہے، فرض نہیں، اور قیام فرض ہے؛ اِس لیے بوقت ضرورت ہاتھ چھوڑ کر کسی چیز کو پکڑ کر کھڑا ہو۔ اگر قبلہ رخ ہونے کی گنجائش نہ ہو تو دو نشستوں کے درمیان قبلہ رخ کھڑا ہوکر قیام و رکوع کا فرض ادا کرے، اور سجدہ کے لیے پچھلی نشست پر کرسی کی طرح بیٹھ جائے، یعنی پاؤں نیچے ہی رہیں، اور سامنے کی نشست پر سجدہ کرے، اِس صورت میں بحالتِ سجدہ گھٹنے کسی چیز پر نہیں ٹکیں گے؛ مگر سجدہ میں گھٹنے رکھنا فرض نہیں؛ بلکہ واجب یا سنت ہے، بوقت عذر اُس کے ترک سے نماز ہوجائے گی''۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/۸۸)

نوٹ: اُس کو قیام کے بجائے بیٹھنے اور رکوع کے بجائے ایماء یعنی سر کے اشارہ سے رکوع کی اجازت اس لیے تھی کہ، اس کے حق میں یہ سمجھا گیا تھا کہ اس کا سجود حقیقی نہیں ہے؛ بلکہ بذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے ہے، اور ایسا آدمی جو سجودِ حقیقی پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے سجدہ بذریعۂ ایماء کررہا ہو، اُس کے لیے قیام و رکوع پر حقیقتاً قدرت ہوتے ہوئے بیٹھ کر سجدہ کی طرح رکوع بھی بذریعۂ ایماء ادا کرنا افضل ہے؛ لیکن اب جب کہ یہ محقق ہوگیا کہ، کرسی پر بیٹھ کر بھی سجدۂ حقیقی ہوتا ہے، تو کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا جو شخص قیام اور رکوع کرنے پر قادر ہے وہ بحالت قیام کرسی پر نہ بیٹھے؛ بلکہ کھڑا رہے، پھر بوقت رکوع حقیقتاً رکوع کرے، اور بوقت سجدہ کرسی پر بیٹھ کر کرسی کے سامنے رکھے ہوئے ٹیبل پر جس کی اونچائی کرسی کی سطح سے نو/۹ اِنچ سے زیادہ نہ ہو، سجدہ کرے؛ ورنہ اُس کی نماز نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری۔ مؤرخہ: ۲۷/شوال ۱۴۳۱ھ۔ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ۔
الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی۔ (محمود الفتاویٰ: ۴/۲۰۱-۲۱۶)

سجدہ کے لیے بجائے زمین کے پانی ہو،تو سجدہ اشارہ سے کرنے کا حکم:

سوال: ہمارے علاقہ میں زمین، برسات کے زمانہ میں، ڈوب جاتی ہے،اور کاشتکار آدمی جب کام پر جاتا ہے، تو صرف پانی ہی پانی ملتا ہے۔ایسی صورت میں وہ نماز کس طرح ادا کرے؟

الجواب ــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جب خشک زمین نہ ملے، پانی ہی پانی ہو،سجدہ نہ کر سکے تو اشارہ سے نماز پڑھ لے،یعنی سجدہ کے لیے پانی کے کچھ قریب تک سر جھکا کر اشارہ کر لے۔(۱) **فقط واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔۱۸/۶/۱۳۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔۱۸/۶/۱۳۹۱ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۵۲)☆

(۱) **"لایصح علی الدابة صلاة الفرائض ... إلا لضرورة،کخوف لص علیٰ نفسه ... (و)وجود مطر و(طین) فی(المکان) یغیب فیه الوجه أویلطخه ویتلف مایبسط علیه أما مجرد ندوة فلا یبیح ذلک،و الذی لا دابة له یصلی قائمًا فی الطین بالإیماء".(مراقی الفلاح علیٰ هامش حاشیة الطحاوی،کتاب الصلاة،فصل فی صلاة الفرائض والواجب علی الدابة: ۴۰۸،قدیمی)/وکذا فی ردالمحتار علی الدرالمختار،کتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل،قبیل مطلب فی القادر بقدرة غیره:۲/۴۰،دارالفکر.انیس)**

☆ کمر کی تکلیف میں اشارہ سے سجدہ کرنا:

سوال: اگر کسی کے کمر میں تکلیف اور درد ہو،تو وہ نماز میں سجدہ کبھی تو اشارہ سے کرتی ہو اور کبھی پورا سجدہ سر زمین پر ٹیک کر،لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میں نماز پڑھ رہی ہوتی ہوں اور میری کمر میں تکلیف ہوتی ہے،اگر نماز کی پہلی رکعت میں سجدہ اشارہ سے کرلیا، بعد میں دوسری رکعت میں تکلیف کم محسوس ہوئی،تو پورا سجدہ کرلیا، پھر تیسری رکعت میں درد ہوا پھر اشارہ سے سجدہ کرلیا اور چوتھی میں پورا کرلیا،تو اب بدرجۂ مجبوری اور عذر کے ایسا کیا تو نماز ہوجائے گی؟ یا اب ایسا کرنے میں کوئی حرج ہے؟

الجوابــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

سجدہ چونکہ فرض ہے؛اس لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے کہ باقاعدہ سجدہ کے ساتھ نماز پڑھی جائے اور اشارہ پر اکتفاء نہ کیا جائے؛البتہ اگر سجدہ میں جانے کی بالکل استطاعت (طاقت) نہ رہے یا سجدہ کی وجہ سے ناقابل تحمل تکلیف کا اندیشہ ہو،تو سجدہ کے بجائے اشارہ سے نماز پڑھ سکتے ہیں؛لیکن صورتِ مسئولہ میں اگر پہلی رکعت میں اشارہ سے سجدہ کرلیا ہو اور دوسری رکعت میں باقاعدہ سجدہ کرلیا،تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

ولوکان قد أدی بعضها مؤمیا فقدرعلی الرکوع والسجود ولوقاعدًا لایبنی لما فیه من بناء القوی علی الضعیف. (الطحطاوی علی المراقی أشرفی:۴۳۵) **فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم**(دینی مسائل اوران کا حل:۸۸-۸۹)

ہوائی جہاز اور موٹر میں نماز کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین وشرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور موٹر میں اشارہ سے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مولوی گل محمد گلی چشمہ کوئٹہ۔۲۰؍شوال ۱۴۰۴ھ)

الجواب

(۱) چونکہ ہوائی جہاز میں استقرار جبہہ ممکن ہے، لہٰذا اس میں کشتی چاند اور آسمان کی طرح نماز پڑھنا جائز ہے۔

(۲) موٹر میں اشارہ سے نماز پڑھنا کافی نہیں اور واجب الاعادہ ہے۔(۱) **وھو الموفق**

الجواب الثانی: چونکہ ہوائی جہاز میں تمام ارکان با قاعدہ ادا ہو سکتے ہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں سفینہ کی طرح نماز پڑھنا درست ہوگا۔

فی البدائع: ۱۰۹/۱: ”وإن كانت سائرة فإن أمكنه الخروج إلى الشط يستحب له الخروج إليه؛ لأنه يخاف دوران الرأس في السفينة فيحتاج إلى القعود وهو آمن عن الدوران فى الشط فإن لم يخرج وصلى فيها قائمًا بركوع وسجود أجزأه لما روى،الخ.(۲) فافهم وهو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۲۷-۲۲۸)☆

---

(۱) وفي المنهاج:وأما الصلاة فى السيارات البرية من القطارات وغيرها فعند الوقوف حكمها كحكم الصلاة على الأرض وعند السير حكمها كحكم الصلاة فى السفينة السائرة فمن صلى فيها قاعدًا بركوع وسجود أجزأت، ومن صلى فيها بالإيماء للزحمة وضيق المحل فالظاهر من النظائر أن يعيد الصلاة.(منهاج السنن شرح جامع السنن، باب ما جاء فى الصلاة على الدابة حيث توجهت به: ۲۳٤/۲)

(۲) بدائع الصنائع،فصل فى أركان الصلاة: ۱۰۹/۱.

ويؤيد صحة الصلاة فى السماء قال الله تعالىٰ:﴿أَوْصَانِيْ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَادُمْتُ حَيًّا﴾(سورة مريم : ۳۲)

☆ ریل میں بھیڑ کی وجہ سے سجدہ کا موقع نہ ہو:

سوال: اگر کسی شخص کو ریل میں بھیڑ کی وجہ سے سجدہ کا موقع نہ ہو تو کیا کرے؟

الجواب وباللہ التوفیق

اگر کوئی شخص ٹرین میں سخت بھیڑ کی وجہ سے سجدہ پر قادر نہ ہو، تو اسے چاہئے کہ اگر وقت فوت ہونے کا اندیشہ ہو، تو اشارہ سے نماز پڑھ لے، اور پھر بعد میں اسے دہرائے۔

”راكب السفينة إذا لم يجد موضعًا للسجود للزحمة الخ يصلي بالإيماء إذا خاف فوت الوقت“.(ردالمحتار،زكريا: ۲/ ٤۹۰، کتاب المسائل:۱/۵۲۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (دینی مسائل اوران کا حل:۸۸)

ہوا خارج ہونے کی صورت میں سجدہ کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص کو دوران نماز سجدہ کرتے وقت ہوا خارج ہونے کی بیماری ہے، لیکن قیام اور رکوع کی حالت میں درست اور صحیح رہتا ہے، تو کیا اس شخص کے لئے نماز میں سجدہ کرنا ضروری ہے، یا صرف اشارے سے سجدہ کرے؟

الجواب

صورت مسئولہ عذر شرعی کی کیفیت ہے، اس لئے یہ شخص نماز میں قیام اور رکوع کے بعد اشارے سے سجدہ کرے، اگر کھڑے ہوکر اشارے سے سجدہ کرنا آسان ہو تو کھڑے ہوکر اشارے سے سجدہ کرے ورنہ بیٹھ کر سجدہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔

لما قال العلامة الشرنبلالي: وإن تعذر الركوع والسجود وقدر على القعود ولو مستندًا صلى قاعدًا بالإيماء للركوع والسجود برأسه ولايجزيه مضطجعًا وجعل إيماءه برأسه للسجود أخفض من إيمائه برأسه للركوع. (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی، باب صلاۃ المریض: ۲۳۵) (فتاویٰ حقانیہ: ۸۵/۳) ☆

سجدہ میں سرین اٹھانے کی تحقیق:

سوال: زید جو مولوی و عالم مشہور ہے، جب نوافل وغیرہ بیٹھ کر پڑھتا ہے، تو سجدہ کرتے ہوئے سرین زمین سے نہیں اٹھاتا۔ اپنے معتقد و اتباع کو حکم دیتا ہے کہ نفل بیٹھ کر پڑھو، تو سجدہ میں سرین زمین سے نہ اٹھاؤ، ورنہ نماز فاسد ہوگی اور صحیح مسلم شریف کی حدیث واقعہ "**باب جواز النافلة قاعدًا وقائمًا**" سے استدلال کرتا ہے۔

☆ **رکوع وسجود سے ہوا خارج ہوجاتی ہو، تو اشارے سے نماز پڑھ لے:**

سوال: زید کو ناسور کی تکلیف تھی، آپریشن کرانے سے اس کو آرام آگیا، اب زید نماز میں رکوع وسجدہ کرتا ہے، تو اس کی ہوا خارج ہوتی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ اس سے اس کو نجات مشکل ہے اور رکوع وسجدہ کے بغیر وضو صحیح رہتا ہے، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ زید نماز کو رکوع وسجود کے ساتھ ادا کرے یا اشارہ کر کے نماز پڑھے؟ (سائل: عبدالرحمٰن، ملتان)

الجواب

وفي الشامية: ۲۸۳/۱: (قوله ولو بصلاته مومئًا) أي كما إذا سال عند السجود ولم يسل بدونه فيؤمي قائمًا أو قاعدًا الخ. (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب في أحكام المعذور، قبيل باب الأنجاس، انيس)

روایات بالا سے معلوم ہوا کہ شخص مذکور رکوع وسجدہ کو اشارہ کے ساتھ ادا کرے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفرلہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱/۶/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ رئیس الافتا جامعہ ہٰذا۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۸۷/۲)

''إن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم إذاصلّٰی قائمًا رکع وسجد وهوقائم وإذا صلّٰی قاعدًا رکع و سجد وهو قاعد. (۱)

اورعبارت ذیل فقہ کی پیش کرتا ہے:

''من صلّٰی قاعدًا فسجد لایرفع إلیتیه وإن رفع إلیتیه فسدت صلا ته؛لأن إلیتیه فی صلاۃ القاعد بمنزلة القدمین وإذا رفع قدمیه فی صلاۃ القائم فسدت الصلاۃ فکذا إلیتیه''. (کذا فی المحیط لچلپی)

''والأصل أن المریض أوغیره إذا صلّٰی قاعدًا لایرفع إلیتیه کما لایرفع رجلیه فی السجدۃ و إذا رفع رِجلاً واحدًا وإلیةً واحدةً لا تفسد''.(کذا فی چلپی ابن الملک)

والمختار أن یقعد کما یقعد فی حالة التشهد وهوالذی اختاره الفقیه أبواللیث وشمس الأئمة السرخسی،وقال أبویوسف رحمه اللّٰہ تعالٰی إذا هات (۲) وقت الرکوع والسجود یقعد کما یقعد فی التشهد. کذا فی العینی شرح الهدایة: ۱۶۸/۱. انتهٰی(۳)

اب سوال یہ ہے کہ حدیث صحیح مسلم کے یہی معنیٰ ہیں جیسے زید نے سمجھے ہیں کہ قائم اور قاعد کو ہیئتِ سجدہ میں رفع الیتین وعدم رفع الیتین سے فرق کرنا چاہئے اورعباراتِ فقہ کی تصحیح کریں کہ یوں ہی واقع ہیں یانہیں اور مفتیٰ بہا ہیں یا نہیں، جیسا کہ تعامل علما، اساتذہ اورشیوخ سے رفع الیتین فی السجدہ مشاہد ہے۔

بینوا بإسناد الکتب المعتبرة عند الحنفیة توجروا یوم الحساب.

الجواب

زید کے قول پر کوئی دلیل صحیح قائم نہیں،حدیث مسلم میں اگر ''سجد وهو قاعد'' کے یہ معنیٰ ہیں کہ سجدہ کے وقت بھی ہیئت؛قعود کی رہتی تھی،سواول تو یہ خود مقصود زید کے خلاف ہے؛ کیونکہ زمین پر سر رکھنے سے ہیئت قعود کی باقی نہیں رہتی،اوراگر بعض ہیئت مراد ہے تو وہ رفع الیتین کی حالت میں بھی حاصل ہے۔دوسرے لازم آتا ہے کہ اسی طریق پر

---

(۱) مسلم شریف میں اصل حدیث اس طرح ہے:

''عن عبداللّٰہ بن شقیق قال:سألتُ عائشة عن صلوٰۃ رسول اللّٰہ صل اللّٰہ علیه وسلم عن تطوعه فقالت: ... وکان یصلی لیلاً طویلاً قائماً ولیلاً طویلاً قاعداً وکان إذا قرأ وهوقائم رکع وسجد وهوقائم وإذا قرأ وهوقاعدًا رکع وسجد وهوقاعد ...''.(الصحیح لمسلم،کتاب الصلاۃ،باب جواز النافلة قائمًا وقاعدًا، الخ: ۲۵۲/۱(ح: ۷۳۰)انیس)

(۲) یہ لفظ سمجھ میں نہیں آتا،بظاہر حان ہے۔منہ

(۳) البنایة شرح الهدایة،صلاۃ النافلة علی الدابة وفی حال القعود: ۵۴۱/۲-۵۴۲،دارالکتب العلمیةبیروت.انیس

اس حدیث کے اس جزو ''سجد وهو قائم'' کے بھی یہ معنیٰ ہوں کہ سجدہ کے وقت قیام بھی رہتا تھا، حالانکہ یہ بالاتفاق باطل ہے، پس معلوم ہوا کہ حدیث کے یہ معنیٰ نہیں؛ بلکہ مراد یہ ہے کہ اکثر ایسا نہ کرتے تھے کہ رکوع وسجدہ کے قبل کھڑے ہوجاتے ہوں اور پھر قیام سے رکوع میں اوراس کے بعد سجدے میں جاتے ہوں، جیسا کہ گاہ گاہ ایسا بھی کرتے تھے، جیسا کہ حدیث مذکور کے بعد ہی دوسری حدیث مسلم میں ہے:

''قلت لعائشة كيف كان يصنع رسول الله صلى الله عليه وسلم في الركعتين وهو جالس قالت: كان يقرأ فيهما فإذا أراد أن يركع قام فركع''. (مسلم)(۱)

رہ گئیں عبارات کتب فقہیہ سوان میں سے عبارتِ اولیٰ ''من صلّى قاعدًا'' اورعبارتِ ثانیہ یعنی ''والأصل الخ''، اول تومحتاج تصحیح نقل ہیں، مستدل کوان عبارتوں کا پورا پتہ بتلانا چاہئے کہ کہاں سے نقل کی ہیں، (۲) تاکہ ماخذ سے مطابق کیا جاوے۔

دوسرے عبارت اولیٰ میں جودلیل بیان کی ہے۔ لأن إليتيه في صلاة القاعد، الخ. وہ دعویٰ مذکورہ پر منطبق نہیں ہوتی، کیونکہ یہ اگرحالتِ سجدہ کا بیان ہوتا تو دلیل میں بجائے ''وإذا رفع قدميه في صلاة القائم'' کے ''رفع قدميه في السجود'' ہوتا، ورنہ قید ''في صلاة القائم'' سے لازم آتا ہے کہ صلوٰۃ قاعد میں رفع قدمیہ فی السجو دمفسد صلوٰۃ نہ ہواور صلوٰۃ قائم میں ہو، حالانکہ اطلاق دلائل مبطل تفاوت ہے، اس سے غالب ظن یہ ہوتا ہے کہ اس عبارت میں فسجد ناقل یا کاتب کی غلطی ہے اور مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ حالتِ قیام حکمی میں رفع الیتین نہ کرے، ورنہ وہ ایسا ہوگا، جیسے قیام حقیقی میں کوئی شخص رفع قدمین کرے کہ مفسدِ صلوٰۃ ہے۔ اس تقریر پر یہ اس مبحث ہی سے خارج ہے اور عبارت ثانیہ میں تو لا يرفع إليتيه کے ساتھ قید فی السجدۃ کی بھی مذکور نہیں، پس اس سے بھی وہی مراد ہوگی کہ ''لا يرفع إليتيه في القيام الحكمي'' اورآگے جومشبہ بہ کے ساتھ فی السجدۃ مذکور ہے، سووہ محتمل ہے کہ صرف لايرفع رجليه کے ساتھ متعلق ہواور تشبیہ فساد میں ہو، اگر یہ احتمال متعین بھی نہ ہو، تاہم مستدل کوتو مضر ہے؛ لأنه إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال.

تیسرے متون وشروح وفتاوائے مشہورہ میں جو مطلقاً سجدۂ رجال کی ہیئت لکھی ہے، وہ اس کے خلاف ہے اور بقاعدہ رسم المفتی وہ مقدم ہیں، پس اگرعبارات مذکورہ کی صحت نقل اور دلالت دونوں مسلم ہوں، تب بھی بوجہ تعارض روایات مشہورہ کے غیر مقبول اور غیر معمول بہا ہوں گی اوراخیر عبارت یعنی ''والمختار، الخ''، بھی بوجہ موجود نہ ہونے

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب جواز النافلة قائمًا وقاعدًا، الخ: ۲۵۲/۱، انیس

(۲) راقم الحروف نے بھی یہ عبارتیں کافی تلاش کیں، لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔ سعید احمد

عینی کے، منطبق نہیں ہوسکتی، غالباً اس کی نقل میں بھی کچھ غلطی رہی ہوگی، جیسا کہ ”ھــــات“ کا مہمل ہونا اس پر دال ہے؛(۱) لیکن اس سے قطع نظر کرکے کہا جاتا ہے کہ اس مبحث سے کچھ مس نہیں، اس میں صرف کیفیت قعود کا بیان ہے اور احتراز ہے تربع وغیرہ سے بہرحال زید کا نہ دعویٰ درست نہ استدلال صحیح۔ واللہ اعلم

یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ۔ (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۱۹۵-۱۹۹)

سجدے میں دونوں پاؤں اٹھ جائیں، تو کیا حکم ہے:

سوال: سجدہ میں اگر دونوں پیر زمین سے اٹھ جاویں، تو نماز ہوگی یا نہیں، اگر تھوڑی دیر تک اٹھے رہیں تو کچھ خلل تو نہیں؟

الجواب

قدمین کا زمین پر رکھنا سجدہ میں ضروری ہے، لیکن اگر زمین پر رکھنے کے بعد پھر دونوں قدم زمین سے اٹھ گئے یا اٹھنے کے بعد پھر زمین پر رکھ لئے، تو نماز ہوگئی۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۵۳-۱۵۴)

---

(۱) عینیؒ کی یہ عبارت اختصار مخل کے ساتھ نقل کی گئی ہے اور اس عبارت کو اس مبحث سے کچھ مس نہیں، اس میں تو یہ بحث ہے کہ جو شخص بیٹھ کر نماز پڑھے، وہ قراءت کی حالت میں کس طرح بیٹھے؟ عینیؒ کی پوری عبارت اس طرح ہے:

قال صاحب الهداية: ويصلى النافلة قاعدًا مع القدرة على القيام ... واختلفوا فى كيفية القعود، والمختار: أن يقعد كما يقعد فى حالة التشهد اه قال العينى: واختلفوا فى كيفية القعود أى اختلف العلماء فى كيفية القعود حالة القراءة، قال المصنف: والمختار: أن يقعد كما يقعد فى حالة التشهد وهو الذى اختار الفقيه أبو الليث السمرقندى وشمس الأئمة السرخسى وهو قول زفر رحمه اللّٰه وفى الخلاصة عن أبى حنيفة ثلاث روايات: فى رواية يجلس كما يجلس فى التشهد وفى رواية يتربع وفى رواية يحتبى... وروى عن أبى حنيفة أنه يتربع فى صلاة الليل من أول الصلاة إلٰى آخرها وقال أبو يوسف: إذا هات (كذا فى المطبوع والصحيح ”حان“ كما تقدم من المجيب) وقت الركوع والسجود يقعد كما يقعد فى تشهد المكتوبة، الخ. سعيد)

نوٹ: علامہ عینی کی بنایہ شرح ہدایہ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت باب صلاة النافلة على الدابة وفى حال القعود: ۲/۵٤۲ میں ”وقال أبو يوسف: إذا جاء وقت الركوع والسجود يقعد كما يقعد فى تشهد المكتوبة“ ہے۔ انیس

(۲) وفيه: يفترض وضع أصابع القدم ولو واحدةً نحو القبلة وإلَّا لم تجز، والناس عنه غافلون. (الدر المختار)

(قوله وفيه، الخ) أى فى شرح الملتقٰى، وكذا قال فى الهداية، وأما وضع القدمين فقد ذكر القدورى أنه فرض فى السجود آه فإذا سجد ورفع أصابع رجليه لايجوز، كذا ذكره الكرخى والجصاص، ولو وضع إحداهما جاز الخ فصار فى المسئلة ثلاث روايات: الأولٰى فرضية وضعهما، الثانية فرضية إحداهما، الثالثة عدم الفرضية، الخ.

والحاصل أن المشهور فى كتب المذهب اعتماد الفرضية، والأرجح من حيث الدليل والقواعد عدم الفرضية، الخ، ثم الأوجه حمل عدم الفرضية على الوجوب، واللّٰه أعلم ، الخ ، وفى البزازية: والمراد بوضع القدم هنا وضع الأصابع أو جزء من القدم وإن وضع أصبعًا واحدةً أو ظهر القدم بلا أصابع، إن وضع مع ذلك إحدٰى قدميه صح وإلَّا لا. (رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/٤٦٦، ظفير)

نماز میں دایاں پیر اٹھنے سے نماز ہوگی یا نہیں:

سوال: حالت سجدہ یا کسی بھی رکن میں دایاں پیر اٹھ جائے، تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

سجدہ یا کسی بھی رکن میں صرف دایاں پیر اٹھ جائے اور بایاں پیر اپنی جگہ پر رہے تو نماز ہوجائے گی، سجدہ میں دونوں پیروں کی انگلیوں میں سے کم ازکم ایک انگلی زمین پر رکھنا فرض ہے۔

"وفیه (أی فی شرح الملتقیٰ):یفترض وضع أصابع القدم ولوواحدة نحوالقبلة وإلاّ لم تجز، والناس عنه غافلون". (الدرالمختار)

قال الشامی:(قوله نحوالقبلة)قال فی البزازیة:والمراد بوضع القدم هنا وضع الأصابع أو جزء من القدم وإن وضع أصبعًا واحدة أوظهرالقدم بلا أصابع،إن وضع مع ذلک إحدی قدمیه صح وإلاّ لا،اهـ.(رد المحتار:۲/۲۰۵)(۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی ـ ۲۴/۳/۱۴۰۸ھ ـ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۸۵)

(۱) کتاب الصلاة،باب کیفیة الصلاة،بعد مطلب فی إطالة الرکوع للجائی: ۱/۵۰۰،دارالفکربیروت/الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ الهندیة،کتاب الصلاة،الثانی فی مقدمتها وصفتها:۴/۲۶،دارالفکر بیروت.انیس

☆ سجدہ میں پیر زمین پر ٹیکنا:

سوال: سجدہ کی حالت میں اگر دونوں پیر زمین سے اٹھ جاویں، تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

سجدہ کی حالت میں پیروں کو زمین پر رکھنے کے متعلق تین روایتیں ہیں:

اول یہ کہ دونوں پیر زمین پر رکھنا فرض ہے، دوم یہ کہ ایک کا رکھنا فرض ہے، ان دونوں روایتوں کی بناپر صورت مسئولہ میں سجدہ ادا نہ ہوگا، لہٰذا نماز صحیح نہیں ہوگی، سوم یہ کہ سنت ہے، تو اس روایت کی بناپر نماز مکروہ ہوگی۔

"وفیه.أی فی شرح الملتقیٰ.یفترض وضع أصابع القدم ولوواحدةً نحوالقبلة،وإلا لم تجز،و الناس عنه غافلون". (الدرالمختار)

قال الشامی: ۱/۵۲۱،بعد نقل العبارات:"فصارفی المسئلة ثلث روایات:الأولیٰ فرضیة وضعهما،الثانیة فرضیة إحداهما،والثالثة عدم الفرضیة،وظاهره أنه سنة".(ردالمحتار، کتاب الصلاة،فصل فی بیان إتیان الصلاة إلی انتهائها: ۱/۴۹۹ـ۵۰۰، سعید)فقط واللّٰہ سبحانه تعالیٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۶۰ـ۵۶۱)

سجدہ میں دونوں پاؤں زمین پر رکھنے کی تحقیق:

سوال: سجدہ کی حالت میں زمین سے دونوں پیروں کے اٹھ جانے کے سلسلے میں مختلف عبارتیں ہیں۔

"یفترض وضع أصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة وإلا لم تجز، والناس عنه غافلون". (الدر المختار)

قال الشامي: ۱/۵۲۱، بعد نقل العبارات، فصار فی المسئلة ثلٰث روایات: الأولٰی فرضیة وضعهما، الثانیة فرضیة إحداهما، والثالثة عدم الفرضیة، وظاهره أنه سنة". (۱)

قول اول وثانی سے فرضیت کی بنا پر نماز کا نہ ہونا واضح ہے اور قول ثالث سے سنت کا ثبوت ہوتا ہے، جس سے نماز کا ہو جانا مستفاد ہوتا ہے۔ نیز:

"(ومنها السجود) بجبهته وقدمیه، ووضع أصبع واحدة منهما شرط، الخ. (الدر المختار)

(قوله وقدمیه)... وأفاد أنه لو لم یقع شیئًا من القدمین لم یصح السجود، الخ. (رد المحتار: ۱/۴۱۶) (۲)

مذکورہ بالا عبارات سے سجدہ کا صحیح نہ ہونا مستفاد ہوتا ہے، نیز طحطاوی ص: ۲۵۴ اور ۱۲۶ کی عبارت سے یہ واضح ہوتی ہے کہ نماز نہ ہوگی، آخر مفتیٰ بہ قول ان اقوال میں کون سا ہے اور کس پر فتویٰ دیا جائے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

سجدہ کی حالت میں جو سات اجزا (اعضا) زمین پر رکھے جاتے ہیں، ان میں اطراف قدمین بھی ہیں۔

"أمرت أن أسجد علٰی سبعة أعظم، علی الجبهة والیدین والرکبتین وأطراف القدمین، متفق علیه". (مراقی الفلاح: ۱۲۷)

لیکن پاؤں کی دس انگلیوں میں سے کم از کم ایک انگلی کا زمین پر رکھنا شرائط میں سے ہے۔

"ووضع أصبع واحدة منهما شرط". (الدر المختار علٰی صدر رد المحتار: ۱/۴۱۶) (۳)

اور "**إذا فات الشرط فات المشروط**" ضابطہ کے تحت اگر ایک انگلی بھی زمین پر نہ رکھی گئی، تو نماز صحیح نہ ہوگی۔

" لو لم یضع شیئًا من القدمین لم یصح السجود". (رد المحتار: ۱/۴۶۱) (۴)

یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب دونوں پاؤں کی انگلیاں تین تسبیح کے بقدر زمین سے اٹھی رہیں، یا زمین پر

(۱) کتاب الصلاة، باب کیفیة الصلاة، بعد مطلب فی إطالة الرکوع للجائی ۱/۵۰۰، دار الفکر بیروت، انیس

(۲-۴) کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بحث الرکوع والسجود، انیس

شروع سے اخیر تک رکھی ہی نہیں گئیں، چونکہ کم از کم ایک انگلی کا رکھنا شرائط میں سے ہے، لہٰذا سجدہ ہی نہیں ہوگا اور جب سجدہ نہیں ہوگا تو نماز نہیں ہوگی۔ (طحطاوی: ۱۲۷)

اور وضع قدمین سے مراد وضع اصابع ہی ہے اور وضع اصابع سے مراد انگلیوں کا قبلہ کی طرف متوجہ کرنا، تا کہ ان پر مکمل اعتماد ہو سکے، لہٰذا اگر اصابع کے بجائے ظاہر قدمین کو زمین پر رکھ دیا اور تمام انگلیوں کو یا کم از کم ایک انگلی کو قبلہ کی طرف متوجہ نہیں کیا تو سجدہ صحیح نہیں ہوگا۔

”والمراد بوضع القدمین علیٰ ما ذکر فی الخلاصة وضع أصابعهما والمراد بوضع الأصابع توجیههما نحو القبلة لیکون الاعتماد علیها حتیٰ لو وضع ظهر القدمین ولم یوجه أصابعها أو إحداهما نحو القبلة لایصح سجوده“. (۱)

یہ تفصیل قابل حفظ ہے، عام طور پر لوگ اس تفصیل سے نا آشنا ہیں؛ چونکہ بالعموم لوگوں کے ذہنوں میں صرف یہ ہے کہ پاؤں رکھنا ضروری ہے، چاہے جس طرح زمین پر رکھ دیا جائے، ان کو یہ معلوم نہیں کہ وضع قدمین سے مراد وضع اصابع ہے اور وضع اصابع سے مراد توجیہہ اصابع الی القبلہ ہے اور کل اصابع نہیں تو علی الاقل ایک انگلی کا رکھنا صحتِ سجدہ کے شرائط میں سے ہے، ورنہ سجدہ نہیں ہوگا۔ **وهذا مما یجب حفظه وأكثر الناس عنه غافلون.** (رد المحتار) (۲) **فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم بالصواب**

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۲/ ۳۶-۳۷)

سجدہ میں پاؤں کی انگلی کا ٹیکنا:

سوال: سجدہ میں پاؤں کی انگلیوں کو زمین سے لگانے نہ لگانے کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ کس مقدار تک لگانے میں فرض ادا ہوتا ہے اور کتنے میں واجب اور کس قدر لگانا سنت ہے؟ ایک مولوی صاحب کا کہنا ہے کہ صرف اگر ایک انگلی زمین سے لگ گئی تو نماز ہو جائے گی، دوسرے مولوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ صرف فرض کی ادائیگی سے نماز نہیں ہوتی؛ بلکہ واجبات کا ادا کرنا بھی ضروری ہے، اگر ترک واجب عمداً ہے، تو نماز فاسد ہوگئی اور سہواً ہے تو سجدہ سہو لازم ہے اور عدم ادائیگی سجدہ سہو پر اعادۂ نماز واجب ہے۔ اپنے ثبوت میں حسب ذیل کتابوں کی عبارتیں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پاؤں کی دس انگلیوں میں سے کسی ایک انگلی کا زمین سے لگانا سجدہ میں فرض ہے، عامۂ کتب میں اس کی

---

(۱) وفی الفتاویٰ الهندیة: ویضع یدیه فی السجود حذاء أذنیه ویوجه أصابعه نحو القبلةوكذا أصابع رجلیه ویعتمد علی راحتیه ویبدی ضبعیه عن جنبیه ولا یفترش ذراعیه، كذا فی الخلاصة. (الفصل الثالث فی سنن الصلاة وآدابها: ۱/ ۷۵، دار الفكر. انیس)

(۲) كتاب الصلاة، باب كیفیة الصلاة، بعد مطلب فی إطالة الركوع للجائی: ۱/ ۵۰۰، دار الفكر، انیس

تصریح موجود ہے۔درمختار،ص:۴۱۶، میں ہے:

”(ومنها السجود)بجبهته وقدميه،ووضع أصبع واحدة منهما شرط“.(۱)

نیز اس کے،ص:۴۹۹، میں ہے:

”وفيه أى فى شرح الملتقٰى: يفترض وضع أصابع القدم ولو واحدةً“.(۲)

غنية شرح منية: ۲۸۰ میں ہے:

”سجد ولم يضع قدميه أوإحداهما على الأرض،لايجوزسجوده،ولووضع إحداهما، جاز كما لوقام علٰى قدم واحدة“.(۳)

رہا ہر قدم کی تمام انگلیوں یا ہر قدم کی تین انگلیوں کا زمین سے لگانا،تو مقتضائے دلیل اس کا وجوب ہے۔احادیث کثیرہ اس باب میں وارد ہیں کہ سات اعضاء پر سجدہ کرنا مامور بہ ہے: پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں قدم، بلکہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اس میں جس کسی کو اس نے نہیں رکھا تو اس نے بیشک ناقص کر دیا۔(بخاری،ص۱۱۲(۴)، مسلم:ص۱۹۳(۵)،ترمذی،ص:۳۷(۶)،ابوداؤد،ص:۱۳۶(۷)،نسائی،ص:۱۲۴(۸)،طحاوی،ص:۱۵۰(۹))

علامہ ابن امیر الحاج رحمہ اللہ تعالیٰ تلمیذ امام ابن الہمام صاحب فتح القدیر نے حلیہ شرح منیہ میں اسی بنا پر دونوں قدم رکھنے کی بابت فرمایا کہ ”اوجہ وجوب ہے“۔(۱۰)

علامہ شامی نے حلیہ کے کلام کو نقل کرکے فرمایا کہ ”اسے بحر وشرنبلالیہ نے اختیار فرمایا ہے“(۱۱) بلکہ بعض ائمہ سے

---

(۱) الدرالمختارعلٰى صدرردالمحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۴۴۷/۱،سعيد

(۲) الدرالمختارعلٰى صدرردالمحتار،كتاب الصلاة،فصل فى بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ۴۹۹/۱، سعيد

(۳) الحلبى الكبير،الخامس:السجدة: ۲۸۴، سهيل أكيڈمى،لاهور

(۴) ”عن ابن عباس رضى اللّٰه تعالٰى عنهما قال:قال النبى صلى اللّٰه عليه وسلم:” أمرت أن أسجد علٰى سبعة أعظم،علی الجبهة وأشاربيده علٰى أنفه،واليدين،والركبتين،وأطراف القدمين،ولانكف الثياب والشعر“.(صحيح البخارى، كتاب الأذان،باب السجود على الأنف: ۱۱۲/۱،قديمى)

(۵) الصحيح لمسلم،كتاب الصلاة،باب أعضاء السجود والنهى عن كف الشعروالثوب وعقص الرأس فى الصلوٰة: ۱۹۳/۱،قديمى

(۶) سنن الترمذى،أبواب الصلوٰة،باب ماجاء فى السجود علٰى سبعة أعضاء: ۶۲/۱،سعيد

(۷) سنن أبى داؤد، كتاب الصلوٰة،باب أعضاء السجود: ۱۲۹/۱،دارالحديث،ملتان

(۸) سنن النسائى،كتاب الافتتاح، باب السجود على الأنف: ۱۶۵/۱،قديمى

(۹) شرح معانى الآثارللطحاوى،كتاب الصلوٰة،باب مايبدأ بوضعه فى السجود اليدين أوالركبتين: ۱۷۵/۱،سعيد

(۱۰-۱۱) هذا،وقال فى الحلية:والأوجه علٰى منوال ما سبق هو الوجوب لما سبق من الحديث اهـ أى علٰى منوال ما حققه شيخه من الاستدلال علٰى وجوب وضع اليدين والركبتين ،وتقدم أنه أعدل الأقوال،فكذا هنا، فيكون وضع القدمين كذلك ،واختاره أيضا فى البحروالشرنبلالية“.(رد المحتار،كتاب الصلاة،فصل فى بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ۴۹۹/۱،سعيد)

دونوں قدم رکھنے کی فرضیت مروی ہے، مثلاً قدوری(۱) اور کافی میں دونوں قدم رکھنے کو فرض فرمایا، علامہ شامی نے اسے واجب پر محمول کیا، (۲) نیز یہ کہ ایک پاؤں پر سجدہ کرنے سے فقہاء کرام کا حکم کراہیت فرمانا بھی ہمارے اس قول کی تائید کرتا ہے کہ دونوں قدم کا رکھنا واجب ہے کہ کراہت مطلقہ سے کراہت تحریمہ مراد ہوتی ہے اور یہ وجوب کو مقتضی ہے۔

الجواب ــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

بعض کتب فقہ میں سجدہ میں دونوں پیر کو زمین پر رکھے رہنا فرض لکھا ہے، جس کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر پیر اٹھ جائے تو ترک فرض کی وجہ سے نماز ہی باطل ہوجائے، (۳) لیکن بحر میں اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔

"وذكر القدوري أن وضعهما فرض، وهو ضعيف". (بحر: ۱۲۸/۱)(۴)

اگر پیروں کی کوئی انگلی بھی نہ ٹھہری رہے، بلکہ دونوں پیر کلیۃً اٹھ جائیں تو جائز نہیں، نماز فاسد ہوجائے گی۔ (۵)

"ولو سجد ولم يضع قدميه على الأرض، لايجوز آه". (۶)

---

(۱) "في الهداية: وأما وضع القدمين فقد ذكر القدوري أنه فرض في السجود". (رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ۴۹۹/۱، سعيد)

(۲) "قلت: ويمكن حمل كل من الروايتين السابقتين عليه بحمل ما ذكره الكرخي وغيره من عدم الجواز برفعهما علىٰ عدم الحل لا عدم الصحة، وكذا نفي التمرتاشي وشيخ الإسلام فرضية وضعهما لا ينافي الوجوب. وتصريح القدوري بالفرضية يمكن تأويله، فإن الفرض قد يطلق على الواجب تأمل". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ۴۹۹/۱، سعيد)

(۳) "بقي من المفسدات... وترك ركن بلا قضاء وشرط بلا عذر". (الدر المختار)

("قوله وترك ركن بلا قضاء) كما لو ترك سجدة من ركعة وسلم قبل الإتيان بها". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، قبيل مطلب مسائل زلة القاري: ۶۲۹/۱، سعيد)

(۴) البحر الرائق، كتاب الصلاة، فصل في بيان تركيب أفعال الصلاة: ۵۵۶/۱، رشيدية

(۵) "(قوله ومنها السجود)... وأما إذا رفع قدميه في السجود، فإنه مع رفع القدمين بالتلاعب أشبه منه بالتعظيم والإجلال... (قوله وقدميه)... وأفاد أنه لو لم يضع شيئًا من القدمين، لم يصح السجود". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۴۴۷/۱، سعيد)

(۶) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة: ۷۰/۱، رشيدية

"وفي مختصر الكرخي: سجد ورفع أصابع رجليه عن الأرض، لا تجوز آه". (الحلبي الكبير، الخامس من الفرائض: السجدة: ۲۸۵، سهيل اكيڈمی لاهور)

قال المحقق ابن الهمام: " أما افتراض وضع القدم فلأن السجود مع رفعهما بالتلاعب أشبه منه بالتعظيم و الإجلال، ويكفيه وضع أصبع واحدة. وفي الوجيز: وضع القدمين فرض، فإن وضع إحداهما دون الأخرى، جاز ويكره"، آه. (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۳۰۵/۱. مصطفى ألبابي الحلبي بمصر)

==

"وإذا وضع قدمًا ورفع آخرًا،جازمع الكراهة،من غيرعذر،كما أفاده قاضي خان". (بحر: ۳۱۸/۱)(۱)
شیخ الاسلام کاقول یہ ہے کہ دونوں پیروں کارکھا رہنا سنت ہے،لہٰذاایک پیر کے اٹھ جانے سے کراہت تنزیہی ہوگی۔
"وذهب شيخ الإسلام إلىٰ أن وضعهما سنة،فتكون الكراهة تنزيهية". (۲)
لیکن ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بحر میں کراہت کاتحریمی ہونااوجہ قرار دیا ہے:
"والأوجه علىٰ منوال ما سبق هوالوجوب،فتكون الكراهة تحريمة". (بحر: ۳۱۸/۱)(۳)
وجیز میں وضع القدمین کوفرض قرار دینے کے باوجودایک کے وضع پر کفایت کرنے کوجائز مع الکراہۃ لکھا ہے۔
"وفي الوجيز: وضع القدمين فرض،فإن وضع إحداهما دون الأخرى،جازويكره". (فتح القدير: ۲۱٤/۱)(۴)
وضع القدمین کے وجوب کواوجہ واعدل کہنا شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے،امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے صراحتاً منقول نہیں؛ بلکہ ان کے اصول کا تقاضہ ہے۔
"وقد روى أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ نفسه هذا الحديث بطرق وألفاظ منها بسنده إلىٰ أبى سعيد رضى الله تعالىٰ عنه قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:"الإنسان يسجد علىٰ سبعة أعظم: جبهته،ويديه،وركبتيه،وصدوررقدميه".
فالحق أن مقتضاه مقتضى المواظبة المذكورة الوجوب،ولايبعد أن يقول به أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ". (فتح القدير: ۲۱۳/۱)(۵)

== "ومن شرط جوازه أن لايرفع قدميه،فإن رفعهما فى حال سجوده،لا تجزيه السجدة". (الجوهرالنيرة علىٰ مختصرالقدورى،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٦٣/١، إمدادية ملتان)
(۱-۳) البحرالرائق،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٥٥٦/١،رشيدية
(۴) فتح القدير،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٣٠٥/١، مصطفى ألبابى الحلبى بمصر
وضع القدمين فى السجود فرض. (الفتاوىٰ البزازية على هامش الهندية،كتاب الصلاة،الثانى فى مقدمتها وصفتها: ٣٦/٤،دارالفكر،انيس)
(۵) فتح القدير،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٣٠٤/١، مصطفى ألبابى الحلبى بمصر
عن أبى سعيد رضى الله عنه قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:الإنسان يسجد على سبعة أعظم:جبهته ويديه وركبتيه ومقدم قدميه وإذا سجد أحدكم فليضع كل عضو موضعه وإذا ركع فلا يدبح تدبيح الحمار. (مسند أبى حنيفة رواية الحصكفى،كتاب الصلاة (ح: ٣١)/
عن أبى نضرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:إذا سجد أحدكم فلا يمدن رجليه فإن الإنسان يسجد على سبعة أعظم: جبهته ويديه وركبتيه ورجليه وقدميه.
وفى رواية: إذا سجد أحدكم فلا يمد صلبه.وفى رواية:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:أن يمد الرجل صلبه فى سجوده. (مسند أبى حنيفة رواية الحصكفى (ح: ٣٢)/ ==

واضح رہے کہ شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بحث وضع انف وجبہہ کے ذیل میں کی ہے۔
تمرتاشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے عدم فرضیت وضع قدمین کوحق کہا ہے:

''وذكر الإمام التمرتاشي أن اليدين والقدمين سواء فى عدم الفرضية،وهوالذى يدل عليه كلام شيخ الإسلام فى مبسوطه وهوالحق''.(عناية: ۲۱٤/۱)(۱)

علامہ حلبی نے تمرتاشی کی اس عبارت کونقل کرکے لکھا ہے:

''فبعيد عن الحق وبضده أحق''.(الكبير ى: ۳۸۰)(۲)

علامہ حصکفی نے شرح ملتقیٰ میں ایک جگہ ایک ہی بات پر مجملاً قناعت کی ہے:

''فوضع أصبع واحد من القدمين شرط''.(سكب الأنهر: ۸۷/۱)(۳)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

''ووضع القدم بوضع أصابعه،وإن وضع أصبعًا واحدةً''.(الفتاوى الهندية: ۳٦/۱)(۴)

کامل سجدہ تو جب ہی ادا ہوگا کہ دونوں پیروں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ رہیں،لیکن اگر ایک انگلی بھی متوجہ رہے تب بھی نفس سجدہ ادا ہوجائے گا اور سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا،نہ اس نماز کا اعادہ لازم ہوگا۔

''وتمام السجدة بإتيانه بالواجب فيه ويتحقق بوضع جميع اليدين والركبتين والقدمين والجبهة والأنف،كما ذكره الكمال وغيره، آه''.(الطحاوى علىٰ هامش مراقى الفلاح)(۵)

''(ومنها السجود)بجبهته وقدميه،ووضع إصبع واحدة منهما شرط،آه''.(الدرالمختار)

== عن أبى حنيفة عن طاؤس عن ابن عباس أوغيره من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم قال:أوحى إلى رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم أن يسجد على سبعة أعظم.(مسند أبى حنيفة رواية أبى نعيم الأصفهانى: ۱۳٤/۱، مكتبة الكوثر الرياض.انيس)

(۱) شرح العناية على الهداية علىٰ هامش فتح القدير،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۳۰۵/۱،مصطفى ألبابى الحلبى بمصر

(۲) الحبلى الكبير،الخامس من فرائض:السجدة: ۲۸۵، سهيل أكيڈمى،لاهور

(۳) سكب الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب صفة الصلاة: ۸۷/۱،دارإحياء التراث العربى،بيروت

علامہ حصکفیؒ کی کتاب الدرالمنتقى شرح الملتقى،باب صفة الصلاة: ۱۳۱/۱،مطبوعہ دارالكتب العلمية بيروت میں یہ عبارت بعینہ ہے،سکب الأنہر علامہ علاء الدین علی بن محمد الطرابلسی بن ناصرالدین الحنفی ،م:۱۰۳۲،کی ہے،علامہ حصکفی کی نہیں ہے۔انیس

(۴) الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،الباب الرابع فى صفة الصلاة،الفصل الأول فى فرائض الصلاة: ۷۰/۱،رشيدية

(۵) مراقى الفلاح شرح نورالإيضاح،كتاب الصلاة،باب شرط الصلاة وأركانها: ۲۳۱،قديمى

(”وقوله وقدميه)يجب إسقاطه؛لأن وضع أصبع واحدة منهما يكفي، كما ذكره بعده“. (رد المحتار: ۱/ ۵۰۰)(۱) فقط واللّٰه سبحانه و تعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔ ۱۹/ ۱۱/ ۱۳۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔ ۹/ ۱۱/ ۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۵۵-۵۶۰)

نماز میں پیر کا انگوٹھا ہل جائے تو کیا حکم ہے:

سوال: جس شخص کا داہنے پیر کا انگوٹھا نماز میں ہل جائے اپنی جگہ سے تو نماز میں کچھ فرق آتا ہے یا نہیں، اگر امام سے اسی طرح کی حرکت ہو جائے، تو مقتدیوں کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب

اس سے نماز میں کچھ خلل اور نقصان نہیں آتا اور امام اگر ایسا ہو تو مقتدیوں کی نماز میں اور خود امام کی نماز میں کچھ نقصان نہیں آتا۔ (۲) (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲/ ۱۵۱)

☆☆☆

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۱/ ٤٤٧، سعيد

(۲) وحررناه فى شرح الملتقىٰ وفيه يفترض وضع أصابع القدم ولو واحدةً نحو القبلة وإلّا لم تجز (أى السجدة) والناس عنه غافلون. (الدرالمختار)/الدرالمنتقى شرح الملتقى،باب صفة الصلاة: ۱/ ۱۳۱،دارالكتب العلمية بيروت.انيس)

والحاصل أن المشهورفى كتب المذهب اعتماد الفرضية والأرجح من حيث الدليل والقواعد عدم الفرضية ، الخ ، ثم الأوجه حمل عدم الفرضية على الوجوب. واللّٰه أعلم (ردالمحتار،باب صفة الصلاة: ۱/ ٤٦٦-٤٦٧،ظفير)

(وأما وضع القدمين فقد ذكرالقدورى أنه فرض فى السجود)فإذا سجد ورفع أصابع رجليه عن الأرض لايجوز كذا ذكره الكرخى والجصاص ولو وضع إحداهما جاز، قال قاضى خان:ويكره ،وذكر الإمام التمرتاشى أن اليدين والقدمين سواء فى عدم الفرضية وهو الذى يدل عليه كلام شيخ الإسلام فى مبسوطه وهو الحق.(العناية شرح الهداية،باب صفة الصلاة: ۱/ ۳۰۵،دارالفكر/درر الحكام شرح غررالحكام،باب صفة الصلاة: ۱/ ۷۵،دارإحياء الكتب العربية.انيس)

مسئلہ: کامل سجدہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے، دونوں قدم کی انگلیاں، پیشانی اور ناک زمین یا ایسی چیز پر رکھے جس کے اوپر پیشانی رک جائے اور رکھنے کے بعد نیچے نہ جائے اور یہ سب باتیں سجدہ میں واجب ہیں۔ (مراقی مع طحطاوی: ۱۲۵)

مسئلہ: گھاس، پھونس، چاول، چینا، روئی، برف یا ایسا گدا، بستر وغیرہ پر سجدہ صحیح نہیں ہے جس پر پیشانی نہ رکے، بلکہ رکھنے کے بعد بھی کھسکتی رہے، اگر یہ چیزیں بورے وغیرہ میں اس طرح رکھی ہوں کہ پیشانی ان پر ٹک جائے تو سجدہ ہو جائے گا۔ (مراقی مع طحطاوی: ۱۲۶) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۲۸-۲۲۹) (انیس)

قعدۂ اخیرہ وخروج بالاختیار-احکام ومسائل

قعدہ اخیرہ کی فرضیت کس قدر ہے:

سوال: درفرضیۃ قعدہ اخیرہ۔(۱)

الجواب

صحیح آنست کہ قعدۂ اخیرہ مقدار تشہد فرض ست؛ چرا کہ بتواتر معنوی ثابت شدہ کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیچ گاہ نماز ے نخواندہ اند،(۲) مگر آنکہ قعدۂ اخیرہ بجا آوردہ اند، واز آنجا کہ مفہوم صلوٰۃ امرے بود مجمل محتاج تفسیر وبیان؛ لہذا فعل وقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفسیر اجمال آں شدہ، پس ہر چیز یکہ در ادائے صلوٰۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقع شد، باید کہ فرض گردد؛ مگر آنچہ کہ دلائل وقرائن مانع فرضیۃ درآں یافتہ شوند کہ آنہا واجب وسنت خواہد بود، نہ فرض چنانکہ مثلاً قراءۃ فاتحہ کہ باوصف وقوعش در صلوات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فرض نتواں شد؛ چرا کہ در صورت فرضیۃ اوزیادت برنص قطعی ﴿فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (۳) لازم می آید، وعلیٰ ہذا القیاس در دیگر امور، واما اینکہ ایں قعدۂ اخیرہ بطور فرضیۃ واقع شدہ، پس دلیلش حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ است کہ بعد تعلیم اداء قعدہ وقرأت تشہد، گفت: ''إذا قلت هذا أو فعلت هذا فقد تمت صلاتک'' (۴) چہ مشار الیہ اول دریں حدیث قول تشہد

(۱) قعدۂ اخیرہ کی فرضیت سے متعلق سوال۔انیس

(۲) فرائض الصلاة ستة : ... والقعدة فی آخر الصلاة مقدار التشهد لقوله علیه الصلاة والسلام لابن مسعود رضی الله عنه حین علمه التشهد : إذا قلت هذا أو فعلت هذا فقد تمت صلاتک علق التمام بالفعل قرأ أو لم یقرأ وماسوی ذلک فهو سنة ،الخ.(الهداية،باب صفة الصلاة: ۴۷/۱ ،دار إحياء التراث العربی بیروت.انیس)

(۳) سورة المزمل: ۲۰۔

والزيادة عليه بخبر الواحد لا تجوز لكنه يوجب العمل فعملنا بوجوبها وهذا هو الصواب والله سبحانه وتعالىٰ أعلم بحقيقة الحال.(فتح القدير،كتاب الطهارات: ۲۴/۱ ،دار الفكر بيروت)

والزيادة عليه بخبر الواحد لا يجوز لكنه يوجب العمل فقلنا بوجوبها.(الهداية،باب صفة الصلاة: ۵۰/۱۔ انیس)

(۴) حسین بن علی الجعفی عن الحسن بن الحر عن القاسم بن مخیمرة قال: أخذ علقمة بیدی وقال: أخذ عبد الله بیدی وقال: أخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بیدی فعلمنی التشهد: التحيات لله والصلوات والطيبات السلام عليك أيها النبی ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله،الخ ...

==

است درحالت قعدہ نہ مطلق تشہد بہر جا کہ باشد چرا کہ تشہد مشار الیہ نبود ودیگر درحالت جلسہ اخیرہ ومشار الیہ ثانی قعدہ است مقدار تشہد نہ مطلق قعدہ بہمیں علت مذکور خلاصہ کلام ایں شد کہ چوں گفتی ایں تشہد را درحالت قعدہ یا فعل قعدہ بجا آوردی تشہد خواہ قدر تشہد گفتہ باشی یا نہ پس نماز تمام شد وایں خود ظاہر است کہ گفتن تشہد در قعدہ جز قعدہ قدر تشہد حاصل نیاید امانفس قعدہ قدر تشہد بدون قول تشہد حاصل تواں شد پس معلوم شد کہ فعل قعدہ قدر تشہد فرض است چرا کہ تمامیت صلوٰۃ معلق بداں فرمود اگر قعدہ کم از قدر تشہد کرد نمازش نشد چرا کہ مشار الیہ ہموں قعدہ قدر تشہد است نہ مطلق واگر تشہد خواند در سجدہ مثلا وقعدہ قدر تشہد نہ کرد تاہم نماز نشد چرا کہ قعدہ قدر تشہد بہر حال ضروریست وتمامیۃ ذاتی کہ بدوں آن ذات شے ناقص ماند بارکان وشرائط است وتمامیۃ صفتی کہ ذات شے گوتمام باشد مگر نقصان در کمال آں باشد در وجوب است وچونکہ در حدیث لفظ تمت مطلق واقع شد واز مطلق فرد کامل مراد بود بہ تمامیت ذات صلوٰۃ مراد خواہد بود نہ تمامیت صفت ودر حدیث: **”فهي خداج غير تمام“** (۱) تمامیت صفت تا زیادت بر کتاب اللہ لازم نیاید وایں لفظ حدیث: **”إذا قلت“ الخ** ،ابن ہمام از دار قطنی روایت کردہ فرماید کہ اگر چہ ایں را موقوف بر ابن مسعود دارند،(۲) مگر مثل ایں موقوف کہ قیاس را نشاید حکم مرفوع دارد کما ہوا المقر روایں حدیث ہر چند واحد است وباحاد ثبوت فرضیت نتواند شد مگر مقرر اصول است کہ خبر واحد چوں تفسیر مجمل قطعی باشد انچہ مستفاد ازیں خبر واحد باشد ملحق بقطعی گردد وموجب فرضیت باشد ازیں تقریر فرضیت قعدہ اخیرہ قدر تشہد برار باب علم واضح خواہد بود نہ مطلق قعدہ کما زعم البعض ایں است انچہ از کتب ملتقط شد۔(۳) (تالیفات رشیدیہ:۲۶۶۔۲۶۸)

== رواه زهير بن معاوية عن الحسن بن الحر فزاد في آخره كلاماً وهو قوله: إذا قلت هذا أو فعلت هذا فقد قضيت صلاتك فإن شئت أن تقوم فقم وإن شئت أن تقعد فاقعد.(سنن الدارقطني،باب صفة التشهد ووجوبه واختلاف الروايات فيه (ح:۱۳۳۳۔۱۳۳٤)

عن القاسم بن مغيرة قال:أخذ علقمة بيدي فحدثني أن عبدالله بن مسعود أخذ بيده وأن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذ بيد عبدالله فعلمه التشهد في الصلاة فذكر مثل حديث الأعمش :إذا قلت هذا أو قضيت هذا فقد قضيت صلاتك إن شئت أن تقوم فقم،وإن شئت أن تقعد فاقعد.(سنن أبي داؤد،باب التشهد (ح:۹۷۰)انيس)

(۱) عن أبي هريرة يقول:سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:من صلى صلاةً لم يقرأ فيها بفاتحة الكتاب فهي خداع هي خداع غير تمام.(موطأالإمام محمد،افتتاح الصلاة (ح:١١٤)المكتبة العلمية.انيس)

(۲) والحق أن غاية الإدراج هنا أن تصير موقوفة والموقوف في مثله له حكم الرفع.(فتح القدير،باب صفة الصلاة:۲۷٦/۱.دار الفكر.انيس)

(۳) ترجمہ: قعدہ اخیرہ کی فرضیت کا مسئلہ صحیح یہ ہے کہ قعدہ اخیرہ تشہد کی مقدار میں فرض ہے،اس لئے کہ تواتر معنوی سے یہ ثابت ہوا ہے کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی نماز نہیں پڑھی،مگر یہ کہ قعدہ اخیرہ کو بجالایا ہے اور چونکہ نماز کا مفہوم ایک مجمل امر تھا ==

== جو تفسیر و بیان کا محتاج تھا۔ لہذا قول وفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اجمال کی تفسیر ٹھہرا۔ پس جو چیز کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ادا کی؛ وہ تو چاہئے کہ فرض ہو، بجز ان امور کے، جو دلائل وقرائن سے اس میں فرضیت کو منع کریں کہ وہ واجب وسنت ہوں گے، نہ کہ فرض؛ جیسا کہ مثلاً سورۃ فاتحہ کی قراءت کہ باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں یہ واقع ہوئی ہے، فرض نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ اس کو فرض ماننے کی صورت میں نص قطعی آیت: ''پس قرآن سے جو آسان ہو پڑھو''۔ (سورۂ مزمل:۲۰) پر زیادتی لازم آتی ہے اور علیٰ ہذا القیاس دوسرے امور میں بھی۔

لیکن اس بات کا ثبوت کہ یہ قعدہ اخیرہ بطور فرضیت واقع ہوا ہے تو اس کی دلیل ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ قعدہ اخیرہ کے ادا کرنے اور تشہد پڑھنے کا طریقہ بتانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تو نے یہ کہا یا یہ کرلیا تو تیری نماز پوری ہوگئی۔'' کیونکہ اس حدیث میں پہلا مشار الیہ تشہد کا کہنا ہے؛ قعدہ کی حالت میں، نہ کہ مطلق تشہد ہر جگہ، اس لئے کہ تشہد مشار الیہ نہ تھا۔ دوسرا جلسہ اخیرہ کی حالت میں اور دوسرا مشار الیہ قعدہ ہے؛ مقدار تشہد، نہ کہ مطلق قعدہ۔ اسی علت مذکور کی بنا پر خلاصہ کلام یہ ہوا کہ جب تم نے یہ کہا کہ اس تشہد کو حالت قعدہ میں یا فعل قعدہ میں تم نے بجالایا تو تشہد خواہ تشہد کے برابر تم نے پڑھا ہو کہ نہ پڑھا ہو۔ پس نماز تمام ہوگئی اور یہ خود ظاہر ہے کہ پڑھنا تشہد کا قعدہ میں سوائے قعدہ قدر تشہد کے حاصل نہیں ہوتا ہے۔ لیکن نفس قعدہ بمقدار تشہد بغیر تشہد پڑھنے کے حاصل ہوسکتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ فعل قعدہ بمقدار تشہد فرض ہے، کیونکہ نماز کا تمام ہونا اس پر معلق فرمایا اگر قعدہ تشہد کی مقدار سے کم کیا تو اس کی نماز نہیں ہوئی اس لئے کہ مشار الیہ وہی قعدہ بمقدار تشہد ہے نہ کہ مطلق اور اگر تشہد مثلاً سجدہ میں پڑھ لیا اور قعدہ بمقدار تشہد نہیں کیا پھر بھی نماز نہیں ہوئی اس لئے کہ قعدہ مشابہت کے مطابق بہر حال ضروری ہے اور تمامیۃ ذاتی کہ اس کے بغیر چیز کی ذات ناقص رہتی ہے۔ ارکان وشرائط کے ساتھ ہے اور تمامیت صفتی کہ اگرچہ چیز کی ذات پوری رہتی ہے لیکن اس کے کمال میں نقصان ہوتا ہے وہ وجوب میں ہے اور چونکہ حدیث میں لفظ ''تمام ہوگئی''، مطلق واقع ہوگیا ہے اور مطلق سے فرد کامل مراد ہوتا ہے تو نماز کی ذات مکمل ہونا مراد ہے نہ کہ صفت کا پورا ہونا اور حدیث میں ''فھی خــداج'' (وہ ناقص ہے) کے الفاظ سے مراد غیر تمام ہے۔ تمامیت صفت میں تاکہ کتاب اللہ پر زیادتی لازم نہ آئے اور یہ لفظ حدیث کا'' إذا قــلــت'' جب تو نے کہہ دیا) ابن ہمام دار قطنی سے روایت کرکے فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس کو ابن مسعود پر موقوف قرار دیتے ہیں، مگر اس موقوف کے مثل جو قیاس کو نہ چاہے؛ مگر ایسا موقوف جو قیاس کے قابل نہ ہو، حکم مرفوع کا رکھتا ہے، جیسا کہ قاعدہ مقرر ہے اور یہ حدیث اگرچہ اکیلی ہے اور اس کی احادیث سے فرضیت کا ثبوت نہیں ہوسکتا، مگر مقررہ اصول سے ہے کہ خبر واحد جب مجمل قطعی کی تفسیر ہوتی ہے تو جو کچھ اس خبر واحد سے مستفاد ہوگا، وہ قطعی سے ملحق ہوگا اور موجب فرضیت ہوگا۔ اس تقریر سے قعدہ اخیرہ کی فرضیت بمقدار تشہد ارباب علم پر واضح ہوگئی ہوگی، نہ کہ مطلق قعدہ، جیسا کہ بعض نے گمان کرلیا ہے۔ یہ ہے مواد جو کتب سے چنا گیا ہے۔

☆ قعدۂ اخیرہ کا حکم:

سوال: نماز میں قعدۂ اخیرہ کا کیا حکم ہے؟ یعنی فرض ہے یا واجب؟ ==

قعدہ اخیرہ میں سو جائے اور امام کیساتھ سلام پھیرے، تو نماز ہوگی یا نہیں:

سوال: زید نے جماعت سے نماز پڑھی قعدہ اخیرہ میں سو گیا، اور امام کے ساتھ سلام پھیرا، لیکن مقدارِ تشہد بعد بیدار ہونے کے نہیں بیٹھا، زید کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

احوط یہ ہے کہ اعادہ قعدہ کا کیا جاوے، ورنہ نماز نہ ہوگی۔

اور شیخ ابن ہمام کی تحقیق سے جواز مفہوم ہوتا ہے اور قواعد فقہیہ سے عدم جواز ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا احوط ثانی ہے۔

و التفصیل فی الشامی. (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۲/۱۵۳)

== 　　الجواب

قعدۂ اخیرہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، بعض اس کو واجب قرار دیتے ہیں اور بعض فرض کہتے ہیں، بعض کی رائے رکنیت کی ہے جبکہ بعض اس کو شرط قرار دیتے ہیں، راجح یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ فرض اور شرط ہے۔

قال العلامة الحصكفي: (ومنها القعود الأخير) والذی يظهر أنه شرط لأنه شرع للخروج كالتحريمة للشروع. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله والذی يظهر الخ) اختلف فی القعدة الأخيرة قال بعضهم: هی ركن أصلی. وفی كشف البزدوی: أنها واجبة لا فرض، لكن الواجب هنا فی قوة الفرض فی العمل كالوتر. وفی الخزانة: أنها فرض وليست بركن أصلی بل هی شرط للتحليل، وجزم بأنها فرض فی الفتح والتبيين. (رد المحتار، فرائض الصلاة فی بحث القعود الأخير: ۱/۴۴۸)

(قال العلامة بدر الدين العينی: وذكر فی الإيضاح: أما القعدة الأخيرة فمن جملة الفروض وليست من الأركان، لأن الشیء ما يفسر به ذلک الشیء وتفسير الصلاة لايقع بالقعدة وإنما يقع بالقيام والقراءة والركوع والسجود وإنما انعدمت الركنية فی القعدة لأنها اعتدت لغيرها لا لعينها لأن الصلاة للتعظيم وهو بالقيام ويزداد بالركوع ويتناهی بالسجود والقعدة للخروج. (البناية، باب صفة الصلاة: ۲/۱۶۸) (فتاویٰ حقانیہ: ۳/۸۴)

(۱) (ومنها القعود الأخير) والذی يظهر أنه شرط لأنه شرع للخروج. (الدر المختار)

وبيّن فی الإمداد الثمرة بأنه لو أتٰی بالقعدة نائمًا تعتبر علی القول بشرطيّتها لا ركنيتها، وعزاه إلی التحقيق. و الأصح عدم اعتبارها كما فی شرح المنية.

قلت: وهذا يؤيد القول بأنها ركن زائد لاشرط، خلافاً لما مشی عليه الشارح تبعاً للنهر. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، بحث القعود الأخير: ۱/۴۱۷، ظفير)

كذا فی غنية المتملی شرح الكبير للحلبی، باب صفة الصلاة: ۲۸۹-۲۹۱، مطبع سنده. انيس

جماعت میں اگر مقتدی سے کوئی فرض یا واجب فوت ہو جائے، تو اس کو کیا کرنا چاہئے:

سوال: درمیان نماز اگر مقتدی سے فرض یا واجب کا سہو ہو جائے تو کیا کرے، پھر سے نماز پڑھے امام سے الگ ہوکر یا نیت توڑ کر الگ ہو جائے، یا وقت سلام وہ مقتدی سجدۂ سہو کرے، جس طرح دفعیہ ہوتا ہو تو تحریر فرمائیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر درمیان میں فرض فوت ہو جائے، تب تو نیت توڑ کر اسی وقت از سر نو نیت باندھ کر امام کے ساتھ شامل جماعت ہو جائے اور اگر واجب فوت ہو جائے تو کچھ نہ کرے، نہ نیت توڑے نہ سجدہ سہو کرے، مقتدی کو ترک واجب سہواً معاف ہے اور عمداً ترک ہو تو بعد جماعت کے، نماز کا اعادہ کرے۔(۱) (امداد الاحکام:۲/۹۵)

نماز سے خروج بالاختیار فرض ہے اور سلام واجب ہے:

سوال: خروج بصنع المصلّی کا کیا حکم ہے؟

نیز لفظ سلام کہہ کر نماز سے نکلنا واجب ہے یا سنت؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

خروج بصنعہ فرض ہے، وجوب کا قول بھی ہے، مگر قول اول راجح ہے اور لفظ ''سلام'' سے خروج واجب ہے۔

قال فی رد المحتار: وقد انتصر العلاّمة الشرنبلالی للبردعی فی رسالة المسائل البهية الزكية

---

(۱) ترک السنة لایوجب فساداً ولا سهواً بل إساء ة لو عامداً غیر مستخف. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: (قوله لایوجب فساداً ولا سهواً) أی بخلاف ترک الفرض فإنه یوجب الفساد وترک الواجب فإنه یوجب سجود السهو (قوله لو عامداً غیر مستخف) فلو غیر عامد فلا إساء ة أیضاً بل یندب إعادة الصلاة کما قدمناه فی أول بحث الواجبات ولو مستخفاً کفر، الخ. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، واجبات الصلاة، قبیل مطلب فی قولهم الإساء ة دون الکراهة: ۱/۴۷۳_۴۷۴، دار الفکر)

ولأن ترک الفرض یفسد الصلاة. (بدائع الصنائع، فصل الکلام فی مسائل السجدات یدور علی أصول، الخ: ۱/۲۵۰، دار الکتب العلمیة)

(والمسبوق یسجد مع إمامه مطلقاً) سواء کان السهو قبل الإقتداء أو بعده (ثم یقضی مافاته) ولو سها فیه سجد ثانیاً. (الدر المختار)

(قوله ولو سها) أی فیما یقضیه بعد فراغ الإمام یسجد ثانیاً لأنه منفرد فیه والمنفرد یسجد لسهوه وإن کان لم یسجد مع الإمام لسهوه ثم سها هو أیضاً کفته سجدتان عن السهوین لأن السجود لا یتکرر. (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۲/۸۲_۸۳، دار الفکر. انیس)

علـى الاثنى عشرية بأنه قد مشى على افتراض الخروج بصنعه صاحب الهداية وتبعه الشراح و عـامة الـمشائخ وأكثر المحققين والإمام النسفى فى الوافى والكافى والكنزوشروحه وإمام أهل السنة الشيخ أبومنصورالماتريدى.(رد المحتار: ١/٤١٨)(١)

وفي واجبات الصلاة من الدرالمختار:(ولفظ السلام) مرتين.(ردالمحتار: ١/٤٣٦)(٢)

واضح رہے کہ سلام اول میں صرف لفظ السلام کہنے سے نماز سے فراغت ہو جاتی ہے،مگر سلام ثانی بھی واجب ہے۔(۳)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ررربیع الاول ھ۔(احسن الفتاویٰ:۳/۲۷-۲۸)

☆☆☆

---

(١) باب صفة الصلاة،بحث الخروج بصنعه: ١/٤٤٩،دارالفكر.انيس

(والـخـروج بصنعه)أى الخروج من الصلاة قصداً من المصلى بقول أو عمل ينافى الصلاة بعد تمامها سواء كـان قـولـه:السـلام عـلـيـكـم كما هوواجب أو كان كلام الناس أو الأكل أو الشرب أو نحوذلك ممايكون مكروهاً تـحـريـمـاً مـفـتـوحاً للواجب،كذا فى البحرالرائق.(عمدة الرعاية على شرح الوقاية،باب صفة الصلاة: ١/١٣١،مطبع يوسفى لكهنؤ.انيس)

(٢) الدر المختارعلىٰ صدرردالمحتار،باب صفة الصلاة،مطلب واجبات الصلاة: ١/٤٦٨،دارالفكر.انيس

(٣) فالثانى واجب على الأصح.(الدرالمختار،باب صفة الصلاة،مطلب واجبات الصلاة: ١/٤٦٨)انيس)

قعدہ اخیرہ:

مسئلہ: نماز کے اخیر میں اتنی دیر بیٹھنا فرض ہے کہ اس میں تشہد پڑھ سکے۔(مراقی مع طحطاوی:۱۲۸)

مسئلہ: تشہد پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ صحیح صحیح جتنا جلد پڑھنا ممکن ہو اتنی دیر قعدہ اخیرہ فرض ہے۔(شامی:۱/۳۰۱)

مسئلہ: کسی رکعت کا ایک سجدہ چھوٹ گیا اور قعدہ اخیرہ میں یاد آیا تو سجدہ کرلے اس کے بعد پھر قعدہ اخیرہ کرے اگر سجدہ ہی چھوڑ دیا یا سجدہ کرنے کے بعد قعدہ اخیرہ نہ کیا تو نماز نہ ہوگی۔(ملخص از طحطاوی:۱۲۸)

مسئلہ: قعدہ اخیرہ نماز کے سارے ارکان کے اخیر میں ہونا شرط ہے۔(مراقی:۱۲۸)

قعدہ اخیرہ کے بعد نماز سے نکلنا:

مسئلہ: نماز کا قعدہ اخیرہ کے بعد نماز کے خلاف کوئی بات کرکے یا کوئی کام کرکے نماز سے نکلنا (فرض ہے) مثلاً جان بوجھ کر ہنسے یا کسی سے بولے یا کسی کو سلام کرے یا اپنی جگہ سے چل دے۔(شامی:۱/۳۰۱)(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل:۲۳۰)(انیس)

نماز کے واجبات

واجبات نماز کتنے ہیں:

سوال: نماز کے واجبات کتنے ہیں؟
اور سجدہ میں پیر کی تین انگلیاں لگانا واجب ہے یا نہیں؟
"و وجّه أصابعه نحو القبلة "(۱) کا کیا مطلب ہے؟

الجو اب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

علامہ ابوالاخلاص حسن الوفائی الشرنبلالی نے واجبات نماز کی تعداد اٹھارہ تحریر کی ہے؛ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"فصل فی واجبات الصلاة،وهو ثمانية عشر شيئًا: قراء ة الفاتحة،وضم سورة أو ثلاث آيات فی ركعتين غير متعينين من الفرض وفی جميع ركعات الوتر والنفل،وتعيين القراء ة فی الأوليين،و تقديم الفاتحة على السورة،وضم الأنف للجبهة فی السجود والإتيان بالسجدة الثانية فی كل ركعة قبل الانتقال لغيرها،والاطمينان فی الأركان،والقعود الأول،وقراء ة التشهد فيه فی الصحيح،وقرأته فی الجلوس الأخير،والقيام إلى الثالثة من غير تراخ بعد التشهد،ولفظ السلام دون عليكم،وقنوت الوتر،وتكبيرات العيدين،وتعيين التكبير لافتتاح كل صلاة لا للعيدين خاصة،وتكبيرة الركوع فی ثانية العيدين وجهر الإمام بقراء ة الفجر وأوليی العشائين و لو قضاءً أو الجمعة والعيدين والتراويح والوتر فی رمضان،والإسرار فی الظهر والعصر وفيما بعد أوليی العشائين ونفل النهار،والمنفرد مخير فيما يجهر كمتنفل بالليل،آه". (نور الإيضاح علٰی صدر حاشية الطحطاوی: ۱۵۱)(۲)

عبارت مسئولہ کا مطلب یہ ہے کہ!

حالت سجدہ میں پیروں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھے۔ یہ بات درجۂ وجوب میں نہیں کہ پیروں کی سب

(۱) "ويكون موجهًا أصابع رجليه نحو القبلة". (مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، كتاب الصلاة،فصل فی كيفية الترتيب: ۲۸۳،قديمی

(۲) نور الإيضاح متن مراقی الفلاح، كتاب الصلاة،فصل فی بيان واجبات الصلاة: ۲۴۶-۲۵۴،قديمی

انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ رہیں، ایک انگلی بھی زمین پر رہے گی تب بھی سجدہ ادا ہوجائے گا، جیسا کہ اس متن کی شرح کرتے ہوئے علامہ طحطاوی نے لکھا ہے:

"ولابد من وضع إحدى القدمين،ووضع القدم بوضع أصابعه،ويكفى وضع إصبع واحدة كذا فى السيد،آه". (الطحطاوى:١٦٩)(١)

وفيه.أى فى شرح الملتقٰى:"يفترض وضع أصابع القدم ولوواحدةً نحوالقبلة،وإلا لم تجز".(٢) فقط والله تعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند-۱۱/۹/۱۳۹۵ھ-(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۷۲-۵۷۳)☆

(١) الطحطاوى علىٰ مراقى الفلاح،كتاب الصلاة،فصل فى كيفية الترتيب:٢٨٣،قديمى

(٢) الدرالمختارعلىٰ صدرردالمحتار،كتاب الصلاة،فصل فى بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها،مطلب فى إطالة الركوع للجائى:٤٩٩/١-٥٠٠،سعيد،كراچى

"ويكفيه وضع اصبع واحدة ، فلولم يضع الأصابع أصلا ووضع ظهرالقدم منه ، لايجوز ؛ لأن وضع القدم بوضع الإصبع".(البحرالرائق،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة:٥٥٦/١،رشيدية)

(مهمة)من شرط صحة السجود وضع القدمين أو إحداهما وعليه الفتوىٰ كما فى الفيض ومجموع المسائل وما نقله فى الدرر عن العناية من أن عدم الفرضية هو الحق فبعيد عن الحق و بضده أحق كذا حققه المؤلف ثم أفاد إن المراد من وضع القدم وضع أصابعها موجهة نحوالقبلة ليكون الاعتماد عليها وإلا فهو وضع ظهرالقدم وجعلوه غير معتبر قال:وهذا مما يجب التنبيه له والناس عنه غافلون.(الدرالمنتقى،فصل بعد باب صفة الصلاة:١٤٨/١،دارالكتب العلمية.انيس)

☆ واجبات نماز:

سوال (الف): نماز کے واجبات کیا کیا ہیں؟

(ب) تکبیر قنوت، یعنی: "اللّٰــه أكبـر" کہہ کر ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھانا دعائے قنوت پڑھنے کے واسطے کیا یہ واجب ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

(الف،ب) **"(ولها واجبات)...(وهى)...(قراء ة فاتحة الكتاب)... (وضم) أقصر (سورة) ... وتعيين القراء ة (فى الأوليين) ... (وتقديم الفاتحة) علىٰ كل (السورة) ... (ورعاية الترتيب) ... (فيما يتكرر) ... (وتعديل الأركان) ... (و القعود الأول) ... (والتشهدان) ... (ولفظ السلام) ... (و)قراء ة (قنوت الوتر) ... وكذا تكبيرقنوته،آه".** (الدرالمختار)(الدرالمختارعلىٰ صدرردالمحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب واجبات الصلاة:٤٥٦/١-٤٦٩،سعيد)

اس عبارت میں واجبات کی بھی کافی تعداد آگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وتر میں قنوت کے لیے تکبیر کہنا بھی واجب ہے؛ لیکن رفع یدین واجب نہیں، صرف سنت ہے۔

==

نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا:

سوال: نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے یا واجب ہے؟

الجواب

امام شافعی کے نزدیک فرض ہے۔حدیث ’’ **لاصلاۃ إلا بفاتحة الکتاب** ‘‘ (۱) ان کی دلیل ہے اور حنفیہ واجب کہتے ہیں اور یہ حدیث اگر چہ صحیح ہے، مگر اس میں مطلق صلوٰۃ کی نفی نہیں، بلکہ صلوٰۃ کامل کی نفی ہے اور آیت کریمہ: ’’**فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ**‘‘ (۲) عام ہونے کی وجہ سے اس حدیث سے معارض ہے اور دلالت کے وقت اس حدیث کی دلالت ظنی رہ جائے گی، جس سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی، بلکہ وجوب ثابت ہوتا ہے۔ (۳)

(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۱/۲۳۱)

== ’’(ولایسن)... (رفع یدیه إلا فی)... (تکبیرة افتتاح وقنوت وعید)،الخ. (الدرالمختار) (الدرالمختار علٰی صدرردالمحتار، کتاب الصلاة،فصل فی بیان تالیف الصلاة إلی انتهائها،قبل مطلب مهم فی عقد الأصابع عند التشهد: ۱/۵۰۶-۵۰۷،سعید)فقط واللّٰه تعالٰی أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۷)

(۱) عن أبی هريرة يقول: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم:خرج فناد بالناس أن لاصلاة إلا بفاتحة الکتاب، فما زاد. (مسند اسحاق بن راهويه (ح: ۱۲۶،ط:مکتبة الإيمان)/القراءة خلف الإمام للبخاری،بالقراءة فی الظهر فی الأربع کلها (ح:۷)/مستخرج أبی عوانة،بيان الدليل علٰی إيجاب إعادة الصلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الکتاب (ح:۱۶۶۸)

وعن عبادة بن الصامت رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم قال:لاصلاة إلا بفاتحة الکتاب. (القراءة خلف الإمام للبخاری،باب وجوب القراءة للإمام والمأموم (ح: ۵۵)/المعجم الأوسط،من اسمه أحمد (ح: ۲۲۶۲)/ السنن الصغير للبيهقی،باب فرض الصلاة وسننها (ح:۳۵۴)

عن عبادة بن الصامت رضی اللّٰه عنه قال : أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال : لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الکتاب. (مسند الإمام الشافعی،ت:سنجر،باب قراءة الفاتحة (ح: ۲۱۱)/الصحيح للبخاری،باب وجوب القراءة للإمام والمأموم فی الصلاة (ح: ۷۵۶)/الصحيح لمسلم،باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة (ح: ۳۹۴) /سنن ابن ماجة،باب القراءة خلف الإمام (ح: ۸۳۷)/سنن أبی داؤد،باب من ترک القراءة فی صلاته بفاتحة الکتاب (ح:۸۲۳)/سنن الترمذی،باب ماجاء أنه لاصلاة إلا بفاتحة (ح:۲۴۷)انيس)

(۲) سورة المزمل: ۲۰.انيس

(۳) (ولنا)﴿فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾(سورةالمزمل: ۲۰)أمر بمطلق القراءة من غير تعيين فتعيين الفاتحة فرضاً أو تعيينها نسخ الإطلاق ونسخ الکتاب بالخبر المتواتر لايجوزعندالشافعی فکيف يجوز بخبرالواحد؟ فقبلنا الحديث فی حق الوجوب عملاً حتی تکره ترک قراءتهما دون الفرضية عملاً بهما بالقدرالممکن کی لا يضطر إلی رده لوجوب رده عندمعارضة الکتاب ومواظبة النبی صلی اللّٰه عليه وسلم علی فعل لا يدل علی فرضيته فإنه کان يواظب علی الواجبات،والله أعلم. (بدائع الصنائع،فصل الواجبات الأصلية فی الصلاة: ۱/۱۶۰،دارالکتب العلمية) والزيادة عليه بخبرالواحد لا يجوز لکنه يوجب العمل فقلنا بوجوبها. (الهداية،باب صفة الصلاة: ۱/۵۰ - انيس)

فرضوں کی دو رکعت خالی اور سنتوں کی سب بھری میں، کیا حکمت ہے:

سوال: فرضوں میں دو رکعت خالی پڑھی جاتی ہیں اور سنتوں میں بھری، اس میں کیا حکمت ہے؟

الجواب

فرضوں میں دو رکعت کا خالی رکھنا یا صرف سورۃ فاتحہ پڑھنا وارد ہوا، اس وجہ سے ان کو خالی رکھتے ہیں۔(۱) اور سنتوں اور نفلوں میں ہر ایک شفعہ نماز کا علیٰحدہ ہے، اس واسطے سب رکعتوں کو بھری پڑھنا چاہئے۔(۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۵۵-۱۵۶) ☆

(۱) عن أبی قتادة رضی اللّٰه عنه قال: کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یقرأ فی الظهر فی الأولیین بأم الکتاب وسورتین وفی الرکعتین الأخریین بأم الکتاب... وهکذا فی العصر. (مشکوٰة المصابیح، باب القراء ة فی الصلوٰة:۷۹، ظفیر)

أخرجه البخاری، باب یقرأ فی الأخریین بفاتحة الکتاب (ح:۷۷۶) انیس

(۲) (وضم) أقصر (سورة) الخ (فی الأولیین من الفرض) الخ (و) فی (جمیع) رکعات (النفل) لأن کل شفع منه صلاة. (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ۱/۳۲۷، ظفیر)

(و) الثانی (ضم سورة) قصیرة (أو ثلاث آیات) قصار لقوله صلی اللّٰه علیه وسلم "لا صلاة لمن لم یقرأ بالحمد للّٰه وسورة فی فریضة أو غیرها (فی رکعتین غیر متعینتین من الفرض) غیر الثنائی وفی جمع الثنائی (و) یجب الضم فی جمیع رکعات الوتر (لمشابهة السنة) (و) جمیع رکعات (النفل) لما روینا لأن کل شفع من النافلة صلاة علی حدة (و) یجب (تعیین القراء ة) الواجبة (فی الأولیین) من الفرض لمواظبة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم علی القراء ة فیهما (و) یجب تقدیم الفاتحة علی (قراء ة) السورة (للمواظبة حتی لو قرأ من السورة ابتداء فتذکر یقرأ الفاتحة ثم یقرأ السورة ویسجد للسهو، الخ. (مراقی الفلاح، فصل فی واجبات الصلاةٰ: ۹۴، المکتبة العصریة. انیس)

☆ فرض دو خالی اور دو بھری کیوں ہیں:

سوال: چار رکعت فرض میں دو خالی اور دو بھری کیوں مقرر ہوئی ہیں؟

الجواب

نماز فرض میں دو رکعت بھری اور دو رکعت خالی احادیث سے ثابت ہیں اور جناب رسول اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے، لہذا ہم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے، چوں وچرا اس میں مناسب نہیں ہے۔(أقول: قد أخرج البخاری ومسلم رحمهما اللّٰه عن عبد اللّٰه بن أبی قتادة عن أبیه أبی قتادة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یقرأ فی الرکعتین الأولیین من الظهر والعصر بفاتحة الکتاب وسورتین وفی الأخریین بفاتحة الکتاب ویسمعنا الأیة أحیاناً، الخ. (حاشیة الهدایة)

(الصحیح للبخاری، باب القراء ة فی العصر (ح:۷۶۲)/الصحیح لمسلم، باب القراء ة فی الظهر والعصر (ح:۴۵۱) انیس)

اور زیلعی میں ہے:

وفیما عدا الأولیین اکتفیٰ بفاتحة الکتاب لقول أبی قتادة أنه علیه الصلوٰة والسلام قرأ فی الأخریین بفاتحة الکتاب. (۱/۱۲۲) (تبیین الحقائق، فصل الشروع فی الصلاة وبیان إحرامها، بولاق. انیس) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۲۴۸) ==

فرض کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت کے وجوب،
اور دوسری دو رکعتوں میں کوئی سورت نہ ملانے کی تحقیق و دیگر مسائل:

سوال: اے علماء دین ومفتیان شرع متین!

(۱) فرض ظہر وعصر میں قراءت شفع اولیٰ میں فرض ہے یا اخریٰ میں یا مطلق دو رکعتوں میں؟ اگر اولیٰ میں فرض ہے تو جس شخص نے اخریٰ میں قراءت قصداً ترک کیا، اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں اور جس شخص نے سہواً ترک کیا اس پر سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں۔

(۲) اگر کسی شخص نے شفع ثانی میں قصداً یا سہواً سورہ یا بعض سور، فاتحہ کے بعد پڑھا، تو اس پر کس صورت میں سجدہ سہو واجب ہے کس صورت میں نہیں۔

(۳) اگر کسی شخص نے شفع اولیٰ میں قصداً یا سہواً ضم سورت ترک کیا، تو وہ شخص کس صورت میں شفع ثانی میں سورۃ قضا کرے گا اور بر تقدیر قضا کے نماز سرّی وجہری دونوں میں قضا کرے گا، یا ایک میں اور کس صورت میں اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

(۴) نماز صبح میں ضم سورہ رکعتین میں واجب ہے یا رکعت واحدہ میں نماز ظہر میں ضم سورہ کن رکعتوں میں واجب ہے۔

(۵) جو سنت چار رکعت کی ہے، اس میں قرأت چاروں رکعت میں فرض ہے یا شفع اولیٰ یا ثانی یا بعض میں اور ضم سورہ کل رکعتوں میں واجب ہے یا بعض میں اور کئے رکعت میں ترک ضم سورہ سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔

== **قراءت دو ہی رکعت میں کیوں کی جاتی ہے:**

سوال: دو رکعت خالی اور دو رکعت بھری کیوں پڑھی جاتی ہیں؟

الجواب

احادیث اور آثار صحابہ سے ایسا ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت میں الحمد اور سورت پڑھی اور آخر کی دو رکعت میں صرف الحمد پڑھی۔ اس واسطے حنفیہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔ (عن أبی قتادة. رضی اللہ عنه. قال: "کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقرأ فی الظهر فی الأولیین بأم الکتاب وسورتین وفی الرکعتین الأخریین بأم الکتاب ویسمعنا الآیة أحیاناً" الحدیث. متفق علیه. (مشکوة المصابیح، باب القراءة فی الصلوٰة: ۷۹)

(واکتفیٰ) المفترض (فیما بعد الأولیین بالفاتحة) فإنها سنة علی الظاهر، ولو زاد لا بأس به. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب مهم فی عقد الأصابع عند التشهد: ۱/ ۴۷۷، ظفیر) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/ ۱۷۵)

(٦) جو شخص فرض ظہر یا عصر کی چوتھی رکعت میں شریک ہوا وہ تین رکعت باقی کس طور سے ادا کرے، کتنی رکعتوں کے بعد جلسہ کرے، کن رکعتوں میں ضمِ سورہ کرے، کے رکعت میں بدوں سورہ کے پڑھے اور جو شخص تیسری رکعت میں شریک ہوا وہ دو رکعت باقی کس طور سے ادا کرے، جو مغرب کی تیسری رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہو وہ اپنی دو رکعت باقی کس طور سے ادا کرے جلسہ اور ضمِ سورہ کن رکعت میں کرے۔ فقط جواب بسند کتاب تحریر ہو؟ بینوا عنداللہ توجروا۔

الجواب

(۱) فرض نماز میں دو پہلی رکعتوں میں قرأت واجب ہے، اخریین میں اختیار ہے، خواہ قرأت پڑھے یا تسبیح کہے یا ساکت رہے۔

”والقراءة في الفرض واجبة في الركعتين، الخ، وهو مخير في الأخريين“. (الهداية)(۱)

پس اخریین میں اگر قصداً قرأت ترک کرے تو نماز صحیح ہے اور اگر سہواً ترک کرے، جب بھی قول راجح پر نماز صحیح ہے اور سجدۂ سہو واجب نہیں۔

”ولهٰذا لايجب السهو بتركها في ظاهر الرواية“. (الهداية: ۱٤۸)(۲)

(۲) اور شفع ثانی میں قصداً یا سہواً فاتحہ کے بعد سورہ یا بعض سورہ کے ملانے سے سجدۂ سہو واجب نہیں، یہ خلافِ اولیٰ ہے۔

”(واكتفٰى) المفترض (فيما بعد الأوليين بالفاتحة) فإنها سنة على الظاهر، ولو زاد لابأس به“. (الدر المختار)

قال الشامي: ”(ولو زاد لابأس به) ... فكان الضم خلاف الأولٰى“، إلخ. (ردالمحتار)(۳)

(۳) اگر شفع اولیٰ میں قصداً ضمِ سورہ ترک کیا تو ترک واجب عمداً ہوا، نماز مکروہ تحریمی ہوگی، اعادہ واجب ہوگا اور سجدۂ سہو کافی نہیں اور اگر سہواً ایسا کیا تو اخریین میں بعد فاتحہ کے، سورہ پڑھ لے، (۴) اور جہری نماز میں فاتحہ وسورہ ہر دو جہر سے پڑھے۔

”وإن قرأ الفاتحة ولم يزد عليها قرأ في الأخريين الفاتحة والسورة وجهر ... ويجهر بهما“. (الهداية)(۵)

اور سجدۂ سہو واجب ہوگا اور سری اور جہری دونوں کا ایک حکم ہے۔

(۱-۲) باب النوافل، فصل في القراءة: ۱/٦۷-٦۸، دار إحياء التراث الإسلامي بيروت، انيس

(۳) كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في تركيب الصلاة، مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد: ۱/۵۱۱، انيس

(۴) سورہ پڑھنا مستحب ہے، تفصیل کے لئے سوال نمبر ۲۳۰ کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔ سعید

(۵) فصل في القراءة: ۱/۱۱٦-۱۱۷، انيس

(۴) نماز صبح میں دونوں رکعتوں میں قرأت فرض ہے اورظہر وعصر کے شفعہ اولیٰ میں فرض ہے۔ **لما مر من الهداية أن القراء ة فی الفرض واجبة فی الركعتين.**

(۵) سننِ رباعیہ میں چاروں رکعت میں قراءت فرض ہے۔

"**والقراء ة واجبة فی جميع ركعات النفل**". (الهداية)(۱)

اورضم سورہ بھی چاروں میں واجب ہے، اگرایک میں بھی سہواًترک کرے گا سجدہ سہوواجب ہوجائے گا۔

(۶) جس کی ایک دورکعت امام کے ساتھ فوت ہوگئی ہو، اس کومسبوق کہتے ہیں اس کی باقی نماز حق قرأت میں اول ہوتی ہےاورحق تشہد میں آخر۔

"**ويقضی أوّل صلاته فی حق قراء ة، وآخرها فی حق تشهد**". (الدرالمختار)(۲)

پس جوشخص ظہریا عصر میں چوتھی رکعت میں شریک ہوا، بعد فراغ امام کے، کھڑا ہوکر، ثنا وتعوذ پڑھ کر، فاتحہ وسورہ پڑھےاور یہ رکعت پوری کر کے قعدہ کرے، پھر کھڑا ہوکر، وہ رکعت بھی فاتحہ وسورہ سے پڑھ کر، پچھلی رکعت، فقط فاتحہ سے پڑھ کر، نماز تمام کرےاور جوتیسری میں شریک ہوا، وہ دونوں رکعتیں فاتحہ وسورہ سے پڑھےاوران دونوں کے بیچ میں جلسہ نہ کرے، دونوں کے بعد قعدہ اخیرہ کر کے فارغ ہو، جومغرب کی تیسری میں شریک ہوا وہ دونوں میں فاتحہ وسورہ پڑھےاور ہر رکعت پر بیٹھے۔ واللہ اعلم

(امداد:۱/۱۰۷)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۲۰۲-۲۰۴)

فرض کی پہلی دورکعتوں میں سورت نہ پڑھی، تو آخری رکعتوں میں پڑھنا مستحب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل میں کہ فرض نماز میں رکعتین اولیین میں سورت نہ ملائی گئی، تو اخریین میں قراءۃ کا کیا درجہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

اگر پہلی دو رکعتوں میں، یاایک میں سورت ملانا یاد نہ رہا، تو آخری رکعتوں میں، دونوں میں، یا ایک میں، ملانا مستحب ہے۔

قال فی الدّر: (ولو ترک سورة أوليی العشاء) مثلاً ولو عمدًا (قرأها وجوبًا) وقيل ندبًا (مع الفاتحة جهرًا فی الأخريين). (الدرالمختار)

---

(۱) باب النوافل، فصل فی القراء ة: ۱/ ۶۸، دارإحياء التراث الإسلامی بيروت. انيس

(۲) الدرالمختار علیٰ صدررد المحتار، باب الإمامة، مطلب فی أحكام المسبوق، الخ: ۱/ ۵۹۶، انيس

وفی الشامیة:(قوله ولو عمدًا) هذا ظاهر إطلاق المتون،وبه صرّح فی النهر،ولم یعزه إلٰی أحد،کأنه أخذه من الإطلاق وإلا فصنیع الفتاوی والشروح یقتضی أن وضع المسألة فی النسیان، تأمل،أفاده الخیر الرملی.

وقال تحت(قوله وجوبًا وقیل ندبًا)...والحاصل أن اختیار صاحب الفتح والبحر والنهر الندب لأنه صریح کلام محمّد.(رد المحتار: ۵۰۰/۱)(۱) فقط واللّٰه تعالٰی أعلم

۱۸/ربیع الاول ۱۳۸۶ھ۔(احسن الفتاویٰ:۷۴/۳)

---

(۱) کتاب الصلاة،فصل فی جهر القراء ة،مطلب فی الکلام علی الجهر والمخافتة: ۵۳۵/۱،دار الفکر.انیس

واعلم أن المسألة مربعة فظاهر الروایة ما ذکر،وعکسه قول عیسیٰ بن أبان،وعن أبی یوسف:لا یقضی واحدة منهما وعن أبی حنیفة یقضیهما ثم کیف یرتبهما؟فقیل:یقدم السورة وقیل یقدم الفاتحة وهو الأشبه،إذ تقدیم السورة علی الفاتحة غیر مشروع،فلایکون مخالفاً للمعهود (قوله ماذکر هاهنا ما یدل علی الوجوب)وهو لفظ الخبر وفی الأصل بلفظ الاستحباب ولا یخفی أنه أصرح فیجب التعویل علیه فی الروایة لأنها إن کانت مؤخرة فغیر موصولة بالفاتحة فلم تکن مراعاتها من کل وجه (قوله هو الصحیح)هو ظاهر الروایة احترازاً عما ورد عن أبی حنیفة أنه لایجهر أصلاً لأن الجمع شنیع وتغییر السورة أولٰی لأن الفاتحة فی محلها لیست تبعاً للسورة،وعنه یجهر بالسورة دون الفاتحة لصفة کل منهما ولایکون جمعاً تقدیراً للالتحاق بمحلها من الأولیین.(فتح القدیر،فصل فی القراء ة :۳۲۹/۱۔۳۳۰،دار الفکر/البحر الرائق،آداب الصلاة: ۳۵۸/۱،دار الکتاب الإسلامی/النهر الفائق شرح کنز الدقائق،کتاب الصلاة،آداب الصلاة: ۲۲۹/۱،دار الکتب العلمیة.انیس)

☆ فرض کی آخری دورکعتوں میں سورۂ فاتحہ واجب نہیں:

سوال: فرض کی آخری دورکعتوں میں اگر سورہ فاتحہ نہ پڑھی تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــ ومنه الصّدق والصّواب

نماز ہوجائے گی،فرض کی آخری دورکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا مستحب ہے،ضروری نہیں،فقط بقدر تسبیحہ واحدہ قیام کافی ہے۔

قال فی شرح التنویر:(وهو مخیّر بین قراء ة)الفاتحة وصحّح العینی وجوبها(وتسبیح ثلاثًا)وسکوت قدرها،وفی النهایة قدر تسبیحة،فلا یکون مسیئًا بالسکوت(علی المذهب)لثبوت التخییر عن علیّ وابن مسعود.رضی اللّٰه تعالٰی عنهما.وهو الصارف للمواظبة عن الوجوب.(الدر المختار)

وفی الشامیة تحت قوله (وصحح العینی وجوبها): ... لکن الأصحّ عدمه.(قوله وفی النهایة قدر تسبیحة) قال شیخنا:وهو ألیق بالأصول،حلیة: أی لأن رکن القیام یحصل بها لما مرّأن الرکنیّة تتعلّق بالأدنٰی.(ردالمحتار: ۴۷۷/۱) (کتاب الصلا ة ، فصل کیفیة الصلا ة ، مطلب مهم فی عقد الأصابع عند التشهد: ۵۱۱/۱،دار الفکر.انیس)

۱۴/ربیع الاول ۱۳۷۶ھ۔(احسن الفتاویٰ:۷۱/۳)

چار رکعت والی فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں امام کا سورہ فاتحہ نہیں پڑھنا خاموش کھڑا رہنا:

سوال: اگر چار رکعت فرض کی اخیر کی دو رکعتوں میں امام الحمد شریف نہ پڑھے۔ چپ چاپ کھڑا رہے اور رکوع میں چلا جائے اور سجدہ کر کے نماز ختم کردے۔ بھول کے نہیں بلکہ جانتے ہوئے اور سمجھتے ہوئے تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

اگر چار رکعت فرض کے اخیر کی دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھا تو نماز ہو جائے گی، لیکن پڑھنا افضل تھا۔ بالکلیہ سکوت خلاصہ میں مکروہ لکھا ہے۔ عالمگیری میں اخیر کی دو رکعتوں کے متعلق ہے:

"وإن ترک القراء ة والتسبیح لم یکن علیه حرج ولاسجدتا السهو وإن کان ساهیًا لکن القراء ة أفضل، هذا هو الصحیح من الروایات، هکذا فی الذخیرة وعلیه الاعتماد، کذا فی فتاویٰ قاضی خان، وهو الأصح کذا فی المحیط فی فصل القراء ة وهو الصحیح وظاهر الروایة هکذا فی البدائع والسکوت مکروه، هکذا فی الخلاصة.(۱) فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

عبدالصمد رحمانی۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۹۲/۲-۲۹۳)

(۱) الفتاویٰ الهندیة: ۷۶/۱. (الفصل الثالث فی سنن الصلاة وآدابها. انیس)

(والفاتحة وحدها) أی قراء ة الفاتحة وحدها (فی الرکعتین الأخریین سنة) لقول أبی قتادة أنه علیه الصلاة والسلام قرأ فی الأخریین بفاتحة الکتاب وحدها وعن أبی حنیفة أنها واجبة حتی یجب سجود السهو والأول أصح، قوله (وإن سبح فیهما) أی فی الرکعتین الأخریین (جاز) لأن علیاً وابن مسعود رضی اللّٰه عنهما ماکانا یسبحان فیهما (ولو سکت کره) لأنه ترک السنة. (منحة السلوک شرح تحفة الملوک، فصل فی واجبات الصلاة: ۱۳۲/۱-۱۳۳، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامیة قطر) / وکذا فی المحیط البرهانی، الفصل الرابع فی کیفیتها: ۲۹۷/۱، دارالکتب العلمیة بیروت) / وکذا فی مختصر القدوری، باب النوافل: ۳۳/۱، دارالکتب العلمیة) / وکذا فی البدائع، فصل فی أرکان الصلاة: ۱۱۲/۱، دارالکتب العلمیة) / وکذا فی تبیین الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱۰۵/۱، بولاق. انیس)

☆ قضائے عمری کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بجائے تین بار "سبحان اللّٰہ" کہنا:

سوال: قضائے عمری کے اشتہار میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد شریف کی جگہ تین بار "**سبحان اللّٰه**" کہے، ہاں! وتر کی ہر رکعت میں الحمد اور سورت پڑھنا ہے۔

اسی طرح قعدۂ اخیرہ میں درود اور دعائے ماثورہ کی جگہ فقط "**اللّٰهم صل علیٰ محمد و اٰله**" پڑھے، دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس طرح کرنے سے قضائے عمری ساقط ہو جائیگی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیًا و مسلمًا

جی ہاں! فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بجائے تین مرتبہ "**سبحان اللّٰه**" پڑھ لے، تب بھی کافی ہے۔ البتہ وتر کی تیسری رکعت میں الحمد شریف کے ساتھ سورۃ ملانا ضروری ہے، جس پر بہت ساری قضا نمازیں باقی ہوں، ==

فاتحہ کے بعد خاموشی پھر سورہ:

سوال: امام نے نماز کی نیت باندھی اور بعد فاتحہ کے کچھ خاموشی کے بعد قراءۃ شروع کی، نماز میں کیا نقص ہوا؟

الجواب

اگر بقدر 'آمین' کہنے کے اور 'بسم اللہ سرًا' کہنے کے سکوت کیا اور قراءۃ میں تاخیر کی، تو نماز میں کچھ نقص نہیں ہوا۔(۱)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۸۳) ☆

== وہ ان کی ادائیگی میں سہولت کے لیے قعدۂ اخیرہ میں درودِ ابراہیم کی جگہ مختصر درود پر اکتفا کرے، جیسا کہ سوال میں ہے اور اسی طرح قعدۂ اخیرہ میں درود شریف کے بعد پڑھی جانے والی دعائے ماثورہ چھوڑ دے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(محمود الفتاویٰ:۱/۴۶۸-۴۶۹)

(۱) (وأمن)الخ (الإمام سرًا كمأموم ومنفرد). (الدر المختار، باب صفة الصلاة)

قال الشامي: (قوله ولاتكره اتفاقاً)ولهذا صرح في الذخيرة والمجتبىٰ بأنه إن سمى بين الفاتحة والسورة المقروءة سرًا أوجهرًا كان حسنًا عند أبي حنيفة. (رد المحتار: ۱/۴۵۸، ظفير)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل كيفية الصلاة،مطلب قراءة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن،انيس)

☆ **سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد دیر تک وقفہ کرنا:**

سوال: [امام] نماز میں بعد ختم الحمد کے بہت دیر ٹھہرتا ہے، یہ ٹھہرنا کیسا ہے؟

الجواب

بعد فاتحہ کے سکون [سکوت] دیر تک منع ہے، کیونکہ بعد فاتحہ کے بقدر آمین یا بسم اللہ کے، توقف درست ہے اور زیادہ مکروہ ہے اور امام شافعی [کا] مذہب مقتدیوں کے فاتحہ پڑھنے کے واسطے سکوت کرنا ہے، جب کہ اس کا مقتدی کوئی شافعی نہیں، تو اس کو سکوت محض ہوائے نفسانی اور غیر مشروع اور جہل حقیقت الحال سے ہے، لہٰذا اس کو اس حرکت سے منع کرنا چاہئے اور اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہئے، وہ محض جاہل ہے۔ ایسی حالت میں پیچھے اس کے نماز مکروہ تحریمی ہووے گی۔ فقط

(مجموعہ کلاں، ص:۱۲۹-۱۳۱)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۶۸-۱۶۹)

بعد سورۂ فاتحہ حنفی کے لئے سکوت جائز نہیں:

سوال: میں سعودی عرب میں ملازمت کرتا ہوں، حافظ ہونے کی وجہ سے کفیل نے امامت کی ذمہ داری بھی میرے سپرد کردی ہے، یہاں امام کے پیچھے ختم سورۂ فاتحہ کے بعد مقتدی حضرات بھی سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں، جب کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہنے کے بقدر تاخیر کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہوجاتا ہے، اب ایسی صورت میں میرے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب　حامدًا ومصليًا ومسلمًا

حنفی امام کے لئے اس طرح تاخیر جائز نہیں، نماز ناقص اور واجب الاعادہ ہوگی، (قال أبو جعفر: ولا يقرأ المأموم خلف إمامه جهر إمامه أو أسر.

==

سورۃ ملانا واجب ہے:

سوال: ضم سورۃ فرض ہے یا واجب اور کس قدر؟

الجواب

واجب ہے بقدر تین آیت کے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۰۸/۲) ☆

== قال أبوبكر أحمد: الأصل فيه قول الله تعالیٰ: ﴿وَإِذَا قُرِیءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا﴾ (الأعراف: ٢٠٤) روى عن أبي هريرة وسعيدبن المسيب والحسن وإبراهيم والزهري ومحمدبن كعب القرظي رضي الله عنهم وغيرهم أنه في شأن الصلاة وقال زيدبن أسلم وأبوالعالية: كانوا يقرؤون خلف الإمام، فنزلت: ﴿وَإِذَا قُرِیءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا.﴾ وكان زيد بن أسلم ينهى عن القراءة خلف الإمام فيما يسر ويجهر لهذه الآية، وروى إبراهيم بن أبي حره عن مجاهد أنه قال: في الصلاة والخطبة، فاتفق هؤلاء كلهم على أنه قد عنى به الصلاة وزاد مجاهد الخطبة والأولىٰ أن يكون المراد هي الصلاة في وجهين: أحدها: أن قراءة القرآن ليست بفرض في الخطبة والثاني أن الإنصات والاستماع واجبان للخطبة فيما كان قرآناً وغيره والعموم يقتضي بوجوب الإنصات والاستماع لكل من قرأ قرآناً في صلاة أو خطبة أو غيرها فلا يخص منه شيء إلا بدليل والإنصات والسكوت بمعنى واحد يقال: فلان يسكت وأنصت والمفعول باللفظين شيء واحد فإذا من حيث أمرنا بالإنصات والسكوت فقد أمرنا بترك القراءة إذ لايجوز السكوت الكلام فيكون متكلماً ساكتاً في حال، الخ. (شرح مختصر الطحاوي للجصاص، باب صفة الصلاة: ٦٤٩/١-٦٥١، دارالبشائر الإسلامية)

وذكر المصنف أسباب سجود السهو أربعة: ترك الواجب، وتأخيره، وتأخير الركن والزيادة ويجب بتغيير الواجب أيضاً، الخ. (منحة السلوك شرح تحفة الملوك، فصل في السهو: ١٩٩/١، انيس)

سجدۂ سہو بھی کافی نہ ہوگا، اس لئے کہ صورت مسئولہ میں قصداً تاخیر کی جاتی ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ:۱۶۶/۱) (فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الصلوٰۃ، احکام سجدۂ سہو:۱۶۶/۱، دارالإشاعت کراچی) واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ ریاض العلوم:۴۰۶/۲-۴۰۷)

(۱) (ولها واجبات) الخ (وضم) أقصر (سورة) كالكوثر أوما قام مقامها، وهو ثلاث آيات قصار. (الدرالمختار علىٰ صدر رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ٤٢٧/١، ظفير)

☆ سورہ فاتحہ کے ساتھ سورتیں ملانے کا حکم:

سوال: چار رکعت والی نماز میں پہلی دو رکعت کے بعد سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورہ پڑھنا ہے، لیکن تیسری اور چوتھی رکعت میں کیا کرنا ہے؟ (محمد عبدالباسط، عیدی بازار)

الجواب

فرض نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد کوئی سورہ پڑھنا واجب ہے، بعد کی دو رکعتوں میں فرائض میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھنے پر اکتفا کیا جائے گا، چنانچہ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورہ پڑھا کرتے تھے اور بعد کی دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ''۔ (دیکھئے: صحيح البخاري، حدیث نمبر:٧٧٦، باب يقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب. محشی) ==

وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ ملانی چاہئے یا نہیں:

سوال: وتر کی تیسری رکعت جس میں دعاء قنوت پڑھی جاتی ہے، اس میں سورۃ ملانی چاہئے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

وتر کی تینوں رکعت میں "الحمد" کے ساتھ سورۃ ملانا ضروری ہے اور فرض ہے۔(۱)، تیسری رکعت میں بھی سورۃ ملانا ضروری ہے، ہمیشہ وتر اسی طرح پڑھنا چاہئے۔ **هٰكذا في عامة كتب الفقه.** (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۶۲)

فاتحہ کے بعد مقدار قرأت:

سوال: بعد فاتحہ کے امام کو تین آیت پڑھ کر رکوع کرنا چاہئے، یا ایک آیت کافی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

تین آیت سے کم نہ ہونے چاہئے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۲۰) ☆

== البتہ نفل نمازوں میں چاروں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورہ بھی ملائی جائے گی، (دیکھئے: الفتاوىٰ الهندية: ۷۱/۱) کیونکہ اس کی ہر دو رکعت مستقل نماز ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رات کی نفل نمازوں میں یہی معمول مبارک تھا۔(دیکھئے :الجامع للترمذی، حدیث نمبر:۴۳۹، باب ما جاء في وصف صلوٰة النبي صلى الله عليه وسلم)

"عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلى فيما بين صلوٰة العشاء الآخر إلىٰ أن يصدع الفجر إحدى عشر ركعة،يسلم في كل ركعة". (السنن الكبرىٰ : ۱۱/۳ ،حدیث نمبر:۴۶۷۹، محشی)

(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۹۱)

(۱) (و)القراء ة فرض فى كل ركعات (الوتر).(مراقى الفلاح،باب شروط الصلاة وأركانها:۸٦،المكتبة العصرية)

(و)يجب الضم فى(جميع ركعات الوتر)لمشابهة السنة.(مراقى الفلاح،فصل فى واجب الصلاة: ٩٤.انيس)

(۲) (وهو ثلاث ركعات بتسليمة)الخ (و) لكنه (يقرأ فى كل ركعة منه فاتحة الكتاب وسورة)احتياطاً.(الدر المختارعلىٰ صدر رد المحتار،باب الوتر والنوافل،مطلب فى منكر الوتر والسنن أوالإجماع: ٢٦٢/١،ظفير)

(۳) (قرأ المصلى لوإمامًا أومنفردًا الفاتحة و)قرأ بعدها وجوبًا(سورة أوثلاث آيات)ولو كانت الآية أوالآيتان تعدل ثلاث اٰيات قصار انتفت كراهة التحريم ذكره الحلبى،ولاتنتفى التنزيهية إلا بالمسنون. (الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،باب صفة الصلاة،مطلب قراء ة البسملة بين الفاتحة والسورة حسن: ٤٥٨/١ ـ ٤٥٩، ظفير)

یا ایک بڑی آیت جو تین چھوٹی آیت سے کم نہ ہو۔انیس

☆ **تین آیتیں پڑھنا فرض ہے یا واجب:**

سوال: جو تین آیت قرآن شریف کی نماز میں پڑھی جاتی ہیں، یہ فرض ہیں یا کیا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

درمختار میں واجبات نماز میں شمار کیا ہے، قراءۃ فاتحہ اور ضم سورۃ کو یا تین آیت کو۔

"(وضم) أقصر (سورة) كالكوثر أوماقام مقامها ، وهوثلاث آيات قصار، الخ ، وكذا لوكانت الآية أوالآيتان تعدل ثلاثاً قصارًا،الخ. (الدرالمختارعلىٰ صدر رد المحتار،باب صفة الصلاة،مطلب واجبات الصلاة: ٤٢٧/١، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۴۱)

جس شخص کو کوئی سورت یاد نہ ہو وہ کیا کرے؟

سوال: ایک انسان کو سورتیں یاد نہیں، کافی محنت کرنے کے بعد بھی سورت اسے یاد نہیں ہوتی ہے، اور وہ کوشش میں لگا ہوا ہے، لیکن وہ نماز پڑھتا ہے، اس میں امام کے پیچھے صرف کھڑا رہتا ہے۔ رکوع اور سجدے پورے کر لیتا ہے، لیکن جب اکیلے پڑھے گا، تو اس کی کیا صورت ہوگی۔

الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مذکورہ شخص کو چاہئے کہ وہ کم از کم سورۂ فاتحہ اور کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورت یاد کرنے کی لگاتار کوشش کرتا رہے اور جس قدر بھی یاد ہو، اتنا نماز میں پڑھتا رہے، تو اس کی نماز اسی طرح درست ہو جائے گی، لیکن اگر یاد کرنے کی کوشش چھوڑ دی، تو بقدر فرض قرأت نہ ہونے کی شکل میں نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے اس کے اوپر کوشش کرتے رہنا لازم ہے۔

ولا تصح صلاته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه أو ترك جهده أو وجد قدر الفرض مما لا لثغ فيه. (الدر المختار)

وفي الشامي: وهذا مبني ... علٰى ما إذا ترك جهده، لما علمت من أنه مادام في التصحيح و لم يقدر عليه فصلاته جائزة وإن ترك جهده فصلاته فاسدة. (ردالمحتار، ط: زكريا: ۳۲۸/۲)(۱) **فقط والله تعالٰى أعلم** (دینی مسائل اوران کا حل: ۸۷)

قراءة فاتحہ کے بعد بجائے کسی اور سورة کے خود سورۂ فاتحہ کو قصداً یا سہواً ضم کرنے کا حکم:

سوال: نماز میں سورۂ فاتحہ کی قراءة کے بعد بجائے کسی اور سورة کے ضم کرنے کے خود سورۂ فاتحہ ہی کو ضم کرنا عمداً یا سہواً کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــ

قال في شرح المنية: ولو كرر الفاتحة في ركعة من الأوليين متواليًا أو قرأ القرآن في ركوعه أو في سجوده أو في موضع التشهد يجب عليه سجود السهو للزوم تأخير الواجب وهو السورة في

(۱) باب الإمامة، مطلب في الألثغ: ۵۸۲/۱، دار الفكر بيروت. انيس

والمختار للفتوىٰ من جنس هذه المسائل أن هذا الرجل إن كان يجهد آناء الليل والنهار في تصحيح هذه الحروف ولا يقدر على تصحيحها فصلاته جائزة لأنه جاهد، وإن ترك جهده فصلاته فاسدة لأنه قادر، وإن ترك جهده في بعض عمره لا يسعه أن يترك في باقي عمره ولو ترك تفسد صلاته إلا أن يكون الدهر كله في تصحيحه والله أعلم. (المحيط البرهاني، الفصل في كيفيتها: ۳۲۲/۱، دار الكتب العلمية. انيس)

سورہ فاتحہ، چھوٹی سورت یا تین چھوٹی آیتیں ہر مسلمان مرد وعورت کو زبانی حفظ کرنا ضروری اور واجب ہے۔ وحفظ فاتحة الكتاب وسورة واجب على كل مسلم. (الدر المختار على ردالمحتار، فصل في القراءة: ۵۳۸/۱، دار الفكر) انيس)

الصورة الأولٰى والقراء ة فيما لم يشرع فيه فيما بعده والتحرزعن كل ذلك واجب ولوقرأ الفاتحة ثم السورة ثم الفاتحة لايلزمه السهووقيل يلزمه،آه.(ص:٤٣٣)(۱)

وفي الدرفي واجبات الصلاة:(وتقديم الفاتحة علٰى) كل(السورة)وكذا ترك تكريرها قبل سورة الأوليين،آه.(٤٧٩/١)(۲)

وفيه أيضًا:(وحفظ فاتحة الكتاب وسورة واجب علٰى كل مسلم).(الدرالمختار)

قال الشامي:(قوله وسورة)أى أقصرسورة أومايقوم مقامها من ثلاث آيات قصار.(٥٦٤/١)(۳)

قلت: فلوكان إعادة الفاتحة بنية تنوب عن وجوب السورة لم يكن حفظ سورة ما عدا الفاتحة واجبًا.

وقال الطحطاوى في الحاشية علٰى مراقي الفلاح:ولوقرأ الفاتحة علٰى قصد الدعاء تنوب عن القراء ة،كما في الفتاوىٰ الصغرىٰ.(ص:١٤٤)(۴)

وفيه إشعاربأن النية لا أثرلها.

پس جس شخص کو فاتحہ کے علاوہ سورۃ یا آیات یاد نہ ہوں،اس کو فاتحہ کا بنیت حکم پڑھنا مکروہ ہے،اس سے واجب ادا نہ ہوگا؛ کیوں کہ ضم سورۃ علاوہ فاتحہ کے واجب ہے اور جس کو یاد نہ ہو،وہ بعد فاتحہ کے تسبیح پڑھے،تکرار فاتحہ سے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ واللہ اعلم

۱۳ رشوال ۱۳۴۶ھ۔(امداد الاحکام:۲/۱۹۳-۱۹۴)

فرض کی دو رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھنے کا حکم:

سوال: ایک شخص نے فرض نماز کی دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھی،تو نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفيق

افضل یہ ہے کہ جو سورت پہلی رکعت میں پڑھے،اس کو دوسری رکعت میں نہ دہرائے،لیکن اگر کسی نے دہرالی تو بھی نماز درست ہوجائے گی اور سجدۂ سہو کی ضرورت نہیں ہوگی۔(۵)

---

(۱) غنية المتملي شرح منية المصلي،فصل في سجود السهو:٤٦٠،مطبع سنده/وكذا في البحرالرائق،السهو عن السلام:١٠٥/٢،دارالكتاب الإسلامي/وكذا في مراقي الفلاح،فصل في واجب الصلاة:٩٤،المكتبة العصرية.انيس

(۲) الدرالمختارعلٰى صدرردالمحتار،كتاب الصلاة،مطلب واجبات الصلاة:٤٦٠/١،دارالفكر،انيس

(۳) رد المحتار،باب صفة الصلاة،فصل ويجهرالإمام،الخ، مطلب السنة تكون سنة عين وسنة كفاية:٥٣٨/١،انيس

(۴) فصل في بيان واجب الصلاة:٢٤٨،دارالكتب العلمية بيروت.انيس

(۵) لابأس أن يقرأ سورة ويعيدها في الثانية.(الدرالمختار)

==

سنن ابی داؤد کی ایک روایت یہ ہے کہ ایک صحابی نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح کی دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت یعنی زلزال پڑھتے سنا۔(۱)

اور درمختار میں ہے کہ!

’’اگر کوئی شخص ایک سورت ایک رکعت میں پڑھے، پھر اسی سورت کو دوسری رکعت میں بھی پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے‘‘۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عباس۔۶/۶/۱۳۵۷ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۱۹-۳۲۰)

قرآن پڑھنے میں ترتیب کی رعایت:

سوال: مسند احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے:

عن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوتر بتسع سور من المفصل، قال أسود: یقرأ فی الرکعۃ الأولیٰ: ’’اَلْھَاکُمُ التَّکَاثُرُ‘‘، و’’ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ‘‘، و ’’

== (قولہ لا بأس أن یقرأ سورۃ،الخ) أفاد أنہ یکرہ تنزیھًا.(ردالمحتار،قبیل باب الإمامۃ: ۲/۲۶۸)

لا بـــــأس کی تعبیر یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ خلاف اولیٰ ہے، فرائض میں تکرار بہتر نہیں، اور نوافل میں تکرار سورہ، بلا کراہت درست ہے۔(دیکھئے: غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی)

قنیہ نے جو قول کراہت کا نقل کیا ہے، شامی نے اس کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا ہے اور کلمۂ لا بأس کے بارے میں شامی نے لکھا ہے۔

(قولہ لابأس أن یقرأ سورۃ،الخ)أفاد أنہ یکرہ تنزیھًا،وعلیہ یحمل جزم القنیۃ بالکراھۃ.

بہر حال ایک سورہ کو ہر دو رکعتوں میں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ایسا ہی حدیث میں عمل نبوی سے ثابت بھی ہے، تکرار سورہ کے ممنوع یا ناپسندیدہ ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔[مجاہد]

والحاصل أن تکرار السورۃ الواحدۃ فی رکعۃ واحدۃ مکروھۃ فی الفرض ذکرہ فی فتاویٰ قاضی خان وکذا تکرارھا فی رکعتین منہ بأن قرء ھا فی الأولیٰ ثم کررھا فی الرکعۃ الثانیۃ یکرہ ذکرہ فی القنیۃ ،لکن ھذا إذا کان لغیر ضرورۃ بأن کان یقدر قراءۃ سورۃ أخری أما إذا لم یقدر فلا یکرہ...(ولا یکرہ)تکرار السورۃ فی رکعۃ أو رکعتین فی التطوع.(غنیۃ المستملی:۳۵۵)فصل فی صفۃ الصلاۃ)

(۱) عن معاذ بن عبد اللّٰہ الجھنی أن رجلاً من جھینۃ أخبرہ أنہ سمع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقرأ فی الصبح إذا زلزلت الأرض فی الرکعتین کلتیھما،فلا أدری أ نَسِیَ رسول صلی اللّٰہ علیہ و سلم أم قرأ ذلک عمدًا.(سنن أبی داؤد،باب الرجل یعید سورۃ واحدۃ فی الرکعتین: ۱/۱۱۸)/(ح:۸۱۶)/وکذا فی السنن الکبریٰ للبیھقی،باب التجوز فی القراءۃ فی صلاۃ الصبح (ح:۴۰۲۱)انیس)

(۲) لابأس أن یقرأ سورۃ ویعیدھا فی الثانیۃ.(الدرالمختار،قبیل باب الإمامۃ: ۱/۵۴۶،انیس)

إِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ''،وفی الرکعة الثانية:''وَالْعَصْرِ''و''إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ''و''إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ''،وفی الرکعة الثالثة:''قُلْ يٰأَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ'' و'' تَبَّتْ يَدَا أَبِیْ لَهَبٍ'' و''قُلْ هُوَاللّٰهُ أَحَدٌ''.(۱)

جس ترتیب سے اس میں سورتیں ذکر کی گئی ہیں،اس ترتیب سے پڑھنا درست ہے یا مقدم اورمؤخر کرنا درست ہے،اس طور پر کہ پہلی میں ۲و۳و۱،دوسری میں ۴و۶و۵ تیسری میں مواقع حدیث یا اسی طرح پڑھنا مسنون رہے گا؟

الجواب

قبل جمع قرآن ترتیب سور اختیاری تھی،یہی وجہ ہے کہ صحابہ میں اس میں اختلاف تھا،یہ خود دلیل ہے کہ کسی خاص ترتیب کی رعایت واجب نہ تھی،ورنہ صحابہ اس کو نہ چھوڑتے،اس کی ترتیب موجودہ پر صحابہ کا اجماع ہوگیا اوراجماع کا اتباع ضروری ہے،اب اس کی مخالفت نہ چاہئے اورمقرر ہے کہ عمل مرفوع کے خلاف پر اجماع ہونا علامت ہے؛اس مرفوع کی منسوخیت کی،اس لئے اب اگر یہ سورتیں پڑھیں،بہ ترتیب حال پڑھیں۔(۲)

۲۹/ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ۔(تتمہ ثانیہ:۱۰۶)(امدادالفتاویٰ:۱/۴۲۶-۴۲۷)

☆☆☆

---

(۱) مسند الإمام أحمد،مسند علی بن علی طالب رضی الله عنه (ح: ٦٧٨)/مسند البزار،ومما روی أبو إسحاق عن الحارث عن علی بن أبی طالب (ح:٨٥١)/شرح معانی الآثار،باب الوتر (ح:١٧٢٤)انیس)

(۲) قال القاضی أبوبكر بن الطيب:ترتيب السور علی ماهی عليه اليوم فی المصحف كان علی وجه الاجتهاد من الصحابة،.(فتح البيان فی مقاصدالقرآن،سورة إقرأ:١٥/٣٠٧،المكتبة العصرية بيروت)

انعقد إجماع الأمة علی أن ترتيب آيات القرآن الكريم علی هذا النمط الذی نراه اليوم بالمصاحف كان بتوقيف من النبی صلی اللّٰه عليه وسلم عن اللّٰه تعالیٰ وأنه لا مجال للرأی والاجتهاد فيه، بل كان جبريل ينزل بالآيات علی الرسول صلی اللّٰه عليه وسلم ويرشده إلی موضع كل آية من سورتها ثم يقرؤها النبی صلی اللّٰه عليه وسلم علی أصحابه.(مناهل العرفان فی علوم القرآن،ترتيب آيات القرآن:١/٣٤٦،مطبع عيسیٰ ألبابی الحلبی وشركاه.انیس)

یہ باتیں نماز کے اندر واجب ہیں:

تکبیر تحریمہ میں اللہ اکبر کہنا،فرض کی پہلی دو رکعتوں کو قرأت کے لئے مقرر کرنا،فرض نمازوں کی پہلی اور دوسری رکعتوں میں اور دوسری تمام نمازوں کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا،فرض نمازوں کی صرف پہلی اور دوسری رکعتوں میں اور واجب،سنت،نفل وغیرہ نمازوں کی تمام رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورہ ملانا،سورہ فاتحہ کو دوسری سورت سے پہلے پڑھنا،سجدہ میں پیشانی کے ساتھ ناک کا سخت حصہ ملانا،پہلے سجدہ کے بعد دوسرا سجدہ کرنا،اطمینان سے ارکان کو ادا کرنا،قومہ یعنی رکوع سے سر اٹھا کر کھڑا ہونا،جلسہ یعنی دونوں سجدے کے درمیان بیٹھنا،قعدہ اولیٰ،قعدہ اولیٰ اور قعدہ اخیرہ دونوں میں تشہد پڑھنا،دائیں بائیں دونوں جانب سلام پھیرنا،دعائے قنوت پڑھنا،عیدین کی تکبیریں،امام کو فجر کی دونوں رکعتوں میں اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعتوں میں چاہے تو نمازیں ادا ہوں یا قضا اور جمعہ،عیدین،تراویح اور وتر میں بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہے، ظہر وعصر کی کل رکعتوں میں اور عشاء ومغرب کی تیسری، چوتھی رکعتوں میں اور دن کی نفل نمازوں میں آہستہ پڑھنا واجب

قرأت میں جہراور سر کے مسائل

جہری اور سری قرأت کی حکمت:

سوال: عیدین، جمعہ، مغرب، عشاء اور فجر میں امام صاحب زور سے قرأت کرتے ہیں اور ظہر وعصر میں ایسا نہیں ہوتا، کیا اس میں کوئی خاص بات مضمر ہے؟ (سید عبدالعزیز، محمد مقبول، محمد سلیم، گولکنڈہ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اصل یہ ہے کہ شریعت میں جس بات کا حکم دیا گیا ہے، اس کو بے چون و چرا اور مصلحت وحکمت جانے بغیر ہی ہر مسلمان کو قبول کرنا چاہئے، خاص کر جو احکام عبادات سے متعلق ہیں، ان میں عقل وقیاس کو کوئی دخل نہیں؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کا کوئی حکم حکمت سے خالی ہو، شریعت کا ہر حکم عقل و دانش پر مبنی ہے؛ لیکن جیسے ہماری نگاہ اور ہماری سماعت کا دائرہ محدود ہے، ہم قریب ہی کی آواز سن سکتے ہیں اور فرلانگ اور دو فرلانگ کی دوری ہی کو دیکھ سکتے ہیں، اسی طرح ہماری عقل بھی کوتاہ اور محدود ہے اور وہ مصالح غیبی کو سمجھنے سے عاجز ہے، اس لئے شریعت کی کوئی بات خلاف عقل تو نہیں، لیکن بہت سی باتیں عقل سے ماوراء ضرور ہیں، پس ایسے مسائل میں بے فائدہ تجسس سے اجتناب ہی بہتر ہے۔(۱)

ویسے بہ ظاہر یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ دن کا وقت شور وشغب کا ہوتا ہے اور اس میں ذہنی یکسوئی بھی نہیں ہوتی، اس لئے ظہر وعصر کی نماز میں تلاوت آہستہ رکھی گئی، رات کا وقت سکوت وسناٹے اور ذہنی وقلبی یکسوئی اور فراغ کا ہوتا ہے، اس لئے اس وقت بلند آواز میں تلاوت کا حکم دیا گیا اور فجر کا وقت جو سب سے زیادہ قلبی نشاط کا ہے، اس میں تلاوت بھی طویل رکھی گئی، جن نمازوں میں بڑا اجتماع ہوتا ہے، یعنی عیدین، جمعہ وغیرہ، ان میں خصوصی طور پر دعوتی نقطۂ نظر سے قرأت کا حکم دیا گیا اور شاید اس لئے بھی کہ بڑے مجمع کو پُرسکون رکھنے اور لوگوں کے خاطر کو جمع رکھنے کی غرض سے بلند آواز ہی مناسب تھی۔(۲) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۹۱-۱۹۲) ☆

---

(۱) الفعل الخالی عن الحکمة عبث والعبث لایلیق بالحکیم. (المحصول للرازی، المسئلة الخامس الدلیل العقلی: ۱۰۴/۶، مؤسسة الرسالة. انیس)

(۲) الجواب الأقرب واللّٰہ أعلم: أن الحکمة فی ذلک أن النھار محل العمل ومحل الأخذ والعطاء ==

منفرد نماز میں قرأت جہری کرے یا سری:

سوال: اگر کوئی شخص کسی وجہ سے مسجد میں نہ جاوے؛ گھر میں نماز پڑھے، تو اس کو آواز سے نماز پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

== والإجتماع فالسر أجمع للقلب، إذا قرأ سراً أجمع لقلبه وأخشع لقلبه حتى يتدبر والليل محل الخلوة في البيت مع الأهل ومحل خلوة بالله عزوجل إذا جهر كان أنشط له وأقرب إلى انتفاعه بالقراءة وأبعد عن النوم فهو في الليل يقرأ جهرة ليتدبر كتاب الله ولينشط في قراءته ويجمع قلبه على ذلك لأن ماحوله هادىء فليس عنده مشاغل فيرفع صوته حتى يجمع قلبه ويقرأ كلام الله ويتدبره عن صوت مرفوع رفعاً لا يشق عليه ولا يؤذي من حوله إذا كان حوله نوام أو مصلون أو قراء لا يرفع رفعاً يؤذيهم ويشق عليهم لكن رفعاً خفيفاً أما إذا كان أحد فيكون رفعه وسطاً يطرد الشيطان ويعين نفسه على النشاط والتدبر ... لكن يغلب على الظن والله أعلم أن هذه الأوقات يكون فيها الاستماع متيسراً والفهم في المغرب والعشاء والفجر فينتفع المأمومون بالقراءة بخلاف الظهر والعصر فإنها أوقات مشاغل بحاجات الدنياوقد لايكون عندهم من الاستماع والإنصات والفهم ما عندهم في المغرب والعشاء والفجر فمن حكمة الله أن جعل القراءة سرية حتى يتأمل هذا ويتأمل هذا، الإمام يقرأ ويتأمل، والمأموم كذلك، بخلاف المغرب والعشاء فإن مجيء الليل وأول النهار وقت الراحة ووقت الهدوء فالأقرب والله أعلم أن يتيسر لهم من الاستماع و الإنصات و الاستفادة ما لا يتيسر لهم في الصلاتين النهاريتين : الظهر والعصر، والحكمة في هذا لله سبحانه هو أحكم وأعلم جل وعلا هو الحكيم العليم سبحانه وتعالٰى في ذلك.

لكن الأقرب والله أعلم أن هذا هو السر في الجهر في المغرب والعشاء في الأولٰى والثانية والجهر في الفجر والجهر في الجمعة لأنه صلاة يجتمع فيها الناس من كل مكان، من الحكمة أن يجهر فيها بالقراءة حتى يستمعوا ويستفيدوا وهكذا في صلاة العيد وصلاة الاستسقاء لأنها صلوات يحصل فيها الاجتماع والكثرة فمن رحمة الله أن شرع فيها الجهر. (فتاویٰ نورعلى الدرب لابن بازبعناية الدكتور محمدبن عسر الشويعر، بيان الحكمة من أن صلوات الليل جهرية: ۸/۲۲۱-۲۲۲. انیس)

☆ سری وجہری قراءت کی مصلحت:

سوال: ظہر، عصر کی نماز بالسر کیوں پڑھی جاتی ہیں اور مغرب وعشا اور فجر کی نمازیں بالجہر کیوں پڑھی جاتی ہیں؟

هو المصوب

سر اور جہر کا اصلاً تو یہی حکم ہے، ہم اس کے مکلّف ہیں، عام مصلحت یہ ہے کہ رات کے وقت شور ہنگامہ ختم ہو جاتا ہے اور سکون ہو جاتا ہے، تو بلند آواز سے پڑھنا زیادہ موزوں ہے، دن میں شور و ہنگامہ رہتا ہے، آوازیں بلند ہوتی رہتی ہیں تو اس وقت سراً پڑھنا زیادہ موزوں رہتا ہے۔ (و السر في مخافة الظهروالعصرأن النهارمظنة الصخب واللغط في الأسواق والدوروأما غيرهما فوقت هدوء الأصوات والجهرأقرب إلٰى تذكرالقوم واتعاظهم. (حجة الله البالغة: ۲/۱۵)

تحریر: محمد ظہور ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۲/۶۶)

الجواب

منفرد کے لئے نماز جہری میں جیسے مغرب وعشا وصبح میں جہر افضل ہے، پس صورت مسئولہ میں آواز سے پڑھنا درست ہے، بلکہ افضل ہے۔(۱) البتہ ترک جماعت بلا عذر شرعی گناہ ہے۔(۲)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۵۸-۲۵۹)☆

نماز کی تکبیرات میں منفرد کے لئے جہر کا حکم:

سوال: مسئلہ بہشتی گوہر (جدید) ص ۳۶، فجر، مغرب، عشاء کے وقت پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور دوسری سورۃ اور ”سمع اللّٰہ لمن حمدہ“ اور سب تکبیریں امام بلند آواز سے کہے، اور منفرد کو قرأت میں تو اختیار ہے، مگر ”سمع اللّٰہ لمن حمدہ“ اور تکبیریں آہستہ کہے، اور ظہر کے وقت امام صرف ”سمع اللّٰہ لمن حمدہ“ اور سب تکبیریں بلند آواز سے کہے اور منفرد آہستہ اور مقتدی ہر وقت تکبیریں وغیرہ آہستہ کہے۔(شامی:۱/۴۹۵)

اس مسئلہ میں منفرد کو قرأت میں سر اور جہر کرنے کا اختیار دیا گیا ہے، تین وقتوں میں (یعنی فجر، مغرب، عشاء) مگر سمع اللّٰہ لمن حمدہ اور سب تکبیریں آہستہ کہنے کو لکھا ہے، شبہ یہ ہے کہ پرانے بہشتی گوہر میں تکبیر وغیرہ کا اختیار مطلقاً لکھا ہے خواہ آہستہ کہے یا جہراً کہے، اور چونکہ اس مسئلہ کے الفاظ تغیر وتبدّل کیا گیا، مگر حاشیہ میں کچھ نہیں لکھا کہ

(۱) وإن كان منفردًا فهو مخير إن شاء جهر وأسمع نفسه لأنه إمام في حق نفسه وإن شاء خافت لأنه ليس خلفه من يسمعه والأفضل هو الجهر ليكون الأداء علىٰ هيئة الجماعة.(الهداية، فصل في القراءة:۱/۱۰۵)

(۲) (والجماعة سنة مؤكدة للرجال)قال الزاهدي:أرادوا بالتأكيد الوجوب.(الدر المختار)

قال في النهر:إلا أن هذا يقتضي الاتفاق علىٰ أن تركها مرة بلاعذر يوجب إثمًا،الخ.(رد المحتار، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد،ظفير)(النهر الفائق،باب الإمامة والحدث في الصلاة:۱/۲۳۸.انيس)

☆ منفرد کی نماز میں قراءت واقامت:

سوال: تنہا آدمی مسجد یا مکان یا میدان میں نماز فرض پڑھتا ہے، تو با قراءت وباتکبیر پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

الجواب

جہری نمازوں میں اس حالت میں قراءت بالجہر پڑھنا اچھا ہے اور جہر باتکبیر بھی درست ہے، مگر زیادہ جہر نہ کرے، کسی قدر جہر میں کچھ حرج نہیں ہے۔(”(ويخير المنفرد في الجهر)وهو أفضل ويكتفي بأدناه(إن أدّى)وفي السرية يخافت حتمًا على المذهب“.(الدر المختار)

(قوله وهو أفضل) ليكون الأداء علىٰ هيئة الجماعة ولهٰذا كان أداء ه بأذان وإقامةٍ أفضل.وروى في الخبر:”أن من صلّى علىٰ هيئة الجماعة صلت بصلاته صفوف من الملائكة“.(رد المحتار،باب صفة الصلاة،فصل في القراءة:۱/۴۹۸،ظفير) فقط(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۴۸)

فلاں عبارت بڑھائی گئی ہے، جیسا کہ شروع میں ہدایت کی گئی ہے کہ جوعبارت جدید بڑھائی جاوے گی اس کو حاشیہ میں تحریر کر کے بتلا دیا جاوے گا کہ فلاں عبارت بڑھائی ہے، اس لئے تحقیق طلب ہے۔ فقط

الجواب

ہاں اس مسئلہ میں بہشتی گوہر سابق سے کچھ عبارت بدلی ہوئی ہے اوراس کی اطلاع حاشیہ میں اس لئے نہیں دی گئی کہ اس اطلاع کا التزام صرف بہشتی زیور میں کیا گیا ہے، بہشتی گوہر میں اس کا التزام نہیں کیا گیا، ملاحظہ ہو! دیباچہ جدید بہشتی گوہر حصہ:۴، ص:۴۳۔

بہشتی گوہر قدیم میں صرف اتنی عبارت تھی کہ منفرد کو اختیار ہے، جس سے جہر تکبیر و تسمیع و تحمید میں بھی اختیار کا ایہام ہوتا تھا، حالانکہ منفرد کو صرف جہرِ قرأت کا اختیار ہے، تکبیرات و تسمیع وغیرہ کا جہر اس کے لئے مشروع نہیں۔ اس لئے اس مرتبہ عبارت میں ترمیم کردی گئی اور دلیل اس ترمیم کی درمختار مع الشامی بیان سنن الصلوٰۃ ص: ۴۹۵، ج:۱، مطبوعہ ۱۲۹۴ھ میں مذکور ہے۔

ونصه: (وجهر الإمام بالتكبير) بقدر حاجته للإعلام بالدخول والانتقال وكذا بالتسميع والسلام وأما المؤتم والمنفرد فيسمع نفسه. (۱)

اس میں صراحۃً جہر تکبیرات و تسمیع وسلام کو امام کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور منفرد کو اس بارے میں مقتدی کی طرح اخفاء کا حکم کیا گیا ہے اور فصل قراءۃ میں جو کہا گیا ہے:

(ويخير المنفرد فى الجهر) وهو أفضل ويكتفى بأدناه (إن أدى)، الخ. (۲)

وہاں صرف جہر بالقرأت میں تخییر مراد ہے، جیسا کہ سیاق سے ظاہر ہے۔ فافہم

یکم محرم الحرام ۱۳۴۶ھ۔ (امداد الاحکام:۲/۱۹۲-۱۹۳)

جماعت کی نماز ہوجانے کے بعد آنے والا سری قرأت کرے گا یا جہری:

سوال: فرض باجماعت ختم ہوجانے کے بعد آنے والا شخص اس نماز کو کس طرح ادا کرے گا، جہر کے ساتھ یا سر کے ساتھ؟

---

(۱) الدرالمختار علىٰ صدر ردالمحتار، باب صفة الصلاة، مطلب فى التبليغ خلف الإمام: ۴۷۵/۱، دارالفكر، انيس ... وأن المنفرد ليس بمخير فى الصلاة السرية بل يجب الإخفاء عليه، وهو الصحيح. (البحرالرائق، آداب الصلاة: ۳۵۵/۱، دارالكتب الإسلامى. انيس)

(۲) الدرالمختار علىٰ صدر ردالمحتار، باب صفة الصلاة، فصل فى القراءة: ۵۳۳/۱، دارالفكر. انيس

الجواب ــــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

اگر نماز جہری ہو، یعنی مغرب، عشا اور فجر تو آہستہ سے پڑھنا اور آواز کے ساتھ پڑھنا دونوں جائز ہے؛ لیکن آواز کے ساتھ پڑھنا افضل ہے؛ مگر اتنی بلند آواز سے نہ پڑھے کہ دوسروں کی نماز میں خلل ہو۔(۱)

(فتاویٰ قاضی مجاہد الاسلام قاسمی: ۶۷)

تنہا جہری نماز پڑھنے والا قرأت آہستہ کرے یا بلند آواز سے:

سوال(۱) جہری نماز کی جماعت ہو چکی بعد میں آنے والا شخص جہر کرے یا سر؟

قضا نماز بلند آواز سے پڑھی جائے یا آہستہ:

(۲) جہری نماز کی قضا دن میں کرے تو قرأت بلند آواز سے کرے یا آہستہ؟ اسی طرح دن کی سری نماز کی قضا رات میں کرے، تو قرأت بلند آواز سے ہوگی یا آہستہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــ و باللّٰہ التوفیق

(۱) جو شخص جماعت چھوٹ جانے کی وجہ سے اپنی نماز تنہا پڑھے اور نماز جہری قرأت والی ہو تو اس شخص کو (خواہ وقت کے اندر پڑھے یا دن میں قضا کرے) بہر صورت اختیار ہے، چاہے تو قرأت جہری کرے یا سری، لیکن افضل یہ ہے کہ شخص مذکور قرأت جہری ہی کرے؛ تاکہ ادا نماز بہ شکل جماعت ہو۔

”وإن كان منفردًا فهو مخير إن شاء جهر وأسمع نفسه لأنه إمام فى حق نفسه وإن شاء خافت لأنه ليس خلفه من يسمعه والأفضل هو الجهر ليكون الأداء علىٰ هيئة الجماعة“. (الهداية: ۱/۱۱۵)(۲)

اگر جہری نماز جماعت کے ساتھ قضا کی جائے خواہ رات میں ہو یا دن میں تو قرأت جہری ہوگی، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں فجر کی نماز سورج طلوع ہونے کے بعد جہراً ادا کی تھی، (۳) اور اگر سری نماز رات میں بھی ادا کی جائے تو قرأت سری ہی ہوگی، خواہ جماعت کے ساتھ ادا کی جائے یا تنہا۔

(۱) یعنی قرآن کی قراءت جہری نماز میں جہر کے ساتھ اور سری میں آہستہ کرے۔ انیس

”وإن كان منفردًا فهو مخير إن شاء جهر وأسمع نفسه لإنه إمام فى حق نفسه وإن شاء خافت لأنه ليس خلفه من يسمعه والأفضل هو الجهر ليكون الأداء علىٰ هيئة الجماعة“. (الهداية، فصل فى القراء ة: ۱/۳۴۷-۳۴۸، طبع پاكستان)

(۲) **الهداية شرح بداية المبتدى، كتاب الصلاة، باب القراء ة: ۱/۵۴، دارإحياء الثرات الإسلامى بيروت/وكذا فى منحة السلوك شرح تحفة الملوك، فصل فى القراء ة: ۱/۱۰۲، وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية قطر. انيس**

(۳) **عن أبى هريرة قال: لما قفل رسول الله صلى الله عليه وسلم فنام، فلم يستيقظ أحد منهم** ==

''ومتی قضی الفوائت إن قضاها بجماعة فإن کانت صلاة یجهر فیها یجهر فیها الإمام بالقراءة وإن قضاها وحده یتخیر بین الجهر والمخافتة والجهر أفضل کما فی الوقت ویخافت فیما یخافت فیه حتمًا''. (الفتاوی الهندیة : ۱۲۱/۱)(۱)**فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم**

محمد جنید عالم ندوی قاسمی ـ ۱۴۱۵/۴/۴ھ ـ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۹۸) ☆

نوافل میں جہر کا حکم جبکہ انھیں سراً شروع کیا ہو:

سوال: جس شخص نے نماز نفل آہستہ پڑھنی شروع کی پھر زور سے پڑھنے کو جی چاہتا ہے تو درمیان نماز سے زور سے پڑھنا درست ہوگا یا نہیں ۔ والسلام

== وکان أولهم استیقاظاً النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال:أی بلال،فقال بلال:بأبی أنت یارسول اللّٰہ أخذ بنفسی الذی أخذ بنفسک، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: اقتادوا ،ثم أناخ فتوضأ فأقام الصلاة ثم صلی مثل صلاته للوقت فی تمکث ثم قال:﴿اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِیْ﴾.(طٰه: ۱۴).(سنن الترمذی،کتاب التفاسیر،باب ومن سورة طٰه، (ح:۳۱۶۳)وقال الترمذی: هذا حدیث غیرمحفوظ،رواه غیرواحد من الحفاظ عن الزهری عن سعید بن المسیب عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ولم یذکروا فیه عن أبی هریرة،وصالح بن الأخضر یضعف فی الحدیث ضعفه سعیدبن القطان وغیره من قبل حفظه)

قال الألبانی:أخرجه مسلم وأبوداؤد،وعنه أبوعوانة وکذا البیهقی وابن ماجة والسراج فی مسنده من طرق عن ابن شهاب عن سعیدبن المسیب عنه ورواه مالک عن ابن شهاب عن سعید مرسلاً والصواب الموصول لاتفاق جماعة من الثقات علیه وهم یونس ومعمر وشعبان وتابعهم صالح بن الأخضر عند الترمذی وللنسائی منه الجملة الأخیرة من طریق یونس وابن اسحاق ومعمروله طریق أخری عن أبی هریرة بلفظ : من نسی صلاة فوقتها إذا ذکرها، قال اللّٰہ عزوجل:﴿اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِیْ﴾.(طٰه: ۱۴)(إرواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل،حدیث:من نام عن صلاة أونسیها:۲۹۲/۱ ،المکتبة الإسلامی بیروت.انیس)

(۱) الباب الحادی عشر فی قضاء الفوائت،دارالفکر.انیس

☆ **جہری نماز کی قضا دن میں باجماعت کی جائے تو جہر واجب ہے:**

سوال: اگر کسی جماعت کی جہری نماز قضا ہوگئی، اب وہ دن میں اس نماز کوادا کرنا چاہتے ہیں، تو امام قراءت بالجہر کرے گا، یا بالسر؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

مسئولہ صورت میں امام پر جہر واجب ہے۔

قال فی التنویر:ویجهر الإمام فی الفجروأولیی العشائین أداءً وقضاءً وجمعة وعیدین و تراویح ووتربعدها.(رد المحتار: ۴۹۷/۱)(التنویرمتن الدرالمختارعلیٰ صدرردالمحتار،باب صفة الصلاة،فصل ویجهرالإمام ،الخ: ۵۳۲/۱،دارالفکر،انیس) فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم

غرۂ رجب ۱۳۹۷ھ ـ (احسن الفتاویٰ:۳/۸۰)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر نفلیں دن میں پڑھ رہا ہے تو جہر نہ کرے اور اگر رات میں پڑھ رہا ہے تو جہر جائز ہے؛ خواہ ابتدا سے جہر کر رہا ہو، یا وسط میں شروع کردے، ہر طرح اجازت ہے۔

قال فی مراقی الفلاح: والمنفرد بفرض مخیر فیما یجهر الإمام فیه کمتنفل باللیل فإنه مخیر و یکتفی بأدنی الجهر آه والجهر أفضل مالم یؤذ نائمًا ونحوه کمریض ومن ینظر فی العلم.(۱)

اوراس کا قیاس اس صورت پر صحیح نہیں کہ نفل کو قیام کے ساتھ شروع کرنے سے پھر قعود جائز نہیں رہتا؛ کیونکہ وہاں قیام رکن صلوٰۃ ہے اور قعود سے اقویٰ ہے اور قعود قائم مقام قیام کے رخصۃً ہے نوافل میں اور یہاں نوافل لیل میں سر یا جہر کوئی واجب نہیں، بلکہ دونوں مخیّر فیہ اور مساوی ہیں اور نہ سر اقویٰ ہے؛ جہر سے، بلکہ بعض دلائل سے نوافل لیل میں جہر کی افضلیت معلوم ہوتی ہے، لہٰذا انتقال من الاقویٰ الی الادنیٰ نہ ہوگا؛ بلکہ انتقال مساوی سے مساوی کی طرف یا غیر افضل سے افضل کی طرف ہوگا، پس صحت میں کیا شبہ ہے اور ہدایہ وغیرہ میں جو یہ جزئیہ ہے۔

"(لوترک سورة أولیی العشاء) ... (قرأها وجوبًا) ... (مع الفاتحة جهرًا فی الأخریین)لأن الجمع بین جهر ومخافة فی رکعة شنیع.(۲)

یہ جزئیہ جماعت وامام کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ جہر اسی پر واجب ہے؛ نہ منفرد پر، خصوصاً منفرد فی النوافل پر تو جہر واجب ہے ہی نہیں۔

وصرح فی الهدایة فی باب سجود السهو أن الجهر والمخافة من خصائص الجماعة.(۳)

پس جماعت میں "**جمع بین الجهر والسر فی رکعة**"، مکروہ ہے، نہ انفراد میں۔ واللہ اعلم

۱۸/ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ۔ (امداد الاحکام:۲/۱۸۲-۱۸۳)

---

(۱) مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح،فصل فی واجب الصلاة:۹۵،المکتبة العصریة.انیس

(۲) الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار،باب صفة الصلاة،فصل ویجهر الإمام قبل باب الإمامة:۱/۵۳۵-۵۳۶،انیس

... لأن الجمع بین الجهر والمخافتة فی رکعة واحدة غیر مشروع،الخ.(بدائع الصنائع،کتاب الصلاة،فصل بیان محل سجود السهو:۱/۱۷۲،دارالکتب العلمیة.انیس)

(۳) الهدایة،باب سجود السهو:۱/۷٤،دارإحیاء التراث الإسلامی بیروت.انیس

قال:وأکره أن یصلی القوم التطوع جماعة إلا فی قیام رمضان خاصة لأن رسول الله صلی الله علیه وسلم لم یؤد التطوعات بالجماعة مع حرصه علی أداء الصلاة بالجماعة ولأنه لایؤذن ولایقام ولأن الإخفاء فی التطوعات سنة.(النکت للسرخسی،باب من صلاة التطوع أن تستقیم بإمام واحد:۱/۱٦۹،عالم الکتاب بیروت)

وقد أفاد أن المتنفل بالنهار یجب علیه الإخفاء مطلقاً والمتنفل باللیل مخیر بین الجهر والإخفاء إن کان منفرداً،أما إن کان إماماً فالجهر واجب کماذکره الشارح،الخ.(البحرالرائق،آداب الصلاة:۱/۳۵۵.انیس)

جہری نماز میں امام کو جہر کرنے کا حکم:

سوال: ایک شخص عشا کی فرض نماز تنہا پڑھ رہا تھا دوسرے شخص نے آکر اس کی اقتدا کر لی، امام نے نماز میں جہر نہیں کیا، تو نماز ہوئی یا نہیں؟ کیا امام کو جہری نماز میں جہر کرنا ضروری ہے؟

الجواب

امام نے اگر امامت کی نیت کر لی، تو جہر کرنا ضروری تھا، لیکن اگر امامت کی نیت نہیں کی، تو جہر ضروری نہیں، لہذا نماز ہوگئی، امام کو جہری نماز میں جہر کرنا واجب اور ضروری ہے۔

ملاحظہ ہو! درمختار میں ہے:

(ويجهر الإمام)وجوبًا بحسب الجماعة،فإن زاد عليه أساء،ولوائتم به بعد الفاتحة أوبعضها سرًا أعادها جهرًا،بحر،لكن فى آخرشرح المنية:ائتم به بعد الفاتحة،يجهربالسورة إن قصد الإمامة وإلا فلايلزمه الجهر. (الدرالمختار)

وفى الشامية:(قوله إن قصد الإمامة الخ)عزاه فى القنية إلىٰ فتاوىٰ الكرمانى،ووجهه أن الإمام منفرد فى حق نفسه،ولذا لايحنث فى لايؤم أحدًا مالم ينوالإمامة،ولايحصل ثواب الجماعة إلا بالنية. (۱)

طحطاوی میں ہے:

ويجب جهرالإمام الواجب منه أدناه وهوأن يسمع غيره،ولوواحدًا وإلا كان إسرارًا . (۲)

امدادالفتاح میں ہے:

ويجب جهرالإمام بقراءة ركعتى الفجروقراءة أوليى العشائين للمواظبة عليه. (۳)

بہشتی گوہر میں ہے:

اگر کوئی شخص تنہا فجر یا مغرب یا عشا کا فرض آہستہ آواز سے پڑھ رہا ہو، اسی اثنا میں کوئی شخص اس کی اقتدا کرے، تو اس میں دو صورتیں ہیں:

(۱) ایک یہ کہ یہ شخص دل میں قصد کرے کہ میں اب امام بنتا ہوں؛ تاکہ نماز جماعت سے ہو جاوے۔

(۲) دوسری صورت یہ کہ قصد نہ کرے، بلکہ بدستور اپنے کو یہی سمجھے کہ گو یہ میرے پیچھے آکھڑا ہوا؛ لیکن میں امام

---

(۱) ردالمحتار،باب صفة الصلاة،فصل ويجهرالإمام،الخ: ۵۳۲/۱،فصل فى القراءة، سعيد

(۲) الطحطاوى علىٰ مراقى الفلاح: ۲۵۲،فصل فى بيان واجبات الصلاة، قديمى

(۳) إمداد الفتاح : ۲۷۸، فصل فى واجبات الصلاة

نہیں بنتا، بلکہ بدستور تنہا پڑھتا ہوں، پس پہلی صورت میں تو اس پر اسی جگہ سے بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہے، پس اگر سورۂ فاتحہ یا کسی قدر دوسری سورت بھی آہستہ آواز سے پڑھ چکا ہو، تو اس کو چاہئے کہ اسی جگہ سے بقیہ کو بلند آواز سے پڑھے، اس لئے کہ امام کو فجر و مغرب وعشا کے وقت بلند آواز سے قرأت کرنا واجب ہے، دوسری صورت میں بلند آواز سے قرأت کرنا واجب نہیں ہے اور اس مقتدی کی نماز بھی درست رہے گی؛ کیونکہ صحت صلوۃ مقتدی کے لئے امام کا نیت امامت کرنا ضروری نہیں۔ (اصلی بہشتی گوہر، گیارواں حصہ:۵۸، مقتدی اور امام کے متعلق مسائل، مسئلہ:۲۰، المدنیہ لاہور) واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۲/۲۶۸-۲۶۹)

امام کے لئے جہر بالتکبیر سنت ہے، واجب نہیں:

سوال: اگر امام کے سہو نے تکبیرات انتقالات میں کسی تکبیر کو جہر سے نہ کہا؛ خفیۃً کہا، اس سے سجدۂ سہو لازم آوے گا یا نہیں؟

الجواب

نہیں؛ کیونکہ امام کو جہر کرنا تکبیرات کا سنت ہے۔

كذا في الدر المختار في سنن الصلاة، حيث قال: و جهر الإمام بالتكبير.(۱) فقط

۱۶/ شعبان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ، صفحہ:۳۸) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۰۶)

(۱) تنوير الأبصار على صدر رد المحتار، باب صفة الصلاة، سنن الصلاة، مطلب في التبليغ خلف الإمام: ۱/۴۷۵، انيس

☆ تعلیم وتربیت کے لئے بچہ کا جہراً ظہر ادا کرنا:

سوال: ایک طالب علم امامت کے فرائض انجام دے اور ظہر کی نماز بآواز بلند پڑھے؛ تا کہ دوسرے بچے جو اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں، ان کو معلوم ہو جائے کہ کس رکن میں کیا پڑھنا ہے، تو کیا اس طرح نماز پڑھانا جائز ہے؟

(سید غازی الدین خان، ملک پیٹ)

الجواب

اگر یہ نابالغ بچے ہوں اور امامت کرنے والا بچہ بھی نابالغ ہو تو از راہ تربیت نماز ظہر اور آہستہ پڑھے جانے والے اذکار کو زور سے پڑھنے کی گنجائش ہے؛ کیونکہ نابالغ احکام شرعیہ کے مکلّف نہیں ہیں اور ان بچوں کے حق میں یہ نمازیں بھی نفل کے درجہ میں ہیں اور نفل نمازوں میں بہ مقابلہ فرض نمازوں کے احکام کے اعتبار سے زیادہ وسعت ہے، ---سلف صالحین سے بھی تعلیم وتربیت کے مقصد سے گاہے گاہے آہستہ پڑھے جانے والے اذکار کو زور سے پڑھنا ثابت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک بار انہوں نے ''ثناء'' کو جہر کے ساتھ پڑھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک موقعہ پر ''تعوذ'' کو زور سے پڑھنا منقول ہے۔ (دیکھئے: زاد المعاد:۱/۲۷۵-محشی) (ولكن صح عن عمر بن الخطاب رضى الله عنه أنه كان يستفتح به في ==

قرأت وتکبیر میں جہر کی مقدار:

سوال: نماز پڑھانے میں امام کا قرأت کرنا اور بعض تکبیرات کو اس طرح جہر سے بولنا کہ مسجد سے باہر سڑک تک سنائی دے اور بعض تکبیرات کو اس طرح بولنا کہ دوسری تیسری صف والے بھی نہ سنیں۔ مثلاً تکبیر رکوع آہستہ آواز سے اور تکبیر قومہ بہت زور سے اور تکبیر سجود آہستہ اور تکبیر جلسہ پکار کے۔ ایسا کرنا سنت ہے یا بدعت یا کیا ہے؟ کیا اسی طرح سے کوئی تکبیر اونچی اور کوئی نیچی قرون ثلٰثہ سے ثابت ہے یا اختراعی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

امام کو قرأت اور تکبیرات کے جہر میں طریق اوسط کو اختیار کرنا چاہئے اور قدر حاجت کے موافق جہر کرنا چاہئے اور یہ فرق اور تفاوت مابین التکبیرات کے کہ بعض کو جہر مفرط سے ادا کرنا اور بعض میں قدر حاجت سے بھی کم کر دینا مذموم اور بے اصل ہے، شریعت میں اس کی کچھ اصل نہیں۔ (۱)

صرف سلام میں فقہا نے یہ لکھا ہے کہ دوسرے سلام کو پہلے سلام سے کچھ پست آواز سے کہے۔

کمافی الدر المختار: وسنّ جعل الثانی أخفض من الأول.(۲)

پس ماسوا، اس کے اور کسی جگہ جہر میں تفاوت درجات نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم:۲/۱۷۹-۱۸۰)☆

== مقام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ویجھربہ ویعلمہ الناس.(زادالمعاد فی ہدی خیرالأنام،فصل فی ہدیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی الصلاۃ: ۱/۱۹۸، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)/وإنما یتعوذ المصلی فی نفسہ إماماً کان أو منفرداً لأن الجھر بالتعوذ لم ینقل عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولوکان یجھر لنقل نقلاً مستفیضاً والذی روی عن عمر رضی اللّٰہ عنہ أنہ جھر بالتعوذ تأویلہ أنہ کان وقع إتفاقاً لا قصداً أو قصد تعلیم السامعین أن المصلی ینبغی أن یتعوذ کما نقل عنہ الجھر بثناء الإفتتاح.(المبسوط للسرخسی،کیفیۃ الدخول فی الصلاۃ: ۱/۱۳،دارالمعرفۃ بیروت.انیس)

آپ نے بعض دفعہ ’’آمین‘‘ زور سے کہی ہے، اس کے بارے میں حدیث کے راوی حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں:

’’ما أراہ إلا لیعلمنا‘‘.(التعلیق الحسن علیٰ اٰثار السنن : ۱/۱۸۷، حدیث نمبر : ۳۷۷ ، ط: گجرانوالہ)

میرے خیال میں حضور کا یہ عمل تعلیم کی غرض سے تھا۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۱۲۳-۱۲۴)

(۱) ’’(ویجھرالإمام)وجوباً بحسب الجماعۃ،فإن زاد علیہ أساء‘‘.(الدرالمختار)

وفی الزاھدی عن أبی جعفر: لوزاد علی الحاجۃ فھوأفضل،إلا إذا أجھد نفسہ أوآذی غیرہ،قھستانی.(رد المحتار،باب صفۃ الصلاۃ،فصل فی القراءۃ: ۱/۴۹۷)

(وجھرالإمام بالتکبیر) بقدرحاجتہ للإعلام بالدخول والانتقال، وکذا بالتسمیع والسلام،وأما المؤتم والمنفرد فیسمع نفسہ.(الدرالمختار)

(قولہ بقدرحاجتہ للإعلام،الخ):وإن زادکرہ،ط.قلت:ھذا إذا لم یفحش،الخ ، ... والزائد علیٰ قدرالحاجۃ کما ھومکروہ للإمام یکرہ للمبلغ.(ردالمحتار،باب صفۃ الصلاۃ،سنن الصلاۃ،مطلب فی التبلیغ خلف الإمام: ۱/۴۴۳،ظفیر)

(۲) تنویرالأبصارمتن الدر المحتارعلی صدر ردالمحتار،باب صفۃ الصلاۃ،فصل کیفیۃ الصلاۃ،مطلب فی وقت إدراک فضیلۃ الافتتاح: ۱/۴۹۱،ظفیر ==

سری قرأت کا ادنی درجہ:

سوال: نماز میں قرأت کو قاری نہ سنے تو نماز نہیں ہوتی، بہشتی زیور میں لکھا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ اکثر نمازی اپنے پڑھنے کو بوجہ شور وغل کے نہیں سن سکتا یا بہرا ہے؛ کیونکہ ہر چیز کے دو درجے ہیں، ایک اعلیٰ اور ایک ادنیٰ، مثلاً جہر کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ قاری کی قرأت کو دور کے لوگ بھی سن لیں، اور ادنیٰ یہ کہ قریب جو کھڑا ہے وہ سن سکے، اور سری قراءۃ کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ قاری کی قرأت قاری ہی سنے اور دوسرا نہ سنے اگر چہ برابر کھڑا ہوا اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ قاری کی زبان اور حلق کو حرکت ہو اور قاری خود نہ سنے مگر قلبی دھیان رہے کہ میں پڑھ رہا ہوں، چونکہ حنفیہ کرام کے یہاں جن نمازوں میں جہر نہیں ہے بہت آہستہ پڑھنا اولیٰ ہے وہ کونسا درجہ ہے ادنیٰ یا اعلیٰ اور اس طرح سے نمازی کے حلق اور زبان کو حرکت ہو اور کان نہ سنے تو نماز ہو جاوے گی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

فی الدر المختار، فصل فی القراءۃ: "(و) أدنی (الجهر إسماع غيره، و) أدنی (المخافتة إسماع نفسه)". (۱)

اور ردالمحتار میں اس قول کو ہندوانی کی طرف منسوب کر کے اصح وارجح کہا ہے اور چونکہ اس میں احتیاط تھی، لہذا بہشتی زیور کے مؤلف نے اس کو اختیار کیا اور ایک قول کرخی کا ہے، صرف تصحیح حروف کافی ہے، گو خود بھی نہ سنے اور بعض نے اس کی بھی تصحیح کی ہے۔ (کذا فی ردالمحتار) (۲)

☆ قرأت میں آواز کی مقدار:

سوال: بہشتی زیور میں ہے کہ نماز میں الحمد اور سورت وغیرہ اتنی چپکے سے پڑھے کہ اپنی آواز خود اپنے کان کو نہ سنائی دے تو نماز نہیں ہوگی، تو کیا اتنی زور سے نماز پڑھنا کہ اپنے کان کو سنائی دے فرض ہے یا واجب، اگر غلطی سے چپکے سے پڑھ لی پھر خیال آیا تو کیا سجدہ سہو سے نماز ہو جائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

یہ ایک قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر حروف صحیح نکالے تو نماز ہو جائے گی، اگر چہ خود نہ سن سکے، قول اول پر عمل کرنے سے اکثر وہم پیدا ہو جاتا ہے اور اکثر لوگ اسی وہم کی وجہ سے زور زور سے پڑھنے لگتے ہیں، جس سے دوسروں کی نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے، اس لیے میرے خیال میں دوسرے قول پر عمل کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵/ ذیقعدہ ۱۳۹۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۷۵/۳)

(۱) الدر المختار علی صدر ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۵۳۴/۱-۵۳۵، انیس

(۲) وبه علم أنه لا إشكال في كلام الخلاصة، وأنه لا ينافي كلام الهندواني بل هو مفرع عليه بدليل أنه في المعراج نقله عن الفضلي، وقد علمت أن الفضلي قائل بقول الهندواني فقد ظهر بهذا أن أدنى المخافتة إسماع نفسه أو من بقربه من رجل أو رجلين مثلاً، وأعلاها تصحيح الحروف كما هو مذهب الكرخي، ولا تعتبر هنا في الأصح. (رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل في القراءة: ۵۳۴/۱-۵۳۵، دار الفكر. انیس)

پس احوط تو ہندوانی کا قول ہے، باقی نماز کرخی کے قول پر عمل کرنے والے کی بھی ہو جاوے گی۔(۱) واللہ اعلم

۲۷ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ (امداد، اول: ۸۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲۳۴/۱-۲۳۵)

سری نمازوں میں اتنا زور سے پڑھنا کہ بغل کا آدمی سن لے کیسا ہے:

سوال: زید جب نماز پڑھتا ہے، تنہا یا با جماعت تو رکوع اور سجدہ وغیرہ کی تسبیحات کو بعض بعض دفعہ اتنی آواز سے پڑھتا ہے کہ دائیں، بائیں بغل کے نمازی بھی سن لیتے ہیں اور اسی طرح سے نماز کی قرأت جو سری ہے، بعض اوقات زید، بعض بعض آیات؛ مثلاً! ﴿اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَاِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ﴾ وغیرہ اتنی زور سے پڑھتا ہے کہ بغل کے آدمی بھی سن لیتے ہیں، از روئے شرع یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفيق

جان بوجھ کر زید کا ایسا کرنا اچھا نہیں، اگر کبھی پڑھتے ہوئے اتفاقاً اس طرح کی آواز زور سے نکل جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن احتیاط کرنا چاہئے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری۔ ۱۹/۴/۱۴۱۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۰۹/۲)

ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے قرأت جائز ہے:

سوال: نماز کے اندر جہری قرأت بآواز بلند قرأت پڑھنا شرعاً درست ہے یا نہیں، اور آیت کریمہ ﴿وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلٰوتِکَ وَلاَ تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِکَ سَبِيْلاً﴾ (۳) کا کیا مطلب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے قرأت کرنا جائز ہے، البتہ جہر میں تکلف کرنا یا اتنا جہر کہ نماز میں تشویش کا باعث بنے یا کسی کے لیے باعث ایذا ہو، ناجائز ہے۔

---

(۱) "وفی الهداية: ۹۸: ثم المخافة أن يسمع نفسه والجهر أن يسمع غيره وهذا عند الفقيه أبی جعفر الهندوانی، وقال الكرخی: أدنى الجهر أن يسمع نفسه وأدنى المخافتة تصحيح الحروف؛ لأن القراءة فعل اللسان وعلى هذا الأصل كل ما يتعلق بالنطق. (الهداية، كتاب الصلاة، فصل فی القراءة: ۱۰۶/۱-۱۰۷)

(۲) (و) أدنى (المخافتة إسماع نفسه) ومن بقربه، فلو سمع رجل أو رجلان فليس بجهر، والجهر أن يسمع الكل. (الدر المختار على ردالمحتار، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة، مطلب فی الكلام على الجهر والمخافتة: ۲۵۲/۲-۲۵۳)

واضح رہے کہ اگر رکوع اور سجدہ وغیرہ کی تسبیحات کو یا سری نمازوں میں قرآنی آیات کو اتنی آواز سے پڑھتا ہے کہ دائیں، بائیں ایک دو مقتدی سن لیتے ہیں اور سبھی لوگ نہیں سنتے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس لئے کہ یہ صورت سر کی ہے نہ کہ جہر کی، جیسا کہ درمختار کی مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہے۔[مجاہد]

(۳) سورة بنی اسرائيل: ۱۱۰. انيس

فی الشامية تحت(قوله فإن زاد عليه أساء): وفی الزاهدی عن أبی جعفر: لو زاد علی الحاجة فهو أفضل، إلا إذا أجهد نفسه أو اٰذی غیره، قهستانی.(رد المحتار: ۴۹۷/۱)(۱)

آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بآواز بلند قرأت فرماتے تو مشرکین سن کر برا بھلا کہتے تھے ،اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ معتدل آواز سے قرأت کریں؛ تاکہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سنیں اور مشرکین تک آواز نہ پہنچے، اس سے مطلقاً بلند آواز سے قرأت کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲/رجب ۱۳۹۴ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۷۸/۳) ☆

نماز میں الفاظ کا زبانی تلفظ ضروری ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین ان مسائل ذیل کے بارے میں کہ!

(۱) اگر ایک نمازی الحمد، تشہد، درود شریف اور دعا پورے دھیان کے ساتھ معنی سمجھتے ہوئے اور ہونٹ بند کئے ہوئے دل میں الفاظ ادا کرے، کیا قرأت وغیرہ دل میں پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے؟

(۱) باب صفة الصلاة، فصل ویجهر الإمام، فصل فی القراءة: ۵۳۲/۱، دار الفکر بیروت. انیس

☆ **نماز میں غیر معتدل اور ناہموار آواز:**

سوال: امام نماز میں اپنی آواز بلا ضرورت بلند کرتا ہو، ایک تکبیر معتدل آواز میں کہتا ہو اور دوسری تکبیر بلند آواز میں، یا قراءت کے وقت ایک دو آیت معتدل آواز میں اور تیسری بلند آواز میں، کیا اس طرح نماز پڑھانا مناسب ہے؟

(سید عبد الرحیم، مانوت، پربھنی)

الجواب

تکبیر انتقال ہو، یا قرآنِ مجید کی قراءت، امام کو اتنی ہی آواز بلند کرنی چاہئے کہ مقتدیوں کو آواز پہنچ جائے، خواہ مخواہ ضرورت سے زیادہ بلند آواز مناسب نہیں۔ (**ولا یجهد نفسه فی الجهر.(تبیین الحقائق، فصل الشروع فی الصلاة وبیان إحرامها: ۱۲۷/۱، بولاق. انیس)**)

علامہ حصکفی نے لکھا ہے کہ ضرورت سے زیادہ بلند آواز میں قرآن پڑھنا بہتر نہیں۔

"**(ویجهر الإمام) وجوباً بحسب الجماعة، فإن زاد علیه أساء**". **(الدر المختار: ۷۹۷/۱)(الدر المختار علی صدر رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل ویجهر الإمام، فصل فی القراءة: ۵۳۲/۱، انیس)**

آواز ایسی ہونی چاہئے کہ جو چاہے وہ آیاتِ قرآنی میں تدبر کر سکے اور اس کو استحضار قلبی حاصل ہو۔ (**الفتاوی الهندیة: ۷۲/۱**)

وإذا جهر الإمام فوق حاجة الناس فقد أساء لأن الإمام إنما یجهر لإسماع القوم لیدبروا فی قراءته لیحصل إحضار القلب، کذا فی السراج الوهاج.(الفصل الثالث فی سنن الصلاة وآدابها، ط: دار الفکر بیروت. انیس)

اگر آواز میں بہت زیادہ نشیب وفراز اور اتار چڑھاؤ ہو تو اس ناہمواری کی وجہ سے استحضار قلبی پیدا نہیں ہو پاتا ہے اور انسان تدبر وتفکر کے موقف میں نہیں رہتا، اس لئے امام صاحب کو تکبیرات انتقال اور قراءت معتدل اور ہموار آواز میں کرنی چاہئے۔

(کتاب الفتاویٰ: ۱۲۰/۳-۱۲۱)

(۲)　اگر دل میں پڑھنے سے نماز ادا نہیں ہوئی تو وہ کونسا طریقہ ہے کہ ہونٹ بند کئے ہوئے زبان سے الفاظ ادا ہوسکیں؟ آج کل ۹۹ رفیصد نمازی اسی طرح معلوم ہوتے ہیں کہ ان کے ہونٹ نہیں ہلتے، اگر کوئی ایسا طریقہ ہوتو قرآن وسنت کے مطابق لکھوا کرارسال کریں؛ تاکہ میں بھی بہ آسانی نماز ادا کرسکوں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: نور محمد بوہڑ بازار راولپنڈی...... یکم جون ۱۹۷۵ء)

الجواب

(۱)　یہ تدبر اور تفکر ہے، لہٰذا اس سے ذمہ فارغ نہیں ہوتا ہے، فراغت ذمہ کے لئے تلفظ ضروری ہے۔

وفی الهداية: ۹۸/۱: "ثم المخافة أن يسمع نفسه والجهر أن يسمع غيره وهذا عند الفقيه أبی جعفر الهندوانی ... وقال الكرخی: أدنی الجهر أن يسمع نفسه وأدنی المخافتة تصحيح الحروف؛ لأن القراءة فعل اللسان دون الصماخ ... وعلٰی هذا الأصل كل مايتعلق بالنطق". (۱)

(۲)　گونگے کے ماسوا کے لئے گنجائش نہیں ہے، آپ مشقت برداشت کریں اور تلفظ کیا کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو دگنا اجر دے گا۔ (لحديث ورد بذلک) (۲)

اور آپ جس طرح گفتگو کرتے ہیں اور مشقت برداشت کرتے ہیں تو اسی طرح نماز میں بھی مشقت برداشت کریں۔ فقط (فتاویٰ فریدیہ: ۲۴۰/۲) ☆

اگر امام جہری نماز میں چند آیتیں سرًّا پڑھ جائے، تو کیا کرے:

سوال:　اگر امام جہری نماز میں دو تین آیتیں خفیہ پڑھ جائے، تو یاد آنے پر شروع سے جہراً پڑھے، یا اسی جگہ سے؟ اور سجدہ کر لیوے یا نہ کرے؟

(۱)　الهداية، كتاب الصلاة، فصل فی القراءة: ۱۰۶/۱-۱۰۷) (۵۵/۱، ط: دار إحياء التراث الإسلامی بيروت. انيس)

(۲)　عن عائشة قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم: "الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة والذی يقرأ القرآن ويتتعتع فيه وهو عليه شاق له أجران". متفق عليه. (مشكٰوة المصابيح، باب فضائل القرآن: ۱۸٤/۱) / أخرجه الإمام أحمد، مسند الصديقة عائشة بن الصديق (ح: ۲٤٦٦۷) / ومسلم، باب فضل الماهر فی القرآن (ح: ۷۹۸) / وأخرجه البخاری، باب يوم ينفخ فی الصور فتأتون أفواجاً (ح: ٤۹۳۷) بلفظ: مثل الذی يقرأ القرآن وهو حافظ له من السفرة الكرام البررة ومثل الذی يقرأ وهو يتعاهده وهو عليه شديد فله أجران. انيس)

☆　**نماز کے الفاظ تفکر سے نہیں، تلفظ سے ادا کرنا لازمی ہے:**

سوال:　کیا فرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ نماز با جماعت ادا کرتے ہوئے جب تشہد، درود شریف اور دعا وغیرہ کرنی ہوتی ہے، تو زبان سے پڑھتے ہوئے میری زبان سے الفاظ صحیح طریقے سے ادا نہیں ہوتے، بلکہ دل میں پورے دھیان کے ساتھ معنی سمجھتے ہوئے پڑھ سکتا ہوں، تو کیا اس سے نماز ہو جائے گی؟ اگر نہیں تو پھر حضرت میں کیا کروں میں بڑی مشکل میں گرفتار ہوں، اگر زبان سے الفاظ ادا کرتا ہوں، تو کچھ آواز بھی نکلتی ہے جس کی وجہ سے ساتھ والے نمازیوں کو نماز پڑھنے میں خلل آتا ہے، اگر آواز نہ نکالوں تو زبان پر الفاظ تو چڑھتے ہیں، ==

الجواب ـــــــــــــــــــ

ازسرنو جہراً پڑھے۔(۱) اور سجدۂ سہو کرے۔(۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/ ۲۵۶-۲۵۷)

فاتحہ کا کچھ حصہ سراً پڑھنے کے بعد نیت امامت کر لی، تو فاتحہ کا اعادہ نہ کرے:

سوال: منفرد جہری نماز سراً پڑھ رہا تھا، سورۂ فاتحہ کی قرأت کے درمیان کسی نے اس سے اقتدا کر لی اور اس نے بھی امامت کی نیت کر لی، تو اب سورۂ فاتحہ شروع سے دوبارہ جہراً پڑھے، یا کہ وہیں سے آگے جہراً پڑھنا شروع کر دے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

اس میں اختلاف ہے، بعض وجوب اعادہ کے قائل ہیں اور بعض وجوب عدم اعادہ کے، قولِ ثانی راجح ہے، لہٰذا اعادہ نہ کرے، بصورت اعادہ چونکہ قول راجح کی بنا پر ترک واجب عمداً کیا ہے، لہٰذا نماز واجب الاعادہ ہونا چاہیے، مگر اختلاف کی وجہ سے ایسی صورت میں یہ فیصلہ مناسب نظر آتا ہے کہ نماز کا اعادہ افضل ہے، واجب نہیں۔

قال فی العلائية: ولو ائتم به بعد الفاتحة أو بعضها سرًّا أعادها جهرًا بحر، لكن فی اٰخر شرح المنية ائتم به بعد الفاتحة، يجهر بالسورة إن قصد الإمامة وإلا فلا يلزمه الجهر. (الدر المختار)

وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالٰی: (قوله لكن، الخ) استدراک علٰی قوله ولو ائتم به، وهٰذا قول

== لیکن پتہ نہیں چلتا کہ زبان سے ادا ہوئے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: نور محمد بوہڑ بازار راولپنڈی...... مئی ۱۹۷۰ء)

الجواب ـــــــــــــــــــ

چونکہ تشہد کا پڑھنا واجب ہے، لہٰذا آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ تدبر اور تفکر پر اکتفا نہیں کریں گے، بلکہ اپنی مقدور اور استطاعت کے موافق تلفظ کریں گے، آپ اگر اپنے الفاظ نہ سنیں، لیکن یہ یقین حاصل ہو کہ میں نے زبان سے تصحیح حروف کی ہے، تو یہ بھی کافی ہے۔ (قال العلامة الحصكفی: (و) أدنی (الجهر إسماع غيره، و) أدنی (المخافتة إسماع نفسه. (الدر المختار)

قال ابن عابدين: اعلم أنهم اختلفوا فی حد وجود القراءة علٰی ثلاثة أقوال: فشرط الهندوانی والفضلی لوجودها خروج صوت يصل إلٰی أذنه، وبه قال الشافعی. وشرط بشر المريسی وأحمد خروج الصوت من الفم وإن لم يصل إلٰی أذنه، لكن بشرط كونه مسموعًا فی الجملة، حتی لو أدنٰی أحد صماخه إلٰی فيه يسمع. ولم يشترط الكرخی وأبوبكر البلخی السماع واكتفيا بتصحيح الحروف. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة: ۱/ ۳۹٤) فقط (فتاویٰ فریدیہ: ۲/ ۲۴۱)

(۱) درمختار میں ہے: (ويجهر الإمام) وجوبًا بحسب الجماعة، فإن زاد عليه أساء، ولو ائتم به بعد الفاتحة أو بعضها سرًّا أعادها جهرًا، بحر. (الدر المختار)

شامی میں ہے: (قوله أعادها جهرًا) لأن الجهر فيما بقی صار واجبًا بالاقتداء، والجمع بين الجهر والمخافتة فی ركعة واحدة شنيع بحر. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة: ۱/ ٤۹۷، ظفير)

(۲) چونکہ تاخیر ہوئی ہے، اس لئے سجدۂ سہو کرے۔

وتأخير الواجب عن محله وهو موجب لسجود السهو. (رد المحتار، فصل فی القراءة: ۱/ ٤۹۷) ظفير)

آخـر ،وقد حكى القولين القهستاني حيث قال:إنّ الإمام لو خافت ببعض الفاتحة أو كلها أو المنفرد ثـم اقتدى به رجل أعادها جهرًا كما في الخلاصة،وقيل لم يعد وجهر فيما بقي من بعض الفاتحة أو السورة كـلهـا أوبـعـضـهـا كما في المنية، اهـ ، وعزا في القنية القول الثاني إلى القاضي عبد الجبار وفتاوى السعدي، ولعل وجهه أنّ فيه التحرز عن تكرار الفاتحة في ركعة وتأخير الواجب عن محله، وهـو مـوجـب لسـجـود السهـو فكان مكروهًا،وهوأسهل من لزوم الجمع بين الجهر و الإسرار في ركـعة عـلى أن كون ذلك الجمع شنيعًا غير مطرد لما ذكره في آخر شرح المنية أن الإمام لو سها فـخـافـت بـالـفاتحة في الجهرية ثم تذكر يجهر بالسورة ولا يعيد،ولو خافت بآية أو أكثريتمها جهرًا ولايـعيـد. وفـي القهستاني: ولا خلاف أنه إذا جهر بأكثر الفاتحة يتمها مخافة، كما في الزاهدي،اهـ، أي في الصلاة السرّية،وكون القول الأول نقله في الخلاصة عن الأصل كما في البحر،والأصل من كتـب ظاهر الرواية لايلزم منه كون الثاني لم يذكر في كتاب آخر من كتب ظاهر الرواية،فدعوى أنه ضعيف رواية ودراية غير مسلّمة،فافهم.(رد المحتار: ٤٩٧/١)(١)فقط والله تعالىٰ أعلم

۷/شعبان ۱۳۹۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۸۴/۳) ☆

---

(١) باب صفة الصلاة،فصل في القراءة،انيس

☆ **جہری نماز میں سورہ فاتحہ کا جہر بھول گیا تو کیا سورہ فاتحہ کا اعادہ کرے گا:**

سوال: ایک شخص نماز جہری پڑھا رہا تھا،اس نے رکعت اولیٰ جہر کے ساتھ مکمل کی مگر رکعت ثانیہ میں جہر کرنا بھول گیا، یہاں تک کہ اس نے سورہ فاتحہ پوری کرلی، پھر کسی نے پیچھے سے سبحان اللہ کے ذریعہ لقمہ دیا تو اس نے سورہ جہر سے پڑھی، مگر سجدہ سہو نہ کیا،اس لئے نماز کا اعادہ کیا گیا، پھر دو شخص آئے ان میں سے ایک نے جماعت اولیٰ کی ایک رکعت پائی اور دوسرے نے بالکل ہی نہیں پائی ، جب دوسری مرتبہ جماعت شروع ہوئی تو ایک شخص نے کہا کہ: آپ دونوں اپنی نمازیں الگ پڑھیں،اس میں آپ شرکت نہیں کرسکتے،آپ کی نماز نہیں ہوگی ،کیا اس قسم کا بھی کوئی مسئلہ ہے؟ برائے مہربانی مطلع فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حامدًا ومصليًا مسلمًا: یہ دونوں شخص اعادہ کرنے والی جماعت کے ساتھ اپنی نماز ادا کرسکتے تھے؛ کیونکہ صورتِ مسئولہ میں نماز کا اعادہ واجب تھا اور اعادہ کرنے کے بعد دوسری بار پڑھی ہوئی نماز فرض کامل ہو کر واقع ہوتی ہے۔

يـؤخـذ من لفظ الإعادة ومن تعريفها بما مر أنه ينوي بالثانية الفرض،لأن ما فعل أولا هو الفرض فإعادته فعله ثانيا،أما على القول بأن الفرض يسقط بالثانية فظاهر،وأما على القول الآخر فلأن المقصود من تكريرها ثانيا جبـر نقصان الأولىٰ فالأولىٰ فرض ناقص،والثانية فرض كامل مثل الأولىٰ ذاتاً مع زيادة وصف الكمال،ولو كانت الثـانية نفلاً لزم أن تجب القراءة في ركعاتها الأربع،وأن لا تشرع الجماعة فيها ولم يذكروه،ولا يلزم من كونها فـرضًا عدم سقوط الفرض بالأولىٰ؛لأن المراد أنها تكون فرضًا بعد الوقوع،أما قبله فالفرض هو الأولىٰ.وحاصله توقف الحكم بفرضية الأولىٰ على عدم الإعادة،وله نظائر: ==

== كسلام من عليه سجود السهو يخرجه خروجًا موقوفًا وكفساد الوقتية مع تذكر الفائتة (إلىٰ قوله) ونظير ذلك القراء ة في الصلاة، فإن الفرض منها آية والثلاث واجبة والزائد سنة، وما ذاك إلا بالنظر إلىٰ ماقبل الوقوع، بدليل أنه لو قرأ القرآن كله في ركعة يقع الكل فرضًا، وكذا لو أطال القيام أو الركوع أو السجود. (رد المحتار: ٥٣٦/١) (كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت، مطلب في تعريف الإعادة، تنبيه: ٤٨٧/١، نعمانية، ديوبند)

تنبیہ: حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی نے بھی یہی لکھا ہے اور دلیل کی روشنی میں یہی راجح بھی معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ شامی اس پر مصر ہیں؛ لیکن بہت سے علما کا خیال ہے کہ بعد میں آنے والا شخص جو پہلی جماعت میں شریک نہ تھا دوسری جماعت کے ساتھ اپنی فرض ادا نہیں کرسکتا، اگر پڑھا تو نفل ہوجائے گی، فرض الگ پڑھنی پڑھے گی۔

نوٹ: اب علماء ہند کا عمل اور فتویٰ اسی آخری قول پر ہے، حضرت اقدس تھانوی نے بھی اسی طرف رجوع فرمالیا ہے، چنانچہ امدادالاحکام: ۴۷/۱؛ میں ہے کہ!

اس مسئلہ میں اختلاف ہے، وہ یہی ہے کہ نو وارد جماعت میں شریک نہ ہو۔

حضرت مولانا (تھانوی) صاحب مدفیوضہم نے بھی اب اسی کو راجح فرمایا ہے (سوال: امام نے مغرب کی نماز قاعدہ کے موافق تین رکعت پوری کرکے چوتھی رکعت سہواً اور پڑھادی، بعد سلام کے مقتدیوں نے یاد دلایا کہ چار رکعت ہوئی ہیں، امام نے یہ سن کر دوبارہ پھر نماز پڑھادی، سو یہ نماز یقیناً ادا ہوگئی ہوگی، اب اس میں دو بات اور قابل تحقیق ہیں:

(۱) پہلی نماز میں جو لوگ دوسری یا تیسری یا چوتھی رکعت میں آکر شریک ہوئے تھے وہ بھی اس اعادہ میں شریک ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) جو لوگ اس اعادہ والی نماز میں از سرنو شریک ہوئے ہیں ان کی نماز بھی ہوجاوے گی یا نہیں؟

جواب: اس کے متعلق جزئیہ تو نہیں ملا؛ لیکن قواعد سے اختلاف معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز سے اَدوَن ہونے کی صورت میں اقتدا صحیح نہیں اور صورت مذکورہ فی السوال (جب کوئی واجب ترک ہوا ہو) میں اعادہ کیا جاوے، تو اس میں یہ اختلاف ہے کہ دوسری نماز یا فرض واقع ہوگی یا نماز اول کے جابر ہوتی ہے، اس لئے اعادہ مذکورہ کے وقت کسی نئے آدمی کی اقتدا میں اختلاف ہوگا اور چونکہ مختار قول ثانی ہے، **كما صرح في الدر مع شرحه:** ٤٧٦/١، اس لئے اقتدا نہ کرنا مختار ہوگا اور جس شخص نے چوتھی رکعت میں اقتدا کی ہے، چونکہ اس کی اقتدا صحیح نہیں ہوئی۔ (**كما في الشامي:** ٧٨٢/١)

تتمة : لو اقتدىٰ به مفترض في قيام الخامسة بعد القعود قدر التشهد لم يصح ولو أعاد إلى القعدة.

اس لئے وہ اس شخص کے مانند ہے جو پہلی نماز میں بالکل شامل نہیں ہوا، اور دوسری تیسری رکعت میں شامل ہونے والوں نے اگر اپنی وہ رکعت جس میں یہ مسبوق ہیں ادا کرلی ہے تب تو جماعت ثانیہ میں شریک ہوجاویں، اور اگر دوسری جماعت کی تیاری سن کر انھوں نے نماز توڑ دی ہے تو وہ بھی نئے اشخاص کے حکم میں ہوں گے، **كما لا يخفىٰ، والله أعلم** (امدادالاحکام، کتاب الصلاۃ، فصل فی المسبوق واللاحق: ۴۵۷/۱، مکتبہ دارالعلوم، کراچی) وکذا فی فتاویٰ محمودیہ، کتاب الصلاۃ، باب الجماعۃ: ۴۴۶/۶، ادارہ صدیق، ڈابھیل) واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ ریاض العلوم: ۵۱۶/۲-۵۱۸)

مقتدی کی شرکت کے بعد بقیہ قرأت کو جہراً پڑھنے کا وجوب اور قرأت مکمل ہونے کے بعد مقتدی کی شرکت پر دوبارہ قرأت کا واجب نہ ہونا:

سوال: اگر اقتدا کیا نمازی کا کسی نے بعد کل یا جز و پڑھ لینے فاتحہ آہستہ کے تو فاتحہ کو جہر سے اعادہ کرے۔ البحر الرائق میں وجہ اعادہ یہ لکھی ہے کہ دوسرے کی اقتدا کے سبب اس پر جہر واجب ہوگیا، اب اگر صرف باقی قرأت کو پکار کے پڑھتا ہے تو ایک رکعت میں آہستہ پڑھنا اور پکار کر پڑھنا جمع ہوجاتا ہے، حالانکہ یہ امر برا ہے اور اگر آہستہ پڑھتا ہے تو جہر کے واجب ہونے کے بعد آہستہ پڑھنا واجب کا ترک ہے، اس لئے اعادہ جہر سے ضرور ہوا۔ (غایۃ الاوطار)

شامی نے اس مسئلہ میں بہت قیل وقال کی ہے، جناب ذرا شامی کو ملاحظہ فرما کر تحریر فرماویں کہ شامی کا قول درست ہے یا غایۃ الاوطار کا اور جس صورت میں کہ اعادہ الحمد کا کیا جاوے گا تو سجدۂ سہو کیا جاوے گا یا نہیں اور اگر سجدہ سہو کیا جاوے گا، تو اس میں یہ خدشہ ہوتا ہے اس صورت میں اعادہ سورۂ فاتحہ کا بالقصد ہے اور سجدۂ سہو بوجہ سہو کے ہوتا ہے۔

مولوی عبدالشکور صاحب لکھنوی نے علم الفقہ میں سجدۂ سہو اس صورت میں لکھا ہے اور شامی کے قول سے بھی سجدۂ سہو معلوم ہوتا ہے یہ تو سورۂ فاتحہ کی بابت عرض کیا اور اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہے اور بعد الحمد ختم سورۃ بھی کر چکا، اس وقت کسی نے اقتدا کی تو یہ کیا کرے، یا اگر بعد الحمد کے سورۃ پڑھنے میں اقتدا کیا تو کیا کرے؟

الجواب

میں نے شامی کو دیکھا عدم اعادۂ جہر بالباقی کے متعلق شامی نے یہ لکھا ہے:

وهو أسهل من لزوم الجمع بين الجهر والإسرار في ركعة، علىٰ أن كون ذلك الجمع شنيعًا غير مطرد لما ذكره في آخر شرح المنية أن الإمام لو سها فخافت بالفاتحة في الجهرية ثم تذكر يجهر بالسورة ولا يعيد، ولو خافت بآية أو أكثريتمها جهرًا ولا يعيد (إلىٰ قوله) فدعوى أنه ضعيف رواية ودراية غير مسلمة فافهم. (۱/۵۵۵)(۱)

سو یہی میرے جی کو لگتا ہے اور شامی کی رائے بھی اسی کی ترجیح کی معلوم ہوتی ہے کہ بقیہ فاتحہ جہر سے پڑھ لے وبس، (۲) اسی طرح اگر سورت پڑھنے میں اقتدا کیا تو جس قدر قرأت اوپر پڑھنا چاہئے وہ جہر سے پڑھ لے اور اگر قرأت ختم کرنے کے بعد کسی نے اقتدا کیا تو اس قرأت کے کسی حصہ کا جہر واجب نہیں۔

۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ۔ (تتمہ ثانیہ، صفحہ: ۹۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۲۵۰-۲۵۱)

---

(۱) ردالمحتار، باب صفة الصلاة، فصل ويجهر الإمام، انيس

(۲) اور یہ سب اس وقت ہے کہ یہ شخص امام ہونے کی نیت بھی کرے، ورنہ اگر اب بھی اپنے کو منفرد سمجھتا ہے تو احکام امامت کے ان میں سے جہر بالقراءۃ ہے، اس پر واجب نہ ہوں گے اور مقتدی کی نماز بھی صحیح ہوجاوے گی کہ مرد مقتدی کی صحت صلوٰۃ کے لئے امام کی نیت شرط نہیں۔

دعاء قنوت اور تکبیر کے مسائل

تکبیر قنوت واجب نہیں:

سوال: کیا وتر میں دعاء قنوت پڑھنا واجب ہے، یا صرف تکبیر واجب ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب ــــــــــ باسم ملهم الصواب

وتر میں تکبیر کے بعد کوئی دعا پڑھنا واجب ہے اور معروف دعا(۱) سنت ہے، قنوت سے قبل تکبیر واجب نہیں، بلکہ سنت ہے۔

وفی واجبات العلائية: (و) قراءة (قنوت الوتر) وهو مطلق الدعاء وكذا تكبير قنوته.

وفی الشامية:

(قوله وهو مطلق الدعاء) أی القنوت الواجب يحصل بأی دعاء كان، قال فی النهر: وأما

---

(۱) عن أبی عبد الرحمن قال: علمنا ابن مسعود أن نقول فی القنوت يعنی فی الوتر: اللّٰهم إنا نستعينک ونستغفرک ونثنی عليک الخير ولا نكفرک ونخلع ونترک من يفجرک اللّٰهم أياک نعبد ولک نصلی ونسجد وإليک نسعٰی ونحفد ونرجو رحمتک ونخشٰی عذابک إنک عذابک بالكفار ملحق. (مصنف ابن أبی شيبة، مايدعو به الرجل فی قنوت الوتر (ح: ۲۹۷۰۸)

عن أبان بن أبی عياش قال: سألت أنس بن مالک عن الكلام فی القنوت، فقال: اللّٰهم إنا نستعينک ونستغفرک ونثنی عليک ولا نكفرک ونخلع ونترک من يفجرک اللّٰهم أياک نعبد ولک نصلی ونسجد وإليک نسعٰی ونحفد ونرجو رحمتک ونخشٰی عذابک الجد إنک عذابک بالكفار ملحق، الخ. (الدعوات الكبير، باب القول والدعاء فی قنوت الوتر (ح: ۴۳۲)

عن خالد بن أبی عمران قال: بينا رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يدعو علی مضر إذ جاء جبريل فأوما إليه أن اسكت فسكت، فقال يامحمد: إن اللّٰه لم يبعثک سباباً ولا لعاناً وإنما بعثک رحمةً ولم يبعثک عذاباً ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ﴾ (سورة آل عمران: ۱۲۸) قال: ثم علمه هذا القنوت: اللّٰهم إنا نستعينک ونستغفرک ونؤمن بک ونخضع لک ونخلع ونترک من يكفرک اللّٰهم إياک نعبد ولک نصلی ونسجد وإليک نسعٰی ونحفد نرجو رحمتک ونخاف عذابک الجد إن عذابک بالكفار ملحق. (المراسيل لأبی داؤد، جامع الصلاة (ح: ۸۹) انيس)

خصوص: اللّٰهم إنا نستعينک فسنة فقط، حتى لو أتى بغيره جاز إجماعًا (قوله وكذا تكبير قنوته) أي الوتر.

قال في البحر في باب سجود السهو: ومما ألحق به أي بالقنوت تكبيره، وجزم الزيلعي بوجوب السجود بتركه، وذكر في الظهيرية أنه لو تركه لا رواية فيه، وقيل يجب السجود اعتبارًا بتكبيرات العيد، وقيل لا، آه. وينبغي ترجيح عدم الوجوب لأنه الأصل، ولا دليل عليه، بخلاف تكبيرات العيد، اهـ. (رد المحتار: ۱/ ٤٣٧)(۱) فقط والله تعالىٰ أعلم

۲۶/ جمادی الآخر ۱۳۹۲ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۴۸۸)

(۱) الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب واجبات الصلاة، قبل مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام: ١/ ٤٦٨، دار الفكر

الكلام في الوتر في مواضع: أحدها: أنه لا قنوت إلا في الوتر عندنا، والثاني: أن القنوت في الوتر مشروع عندنا قبل الركوع، وعند الشافعي بعد الركوع، والثالث: أن القنوت في الوتر في جميع السنة عندنا، وقال الشافعي: لاقنوت إلا في النصف الآخر من شهر رمضان، والرابع: أن مقدار القيام في الوتر قدر سورة إذا انشقت القمر وليس فيه دعاء مؤقت، لأن القراءة أهم من القنوت فإذا لم يؤقت في القراءة بشيء من الصلاة ففي الدعا أولىٰ، وقد روى عن محمد رحمه الله أن التوقيت في الدعاء يذهب برقة القلب، قال بعض مشائخنا: يريد بقوله ليس فيه دعاء مؤقت ليس فيه سوى قوله: اللّٰهم إنا نستعينک، الخ، دعاء مؤقت، والصحابة اتفقوا على هذا في الوتر وقال بعضهم: لا بل ليس فيه شيء مؤقت أصلاً مما ذكرنا والأولى أن يقال: اللّٰهم إنا نستعنک، الخ، ويقرأ بعده اللهم اهدنا فيمن هديت، هكذا علم رسول الله صلى الله عليه وسلم الحسن بن على رضى اللّٰه عنهما، الخ. (المحيط البرهاني، الفصل الثالث في التراويح والوتر مسائل: ١/ ٤٧٠ ـ ٤٧١، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

(و) قراءة (قنوت الوتر) وهو مطلق الدعاء وإما خصوص "اللهم إنا نستعينک" فسنة فقط حتى لو أتىٰ بغيره جاز إجماعاً. (النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ١/ ١٩٩ ـ ٢٠٠، دار الكتب العلمية)

اگر کسی شخص کو دعاء قنوت یاد نہ ہو تو وہ "اللّٰهم اغفرلنا" یا "﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ پڑھ سکتا ہے۔

ومن لا يحسن الدعاء يقول: اللّٰهم اغفرلنا، مراراً، ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ (البقرة: ٢٠١) الآية، واختار أبو الليث الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم بعده، وهو مروى عن النخعي. (الإختيار لتعليل المختار، باب صلاة الوتر: ١/ ٥٥، مطبعة الحلبي القاهرة. انيس)

رکوع، سجدہ اور قومہ کے مسائل

رکوع وسجدہ میں ترتیب کا وجوب:

سوال: اگر کوئی شخص رکوع کیے بغیر سجدہ میں چلا گیا تو دوبارہ رکوع کی ادائیگی پر سجدہ کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب

رکوع وسجدہ میں ترتیب چونکہ واجب ہے؛ اس لیے اگر کوئی شخص رکوع سے پہلے سجدہ کرے تو یہ سجدہ ادا نہیں ہوگا، بلکہ دوبارہ رکوع کی طرف لوٹ کر رکوع ادا کرنے کے بعد از سرِ نو سجدہ کرے گا۔

قال ابن عابدين: بخلاف الترتيب بين الركوع والسجود مثلاً ، فإنه فرض،حتى لو سجد قبل الركوع لم يصح سجود هذه الركعة،لأن أصل السجود يشترط ترتبه على الركوع فى كل ركعة كترتب الركوع على القيام كذلك. (ردالمحتار، كتاب الصلاة،واجبات الصلاة،مطلب كل شفع من النفل صلاة: ١/ ٣٤٠)(۱) (فتاویٰ حقانیہ:۳/۲۷)

نماز عید میں رکوع سے اٹھنے کے بعد تکبیرات زوائد:

سوال: ہمارے محلّہ کی مسجد میں ایک حافظ قرآن نے نماز عید کی امامت کی، انہوں نے دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ اور سورہ پڑھنے کے بعد تکبیرات زوائد نہیں کہی اور رکوع میں چلے گئے، البتہ رکوع سے اٹھنے کے بعد ان زائد تکبیرات کو ادا کیا اور سجدہ میں چلے گئے، کیا امام صاحب کا یہ عمل درست ہے؟ (محمد اسحاق الدین، حافظ بابا نگر)

(۱) فالترتيب فيها فرض حتى لو ركع قبل القيام أو سجد قبل الركوع لايجوز.(الهندية،واجبات الصلاة: ١/ ٧١)

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾(سورة الحج: ٧٧)

قال البغوى: لما قدم ذكر الركوع على السجود ولم ينقل عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه فعل إلا كذلك فكان مراعاة الترتيب فيه واجباً،الخ.(تفسير البغوى،من تفسير سورة المائدة: ٢/ ٢٦،دارإحياء التراث الإسلامى)

والحاصل أن الترتيب بين ما يتعدد فى كل ركعة أو فى كل الصلاة واجب وبين المتحد فى كل الصلاة كالقعدة وجميع ماسواه فرض حتى لو تذكر بعد القعود قبل السلام أو بعده قبل أن يأتى بمناف ركعة أو صلبية أو تلاوية أتى بها وأعاد القعدة وسجد للسهو ولو ركوعاً قضاه فى مع ما بعده من السجود أو قياماً أو قراء ة صلى ركعة وكذا بين المتحد فى كل ركعة كالقيام والركوع،الخ.(النهر الفائق،باب صفة الصلاة: ١/ ١٩٨،دارالكتب العلمية.انيس)

البتہ ارکان کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہوگا۔ انیس

الجواب

اگر تکبیرات زوائد کہنا بھول جائے تو صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان تکبیرات کو رکوع میں کہے، قیام میں واپس آ کر تکبیرات کہنے کی ضرورت نہیں، بلکہ بعض فقہا کے نزدیک اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

"(لو رکع الإمام قبل أن یکبر فإن الإمام یکبر في الرکوع ولا یعود إلی القیام لیکبر) في ظاهر الروایة، فلو عاد ینبغي الفساد". (۱)

اگر رکوع میں تکبیر کہنا یاد نہیں رہا یا مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے نہیں کہہ پایا اور نماز پوری کر لی، تو یہ بھی کافی تھا، بغیر سجدۂ سہو کے بھی نماز درست ہو جاتی ہے، کیونکہ عید اور ایسی نمازیں جن میں اژدحام زیادہ ہوتا ہو، ان میں سجدۂ سہو ضروری نہیں، بغیر سجدۂ سہو کے بھی نماز ہو جاتی ہے۔

"لا یسجد للسهو في العیدین والجمعة لئلا یقع الناس في فتنة". (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۱۸۰-۱۸۱)

قومہ کے واجب یا سنت ہونے کی تحقیق:

سوال: عرض یہ ہے کہ یہ مسئلہ جو بہشتی زیور حصہ دوم میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ:

مسئلہ: کہ اگر رکوع کے بعد اچھی طرح کھڑی نہیں ہوئی ذرا سر اٹھا کر سجدہ میں چلی گئی، تو نماز پھر سے پڑھے۔

اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ: اگر قصداً ایسا کیا ہو، تو پھر سے پڑھے اور جو بھول کر کیا تو سجدہ سہو کرے۔

عرض یہ ہے کہ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس صورت میں سجدہ سہو لازم نہیں آتا، کیونکہ رکوع کے بعد سیدھا ہونا واجب نہیں، سنت مؤکدہ ہے۔ اس صورت میں سجدہ سہو نہیں۔

اب حضور تحریر فرماویں کہ یہ ٹھیک ہے یا جو بہشتی زیور میں لکھا ہے وہ ٹھیک ہے؟ جواب سے مشرف فرماویں

الجواب

اس کی سنیت و وجوب میں اختلاف ہے، ان مولوی صاحب نے سنیت کی بنا پر یہ فرمایا اور بہشتی زیور کا مضمون اس

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، باب العیدین: ۵۷/۳ (۱۷٤/۲، دار الفکر)

(۲) الفتاویٰ الهندیة: ۱۲۸/۱ (قال في الأصل: والسهو في العیدین والجمعة والمکتوبة والتطوع سواء لأن الجمعة والعیدین ساوت سائر المکتوبات فیما یوجب الفساد فتساویهما فیما یوجب الجبر، إلا أن مشائخنا قالوا: لا یسجدون للسهو في الجمعة والعیدین کیلا یقع الناس في الفتنة. (المحیط البرهاني، والفصل السادس والعشرون في صلاة العیدین: ۱۱٤/۲، دار الکتب العلمیة) انیس)

کے وجوب کی بنا پر ہے اور بہت سے علما نے وجوب کو ترجیح دی ہے، اس لئے بہشتی زیور میں بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

کما فی رد المحتارعن البحر: ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدتين للمواظبة علٰى ذلک كله، وللأمر فی حديث المسیء صلاته، ولما ذكره قاضی خان من لزوم سجود السهو بترک الرفع من الركوع ساهيًا ... والقول بوجوب الكل هو مختار المحقق ابن الهمام وتلميذه ابن أمير الحاج، حتى قال: إنه الصواب، والله الموفق للصواب، اهـ.(۱)

وقال فی شرح المنية: ولاينبغی أن يعدل عن الدراية أی الدليل إذا وافقتها رواية علٰى ما تقدم عن فتاویٰ قاضی خان، ومثله ما ذكر فی فی القنية من قوله: ... فيمكث فی الركوع والسجود وفی القومة بينهما حتى يطمئن كل عضو منه، هذا هو الواجب عند أبی حنيفة ومحمد، حتى

(۱) عن أبی هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل المسجد فدخل رجل فصلى ثم جاء فسلم على رسول الله صلى الله عليه وسلم فرد رسول الله صلى الله عليه وسلم عليه السلام، وقال: ارجع فصل فإنک لم تصل، فرجع الرجل فصلى كما كان صلى، ثم جاء إلى النبی صلى الله عليه وسلم فسلم عليه، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليک السلام، ثم قال: ارجع فصل فإنک لم تصل، حتى فعل ذلک ثلاث مرارٍ، فقال الرجل: والذی بعثک بالحق ما أحسن غير هذا فعلمنی؟ قال: إذا قمت إلى الصلاة فكبر ثم اقرأ ماتيسر معک من القرآن ثم اركع حتى تطمئن راكعاً ثم ارفع حتى تعتدل قائماً ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً ثم اجلس حتى تطمئن جالساً ثم افعل ذلک فی صلاتک كلها، قال القعنبی عن سعيد بن أبی سعيد المقبری عن أبی هريرة وقال فی آخره: فإذا فعلت هذا فقد تمت صلاتک وما انتقصت من هذا شيئاً فإنما انتقصته من صلاتک وقال فيه: إذا قمت إلى الصلاة فأسبغ الوضوء. (سنن أبی داؤد، باب صلاة من لايقيم صلبه فی الركوع والسجود (ح: ۸۵٦)

(ثم استوٰى قائماً كبر وسجد) أما التكبير والسجود فلما بينا، وأما الإستواء قائماً فليس بفرض وكذا الجلسة والطمأنينة فی الركوع والسجود وهذا عند أبی حنيفة ومحمد رحمهما الله، قال أبو يوسف: يفترض ذلک كله وهو قول الشافعی لقوله عليه الصلاة والسلام: "قم فصل فإنک لم تصل" قاله لأعرابی حين أخف الصلاة. ولهما أن الركوع هو الإنحناء والسجود وهو الإنخفاض لغةً فتتعلق الركنية بالأدنٰى فيهما وكذا فی الانتقال إذ هو غير مقصود، وفی آخر ماروی تسميته إياه صلاةً حيث قال: "وما نقصت من هذا شيئاً فقد نقصت من صلاتک" ثم القومة والجلسة سنة عندهما وكذا الطمأنينة فی تخريج الجرجانی وفی تخريج الكرخی واجبة حتى تجب سجدة السهو بتركها ساهياً عنده. (الهداية، باب صفة الصلاة: ۱/ ۵۱، دار إحياء التراث الإسلامی بيروت)

قال العلامة ابن الهمام: وأنت علمت أن مقتضى الدليل فی كل من الطمأنينة والقومة والجلسة الوجوب. (فتح القدير، باب صفة الصلاة: ۱/ ۳۰۲، دار الفكر بيروت)

(والقومة والجلسة بين السجدتين وعند أبی يوسف فرض كالطمأنينة) (زاد الفقير متن إسعاف المولٰى القدير، ٦۲، دار الكتب القصرية) انيس)

لوتركها أوشيئًا منها ساهيًا يلزمه السهوولوعمدًا يكره أشد الكراهة،ويلزمه أن يعيد الصلاة وتكون معتبرة فى حق سقوط الترتيب و نحوه.(۱/۴۸۳-۴۸۴)(۱)

۶/ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ (ترجیح خامس:صفحہ ۱۱۰) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۲۴-۲۲۵) ☆

(۱) رد المحتار،واجبات الصلاة،مطلب قد يشارإلى المثنى، الخ: ۱/۴۶۴،دارالفكر.

ثم الطمأنينة فى الركوع والسجود واجبة عند أبى حنيفة على اختيارالكرخى حتى لوتركها ساهياً يلزمه السجود وعلى اختيار الجرجانى هى سنة حتى لايلزمه السهو بتركه وأجمعوا على أن الاعتدال فى العودة بين الركوع والسجود وبين السجود قدرتسبيحة واحدة سنة قال رحمه اللّٰه:وقد شدد القاضى الصدر فى شرحه فى تعديل جميع الأركان تشديدا بليغاً فقال:وإكمال كل ركن واجب عند أبى حنيفة ومحمد وعند أبى يوسف والشافعى رحمهم اللّٰه فريضة يتمكث فى الركوع والسجود وفى القومة بينهما حتى يطمئن كل عضو منه هذا هو الواجب عند أبى حنيفة ومحمد حتى لوترك شيئاً منها ساهياً يلزمه السهو ولو تركها عمداً يكره أشد الكراهة ويلزمه أن يعيد الصلا ة إذا أخفها وتكون معتبرة فى فرض سقوط الترتيب ونحوه كمن طاف جنباً يلزمه الإعادة والمعتبر هو الأول كذا هذا وعندهما صلاته فاسدة.(قنية المنية لتتميم الغنية،باب فى القراء ة والتسبيح والتعوذ والثناء:۱/۱۷-۱۸.ط:كلكته ۱۲۴۵ھ.انيس)

☆ **نماز میں قومہ اور جلسہ واجب ہے:**

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نماز میں رکوع سے سیدھے کھڑے نہیں ہوتے بلکہ براہ راست رکوع سے ہی سجدہ میں چلے جاتے ہیں،اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان بھی پوری طرح نہیں بیٹھتے، بلکہ ایک سجدہ سے پوری طرح سرنہیں اٹھایا کہ فوراً دوسرے سجدے میں چلے گئے،کیا نماز کو اس طرح ادا کرنا جائز ہے۔

الجواب

قومہ (یعنی رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا) اور جلسہ (یعنی دوسجدوں کے درمیان بیٹھنا) دونوں واجب ہیں، اگر سہواً رہ جائیں تو سجدۂ سہو کفایت کرجاتا ہے اور عمداً ترک کیا جائے،تو نماز واجب الاعادہ ہے۔

قال العلامة الحصكفى:(ولها واجبات)...(وهى)...(قراء ة فاتحة الكتاب)...(وتعديل الأركان)أى تسكين الجوارح قدرتسبيحة فى الركوع والسجود،وكذا فى الرفع منهما على ما اختاره الكمال.(الدرالمختار)

قال ابن عابدين:(قوله وكذا فى الرفع منهما)أى يجب التعديل أيضًا فى القومة من الركوع والجلسة بين السجدتين،وتضمن كلامه وجوب نفس القومة والجلسة أيضًا، الخ ـــ...حتى لوتركها أوشيئًا منها ساهيًا يلزمه السهوولوعمدًا يكره أشد الكراهة،ويلزمه أن يعيد الصلاة.(رد المحتار ،كتاب الصلاة،مطلب واجبات الصلاة،مطلب قد يشارإلى المثنى الخ:۱/۴۶۴)

(قال العلامة إبراهيم الحلبى:قال الشيخ كمال الدين بن الهمام:وينبغى أن تكون القومة والجلسة واجبتين للمواظبة.(الكبيرى،باب الثامن،تعديل الأركان:۱/۲۹۹)(فتاویٰ حقانیہ:۳/۸۷)

قعدۂ اولی اور تشہد- احکام ومسائل

قعدۂ اولیٰ واجب ہے:

سوال: تین یا چار رکعت فرض نماز میں تو قعدۂ اولیٰ واجب ہے، کیا نفل نماز (صلوۃ التسبیح وغیرہ) میں بھی قعدۂ اولیٰ واجب ہے؟

الجواب

قعدۂ اولیٰ جس طرح تین یا چار رکعت فرض نماز میں واجب ہے، اسی طرح نوافل، سنن اور وتر میں بھی واجب ہے۔

قال العلامة الحصكفي: (ولها واجبات) ... (والقعود الأول)ولوفي نفل في الأصح. (الدر المختار علی صدرر د المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ٤٦٥/١، بيروت)(١)(فتاویٰ حقانیہ: ۸۶/۳) ☆

سنتوں میں قعدۂ اولیٰ فرض ہے یا واجب:

سوال (۱) سنت مؤکدہ وغیر مؤکدہ ونوافل کی چار رکعت میں درمیان کا قعدہ فرض ہے یا نہیں؟

(۲) اگر چار رکعت سنت ظہر یا سنت جمعہ کی نیت کرے اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو بعد میں دو رکعت پڑھے یا چار رکعت؟ نیز دو یا چار کا پڑھنا واجب ہے یا سنت؟

(۳) اگر چار رکعت نفل کی نیت کی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو ابتداءً دو رکعت واجب ہیں یا نہیں؟

الجواب حامدًا و مصليًا

(۱) اس میں فقہا کے دو قول ہیں: بعض فرضیت کے قائل ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ جب تیسری رکعت کے

(۱) قال العلامة إبراهيم الحلبي: ومن الواجبات القعدة الأولٰى لما مر مرارًا. (الكبيري، واجبات الصلاة: ٢٩٦)/ ومثله في البحر الرائق، واجبات الصلاة، باب صفة الصلاة: ٣٠٠/١)

☆ **سنتوں کی چار رکعتوں میں پہلا قعدہ واجب ہے:**

سوال: سنتوں میں مثلاً چار رکعت میں قعدہ وسط کا فرض ہے، یا واجب؟

الجواب

واجب ہے امام صاحب کے نزدیک۔ (بدست خاص، سوال ۵۸) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۰)

لئے کھڑا ہوگیا تو قعدہ فرض واجب ہوگیا۔(۱)

(۲) چار پڑھے اوران کا پڑھنا سنت ہے واجب نہیں۔(۲)

(۳) نہیں۔(۳)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ مفتی مظاہر علوم۔ صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔۲۲/۱۲/۱۳۵۹ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۷۳-۵۷۴)☆

(۱) (والقعود الأول) ولوفی نفل فی الأصح،وکذا ترک الزیا دة فیه علی التشهد،وأراد بالأول غیر الأخیر".(الدرالمختار)

وفی ردالمحتار:"(قوله:ولوفی نفل)لأنه وإن کان کل شفع منه صلاة علٰی حدة حتی افترضت القراء ة فی جمیعه؛لکن القعدة إنما فرضت للخروج من الصلاة،فإذا قام إلی الثالثة تبین أن ما قبلها لم یکن أوان الخروج من الصلاة فلم تبق القعدة فریضة...(قوله علی الأصح)خلافاً لمحمد فی افتراضه عن قعدة کل شفع نفل...(قوله:وأراد بالقول غیر الأخیر)لیشمل ما إذا صلی ألف رکعة من النفل بتسلیمة واحدة،فإن ماعدا القعود الأخیرواجب،ومفهومه فرضیة کل قعود أخیرفی أی صلاة کانت".(رد المحتار،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،واجبات الصلاة،مطلب قد یشار إلی المثنی، الخ:۴۶۵/۱،سعید)

(۲) "(وسنن)مؤکدًا(أربع قبل الظهرو)أربع قبل(الجمعة و)أربع(بعدها بتسلیمة)فلوبتسلیمتین لم تنب عن السنة،ولذا لونذرها لایخرج بتسلیمتین،وبعکسه یخرج" .(الدرالمختارعلٰی صدرردالمحتار،کتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل:۱۲/۲-۱۳، سعید)

"وعن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه أنه علیه السلام قال:"من کان منکم مصلیاً بعد الجمعة فلیصل أربعًا".رواه مسلم.والأربع بتسلیمة واحدة عندنا حتی لو صلاها بتسلیمتین لایعتد عن السنة".(تبیین الحقائق،کتاب الصلاة، باب الوتروالنوافل:۴۲۸/۱،دارالکتب العلمیة،بیروت)

(۳) "(قوله أوبقیام الثالثة)أی وقد أدی الشفع الأول صحیحًا،فإذا أفسد الثانی لزمه قضاؤه فقط، و لایسری إلی الأول؛لأن کل شفع صلاة علٰی حدة بحر".(ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب الوتروالنوافل:۲۹/۲، سعید)

"ومن ثمة صرحوا بأنه لونوی أربعًا لایجب علیه بتحریمتها سوی الرکعتین فی المشهورعن أصحابنا،وأن القیام إلی الثالثة بمنزلة تحریمة مبتدأة،حتی إن فساد الشفع الثانی لایوجب فساد الشفع الأول".(ردالمحتار،کتاب الصلاة ،باب صفة الصلاة،واجبات الصلاة،مطلب کل شفع من النفل صلاة:۴۵۹/۱، سعید)

☆ نوافل میں قعدۂ اولیٰ واجب ہے یا نہیں:

سوال: نوافل رباعی میں قعدۂ اولیٰ واجب ہے یا فرض؟

الجواب

واجب ہے۔

کما فی الدرالمختار:(ولها واجبات)الخ (والقعود الأوّل)ولوفی نفل فی الأصح.(الدرالمختار)

(قوله ولوفی نفل)لأنه وإن کان کل شفع منه صلاة علٰی حدة حتی افترضت القراء ة فی جمیعه،لکن القعدة إنما فرضت للخروج من الصلاة فإذا قام إلی الثالثة تبین أن ما قبلها لم یکن أوان الخروج من الصلاة فلم تبق القعدة فریضة .(رد المحتار،باب صفة الصلاة،مطلب فی واجبات الصلاة:۴۲۴/۱-۴۳۴،ظفیر) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۵۴/۲)

تشہد، نماز میں واجب ہے:

سوال: تشہد نماز میں افضل ہے یا نہیں؟

الجواب

تشہد یعنی التحیات پڑھنا نماز میں واجب اور ضروری ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۵۵)

تشہد میں سلام انشاءً کہا جاتا ہے:

سوال: نماز میں "السّلام علیک أیّھا النبی" انشاءً پڑھا جاتا ہے یا حکایۃً؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

"السلام علیک أیّھا النّبیّ"، بلکہ پورا تشہد انشاءً پڑھا جاتا ہے۔

قال فی شرح التنویر: (ویقصد بألفاظ التشهد)معانیها مرادة له علیٰ وجه(الإنشاء) کأنه یحیی اللّٰه تعالیٰ ویسلم علیٰ نبیه وعلیٰ نفسه وأولیائه (لا الإخبار)عن ذٰلک،ذکره فی المجتبی، و ظاهره أن ضمیر علینا للحاضرین لاحکایة سلام اللّٰه تعالیٰ.(الدرالمختار)

وفی الشامية:(قوله لا الإخبارعن ذلک)أی لا یقصد الإخبار،والحکایة عما وقع فی المعراج منه صلّی اللّٰه علیه وسلّم ومن ربه سبحانه ومن الملائکة علیهم السلام،وتمام بیان

(۱) ومنها قراء ة التشهد فإنها واجبة فی القعدتین الأولیٰ والأخیرة، الخ ، فأوجب السجود بترک التشهد فی القعدة الأولیٰ کما فی القعدة الأخیرة وهوظاهرالرواية.(غنية المستملی: ۲۹۰،ظفیر)

☆ نماز میں التحیات پڑھنے کا حکم:

سوال: نماز میں تشہد پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز کے ہر قعدہ میں تشہد پڑھنا واجب ہے،سہواً چھوٹ جانے کی صورت میں سجدۂ سہو لازم ہوجاتا ہے،عمداً ترک کرنے سے نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

قال العلامة إبراهيم الحلبی:ومنها قراء ة التشهد فإنها واجبة فی القعدتین الأولیٰ والأخیرة ... فأوجب السجود بترک التشهد فی القعدة الأولیٰ کما فی القعدة الأخیرة وهو ظاهر الرواية. (الکبیری، واجبات الصلاة:۲۹۶)

قال العلامة ابن عابدین:(قوله والتشهدان)أی تشهد القعدة الأولیٰ وتشهد الأخیرة.(رد المحتار،واجبات الصلاة ،مطلب لاینبغی أن یعدل عن الدراية: ۱/۴۶۶)(فتاویٰ حقانیہ:۳/۸۸)

القصة مع شرح ألفاظ التشهد في الإمداد فراجعه ... (قوله لا حكاية سلام اللّٰه تعالٰی)الصواب: لا حكاية سلام رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم. (رد المحتار)(۱)

قراءت کے سوا نماز کے جمیع وظائف انشاءً پڑھے جاتے ہیں، جیسا کہ حقیقت صلوٰۃ پر غور کرنے سے ظاہر ہے، حقیقت صلوٰۃ کی تفصیل لکھنے کی تو اس وقت ضرورت ہے اور نہ ہی فرصت، لہٰذا صرف "السلام عليك أيها النبي" کی حکمت تحریر کی جاتی ہے۔ دربار سلطانی سے واپس ہوتے وقت کچھ نذرانہ پیش کرنے کا دستور ہے۔اس لیے مصلی "التحيات لله والصلوات والطيبات" کا نذرانہ پیش کرتا ہے، پھر یکا یک خیال آتا ہے کہ یہ قرب الٰہی ومناجاۃ بالرب صرف سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کی بدولت ہے، ہدایت کا ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وجود ہے، تو بے ساختہ مصلی اپنے محسن اعظم ومنعم اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتا ہے۔

باقی یہ اعتراض بالکل لغو ہے کہ جب حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر نہیں تو خطاب بے فائدہ ہوا، اس لیے کہ صلوٰۃ وسلام بذریعہ ملائکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچتا ہے، جیسا کہ خط میں صیغ خطاب؛ صرف اس لیے لکھے جاتے ہیں کہ خط مخاطب تک پہنچے گا۔ مخاطب روبرو موجود نہیں ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ ربیع الآخر ۱۳۷۴ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۴۸/۳)

مقتدی نے قصداً تشہد نہ پڑھا:

سوال: قصداً امام کے پیچھے التحیات درود شریف نہ پڑھا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملهم الصواب

درود شریف سنت ہے اور تشہد واجب ہے، (۲) منفرد یا امام عمداً ترک واجب کرے تو نماز واجب الاعادہ ہے اور سہواً ترک ہو تو سجدۂ سہو واجب ہے، (۳) مگر مقتدی کے سہواً ترک واجب پر نہ سجدۂ سہو واجب ہے اور نہ نماز کا اعادہ، اس

(۱) كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في كيفية الصلاة، مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد: ۵۱۰/۱، بيروت، انيس

(۲) (والتشهد) أي الواجب الثامن قراءة التشهد (في القعدتين) يعني في الأولٰى والأخيرة جميعاً. (منحة السلوك، فصل في واجبات الصلاة: ۱۰۳/۱، وزارة الأوقاف قطر. انيس)

(۳) (سجدتان بتشهد وسلام لترك واجب سجواً وإن تكرر وإن كان تركه) الواجب (عمداً أثم ووجب) عليه (إعادة الصلاة) تغليظاً عليه (لجبر نقصانها) فتكون مكملة وسقط الفرض بالأولٰى وقيل: تكون الثانية فرضاً فهي المسقطة (ولا يسجد في) الترك (العمد للسهو) لأنه أقوٰى، الخ. (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، باب سجود السهو: ۱۷۸، المكتبة العصرية. انيس)

سے معلوم ہوا کہ مقتدی کے ترک واجب کا کوئی جابر نہیں،(۱) لہذا عمداً ترک واجب موجب اعادہ نہ ہوگا، علاوہ ازیں حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ترک واجب متابعۃ الامام کے مباحث میں کہیں بھی اعادہ کا حکم تحریر نہیں فرمایا، حالانکہ اس کے بعض مواقع میں ارکان میں تکرار اور ان میں تقدیم وتاخیر بھی ہے، اس سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ مقتدی کا عمداً موجب اعادہ نہیں، مع ہٰذا اعادہ میں احتیاط ہے، سہو مقتدی کے موجب اعادہ نہ ہونے میں بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے بحث تحریر فرمائی ہے تو عمد میں بطریق اولیٰ بحث ہوگی، لہذا اعادہ بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵/ جمادی الآخرہ ۱۳۹۱ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲۹۱/۳)

قعدۂ اولیٰ میں اگر امام کھڑا ہو جاوے اور مقتدی ''التحیات'' پوری نہ کر سکے تو اسے کیا کرنا چاہئے:

سوال: اگر امام قعدۂ اولیٰ میں ''التحیات'' پڑھ کر کھڑا ہو گیا اور مقتدی کی باقی ہے تو وہ کیا کرے؟

اور مقتدی پہلے پڑھ چکے تو خاموش بیٹھا رہے یا کیا کرے؟

الجواب

مقتدی پوری کر کے اٹھے۔ (۲)

اور اگر مقتدی پہلے پڑھ چکا تو خاموش رہے یا کلمہ آخر کا تکرار کرتا رہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۰۶/۲-۲۰۷) ☆

امام، مقتدی کے تشہد پورا کرنے سے قبل کھڑا ہو جائے:

سوال: ایک شخص ہیں جو بہت دھیرے (آہستہ) پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ''التحیات'' بھی نہیں پڑھ پاتے

---

(۱) بل قال فی شرح المنية عن القنية : إن المقتدی لو نسی التشهد فی القعدة الأولٰی فذكر ماقام عليه أن يعودويتشهد بخلاف الإمام والمنفرد للزوم المتابعة كمن أدرک الإمام فی القعدة الأولٰی فقعد معه فقام الإمام قبل شروع المسبوق فی التشهد فإنه يتشهد تبعاً لتشهد إمامه فكذا هذا. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب سجود السهو: ۸۵/۲، دارالفكر. انيس)

(۲) (لورفع الإمام رأسه)الخ (قبل أن يتم المأموم التسبيحات) الثلاث (وجب متابعته) الخ (بخلاف سلامه) أوقيامه لثالثة (قبل إتمام المؤتم التشهد)فإنه لايتابعه بل يتمه لوجوبه، ولولم يتم جاز. (الدرالمختار)

أی صح مع كراهة التحريم ،الخ. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل تاليف الصلاة، مطلب فی إطالة الركوع للجائی: ٤٦٣/١، ظفير)

(۳) (ولايزيد)فی الفرض (علی التشهد فی القعدة الأولٰی)إجماعًا الخ ولوفرغ المؤتم قبل إمامه سكت اتفاقاً. (أيضًا، مطلب مهم فی عقد الأصابع عند التشهد: ٤٧٦/١-٤٧٧، ظفير)

کہ امام کھڑے ہوجاتے ہیں اوران کو اکثر ایسا ہی ہوتا ہے تو اب وہ کیا کریں؟ امام کے ساتھ کھڑے ہوجائیں یا التحیات کو پورا کریں؟ (بدرالدین، بنارس)

الجو اب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

اگر وہ ''التحیات'' پوری کر کے امام کو تیسری رکعت کے قیام میں پا سکتے ہیں، تو ''التحیات'' پوری کرلیں، ورنہ بغیر پوری کئے کھڑے ہوکر امام کے ساتھ قیام میں شریک جائیں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۷۴-۵۷۵)

☆☆☆

---

(۱) (بخلاف سلامه)أوقيامه لثالثة(قبل إتمام المؤتم التشهد)فإنه لايتابعه بل يتمه لوجوبه.(الدرالمختار)وفى الشامية: ثم رأيته فى الذخيرة ناقلا عن أبى الليث:المختارعندى أنه يتم التشهد،وإن لم يفعل أجزأه آه''.(رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل:إذا أراد الشروع،مطلب فى إطالة الركوع للجائى: ۱/۴۹٦،سعيد)

مسئلہ: تکبیر تحریمہ میں اللہ اکبر کہنا واجب ہے اگر اس جملہ کے علاوہ کوئی دوسرا جملہ کہے جس سے اللہ تعالیٰ کی خالص عظمت ظاہر ہوتو نماز ہو جائے گی، مگر واجب چھوڑنے والا ہوگا (شامی:۱/۳۲۲) اور یہ مکروہ تحریمی ہے۔(درمختار برشامی:۱/۳۲۰)

اگر کوئی اللہ اکبر صحیح نہ کہہ سکے تو اس کی جگہ (اس معنیٰ کا) کوئی دوسرا لفظ کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(طحطاوی:۱۳۷)

مسئلہ: قعدہ اولیٰ (یعنی دو رکعت سے زیادہ رکعت والی نماز میں دو رکعت پر بیٹھنا) گرچہ نفل ہی کیوں نہ ہو واجب ہے۔(درمختار مع شامی:۱/۳۱۳)

مسئلہ: قعدہ اولیٰ اور قعدہ اخیرہ دونوں میں تحیات پڑھنا واجب ہے۔(درمختار برشامی:۱/۳۱۳)

تحیات کل یا بعض حصہ چھوڑنے سے سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے۔

تحیات یہ ہے: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْکَ اَيُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لاَ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَرَسُوْلُه.

(ترجمہ) ساری قولی، فعلی، اور مالی عبادتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے نبی آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں آپ پر ہوں اور ہم پر ہوں اور اللہ کے نیک بندوں پر ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

یہ تحیات سب سے بہتر تحیات ہے۔(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل:۲۳۳-۲۳٦)(انیس)

تعدیل ارکان

تعدیل ارکان واجب ہے:

سوال: بعض لوگ نماز کو اس طرح پڑھتے ہیں، جیسا کہ مرغ دانوں پر ٹھونگے مارتا ہے، اس قسم کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ

صورت مسئولہ کا تعلق واجبات صلوٰۃ سے ہے، نماز میں ارکان نماز کو اطمینان (۱) اور تعدیل سے ادا کرنا واجب ہے، جو نماز تعدیل ارکان کے ساتھ ادا نہ کی جائے تو وہ واجب الاعادہ ہے، البتہ اگر سہواً متروک ہوجائے تو سجدۂ سہو سے نماز درست ہوجائے گی۔

قال الحصكفي: (لها واجبات)لاتفسد بتركها وتعاد وجوباً في العمد والسهوإن لم يسجد له وإن لم يعدها يكون فاسقًا آثمًا ... (وهي) ... (قراءة فاتحة الكتاب)...(وتعديل الأركان). (الدر المختارعلیٰ صدرردالمحتار، كتاب الصلاة،مطلب واجبات الصلاة: ٤٥٦/١ـ٤٦٤)(٢)

(فتاویٰ حقانیہ: ۸۷/۳)☆

---

(۱) (وتعديل الأركان) وهو تسكين الجوارح حتى تطمئن مفاصله.(النهرالفائق،باب صفة الصلاة: ١٩٩/١، دارالكتب العلمية.انيس)

(۲) قال العلامة إبراهيم الحلبي: وعندهما تعديل الأركا ن من الواجبات لا من الفرائض.(الكبيرى،باب صفة الصلاة: ٢٩٤)

☆ تعدیل ارکان کا حکم:

سوال: اگر کوئی شخص رکوع اور سجود پورے طور سے ادا نہیں کرتا ہے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر تعدیل ارکان کی مقدار کی بھی رعایت نہیں کرتا ہے تو نماز مکروہ؛ بلکہ بعض اوقات واجب الاعادہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۶۶)

تعدیل ارکان کی مقدار:

سوال: ہمارے امام صاحب رکوع سے قومہ میں پہنچتے پہنچتے ”**سمع اللّٰہ لمن حمدہ**“ کہہ لیتے ہیں اور پھر فوراً ”**اللّٰہ أکبر**“ کہہ کر سجدہ میں چلے جاتے ہیں، تعدیل ارکان واجب ہے، کیا اس سے تعدیل ارکان ادا ہوتا ہے اور نماز فاسد نہیں ہوتی ہے؟ مقتدیوں کو تحمید اس وقت کہنا چاہئے جب امام پورا ”**سمع اللّٰہ لمن حمدہ**“ کہہ چکے اور امام صاحب قومہ میں مقتدیوں کو تحمید کا ایک لفظ بھی کہنے کا موقع نہیں دیتے ہیں۔

الجواب ــــــــــــ حامدًا و مصليًا

جب وہ رکوع سے سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ تمام اعضا معتدل ہو جائیں تو قومہ ادا ہو جاتا ہے، اس سے فساد نماز کا حکم نہ ہوگا، کچھ قدر قلیل وقفہ کرلیا کریں جس میں مقتدی ”**ربنا لک الحمد**“ پڑھ لیں تو بہتر ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۲۳/۷/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۷)

---

(۱) (و تعديل الأركان) أی تسكين الجوارح قدر تسبيحة فی الركوع والسجود، وكذا فی الرفع منهما علیٰ ما اختاره الكمال. (الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة: ۱/٤٦٤، سعيد)

(وقد تكلموا فی مقدار الرفع والأصح أنه إن كان إلی السجود أقرب لا يجوز لأنه يعد ساجداً وإن كان لی الجلوس أقرب جاز لأن يعد ساجداً فتحقق الثانية). (الهداية، باب صفة الصلاة)

... وروی عن أبی يوسف إن رفع قدر ما يسمیٰ رافعاً جاز، قال فی المحيط هو الأصح وتعليل المصنف مختاره بأنه يعد يقتضی اعتباره أن تلك الرواية هی رواية أبی يوسف فی المعنیٰ، اختيارها. وقال ابن مقاتل: إذا رفع بحيث لايشكل علی الناظر أنه رفع جاز، فإن أراد الناظر عن بعد فهو مختار المصنف وإلا فهو معنی الرواية الثانية ثم اعتقادی أنه إذا لم يستو صلبه فی الجلسة والقومة فهو آثم لما تقدم. (فتح القدير شرح الهداية، باب صفة الصلاة: ۱/۳۰۷، دارالفكر. انيس)

مقتضی الدليل وجوب الطمأنينة فی الأربعة ووجوب نفس الرفع من الركوع والجلوس بين السجدتين للمواظبة علی ذلک كله وللأمر فی حديث المسیء صلاته وفی فتاویٰ قاضی فی فصل مايوجب السهو، قال: المصلی إذا ركع ولم يرفع رأسه من الركوع حتی خر ساجداً ساهياً تجوز صلاته فی قول أبی حنيفة ومحمد وعليه السهو، وفی المحيط لو ترک تعديل الأركان أو القومة التی بين الركوع والسجود ساهياً لزمه سجود السهو، آه.

فيكون حكم الجلسة بين السجدتين كذلک، لأن الكلام فيهما واحد والقول بوجوب الكل هو مختار المحقق ابن الهمام وتلميذه ابن أمير الحاج حتی قال: إنه الصواب والله الموفق للصواب. (البحرالرائق، الركوع والسجود فی الصلاة: ۱/۳۱۷، دارالكتب الإسلامی. انيس)

بغیر تعدیل ارکان جو نمازیں پڑھی گئیں، ان کا کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص کی عمر بیس سال کی ہے اس عرصہ میں اس نے کوئی نماز درست نہیں پڑھی، صرف دو ٹکر مار کر نماز ختم کر دیتا ہے۔ یہ نمازیں ہوئیں یا نہیں؟ اگر اعادہ کرے تو صرف فرض ہی ادا کرے یا سنت بھی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

جو نمازیں تعدیل ارکان کے ساتھ ادا نہیں ہوئیں؛ اگر چہ وہ ہوگئی ہیں، لیکن ان کا اعادہ (دہرالینا) اچھا ہے۔(۱) فرض اور وتر کا اعادہ کرے، سنتوں کا اعادہ نہ کرے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۵۶)

قومہ کی تکمیل نہ کی، تو نماز درست ہوئی یا نہیں:

سوال: رکوع کے بعد سر ذرا سا اٹھایا اور پھر سجدے میں چلا گیا، قومہ کی تکمیل نہ کی تو نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا و مسلمًا

قومہ میں تعدیل کی حیثیت مختلف فیہ ہے، بعض فقہاءِ حنفیہ وجوب کے قائل ہیں اور بعض سنیت کے، ابن ہمام صاحب فتح القدیر وجوب ہی کے قائل ہیں اور ان کے شاگرد ابن امیر الحاج نے اسی کو صواب قرار دیا ہے، اس کے برخلاف امام کرخی نے سنیت کے قول کو مختار قرار دیا ہے، اس لئے احوط یہ ہے کہ قومہ ترک نہ کیا جائے، (۳) لیکن کسی سے سہواً قومہ ترک ہوگیا، تو اختلاف کی وجہ سے نماز کو صحیح قرار دینے کی اس سے گنجائش ملتی ہے:

ومقتضى الدليل وجوب الاطمينان أيضًا في القومة والجلسة والرفع من الركوع للأمر به في

---

(۱) (ولها واجبات) لاتفسد بتركها وتعاد وجوبًا في العمد والسهو إن لم يسجد له، وإن لم يعدها يكون فاسقًا آثمًا، الخ (وهي)... (قراءة فاتحة الكتاب) الخ (وتعديل الأركان). (الدرالمختار علىٰ صدر رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب واجبات الصلاة: ۱/ ٤٢٤، ظفير)

(۲) ترک السنة لايوجب فساداً ولا سهواً بل إساءةً لو عامداً غير مستخف. (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، واجبات الصلاة، قبيل مطلب في قولهم الإساءة دون الكراهة: ۱/ ٤٧٤، دارالفكر. انيس)

(۳) فی احسن الفتاویٰ:

سوال: قومہ وجلسہ اور تعدیل ارکان سنت ہیں یا واجب؟ اور سہواً ترک کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

جواب: راجح قول وجوب کا ہے، لہذا سہواً ترک کرنے سے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ (احسن الفتاویٰ، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ و ما یتعلق بھا: ۳/۳۱، زکریا، دیوبند/ کذا فی فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الصلاۃ، مکروہات صلوٰۃ: ۵/۱۳۹، دارالاشاعت، کراچی)

حدیث المسیء صلاته وللمواظبة علیٰ ذلک کله،وإلیه ذهب المحقق الکمال بن الهمام و تلمیذه ابن أمیر الحاج وقال:إنه الصواب. (مراقی الفلاح:۱۳۶)(۱)

واختارالکرخی أن التعدیل فی القومة والجلسة سنة علیٰ قولهما. (الطحطاوی علی المراقی: ۱۳۶)(۲)وهکذا فی مجمع الأنهر : ۸۸/۱(۳)**واللّٰه أعلم بالصواب**

کتبہ: حبیب اللہ القاسمی غفرلہ-۱۰/۷/۱۴۱۱ھ-الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ-(فتاویٰ ریاض العلوم:۳۳۹/۲-۳۴۰)

☆☆☆

(۱-۲) مراقی الفلاح علی صدرحاشیة الطحطاوی،فصل فی بیان واجب الصلاة:۱٦۷، مصری

عن أبی هریرة أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم دخل المسجد فدخل رجل فصلی ثم جاء فسلم علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فرد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علیه السلام،وقال:ارجع فصل فإنک لم تصل،فرجع الرجل فصلی کماکان صلی،ثم جاء إلی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فسلم علیه،فقال له رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم وعلیک السلام،ثم قال:ارجع فصل فإنک لم تصل،حتی فعل ذلک ثلاث مرارٍ،فقال الرجل:والذی بعثک بالحق ما أحسن غیر هذا فعلمنی؟قال:إذا قمت إلی الصلاة فکبر ثم اقرأ ماتیسر معک من القرآن ثم ارکع حتی تطمئن راکعاً ثم ارفع حتی تعتدل قائماً ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً ثم اجلس حتی تطمئن جالساً ثم افعل ذلک فی صلاتک کلها،قال القعنبی عن سعید بن أبی سعید المقبری عن أبی هریرة وقال فی آخره:فإذا فعلت هذا فقد تمت صلاتک وما انتقصت من هذا شیئاً فإنما انتقصته من صلاتک وقال فیه:إذا قمت إلی الصلاة فأسبع الوضوء.(سنن أبی داؤد،باب صلاة من لایقیم صلبه فی الرکوع والسجود (ح:۸۵٦)

(۳) مجمع الأنهرفی شرح ملتقی الأبحر،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۸۸/۱،دارإحیاء التراث العربی، بیروت،لبنان

اطمینان سے ارکان کوادا کرنا واجب ہے:

اطمینان یہ ہے کہ ہر رکن کواس طرح ادا کرے کہ اس رکن میں ہر عضو اپنی جگہ ساکن ہو جائے۔رکوع اور سجدہ میں اطمینان یہ ہے کہ ہر عضو اپنی جگہ اتنی دیر رہے کہ ایک مرتبہ تسبیح پڑھی جا سکے۔(مراقی ودرمختار بر شامی:۳۱۲/۱)

قیام کی حالت میں قراءت لمبی ہوتی ہے اس لئے قراءت کرنے کی مدت اطمینان کے لئے کافی ہے۔(ملخص طحطاوی:۱۳۵)

اگر فرض نماز کی آخری دونوں رکعتوں میں یا کوئی ایک رکعت میں قراءت نہ کرے اور چپ کھڑا رہے تو ایک تسبیح کی مقدار کھڑا رہنا واجب ہے اس سے اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔(طحطاوی:۱۳۵)

اگر اتنی دیر بھی کھڑا نہ رہا تو گنہ گار ہوگا لیکن نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اصل قیام فرض ہے وہ پایا گیا۔(طحطاوی:۱۳٦)

قومہ میں بھی اطمینان عملاً فرض ہے اس کے اندر اطمینان کی صورت یہ ہے کہ رکوع سے بالکل سیدھا کھڑا ہو جائے۔(طحطاوی:۱۳٦)

جلسہ میں بھی اطمینان واجب ہے اور اس کے اندر اطمینان کی صورت یہ ہے کہ سجدہ سے اٹھ کر پورے طور پر بیٹھ جائے۔(طحطاوی:۱۳٦)

(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل:۲۳۵-۲۳٦)(انیس)

رکوع وسجدہ کی کیفیت

رکوع سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہونا چاہئے:

سوال (۱) بعض لوگ رکوع کر کے سیدھے کھڑے نہیں ہوتے سجدے میں چلے جاتے ہیں، نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

پہلے سجدہ سے اٹھ کر سیدھا بیٹھ جائے پھر سجدہ کرے:

(۲) بہت سے لوگ سجدہ سے چار انگل اٹھ کر دوسرا سجدہ کرتے ہیں، ان کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) اگر رکوع سے اٹھ کر سیدھے کھڑے نہ ہوں تو اس میں ترک واجب ہوتا ہے اور وہ نماز قابل اعادہ ہے۔

(۲) بقول بعض محققین اس میں ترک واجب ہے اور ایسی نماز کا اعادہ واجب ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۵۵)

---

(۱) (ولها واجبات) الخ (وهي) ... (قراء ة فاتحة الكتاب) الخ (وتعديل الأركان) أى تسكين الجوارح قدر تسبيحة في الركوع والسجود وكذا في الرفع منهما علىٰ ما اختاره الكمال.(الدرالمختار)

(قوله وكذا في الرفع منهما) أى يجب التعديل أيضًا في القومة من الركوع والجلسة بين السجدتين، وتضمن كلامه وجوب نفس القومة والجلسة أيضًا الخ حتى لو تركها أوشيئًا منها ساهيًا يلزمه السهوولوعمدًا يكره أشد الكراهة،ويلزمه أن يعيد الصلاة،الخ.(رد المحتار،باب صفة الصلاة،مطلب واجبات الصلاة،مطلب قد يشارإلى المثنى،الخ: ۱/ ٤٢٤ ـ ٤٣٢،ظفير)

ثم الطمأنينة في الركوع واجبة عند أبي حنيفة ومحمد،كذا ذكره الكرخي، حتى لو تركها ساهياً يلزمه سجود السهو وذكر أبوعبدالله الجرجاني أنها سنة حتى لايجب سجود السهو بتركها وكذا القومة التي بين الركوع والسجود والقعدة التي بين السجدتين ، والصحيح ماذكره الكرخي لأن الطمأنينة من باب إكمال الركن وإكمال الركن واجب كإكمال القراء ة بالفاتحة ألا ترى أن النبي صلى الله عليه وسلم ألحق صلاة الأعرابي بالعدم والصلاة إنمايقضى عليها بالعدم إما لانعدامها أصلاً بترك الركن أو بانتقاصها بترك الواجب فتصير عدماً من وجه فأما ترك السنة فلا يلتحق بالعدم،لأنه لايوجب نقصاناً فاحشاً ولهذايكره تركها أشدالكراهة حتى روى عن أبي حنيفة أنه قال:أخشى أن لاتجوزصلاته.(بدائع الصنائع، فصل الواجبات الأصليةالطمأنينة والقرار في الركوع والسجود : ۱/۱٦۲ـ۱٦۳، دارالكتب العلمية)والحديث أخرجه البخاري،باب وجوب القراء ة للإمام والمأموم،الخ (ح:۷٥۷)انيس)

سجدہ میں پیشانی کا اکثر حصہ رکھنا واجب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز میں حالت سجدہ میں پیشانی کا کس قدر حصہ زمین پر رکھنا واجب ہے، اگر تھوڑا حصہ پیشانی کا زمین پر رکھا گیا اور اکثر نہیں رکھا گیا، تو نماز بلا کراہت ہوجاوے گی یا نہیں۔ بینوا توجروا؟

الجواب

فی الدرالمختار: (وسجد بأنفه)...(وجبهته)...ووضع أكثرها واجب،وقيل فرض كبعضها وإن قل.

فـي رد المحتار: (قوله ووضع أكثرها واجب) اختلف هل الفرض وضع أكثر الجبهة أم بعضها وإن قل؟ قولان: أرجحهما الثانی، نعم وضع أكثر الجبهة واجبة للمواظبة، كما حرره فی البحر.

وفی المعراج: وضع جميع أطراف الجبهة ليس بشرط إجماعًا، فإذا اقتصر علیٰ بعض الجبهة جاز وإن قل، كذا ذكره أبو جعفر، خزائن. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اکثر حصہ پیشانی کا رکھنا گو علی الاصح فرض اور شرط نہیں، لیکن واجب ہے، ایسا نہ کرنے سے نماز مکروہ ہوگی۔ (۲)

۹/ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ۔ (تتمہ ثالثہ صفحہ ۹۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۲۰)

سجدہ میں پیشانی کے ساتھ ناک رکھنے سے متعلق بہشتی زیور اور احسن الفتاویٰ میں تعارض کی تحقیق:

سوال: سجدہ میں بہشتی زیور شبیری مکمل مدلل میں صفحہ نمبر: ۸۹ پر تحقیقی عنوان سے ہے کہ پیشانی کے ساتھ ناک زمین پر رکھنا واجب نہیں ہے، صرف وضع جبہہ علی الارض سے بھی نماز درست ہوگی۔ حضرت مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم نے اپنے احسن الفتاوی میں ناک رکھنا واجب لکھا ہے اور اگر ناک نہ رکھے تو نماز واجب الاعادہ فرماتے ہیں۔ آپ حضرات اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں اور دلائل بھی تحریر فرمائیں۔ والسلام

(حضرت مولانا) حکیم محمد اختر (صاحب مدظلہم)

---

(۱) رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل فی كيفية الصلاة، بعد مطلب فی إطالة الركوع للجائی: ۱/۴۹۸. (وكذا فی النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ۱/۲۱۶، العلمية/ والبحر الرائق، آداب الصلاة: ۱/۳۳۸، دار الكتب الإسلامی. انيس)

(۲) ... نعم وضع الأكثر واجب لمواظبته صلی الله عليه وسلم علی تمكين الجبهة والأنف علی الأرض، الخ. (حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب شروط الصلاة وأركانها: ۲۳۰، دار الكتب العلمية بيروت)

عن وائل بن حجر قال: رأيت رسول الله صلی الله عليه وسلم يسجد علی أنفه مع جبهته. (مسند الإمام أحمد، حديث وائل بن حجر (ح: ۱۸۸۴۰) انيس)

الجواب

دراصل اس مسئلہ میں بہشتی زیور اور احسن الفتاویٰ میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں کتب فقہ کے درمیان تھوڑا سا اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام طور سے کتب فقہ میں وہی مسئلہ درج ہے، (جو) بہشتی زیور میں منقول ہے۔

چنانچہ بدائع الصنائع، تحفہ اور اختیار میں "**اقتصار علی الجبهة**" کو بلا کراہت جائز قرار دیا ہے۔ (**کما فی البحر**: ۳۶٦/۱)(۱)

اور اکثر کتب فقہ میں اس کو مطلق مکروہ لکھا ہے۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے:

وإن كان من غير عذر فإن وضع جبهته دون أنفه جاز إجماعًا، ويكره، الخ. (۷۰/۱)(۲)

پھر بعض فقہا نے اس کو مکروہ تنزیہی پر محمول کیا، چنانچہ علامہ شامی نے صاحب نہر کا قول نقل کیا ہے:

لو حملت الكراهة فى رأى من أثبتها على التنزيهية ومن نفاها على التحريمية لارتفع التنافى، وعبارته فى السراج المستحب أن يضعهما. (منحة الخالق: ۳۳٦/۱)(۳)

اور صاحب بحر نے کراہت تحریمی کو ترجیح دی ہے اور لکھا ہے:

"**وكره أى الاقتصار علىٰ أحدهما سواء كان الجبهة أو الأنف وهى عند الإطلاق منصرفة إلىٰ كراهة التحريم، وهكذا فى المفيد والمزيد فالقول بعدم الكراهة ضعيف.**" (۳۳٦/۱)(۴)

علامہ شامی نے اسی بنیاد پر صاحب حلیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ کراہت تحریم کا مقابل چونکہ واجب ہوتا ہے، اس لئے **وضع الأنف** واجب ہوا، چنانچہ فرماتے ہیں:

فالأشبه وجوب وضعهما معًا وكراهة ترك وضع كل تحريمًا، وإذا كان الدليل ناهضًا به فلا بأس بالقول به، انتهىٰ. (ردالمحتار: ۳۳۵/۱)(۵)

---

(۱) **قال أبو حنيفة: هو الجبهة والأنف غير عين، حتى لو وضع أحدهما فى حالة الإختيار يجزيه، غير أنه لو وضع الجبهة وحدها جاز من غير كراهة، الخ.** (بدائع الصنائع، فصل فى أركان الصلاة: ۱۰۵/۱، دار الكتب العلمية)

وإن اقتصر على الجبهة جاز بالإجماع ولا إساءة. (الإختيار لتعليل المختار، باب الأفعال فى الصلاة: ۵۱/۱، دار الكتب العلمية)

وأنه يصح الإقتصار على الجبهة وعلى الأنف وحده وبيان الخلاف فى ذلك وبما قررناه علم أن تعريف بعضهم السجود بوضع الجبهة ليس بصحيح لأن وضعها ليس بركن لأنه يجوز الإقتصار على الأنف من غير عذر عند أبى حنيفة وإن كان الفتوىٰ على قولهما. (البحر الرائق، الركوع والسجود فى الصلاة: ۳۱۰/۱، دار الكتب الإسلامى، انيس)

(۲) الفتاوىٰ الهندية، طبع مكتبة رشيدية كوئٹه

(۳) منحة الخالق على البحر الرائق: ۳۱۸/۱، طبع سعيد

(۴) البحر الرائق: ۳۱۸/۱، ايچ ايم سعيد

(۵) كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فى كيفية الصلاة، بعد مطلب فى إطالة الركوع للجائى: ۴۹۹/۱، ايچ ايم سعيد

اسی عبارت کی بناپر مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم نے احسن الفتاویٰ میں وجوب کے قول پر اعتماد کیا ہے۔(احسن الفتاویٰ:۲۱/۳) لیکن خود علامہ شامی رحمہ اللہ نے البحرالرائق کے حاشیہ پر جو بحث کی ہے، اس سے ان کا رجحان عدم وجوب کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ وہاں ان کی پوری عبارت یہ ہے:

قال في النهر: لوحملت الكراهة في رأى من أثبتها على التنزيهية ومن نفاها على التحريمية لارتفع التنافي وعبارته في السراج: المستحب أن يضعهما، انتهٰى.

لكن قال الشيخ إسماعيل: وفي غرر الأذكار أن الاقتصار على الجبهة يجوز بلا كراهة وإن لم يكن على الأنف عذرًا اتفاقا، وكذلك في مجموع المسائل وأنه به يفتٰى، وفي الاختيار: وإن اقتصر علٰى جبهته جاز بالإجماع ولا إساءة بعد أن قال فإن اقتصر على الأنف جاز وقد أساء، وقالا: لايجوز إلا من عذر، انتهٰى كلامه فليتأمل، ويبعد ماقاله في النهر قول المتن وكره علٰى أحدهما، فإنه لايصح حمله على التنزيهية نظرًا إلٰى ترك السجود على الجبهة، لكن سيأتي حمل الكراهة علٰى طلب الكف طلبا غير جازم. (منحة الخالق: ۳۳٦/۱)(۱)

اس عبارت کے آخری جملہ میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ بنیاد منہدم کردی ہے، جس کی وجہ سے سجود علی الانف کو واجب کہا گیا تھا اور وہ یہ کہ مطلق کراہت کا اطلاق کراہت تحریمی پر ہوتا ہے، جس کا مقابل واجب ہے۔

منحۃ الخالق میں ان کے قول کا حاصل یہ ہے کہ کراہت کا اطلاق طلب الکف طلبا غیر جازم پر بھی ہوتا ہے، جو کراہت تنزیہی کو بھی شامل ہے۔ علامہ شامیؒ کی اس رائے سے بہشتی زیور کی تائید ہوتی ہے اور یہ اس لئے بھی راجح معلوم ہوتی ہے کہ اول تو اس سے فقہا کے مختلف اقوال میں تطبیق ہوجاتی ہے، دوسرے منحۃ الخالق، ردالمحتار کے بعد لکھی گئی ہے، لہٰذا یہ ان کا آخری مسلک ہے، تاہم اس میں شبہ نہیں کہ ردالمحتار سے جو وجوب سمجھ میں آتا ہے، اس پر عمل زیادہ قرین احتیاط ہے۔(۲) واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔ ۸/۱۱/۷ ۱۳۹ھ۔ (فتویٰ نمبر: ۳۰/۱۱۷ ۲۸ ج) (فتاویٰ عثمانی: ۴۰۱/۱-۴۰۳)

نماز میں سجدہ سے متعلق چند مسائل کی تصحیح و تحقیق:

سوال: ایک کتاب میں لکھا ہے کہ اگر مقتدی نے امام کو سجدہ میں پایا، بعد ایک سجدہ کرنے کے اور مقتدی نے رکوع کیا اور دونوں سجدہ کئے، تو اس صورت میں نماز فاسد ہوجاوے گی اور اگر پایا امام کو بعد رکوع کے سجدہ میں، پس رکوع کیا

---

(۱) النهر الفائق، فرع في صفة الصلاة: ۲۱٦/۱، دار الكتب العلمية/ منحة الخالق، دار الكتاب الإسلامي. انيس

(۲) ... واختارما في الكنز إرادة أن في الإقتصار على الجبهة من غير عذر ترك الأحوط في أمر العبادة كما في الإقتصار على الأنف. (مجمع الأنهر، صفة الشروع في الصلاة: ۹۷/۱-۹۸، دار إحياء التراث العربي. انيس)

اور دونوں سجدہ کئے امام کے ساتھ،تو نہیں فاسد ہوئی نماز اس کی،اس واسطے کہ ایک رکعت کی زیادتی نماز کو توڑتی ہے اور ایک رکعت سے کم کی نہیں توڑتی،اور اگر رکوع کیا مقتدی نے پہلے امام سے اور سر اٹھایا پہلے رکوع امام سے پس نہیں جائز ہوا رکوع اس کا،اور اگر پایا امام کو اندر رکوع کے پس جائز ہوئی نماز اور جب پہنچا طرف امام کے اور امام ہے رکوع میں اور نیت باندھی اور قیام میں کھڑا رہا، یہاں تک کہ سر اٹھایا امام نے رکوع سے،تو نہیں شریک ہوا اندر اس رکعت کے۔ اگر پایا امام کو رکوع میں بقدر ایک تسبیح کے،تو شامل ہوا رکعت میں،نزدیک امام ابوحنیفہ اور محمد کے اور شرح استیجابی میں لکھا ہے کہ اگر نہ ٹھہرے بقدر تین تسبیح کے رکوع میں، یا نہ پڑھے تین تسبیح تو نہیں جائز ہوئی نماز اس کی اور اگر بے عذر ناک رکھا اور ماتھا نہ رکھا سجدہ کی جگہ میں، یا ماتھا رکھا اور ناک نہ رکھا جگہ سجدہ میں،تو نہیں جائز ہے نماز اس کی،صحیح ہے، یا غلط؟

الجواب

یہ نفس مسائل صحیح ہیں،مگر یہ مسئلہ کہ ''اگر ناک نہ رکھے اور ماتھا رکھے تو نماز صحیح نہیں'' درست نہیں، بلکہ فقط ماتھا رکھنا بدون ناک کے،نماز کو بکراہت درست کر دیتا ہے۔(۱)

(بدست خاص،سوال ۱۵۷)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۶۵)

سجدہ میں صرف پیر کا انگوٹھا زمین پر رکھا انگلیاں نہ رکھیں تو سجدہ معتبر ہوگا یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص نماز میں سجدے کی حالت میں اپنے پیر کی انگلیاں زمین کو نہ لگاتا ہو،صرف انگوٹھا ہی رکھتا ہو تو اس شخص کا یہ فعل کیسا ہے،سجدہ ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سجدہ میں فقط پیر کا انگوٹھا زمین پر رکھا رہنے سے نماز ہو جائے گی،مگر صرف انگوٹھا رکھنے پر اکتفا کرنا اور دوسری انگلیوں کو اٹھائے رکھنا خلاف سنت ہے،اس لئے مکروہ ہے۔سنت یہ ہے کہ دونوں قدموں کی انگلیاں زمین پر لگی رہیں اور انگلیوں کا رخ قبلہ کی جانب ہو۔

ووضع أصبع واحدة منهما شرط.(الدرالمختار)

وأفاد أنه لو لم يضع شيئاً من القدمين لم يصح السجود،الخ.(رد المحتار:۱/ ۴۱۶)(۲)

(۱) ويسجد على جبهته وأنفه واظب على هذا رسول الله صلى الله عليه وسلم وفيه تمام السجود،فإن سجد على الجبهة دون الأنف جاز عندنا وعند الشافعي لايجوز وإن سجد على الأنف دون الجبهة جاز عندأبي حنيفة ويكره ولا يجوز عند أبي يوسف ومحمد وهو رواية أسيد بن عمرو عن أبي حنيفة.(المبسوط للسرخسي،مكروهات الصلاة:۱/ ۳۴،دارالمعرفة بيروت.انيس)

(۲) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،بحث الركوع والسجود،انيس

والمراد بوضع القدمين علىٰ ماذكرفى الخلاصة وضع أصابعهما والمراد بوضع الأصابع توجيههمانحوالقبلة ليكون الاعتماد عليهاحتى لووضع ظهرالقدمين ولم يوجهه أصابعهما أو أحدهما نحوالقبلة لايصح سجوده وهذا ممايجب حفظه وأكثرالناس عنه غافلون. (مجالس الأبرار: ۳۱۵، رقم المجلس: ۵۳)(۱) فقط واللّٰه اعلم بالصواب

۳/ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۳۰۴/۴) ☆

ہاتھوں، پیروں، گھٹنوں کے درمیان سجدہ میں فرق:

سوال: حضرت مفتی صاحب زیدمجدہ!　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کا فتوی نمبر:۶۲ جس کا سوال میرے عزیز القدر برادر ثانی نصیر احمد متعلم مدرسہ ہذا نے پیش کیا تھا، بالکل بحیثیت فتویٰ درست ہے، البتہ میرے دل میں جوتر دد ہے، اس کوعزیز المذکور نے سوال میں پیش نہیں کیا، یہاں بوجہ عدم سامان کتب معذور ہوں، اس واسطے مکرر عرض ہے کہ مطابق روایت مسلم شریف کہ وہ: ''أمرت أن أسجد علىٰ سبعة أعظم'' (الحديث)(۲) ہے، یہ حدیث مقتضی فرضیت سبعۃ اعظم ہے، پس وضع قدمین کوسجدہ میں فرض کہنا اور

(۱) قال في البزازية: والمراد بوضع القدم هنا وضع الأصابع أو جزء من القدم، وإن وضع أصبعاً واحدةً أو ظهر القدم بلا أصابع، إن وضع مع ذلك إحدىٰ قدميه صح وإلا لا، اه، قال في شرح المنية بعد نقله ذلك: وفهم منه أن المراد بوضع الأصابع توجيههما نحوالقبلة ليكون الإعتماد عليهاوإلا فهو وضع ظهرالقدم وقد جعلوه غيرمعتبر، وهذا ما يجب التنبيه عليه فإن أكثرالناس عنه غافلون. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، صفة الصلاة: ۵۰۰/۱، دارالفكر بيروت. انيس)

☆ **سجدہ میں نال اٹھی رہے:**

سوال: ایک آدمی سجدہ میں گیا، لیکن سجدہ کی حالت میں دونوں پیر کی تین تین انگلیاں زمین سے لگی ہوئی نہیں تھیں، تو کیا ایسی صورت میں اس کودوبارہ نماز ادا کرنی ہوگی؟

هو المصوب

مذکورہ صورت میں نماز ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں، سجدہ کی حالت میں کم ازکم قدمین کے کچھ حصے کا زمین پر ٹکا رہنا ضروری ہے اور یہاں یہ پایا جارہا ہے۔

(ومنها السجود) بجبهته وقدميه، ووضع أصبع واحدة منهما شرط. (الدرالمختار)

(قوله وقدميه) يجب إسقاطه؛ لأن وضع أصبع واحدة منهما يكفى، كما ذكره بعدح، وأفاد أنه لولم يضع شيئًا من القدمين لم يصح السجود. (رد المحتار: ۱۳۵/۲) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بحث الركوع والسجود، انيس)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی/تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۶۷/۲)

(۲) عن ابن عباس رضى اللّٰه تعالىٰ عنهما قال: قال النبى صلى اللّٰه عليه وسلم: '' أمرت أن أسجد علىٰ سبعة أعظم: على الجبهة، وأشاربيده علىٰ أنفه واليدين والرجلين وأطراف القدمين و لا نكف الثياب ولا الشعر''. (الصحيح لمسلم، كتاب الصلوٰة، باب أعضاء السجود والنهى عن كف الشعروالثوب و عقص الرأس فى الصلوٰة: ۱۹۳/۱، قديمى)

هذه الأحاديث فوائدمنها: أن أعضاء السجود سبعة وأنه ينبغى للساجد أن يسجد عليهاكلها وأن يسجد على الجبهة والأنف جميعاً، الخ. (شرح النووى لمسلم، باب أعضاء السجود والنهى عن كف الشعر: ۲۰۸/۴، دارإحياء التراث العربى. انيس)

وضع یدین اور رکبتین کوفرض نہ کہنا کیسا ہے اور:''مالا یتوصل إلی الفرض إلا به، فهو فرض'' (۱) کو دلیل فرضیت وضع قدمین میں بیان کرنا خلاف منصوص ہے۔

نص میں سبعۃ اعظم میں کوئی فرق نہیں اور کف الثیاب والشعر کو قرینہ عدم فرضیت وضع رکبتین اور وضع یدین قرار دینا اور وضع قدمین کوفرض ہی رکھنا، حالانکہ وضع قدمین ان کا معطوف علیہ ہے، اور معطوف حکم میں معطوف علیہ کے ہوتا ہے، ایسے ہی امر کومشترک بین الواجب والندب سے تفریق درست نہیں اور رفع رکبتین بھی اشبہ بالتلاعب ہے؛ لیکن نفس جواز فی الصلوۃ میں مخل نہیں۔ پس دلیل حضرت ابن ہمام بھی دل میں پوری نہیں بیٹھتی۔ ادھر امام الائمہ کے نزدیک صلوۃ وتر فرض عملی ہے اور اس کی فرضیت بھی ایسی خبر کے ساتھ ہے؛''إن اللّٰه أمركم''(الحدیث)(۲)

پس ''أمرت'' سے وضع قدمین کوفرض اور وضع رکبتین اور یدین کوسنت کہنا سمجھ میں نہیں آتا اور یہ امر ضروری ہے، کسی فقیہ نے اس کی ضرور تنقیح کی ہوگی، مگر بوجہ عدم سامان کے معذور ہوں۔

(محمد فاضل قاضی عفا اللہ عنہ، از مقام وڈاک خانہ کوال، ضلع، راولپنڈی)

الجواب ــــــــــــ حامدًا و مصليًا

نمبر:۶۲ر میں شبہ مذکورہ تحریر نہیں تھا، بلکہ صرف وضع قدمین ورفع قدمین فی السجود کا سوال تھا۔ شبہ مذکورہ کا منشا بظاہر یہ ہے کہ آپ وضع قدمین فی السجود کی فرضیت کو حدیث ''أمرت أن أسجد'' سے ثابت سمجھ رہے ہیں، اسی پر وضع یدین اور رکبتین اور معطوف ومعطوف علیہ کی بحث متفرع ہے، حالانکہ یہ خبر واحد ہے جس سے فرضیت ثابت نہیں ہوسکتی، لہٰذا اس حدیث سے تو کسی چیز کی بھی فرضیت ثابت نہیں، سجود کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے جس کی حقیقت **وضع الجبهة علی الأرض** ''پیشانی کی فرضیت'' تو یوں ہوئی، (۳) اور چونکہ وضع الجبہہ کے لیے وضع قدمین یا رکبتین یا

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها: ۴۹۹/۱، سعيد

(۲) عن خارجة بن خرافة رضي اللّٰه تعالٰى عنه أنه قال: خرج علينا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: ''إن اللّٰه أمركم بصلوٰة هي خير لكم من حمر النعم الوتر جعله اللّٰه لكم فيما بين صلوٰة العشاء إلٰى أن يطلع الفجر''. (سنن الترمذي، أبواب الوتر، باب ماجاء في فضل الوتر: ۱۰۳/۱، سعيد)

(۳) ''(قوله وسجد بأنفه وجبهته)...وفي الشريعة: وضع بعض الوجه ممالاسخرية فيه فخرج الخد والذقن والصدغ، الخ.

''وأما في الصحيحين مرفوعًا:'' أمرت أن أسجد علٰى سبعة أعظم: علٰى جبهة. وأشار بيده إلٰى أنفه واليدين، والركبتين، وأطراف القدمين، ولانكف الثياب والشعر''مستعمل في الوجوب والندب الذي هو الأعم بمعنى طلب مني ذلك، أوفي الندب، أوفي الوجوب، فقولهما بالافتراض مشكل؛ لأنه يلزمها الزيادة على الكتاب بخبر الواحد، وهما يمنعانه في الأصول لأبي حنيفة،

==

یدین ضروری ہے، اس لئے ان میں سے ایک کی فرضیت ضروری ہے، (۱) اور شروع سے قدمین زمین پر موجود ہیں اور نیز ہر رکن کی ادائیگی کے وقت قدمین کا زمین پر ہونا ضروری اور ظاہر ہے، اس لیے قدمین کی فرضیت وضع پر اکتفا کیا گیا، (۲) اور اب یدین ورکبتین کا ثبوت خبر واحد سے ہے، لہذا ان کا وضع مسنون ہوگا۔ (۳)

فقہا کے کلام میں روایات مختلف ہیں، قدوری، کرخی، جصاص نے وضع القدمین کو فرض کہا ہے، تمرتاشی، شیخ الاسلام، صاحب نہایہ نے قدمین اور یدین کو عدم فرضیت میں مساوی قرار دیا ہے۔ (النهاية: ١٤١/١) (۴) اس میں اسی روایت کو لکھا ہے: "وهو الحق". (۵)

پھر اسی میں دو صورتیں ہیں: ایک وجوب دوسری سنت، (۶)

== فلذلک قال المحقق ابن الهمام: فجعل بعض المتأخرين الفتوى على الرواية الأخرى الموافقة لقولها لم يوافقه دراية ولا القوى من الرواية، هذا لو حمل قولهما، لايجوز الاقتصار إلا من عذر علٰى وجوب الجمع كان أحسن؛ إذ يرتفع الخلاف بناءً علٰى ما حملنا الكراهة منه عليه من كراهة التحريم ولم يخرجا عن الأصول". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٥٥٤/١-٥٥٥، رشيدية)

(۱) "وحيث تظافرت الروايات عن أئمتنا بأن وضع اليدين والركبتين سنة، ولم ترد رواية بأنه فرض تعين وضع القدمين أو إحداهما للفرضية، ضرورة التوصل إلٰى وضع الجبهة". (رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل فى بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها، بعد مطلب فى إطالة الركوع للجائى: ٤٩٩/١، سعيد)

(۲) "وفيه: (أى فى شرح الملتقٰى) يفترض وضع أصابع القدم ولو واحدة نحو القبلة، وإلا لم تجز، والناس عنه غافلون". (الدر المختار، علٰى صدر رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل فى بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها، بعد مطلب فى إطالة الركوع للجائى: ٤٩٩/١، سعيد)

(۳) ويؤيده ما فى شرح المجمع لمصنفه حيث استدل علٰى أن وضع اليدين والركبتين سنة بأن ماهية السجدة حاصلة بوضع الوجه والقدمين على الأرض، الخ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل فى بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها، بعد مطلب فى إطالة الركوع للجائى: ٤٩٩/١، سعيد)

(۴) "كذا فى الهداية، وأما وضع القدمين فقد ذكر القدورى أنه فرض فى السجود آه، فإذا سجد ورفع أصابع رجليه، لايجوز، كذا ذكره الكرخى و الجصاص. ولو وضع إحداهما جاز، قال قاضيخان: ويكره. وذكر الإمام التمرتاشى أن اليدين والقدمين سواء فى عدم الفرضية، وهو الذى يدل عليه كلام شيخ الإسلام فى مبسوطه". (رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل فى بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها، بعد مطلب فى إطالة الركوع للجائى: ٤٩٩/١، سعيد)

(۵) رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل فى بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها، بعد مطلب فى إطالة الركوع للجائى: ٤٩٩/١، سعيد

(۶) "فصار فى المسئلة ثلاث روايات: الأولٰى فرضية وضعهما، الثانية فرضية إحداهما، الثالثة عدم الفرضية، وظاهره أنه سنة، قال فى البحر: وذهب شيخ الإسلام إلٰى أن وضعهما سنة، فتكون الكراهة تنزيهية". (رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل فى بيان تاليف الصلاة إلى انتهائها، بعد مطلب فى إطالة الركوع للجائى: ٤٩٩/١، سعيد)

اور بوجہ ”أن السجود لایتوقف تحققه علٰی وضع القدمین،فیکون افتراض وضعهما زیادة علی الکتاب،آہ“.(رد المحتار: ۵۲۱/۱)(۱)

لیکن حصکفی نے شرح ملتقی ،ص:۹۸، میں لکھا ہے:

”وما نقله فی الدررعن العنایة من أن عدم الفرضیة هوالحق،فبعید عن الحق،وبضده أحق“.(۲)

حلبی نے شرح منیہ ،ص:۲۸۰، میں اس کی وجہ لکھی ہے:

”إذ لا روایة تساعده والدرایة تنفیه،علٰی مامرمن أن ما لایتوصل إلی الفرض إلا به فهوفرض وحیث تواطأت الروایات وتظافرت عن أئمتنا أن وضع الرکبتین سنة،ولم ترد روایة قط بأنه فرض،وکذا وضع الیدین تعین وضع القدمین أوإحداهما للفرضیة ضرورة،ولم یروعنهم روایة، فکیف والروایات فیه متوافرة أیضًا علٰی مالایخفٰی علی المتتبع،واللّٰه الموفق“.(۳)

رفع رکبتین اشبہ بالتلاعب ہونے کا اشکال شامی نے بھی نقل کیا ہے،(۴) لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیخ ابن ہمام نے جو کچھ بیان کیا ہے،وہ علت کے درجہ میں نہیں، بلکہ حکمت کے درجہ میں ہے،لہذا طرد وعکس ضروری نہیں۔شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ علامہ حلبی نے کہا ہے کہ یدین،رکبتین اورقدمین کی فرضیت کی کوئی روایت ائمہ مذاہب سے ثابت نہیں ہے،اس لئے لامحالہ قدمین کی فرضیت توصل الی الفرض کی حیثیت سے مانی جائے گی۔(۵)

---

(۱) کتاب الصلاة، فصل فی بیان تالیف الصلاة إلی انتهائها،بعد مطلب فی إطالة الرکوع للجائی: ۴۹۹/۱،سعید

(۲) سکب الأنهرشرح ملتقی الأبحر،باب صفة الصلاة: ۹۸/۱،دار إحیاء التراث العربی بیروت
کشف الظنون(۱۸۱۴-۱۸۱۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ سکب الأنهرعلاء الدین الحصکفی (م:۱۰۸۸ھ) کی نہیں ہے، بلکہ علاء الدین الطرابلسی (م: ۱۰۳۲ھ)کی ہے،یہ عبارت ”الدرالمنتقی شرح الملتقٰی،باب صفة الصلاة: ۱۴۸/۱،دارالکتب العلمیة بیروت“ کی ہے۔انیس

(۳) الحلبی الکبیر، الخامس من الفرائض السجدة،ص: ۲۸۵، سهیل اکیڈمی لاهور

(۴) وأما إذا رفع قدمیه فی السجود،فإنه مع رفع القدمین بالتلاعب أشبه منه بالتعظیم والإجلال، آہ“.(ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،بحث الرکوع و السجود: ۴۴۷/۱، سعید)

(۵) ”إذ لاروایة تساعده والدرایة تنفیه علٰی مامرمن أن ما لایتوصل إلی الفرض إلا به فهو فرض،وحیث تواطأت الروایات وتظافرت عن أئمتنا أن وضع الرکبتین سنة ولم ترد روایة قط بأنه فرض،وکذا وضع الیدین،تعین وضع القدمین أوإحداهما للفرضیة ضرورة،ولم یروعنهم روایة،فکیف والروایات فیه متوافرة أیضًا علی ما لایخفٰی علی المتتبع،واللّٰه الموفق“.(الحلبی الکبیر،الخامس من الفرائض السجدة،ص: ۲۸۵،سهیل اکیڈمی لاهور)

صاحب بحر نے قدوری کے قول کو ضعیف قرار دیا ہے،(۱) لیکن شرح مجمع، کفایہ، شرح فیض وغیرہ میں قدوری کے قول ہی کو ترجیح دی ہے اور اسی پر فتویٰ نقل کیا ہے۔(۲)

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے سب کچھ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

والحاصل أن المشهور في كتب المذهب اعتماد الفرضية، والأرجح من حيث الدليل و القواعد عدم الفرضية، ولذا قال في العناية والدرر: إنه الحق، ثم الأوجه حمل عدم الفرضية على الوجوب، والله أعلم". (رد المحتار: ۲۲۲/۱)(۳)

یہ سب کچھ کلام قدمین کے متعلق ہے، یدین اور رکبتین میں بھی فقہا کی تین روایتیں ہیں: فرض، وجوب، سنت، عامۃ الفقہا قول ثالث کو ترجیح دیتے ہیں،(۴) لیکن شیخ ابن ہمام نے وجوب کو اختیار کیا ہے اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے فرض کو ترجیح دی ہے،(۵) علامہ شامی کی رائے یہ ہے کہ شیخ ابن ہمام کا قول راجح ہے کیونکہ خبر واحد سے جس میں امر کا صیغہ ہو وجوب ثابت ہوتا ہے، فرض عملی وجوب کو کہتے ہیں، چنانچہ اخبار آحاد سے وجوب ثابت ہو جاتا ہے۔(۶)

---

(۱) "وذكر القدوري أن وضعهما فرض، وهو ضعيف". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۵۵٦/۱، رشيدية)

(۲) ويؤيده ما في شرح المجمع لمصنفه حيث استدل علىٰ أن وضع اليدين والركبتين سنة بأن ماهية السجدة حاصلة بوضع الوجه والقدمين على الأرض الخ وكذا ما في الكفاية عن الزاهدي من أن ظاهر الرواية ما ذكر في مختصر الكرخي، وبه جزم في السراج فقال: لو رفعهما في حال سجوده لايجزيه، ولو رفع إحداهما جاز، وقال في الفيض: وبه يفتىٰ. (رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها، بعد مطلب في إطالة الركوع للجائي: ۴۹۹/۱، سعيد)

(۳) كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها، بعد مطلب في إطالة الركوع للجائي: ۵۰۰/۱، سعيد

(۴) وأما اليدان والركبتان فظاهر الرواية عدم افتراض وضعهما، قال في التجنيس والخلاصة: وعليه فتوى مشايخنا، وفي منية المصلي: ليس بواجب عندنا، واختار الفقيه أبو الليث الافتراض و صححه في العيون ولا دليل عليه؛ لأن القطعي إنما أفاد وضع بعض الوجه على الأرض دون اليدين والركبتين، والظني المتقدم لايفيد، لكن مقتضاه ومقتضى المواظبة الوجوب، وقد اختاره المحقق في فتح القدير، وهو إن شاء الله أعدل أقوال لموافقه الأصول، وإن صرح كثير من مشايخنا بالسنة، ومنهم صاحب الهداية" (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۵۵٦/۱، رشيدية)

(۵) مختار الفقيه أبي الليث علىٰ ما أسلفناه عنه في أوائل باب الأنجاس من أن المصلي إذا لم يضع ركبتيه على الأرض، لايجزئه، وأنه رد رواية عدم وجوب طهارة مكان الركبتين في الصلاة، فهو يشير إلى الافتراض، وما اخترته من الوجوب ولزوم الإثم بالترك مع الإجزاء كترك الفاتحة أعدل إن شاء الله تعالىٰ". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۳۰۵/۱، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(٦) "وقال في الحلية: والأوجه علىٰ منوال ما سبق هو الوجوب لما سبق من الحديث آه أي علىٰ منوال ما حققه شيخه من الاستدلال علىٰ وجوب وضع اليدين والركبتين، وتقدم أنه أعدل الأقوال، فكذا هنا، فيكون وضع القدمين كذلك، واختاره أيضًا في البحر والشرنبلالية". (رد المحتار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلى انتهائها، بعد مطلب في إطالة الركوع للجائي: ۴۹۹/۱، سعيد)

امام اعظم سے وتر کے متعلق تین روایتیں ہیں: فرض، واجب، سنت۔(۱)
ان میں تمرتاشی نے تطبیق دی ہے:
"هو فرض عملاً، وواجب اعتقادًا، وسنة ثبوتاً، بهذا وفقوا بين الروايات". (۲) فقط والله أعلم وعلمه أتم وأحكم
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور۔الصحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور۔۲ / ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ۔الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۶۱-۵۶۷)

سجدہ بقدر تسبیحہ واحدہ واجب ہے:

سوال: سجدے میں کتنی دیر ٹھہرنا فرض ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

مطلقاً سجدہ فرض ہے اور ایک تسبیح کی مقدار ٹھہرنا واجب ہے اور تین تسبیحات کی مقدار سنت مؤکدہ ہے۔
في واجبات الصلاة من العلائية: (وتعديل الأركان) أي تسكين الجوارح قدر تسبيحة في الركوع والسجود وكذا في الرفع منهما، الخ. (رد المحتار: ۱/ ٤٣٢) (۳) فقط والله تعالىٰ أعلم
۲۸ / رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۳/ ۴۰)

دوسجدوں کے درمیان ٹھہرنے کی مقدار:

سوال: دوسجدوں کے درمیان (جلسہ میں) کتنی دیر تک ٹھہرنا چاہئے؟

(۱) عن أبي حنيفة رحمه الله في الوتر ثلاث روايات: في رواية فريضة، وفي رواية سنة مؤكدة، وفي رواية واجب، وهي آخر أقواله، وهو الصحيح، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثامن في صلاة الوتر: ١/ ١١٠، رشيدية)

(۲) تنوير الأبصار مع الدر المختار على صدر ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ٢/ ٣-٤، سعيد

(۳) كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة، مطلب قد يشار إلى المثنى، الخ: ١/ ٤٦٤، دار الفكر / وكذا في النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ١/ ١٩٩، دار الكتب العلمية / تبيين الحقائق، باب صفة الصلاة: ١/ ١٠٦، المكتبة الأميرية بولاق، مصر.

(وتعديل الأركان) أي تسكين الجوارح في الركوع والسجود حتى تطمئن مفاصلها واجب عند الطرفين وأدناه مقدار تسبيحة وهو تخريج الكرخي، وفي تخريج الجرجاني سنة لأنه شرع لتكميل الأركان وليس بمقصود لذاته. (مجمع الأنهر، باب صفة الصلاة: ١/ ١٣٢، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

ہمارے امام صاحب اتنی دیر کرتے ہیں کہ اتنی دیر میں آٹھ دس بار رکوع کی تسبیح پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

چونکہ حنفیہ کے یہاں اس جلسہ میں کوئی ذکر مسنون نہیں ہے۔ اس لئے اس جلسہ کو طول نہیں دینا چاہئے، بالخصوص جماعت کی نماز میں۔

"ولیس فی هذا الجلوس ذکر مسنون عندنا، هکذا فی الجوهرة النیرة". (الفتاویٰ الهندیة: ۷۵/۱)(۱) **فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم**

محمد بشیر احمد۔ ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۳۹۱/۲-۳۹۲)

---

(۱) **الجوهرة النیرة، باب صفة الصلاة: ۵٤/۱، المطبعة الخیریة. انیس**

البتہ اگر کوئی شخص دعا پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(قوله: ولیس بینهما ذکر مسنون، الخ) قال أبویوسف: سألت الإمام أیقول الرجل إذا رفع رأسه من الرکوع والسجود "اللّٰهم اغفرلی"؟ قال: یقول: ربنا لک الحمد، وسکت، ولقد أحسن فی الجواب إذ لم ینه عن الاستغفار، نهروغیره.

قلت: بل فیه إشارة إلی أنه غیر مکروه إذ لو کان مکروها لنهی عنه کما ینهی عن القراء ة فی الرکوع والسجود وعدم کونه مسنوناً لا ینافی الجواز کالتسمیة بین الفاتحة والسورة بل ینبغی أن یندب الدعاء بالمغفرة بین السجدتین خروجاً من خلاف الإمام أحمد لابطاله الصلاة بترکه عامداً ولم أر من صرح بذلکلکن صرحوا باستحباب مراعاة الخلاف واللّٰه أعلم. (ردالمحتار، کتاب الصلاة باب صفة الصلاة: ۵۰۵/۱، دارالفکر بیروت. انیس)

سلام کے ذریعہ نماز ختم کرنا

لفظ ''السلام'' کہنے سے نماز سے خارج ہوگیا:

سوال: کیا فرماتے ہیں بزرگان دین مسئلہ ذیل میں کہ نماز سے خروج کے لیے ''السلام علیکم'' کہنا واجب ہے، تو قابل دریافت امر یہ ہے کہ پورا سلام کہنے سے نماز سے خارج ہوجاتا ہے، یا نصف سلام یا اس سے بھی کم الفاظ کہنے سے نماز سے خارج ہوجاتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

''علیکم'' سے قبل ہی صرف ''السلام'' کا لفظ کہنے سے نماز سے خارج ہوجاتا ہے۔

لما فی واجبات الصلاة من شرح التنوير:

(ولفظ السلام) مرتين فالثاني واجب على الأصحّ. برهان. دون عليكم، وتنقضي قدوة بالأوّل قبل عليكم على المشهور عندنا وعليه الشافعية. (الدرالمختار)

وفي رد المحتار: (قوله وتنقضي قدوة بالأوّل) أي بالسلام الأوّل، قال في التجنيس: الإمام إذا فرغ من صلاته فلمّا قال: السلام جاء رجل واقتدیٰ به قبل أن يقول عليكم لا يصير داخلاً في صلاته، لأنّ هٰذا سلام. (رد المحتار: ۴۳۶/۱)(۱) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

۱۷/محرم ۱۳۸۶ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲۵/۳)

دونوں سلام واجب ہیں یا ایک:

سوال: نماز میں دونوں سلام واجب ہیں یا ایک ہی سلام؟ (عبدالباری، کلکتہ)

الجواب ــــــــــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ! ''نماز سے حلال ہونے کا طریقہ سلام ہے''۔

---

(۱) **كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في تأليف الصلاة، قبل مطلب مهم في تحقيق متابعة الإمام: ۴۶۸/۱، دار الفكر، انيس**

''وتحليلها التسليم''. (۱)

اوراپنے عمل سے سلام کا طریقہ متعین فرمادیا کہ دائیں، بائیں دوسلام کئے جائیں۔(۲)

اس لئے صحیح یہی ہے کہ پہلے سلام کی طرح دوسرا سلام بھی واجب ہے۔

''فالثانی واجب علی الأصح''. (۳)

گو بعض اہل علم کی رائے ہے کہ پہلا سلام واجب اور دوسرا سنت ہے؛(۴) لیکن صحیح تر رائے یہی ہے۔(۵)

(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۸۹)

ایک طرف سلام پھیرنے سے نماز درست ہوگی یا نہیں:

سوال: امام کے آخری قعدہ میں بیٹھ کر دائیں جانب سلام پھرانے کے بعد ایک مقتدی نے اللّٰہ أکبر کہہ کر امام کولقمہ دیا،لقمہ کی آواز سے امام ٹھٹھک گیا، بائیں طرف سلام نہ پھرا کر کھڑے ہوکر سوال کیا کہ نماز پوری نہیں ہوئی ؟ اکثر مقتدیوں نے کہا کہ نماز پوری ہوگئی،لقمہ دینے والے نے غلطی کی،کیا بائیں طرف نہ پھرانے سے نماز تمام ہوجائیگی ،یااعادہ ضروری ہے؟

---

(۱) مشکوۃ المصابیح، حدیث نمبر:۳۱۲،بحوالہ ابوداؤد، ترمذی ودارمی، عن علی رضی اللہ عنہ

(أخرجه الدارمی،باب مفتاح الصلاة الطهور (ح:٧١٤)/والشافعی فی السنن،ت:سنجر،باب تحريم الصلاة التكبير (ح: ١٩١)/و ابن ماجة،باب مفتاح الصلاة الطهور (ح: ٢٧٥)/وأبوداؤد ، باب فرض الوضوء (ح: ٦١)/والترمذی ، باب ماجاء أن مفتاح الصلاة الطهور (ح:٣)انيس)

(۲) عن عبدالله أنه كان يسلم عن يمينه''السلام عليكم ورحمةالله ''وعن يساره''السلام عليكم ورحمةالله''. وقد روى عن الأسود من غيرهذا الإسناد عن عبدالله عن النبی صلی الله عليه وسلم بمثله.(مسند أبی داؤدالطيالسی، ما أسند عبدالله بن مسعود رضی الله عنه (ح: ٢٨٤)ورواه الترمذی عن عبد الله عن النبی صلی الله عليه وسلم''أنه كان يسلم عن يمينه وعن يساره: السلام عليكم ورحمةالله،السلام عليكم ورحمةالله''.باب ماجاء فی التسليم فی الصلاة (ح:٢٩٥)انيس)

(۳) الدرالمختارمع ردالمحتار: ١٦٢/٢ (كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل فی تأليف الصلاة،قبل مطلب مهم فی تحقيق متابعة الإمام::٤٦٨/١)انيس)

(۴) رد المحتارمعزيا إلٰی فتح القدير : ١٦٢/٢.

ثم قيل:الثانية سنة،والأصح أنها واجبة كالأولٰی .(فتح القدير، باب صفة الصلاة:٣٢٠/١،دارالفكر.انيس)

(۵) کیوں کہ پہلے سلام سے ہی نمازی نماز سے خارج ہوجاتا ہے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دونوں جانب سلام کے عمل کی وجہ سے دونوں سلام کہنا سنت مؤکدہ ہے۔انیس

الجواب ــــــــــــــــــــ

نماز کے اختتام پر دونوں طرف سلام پھیرنا اصح قول کی بنا پر واجب ہے، (اگر چہ بعض فقہا نے دوسرے سلام کو سنت بھی کہا ہے۔)

لہذا صورت مسئولہ میں امام نے ترک واجب کا ارتکاب کیا، جس کا حکم یہ ہے کہ نماز کی فرضیت تو ساقط ہوگئی، لیکن وقت کے اندر اندر نماز کا اعادہ واجب تھا، اب جب کہ وقت بھی گذر چکا اور ان مصلیوں کا اجتماع نہ رہا تو نماز کراہت کے ساتھ ہوگئی، البتہ امام کو اس غلطی پر توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔

قال فی الدر المختار: (ولفظ السلام) مرتین، فالثانی واجب. (۱)

وفی مراقی الفلاح فی بیان حکم الواجب فی الصلاة: وإعادتها بترکه عمدًا وسقوط الفرض ناقصًا إن لم یسجد ولم یعد.

وقال الطحطاوی تحت قوله (وإعادتها بترکه عمدًا): أی مادام الوقت باقیًا وکذا فی السهو إن لم یسجد له وإن لم یعدها حتی خرج الوقت تسقط مع النقصان وکراهة التحریم، ویکون فاسقًا آثما، وکذا الحکم فی کل صلاة أدیت مع کراهة التحریم، والمختار أن المعادة لترک واجب نفل جابر والفرض سقط بالأولٰی. (الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح فی فصل بیان الواجب. (ص: ۱۳٤) (۲) والله أعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ۔ ۱۲/۲۷/ ۱۳۹۰ھ۔ (فتوی نمبر ۱۹۹/۲۱۔ الف) الجواب صحیح: بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔

(فتاویٰ عثمانی: ۱/ ۴۰۶۔ ۴۰۷)

---

(۱) الدر المختار: ۱/ ٤٦٨، طبع سعید) (الدر المختار علٰی صدر رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فی تألیف الصلاة، قبل مطلب مهم فی تحقیق متابعة الإمام، انیس)

(۲) طبع قدیمی کتب خانه.

وفی بدائع الصنائع: ۱/ ۱۹٤: وأما الذی هو عند الخروج من الصلاة فلفظ السلام عندنا، وعند مالک والشافعی فرض، والکلام فی التسلیم یقع فی مواضع فی بیان صفته أنه فرض أم لا و فی بیان قدره... (وقال بعد أسطر): ولنا ما روی عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه أنه قال: صلیت خلف رسول الله صلی الله علیه وسلم وخلف أبی بکر وعمر وکانوا یسلمون تسلیمتین عن أیمانهم وعن شمائلهم. وروی عن علی أنه قال: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یسلم تسلیمتین ... وأما الأحادیث فالأخذ بما روینا أولٰی، لأن علیاً وابن مسعود کانا من کبار الصحابة وکانا یقومان بقربه صلی الله علیه وسلم ... الخ. کذا فی عامة کتب الفقه الحنفی.

نیز دونوں سلام کے وجوب سے متعلق محدثانہ کلام کے لئے حضرت والا دامت برکاتہم کی ''کتاب درس ترمذی: ۲/ ۶۴'' ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب عفی عنہ)

نماز کا سلام پھیرنے میں "السلام علیکم" کے بجائے "سلام علیکم" کہنا کیسا ہے:

سوال: بعض امام سلام پھیرنے کے وقت "السلام علیکم" کے بجائے "سلام علیکم" (الف لام کے بغیر) کہتے ہیں اس طرح کہنا کیسا ہے؟ کیا اس میں کوئی کراہت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مصلی کیلئے (امام ہو یا منفرد) سنت طریقہ یہ ہے کہ کامل اور صاف طریقہ سے "السلام علیکم ورحمة الله" کہے، اگر "السلام علیکم" کے بجائے "سلام علیکم" کہے گا تو سنت کے خلاف اور مکروہ ہوگا۔

شامی میں ہے:

(قوله هو السنة) قال في البحر: وهو علىٰ وجه الأكمل أن يقول: السلام عليكم ورحمة الله مرتين، فإن قال السلام عليكم أو السلام أو سلام عليكم أو عليكم السلام أجزأه وكان تاركاً للسنة، وصرح في السراج بكراهة الأخير، اهـ.

قلت: تصريحه بذلك لاينافي كراهة غيره أيضًا مما خالف السنة. (ردالمحتار: ٤٩١/١، فصل في بيان تأليف الصلاة، مطلب في وقت إدراك فضيلة الافتتاح) **فقط والله أعلم بالصواب** (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۲۱/۸) ☆

☆ نماز کے ختم پر "سلام عليكم ورحمة الله" کہنا:

سوال: آج کل ایک معمول سا ہو گیا ہے کہ جب نماز ختم کرتے ہیں تو "السلام عليكم ورحمة الله" کے بجائے "سلام" بغیر الف اور میم پر صرف پیش کے ساتھ، عليكم ورحمة الله کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم الف لام کا تلفظ تو کرتے ہیں، البتہ سننے میں یوں لگتا ہے کہ الف لام کا تلفظ نہیں ہو رہا ہے، نیز کہتے ہیں کہ یہاں الف لام حرف شمسی پر داخل ہے؛ اس لئے اتنی گنجائش نکل سکتی ہے، اس لئے معلوم طلب امور یہ ہیں کہ:

(۱) سلام کے ذریعہ نماز ختم کرنے کا مسنون ومقبول طریقہ کیا ہے؟

(۲) "سلام عليكم ورحمة الله" کہنے سے نماز میں کمی واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

(۳) ایسا کرنے والا جب کہ وہ اس پر مصر بھی ہو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

(۴) کیا حروف شمسی پر الف لام داخل ہو تو اتنی تخفیف کی گنجائش ہے کہ مقتدی حضرات کو پتہ بھی نہ چلے؟

ھو المصوب

صورت مسئولہ میں خواہ امام ہو یا مصلی ہو یا منفرد، سنت طریقہ یہ ہے کہ کامل اور صاف طریقہ سے "السلام عليكم ورحمة الله" کہے، اگر السلام عليكم کے بجائے سلام عليكم کہے گا تو سنت کو ترک کرنے والا ہوگا، اگرچہ نماز ہو جائے گی؛ لیکن اگر ایسا کرنے والا اسی پر مصر ہے تو گنہگار بھی ہوگا۔ ==

نماز کے سلام میں ''وبرکاتہ'' کا اضافہ:

سوال: نماز کے سلام میں ورحمة اللّٰه کے بعد وبرکاته کا اضافہ کیا جائے، تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

وبرکاته کا اضافہ متروک العمل ہے۔

(قوله السلام عليكم ورحمة اللّٰه)لم يقل وبركاته كما فى الهداية الاختلاف فيه،قال المظهر:فى شرح المصابيح:لفظ بركاته لم يرد فى سلام الصلاة،وفى السراج:وإنه لايقول وبركاته و صرح فى النووى بأنه بدعة وليس فيه شيء ثابت،ولكن يرده ما فى الحاوى القدسى من أنه مروى،وأيضًا قال أميرالحاج ردًا للنووى بأنها جاء ت فى سنن أبى داؤد من حديث وائل بن حجربإسناد صحيح. (حاشية الدررعلى الغرر: ۶۲/۱)(۱)

== ردالمحتار میں ہے:

(قوله هوالسنة)قال فى البحر:وهوعلىٰ وجه الأكمل أن يقول:السلام عليكم ورحمة اللّٰه مرتين،فإن قال السلام عليكم أوالسلام أوسلام عليكم أوعليكم السلام أجزأه،وكان تاركاً للسنة،وصرح فى السراج بكراهة الأخير.

قلت: تصريحه بذلك لاينافى كراهة غيره أيضًا مماخالف السنة.(رد المحتار: ۲۴۱/۲)(كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة،فصل فى بيان تأليف الصلاة،مطلب فى وقت إدراك فضيلة الافتتاح،انيس)

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۷۸/۲-۷۹)

(۱) ... أن السنة فى السلام من الصلاة أن يقول:السلام عليكم ورحمة اللّٰه عن يمينه،السلام عليكم ورحمة اللّٰه عن شماله ولايسن زيادة وبركاته وإن قدجاء فيها حديث ضعيف وأشارإليها بعض العلماء ولكنها بدعة ولم يصح فيها حديث بل صح هذا الحديث وغيره فى تركها والواجب منه السلام عليكم مرة واحدة ولوقال السلام عليك بغير ميم لم تصح صلاته وفيه دليل على استحباب تسليمتين.(شرح النووى لمسلم،باب الأمر بالسكون فى الصلاة والنهى عن الإشارة باليد: ۱۵۳/۴،دارإحياء التراث الإسلامى بيروت)

عن علقمة بن وائل عن أبيه قال:صليت مع النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فكان يسلم عن يمينه ''السلام عليكم ورحمةاللّٰه وبركاته''وعن شماله''السلام عليكم ورحمةاللّٰه''.(سنن أبى داؤد،باب فى السلام (ح: ۹۹۷)/ورواه ابن ماجة،باب التسليم (ح: ۹۱۴) /والبزار فى المسند،عن إبراهيم عن علقمة عن عبداللّٰه (ح: ۱۵۷۴)/والنسائى فى السنن الكبرىٰ،كيف السلام على اليمين (ح: ۱۲۴۳)/وابن حبان،ذكر كيف التسليم الذى ينفتل المرء به من الصلاة (ح:۱۹۹۳)/وابن خزيمة،باب صفة السلام فى الصلاة (ح:۷۲۸) عن عبداللّٰه بن مسعود)

قوله:(السلام عليكم ورحمة اللّٰه)زاد أبوداؤدمن حديث وائل:وبركاته،وأخرجها أيضا ابن حبان فى صحيحه من حديث ابن مسعود وكذلك ابن ماجة من حديثه، ==

(قائلا السلام عليكم ورحمة اللّٰه)هو السنة،وصرح الحدادى بكراهة:عليكم السلام (و)أنه (لايقول)هنا (وبركاته) وجعله النووى بدعة،ورده الحلبى، وفى الحاوى أنه حسن. (الدرالمختار مع الشامى: ٤٩١/١)(١)فقط واللّٰه أعلم بالصواب(فتاویٰ رحیمیہ:۲۹۹/۴)

☆☆☆

== قال الحافظ فى التلخيص:فيتعجب من ابن الصلاح حيث قال:إن هذه الزيادة ليست فى شىء من كتب الحديث إلا فى رواية وائل بن حجر وقدذكرالحافظ طرقاً كثيرةً فى تلقيح الأفكار تخريج الأذكار لما قال النووى:إن زيادة وبركاته رواية فردة ثم قال الحافظ بعد أن ساق تلك الطرق: فهذه عدة طرق تثبت بها وبركاته،بخلاف ما يوهمه كلام الشيخ إنها زيادة فردة،انتهٰى،وقد صح فى بلوغ المرام حديث وائل المشتمل على تلك الزيادة.(نيل الأوطار،باب الخروج من الصلاة بالسلام: ٣٤٦/٢، دار الحديث مصر.انيس)

(١) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل فى بيان تاليف الصلاة،مطلب فى وقت إدراك فضيلة الافتتاح،انيس

نماز کا اعادہ-احکام ومسائل

کیا ہر مکروہ تحریمی سے نماز کا اعادہ واجب ہے:

سوال: ہر مکروہ تحریمی فعل سے نماز کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب＿＿＿＿＿＿＿＿＿＿＿＿＿

مکروہ تحریمی فعل سے بیشک اعادہ نماز کا، واجب ہوتا ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۲/۱۵۶)

''کل صلاۃ أدیت مع کراھیة وجبت إعادتھا'' کا محمل:

(ہر وہ نماز جو مکروہ کے ارتکاب کے ساتھ پڑھی گئی، اس کا لوٹانا مستحب ہے یا واجب؟)

سوال: فقہ کا اصول'' **کل صلاۃ أدیت مع کراھیة وجبت إعادتھا** '' کا محمل کیا وقت کے ساتھ خاص ہے کہ وقت کے بعد بھی اعادہ ضروری ہے، جب کہ فتاویٰ محمودیہ:۲/۱۴۳، **تحفة الألمعی**: ۲/۶۰، ۱۰۱ پر لکھا ہوا ہے کہ وقت میں اعادہ واجب ہے اور وقت کے بعد مستحب ہے، برخلاف عمدۃ الفقہ :۲/۳۴۱، مسائل امامت مدلل ''مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی کی'' ۲۸۳، شامی مکتبہ دارالکتاب:۲/۴۵۵ سے ۲/۴۵۸ تک کے خلاصہ سے یہ بات راجح سمجھ میں آتی ہے کہ وقت اور بعد الوقت اعادہ کرنا واجب ہے۔

تو حضرت سے گزارش ہے کہ برائے کرم اس تعارض کو دور کر کے شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

الجواب＿＿＿＿＿＿＿＿حامدًا و مصلیًا و مسلمًا

احسن الفتاویٰ کی چوتھی جلد میں ایک مستقل رسالہ''**نیل السعادة بالاقتداء فی الصلاۃ المعادة**'' نامی شامل

---

(۱) **وکذا کل صلاۃ أدیت مع کراھة التحریم تجب إعادتھا.(الدر المختار علی ھامش رد المحتار، باب صفة الصلاۃ، مطلب واجبات الصلاۃ: ۱/۴۲۵، ظفیر)**

وعن السرخسی من ترک الاعتدال تلزمه الإعادة ومن المشایخ من قال: تلزمه ویکون الفرض ھو الثانی ولا إشکال فی وجوب الإعادة إذ ھو الحکم فی کل صلاۃ أدیت مع کراھة التحریم ویکون جابراً للأول لأن الفرض لا یتکرر، الخ.(فتح القدیر، باب صفة الصلاۃ: ۱/۳۰۱، دار الفکر بیروت. انیس)

ہے،اس کے اخیر میں صاحبِ فتاویٰ تحریر فرماتے ہیں: بارہویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ النفس حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کے فتاویٰ اور تحقیقاتِ فقہیہ میں آپ کے تبحر وتعمق کے مشاہدہ کے بعد واضح ہوتا ہے کہ آپ کی تحقیقات کا مطالعہ کئے بغیر آپ کا تعارف بہت ناقص، بلکہ کالعدم ہے،مسئلہ زیرِ بحث سے متعلق آپ کے دو فتوے نقل کئے جاتے ہیں:

سوال: بعداز خروجِ وقت جبرِ نقصان مستحب است یا واجب؟

جواب: ہر دو روایت است، **والأصح الوجوب کما فی مسائل شتیٰ من شرح المنیة.**

سوال: در جبرِ نقصانِ نمازِ مغرب ووتر اگر سہواً بر سہ رکعت نہ نشست، چہ کند؟ سہو ہد یا جبر باز گرداند۔

الجواب: باز گرداند۔ (بیاضِ ہاشمی قلمی جلد اول باب قضاء الفوائت:۱۳۰، احسن الفتاویٰ:۳۵۲/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احمد خانپوری۔ ۱۵/ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ۔

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی۔ (محمود الفتاویٰ: ۴۶۴/۱-۴۶۵)

مقتدی کا فرض یا واجب چھوٹ جانا:

سوال: اگر مقتدی کا کوئی واجب یا فرض جماعت میں غلبۂ نوم سے یا ضعف بصارت سے ترک ہوجاوے تو کیا اس مقتدی کو نماز کا اعادہ کرنا ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

ہاں مقتدی کو اعادہ کرنا ہوگا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۳۱۲/۱-۳۱۳)

دو سجدوں کے درمیان جلسہ نہ کرنا موجب اعادہ صلاۃ ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص دو سجدوں کے درمیان جلسہ نہیں کرتا، یعنی صرف اشارہ کرتا ہے، کیا یہ نماز ہوجاتی ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مسعود صدیقی محلّہ موچی پورہ کابلی گیٹ پشاور...... ۱۷/۲/۱۹۹۱ء)

---

(۱) **إن المؤتم لو قام ساهياً فی القعدة الأولیٰ یعود ویقعد،لأن القعود فرض علیه بحکم المتابعة حتی قال فی البحر:ظاهره أنه لو لم یعد تبطل صلاته لترک الفرض.(رد المحتار علی الدر المختار: ۱۶۶/۲)واجبات الصلاة: ۴۷۱/۱، دار الفکر.انیس)**

یعنی مقتدی پر اعادہ اس لیے واجب ہے کہ ان پر امام کی اتباع واجب ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض علمانے عدم اتباع کی وجہ سے نماز کو باطل قرار دیا ہے۔ انیس

الجواب

جب جلسہ (سبحان اللہ) کہنے کی مقدار سے کم ہوتو نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔(۱) وهو الموفق

(فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۴۴)

تشہد، درود ودعا ترک کردے، تو نماز واجب الاعادہ ہوگی یا نہیں:

سوال: مقتدی نے آخر قعدہ میں التحیات اور درود شریف ودعا کچھ نہیں پڑھا اور امام کے ساتھ سلام پھیر دیا، اس صورت میں نماز قابل اعادہ تو نہ ہوگی؟

الجواب

اگر سہواً تشہد نہیں پڑھا تو اعادہ لازم نہیں اور اگر عمداً ترک کیا ہے تو نماز تو اس صورت میں بھی ہوگئی، مگر اعادہ لازم ہے؛ تاکہ ترک واجب عمداً سے جو خلل آ گیا ہے، وہ مرتفع ہوجاوے۔(۲)

۱۳/رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ۔(امداد الاحکام:۲/۹۷)

سجدۂ سہو بھول جائے، تو نماز کے اعادہ کا کیا حکم؟

سوال (۱) فرض نماز یا سنت میں واجب وغیرہ کے چھوٹ جانے پر یا تعدیل ارکان، تقدیم وتاخیر کی صورت میں سجدۂ سہو لازم آتا ہے، اگر کوئی شخص بھول سے قصداً دونوں جانب سلام پھیر دیتا ہے اور سجدۂ سہو نہیں کرتا ہے تو کیا نماز کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ اگر اعادہ واجب ہے تو اس نماز کی نیت کیا ہوگی؟ اگر فرض کی نیت کرتا ہے تو پہلے والی نماز کیا ہوگی، نفل ہوجائے گی یا فرض؟

(۲) اگر فرض کی نیت کرتا ہے تو مسئلہ کے اعتبار سے جمعہ وعیدین میں سجدۂ سہو ساقط ہے، آخر کیوں وہ نماز مکمل نہیں ہوتی، اگر نہیں ہوتی تو دوبارہ لوٹانا جمعہ وعیدین میں ضروری ہوگا؟

(۳) دہرائی جانے والی نماز میں کوئی شخص شامل ہوگیا تو اس کی نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

---

(۱) قال العلامة الحصكفي: (وتعديل الأركان) أى تسكين الجوارح قدرتسبيحة فى الركوع والسجود، وكذا فى الرفع منهما علىٰ ما اختاره الكمال. (الدرالمختار)

قال ابن عابدين: لوتركها أوشيئًا منها ساهيًا يلزمه السهو ولوعمدًا يكره أشد الكراهة، ويلزمه أن يعيد الصلاة. (رد المحتارهامش الدرالمختار، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة، مطلب لاينبغى أن يعدل عن الدراية الخ: ۱/۳٤۲)

(۲) (سجدتان بتشهد وسلام لترك واجب سجواً وإن تكرروإن كان تركه) الواجب (عمداً أثم ووجب) عليه (إعادة الصلاة) تغليظاً عليه (لجبر نقصانها) فتكون مكملة وسقط الفرض بالأولىٰ وقيل: تكون الثانية فرضاً فهى المسقطة (ولا يسجد فى) الترك (العمد للسهو) لأنه أقوىٰ، الخ. (مراقى الفلاح شرح نورالإيضاح، باب سجود السهو: ۱۷۸، المكتبة العصرية. انيس)

هو المصوب

(۱) کسی واجب کے سہواً ترک یا تعدیل ارکان نہ پائے جانے سے جو سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے، اگر اسے بھی سہواً یا عمداً ادا نہ کیا تو نماز کا اعادہ ضروری ہے، اور یہ نماز پہلی نماز کی کمی اور نقصان کی تلافی کے لئے ادا کی جائے گی۔

علامہ حصکفی نے درمختار میں صراحت کی ہے:

(ولها واجبات) لاتفسد بتركها... والمختار أنه جابر للأول. (الدرالمختار مع الرد: ۱٤۸/۲)(۱)

عبارت بالا کا حاصل یہ ہے کہ واجبات نماز کے ترک سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے، لیکن نماز فاسد نہیں ہوتی ہے، لہٰذا اگر کسی نے سجدہ سہو نہیں کیا اور سلام پھیر دیا تو نماز کا اعادہ واجب ہے، اعادہ نہ کرنا فسق ہے، البتہ دوسری بار جو نماز پڑھی جائے گی، اس میں اعادہ کی نیت ہوگی۔

(۲) جمعہ وعیدین میں سجدہ سہو کا نہ ہونا فتنہ سے بچنے کے لئے ہے، ان نمازوں میں عوام الناس کی بڑی کثرت ہوتی ہے اور ایک بھیڑ ہوتی ہے، اگر سجدۂ سہو کیا جائے تو لوگوں کی نماز فاسد اور خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، لہٰذا اس حکمت کے پیش نظر سجدۂ سہو ادا نہیں کیا جاتا ہے۔ فتاویٰ ہندیہ میں صراحت ہے:

إن مشائخنا قالوا: لايسجد للسهو في العيدين والجمعة لئلا يقع الناس في فتنة. (الفتاوى الهندية: ۱۲۸/۱)(۲)

معلوم ہوا کہ اصل فرضیت پہلی والی نماز سے ادا ہو جائے گی، اعادہ کا وجوب محض نقصان کی تلافی کے لئے ہے اور جمعہ وعیدین میں اس تلافی میں دقت ہے اور لوگوں کے فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ رہتا ہے، اس لئے نماز ہو جائے گی۔

(۳) دہرائی جانے والی نماز میں شریک ہونے والے کی نماز فرض ادا نہ ہوگی؛ کیونکہ یہ اصلاً فرض نہیں ہے، بلکہ فرض کے اتمام اور اس کے نقصان کی تلافی کے لئے ہے۔ جیسا کہ علامہ حصکفی نے صراحت کی ہے:

والمختار أنه جابر للأول. (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۱٤۸/۲)(۳)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۲/۱۷۔۷۲)

☆☆☆

(۱۔۳) باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة: ٤٥۷/۱ و كذا في فتح القدير، باب صفة الصلاة: ۳۰۱/۱، دارالفكر بيروت. انيس

(۲) الباب الثاني عشر في سجود السهو

(قوله: لايسجد للسهو في الجمعة والعيدين) أي لدفع الفتنة بعدم علم الجميع به وفساد صلاة من لم يتابع الإمام عند من يراه. (حاشية الشربلالي، على درر الحكام شرح غرر الحكام، سجود السهو في صلاة النفل: ۱٥٤/۱، دار إحياء الكتب العربية. انيس)

سنن نماز

قیام، تکبیر تحریمہ وغیرہ کے مسائل

سنت کی تعریف اور اس کا حکم:

سوال: آپ نے ترک سنت کے مسئلہ کے جواب میں دو حدیثیں تحریر فرمائی ہیں، مگر ہم لوگ ناخواندہ ہیں، براہ کرم ان پر اعراب اور ترجمہ تحریر فرما دیا جائے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

یہ طحطاوی علی مراقی الفلاح کی عبارت ہے جس میں سنت کی تعریف کی گئی ہے:

" ترک السنة لا یوجب فسادًا ولا سهوًا، بل إساءةً لو عامدًا غیر مستخف... حکم السنة أنه یندب إلٰی تحصیلها، ویلام علٰی ترکها مع لحوق إثم یسیر". (۱)

مطلب یہ ہے کہ سنت کا جان بوجھ کر چھوڑ نا بُرا ہے، اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی نہ سجدہ سہو لازم ہوتا ہے، مگر اس کو بھی ہلکا نہیں سمجھنا چاہیے، سنت پر عمل کرنے کی ترغیب دی جائے اور جو ترک کرے وہ قابل ملامت ہے اور اس کا گناہ ہوگا، لیکن ترک فرض سے کم ہوگا۔ **"کما فرغ من التکبیر للإحرام، بلا إرسال"** (۲) یعنی جیسے ہی تکبیر تحریمہ سے فارغ ہو تو بغیر ہاتھ چھوڑے ہوئے ہاتھ باندھ لے، بعض آدمی کانوں تک ہاتھ اٹھانے کے بعد ہاتھ پہلے لٹکا دیتے ہیں پھر باندھتے ہیں ایسا نہ کریں۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۸/۴/۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۴/۱۳۸۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۴/۵)

(۱) حاشیة الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی بیان سننها: ۲۵۶، قدیمی

حکم السنة هو الإتباع فقد ثبت بالدلیل أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم متبع فیما سلک من طریق الدین قولاً وفعلاً وکذلک الصحابة بعده وهذا الإتباع الثابت بمطلق السنة خالٍ عن صفة الفرضیة والوجوب إلا أن یکون من أعلام الدین فإن ذلک بمنزلة الواجب فی حکم العمل علی ماقال مکحول رحمه الله: السنة سنتان، سنة أخذها هدی وترکها ضلالة وسنة أخذها حسن وترکها لا بأس به، فالأول نحو صلاة العید والأذان والإقامة والصلاة بالجماعة ولهذا لو ترکها استوجبوا اللوم والعتاب ولو ترکها أهل بلدة وأصروا علی ذلک قوتلوا علیها لیأتوا بها والثانی نحو ما نقل من طریقة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی قیامه وقعوده ولباسه ورکوبه ==

نمازی کے قدموں کے درمیان فاصلہ:

سوال: نمازی کے قدموں کے درمیان کس قدر فاصلہ ثابت ہے؟ خواہ جماعت میں ہو یا علاحدہ ہو؟

الجواب ______________

درمیان دونوں قدموں مصلی کے فاصلہ بقدر چہار انگشت چاہئے۔(۱) (تالیفات رشیدیہ:۲۶۱-۲۶۰)

قیام میں دونوں قدم کے درمیان فاصلہ رکھنا کیسا ہے:

سوال: نماز میں قیام کی حالت میں درمیان دونوں پیروں کے چار انگشت فرق رکھنا کیسا ہے، اگر کم وبیش ہو جاوے تو نماز میں کچھ خلل تو نہ ہوگا؟

الجواب ______________

فقہا نے لکھا ہے کہ چار انگشت کا فاصلہ پیروں میں بحالت قیام رکھنا بہتر ہے اگر کچھ کم وبیش ہو گیا تو نماز صحیح ہے کچھ کراہت نہیں۔شامی جلد اول:

" وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلى الخشوع"،إلخ. (شامی)(۱)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۵۳) ☆

== وسننه فى العبادات متبوعة أيضاً فمنها مايكره تركها ومنها مايكون مسيئاً ومنها مايكون المتبع لها محسناً ول ايكون التارك مسيئاً وعلى هذا تخرج الألفاظ المذكورة فى الأذان من قوله:يكره،وقد أساء،ولا بأس به، الخ.(أصول السرخسي،فصل فى بيان المشروعات من العبادات وأحكامها:۱/۱۱۴-۱۱۵،دارالمعرفة بيروت.انيس)

العبارة بأسرها:"ويسن وضع الرجل يده اليمنٰى كما فرغ من التكبيرللإحرام،بلا إرسال،ويضع فى كل قيام من الصلاة،الخ".(حاشية الطحطاوى علٰى مراقى الفلاح،فصل فى بيان سننها:۲۵۸،قديمى)

حاشية صفحه هذا:

(۱) وينبغى أن يكون بين رجليه حالة القيام قدر أربع أصابع، وقال الطحاوى:فى المقارنة وهو الصحيح.(فتح القدير،باب صفة الصلاة:۱/۲۹٦،دارالفكر بيروت،انيس)

(۲) رد المحتار،باب صفة الصلاة،بحث القيام :۱/۴۱۴،ظفير

☆ **قیام میں دو پیروں کے درمیان فاصلہ:**

سوال: حالت قیام میں دونوں پیروں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟

الجواب ______________ وباللّٰہ التوفیق

بہتر یہ ہے کہ دونوں پاؤں کے درمیان چار انگلی کے بقدر فاصلہ ہو،اگر اس سے کم یا زیادہ کا فاصلہ رہا تب بھی نماز بلا کراہت درست ہوگی۔ ==

قیام میں پاؤں کے درمیان فاصلہ:

سوال: نماز کے قیام میں دونوں پاؤں کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟ اور کیا یہ فاصلہ واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

تقریباً چار انگل کا فاصلہ رکھنا مستحب ہے اور دونوں پاؤں کو بالکل سیدھا رکھنا کہ انگلیاں قبلہ کی طرف سیدھی ہوں، سنت ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلىٰ الخشوع، هٰكذا روى عن أبي نصر الدبوسي أنّه كان يفعله، كذا في الكبرىٰ. (رد المحتار: ۱/٤١٤)

وفي التنوير: ويستقبل بأطراف أصابع رجليه القبلة ويكره إن لم يفعل.

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: كذا في التجنيس لصاحب الهداية وقال الرملي في حاشية البحر: ظاهره أنّه سنّة وبه صرّح في زاد الفقير، آهـ. (رد المحتار: ۱/٤٧٠)(۱)**فقط والله تعالىٰ أعلم**

۴/ ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۴۱) ☆

قیام کی حالت میں قدموں کے برابری کا حکم:

سوال: الہادی بابت جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ، جلد:۲، صفحہ:۲۰۲، سطر:۸ میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے حوالہ دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید سے سب لوگ صف کو

== **"وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلى الخشوع.** (رد المحتار، باب صفة الصلاة، بحث القيام: ۲/۱۳۱)**فقط والله تعالىٰ أعلم**

محمد جنید عالم ندوی قاسمی - ۲۴/۳/۱۴۰۸ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۳۸۹)

(۱) **(و) من السنن (توجيه أصابع رجليه إلى القبلة). (إسعاف المولىٰ القدير شرح زاد الفقير: ٦٣، مخطوطة جامع الملك سعود، انيس)**

☆ **قدمین کے درمیان فاصلہ:**

سوال: حالت نماز میں پہلی رکعت میں دونوں پیروں کے درمیان فاصلہ چھ انگل تھا اور دوسری رکعت میں وہ فاصلہ چار انگل رہ گیا، تو اس صورت میں نماز میں تو کوئی خرابی لازم نہیں آتی؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصليًا

کوئی خرابی نہیں مگر چار انگل کا فصل مستحب ہے۔ (**"وينبغي أن يكون بينهما مقدار أربع أصابع اليد؛ لأنه أقرب إلى الخشوع".** (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بحث القيام: ۱/٤٤٤، سعيد) (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۶۷۵)

سیدھا کرتے تھے، پس ہم میں سے ہر ایک اپنے مونڈھے کو اپنے برابر کے مونڈھے سے ملاتا تھا اور اپنے قدم کو اس کے قدم سے،(۱) اس کے علاوہ بھی بہت تاکید لکھی ہوئی ہے، مگر ہم ہر جگہ دیکھتے ہیں اس کا نہ تو کوئی خیال ہی کرتا ہے اور نہ ہمارے علما کبھی تاکید کرتے ہیں، اگر کوئی بہت محتاط عالم کبھی تاکید بھی کرتے ہیں، تو اس سے زیادہ نہیں کہ مونڈھے سے مونڈھا ملالو قدم کا ذکر کبھی نہیں سنا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

کیا یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اخیر تک ملا رہتا تھا؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ صف سیدھا کرنے کے لئے قدم کو قدم سے ملا کر دیکھتے ہوں، پھر اپنی حالت پر چھوڑ دیتے ہوں؟ خلاصہ میرے سوال کا یہ ہے کہ محاذات یا الزاق جو حدیثوں میں آیا ہے اس کا مدلول لغوی محاذات یا الزاق کا حدوث ہے یا ان کا بقا۔(۲)

۲۷ رصفر ۱۳۵۱ھ (النور: ۱۰ رشوال المکرم ۱۳۵۱ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۱۵)

حالت قیام میں کھڑے ہونے کی کیفیت:

سوال: نمازی کو حالت قیام میں سیدھا کھڑا ہونا چاہئے، یا آگے کی طرف سر جھکا کر کھڑا ہونا چاہئے؟ اگر سر جھکانے کا حکم ہے تو کتنی مقدار جھکائے؟ ایک عالم صاحب حضرت گنگوہیؒ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ حالت قیام میں آگے کی طرف سر اتنا جھکانا چاہئے کہ سر قدم کے محاذات سے آٹھ انگلیوں کی مقدار آگے بڑھ جائے، کمر سے جھکانا شروع کرتے ہیں اور سر آٹھ انگلیوں کی مقدار قدم سے بڑھاتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

اس کا حوالہ دیا جائے کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کس کتاب میں لکھا ہے، ان کی عبارت نقل کی جائے، تب اس میں غور کیا جاسکے گا۔(۳) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند-۱۳۹۰/۶/۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۶۷۵)

---

(۱) عن أنس بن مالک عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قال: أقیموا صفوفکم فإني أراکم من وراء ظهري وکان أحدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه. (الصحیح للبخاري، باب إلزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم في القیام (ح: ۷۲۵) انیس)

(۲) یعنی بقا کی کوئی دلیل ہے نہیں اور فقط حدوث سے اس کا سنّت ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے۔ سعید

(۳) کتب فقہ میں قیام کی یہ صورت لکھی ہے کہ اس طرح کھڑا ہو کہ ہاتھ سے گھٹنے نہ چھوائے۔

(ومنها القیام) بحیث لو مد یدیه لا ینال رکبتیه. (الدر المختار، باب صفة الصلاة: ۱/۶۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

تکبیر تحریمہ کے وقت بھی فقہاء کرام نے جھکنے سے فرمایا ہے۔

ولا یطأطیء رأسه عندالتکبیر. (المبسوط للسرخسي، کیفیة الدخول في الصلاة: ۱/۱۲، دار المعرفة بیرات. انیس)

ایک نمازی کا دوسرے نمازی کے قدموں کے درمیان فاصلہ:

سوال: درصورت جماعت ایک نمازی سے دوسرے نمازی کو کتنا فاصلہ ہونا چاہئے؟ زید کہتا ہے کہ فاصلہ درمیان قدموں کے چار انگشت ہونا چاہئے اور یہ امر کتب فقہ سے مستفاد کب ہوتا ہے؟ چنانچہ مفتاح الصلوٰۃ میں لکھا ہے:

''می باید کہ وقت قیام فرق درمیان ہر دو قدم چہار انگشت باشد، فقط''۔(۱)

اور عمرو کہتا ہے کہ ہرگز نہیں بلکہ ایک مصلی دوسرے سے مونڈھے سے مونڈھا اور قدم سے قدم ملائے رکھے؛ تاکہ اتصال حقیقی پیدا ہو جائے؛ کیوں کہ صف کے ملانے کو اور شگاف و دراز بند کرنے کو تاکیداً فرمایا گیا ہے اور یہ امر جب تک مونڈھے سے مونڈھا اور قدم سے قدم نہ ملایا جائے گا ہرگز پیدا نہ ہوگا۔

چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے!

''أقیموا صفوفکم فإني أراکم من وراء ظهري وکان أحدنا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وقدمه بقدمه'' انتهٰی. (۲)

اور یہ حدیث صریح غیر معارض ہے اور کسی ائمہ دین سے اس کا خلاف مروی نہیں ہے کہ انہوں نے معنی حقیقی کو چھوڑ کر بلا وجہ معنی مجازی لئے ہوں اور حدیث صحیح صریح غیر معارض بلا منسوخ اپنے معنی حقیقی پر واجب العمل ہوتی ہے، بالاتفاق تمام اہل علم کے حالانکہ تمام خواص وعوام اس کے خلاف پر عمل کرتے ہیں، یہ تقریر عمرو کی ہے۔

لہٰذا جواب مدلل عند التحقیق ارقام فرمایا جاوے کہ زید وعمرو میں کون صحیح کہتا ہے اور عمل کس طرح پر ہونا چاہئے؟

الجواب

اقامت صف کی حالت میں اتصال حقیقی ممکن نہیں ہے اور حدیث شریف میں سد فرجات وخلل کا حکم آیا ہے؛ حالانکہ اگر پاؤں چکرا کر کھڑے ہوں گے تو دونوں پاؤں کے درمیان ایک وسیع فرجہ پیدا ہو جائے گا، پس اس حالت میں حدیث شریف کے معنی یہی ہوئے کہ مقابلہ اور محاذات مناکب اور کعاب کا فوت نہ ہونا چاہئے۔

چنانچہ حدیث شریف ابوداؤد میں یہ تصریح موجود ہے:

''إن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: أقیموا الصفوف، وحاذوا بین المناکب، وسدوا الخلل، ولا تذروا فرجات للشیطان''، انتهٰی. (۳)

---

(۱) چاہئے کہ قیام کے وقت دونوں قدموں کے درمیان چار انگلی کا فاصلہ رہے۔

(۲) اپنی صفوں کو ٹھیک کرو کیونکہ میں تم کو اپنی پشت کے پیچھے سے دیکھتا ہوں اور ہم میں سے ہر ایک اپنے مونڈھے کو اپنے ساتھی کے مونڈھے سے ملا لیتا تھا اور اپنے قدم کو اس کے قدم سے۔

أخرجه البخاري، باب إلزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم في القیام (ح:۷۲۵) انیس

(۳) کتاب الصلاة، باب تسویة الصفوف، حدیث نمبر ۶۶۶، دار ابن حزم ، انیس)

==

پس اس سے ظاہر ہے کہ الزاق اور الصاق سے مراد محاذات ہی ہے،(۱) نہ (کہ) الصاق والزاق حقیقی، ورنہ ادائے ارکان نماز سے سخت دشواری پیش آوے گی،(۲) مگر معنی حقیقی مراد نہ ہونے سے یہ لازم ہونا کہ مل کر نہ کھڑے ہوں، ہرگز نہیں،(۳) اور وہ فرجات جو عوام بلکہ خواص پر بھی اس کے الصاق سے غفلت ہے مکروہ تحریمہ ہے۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(تالیفات رشیدیہ:۲۶۱-۲۶۰)

ایک مقتدی کا دوسرے مقتدی سے پیر ملانا کیسا ہے:

سوال: پیر جوڑنا کہ داہنے مقتدی کا بایاں پیر بائیں مقتدی کے داہنے پیر سے مل جاوے، اس سے نماز فاسد ہوتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

نماز تو اس سے فاسد نہیں ہوتی، مگر یہ فعل ان کا خلاف سنت ہے۔(۵) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳/۳۴۳-۳۴۴)

== ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صفوں کو ٹھیک کرو اور مونڈھوں کو مقابلہ میں رکھو اور خلا کو بند کردو اور شیطان کیلئے کھلی جگہ نہ چھوڑو۔

(۱) (قوله: حاذوا) أى ساووا (قوله: وسدوا الخلل) أى الثلمة والفرجة. (شرح أبى داؤد للعينى، باب تسوية الصفوف: ۳/۲۱۷، مكتبة الرشد الرياض. انيس)

(۲) (... عن عمر بن الخطاب كان يأمر بتسوية الصفوف فإذا جاء فأخبره أن قد استوت كبر) ... والمراد: تعديل الصفوف لتكون على سمت واحد والمقياس فى هذا المناكب والأقدام فإذا تساوت المناكب وتساوت الأقدام هذه هى التسوية وإلا فقد يكون الشخص نضوا الخلقة جحيفاً وبجانبه شخص ممتلىء الجسم يساويه بإمامه وإلا بآخره ؟وإن تساوى معه فى مقدمته تأخر عنه، تأخر عن الصف وإن ساواه بمأخرته تقدم عن الصف فالمنظور إليه والمراد هو المناكب والأقدام يبقى أنه قديطلع مثل اليدين شىء منه قدام وشىء خلف، هذا أمر غيرمقدور عليه، ولا ينظر إليه ولا يرتب عليه الحكم إنما المطلوب التسوية والمحاذات فى المناكب والأقدام. (شرح الموطأ لعبدالكريم الخضير، باب تسوية الصفوف: ۱۳/۲۵. انيس)

(۳) وينبغ للقوم إذا قاموا إلى الصلاة أن يتراصوا ويسدوا الخلل ويسوا بين مناكبهم فى الصفوف ولابأس أن يأمهم الإمام بذلک، الخ. (تبيين الحقائق، باب صفة الصلاة: ۱/۱۳۶، دارالكتب الإسلامى بيروت. انيس)

(۴) قلت: مراده عندالفقهاء الأربعة أن لايترک فى البين فرجة تسع فيها ثالثاً بقى الفصل بين الرجلين. (فيض البارى، باب إلزاق المنكب بالمنكب: ۲/۳۰۲، دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

(۵) وماروى أنهم ألصقوا الكعاب بالكعاب أريد به الجماعة: أى قام كل واحد بجانب الآخر. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، بحث القيام: ۱/۴۱۴، ظفير)

والمراد من قوله: ألصقوا الكعاب بالكعاب إجتماعهما. (البناية شرح الهداية: ۲/۲۱۹، دارالكتب العلمية. انيس)

☆ جماعت میں ایک مقتدی کا دوسرے سے پیر ملا کر کھڑا ہونا کیا ضروری ہے:

سوال: غیر مقلد جماعت میں پاؤں ایک دوسرے سے ملاتے ہیں اور حدیث سے استنباط کرتے ہیں، حنفیہ کے نزدیک کیا حکم ہے؟

==

جماعت میں مونڈھا ملا کر مقتدی کھڑے ہوں یا پاؤں ملا کر:

سوال: نماز میں مقتدی مونڈھے سے مونڈھا تو لگا کر کھڑے ہوتے ہیں، مگر ایک صاحب فرماتے ہیں کہ پاؤں سے پاؤں بھی ملانا چاہئے۔ آیا حنفی مذہب میں اس کا حکم ہے یا نہیں؟

الجواب

حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مونڈھوں کو ملانے کا اور صفوف کو برابر کرنے کا حکم فرمایا ہے اور ٹخنوں کو ایک سیدھ میں کرنے کا حکم ہے، اس سے غیر مقلدوں نے ٹخنہ سے ٹخنہ ملانے کا حکم سمجھ لیا ہے، یہ بظاہر ان سے غلط فہمی ہوئی ہے اور اصل یہ ہے کہ مونڈھوں کے ملانے کا حکم صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے، لہٰذا یہ سنت ہے اور جبکہ جملہ آدمی مونڈھے ملا دیں گے تو سب کے ٹخنے نہیں مل سکتے، جیسا کہ تجربہ اس پر شاہد ہے۔ اس لئے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے تو الصاق کعاب منقول ہے، اس کے معنیٰ برابر اور سیدھا کرنے کے ہیں؛ یعنی تمام صف کے آدمی ایک سیدھ میں ہوں، نہ یہ کہ قدم اور ٹخنہ آگے پیچھے ہوں۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۵۴/۳-۳۵۵) ☆

==

الجواب

غیر مقلد غلط سمجھتے ہیں، صرف محاذاۃ اقدام واکتاف وغیرہ کا حکم ہے، یہی حنفی بھی کہتے ہیں۔ (وما روی أنهم ألصقوا الكعاب بالكعاب أريد به الجماعة: أي قام كل واحد بجانب الآخر، (رد المحتار، باب صفة الصلاة، بحث القيام: ۴۱۴/۱، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۵۳/۳)

(۱) عن النعمان بن بشير قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يسوى صفوفنا حتٰى كأنما يسوى بها القداح، حتٰى رأى أنا قدعقلنا عنه، ثم خرج يوماً فقام حتٰى كاد أن يكبر، فرأى رجلاً بادياً صدره من الصف، فقال: "عباد اللّٰه! لتسوّن صفوفكم، أوليخالفن اللّٰه بين وجوهكم". رواه مسلم. (مشكوة، باب تسوية الصف، الفصل الأول: ۱۷، رقم الحديث: ۱۰۸۵)/ الصحيح لمسلم، باب تسوية الصفوف وإقامتها وفضل الصف الأول (ح: ۴۳۶)/ مسند أبى داؤد الطيالسى، النعمان بن بشير (ح: ۸۲۷)/ مسند الإمام أحمدبن حنبل، حديث النعمان بن بشير (ح: ۱۸۳۸۹)/ الصحيح للبخارى، باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها (ح: ۷۱۷)/ مسندالبزار، مسند النعمان بن بشير (ح: ۳۲۱۵) انيس)

وعن أبى مسعود الأنصارى ... قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يمسح مناكبنا فى الصلاة ويقول: استووا. (مشكوة، باب تسوية الصف، الفصل الأول: ۱۷، رقم الحديث: ۱۰۸۵)/ الصحيح لمسلم، باب تسوية الصفوف وإقامتها و فضل الصف الأول (ح: ۴۳۲)/ مسندالإمام أحمد، بقية حديث أبى مسعود الأنصارى (ح: ۱۷۱۰۲)/ الصحيح لابن خزيمة، باب الأمر بتسوية الصفوف قبل تكبير الإمام (ح: ۱۵۴۲)/ مسندالسراج، باب فى تسوية الصفوف فى الصلاة (ح: ۷۶۵) انيس)

وماروى أنهم ألصقوا الكعاب بالكعاب أريد به الجماعة: أي قام كل واحد بجانب الآخر. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، بحث القيام: ۴۱۴/۱، ظفير)

==

مردوں کے لئے ٹخنوں سے ٹخنے ملانے کا حکم:

سوال: بہشتی زیور حصہ دوم میں فرض نماز پڑھنے کے طریقے کے بیان میں درج ہے کہ رکوع میں دونوں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر گھٹنوں پر رکھ دے اور دونوں بازو خوب ملائے رہے اور دونوں پیر کے ٹخنے بالکل ملا دیوے۔ دو اول الذکر امور میں مردوں کے لئے جو اختلاف ہے وہ تو اسی صفحہ میں درج ہے آخر الذکر امر میں کوئی اختلاف درج نہیں فرمایا گیا، پس دریافت طلب یہ ہے کہ کیا مردوں کو بھی دونوں پیر کے ٹخنے بالکل ملا دینا چاہئے اس کی بابت بہشتی گوہر میں بھی کچھ تذکرہ نہیں؟

(۱) عورتوں کو تکبیر تحریمہ کے وقت سے دونوں پیر کے ٹخنے ملانا چاہئے یا صرف رکوع کے وقت؟

(۲) مردوں کو اگر دونوں پیر کے ٹخنے نہ ملانا چاہئے تو دونوں پیروں میں کتنا فاصلہ رہنا چاہئے؟

الجواب

(۱) ٹخنوں کو رکوع میں ملانے کے متعلق فقہا کے کلام میں عموم پایا جاتا ہے یعنی مردوں کے لئے بھی الصاق کعبین کو لکھا ہے، (۱) مگر حدیث میں کہیں نہیں دیکھا گیا، لہٰذا ملانے میں بناء علی الروایات الفقہیہ اور نہ ملانے میں بناء علی عدم النقل فی الاحادیث دونوں میں گنجائش ہے۔

(۲) قیام کی حالت میں ٹخنے ملانا نظر سے نہیں گذرا۔

== ☆ ''إلصاق کعبین'' کا مطلب کیا ہے:

سوال: ''اِلصاق الکعبین'' یعنی ایک پیر کا ٹخنہ دوسرے پیر کے ٹخنہ سے ملانا مراد ہے یا محاذاۃ میں رکھنا؟ غرض ''اِلصاق الکعبین'' کا کیا مطلب ہے اور کیا مراد ہے؟

الجواب

شامی، باب صفة الصلوٰة، میں یہ عبارت بھی موجود ہے جس سے مطلب الصاق الکعبین کا حاصل ہوجاتا ہے:

وینبغی أن یکون بینھما مقدار أربع أصابع الید لأنه أقرب إلی الخشوع، ھٰکذا روی عن أبی نصر الدبوسی أنه کان یفعله، کذا فی الکبریٰ. وماروی أنھم ألصقوا الکعاب بالکعاب أرید به الجماعة: أی قام کل واحد بجانب الآخر، کذا فی فتاویٰ سمرقند، الخ. (ردالمحتار، باب صفة الصلوٰة، بحث القیام: ۱/۱٤٤، ظفیر)

پس ہوسکتا ہے کہ مراد ''الصاق کعبین'' سے محاذات میں رکھنا ایک کعب کا دوسرے کعب سے ہو، جیسا کہ الصاق کعب بالکعب مقتدیوں کے بارہ میں آثار صحابہ میں وارد ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳/۳۵۷-۳۵۸)

(۱) اس جواب سے رجوع فرمالیا گیا ہے جو اگلے سوال پر آرہا ہے بہشتی زیور (۲/۱۷) کے حاشیہ میں ہے، گو درمختار میں یہ حکم مطلق ہے، مگر قواعد سے یہ حکم عورتوں کے لئے مخصوص معلوم ہوتا ہے: لکونه أستر لھن وورود أمر الضم ومثله لھن، باقی مردوں کے لئے یہ حکم نہیں، وہ ٹخنے جدا رکھیں۔ کما یظھر من کلام الطحاوی فی معانی الآثار، ص: ۱۳٦، سطر: ۱، جلد: ۱- سعید احمد

(۳) جس حالت میں ٹخنے نہیں ملائے جاتے جیسے قیام میں اس میں بمقدار چار انگل ہاتھ کے فاصلہ رکھنا چاہئے۔

فی رد المحتار،بحث القیام:

وینبغی أن یکون بینهما(أی بین القدمین)مقدارأربع أصابع الید لأنه أقرب إلی الخشوع، هٰکذاروی عن أبی نصرالدبوسی أنه کان یفعله،کذا فی الکبریٰ.(الدرالمختار: ۱/ ٤٤٤)(۱)

۲/ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ۔(تتمہ خامسہ:۲۵۶)

سوال: بعد از ابدائے سلام مسنون بصد نیاز عارض مدعا ام کہ درالنور بابتہ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۲ھ صفحہ: ۱۳ درجواب سوال الصاق کعبین تحریرفرمودہ اندکہ!

''فقہاء کے کلام میں عموم پایا جاتا ہے،مگر حدیث میں کہیں نہیں دیکھا۔لہٰذا ملانے نہ ملانے دونوں میں گنجائش ہے''انتہیٰ ملتقطاً۔

اور مولانا عبدالحی مرحوم درسعایہ بریں مسئلہ بہ بسط تام بحث فرمودہ وآخر کارفرمودہ کہ!

''مرادفقہاءازالصاق محاذات احدی الکعبین است بالآخرنہ الصاق حقیقی''۔

نیزفرمودہ کہ امام کسانیکہ الصاق آوردہ زاہدی ست ونسبت زاہدی درنافع الکبیروفوائد بہیہ نوشتہ اند:

''وإن کان إمامًا جلیلاً فی الفقه لکنه متساهل فی نقل الروایات وأیضًا هومعتزلی الاعتقاد حنفی الفروع،قال صاحب رد المحتارفی تنقیح الفتاویٰ الحامدیة(۲) **فی کتاب الإجارة: الحاوی الزاهدی مشهوربنقل الروایات الضعیفة،ولهٰذا قال ابن وهبان وغیره أن لاعبرة بما یقوله الزاهدی مخالفًا لغیره،انتهیٰ ملخصاً.**

معروض خدمت بابرکت آن ست کہ کدام ازسعایہ والنور صحیح تر است براہ کرم تشفی فرمودہ باشند۔(۳)

---

(۱) کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،بحث القیام: ۱/ ٤٤٤،دارالفکر بیروت.انیس

(۲) العقودالدریة فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیة،کتاب الإجارة: ۲/ ۱۲۷،دارالمعرفة بیروت/وکذا فی ردالمحتار،باب الکنایات:۳/ ۳۰۸،دارالفکر بیروت.انیس

(۳) خلاصہ سوال: الصاق کعبین کے سوال کے جواب میں النور میں لکھا گیا ہے کہ فقہا کے کلام میں عموم پایا جاتا ہے،الخ۔

اور مولانا عبدالحی صاحب سعایہ (۲/ ۱۸۰-۱۸۲) میں اس مسئلہ پر مفصل بحث فرما کر لکھتے ہیں کہ الصاق سے فقہا کی مراد محاذات ہے،الصاق حقیقی مراد نہیں ہے۔نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ! الصاق کا تذکرہ زاہدی نے مجتبیٰ میں کیا ہے،(اور انہی سے بعد کے تمام فقہا نقل کرتے رہے ہیں)اور زاہدی کے متعلق النافع الکبیر اور الفوائد البہیہ میں لکھا ہے کہ! وہ فقہ میں عظیم المرتبت امام تھے؛لیکن نقل روایات میں متساہل تھے،نیز وہ عقیدۃً معتزلی تھے اور علامہ شامی نے تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں لکھا ہے کہ زاہدی کی الحاوی روایات ضعیفہ نقل کرنے میں مشہور ہے،جس کی وجہ سے ابن وہبان وغیرہ فرماتے ہیں کہ زاہدی کا جو قول دیگر فقہا کے خلاف ہو،اس کا اعتبار نہیں،لہٰذا معروض اینکہ النور اور سعایہ کی تحقیق میں کونسی صحیح تر ہے؟ براہ کرم تشفی فرماویں گے۔سعید احمد

الجواب

چوں منطوق قاضی است بر مفہوم ومفسر بر مبہم لہٰذا تحقیق سعایہ در عمل ترجیح دارد وقول من کہ ”حدیث میں کہیں نہیں دیکھا“ اشارہ بہمیں خدشہ بود کہ از قواعد در دل افتادہ بود۔(۱)

۵/رجب المرجب ۱۳۴۲ھ۔(ترجیح خامس، صفحہ: ۱۳۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۲۱-۲۲۴)

حالت قیام میں قدم سے قدم ملانا:

سوال: غیر مقلدین اور عرب کے مشائخ نماز میں پاؤں کھول کر کھڑے ہوتے ہیں؛ یعنی پیروں کو بہت زیادہ کھولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احادیث میں قدم ملانے کا حکم ہے، کیا ان کا یہ عمل درست ہے یا ہمارا عمل درست ہے؟ اگر درست ہے تو کیا دلائل ہیں؟

الجواب

غیر مقلدین جو حدیث پیش کرتے ہیں، اس میں دو لفظ آتے ہیں: (۱) الصاق (۲) الزاق۔ ان دونوں الفاظ کے دو معنی ہیں: (۱) حقیقی: یعنی مکمل طور پر ملانا اور چپکانا، جیسے: ”به داء وسخ ،به مرض“. (۲) مجازی ملانا کچھ فاصلہ کے ساتھ، جیسے: ”مررت بزيد“، یعنی میں زید کے قریب سے گزرا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں پر حقیقی مراد ہے یا مجازی، متعدد دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر مجازی معنی مراد ہے یعنی قریب کھڑا ہونا اور درمیان میں زیادہ فاصلہ نہ ہو کہ اس میں ایک آدمی کی گنجائش ہو اور صفوف کو ٹھیک کرنا۔

ملاحظہ ہو، مشکوۃ میں ہے:

عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”إذا صلى أحدكم فلا يضع نعليه عن يمينه ولا عن يساره فتكون عن يمين غيره إلا يكون علىٰ يساره أحد وليضعهما بين رجليه وفي رواية أوليصل فيهما“. رواه أبوداؤد، وروى ابن ماجة معناه. (مشکوٰة: ۱/۷۳)(۲)

وقال الشيخ ناصرالدين الألباني عن هٰذا الحديث بإسنادين أحدهما حسن بالرواية الأولىٰ و الآخر صحيح بالرواية الأخرى كما حققه في صحيح السنن: ٦٦١-٦٦٢. (تعليق الألباني علىٰ مشكوٰة: ١/٢٦٩)

(۱) ترجمۂ جواب: چونکہ مفہوم اور مبہم کے مقابل منطوق اور مفسر کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے، لہٰذا سعایہ کی تحقیق پر عمل راجح ہے اور میرا قول کہ ”حدیث میں کہیں نہیں دیکھا“ اسی خدشہ کی طرف اشارہ تھا کہ قواعد سے یہ جواب ذہن میں آیا ہے؛ لیکن کسی حدیث میں نہیں دیکھا ہے۔ سعید احمد

(۲) سنن أبي داؤد، با المصلى إذا خلع نعليه أين يضعهما (ح: ٦٥٤)/عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألزم نعليك قدميك فإن خلعتهما فاجعلهما بين رجليك ولا تجعلهما عن يمينك ولا عن يمين صاحبك ولا وراءك فتؤذى من خلفك. (سنن ابن ماجة، باب ماجاء في أن توضع النعل (ح: ١٤٣٢) انيس)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ دو مصلیوں کے پاؤں کے درمیان کچھ فاصلہ ہونا چاہئے اس لئے کہ اگر الزاق کو اپنے حقیقی معنی پر محمول کریں تو جوتے رکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے کہ دائیں بائیں جوتا رکھے؛ کیونکہ جگہ نہیں ہے۔

(۲) عن أبی مسعود الأنصاری رضی اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يمسح مناكبنا فی الصلاة ويقول: "استووا فتختلف قلوبكم". الحديث رواه مسلم. (مشکوۃ: ۹۸/۱)(۱)

(۳) إن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال: "أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب وسدوا الخلل". (رواه أبو اؤد: ۹۷/۱)(۲)

(۴) عن أبی القاسم الجدانی قال: سمعت النعمان بن بشير رضی اللّٰه عنه يقول: أقبل رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم علی الناس بوجهه فقال: "أقيموا صفوفكم ثلاثاً واللّٰه بين قلوبكم"، قال: فرأيتُ الرجل يلزق منكبه منكب صاحبه وركبته ركبة صاحبه وكعبه بكعب صاحبه. (رواه أبو داؤد: ۹۷/۱)(۳)

احادیث بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں کندھوں اور گھٹنوں کا سیدھا اور برابر رکھنا بھی ضروری ہے اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے، جب کہ الزاق کو اپنے مجازی معنی پر محمول کریں؛ ورنہ کندھوں کو سیدھا رکھنا محالات میں سے ہے، جب کہ مختلف القامۃ لوگ نماز میں کھڑے ہوں تو کندھوں اور گھٹنوں کو کیسے ملا سکتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ احادیث میں جس طرح اقامت صفوف اور اعتدال صفوف کا ذکر ہے، اسی طرح استقامت بدن کا بھی حکم ہے اور استقامت بدن صرف اس وقت ہوسکتا ہے، جب کہ الزاق کو مجازی پر محمول کیا جائے۔

تیسری بات یہ کہ الزاق الکعب بالکعب کا حکم صرف حالت قیام کے لئے ہے، یا رکوع اور سجدے کے لئے بھی ہے تو غیر مقلدین حضرات اس پر کیوں عمل نہیں کرتے؟ اس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ الزاق کا حکم جماعت کے ساتھ خاص ہے اور اگر منفرد کے لئے بھی ہو تو پھر وہ صحیح مرفوع غیر متعارض حدیث پیش کریں۔

حاصل کلام احناف کے نزدیک حالت قیام میں پاؤں کے درمیان چار انگل کی مقدار کا فاصلہ ہونا چاہئے۔

ملاحظہ ہو شامی میں ہے:

وينبغی أن يكون بينهما (أی القدمين) مقدار أربع أصابع اليد لأنه أقرب إلی الخشوع (رد المحتار: ۴۴۴/۱، بحث القيام، سعيد)

---

(۱) الصحيح لمسلم، باب تسوية الصفوف وإقامتها وفضل الصف الأول (ح: ۴۳۲) انيس

(۲) سنن أبی داؤد، باب تسوية الصفوف (ح: ۶۶۶) انيس

(۳) سنن أبی داؤد، باب تسوية الصفوف (ح: ۶۶۲) انيس

اور شوافع کے نزدیک ایک بالشت کی مقدار فاصلہ ہونا چاہئے۔

"الشافعية قدروا التفريج بينهما بقدر شبر... فيكره أن يقرن بينهما أو يوسع أكثر من ذلك كما يكره تقديم أحدهما على الأخرىٰ. (الفقه على المذاهب الأربعة: ۲۵۹/۱)(۱)

یعنی شوافع حضرات نے حالت قیام میں پاؤں کے درمیان فاصلہ کی مقدار ایک بالشت متعین کی ہے اور ان کے نزدیک پاؤں کو ملانا یا ایک بالشت سے زیادہ کشادہ رکھنا مکروہ ہے۔

المالكية قالوا: تفرج القدمين مندوب لا سنة، وقالوا: المندوب هو أن يكون بحالة متوسط، بحيث لا يضمهما ولا يوسعهما كثيرًا، حتىٰ يتفاحش عرفًا ووافقهما الحنابلة علىٰ هذا التقدير إلا أنه لا فرق عند الحنابلة بين تسميته مندوبًا أو سنة. (الفقه على المذاهب الأربعة: ۲٦۰/۱)(۲)

یعنی: مالکی حضرات کے نزدیک حالت قیام میں پاؤں کھلا رکھنا مستحب ہے، نہ کہ سنت اور مستحب یہ ہے کہ درمیانی حالت میں ہو، نہ مکمل ملا دے اور نہ بہت زیادہ، اس طور پر کہ عرف میں برا محسوس ہو اور حنابلہ اس مسئلہ میں مالکیہ کے ساتھ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ بھی الزاق کے مجازی معنی مراد لیتے ہیں نہ کہ حقیقی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی الزاق کے مجازی معنی پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ وہ حالت قیام میں پاؤں کو نہ زیادہ کشادہ رکھتے تھے نہ مکمل ملاتے تھے، جیسا کہ حضرت شیخ زکریا نے تحریر فرمایا ہے:

وقال الموفق: "يكره أن يلصق إحدىٰ قدميه بالأخرىٰ في حال قيامه لما روى الأثرم عن عيينة بن عبد الرحمن قال: كنت مع أبي في المسجد فرأى رجلًا يصلي قد صف بين قدميه وألزق إحديهما بالأخرىٰ فقال أبي: لقد أدركت في هذا المسجد ثمانية عشر رجلا من أصحاب النبي صلى الله عليه

---

(۱) إطالة القراءة في الركعة الأولىٰ عن القراءة في الثانية وتفريج القدمين حال القيام: ۲۳٤/۱، دار الكتب العلمية (ويفرق ركبتيه) وكذا قدميه قدر شبر، لأن أبا حميد رواه، وكذا يفرج بين فخذيه نص عليه. (النجم الوهاج في شرح المنهاج، باب صفة الصلاة: ۱۵۱/۱، دار المنهاج جده. انيس)

إطالة القراءة في الركعة الأولىٰ عن القراءة في الثانية وتفريج القدمين حال القيام: ۲۳٤/۱-۲۳۵، دار الكتب العلمية

(و) كره (وضع قدم على أخرىٰ) لأنه عبث (وإقرانهما) أي ضمهما كالمكبل أي القيد معتمداً عليهما دائماً فيجعل حظهما من القيام دائماً وهذا إذا اعتقد أنه لابد من ذلك في الصلاة وكره لئلا يشتغل بذلك فإن لم يعتقد ذلك لم يكره لما أنه إذا روح بأن اعتمد على واحدة تارة على أخرىٰ أو عليهما لا دائماً فيجوز، قاله: تت، وأشعر قاتصاره على كراهة إقرانهما بجواز تفريقهما على أن صاحب الطراز قال: تفريق القدمين أي توسعهما على خلاف المعتاد قلة وقار أي فيكره كإقرانهما وإلصاقهما زياده تنطع فيكره، اه. (شرح الزرقاني على مختصر خليل وحاشية البنائي، فصل فرائض الصلاة: ۳۸۷/۱، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

والمستحب في حال القيام أن يفرق بين قدميه فيما ذكره أصحابنا. (شرح العمدة لابن تيمية، تفريق القدمين حال القيام: ٤۵/۱، دار العاصمة الرياض. انيس)

وسلم مارأيت أحدًا منهم فعل هذا قط وكان ابن عمر رضى الله عنه لايفرج بين قدميه ولايمس إحديهما الأخرىٰ ولكن بين ذلك لايقارب ولايباعد". (حاشية لامع الدرارى: ۲۸۰/۱، سعيد)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی تحریر فرماتے ہیں:

ولايخفى أن فى إلزاق الأقدام بالأقدام مع إلزاق المناكب بالمناكب والركب بالركب مشقة عظيمة لاسيما مع إبقاء ها كذلك إلىٰ آخر الصلاة كما هو مشاهد، والحرج مدفوع بالنص، فالمراد منه جعل بعضها فى محاذاة بعض... قال الحافظ فى الفتح تحت قول البخارى: باب إلزاق المنكب بالمنكب، والقدم بالقدم فى الصف: "أى اجعلوا بعضها حذاء بعض بحيث يكون منكب كل واحد من المصلين موازيًا لمنكب الآخر ومسامتاً له فتكون المناكب والأعناق والأقدام علىٰ سمت واحد. (۲۵۱/۱)

قال الشيخ: ولو حمل الإلزاق على الحقيقة، فالمراد منه إحداثه وقت الإمامة تسوية الصف، فإن إحد اث الإلزاق بين تلك الأعضاء طريق تحصيل هذه التسوية ولا دلالة فى الحديث على الصلاة بعد الشروع فيها، ومن ادعىٰ ذلك فليأت بحجة عليه. (إعلاء السنن: ۳٦٠/٤، باب سنية تسوية الصف ورصها، إدارة القرآن)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول بھی اس بات پر شاہد ہے کہ یہ فعل شروع میں تھا بعد میں ختم ہوگیا۔

ملاحظہ ہو بخاری شریف میں ہے:

عن أنس رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: أقيموا صفوفكم، فإنى أراكم من وراء ظهرى وكان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه وقدمه بقدمه. (رواه البخارى: ۱۰۰/۱)(۱)

حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول کا مطلب بیان فرماتے ہیں:

ملاحظہ ہو اعلاء السنن میں ہے:

"قلت: وقول أنس رضى الله عنه: "كان أحدنا" وقوله: "ولقد رأيت أحدنا" يقيد أن الفعل المذكور كان فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم ولم يبق بعده كما صرح به قوله فى رواية معمر: ولو فعلت ذلك بأحدهم اليوم لنفر كأنه بغل شموس" فلو كان ذلك سنة مقصودة من سنن الصلاة لم يتركه الصحابة رضى الله عنه ولم يتنفر منه أحد، فالصحيح ماقلنا: إن ذلك كان للمبالغة فى تسوية الصف حين الإقامة لا بعدها فى داخل الصلاة، فافهم. (إعلاء السنن: ۳٦٠/٤- ۱۳۲۵، باب سنية تسوية الصف ورصها، إدارة القرآن)

---

(۱) الصحيح للبخارى، باب إلزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم فى القيام (ح: ۷۲۵) انيس

اس سے معلوم ہوا کہ ابتدا میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہ تسویۃ الصفوف کی نیت سے محاذات اور برابری کے لئے قدم ملاتے تھے کوئی سنت مقصود نہ تھی اور بعد میں یہ طریقہ ختم ہوگیا۔ واللہ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۲/۱۳۳-۱۳۷)

موضع قدمین سے سجدہ کی بلندی کس قدر درست ہے:

سوال: قدمین سے کسی قدر بلندی پر سجدہ بلا عذر درست ہے یا نہیں؟ اگر سجدہ گاہ ایک بالشت یا اس سے اونچائی میں کم ہو تو اس پر سجدہ بحالت عذر درست ہے یا نہیں؟ اگر سجدہ گاہ ایک بالشت یا اس سے زیادہ بلندی پر ہے، تو سجدہ مطلقا جائز ہے یا نہیں؟

فقہ کی عبارتوں میں "إلا بزحمة" کے تحت ایک ہی نماز میں ایک مصلی کا دوسرے مصلی کی پشت پر سجدہ کرنا درست قرار دیا گیا ہے، اس پر قیاس کرتے ہوئے مساجد میں خطیب کے وہ منبر جو ایک بالشت سے زیادہ اونچائی پر واقع اور اینٹ اور سمنٹ سے پختہ بنے ہوئے ہیں، جن کا ہٹانا زحمت سے خالی نہیں تو کیا اس پر سجدہ کرنا جائز ہے؟ جب کہ بعض فتاویٰ ایسے موجود ہیں کہ ایسی جگہ پر قطع صف کے طور وہ جگہ خالی چھوڑ دی جائے، اس پر سجدہ نہ کرنا چاہیے تو پھر الا بزحمۃ کے تحت پشت مسجود بھی تو ایک بالشت سے زیادہ اونچائی پر ہے اس کی تخصیص کیوں ہے؟ اور "الا بزحمة" میں وہ منبر وغیرہ کیوں نہیں داخل ہیں بالتفصیل تحریر فرمائیں؟ والسلام　　(المستفتی: صفات اللہ اعظمی)

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اعلیٰ بات تو یہ ہے کہ موضع سجود موضع قدمین ہی کے سطح پر ہو باقی اگر موضع سجود، موضع قدمین سے کچھ اونچا ہو جائے، تو ایک بالشت تک کی اونچائی مع الکراہت جائز رہتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس سے بھی جہاں تک ہو احتراز کیا جائے اور اگر موضع سجود ایک بالشت سے بھی زیادہ اونچا ہو جائے تو جائز نہیں۔ (**کما فی الدر المختار علی هامش ردالمحتار:** ۳۳۸/۱)(۱)

البتہ "إلا بزحمة" سے ایک بالشت کی اونچائی سے کچھ زائد اونچائی کا استثنا کیا گیا ہے۔

کما فی الدر المختار:"(وإن سجد للزحام علی ظهر مصل صلوته)التی هو فیها(جاز) للضرورة وإن لم یصلها،لا".(۲)

(۱)　(ولو کان فی موضع سجوده أرفع من موضع القدمین بمقدار لبنتین منصوصتین جاز)سجوده (وإن أکثر لا) إلا بزحمة، کمامر.(الدر المختار، کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۶۹/۱، دارالکتب العلمیة. انیس)

(۲)　الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۵۰۲/۱، دارالفکر بیروت

وأما السجود علی ظهر مصل للضیق فإن استحدت الصلاتان وکان السجود علیه ساجداً علی الأرض جاز وإلا لا.(النهر الفائق،باب صفة الصلاة: ۲۱۷/۱، دارالکتب العلمیة بیروت. انیس)

اس استثنا میں دو قید ہیں:

ایک تو زحمت اور زحمت کا مطلب یہ ہے کہ مصلی اتنے زیادہ ہوں کہ صفیں اتنی قریب قریب کرنی پڑیں کہ پچھلے مصلی کو اگلی مصلی کی پشت پر سجدہ کیے بغیر چارہ نہ ہو اور صورتِ مسئولہ میں ایسا نہیں اور زحمت و بھیڑ نہیں کہ پچھلے مصلیوں کو اگلے مصلیوں کی پشت پر سجدہ کرنا لازم ہو رہا ہو، یہاں پر صرف دو مصلی جو منبر کے محاذات میں ہوں گے صرف ان کو سجدہ علی الارض کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔ لہٰذا صورت مسئولہ کو زحمت پر قیاس کر کے ''إلا بـزحمة'' کے تحت داخل کرنا درست نہ ہوگا؛ بلکہ جس طرح اسطوانہ وغیرہ حائل ہونے سے جگہ چھوڑ دی جاتی ہے، جگہ چھوڑنا ہوگا اور جس طرح حیلولۃ اسطوانہ سے انقطاع صف مضر نہیں ہوتا، اسی طرح یہ انقطاع بھی **قادح فی الصلوٰۃ** نہ ہوگا۔

دوسری چیز اس استثنائی حکم میں ''**علیٰ ظھر مصلی صلوٰۃ ھو فیھا**'' کی قید ہے، اس قید کا احترازی ہونا اغلب ہے، جیسا کہ شامی کی تحقیق سے مترشح ہوتا ہے؛(۱) کیوں کہ تمام متون اس قید کو ذکر کرتے ہیں، صرف قہستانی (۲) نے اس قید کو ذکر نہیں کیا، یا اطلاق کو اختیار کیا، مگر عقود رسم المفتی میں قہستانی کو یہ مرتبہ فقہاءِ محققین نے نہیں دیا ہے کہ ان کو اہل ترجیح کا منصب دیا جائے۔

اسی طرح **ظھر مصل صلوٰتہ** کے علاوہ صورتوں میں ایک بالشت سے زیادہ اونچائی پر جواز سجدہ کا حکم مشکل ہوگا، پس صورت مسئولہ میں اس منبر کے حصہ پر سجدہ کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

علاوہ ازیں اس صورت میں اور اتنی اونچائی میں سجدہ کا تحقق فی الجملہ اور حکمی سجدہ کا تحقق بھی مشتبہ ہو جائے گا اور سجدۂ حقیقی یا حکمی یا فی الجملہ بہر حال رکن اصلیہ میں داخل ہوتا ہے، اس لیے بھی اس کی گنجائش نہ دی جانی چاہیے۔

ھٰذا من عندالشرع الشریف فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند۔ ۲۶/۲/ ۱۳۹۵ھ۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۶۳-۱۶۵)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۵۰۲/۱، دارالفکر بیروت. انیس

(۲) (وعلى ظهر من يصلى صلاته)أى صلاة الساجدوهذا إذا كان ركبتاه على الأرض وإلا فلايجزيه وقيل لايجزيه إل إذا سجدالثانى على الأرض وقال صدرالقضاة:يجزيه وإن كان سجود الثانى على الثالث، كما فى جمعة الكفاية (فى وقت الزحام)أى مدافعة بعض بعضاً فى المضيق بكثرة المصلين بالجماعة وفى الكلام إشارة إلى أن المستحب التاخير حتى يزول الزحام كما فى الجلابى،وإلى أن لايجوزعلى غيرالظهرلكن فى لزاهدى :يجوزعلى الفخذين والكمين بعذر على المختار وعلى الدين والكمين مطلقاً وإلى أن لايجوزعلى ظهرغيرالمصلى كما قال الحسن لكن فى الأصل أنه يجوزفى الزحام ،كما فى المحيط،وفى تيمم الزاهدى يجوزعلى ظهر كل ماكول وإلى أنه لو وجد فرجة وسجد على ظهرلم يجز، كما فى قاضيخان،الخ.(جامع الرموز،باب صفة الصلاة: ۷۰/۱، مطبع نول كشورلكهنؤ. انيس)

تکبیر تحریمہ کے چند مسائل:

سوال: (الف) دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ رکعت باندھتے وقت کاندھوں تک ہاتھ اٹھانے کے بجائے تھوڑا سا اوپر اٹھاتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(ب) بعض لوگ تھوڑا سا جھک کر رکعت باندھتے ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟

(ج) کچھ لوگ ہاتھ کانوں سے لگاتے ہیں، لیکن ہاتھوں کا رخ کانوں کی طرف ہوتا ہے نہ کہ قبلہ کی طرف، کیا اس طرح تحریمہ باندھا جاسکتا ہے؟ (محمد نصیر عادل، دربھنگہ)

الجواب

(الف) تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ انگوٹھا کانوں کی لو کے مقابل ہو، اور انگلیاں کان کے اوپری حصہ کے مقابل، اور ہتھیلی کا نچلا حصہ مونڈھوں کے مقابل، اس طرح تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ اٹھانے کی جو مختلف کیفیتیں حدیث میں مروی ہیں، ان سب پر عمل ہوجاتا ہے، اس لئے فقہا نے اسی طریقہ کو مسنون قرار دیا ہے۔(۱)

چونکہ یہ سنت ہے، اس لئے اگر اس عمل کا استخفاف اور اس کو غیر اہم قرار دینا مقصود نہ ہو تو مکروہ نہیں، البتہ بہتر طریقہ کے خلاف ہے، فقہا نے لکھا ہے کہ یہ ''موجب اساءت'' ہے اور ''اساءت'' کراہت سے کمتر درجہ ہے۔(۲)

"ترک السنة لایوجب فسادًا ولاسهوًا بل إساءة...وقالوا: الإساءة أدون من الكراهة".(۳)

(ب) تکبیر تحریمہ کہتے وقت سر کو جھکانا نہیں چاہئے، فقہا نے اسے بدعت قرار دیا ہے۔

"وأن لایطأطئ رأسه عند التکبیر".(۴)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية : ۷۳/۱ (الفصل الثالث فی سنن الصلاة وآدابها، دار الفکر بیروت. انیس)

(۲) اس بارے میں علامہ شامی اور علامہ ابن نجیم مصریؒ کی رائے اس کے برعکس ہے، یہ حضرات ''إساءة'' کو کراہت سے فزوں تر سمجھتے ہیں، علامہ ابن نجیمؒ نے شرح منار میں لکھا ہے:

"أن الإساءة أفحش من الکراهة". (کذا فی البحر الرائق: ۱۲۲/۷، دار الکتاب الإسلامی بیروت. انیس)

نیز علامہ حصکفیؒ نے ''الدر المختار'' میں اس کی ترجمانی کی ہے۔ (دیکھئے: الدر المختار مع رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱۷۰/۲، ط: دیوبند) (وظاهر کلام بعضهم: تختص الإساءة بالحرام فلا یقال أساء إلا لفعل محرم. (التحبیر شرح التحریر: ۱۰۱۳/۳، مکتبة الرشد. انیس)

اس لیے اس قول کے مطابق تحریمہ کے مسنون طریقہ کی خلاف ورزی گناہ کا باعث ہوگی۔ واللہ اعلم (محشی)

(۳) الدر المختار، باب صفة الصلاة، سنن الصلاة: ۷۳/۱، انیس

(۴) الدر المختار، باب صفة الصلاة، سنن الصلاة: ۷۳/۱، نیز دیکھئے: الفتاوی الهندية: ۷۳/۱، انیس

(ج) ہاتھ اٹھاتے ہوئے ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہئے، نہ کہ کان کی طرف، اس طرح ہاتھ اٹھانا خلاف سنت ہے۔

"**يستقبل ببطون كفيه إلى القبلة**".(۱)(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۶۶-۱۶۸)☆

---

(۱) **الدر المختار: ۷۲/۱ (الدر المختار: ٦٦/١،باب صفة الصلاة،آداب الصلاة،دار الكتب العلمية** میں "**يستقبل بكفيه القبلة**" ہے، یہ عبارت بعینہ **المحيط البرهاني،الفصل الرابع في كيفيتهما: ٢٩١/١،دار الكتب العلمية** میں موجود ہے:**وقال أبو جعفر: يستقبل بطون كفيه القبلة وينشر أصابعه وترفعهما فإذا استقرتا في موضع المحاذاة يعني محاذاة الإبهامين شحمة الأذنين يكبر،قال شمس الأئمة السرخسري:وعليه عامة المشائخ.انيس**)

☆ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کہاں تک اٹھایا جائے:

سوال: تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھ کا دونوں کان سے متصل ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ امام نے نیت باندھتے وقت دونوں ہاتھ کو کان سے چار انگل فاصلہ پر رکھا پس اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کا کان کی لَو کے برابر اٹھانا مسنون ہے، کان کی لَو کو چھونا ضروری نہیں، فقہ کی کتابوں میں اس سلسلہ میں محاذات کا لفظ آیا ہے جس کے معنیٰ محض مقابل ہیں اور برابری میں لے آنے کے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

خالد سیف اللہ رحمانی-۱۳۹۷/۹/۱۵ھ-(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۸۹)

فقہ کی کتابوں میں محاذات کا لفظ آیا ہے، اس سے مراد دونوں انگوٹھے سے دونوں کان کی لو کو چھونا ہے۔

درمختار میں ہے:

"**(ورفع يديه) ... (ماسا بإبهاميه شحمتي أذنيه)هو المراد بالمحاذاة لأنها لا تتيقن إلا بذلك**"**(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار: ١٨٢/٢)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،آداب الصلاة،انيس)**

علامہ ابن نجیم البحر الرائق میں لکھتے ہیں:

"**والمراد بالمحاذاة أن يمس بإبهاميه شحمتي أذنيه ليتيقن بمحاذاة يديه بأذنيه كما ذكره في النقاية**" **(البحر الرائق: ١ / ٣٢٢)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس)**

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں کانوں کے بالمقابل اٹھائے اور اپنے دونوں انگوٹھے کے کنارے سے اپنے دونوں کان کی لو کو چھوئے اور اس کی انگلیاں اس کے دونوں کانوں کے اوپر ہوں، ملاحظہ ہو، قاضی خان کی عبارت:

"**ويرفع يديه حذاء أذنيه ويمس طرف إبهاميه شحمة أذنيه وأصابعه فوق أذنيه**" **(فتاویٰ قاضي خان علىٰ هامش الفتاویٰ الهندية:۱/۸۵)(كتاب الصلاة،باب افتتاح الصلاة،انيس)**

لہٰذا بہتر یہی ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں کے بالمقابل اس طرح اٹھایا جائے کہ دونوں انگوٹھے کا کنارہ دونوں کانوں کی لو سے ملا ہوا ہو اور بقیہ انگلیاں دونوں کانوں کے اوپر ہوں۔[مجاہد]

تکبیر تحریمہ ہاتھ اٹھانے کے بعد کہے:

سوال: تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے، یا کہ پہلے ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

اس میں تین قول ہیں:

(۱) ہاتھ اٹھانے سے پہلے تکبیر کہے۔

(۲) ہاتھ اٹھانے کے ساتھ تکبیر کہے۔ رفع یدین کی ابتداء کے ساتھ تکبیر کی ابتدا کرے اوراس کے ختم پر تکبیر ختم کرے۔

(۳) ہاتھ اٹھانے کے بعد تکبیر کہے پھر ہاتھ باندھے، یہی راجح ہے۔

قال فی العلائية: (ورفع يديه) قبل التكبير، وقيل معه.

وفی الشامية: الأوّل نسبه فی المجمتع إلٰی أبی حنيفة ومحمّد رحمهما اللّٰه تعالٰی. وفی غاية البيان إلٰی عامة علمائنا وفی المبسوط إلٰی أكثر مشايخنا، وصحّحه فی الهداية. والثانی اختاره فی الخانية والخلاصة والتحفة والبدائع والمحيط، بأن يبدأ بالرفع عند بداء ته التكبير ويختم به عند ختمه، وعزاه البقالی إلٰی أصحابنا جميعًا ورجّحه فی الحلية. وثمة قول ثالث وهو أنّه بعد التكبير والكلّ مروی عنه عليه الصلٰوة والسلام. (۱) وما فی الهداية أولٰی كما فی البحر والنهر، ولذا اعتمده الشارع فافهم. (رد المحتار: ۱/۴۵۰) (۲) فقط واللّٰه تعالٰی أعلم

۴/صفر ۱۳۸۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۱۹)

بوقت تکبیر تحریمہ انگلیوں کی کیفیت:

سوال: تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین میں انگلیاں کس حالت میں رہنی چاہئیں، کھلی رکھے یا ملا کر؟ بینوا تو جروا۔

---

(۱) عن البراء بن عازب قال: كان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم إذا كبر لافتتاح الصلاة رفع يديه حتی يكون إبهاماه قريباً من شحمتي أذنيه. (شرح معانی الآثار، باب رفع اليدين فی افتتاح الصلاة إلی أين هو (ح: ۱۱۶۵)

عن علی بن أبی طالب عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم أنه كان إذا قام إلی الصلاة المكتوبة كبر ورفع يديه حذو منكبيه، الخ. (شرح معانی الآثار، باب التكبير للركوع والتكبير للسجود والرفع (ح: ۱۳۳۶)

عن أبی حميد قال: كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم إذا قام إلی الصلاة رفع يديه حتی يهاذی بهما منكبيه ثم يكبر، الخ. (شرح معانی الآثار، باب التكبير للركوع والتكبير للسجود والرفع (ح: ۱۳۴۱)

(۲) باب صفة الصلاة، مطلب فی حديث: "الأذان حزم" انيس

الجواب ــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

تکبیر تحریمہ کے وقت انگلیوں کو نہ کھولنے کی کوشش کرے اور نہ آپس میں ملانے کی، بلکہ اصل حالت پر رہنے دے، انگوٹھوں کو کانوں کی لو سے لگائے اور ہتھیلیوں کو قبلہ رخ کرے۔

قال في التنوير:(وسنتها)...(رفع اليدين للتحريمة)...(ونشرالأصابع)أي تركها بحالها.

وفي الشامية:قوله:(أي تركها بحالها)قال في الحلية:ظنّ بعضهم أنه أراد بالنشرتفريج الأصابع وهوغلط،بل أراد به النشرعن الطي،يعني يرفعهما منصوبتين لامضمومتين حتٰى تكون الأصابع مع الكف مستقبلة للقبلة ثم لايخفى أنه لاتتوقف السنّة على ضم الأصابع أولا،بل لو كانت منشورة غيرمتفرجة كل التفرج ولامضمومة كل الضم ثمّ رفعهما كذلك مستقبلاً بهما القبلة فقد أتى بالسنّة،اهـ. (رد المحتار: ۱/٤٤۳)(۱)

وفي التنوير:(ورفع يديه)...(ماسًّاإبهاميه شحمتي أذنيه)وقال الشارح:هوالمراد بالمحاذاة لأنها لاتتيقن إلا بذلك،ويستقبل بكفيه القبلة،وقيل خديه.(رد المحتار: ۱/٤٥۰)(۲)**فقط واللّٰه تعالى أعلم**

۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۳/۱۸-۱۹)

بوقت تحریمہ مس اذنین:

سوال: شرح وقایہ میں حاشیہ کے اوپر مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:

”**وهوليس بسنة مستقلة،فإنه لادليل عليه في رواية**“.(۳)

لہٰذا اگر کسی شخص نے رفع یدین کے وقت میں مسح اذنین کیا، تو خلاف سنت ہوگا؟ وربغیر مس کے سنت ہے۔اس کا کیا مطلب ہے؟ نیز مس اذنین کے وقت اکثر لوگوں کی ہتھیلی قبلہ رخ نہیں ہوتی تو یہ خلاف سنت ہوگا یانہیں، اور بغیر مس کے بھی ہتھیلی قبلہ رخ نہیں ہوئی تو کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصليًا

عبارت منقولہ فی السوال کے متصلاً بعد یہ عبارت بھی ہے:

”**ولعل من استحبه إنمااستحبه للمحاذاة دفعاً للوسوسة**“.(۴)

---

(۱) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب:في قولهم الإساءة دون الكراهة،انيس

(۲) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،آداب الصلاة،انيس

(۳-۴) عمدة الرعاية في شرح الوقاية،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۱/۱٤۳، سعيد

حاصل یہ ہے کہ اصل سنت (رفع یدین) کی مقدار وتحدید کی تحقیق کے لیے مس ہے، (۱) پس یہ سنت کی ادائیگی میں معین ہے، معارض نہیں۔ ہتھیلی کا قبلہ رخ ہونا مستحب ہے۔(۲) فقط واللہ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۸۲-۵۸۳)

"اللّٰہ أکبر" میں 'راء' کو 'دال' کی آواز سے ادا کرنا کیسا ہے:

سوال: زید کا بخیال اس کے کہ عام لوگ تکبیر انتقالی نماز میں "اللّٰہ أکبر" کی 'را' کو اس قدر کھینچتے ہیں کہ اس کی وجہ سے نماز میں نقصان واقع ہوتا ہے۔"اللّٰــه أکبر" کی 'را' کو اس طرح خارج کرنا کہ بجائے 'را' کے عام لوگ 'دال' محسوس کریں، شرعاً کیسا ہے؟

---

(۱) عن وائل بن حجر: رأى النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إذا افتتح الصلاة رفع یدیه حتی تکاد إبهاماه تحاذی شحمة أذنیه. (سنن النسائی، باب موضع الإبهامین عندالرفع (ح: ۸۸۲)/وکذا فی سنن أبی داؤد، باب افتتاح الصلاة (ح: ۷۳۷)/مسندالإمام أحمد، حدیث وائل بن حجر (ح: ۱۸۸٤۹) انیس)

(۲) (ورفع یدیه) ... (ماساً بإبهامیه شحمتی أذنیه) هوالمراد بالمحاذاة؛ لأنها لا تتیقن إلابذلک، ویستقبل بکفیه القبلة". (الدرالمختارمع ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: إذا أراد الشروع: ۱/٤۸۲، سعید)

قال قاضی خان: ویمس طرفي إبهامیه شحمة أذنیه. (البنایة شرح الهدایة، باب صفة الصلاة: ۱/٦٦، دار إحیاء الکتب العربیة)

والمراد بالمحاذاة أن یمس إبهامیه شحمتي أذنیه بمحاذاة یدیه بأذنیه. (البحرالرائق، آداب الصلاة: ۱/۳۲۲، دار الکتاب الإسلامی. انیس)

☆ تکبیر تحریمہ کے وقت کان کی لو کو چھونا:

سوال: ایک صاحب نے مجھ سے اعتراض کیا کہ کان کی لو مس کر کے نیت نہیں باندھئے، نماز نہیں ہوتی۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ نیت باندھنے میں ہاتھ کی ہتھیلی کا کان تک یا کان کی لو تک اٹھانا فرض ہے یا سنت یا واجب، کیا ہے؟ اگر کسی نے سینے تک ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہہ کر نیت باندلی تو نماز ہوگئی یا نہیں یا مکروہ ہوئی؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

تکبیر افتتاح کے وقت کانوں کی لو مس کرنا نہ فرض ہے، نہ واجب ہے، نہ حرام ہے، مس کرنے سے اور مس نہ کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اس سے معلوم ہوگیا کہ مس کی کیا حیثیت ہے، کرے تب بھی مضائقہ نہیں، نہ کرے تب بھی حرج نہیں۔((وإذا أراد الشروع فی الصلاة کبر) ... (ورفع یدیه ماساً بإبهامیه شحمتی أذنیه) هوالمراد بالمحاذاة؛ لأنها لا تتیقن إلا بذلک. واعتمد ابن الهمام التوفیق بأنه عند محاذاة الیدین للمنکبین من الرسغ تحصل المحاذاة للأذنین بالإبهامین، وهوصریح روایة أبی داؤد...وقال فی شرح مسلم: إنه المشهورمن مذهب الجماهیر". (الدرالمختارمع ردالمحتار، کتاب الصلاة، فصل: إذا أرادالشروع: ۱/٤۷۹-٤۸۳، سعید) فقط واللّٰه أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۸۲)

الجواب

ایسا نہ کرنا چاہئے، تبدیلی حروف جائز نہیں ہے۔(۱)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۳)

تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ باندھے یا چھوڑے:

سوال: کبیر تحریمہ کے وقت دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر باندھے یا چھوڑ کر پھر باندھے،صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب

تکبیر تحریمہ کے بعد اور وتر میں دعائے قنوت سے،اسی طرح نماز عید کی پہلی رکعت میں تیسری تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھا کر باندھ لئے جائیں،ہاتھ چھوڑ کر پھر باندھنا کسی سے ثابت نہیں۔اختلاف اس بات میں ہے کہ ثنا اور قرأت پڑھنے کی حالت میں ہاتھ باندھے یا چھوڑے رکھے۔امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک باندھنے کا حکم ہے؛(کیونکہ وہ ہاتھ باندھنے کو قیام کی سنت قرار دیتے ہیں)اور امام محمدؒ کے نزدیک ثنا کے وقت چھوڑنے کا حکم ہے (ان کے نزدیک ہاتھ باندھنا قرأت کے آداب میں سے ہے۔

”إذا أراد الرجل الدخول فی الصلاة أخرج کفیه من کمیه ثم رفعهما حذاء أذنیه ثم کبر بلامد ناویًا...ثم وضع یمینه علیٰ یساره تحت سرته عقب التحریمة بلا مهلة مستفتحًا.(نورالایضاح:۷۶)(۲)

یعنی: جب مرد نماز شروع کرنے کا ارادہ کرے تو اپنی ہتھیلیاں آستین سے نکالے پھر ان کو کانوں کے مقابل اٹھائے پھر تکبیر کہے بلا مد کے،نیت کرتے ہوئے پھر داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے رکھے۔تحریمہ کے بعد بلا تاخیر کے ثنا پڑھتے ہوئے۔

اور ”مراقی الفلاح“ میں ہے:

(تحت سرته عقب التحریمة بلا مهلة)لأنه سنة القیام فی ظاهر المذهب وعند محمد سنة

---

(۱) تکبیر کے معنی ”اللّٰہ أکبر“ کہنا ہے،اگر ’را‘ کو ’دال‘ سے بدل کر کہے گا تو معنی تکبیر کا ادا نہ ہوگا۔**(وجهر الإمام بالتکبیر) بقدر حاجته للإعلام بالدخول والانتقال ،الخ.(الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار،سنن الصلاة: ۱/۴۴۳،ظفیر)(کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انیس)**

ولابأس بالتطریب فی الأذان وهو تحسین الصوت من أن یتغیر فإن تغیر بلحنه أوما أشبه ذلک کره،قال شمس الأئمة الحلوانی:إنما یکره فیما کان من الأذکار أما قوله حي علی الصلاة ،حي علی الفلاح لا بأس بادخال المدفیه.(المحیط البرهانی،الفصل السادس عشر فی التغنی والألحان: ۱/۳۵۱-۳۵۲،دارالکتب العلمیة/وکذا فی حاشیة الشلبی ناقلاً عن فتاویٰ قاضی خان،فی باب”کیفیة الأذان والإقامة “: ۱/۹۱،المطبعة الأمیریة بولاق .انیس)

(۲) **کتاب الصلاة،فصل فی کیفیة ترکیب الصلاة: ۵۹،المکتبة العصریة،انیس**

القـراء ة فيرسل حال الثناء وعندهما فی كل قيام فيه ذكر مسنون كحالة الثناء والقنوت وصلاة الجنازة ويرسل بين تكبيرات العيدين إذليس فيه ذكر مسنون.(٥٢)(١)

فـالاعتـمـاد سـنة القيام عندهما حتٰى لايرسل حالة الثناء،الخ.(الـجوهرة النيره: ٥٠/١)(٢)فقط والله أعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ:۳/۳۷،۳۸)

تکبیرتحریمہ کے بعد ہاتھوں کاارسال یاسیدھاباندھنا:

سوال: بعض لوگوں کودیکھا گیاہے کہ وہ تکبیرتحریمہ کہنے کے بعد ہاتھوں کولٹکاکرپھرباندھتے ہیں،کیااس طرح کرنادرست ہے؟

الجواب

تکبیرتحریمہ کہنے کے بعد ہاتھوں کولٹکاکرباندھاجائے،یابغیرلٹکائے باندھاجائے،دونوں طرح درست ہے،البتہ امام ابوحنیفہ کےنزدیک تکبیرتحریمہ کے بعدفوراًہاتھوں کوناف سے نیچے باندھاجائے،لٹکانانہیں چاہیے،یہی افضل ہے۔

لـمـا قـال العـلامة الـحـصكفي:(ووضع)الرجل(يمينه علٰى يساره تحت سرته آخذًا رسغها بـخـنـصـره وإبهامه)هوالمختار،وتضع المرأة والخنثٰى الكف علٰى الكف تحت ثديها(كما فرغ من التكبير) بلا ارسال فی الأصح.

قـال ابـن عـابدين (تحت قوله بلا إرسال) هوظاهرالرواية. (ردالمحتار: ٤٨٦/١،أركـان الصلاة، مطلب فی بيان المتواتروالشاذ)(٣)(فتاویٰ حقانیہ:۳/۷۶)

---

(١) كتاب الصلاة،فصل فی كيفية تركيب أفعال الصلاة: ١٠٥،المكتبة العصرية،انيس

(٢) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٥١/١،المطبعة الخيرية،انيس

(٣) كتاب الصلاة،فصل،إذا أراد الشروع

وفـی ظـاهـرالـرواية: كـما فرغ من التكبيرة يعتمد.(مبسوط السرخسی،كيفيةالدخول فی الصلاة: ٢٤/١، دارالمعرفة بيروت،انيس

قـال الإمـام محمد:أخبرنا أبوحنيفة (عن حماد) عن إبراهيم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعتمد بإحدٰى يديه على الأخرٰى فی الصلاة يتواضع لله تعالٰى .

قـال مـحمد:ويضع بطن كفه الأيمن على رسغه الأيسرتحت السرة فيكون الرسغ فی وسط الكف.(كتاب الآثار لمحمد بن الحسن الشيبانی: ٣١٩/١، دارالكتب العلمية بيروت،رقم الحديث: ١٢٠)

وزيـادة (حماد) فی الإسناد من مخطوطة الآثار فی مكتبة سليم آغا بإسطنبول، رقم: ٢٧٥،وجامع المسانيد للخوارزمی: ٢٩٦/١.انيس)

قـال الشيـخ عبدالحی الكهنوی:(تحت قوله تحت سرته)وعنده أبی حنيفة وأبی يوسف يضع كما فرغ من التكبيرولايرسل وبه جزم قاضيخان فی فتاواه ولم يذكرخلافاً،إلخ.(السعاية،باب صفة الصلوة: ١٥٦/٢)

نماز ہاتھ باندھ کر پڑھی جائے یا چھوڑ کر:

سوال: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا نے عین نماز میں ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا؛ کیوں کہ مقتدی اپنی آستین میں بت رکھتے تھے، ہاتھ چھوڑنے پر سب بت گر گئے۔ کیا اس کے بعد پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھائی ہے حیات تک، یا نہیں؟ اگر ہاں تو کب اور کتنے دن اور اگر نہیں تو ان کے پردہ فرمانے پر دوبارہ ہاتھ باندھ کر نماز کیوں پڑھی جاتی ہے اور یہ کس وقت سے رائج ہوا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًاو مصلیًا

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں طریقہ سے نماز پڑھنا ثابت ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہاتھ باندھ کر پڑھنے والی روایتیں راجح ہیں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ:۳/۶۸-۶۹)

حنفی مقتدی فجر میں قنوت کے وقت ہاتھ چھوڑے یا باندھے:

سوال: شافعی امام ہمیشہ نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتا ہے، تو اس وقت حنفی مقتدی ہاتھ چھوڑ کے کھڑے رہیں یا باندھے؟ کون سی صورت افضل ہے؟

حامدًا و مصلیًا الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

امام ابوحنیفہ وامام ابو یوسف کے نزدیک ہاتھ باندھے رکھنا افضل ہے۔(۲) واللّٰہ تعالیٰ أعلم وعلمہ أتم وأحکم

(مرغوب الفتاویٰ:۲/۱۴۳) ☆

(۱) عن ابن عباس أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: إنا معشر الأنبیاء أمرنا أن نؤخر سحورنا ونعجل فطرتنا وأن نمسک أیماننا علی شمائلنا فی صلاتنا. (صحیح ابن حبان، ذکر الأخبار عما یستحب للمرء من وضع الیمین (ح:۱۷۷۰)

(۲) وعندھما فی کل قیام فیہ ذکر مسنون کحالۃ الثناء والقنوت وصلاۃ الجنازۃ ویرسل بین تکبیرات العیدین إذ لیس فیہ ذکر مسنون. (مراقی الفلاح مع الطحطاوی، فصل فی کیفیۃ ترکیب أفعال الصلاۃ:۲۸۰)

☆ **قنوت نازلہ میں ہاتھ باندھنے چاہئیں:**

سوال: قنوت نازلہ پڑھنے کی حالت میں ہاتھ باندھنے چاہئیں یا کھلے رہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

اس بارہ میں کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، کلیہ کے مطابق ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ ==

ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا:

سوال: ہمارے گاؤں میں شیعہ طبقہ کے لوگ بھی رہتے ہیں اور وہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں اور ہم لوگ مسلک حنفی کے ہیں اور وہ لوگ ہم لوگوں کو شیعہ مذہب کی تلقین کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث اور قرآن میں کہیں نہیں لکھا ہے کہ نیت باندھ کر نماز پڑھو، نہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا۔

لہذا قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب مرحمت فرماویں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصليًا

قرآن کریم میں صاف صاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واطاعت کا حکم ہے:

﴿وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ﴾ إلخ. (۱)

اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود بھی حالت قیام میں ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی ہے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت فرمائی ہے:

"عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤمنا فيأخذ شماله بيمينه". (رواه الترمذى وابن ماجة) (۲)

"وعن سهل بن سعد رضى اللّٰه تعالىٰ عنه قال: كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليُمنىٰ علىٰ ذراعه اليُسرىٰ فى الصلوٰة". (رواه البخارى) (۳)

یہ دونوں حدیثیں مشکوۃ شریف، ص: ۷۵-۷۶، پر موجود ہیں۔ (۴) **فقط والله أعلم بالصواب**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۷/۶/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۸۵-۵۸۶)

== **"لأنه قيام له قرار وفيه ذكر مسنون ولذا قالوا بوضع اليدين فى قنوت الوتر وقومة صلوٰة التسبيح". فقط والله تعالىٰ أعلم**

۱۹/رجب ۱۴۰۰ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۵۱)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (سورة الحشر: ۷)

"أى مهما أمركم به فافعلوه، ومهما نهاكم عنه فاجتنبوه، فإنه إنما يأمر بخير وإنما ينهىٰ عن شر. (تفسير ابن كثير: ٤/٤٣١، مكتبة دار الفيحاء، دمشق)

(۲) سنن الترمذى، أبواب الصلاة، باب ما جاء فى وضع اليمين علىٰ الشمال فى الصلاة: ۲/۳۲ (ح: ۲۵۲)

سنن ابن ماجة، باب وضع اليمين علىٰ الشمال فى الصلاة: ١/٤٤٥ (ح: ٨٠٩) دار المعرفة، بيروت، انيس

(۳) صحيح البخارى، كتاب الأذان، باب وضع اليمنى على اليسرى: ١/١٠٢، رقم الحديث: ٧٤٠، قديمى

(۴) مشكوٰة المصابيح، باب صفة الصلاة: ١/٧٥-٧٦، قديمى) (الفصل الأول (ح: ٧٩٨) الفصل الثانى (ح: ٨٠٣) انيس

ہاتھ باندھنے کا حدیث سے ثبوت:

سوال: بارہ ائمۂ عظام میں سے کسی ایک، یا زیادہ نے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی ہو، تو اس کا ثبوت کتبِ اہل السنۃ والجماعت اور کتبِ شیعہ سے کیا ہے؟

الجواب

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے بہت سی روایات آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وقتِ قیام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہاتھ باندھا کرتے تھے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے، وہ درج کی جاتی ہے۔

إن علياً قال:"من السنة وضع الكف على الكف فى الصلاة تحت السرة". (رواه ابن أبى شيبة)(۱)

واضح رہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی یہی مذہب ہے۔(۲) نیز ادب کا تقاضا بھی یہی ہے کہ رب العالمین کی بارگاہ میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو۔فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان۔۲/۱۲/۱۷/۱۳ھ۔(خیر الفتاویٰ:۲/۲۸۱-۲۸۲)

(۱) وكذا رواه أبوداؤد،باب وضع اليمنىٰ على اليسرىٰ فى الصلاة (ح: ۷۵٦):۲/۷۰،دارالرسالة العالمية وقال الشيخ شعيب الأرنؤوط:إسناده ضعيف،وكذا البيهقى فى السنن الكبرىٰ باب وضع اليدين على الصدر فى الصلاة (ح:۲۳٤۱)/سنن الدارقطنى،باب أخذ الشمال باليمين فى الصلاة (ح:۱۱۰۲)

عن إبراهيم النخعى أنه كان يضع يده اليمنىٰ على يده اليسرىٰ تحت السرة.

قال محمد:وبه نأخذ وهو قول أبى حنيفة رحمه اللّٰه.(كتاب الآثار لمحمدبن الحسن الشيبانى (ح:۱۲۱): ۱/۳۲۲،دارالكتب العلمية بيروت.انيس)

(۲) عن ابن عباس أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:إنا معشرالأنبياء أمرنا أن نؤخرسحورنا ونعجل فطرتنا وأن نمسك أيماننا على شمائلنا فى صلاتنا.(صحيح ابن حبان،ذكرالأخبار عما يستحب للمرء من وضع اليمين (ح:۱۷۷۰)

☆ نماز میں ہاتھ باندھنے کا ثبوت:

سوال: نماز کے اندر ہاتھ باندھنا کہاں سے ثابت ہے؟ دلائل نقلیہ روانہ فرمائیں۔

الجواب

عن وائل بن حجر رضى اللّٰه عنه : أنه رأى النبى صلى اللّٰه عليه وسلم رفع يديه حين دخل فى الصلوٰة،كبّر ثم التحف بثوبه،ثم وضع يده اليُمنىٰ على اليُسرىٰ،الحديث. (رواه مسلم)(مشكوٰة،باب صفة الصلاة: ۷۵) (الفصل الأول،رقم الحديث : ۷۹۷)/الصحيح لمسلم،باب وضع يده اليمنىٰ على اليسرىٰ بعدتكبيرة الإحرام تحت صدره فوق سرته ووضعهما فى السجود على الأرض حذو منكبيه (ح:۴۰۱)انيس) ==

بعد تکبیر تحریمہ ارسال نہیں:

سوال: تکبیر تحریمہ قبل ثنا پڑھنے کے کسی قدر ارسال جائز ہے یا نہیں؟ مولوی عبدالحیٔ رحمۃ اللہ علیہ نے جائز لکھا ہے۔

الجواب

درمختار میں ہے:

(ووضع) الرجل (یمینه علٰی یساره تحت سرته اٰخذاً رسغها بخنصره وإبهامه) إلخ (كما فرغ من التكبير) بلا إرسال فی الأصح، إلخ. (الدر المختار)

قوله بلا إرسال هو ظاهر الرواية، إلخ. (۱)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ارسال صحیح نہیں ہے۔ (فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۸۴)

نماز میں ارسال یدین:

سوال: مسلک مالکی میں کیا ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں، یہ کس حدیث پر عمل ہے؟

الجواب　حامداً و مصلیًا

حافظ ابن حجر نے فتح الباری "**باب وضع الیُمنٰی علی الیُسریٰ فی الصلوة: ۲/۱۸۶**" میں امام مالک کی تین روایتیں نقل کی ہیں:

اول جمہور کے موافق ہے؛ یعنی وہی ترجمۃ الباب ہے، (۲) ثانی ارسال ہے، ثالث فرض اور نفل میں تفصیل ہے؛ یعنی نفل میں وضع اور فرض میں ارسال ہے؛ جیسا کہ اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک: ۱/۲۱۷، میں مذکور ہے۔ (۳)

"**قال عبدالبر: لم يأت عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فیه خلاف، وهو قول الجمهور من**

== وعن سهل بن سعد رضی اللّٰه تعالٰی قال: كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليمنٰی علٰی ذراعه اليسریٰ فی الصلٰوة. (رواه البخاری) (أیضاً. ظفیر) (الفصل الأول، رقم الحديث: ۷۹۸)/الصحیح للبخاری، باب وضع الیمنٰی علی الیسریٰ فی الصلاة (ح: ۷۳۰) انیس)

ان دونوں حدیثوں سے نماز میں ہاتھ باندھنا معلوم ہوا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۷۶)

(۱) رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۵۴، ظفیر (فصل إذا أراد الشروع، انیس)

(۲) باب وضع الیُمنٰی علی الیُسریٰ فی الصلوة: ۲/۲۸۵، قدیمی

(۳) "والثانی یضع فی النافلة دون الفریضة، وهو روایة عنه". (أوجز المسالک شرح الموطأ، وضع الیدین: ۱/۲۱۷، مکتبة یحیویة، سهارنپور) (کتاب الصلاة، باب افتتاح الصلاة، رقم الحدیث: ۱۶۸، انیس)

الصحابة و التابعين،وهو الذى ذكره ما لک فى المؤطا،ولم يحک ابن المنذروغيره عن مالک، وروى ابن القاسم عن مالک الإرسال،وصارإليه أكثرأصابه،وعنه التفرقة بين الفريضة والنافلةِ ومنهم من كره الإرسال،ونقل ابن حاجب أن ذالک حيث يمسک معتمدًا لقصد الراحة'' آه.(فتح)(۱)

اس عبارت سے حسب تصریح ابن عبدالبر یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ترجمۃ الباب کے خلاف منقول نہیں؛ لیکن سعایہ میں طبرانی کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے:

''من حديث معاذ رضى اللّٰه تعالىٰ عنه أن رسول اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم كا ن إذادخل فى الصلوة،رفع يديه حيال أذنيه،فإذاكبرأرسلهما''آه.(۲)

اور ایک حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر؛ یعنی عمل نقل کیا ہے، پھران دونوں کا جواب دے کر لکھا ہے:

''ومن هٰهُنا قال بعض المحققين:إن الارسال لايثبت من طريق:لاصحيح لاضعيف،ولمولانا على القارى المكى رسالة حقق فيها ثبوت الوضع زيف الارسال''آه. (السعاية:۱۵۶/۲)(۳)فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور-۱۳۹۵/۶/۵ھ-

صحیح: عبداللطیف، الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ-(فتاویٰ محمودیہ:۵۸۶/۵-۵۸۷)☆

---

(۱)　فتح البارى،كتاب الأذان،باب وضع اليمنى على اليسرى فى الصلاة:۲۸۵/۲، قديمى

(۲)　السعاية،كتاب الصلوة،باب صفة الصلوة:۱۵۵/۲، سهيل اكيڈمى لاهور

عن معاذ بن جبل قال:كان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم إذا كان فى صلاته رفع يديه قبالة أذنيه فإذا كبر أرسلهما ثم سكت وربما يضع يمينه على يساره،الخ.(المعجم الكبيرللطبرانى،النعمان بن نعيم عن عبدالرحمن بن غنم عن معاذ بن جبل (ح:۱۳۹)انيس)

(۳)　السعاية،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة:۱۵۶/۲، سهيل اكيڈمى لاهور

(قوله:ثم وضع يده اليمنىٰ على اليسرىٰ) ... والظاهر أنه وضع من غيرإرسال وهو المعتمد فى المذهب وقيل إنه يرسل ثم يضع جمعاً بين الروايتين وخراجاً عن خلاف المذهبين وعلى كل فهو حجة على من قال بكراهة الوضع أو بترک سنيته المؤكدة،الخ.(مرقاة المفاتيح،باب صفة الصلاة:۶۵۸/۲،دارالفكر بيروت.انيس)

☆　امام مالکؒ کا مذہب ارسال ہی کا ہے:

سوال:　آج سے کئی سال قبل آپ نے فرمایا تھا کہ امام مالکؒ نے ہاتھ چھوڑ کے نماز نہیں پڑھی؛ بلکہ ان کے دونوں ہاتھ کاٹ دیئے گئے تھے، تو باندھنے سے معذور تھے؛ لیکن بیت اللہ شریف میں بعضوں کو ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے دیکھا ہے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ مالکی ہیں تو پیشوا اور پیروؤں میں یہ تضاد کیوں ہے؟　(الحاج صوفی عطاءاللہ میانچول)　==

تحریمہ کے بعد ہاتھ کس وقت باندھے:

سوال: نیت باندھنے کے بعد دونوں ہاتھ چھوڑ دینا مکروہ ہے، یا حرام؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

خلاف سنت ہے حرام نہیں، ظاہر روایت میں تو یہ ہے کہ تکبیر کہتے ہی فوراً ہاتھ باندھنا سنت ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے نوادر کی ایک روایت میں ہے کہ ثنا تک چھوڑے رکھے، ثنا سے فارغ ہوکر ہاتھ باندھ لے۔

"(ووضع یمینه علیٰ یساره)...(کما فرغ من التکبیر)بلا إرسال فی الأصح"آه.(الدرالمختار)(۱)
وهوظاهرالروایة، وروی عن محمد فی النوادر: أنه یرسلهماحالة الثناء، فإذا فرغ منه یضع"آه.(رد المحتار: ۵۰۸/۱)(۲)فقط واللّٰه سبحانه تعالیٰ أعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۵/۱/۱۳۵۷ھ۔
الجواب الصحیح: عبد اللطیف، صحیح سعید احمد غفرلہ، ۱۷/۱/۱۳۵۷ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۵۸۱/۵)

نیت کے بعد ہاتھ باندھنے کی ترکیب:

سوال: نماز کی نیت کرکے ہاتھ نیچے کو چھوڑ کر زیرناف باندھے یا کانوں تک ہاتھ اٹھا کر زیرناف باندھے؟

الجوابــــــــــــــــــ

کانوں تک ہاتھ اٹھا کر نیت باندھیں اور ہاتھ زیرناف باندھیں۔(۳)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۹/۲) ☆

==

الجوابــــــــــــــــــ

امام مالکؒ کا مذہب ارسال ہی کا ہے، اگر ہم نے کبھی پہلے ایسا لکھا ہے تو اس تحریر کی نقل بھیج دیں؛ تاکہ اس پر غور کیا جاسکے۔

وقال مالک:السنة هی الإرسال،آه.(بدائع الصنائع: ۲۰۱/۱)(قال النفراوی علی الرسالة:ویستحب کشفهما عندالإحرام کما یستحب إرسالهما بعدالتکبیر لکراهة القبض فی المفروضة. ویکون إرسالهما برفق ولا یرفعهما إلی قدام.(أسهل المدارک شرح إرشاد السالک،فصل فی فضائل الصلاة: ۲۱۶/۱،دارالفکر بیروت. انیس)فقط واللّٰه أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان ۲-۱۰/۷/۱۴۱۰ھ۔(خیر الفتاویٰ: ۲/۲۴۶-۲۴۷)

(۱) الدرالمختار،کتاب الصلاة،فصل فی بیان تالیف الصلوة إلی انتهائها: ۴۸۶/۱، سعید

(۲) ردالمحتار،کتاب الصلاة،فصل فی بیان تالیف الصلوة إلی إنتهائها،مطلب:فی بیان المتواتر بالشاذ: ۴۸۷/۱،سعید

(۳) (ورفع یدیه إلخ ماساً بإبهامیه شحمتی أذنیه) الخ (ووضع)الرجل (یمینه علیٰ یساره تحت سرّته).(الدر المختارعلیٰ هامش رد المحتار،باب صفة الصلاة،فصل إذا أراد الشروع: ۴۵۰/۱،ظفیر)
==

نماز میں ہاتھ باندھنے کے طریقہ کی دلیل:

سوال: احناف کے یہاں نماز میں ہاتھ باندھنے کا جو طریقہ ہے، کیا حدیث سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟
(عبدالبصیر، مہدی پٹنم)

== ☆ تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ کس طرح باندھے:

سوال: تحریمہ میں ہاتھ کان سے زیرناف آنا چاہئے یا پہلے ہاتھ لٹکا دے پھر زیرناف لائے؟

الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ہاتھ بغیر لٹکائے ہوئے ناف پر باندھنا چاہئے اور اس کے خلاف مکروہ ہے، مگر نماز ہوجاتی ہے۔((ووضع)الرجل (يمينه علٰى يساره تحت سرّته آخذًا رسغها بخنصره وإبهامه)هو المختار...(كما فرغ من التكبير)بلا إرسال في الأصحّ.(الدر المختار: ۲/۱۸۷-۱۸۸) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی-۱۹/۳/۱۳۵۲ھ-(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۱۳۰)

نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ:

سوال: نماز میں قیام کی حالت میں ہاتھ باندھنے کا طریقہ تحریر فرماویں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

قیام میں ناف کے نیچے ہاتھ اس طرح باندھیں کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر ہو، اور دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر بائیں ہاتھ کے گٹے کو پکڑیں اور دائیں ہاتھ کی بیچ کی تینوں انگلیاں بائیں کلائی پر پھیلی رہیں، ایک قول کے مطابق چھنگلیاں کے ساتھ والی انگلی کو بھی حلقہ میں شامل کریں اور صرف دو انگلیوں کو پھیلائیں، یہ حکم مردوں کے لیے ہے، عورتیں دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی پر رکھیں، پکڑیں نہیں اور سینے پر ہاتھ باندھیں۔

قال العلاء رحمه اللّٰه تعالٰى:(ووضع)الرجل (يمينه علٰى يساره)تحت سرته آخذًا رسغها بخنصره وإبهامه)هو المختار وتضع المرأة والخُنثٰى الكف على الكف تحت ثديها.

وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالٰى:أى يحلّق الخنصر والإبهام على الرسغ ويبسط الأصابع الثلاث كما فى شرح المنية ونحوه فى البحر والنهر والمعراج والكفاية والفتح والسراج وغيرها،وقال فى البدائع:ويحلق إبهامه وخنصره وبنصره ويبسط الوسطٰى والمسبحة علٰى معصمه وتبعه فى الحلية ومثله فى شرح الشيخ إسماعيل عن المجتبٰى.

(قوله: تحت ثديها) كذا فى بعض نسخ المنية وفى بعضها علٰى صدرها،قال فى الحلية:وكان الأولٰى أن يقول علٰى صدرها كما قاله الجمّ الغفير لا علٰى ثديها وإن كان الوضع على الصدر قد يستلزم ذٰلك بأن يقع بعض ساعد كل يد على الثدى لكن هٰذا ليس هو المقصود بالإفادة.(ردالمحتار: ۱/٤٥٤)

۱۴/صفر/۱۳۹۸ھ-(احسن الفتاویٰ:۳/۴۰-۴۱)

الجواب

فقہاءِ حنفیہ نے لکھا ہے کہ ہاتھ اس طرح باندھا جائے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کے اوپری حصہ پر ہو، انگشت شہادت اوراس سے متعلق متصل دو انگلیاں؛ یعنی کل تین انگلیاں بائیں ہاتھ کے گٹوں پر ہوں اور انگوٹھا، نیز چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کے گٹہ پر حلقہ بنالیا جائے، حنفیہ کے یہاں چوں کہ تمام حدیثوں پر عمل کرنے کا خصوصی اہتمام ہے، اسی لئے وہ کسی مسئلہ سے متعلق مختلف روایات کو جمع کرتے ہیں اور ایسی صورت اختیار کرتے ہیں، جس میں سبھوں پر عمل ہو جائے، چنانچہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ!

''دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھیں''۔(۱)

اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دایاں ہاتھ کو بائیں ہتھیلی کی پشت، گٹے اور کلائی پر رکھتے تھے:

''**علی ظهر كفيه اليسرى والرسغ والساعد**''.(۲)

اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑتے تھے:

''**يأخذ شماله بيمينه**''.(۳)

تو پہلی روایت سے ہتھیلی کی پشت پر ہاتھ کا رکھنا معلوم ہوا، دوسری روایت سے کلائی اور گٹے پر ہاتھ رکھنا، اور تیسری روایت سے ہاتھ کا پکڑنا، احناف نے ان تینوں روایتوں پر عمل کرنے اور جمع کرنے کے لئے یہ کیفیت متعین فرمائی کہ ہتھیلی ہتھیلی کی پشت پر، تین انگلیاں گٹے اور کلائی پر ہوں اور دو انگلیوں سے حلقہ بنا کر بائیں ہاتھ کو پکڑا جائے؛ تاکہ کوئی روایت عمل سے محروم نہ رہ جائے،(۴) احادیث کی توضیح وتشریح اور اس پر عمل کرنے میں یہی احناف کا خاص منہج

---

(۱) صحيح البخاری، رقم الحديث: ۷٤۰، باب وضع اليُمنٰى على اليُسرٰى

''عن سهل بن سعد رضى الله عنه قال: كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليمنٰى على ذراعه اليسرٰى فى الصلاة''. (وهذا الحديث رواه مالك فى الموطأ، ت: عبدالباقى، باب وضع اليدين إحداهما على الأخرٰى فى الصلاة (ح: ٤۷) انیس)

(۲) سنن أبى داؤد، رقم الحديث: ۷۲۸، باب رفع اليدين فى الصلاة (عن وائل بن حجر. انيس)

(۳) الجامع للترمذى، رقم الحديث: ۲۵۲، باب ماجاء في وضع اليمين على الشمال فى الصلاة (عن هلب يزيد بن قنافة الطائى. انيس)

(۴) وصفة الوضع أن يضع باطن كفه اليمنٰى على ظاهر كفه اليسرٰى ويحلق بالخنصر والإبهام على الرسغ. (منحة السلوك فى شرح تحفة الملوك، فصل فى صفة الصلاة: ۱۲۸/۱، وزارة الأوقاف قطر/ وكذا فى درر الحكام شرح غرر الحكام، باب صفة الصلاة: ٦۷/۱، دار إحياء الكتب العربية. انيس) ==

ہے، جس کے پیچھے تمام سنتوں کی اتباع کا جذبہ کارفرما ہے، مگر افسوس کہ جن حضرات کی نظر سطحی ہوتی ہے، وہ ایک حدیث پر عمل کر کے باقی ساری حدیثوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اپنی لاعلمی کی وجہ سے اپنے آپ کو متبع سنت خیال کرتے ہیں اور جو لوگ تمام سنتوں کا احاطہ کرتے ہیں، ان کو تارک سنت کہنے سے بھی نہیں چوکتے۔ **وإلى الله المشتكىٰ**. (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۷۰-۱۷۱)

امام کا قرأت ختم ہونے سے پہلے ہی رکوع کے لئے ہاتھ چھوڑ دینا:

سوال: ایک امام صاحب رکوع میں جانے سے پہلے ہی اپنے ہاتھوں کو چھوڑ دیتے ہیں؛ حالانکہ قرأت اب تک جاری ہے تو اس طرح کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

ذکر مسنون میں ہاتھ باندھنا بھی مسنون ہے، لہٰذا دوران قرأت ہاتھ چھوڑ دینا قبل از وقت ہے اور خلاف سنت ہے، امام صاحب کو اس طرح نہیں کرنا چاہئے، سنت کے مطابق نماز پڑھانے کا اہتمام کرنا چاہئے۔

امداد الفتاح میں ہے:

"ويسن وضع الرجل يده اليمنىٰ على اليسرىٰ تحت سرته لحديث على رضى الله عنه:"إن من السنة وضع اليمين على الشمال تحت السرة".(إمداد الفتاح:۲۸۲،بيروت)(۱)

ہدایہ میں ہے:

الاعتماد سنة القيام عند أبى حنيفة حتىٰ لايرسل حالة الثناء والأصل أن كل قيام فيه ذكر مسنون يعتمد فيه وما لا فلا،هو الصحيح، فيعتمد فى حالة القنوت وصلاة الجنازة ويرسل فى القومة وبين تكبيرات الأعياد.(الهداية:۱/۱۰۲،باب صفة الصلاة)(۲)

== وأما صفة الوضع ففى الحديث المرفوع لفظ الأخذ وفى حديث على رضى الله عنه لفظ الوضع واستحسن كثير من مشائخنا الجمع بينهما بأن يضع باطن كفه اليمنىٰ على ظاهر كفه اليسرىٰ ويحلق بالخنصر والإبهام على الرسغ ليكون عاملاً بالحديثين.(المبسوط للسرخسى،كيفية الدخول فى الصلاة:۱/۲٤،دارالمعرفة بيروت.انيس)

... العمل بالحديثين أولىٰ من نسخ أحدهما.(بدائع الصنائع،فصل كيفية فرضية صلاة الجمعة: ۱/۲۵۷، دارالكتب العلمية بيروت.انيس)

(۱) رواه أحمد،مسند على بن أبى طالب (ح: ۸۷۵) بلفظ:"إن من السنة فى الصلاة وضع الأكف على الأكف تحت السرة./وكذا الدارقطنى،باب أخذ الشمال باليمين فى الصلاة (ح: ۱۱۰۲) والبيهقى فى السنن الكبرىٰ،باب وضع اليمين على الشمال فى الصلاة (ح:۲۳٤۱)انيس)

(۲) ثم قال فى ظاهر المذهب الاعتماد سنة القيام وروى عن محمد رحمه الله أنه سنة القراءة.(المبسوط للسرخسى، باب كيفية الدخول فى الصلاة: ۱/۲٤،انيس)

شرح العنایہ میں ہے:

وعند محمد أنه سنة القراء ة...والصحيح ماقاله شمس الأئمة الحلوانی وهو الذی أشار إليه فی الكتاب أن كل قيام،الخ. (شرح العناية علىٰ هامش فتح القدير: ۲۸۷/۱،باب صفة الصلاة. دارالفكر)

نیز ملاحظہ ہو: البحر الرائق: ۳۰۸/۱، كوئٹة وكذا فی ردالمحتار: ۴۸۷/۱،سعید) **والله سبحانه تعالىٰ أعلم**

(فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۲/۲۵۹-۲۶۰)

درج ذیل امور مسنون ہیں:

تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے مرد کا دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھانا۔ عورتوں کا دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھانا۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں قبلہ رخ اور اپنی حالت پر کھلی رکھنا۔ تکبیر کہتے وقت سر نہ جھکائے بلکہ سیدھا کھڑا ہو۔ امام کے تکبیر تحریمہ کہنے کے ساتھ مقتدی کا تکبیر تحریمہ کہنا۔ امام کا تکبیر تحریمہ اور ایک رکن سے دوسرے رکن میں جانے کی تکبیریں ضرورت کے مطابق بلند آواز سے کہنا۔ مرد کا دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر ناف کے نیچے باندھنا۔ عورت اپنے ہاتھ کو سینہ پر رکھے ایک ہاتھ کو دوسرے سے نہ پکڑے۔ ثناء آہستہ سے پڑھنا۔ قراءت کے لئے **اَعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم** آہستہ کہنا۔ **بسم الله الرحمٰن الرحيم** ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے آہستہ پڑھنا۔ سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد امام، مقتدی اور تنہا پڑھنے والے سب کو آہستہ سے آمین کہنا۔ کھڑے ہونے کی حالت میں دونوں پاؤں کے درمیاں چار انگلیوں کے برابر جگہ ہونا۔ سورہ فاتحہ کے بعد فجر اور ظہر میں طوال مفصل سے اور عصر وعشا میں اوساط مفصل سے اور مغرب میں قصار مفصل سے قراءت کرنا۔ امام کا فجر کی پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے لمبا کرنا۔ رکوع میں جانے کے لئے تکبیر کہنا۔ رکوع کی تسبیح **سبحان ربی العظيم** (میں اپنے عظیم رب کی پاکی بیان کرتا ہوں) تین مرتبہ کہنا۔ رکوع کی حالت میں دونوں گھٹنے دونوں ہاتھوں سے پکڑنا۔ رکوع میں گھٹنے پکڑنے کی حالت میں انگلیاں ایک دوسرے سے الگ رکھنا۔ پنڈلیاں بالکل سیدھی رکھنا، کمان کی طرح جھکانا مکروہ تنزیہی ہے۔ سر، پیٹھ، اور کمر کا بالکل برابر ہونا۔ کہنیاں پہلوؤں سے الگ رکھنا۔ پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ رکھنا۔ رکوع سے سر اٹھانا۔ قومہ میں امام کا **سمع الله لمن حمده** کہنا اور مقتدی کا **ربنا لک الحمد** کہنا اور اکیلے پڑھنے والے کا دونوں کہنا۔ سجدہ کی تکبیر۔ سجدہ میں اس طرح جانا کہ پہلے گھٹنے پر ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی سجدہ کی جگہ رکھے۔ دونوں ہاتھوں کے درمیان سجدہ کرنا۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیاں قبلہ رخ رکھنا۔ مرد کا پیٹ کو رانوں سے اور کہنیاں پہلوؤں سے اور بازو زمین سے دور رکھنا۔ عورتوں کا جھکنا اور پیٹ رانوں سے چپکائے رکھنا۔ سجدہ میں تین مرتبہ تسبیح **سبحان ربی الأعلىٰ** کہنا۔ (مراقی) سجدہ سے اٹھنے میں پہلے پیشانی پھر ناک پھر ہاتھ پھر گھٹنے اٹھانا۔ سجدہ سے پورے طور پر سر اٹھانا۔ دونوں سجدے کے درمیان اور تحیات پڑھنے کے لئے بیٹھنے کی حالت میں دونوں ہاتھ رانوں پر رکھنا اس طرح کہ ہاتھ گھٹنے نہ پکڑے۔ مرد کا بایاں پاؤں بچھانا اور دایاں کھڑا رکھنا۔ دائیں پاؤں کی انگلیوں کا اندرونی حصہ حتی الامکان قبلہ رخ رکھنا جو انگلی اس طرح نہ رہ سکے اس میں حرج نہیں ہے۔ عورتوں کا اس طرح بیٹھنا کہ چوتڑ پر بیٹھے اور ایک ران دوسری پر رکھے اور دائیں چوتڑ کے نیچے سے باہر نکالے۔ تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا۔ تحیات (تشہد) آہستہ سے پڑھنا۔ فرض نماز کی تیسری، چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا۔ نماز کے اخیر میں بیٹھنے کی حالت میں درود پڑھنا۔ درود کے بعد دعا کرنا۔ دائیں اور بائیں، پھر کر سلام کرنا۔ امام اس نیت سے سلام کرے کہ میں مردوں، عورتوں، بچوں، خنثیٰ محافظ فرشتوں اور نیک جنوں میں سے مقتدیوں کو سلام کرتا ہوں۔ تنہا نماز پڑھنے والا اس نیت سے سلام کرے کہ جو فرشتے اور جن ہمارے ساتھ نماز میں شریک ہیں ان سب کو سلام کرتا ہوں۔ امام پہلے سلام پست آواز میں دوسرا سلام کرے۔ مقتدی امام کے سلام کرنے کے ساتھ سلام کرے۔ پہلے دائیں جانب سلام کرے۔ مسبوق (جس کی کچھ نماز چھوٹ جائے) امام کے دونوں سلام سے فارغ ہونے کا انتظار کرے۔ (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۴۱-۲۵۹) (انیس)

سنن نماز

ثنا،تعوذ،تسمیہ،آمین اورقرأت

ثنا کی حیثیت:

سوال: ثنا ہر نماز میں ایک حیثیت رکھتی ہے یا سنت ونفل میں دوسری اور فرض نماز میں کوئی اور؟

الجو اب ــــــــــــــ حامداً و مصليًا

فرض، سنت، وتر، نفل، غرض ہر نماز میں پہلی رکعت میں ثناء پڑھی جائے گی، سب میں حیثیت ایک ہی ہے:
’’**وثنى كل مصل إلخ**‘‘. (نور الإيضاح)(۱) **فقط والله سبحانه وتعالىٰ أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۶/۷/۱۳۹۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۸۹)

ثنا وغیرہ کا حکم:

سوال: ثنا کا پڑھنا، تکبیر کا جواب دینا اور نیت کرنا کیسا ہے؟ مکبر کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کے جواب میں مقتدی مشغول ہوتا ہے، تکبیر ختم ہونے پر فوراً امام صاحب تکبیر تحریمہ کہہ دیتے ہیں تو مقتدی ثنا، تکبیر کا جواب اور نیت کس وقت کرے؟

الجو ابــــــــــــــ و بالله التو فيق

ثنا پڑھنا مسنون ہے اور تکبیر کا جواب دینا مستحب ہے۔ (۲) نیت نماز کے لئے شرط ہے، بغیر نیت نماز نہیں ہوگی، نیت دل کے ارادہ کا نام ہے۔ (۳) اس میں زیادہ وقت کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱) نور الإيضاح متن مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في كيفية تركيب الصلاة: ۲۸۱، قديمي

’’عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا استفتح الصلوة قال: ’’سبحانك اللّٰهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالىٰ جدك، ولا إله غيرك‘‘. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من رأى الاستفتاح بسبحانك: ۱/۱۱۳، رقم الحديث: ۷۷٦، دار الحديث، ملتان)

’’وقد تقدم أنه سنة لرواية الجماعة أنه كان صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقوله إذا افتتح الصلاة، أطلقه فأفاد أنه يأتي به كل مصل، إماماً كان أو ماموماً أو منفردًا‘‘. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵٤۰، رشيدية)

(۲) (ويجيب الاقامة) ندباً إجماعًا. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب الأذان: ۲/۷۱)

(۳) (و) الخامس (النية) بالإجماع (وهي الإرادة) المرجحة لأحد المتساويين: أي إرادة الصلاة لله تعالىٰ على الخلوص. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب شروط الصلاة: ۲/۹۰-۹۱)

(وسننها)...(والثناء).(۱)

ثم الشرط لغةً: العلامة اللازمة. وشرعًا: مايتوقف عليه الشيء ولايدخل فيه (هی)ستة... (و) الخامس(النية) بالإجماع.(۲)فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم

محمد نعمت اللہ قاسمی-۱۴۰۹/۵/۲۱ھ-(فتاویٰ امارت شرعیہ:۳۹۴/۲-۳۹۵)

نماز میں ثنا اور درود شریف پڑھنا سنت موکدہ ہے غیر موکدہ یا واجب:

سوال: نماز میں ثنا، درود شریف، دعا وغیرہ کا پڑھنا سنت موکدہ ہے غیر موکدہ؟

الجواب

نماز میں ثناء، درود شریف اور اس کے بعد کی دعا سنن موکدہ میں سے ہیں- لما فی الدر المختار:

وسننها... الثناء والتعوذ...والصلوة على النبی صلی اللّٰه عليه و سلم والدعاء.(۳)

اور ''وسننها'' کے بعد صاحب درمختار لکھتے ہیں:

''ترک السنة لايوجب فسادًا ولاسهوًا بل اساءةً لو عامدًا غير مستخف،الخ.(۴)

اور یہ تعریف سنت موکدہ کی ہے، كما يظهر من كلام الشامی.(۳۱۸/۱-۳۱۹)(۵)

اس کے علاوہ فقہاجب نماز کی سنت مطلق بولتے ہیں، تو اس سے موکدہ ہی مراد ہوتی ہے، سنن زوائد یا سنن غیر موکدہ عموماً آداب سے تعبیر کیا جاتا ہے- واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ-۱۳۹۸/۶/۲۴ھ-(فتویٰ نمبر:۲۹/۶۹۲-ب)(فتاویٰ عثمانی:۴۰۸/۱)

(۱) ردالمحتار،باب صفة الصلاة:۱۷۰/۲-۱۷۲-

(۲) الدرالمختار،باب شروط الصلاة:۷۳/۲-۹۰-

(۳-۵) الدرالمختار: ۴۷۳/۱-۴۷۷،باب صفة الصلاة،طبع سعيد

وفی تبيين الحقائق:۲۸۶/۱،طبع سعيد)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس):

وسننها رفع اليدين للتحريمة ... الثناء والتعوذ ... والصلوة على النبی والدعاء يعنی بعد التشهد فی القعده الأخيرة لقوله عليه السلام:''إذا صلی أحدكم فليبدأ بالثناء على اللّٰه تعالیٰ ثم بالصلوة ثم بالدعاء.وقال الشافعی رحمه اللّٰه:''الصلوة على النبی فرض ... ولنا أنه عليه السلام علم الأعرابی فرائض الصلوة ولم يعلمه الصلوة على النبی.

وفی شرح العناية على الهداية على هامش فتح القدير: ۳۴۱/۱،طبع مكتبة رشيدية،كوئٹة:

وبالسنة مافعله رسول اللّٰه بطريق المواظبة ولم يتركها إلا لعذر كا لثناء والتعوذ وتكبيرات الركوع والسجود .

كذا فی البحر الرائق:۳۰۳/۱ .طبع سعيد

ثنا پڑھنے کا وقت:

سوال: زید امامت کے لئے کھڑا ہوا اور ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر نیت باندھ لی، مقتدی اور مکبر حضرات نے بعد تمام اقامت فوراً نیت باندھی، لیکن امام کے سورۃ فاتحہ شروع کرنے کی وجہ سے ثناء نہیں پڑھ سکے، یہ زید کی عادت ہے کہ ثنا پڑھنے کی مہلت نہیں دیتا۔ بعد نماز عمر نے اعتراض کیا کہ اے زید امام! ہم تمام مقتدی مکبر کب ثنا پڑھیں؟ زید جواب دیتا ہے کہ ثنا نہ پڑھی جائے تو کوئی بات نہیں، اگر ثنا پڑھنا ہو تو ”قد قامت الصلوۃ“ پر فوراً میرے ہمراہ نیت باندھو اور ثنا پڑھو اور ثنا کی ذمہ داری میرے اوپر نہیں ہے۔ عمر سوال کرتا ہے زید سے کہ مقتدیوں کو اقامت کا جواب بھی دینا ہوتا ہے، زید کہتا ہے کہ اقامت کا جواب نہیں دینا چاہئے۔ عمر زید سے کہتا ہے کہ اگر ہم لوگ ”قد قامت الصلوٰۃ“ پر نیت باندھ لیں؛ لیکن بکر کب نیت باندھے اور کب ثناء پڑھے؟ تو زید کہتا ہے کہ زیادہ بولو نہیں، ورنہ پٹخ کر چڑھ بیٹھوں گا۔

الجواب ــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

”(وشروع الإمام) فی الصلاة (مذ قیل قد قامت الصلاة) ولو أخر حتی أتمها لابأس به إجماعاً، وهو قول الثانی والثلاثة، وهو أعدل المذاهب، کما فی شرح المجمع لمصنفه. وفی القهستانی معزیاً للخلاصة: أنه الأصح آه“. (الدرالمختار)

”قوله: (وهو) أی التأخیر المفهوم من قوله: ”أخر“ قوله: (أنه الأصح)؛ لأن فیه محافظةً علٰی فضیلة المؤذن وإعانةً له علی الشروع مع الإمام آه“. (رد المحتار: ۱/۳۳۲)(۲)

اس عبارت معلوم ہوا کہ امام کے لئے مناسب یہ ہے کہ اقامت ختم ہونے پر نماز شروع کرے؛ تاکہ مکبر امام کی متابعت بروقت کرلے، امام کو جواب کا وہ طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہئے، جو سوال میں مذکور ہے، ثنا پڑھنا سنت ہے۔ (۲)

(فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۹۰)

---

(۱) الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۷۹، سعید

(۲) ”عن عائشة رضی اللّٰه تعالٰی عنها قالت: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إذا استفتح الصلوة قال: ”سبحانک اللّٰهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک ولاإلٰه غیرک“. (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب من رأی الاستفتاح بسبحانک: ۱/۱۱۳، رقم الحدیث: ۷۷۶، دارالحدیث، ملتان)

عن إبراهیم أن ناساً من أهل البصرة أتوا عمربن الخطاب رضی اللّٰه عنه لم یأتوا إلا لیسألوه عن افتتاح الصلاة قال: فقام عمربن الخطاب رضی اللّٰه عنه فافتتح الصلاة وهم خلفه ثم جهر فقال: سبحانک اللّٰهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک ولاإلٰه غیرک. قال محمد: وبهذا نأخذ فی افتتاح الصلاة ولکنا لانری أن یجهر بذلک الإمام ولا من خلفه وإنماجهر عمربذلک لیعلمهم ما سألوه عنه وکذلک بلغنا عن إبراهیم وهو قول أبی حنیفة رضی اللّٰه عنه. (کتاب الآثار لمحمد بن الحسن، باب افتتاح الصلاة (ح: ۷۲)، ت: أبوالوفاالأفغانی، دارالکتب العلمیة بیروت. انیس)

ثنا کب پڑھا جائے:

سوال: قرأت شروع ہونے کے بعد ثنا پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ سری نماز میں اتنی دیر میں شریک ہوا کہ امام سورۂ فاتحہ کا کچھ حصہ پڑھ چکا ہو، تو کیا ثنا پڑھ سکتا ہے؟ ثنا کن صورتوں میں پڑھنا چاہئے؟ واضح طور پر بتلائے؟

(عبدالرحمٰن، بی، ایچ ای، ایل)

الجواب

اگر امام قرأت شروع کر چکا ہو تو مقتدی کو اس وقت ثنا نہیں پڑھنی چاہئے، نماز خواہ جہری ہو یا سری، اس صورت کے علاوہ ثنا پڑھنے کی صورت اس طرح ہے:

(الف) امام تنہا نماز پڑھنے والا اور امام کے پیچھے تکبیر تحریمہ سے شریک رہنے والا، قرأت سے پہلے ثنا پڑھے گا، اگر شروع میں غفلت ہوگئی اور قرأت شروع ہونے کے بعد یاد آیا تو اس وقت ثنا پڑھنا درست نہیں، اب ثنا چھوڑ دے، کیونکہ ثنا کا حکم استحبابی ہے، واجب نہیں۔

(ب) اگر نماز شروع ہونے کے بعد امام کے رکوع میں جانے کے بعد نماز میں شامل ہوا تو اگر اس کو قوی امید ہو کہ وہ ثنا پڑھ کر رکوع کو پا سکتا ہے تب تو ثنا پڑھ لے اور پھر رکوع میں جائے، اور اگر ثنا پڑھنے میں رکوع کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو تو ثنا چھوڑ دے۔

(ج) جس شخص کی ایک یا اس سے زیادہ رکعتیں چھوٹ گئیں، جس کو فقہ کی اصطلاح میں ''مسبوق'' کہتے ہیں، وہ امام کی نماز پوری ہونے کے بعد جب چھوٹی ہوئی رکعتوں کو ادا کرنے کے لئے اٹھے، اس وقت شروع میں ثناء پڑھ سکتا ہے۔

(د) اگر قیام کی حالت میں ثنا نہیں پڑھ سکا تو رکوع کی حالت میں ثنا پڑھنا درست نہیں، بہ خلاف عیدین کی تکبیراتِ زوائد کے، اگر قیام کی حالت میں امام کی تکبیراتِ زوائد کو نہیں پا سکا تو رکوع میں یہ تکبیرات کہی جائیں گی، کیونکہ عیدین کی تکبیرات واجب ہیں، اور ثنا مستحب۔

یہ تمام احکام علامہ شرنبلالیؒ اور طحطاویؒ نے ذکر کئے ہیں۔(۱) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۷۲-۱۷۳)

چھوٹی ہوئی رکعت میں ثنا:

سوال: اگر کوئی آدمی نماز میں اس وقت شریک ہوتا ہے، جب کہ جماعت کی ایک یا دو رکعت ہو چکی ہے تو جب

(۱) مراقی الفلاح مع طحطاوی: ص: ۱۵۳-۵۴، ط: دمشق

امام سلام پھیرتا ہے،تو مقتدی کو نماز فجر،ظہر،عصر،مغرب اور عشا کی نماز میں جب وہ نماز پوری کرنے کے لئے اکیلا کھڑا ہوتو کیا اسے ''**سبحانک اللّٰھم**،الخ''سورہ فاتحہ سے پہلے پڑھنا چاہئے یانہیں؟

هو المصوب

وہ سورہ فاتحہ سے پہلے ثنا پڑھے گا۔(۱)

تحریر:محمد طارق ندوی۔تصویب: ناصر علی ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۲/۸۷)

سنتوں کی تیسری رکعت میں ثنا نہیں پڑھی جائے گی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سنت مؤکدہ کی تیسری رکعت میں ''**سبحانک اللّٰھم**'' سے شروع کرے گا،یا''**بسم اللّٰه**'' سے؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی:عبدالرشید جہلم)

الجواب

بسم اللّٰه سے پڑھے گا۔(۲) **وهو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۶۰)

سری نماز میں ثنا کا حکم:

سوال: سری نماز میں مقتدی کو پہلی رکعت میں رکوع سے تھوڑی دیر پہلے آکر ملنے تک ثنا پڑھنے کی گنجائش ہے یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلیًا

ہے۔(۳) **فقط واللّٰه سبحانه وتعالٰی أعلم**(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۹۱)

ثنا اور تشہد وغیرہ کے پہلے بسم اللہ نہیں ہے:

سوال: نماز میں ثنا اور تشہد اور درود اور دعا اور دعاء قنوت کے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہئے یانہیں؟

---

(۱) (فيأتي به المسبوق)في ابتداء مايقضيه بعدالثناء فإنه يثني حال اقتداء ه.(مراقی الفلاح،فصل فی كيفية تركيب الصلاة:۱۰۵،المكتبةالعصرية.انيس)

(۲) وفی الهندية:وإذا قام يفعل فی الشفع الثانی ما فعل فی الشفعل الأول من القيام و الركوع والسجود كذا فی المحيط ويقرأالفاتحة فقط.هٰكذا فی الكافی وتكره الزيادة علٰی ذلک،كذا فی السراج الوهاج.(الفتاویٰ الهندية،الفصل الثانی فی سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها:۱/۷۶)

(۳) ''أدرک الإمام فی القيام ،يثنی ما لم يبدأ بالقراء ة،وقيل:فی المخافتة يثنٰی،ولو أدركه راكعاً أوساجداً إن أكبر رأيه أنه يدركه أتٰی به''(.سعيد)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

بسم اللہ پڑھنا سورہ فاتحہ کے اول اورسورہ سے پہلے ہے،تشہدوغیرہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کاحکم نہیں ہے؛لیکن بعض روایات میں تشہداوردعاءِقنوت میں بسم اللہ وارد ہے،اگر پڑھے تو کچھ حرج نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۲/۱۹۹)

ثناء کے آخر میں ''ک'' پرزبر ہے یاجزم:

سوال: نماز میں جوثناء پڑھتے ہیں ثناء کے آخر میں ''ولا إلٰـه غيرکُ'' پڑھنا چاہئے یا''غيرکُ''پڑھا جائے؟ کتاب اورسنت کی روشنی میں مطلع فرمادیں۔

الجوابـــــــــــــــ حامداً و مصليًا

ثنا کے بعد اگر ''أعوذ'' پڑھنا ہوتو''غيرکَ'' کاف کے زبر کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں،اگر''کاف''پرسانس ختم کرنا ہوتو''کاف''کوساکن کردیں،اگرثنا کے بعد''أعوذ''نہ پڑھنا ہو،جیسا کہ مقتدی کا حال ہوتا ہےتو''کاف'' کوساکن کردیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیو بند۔۱۸/۹/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیو بند۔۱۹/۹/۱۳۸۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۹۳)

نمازشروع ہونے کے بعدمقتدی آیاوہ ثنا کب پڑھے:

سوال: امام نے سری نماز میں قرأت شروع کردی اس کے بعدزیدنماز میں آکرملاتووہ اب ثناء کب پڑھے؟

(غلام رسول حاجی اسماعیل،ترکیسرضلع سورت)

الجوابـــــــــــــــ حامداً و مصليًا

اگرسورہ شروع کردی ہےتو زیدثنانہ پڑھے،(۲)اگر فاتحہ شروع کی ہےاورامام کےسکتات اورآیات کےوقف کے پڑھ سکتا ہےتوپڑھےورنہ نہ پڑھے۔(۳)**فقط واللہ سبحانه وتعالیٰ أعلم**

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور۔

صحیح،الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ۔۲۴/۳/۱۳۶۴ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۹۲)

---

(۱) وتعوذ،إلخ،سرًّا لقراءة،إلخ (و) كما تعوذ(سمیّ)غيرالمؤتم .(الدرالمختار)

ذكرالمصنف ثلاث مسائل تفريعاً علىٰ قوله"لقراءة"بناءً علىٰ قول أبي حنيفة ومحمد:إن التعوذ تبع للقراءة أما عند أبي يوسف فهوتبع للثناء،الخ،لكن مختارقاضي خان والهداية وشروحها و الكافي والاختياروأكثرالكتب هو قولهما: إنه تبع للقراءة وبه نأخذ،شرح المنية.(رد المحتار،باب صفة الصلاة،بعد الفصل إذا أراد الشروع: ۱/٤٥٦ـ٤٥٧،ظفير)==

نماز شروع ہونے کے بعد مقتدی ثنا کیسے پڑھے گا:

سوال: نماز باجماعت میں مقتدیوں کا امام کی قرأت کا سننا واجب ہے اور ثنا پڑھنا سنت ہے،لہٰذا ایسی صورت میں جب کہ امام قرأت شروع کر چکا ہے،مقتدی کیا کرے،اگر مقتدی نے ثنا کا کچھ حصہ پڑھ لیا ہے اور امام نے جہر سے قرأت شروع کردی،تو مقتدی ثنا پڑھے گا؟

هو المصوب

امام بالجہر قرأت کرے یا سراً قرأت کرے،دونوں صورتوں میں مقتدی ثنا نہیں پڑھیں گے،اگر کچھ باقی رہ گیا تو بھی نہیں پڑھیں گے،قرأت کا سننا ضروری ہے۔(۱)

تحریر: محمد ظہور ندوی۔(فتاویٰ ندوۃ العلماء:۲/۸۷-۸۸)☆

==(۲) ثم اعلم أن الثناء يأتي به كل مصل،فالمقتدى يأتي به مالم يشرع الإمام فى القرأة مطلقاً،إلخ".(حاشية الطحطاوى علىٰ مراقى الفلاح،كتاب الصلاة،فصل فى بيان سننها:۲۵۹،قديمى)

(۳) وقال بعضهم:يأتي بالثناء عندسكتات الإمام كلمة كلمة،وعن الفقيه أبى جعفر الهندوانى:إذا أدرك الإمام فى الفاتحة يثنىٰ بالاتفاق".(الحلبى الكبير،صفة الصلاة:۳۰۴،سهيل اكيڈمى،لاهور)

حاشيه صفحه هذا:

(۱) (وقرأ)كماكبر(سبحانك اللّٰهم...إلا إذا)شرع الإمام فى القراءة سواء (كان مسبوقًا)أومدركاً(و)سواء كان (إمامه يجهربالقراءة)أولا؟فإنه (لايأتى به)لما فى النهرعن الصغرىٰ: أدرك الإمام فى القيام يثنى مالم يبدأ بالقراءة. (الدر المختارمع ردالمحتار:۱۸۹/۲)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل فى تأليف الصلاة:۴۵۵/۱-۴۵۶،ظفير)

﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَاَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾.(سورة الأعراف:۲۰۴)

عن أبى هريرة رضى اللّٰه عنه قال: كانوا يتكلمون فى الصلاة فأنزل اللّٰه عزوجل﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَاَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾.(أحكام القرآن للطحاوى،تأويل قوله تعالى وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ: ۲۴۵/۱، مركز البحوث الإسلامية التابع لوقف الديانة التركى،استانبول)

قال أبوبكر:روى عن ابن عباس أنه قال إن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قرأ فى الصلاة وقرأ معه أصحابه فخلطوا عليه فنزل،﴿وَاِذَا قُرِئَ﴾الخ.(أحكام القرآن للجصاص،باب القراءة خلف الإمام:۵۲/۳،دارالكتب العلمية.انيس)

☆ فاتحہ کے سکتات میں ثنا پڑھنا نہیں چاہئے:

سوال: ثنا فاتحہ کے سکتات میں پڑھنا افضل ہے یا سکوت بہتر ہے؟

الجواب

قراءت کے شروع ہونے کے بعد ثنا نہ پڑھنی چاہئے۔(حوالہ سابق) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۳۹)

امام ثنا پڑھ کر قرأت شروع کردے یا مقتدی کے پڑھنے کا انتظار کرے:

سوال: امام کو ثنا پڑھ کر مقتدیوں کی ثنا پڑھنے کا انتظار کرنا چاہئے یا قرأت شروع کردے؟

الجواب

نہیں۔ (انتظار نہ کرے) (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۶۴)

ثنا سے متعلق چند مسائل:

سوال: ثنا پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ نیز بعد میں شریک ہونے والا کب پڑھے گا؟ اگر کسی نے سہوا ثنا چھوڑ دیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ اور اگر قصدا چھوڑ دیا تو کیا حکم ہے؟

الجواب

ثنا پڑھنا سنت ہے، منفرد اور امام ہر حال میں ثنا پڑھیں گے، اگر جہری نماز میں امام نے قرأت شروع کردی ہے تو بعد میں شامل ہونے والا ثنا نہ پڑھے، نیز سری نماز کا بھی یہی حکم ہے اصح قول کے مطابق ایک ضعیف روایت یہ بھی ہے کہ سری نماز میں بعد میں شریک ہونے والا ثنا پڑھے گا، مسبوق جب اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرے گا تب ثنا پڑھے گا، اگر بھول سے چھوٹ گیا تو کوئی حرج نہیں ہے اور سجدہ سہو بھی واجب نہیں ہے البتہ جان بوجھ کر چھوڑ دینا بہت برا ہے اور ملامت کا مستحق ہے اور عادت بنالی ہے تو گنہگار ہوگا، اور سنت کا ہلکا سمجھ کر چھوڑتا ہے تو کفر کا اندیشہ ہے۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن عائشة رضی اللّٰہ عنھا قالت: کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا افتتح الصلاة قال: ”سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک ولاإلٰه غیرک“. (رواہ الترمذی: ۵۷/۱، باب مایقول عند افتتاح الصلاة، فیصل) (۲)

(۱) (وقرأ) کما کبر (”سبحانک اللّٰھم“ إلخ، إلا إذا شرع) الإمام فی القراءة سواءٌ کان مسبوقاً أومدرکاً وسواءٌ کان إمامه یجھر بالقراءة أولا فإنه لایأتی به إلخ أدرک الإمام فی القیام یُثنی مالم یبدء بالقراءة. (الدرالمختار علٰی ھامش رد المحتار، باب صفة الصلوٰة، فصل: ۴۵٦/۱، ظفیر)

(۲) أبواب الصلاة، رقم الحدیث: ۲۴۳، قال الترمذی: ھذا حدیث لا نعرفه إلا من ھذا الوجه وحارثة قد تکلم من قبل حفظه. (۳۲۵/۱، دارالغرب الإسلامی بیروت) قال الألبانی: حدیث صحیح وصححه الحاکم ووافقه الذھبی. (صحیح أبی داؤد: ۳٦۳/۳، مؤسسة غراس للنشر والتوزیع الکویت)/ وأیضاً رواہ ابن ماجه، باب افتتاح الصلاة، رقم الحدیث: ۸۰۴، عن أبی سعیدالخدری قال: کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یستفتح صلاته یقول: ”سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک ولاإلٰه غیرک“. قال الألبانی: صحیح. (تخریج الکلم الطیب: ۹۸/۱، المکتب الإسلامی بیروت. انیس)

مراقی الفلاح میں ہے:

”ویسن الثناء لما روینا لقوله صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم :إذا قمتم إلی الصلاۃ فارفعوا أیدیکم ولا تخالف آذانکم ثم قولوا:سبحانک اللّٰهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الٰہ غیرک“.(مراقی الفلاح:۹۵،مکۃ المکرمۃ)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

(مستفتحًا وهو أن یقول سبحانک اللّٰهم ... ویستفتح کل مصل سواء المقتدی وغیرہ مالم یبدأ الإمام بالقراءۃ) ولو سریۃ علی المعتمد وإن أدرکه راکعًا تحری إن أکثر رأیه أنه إن أتی به أدرکه فی شیء منه أتی به وإلا لا،نهر.(حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی:۲۸۱، قدیمی کتب خانۃ) (۱)

حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

(قوله إلا إذا شرع الإمام)أفاد بالاستثناء أنه یأتی به الإمام والمنفرد والمقتدی قبل شروع الإمام فی القراءۃ (قوله سواءٌ کان امام یجهر)لما کان قضیۃ المتن جواز الثناء فی المخافۃ وإن بدأ الإمام بالقراءۃ وکان ذلک ضعیفًا حوَّل الشارح عبارۃ المصنف إلی القول الصحیح حلبی (قوله وقیل فی المخافۃ یثنی) وجه ضعیف هذا القیل أنه إذا امتنع علی المأموم قراءۃ القرآن التی هی فرض فی الصلاۃ عند قراءۃ الإمام القرآن سراً أوجهراً فلان یمتنع علیه الثناء وهو نفل أولٰی بجامع التخلیط والتغلیظ فی کل،آہ،حلبی.(حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار:۲۱۸/۱)(۲)

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

”المسبوق إذا أدرک الإمام فی القراءۃ فی الرکعۃ التی یجهر فیها لایأتی بالثناء فإذا قام إلی قضاء ماسبق به یأتی بالثناء.(خلاصۃ الفتاویٰ:۱۶۵/۱،مسائل المسبوق،رشیدیۃ)

درمختار میں ہے:

ترک السنۃ لایوجب فسادًا ولا سهوًا بل إساءۃ لو عامدًا غیر مستخف...وفی الشامی:قوله: (لایوجب فسادًا ولا سهوًا)أی بخلاف ترک الفرض فإنه یوجب الفساد وترک الواجب فإنه یوجب سجود السهو.قوله:(لوعامداً غیر مستخف)فلوغیر عامدٍ فلا إساءۃً أیضاً،بل تنوب إعادۃ الصلاۃ کما قدمناہ فی أول بحث الواجبات ، ولو مستخفا کفر، لمافی النهرعن البزازیۃ:لولم یر السنۃ حقًا کفر لأنه استخفاف.(الدرالمختارمع ردالمحتار:۴۷۴/۱)(۳)واللّٰہ سبحانه تعالیٰ أعلم

(فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۱۳۹/۲-۱۴۱)

---

(۱) فصل فی کیفیۃ ترکیب أفعال الصلاۃ:۲۸۱-۲۸۲،دارالکتب العلمیۃبیروت.انیس

(۲) فروع قرأبالفارسیۃ أوالتوراۃ أوالإنجیل،انیس

(۳) کتاب الصلاۃ،باب صفۃ الصلاۃ،انیس

بلا بسم اللہ نماز میں فاتحہ:

سوال: نماز میں سورۂ فاتحہ بلا بسم اللہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز ہو جاتی ہے اور کچھ نقص نہیں رہتا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۴۱)

نماز میں تعوذ اور بسم اللہ:

سوال: فرض وسنت نمازوں کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے تسمیہ ضروری ہے یا نہیں؟ اگر کوئی صرف پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ، تعوذ وتسمیہ پڑھے اور بقیہ رکعتوں میں تسمیہ نہ پڑھے تو کیسا ہے؟ اور جماعت سے نماز پڑھنے کی صورت میں مقتدی کو تعوذ وتسمیہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟　　(م،ع، فاروقی، محبوب نگر)

الجواب

تعوذ تو صرف پہلی رکعت میں پڑھنا ہے، لیکن بسم اللہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے پڑھنا مسنون ہے، خواہ وہ فرض ہو یا سنت، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

”أنه يأتي بها في كل ركعة“.(۲)

البتہ سورۂ فاتحہ اور اس کے بعد والی سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا جائز ہے نہ کہ مسنون، البتہ تعوذ وتسمیہ کا تعلق قرآن مجید کی قرأت سے ہے، اس لئے جس کے ذمہ قرآن کی تلاوت ہو وہ تسمیہ وتعوذ پڑھے گا، یعنی امام اور منفرد، مقتدی کے ذمہ چونکہ قرأت نہیں؛ اس لئے وہ تعوذ اور تسمیہ بھی نہیں پڑھے گا:

”إن التعوذ سنة القراءة فيأتي به كل قارئ للقرآن ... لا يأتي به المقتدی“.(۳)

(کتاب الفتاویٰ:۲/۱۷۳-۱۷۴) ☆

---

(۱) (وسننها) ترك السنة لايوجب فسادًا ولاسهوًا بل إساءةً لوعامدًا،إلخ،الثناء والتعوذ والتسمية والتأمين.(الدر المختارعلى هامش رد المحتار،باب صفة الصلوٰة،مطلب سنن الصلوٰة:۱/ ۴۴۲ ـ۴۴۳،ظفير)

(۲) بدائع الصنائع: ۱/۴۷۷ ، ط : ديوبند .محشى،كتاب الصلاة،فصل فى سنن الصلاة،انيس

(۳) البحرالرائق: ۱/ ۳۱۲ - ۳۱۱ .كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل إذا أراد الدخول فى الصلاة،انيس

☆ ”أعوذ بالله“اور”بسم الله“:

سوال: نماز (میں ثناء) کے بعد اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا سنت ہے یا نہیں؟ اور رکعت کے شروع میں بھی قرأت سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟　　==

نماز میں تعوذ وتسمیہ پڑھنے کا حکم:

سوال (۱) نماز کے وقت خواہ دو رکعت والی نماز ہو یا چار رکعت والی نماز ہو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم صرف پہلی رکعت کے شروع میں الحمد شریف سے پہلے پڑھنا چاہئے یا ہر رکعت میں الحمد شریف کے پہلے بسم اللہ پڑھے؟

(۲) کیا ہر رکعت میں صرف الحمد للہ کے پہلے یا ہر رکعت میں الحمد للہ کے بعد سورہ ملانے سے پہلے بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے؟

(۳) کیا امام ومنفرد، مسبوق اور مقتدی سبھوں کو تعوذ وتسمیہ کہنا چاہئے؟

امید ہے کہ اہل سنت والجماعت یعنی امام اعظم علیہ الرحمہ کے مسلک کے پیش نظر مفصل اور تشریحاً کتابوں کے حوالہ کے ساتھ جواب دے کر مشکور فرمائیں گے۔

الجواب ـــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) ہر رکعت کے شروع میں الحمد پڑھنے سے پہلے بسم اللہ کہنا مسنون ہے۔(۱)

(۲) درمختار میں ہے کہ فاتحہ اور سورہ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا نہ مسنون ہے اور نہ مکروہ، محققین نے اس کو راجح فرمایا ہے کہ پڑھنا بہتر اور مستحب ہے۔ شامی میں ہے:

"ولھٰذا صرح فی الذخیرة والمجتبٰی بأنه إن سمّٰی بین الفاتحة والسورة المقروءة سرًا أو جهرًا كان حسنًا عند أبی حنیفة ورجحه المحقق ابن الهمام،إلخ.(۲)

==

الجوابـــــــــــــــــ حامداً ومصلیًا

جو شخص ثنا کے بعد "**الحمد**"، پڑھے گا، جیسے امام اور منفرد وہ "**أعوذ باللّٰه**" و"**بسم اللّٰه**"، پڑھے گا۔ **("(و) كما استفتح(نعوذ) بلفظ أعوذ علی المذهب(سرًا) ... (لقراءة) ... (و) كما تعوذ(سمی)غیر المؤتم بلفظ البسملة". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب صفة الصلاة: ۴۸۹/۱،سعید)**

وفی الفتاوی الهندیة:"ثم یقول:سبحانک اللّٰهم...إماماً كان أومقتدیاً أومنفردًا...ثم یتعوذ...ثم التعوذ تبع للقراءة دون الثناء عند أبی حنیفة ومحمد رحمها اللّٰه ... ثم یأتی بالتسمیة". (كتاب الصلاة، الفصل الثالث فی سنن الصلاة وآدابها: ۷۳/۱۔۷۴،رشیدیة)فقط واللّٰه أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۹۵/۵)

(۱) **"(و)كما تعوذ (سمی)غیر المؤتم بلفظ البسملة،لامطلق الذكر كما فی ذبیحة ووضوء (سراً فی)أول (كل ركعة)ولوجهریة "(الدرالمختارعلٰی هامش رد المحتار: ۱۹۱/۲۔۱۹۲)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انیس)**

(۲) **رد المحتار: ۱۹۲/۲، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب:قراءة البسملة بین الفاتحة والسورة حسن: ۴۹۰/۱ ،دارالفكر بیروت،انیس)**

(۳) تعوذ وتسمیہ قرأت قرآن کے تابع ہیں، اس لئے جس کے ذمہ قرآن کی قرأت ہے، اسی کو تعوذ وتسمیہ پڑھنا چاہئے ، امام ومنفرد اور مسبوق کے ذمہ قرأت ہے، اس لئے ان کے لئے قرأت سے پہلے تعوذ وتسمیہ کہنا سنت ہے، لیکن مقتدی کے ذمہ قرأت نہیں ہے، اس لئے اس کو تعوذ اور تسمیہ نہیں کہنا چاہئے۔

درمختار میں ہے:

"(و) كما تعوذ(سمى)غيرا لمؤتم ... (سرًا فى) أول(كل ركعة) ولو جهرية(لا) تسن (بين الفاتحة والسورة مطلقًا)ولوسرية ولا تكره اتفاقًا".(۱)

مقتدی کے سوا (امام، منفرد، مسبوق) تعوذ ہی کی طرح ہر رکعت کے شروع میں اگرچہ نماز جہری ہو آہستہ سے بسم اللہ کہے مگر فاتحہ اور سورہ کے درمیان اگرچہ سری ہو تسمیہ مسنون نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص تسمیہ کہے تو بالاتفاق مکروہ نہیں ہے (بلکہ مستحب ہے)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد صدر عالم ۔۳۰/۲/۱۳۸۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۹۰۔۳۹۱) ☆

(۱) الدرالمختار: ۱۹۱/۲۔۱۹۲، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انیس

☆ **تعوذ وتسمیہ صرف امام ومنفرد پڑھے:**

سوال: سورۂ فاتحہ سے قبل تعوذ اور تسمیہ کن کن رکعتوں میں پڑھنا چاہئے، اور ان کی شرعی حیثیت کیا ہے، قراءت شروع سورت سے پڑھنا شروع کریں یا کسی سورت کے درمیان سے کوئی آیات پڑھ سکتے ہیں فاتحہ اور سورت کے درمیان تسمیہ پڑھنا مسنون ہے یا نہ؟ (محمد لطف اللہ خالد، لاہور)

الجواب

ثنا سے فارغ ہونے کے بعد تعوذ وتسمیہ کا پڑھنا امام ومنفرد کے لئے سنت ہے۔ مراقی میں ہے:

"(و)يسن ... (التعوذ للقراءة) فيأتى به المسبوق كالإمام و المنفردلاالمقتدى.(ص: ۱٤۱)(كتاب الصلاة،فصل فى بيان سننها:۹۷،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ شروع کرنے سے قبل بسم اللہ کا پڑھنا بھی مسنون ہے۔

(و)تسن (التسمية أول كل ركعة)قبل الفاتحة؛لأنه صلى الله عليه وسلم كان يفتتح صلاته ببسم الله الرحمٰن الرحيم،الخ.(ص: ۱٤۱)(كتاب الصلاة،فصل فى بيان سننها،انيس)

دونوں صورتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ ملانے سے قبل تسمیہ نہ سنت ہے اور نہ ہی پڑھنا مکروہ ہے۔

"ولا تسن(التسمية)بين الفاتحة والسورة مطلقاً ولوسرية،ولا تكره اتفاقاً".(الدرالمختار: ۳۲۹/۱)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس)فقط والله أعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان ۔۲۹/۷/۱۴۰۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء۔ (خیر الفتاویٰ:۲/۲۷۷)

فاتحہ سے پہلے ''بسم اللہ'':

سوال: کیا جب بھی سورہ فاتحہ پڑھی جائے گی اس سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب ــــــــــــ حامداً و مصلیًا

نماز میں جب بھی سورۂ فاتحہ پڑھی جائے، اس سے پہلے ''**بسم اللّٰہ**'' پڑھنا سنت ہے۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔ ۲۳/۲/۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۵۹۳) ☆

نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھنے کی دلیل:

سوال: نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے ''بسم اللہ'' پڑھا جائے یا نہیں؟ کیوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ الحمد للہ سے قرأت کی ابتدا کرتے تھے؟(۲)　　(محمد ارشد، وجے واڑہ)

---

(۱) کما تعوذ(سمی)... (سرًّا فی)أول(کل رکعة)ولو جهرية". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس)

"وذکر فی المحيط: المختار قول محمد، وهو أن يسمی قبل الفاتحة وقبل کل سورة فی کل رکعة". (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب فی بيان تأليف الصلاة إلی انتهائها: ۱/۴۹۰، سعيد)(مطلب: فی بيان المتواتر بالشاذ)

"(وقوله: فی کل رکعة):... أی فی ابتداء کل رکعة فلا تسن التسمية بين الفاتحة والسورة مطلقاً عندهما، وقال محمد: تسن إذا خافت، لا إن جهر". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۵۴۴، شيدية)

"و(قوله: وسمی سرًّا) حال من الضمير فی سمی مسارًّا فی ابتداء کل رکعة سريةً کا نت أو جهرية". (النهر الفائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۲۱۰، مداديه ملتان)

☆ **ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ:**

سوال: ایک شخص کا کہنا ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھے، دوسری، تیسری اور چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے، جو پڑھتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

الجوابــــــــــــ

یہ بات صحیح نہیں، بلکہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ آہستہ پڑھنی چاہئے، دوسری، تیسری اور چوتھی رکعت میں بسم اللہ پڑھنے کی ممانعت نہیں۔

"(سمی)... (سرًّا فی)أول(کل رکعة)". یعنی ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ آہستہ سے پڑھے۔(الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۴۵۷)(کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس) فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ: ۱/۱۸۹)

(۲) عن أنس أن النبی صلی الله عليه وسلم وأبابکر وعمر کانوا يستفتحون بالحمدلله رب العالمين. (مسند أبی يعلی الموصلی، قتادة عن أنس (ح: ۲۹۸۱)/مستخرج أبی عوانة: ۱/۴۴۸ (ح: ۱۶۵۷) دار المعرفة بيروت. انيس)

الجواب

اس حدیث میں قرأت سے مراد زور سے قرآن مجید پڑھنا ہے، یعنی بآواز بلند قرأت کی ابتداءِ سورہ فاتحہ سے ہوگی، رہ گیا بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا تو یہ حدیث سے ثابت ہے، (۱) چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے:

"كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخفي بسم الله الرحمن الرحيم". (۲) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۹۰)

ترک تسمیہ سے سجدہ سہو یا اعادہ صلاۃ لازم نہیں ہوتا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

(۱) ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے یا واجب؟

(۲) اور نہ پڑھنے سے سجدہ سہو لازم ہوگا یا نہیں؟

(۳) نہ پڑھنے سے نماز درست ہوگی یا واجب الاعادہ؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: عالم خان لنڈیواہ لکی مروت......۲۲/محرم ۱۴۰۱ھ)

الجواب

ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے، ترک سنت سے قضا اور اعادہ لازم نہیں ہوتا۔ (۳)

لما فی شرح التنوير: (و) ... (سمى) غير المؤتم بلفظ البسملة (سرًا فی) أول (كل ركعة) و لو جهرية. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار: ۱/۴۵۷) (۴) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۶۱) ☆

---

(۱) خود حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں اس کی صراحت موجود ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم زور سے نہیں پڑھتے تھے۔
صليت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر وعثمان فلم أسمع أحداً يجهر بـ بسم الله الرحمن الرحيم. (صحيح موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان للألباني (رقم الحديث: ۳۸۱): ۱/۲۳۳، دار الصميعي الرياض. انيس)

(۲) جامع المسانيد: ۱/۳۴۷۔ نیز دیکھئے: صحيح ابن خزيمة: ۱/۲۵۰، حدیث نمبر: ۴۹۶۔ محشی
(عن عبد اللّٰه أنه كان يخفي بسم الله الرحمن الرحيم والاستعاذة وربنالك الحمد. (مصنف ابن أبي شيبة، مايستحب أن يخفيه الإمام (ح:۴۱۳۷ـو۔۸۸۵۳) انيس)

(۳) قال الحصكفي: (وسننها) ترك السنة لا يوجب فسادًا ولا سهوًا بل إساءة لو عامدًا غير مستخف.
قال ابن عابدين: أي بخلاف ترك الفرض فإنه يوجب الفساد وترك الواجب فإنه يوجب سجود السهو. (الدر المختار مع رد المحتار، مطلب في سنن الصلاة: ۱/۳۵۰، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس)

(۴) الدر المختار مع رد المحتار، قبيل مطلب لفظة الفتوىٰ آكد من لفظة المختار: ۱/۳۶۲، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس

==

مسائل متعلقہ آمین:

سوال: نماز میں بعد سورہ فاتحہ کے لفظ آمین کہنا سنت موکدہ ہے یا مستحب؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

سنت مؤکدہ ہے۔

کما فی الدرالمختار: وسننها (إلٰی قوله) ثم هی علٰی ماذکره ثلاثة وعشرون (إلٰی قوله) والتسمية والتأمين وکونهن سرًا. (۱)

۲۹ رصفر ۱۳۴۵ھ۔ (امداد المفتین: ۲/۲۷۶)

== ☆ **بسم اللہ ترک کرنے سے نماز کا اعادہ کرنا لازم نہیں:**

سوال: نماز کی ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا واجب ہے یا سنت؟ اور اگر کسی سے پڑھنا رہ جائے تو کیا اس پر سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں، اور اگر کوئی قصداً وعمداً پڑھنا ترک کردے تو کیا نماز کا اعادہ کرنا ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا ایک مسنون عمل ہے اور مسنون عمل کے ترک کرنے سے نہ فساد لازم آتا ہے اور نہ قضا اعادہ، اس لئے اگر کسی سے بسم اللہ سہوا یا عمدا نماز میں چھوٹ جائے تو نماز دوبارہ پڑھنا لازم نہیں تاہم قصدا وعمدا ترک کرنا مناسب نہیں۔

لما قال الحصکفی: (و) (سمی) غیر الموتم بلفظ البسملة، سراً فی أول (کل رکعة) ولو جهرية. (الدر المختار علٰی هامش ردالمحتار: ۳٦۳/۱) (کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس)

وقال أيضًا (وسننها) ترک السنة لايوجب فساداً ولاسهوًا بل إساءةً لوعامدًا غير مستخف وقالوا: الإساءة أدون من الکراهة (الدرالمختار علٰی هامش ردالمحتار، مطلب سنن الصلوة: ۳۵/۱) (کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس) (فتاویٰ حقانیہ: ۹۱/۳)

(۱) الدرالمختار علٰی صدر ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب سنن الصلاة: ۱۷۰/۲-۱۷۲. انيس

☆ **سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنے کا حکم:**

سوال: سورۂ فاتحہ کے بعد یا دوسرے سے سننے کے بعد نماز کے اندر یا باہر یا دونوں جگہ آمین کہنا کیسا ہے؟ یعنی سنت ہے یا کچھ اور؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہنا خواہ امام ومنفرد ہونے کی حیثیت سے خود پڑھے یا مقتدی ہونے کی حیثیت سے امام سے سنے، بہر دوصورت مسنون ہے۔

وإذا قال الإمام ولاالضالين قال: آمين، ويقولها المؤتم، لقوله عليه الصلاة والسلام: "إذا أمّن الامام فأمّنوا". (الهداية: ۱۰۵/۱) (کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة) والحديث أخرجه مالک فی الموطأ، ==

آمین کوئی اسم ہے یا دعا:

سوال: لفظ آمین کوئی اسم ہے یا دعا؟

الجواب

لفظ آمین دعا ہے۔معنی یہ ہیں:''یااللہ میری دعا قبول فرما''،کذا فی کتب اللغة .(۱)(امداد المفتین:۲/۲۷۶)

آمین بالجہر افضل ہے یا بالاخفا:

سوال: آمین جہریہ میں بالجہر افضل ہے یا بالاخفاء؟

الجواب

امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک بالاخفاء ہونا اولیٰ وافضل ہے۔

لقوله تعالیٰ:﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَ خُفْيَةً﴾(الأعراف:٥٥)ولكون آمين دعاء،كمامر.(۲)

۲۹/صفر ۱۳۵۰ھ۔(امداد المفتین:۲/۲۷۶)

== بروایة محمدبن الحسن الشیبانی،باب:آمین فی الصلاة (ح:١٣٥)المکتبة العلمیة،انیس)

البتہ نماز کے باہر سورۂ فاتحہ پڑھنے یا سننے کے بعد آمین کہنا مستحب ہے۔

''ویستحب لمن قرأ الفاتحة أن یقول بعدها آمین،مثل یٰس ... قال أصحابنا وغیرهم:یستحب ذلک لمن هو خارج الصلاة،ویتأکد فی حق المصلی''.(تفسیر ابن کثیر: ١ / ٣١)(سورة الفاتحة :٧،ذکر أقوال السلف فی الحمد،فصل،انیس) فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی ۔۴/۴/۱۴۱۵ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۰۶-۴۰۷)

امام کے لئے تأمین مسنون ہے:

سوال: امام سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

امام اور مقتدی دونوں کے لئے آمین کہنا سنت ہے۔

قال فی التنویر:وأمن الإمام سرًا کمامر ومنفرد.

وفی الشامیة:هو سنة للحدیث الآتی المتفق علیه،کما فی شرح المنیة وغیره.(رد المحتار: ٤٥٩/١)فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم

۳۰/جمادی الآخرہ ۱۳۹۷ھ۔(احسن الفتاویٰ:۳/۳۱۲)

(۱-۲) وقیل:هو أمین بقصر الألف فدخلت علیها ألف النداء کأنه قال:یا الله استجب دعاء نا .(مشارق الأنوار علی صحاح الآثار،أ م ن: ٣٨/١،المکتبة العتیقة ودار التراث/وکذا فی الزاهر فی غریب ألفاظ الشافعی،باب صفة الصلاة: ٦٧/١،دار الطلائع.انیس)

غیر مقلد جب حنفی امام کی اقتدا کرے تو آمین کس طرح افضل ہے:

سوال: غیر مقلد جب اقتدا امام حنفی کی کرے تو اس کو آمین بالاخفا افضل ہے یا بالجہر؟

الجواب

حنفیہ کے نزدیک تو مطلقاً اخفا آمین سنت ہے۔ خصوصاً جب امام حنفی کی اقتدا کرے تو آمین کو بالاخفا کہنا اور بھی اہم ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ جہراً کہنے میں عوام کو توحش ہوگا اور عجب نہیں کہ کہیں فتنہ اختلاف نہ کھڑا ہوجائے۔ (امداد المفتین: ۲/۲۷۶)

اگر آمین اس طرح کہے کہ ایک دو آدمی سن لیں، تو یہ کیسا ہے:

سوال: اگر کوئی شخص نماز میں آمین ایسے طور پر کہے کہ ایک دو آدمی قریب کے سن لیں تو عندالاحناف نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

عندالحنفیہ آمین آہستہ کہنا سنت ہے؛ لیکن اگر دو آدمی برابر کے سن لیں تو وہ جہر نہیں، وہ بھی آہستہ میں داخل ہے۔

كما قال في الدر المختار: وأدنى (المخافتة إسماع نفسه) ومن بقربه، فلو سمع رجل أو رجلان فليس بجهر، إلخ. (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۶۲)

آخر سورہ میں آمین اور دوسرے کلمات، جماعت کی نماز میں نہ کہی جائیں:

سوال: علاوہ آخر سورۂ فاتحہ میں آمین بصورت خفی کہنے کے، سورۂ بقرہ کے آخر میں آمین، بنی اسرائیل کے آخر میں تکبیر، سورۂ ملک کے آخر میں **اللّٰهم ربنا ورب العالمين**، سورۂ قیامۃ ومرسلات والتین کے آخر میں کلمات مشہورہ مسنونہ، سورۃ الضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر سورہ کے آخر میں تکبیر، بعض آیات کے آخر میں کچھ الفاظ بطریق مسنون اثنائے تلاوت میں کہے جاتے ہیں۔ جیسے سورۂ طٰہٰ میں "**وقل رب زدني علماً**" کے بعد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم "**اللّٰهم زدني علماً وإيماناً ويقيناً**" فرمایا کرتے تھے، وغیرہ وغیرہ۔ پس نماز ہائے فریضہ ونافلہ میں امام ومنفرد یہ کلمات عندالاحناف آہستہ مثل آمین سورۂ فاتحہ کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

عندالحنفیہ یہ اذکار نوافل میں منفرداً یا خارج عن الصلوٰۃ پر محمول ہیں۔ فرائض و جماعت نفل میں درست نہیں ہے۔

(۱) الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۴۹۸، ظفير

عن وائل أنه صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم فلما قرأ ﴿غير المغضوب عليهم ولا الضالين﴾ قال: آمين، خفض بها صوته ووضع يده اليمنى على يده اليسرى وسلم على يمينه وعن يساره. (مسند أبي داؤد الطيالسي، حديث وائل بن حجر (ح: ۱۱۱۷)/المعجم الكبير للطبراني، عن علقمة بن وائل (ح: ۳) انيس)

کذافی شرح المنية: لابأس للمتطوع المنفرد أن يتعوذ بالله من النار، إلخ، وإن كان المصلى المنفرد فى الفرض كره له ذلک، إلخ، وأماالإمام والمقتدى فلايفعل ذالک السوال والتعوذلا فى الفرض ولافى النفل، إلخ. (شرح منية كبيرى)(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۲۵)

بسم اللہ فاتحہ اور سورہ سے پہلے:

سوال: امام پر ہر رکعت میں ضم بسم اللہ الحمد اور سورہ کے ساتھ واجب ہے یا نہ اور امام ومنفرد کے لئے مستحب صورت عندالحنفیہ کیا ہے؟

الجواب

"وذكر فى المحيط: المختارقول محمد رحمه الله وهوأن يسمى قبل الفاتحة وقبل كل سورة فى كل ركعة.

وفى الدرالمختار: (و) كما تعوذ (سمّى، إلخ) (سرًا فى) أول (كل ركعة، إلخ، (لا) تسن (بين الفاتحة والسورة مطلقاً) ولوسريةً، ولاتكره اتفاقاً.

قال فى الشامى: ولهٰذا صرح فى الذخيرة والمجتبٰى بأنه إن سمّى بين الفاتحة والسورة المقروء ة سرًّا أوجهرًا كان حسنًا عند أبى حنيفة رحمه الله ورجححه المحقق ابن الهمام، الخ. (۳)

ان سب عبارات سے واضح ہوا کہ امام کو الحمد سے پہلے بسم اللہ پڑھنا سنت ہے اور بعض وجوب کے قائل ہیں اور سورت سے پہلے اگر چہ مسنون نہیں ہے؛ لیکن مکروہ بھی نہیں ہے، بلکہ مستحب اور بہتر ہے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۸۳-۱۸۴) ☆

---

(۱) اس کتاب کا نام "غنیۃ المستملی" ہے، کبیری اور شرح منیہ کے نام سے علما میں مشہور ہے۔ ظفیر

(۲) رد المحتار، باب صفة الصلاة، قبيل مطلب قراء ة البسملة: ۴۵۷/۱-۴۵۸، ظفير

قال أبوجعفر رحمه الله: وروى المعلى عن أبى يوسف عن أبى حنيفة رحمهم الله أنه يأتى بها فى كل ركعة وهو قول أبى يوسف، وذكر الفقيه أبوجعفر عن أبى حنيفة: أنه إذا قرأ مع كل سورة فحسن، وروى أبن أبى رملة عن محمد: أني يأتى بالتسمية عند افتتاح كل ركعة وعند افتتاح السورة أيضاً، إلا أنه إذا كان صلاة يجهر فيها بالسورة لا يأتى بالتسمية بين الفاتحة والسورة وعند الشافعى يأتى بالتسمية فى كل ركعة ويأتى بها أيضا فى رأس السورة سواء كان صلاة يجهر فيها بالقرء اة أو يخافت، وذكر أبو على الدقاق: أنه يقرأ قبل فاتحة الكتاب فى كل ركعة، قال: وهو قول أصحابنا ورواية أبى يوسف عن أبى حنيفة وقول أبى يوسف أحوط، لأن العلماء اختلفوا فى التسمية أنها هل هى من الفاتحة أم لا؟ و عليه إعادة الصلاة فى كل ركعة فكان عليه إعادة التسمية فى كل ركعة لتكون أبعد عن الاختلاف. (المحيط البرهانى، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر: ۳۵۹/۱، دارالفكربيروت، لبنان) ==

== (وعنه)وهی روایة أن أبی یوسف (أنه یأتی بها وهو قولهما)وجهها اختلاف العلماء واختلاف الآثار فی کونها من الفاتحة وعلیه إعادة الفاتحة فعلیه إعادتها ومقتضی هذا سنیتها مع السورة لثبوت الخلاف فی کونها من کل سورة کما فی الفاتحة ،الخ،وجوب السورة کالفاتحة.(فتح القدیر،باب صفة الصلاة:۲۹۳/۱،دارالفکر.انیس)

سورت سے پہلے بسم اللہ ملانا کیسا ہے:

سوال: نماز میں الحمد شریف کے بعد سورۃ ملانے سے پہلے بسم اللہ پڑھ کر سورۃ ملانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

الحمد شریف کے بعد سورۃ سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا جائز، بلکہ بہتر ہے۔(ولاتسن (أی التسمیة)(بین الفاتحة والسورة مطلقاً)ولوسریةً،ولا تکره اتفاقاً،وما صحّحه الزاهدی من وجوبها ضعّفه فی البحر (الدر المختار)

و قال محمدرحمه اللّٰه:تسن إن خافت،لاإن جهر،إلخ،وذکرفی المصفّٰی:أن الفتویٰ علیٰ قول أبی یوسف رحمه اللّٰه أنه یسمّی فی أول کل رکعة و یخفیها،وذکر فی المحیط:المختارقول محمد،وهوأن یسمی قبل الفاتحة وقبل کل سورة فی کل رکعة ، الخ ، (قوله و لاتکره،الخ) ولهٰذا صرح فی الذخیرة والمجتبیٰ بأنه إن سمّٰی بین الفاتحة والسورة المقروء ة سرًّا أوجهرًا کان حسناً عند أبی حنیفة رحمه اللّٰه ورجححه المحقق ابن الهمام وتلمیذه الحلبی.(رد المحتار، باب صفة الصلاة،قبیل مطلب قراء ة البسملة: ۴۵۷/۱-۴۵۸،ظفیر))(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۱/۲-۱۶۲)

سورۃ کے پہلے بسم اللہ:

سوال: اگر دورکوع والی سورۃ پڑھے تو شروع سورۃ پر بسم اللہ کہے اور دوسری رکعت میں جب اسی سورۃ کا دوسرا رکوع پڑھے تو بسم اللہ کہے یا نہیں؟

الجواب

دوسرے رکوع پر بسم اللہ نہ پڑھے۔(... ودل کلامه أنه لایسمی بین الفاتحة والسورة وهو قولهما وقال محمد:لیس فی السریة وجعله فی الخلاصة ، ورواية الثانی عن الإمام وفی المستصفی:وعلیه الفتویٰ،وفی البدائع:الصحیح قولهما،وفی العتابیة والمحیط: قول محمدهوالمختار،ونقل ابن الضیاء فی شرح الغزنویة عن عمدة المصلی إنمااختیرقول أبی یوسف هذا لأن لفظة الفتویٰ آکد وأبلغ من لفظة المختار ولاخلاف أنه لوسمی کان حسناًوکونها فی أول کل رکعةهو الأصح کما فی السراج،الخ.(النهر الفائق شرح کنزالدقائق،فصل وإذا أرادالدخول فی الصلاة،الخ: ۲۱۰/۱-۲۱۱، دارالکتب العلمیة)

وکذا روی الجصاص عن محمد أنه قال:التسمیة من القرآن أنزلت للفصل بین السور البدایة منها تبرکا ولیست بآیة من کل واحدة منها،الخ.(العنایة سرح الهدایة،البسملة فی الصلاة: ۱۹۲/۲،دارالکتب العلمیة.انیس))(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۱۸/۲)

فاتحہ اورسورہ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا کیساہے:

سوال: ۵/جمادی الاولی ۱۳۸۳ھ کونقیب میں اسلامی مسائل کے عنوان سے جوفتویٰ شائع ہواہے،اس میں سے ایک مسئلہ ہے کہ فاتحہ اورسورہ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا بہتر اور مستحب ہے، عام کتب فقہ اورفقہاءِ احناف کے قول کے خلاف معلوم ہوتاہے، ذیل میں بعض حوالے ملاحظہ فرمائیں:

۱- عالمگیری میں ہے:

”ولایسمی بین الفاتحة والسورة هٰکذا فی الوقایة والنقایة وهوالصحیح هٰکذا فی البدائع و الجوهرة النیرة“. (الفتاویٰ الهندیة،باب صفة الصلاة: ۷٤/۱)

۲- اورخلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

”لایأتی الإمام بالتسمیة بین الفاتحة والسورة“. (۵۳/۱)

۳- شرح النقایہ جلداول میں ہے:

”ولایسمی بین الفاتحة والسورة“.

۴- ”وتُسنّ التسمیة فی أول کل رکعة قبل الفاتحة“. (مراقی الفلاح علیٰ الطحطاوی: ۱٤۱)

۵- حنفیہ کی مشہور کتاب شرح وقایہ میں ہے:

”ولا یسمّی بین الفاتحة والسورة“. (باب صفة الصلاة: ۱٤۵/۱)

۶- غنیة المستملی میں ہے:

”وأما الموضع الثالث ففی روایة عن أبی حنیفة أن محلها أول الصلاة والصحیح أن محلها أول کل رکعة...عند أصحابنا جمیعًا لاخلاف فیه“. (الکبیری شرح منیة المصلی: ۳۰۷)

اس بحث سے متعلق آگے ص: ۳۰۸ پرتحریرفرماتے ہیں:

”(وأما التسمیة عند ابتداء السورة) بعد الفاتحة (فإنه عند أبی حنیفة لا یأتی بها) لا فی حالة الجهرولا فی حالة المخافتة وکذا عند أبی یوسف لما تقدم أنها لیست بآیة من أول السورة والاتیان بها فی أول کل رکعة لما تقدم من الآحادیث الدالة علیٰ أنه علیه السلام کان یأتی بها سرًاوکذا الخلفاء الراشدون“. (الکبیری شرح منیة المصلی)

فقہ حنفی کی مشہورکتاب مبسوط میں ہے:

”(وروی) المعلّٰی عن أبی یوسف عن أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ أنه یؤتیٰ بها فی أول کل رکعة وهوقول أبی یوسف رحمه اللّٰه وهوأقرب إلی الاحتیاط لاختلاف العلماء والآثارفی کونها آیة من الفاتحة (وروی)ابن أبی رجاء عن محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ أنه قال إذا کان یخفی القراء ة

یأتی بالتسمیة بین السورة والفاتحة لأنه أقرب إلٰی متابعة المصحف وإذا کان یجهر لا یأتی بها بین السورة والفاتحة لأنه لو فعل لاخفی بها فیکون ذلک سکتة له فی وسط القراء ة ولم ینقل ذلک ماثورًا''.(مبسوط للسرخسی: ۱٦/۱)

علامہ شامیؒ کی عبارت جس سے تسمیہ بین الفاتحہ والسورۃ پر استدلال کیا گیا ہے، مختصر ہے، پوری عبارت اس طرح ہے۔ درمختار میں ہے:

''**(لا) تسن (بین الفاتحة والسورة مطلقًا)**.

اس کی شرح علامہ شامیؒ اس طرح کرتے ہیں:

(قوله لا تسن) مقتضی کلام المتن أن یقال لا یسمّی ، لکنه عدل عنه لإیهامه الکراهة بخلاف نفی السنیة،ثم انّ هذا قولهما وصححه فی البدائع،وقال محمد:تسن إن خافت،لا إن جهر، بحر ...وذکر فی المصفی:أن الفتوی علٰی قول أبی یوسف أنه یسمی فی أول کل رکعة ...وفی روایة حسن ابن زیاد أنه یسمی فی الرکعة الأولٰی لاغیر،وإنما أختیر قول أبی یوسف لأن لفظة الفتویٰ آکد وأبلغ من لفظة المختار،ولأن قول أبی یوسف وسط وخیر الأمور أوسطها،کذا فی شرح عمدة المصلّی''، آه.(رد المحتار،مطلب لفظة الفتویٰ آکد،إلخ: ۱۹۲/۲)

فقہا کی ان تصریحات کے بعد بسم اللہ پڑھنے کو الحمد و سورہ کے درمیان مستحب کہنا سمجھ میں نہیں آتا ''**ورجحه المحقق ابن الهمام وتلمیذه الحلبی لشبهة الاختلاف فی کونها آیة من کل سورة**'' اس کا جواب کبیری میں دیا ہے،اس کو بھی ملاحظہ فرمائیں:

''**واعترض الشیخ کمال الدین بن الهمام بأن مقتضی هذا أن یؤتٰی بها مع السورة لثبوت الخلاف فی کونها من کل سورة کما فی الفاتحة**''.

اعتراض نقل کر کے خود اس کا جواب بھی دیتے ہیں:

''**والجواب أن الخلاف فی أنها آیة من السورة لیس فی القوة کالخلاف فی أنها آیة من الفاتحة علٰی مامر فلا یؤثّر فی ثبوت الاحتیاط کتأثیره**''.(کبیری: ۳۵۷)

اب آخر میں افتا کے بعض اصولی قاعدہ کے پیش نظر امام محمدؒ اور شیخینؒ کے اس اختلافی مسئلہ کو دیکھیں اور فیصلہ کریں۔

قال فی الفتاوٰی السراجیة:ثم الفتویٰ علی الاطلاق علٰی قول أبی حنیفة ثم قول أبی یوسف ثم قول محمد ثم قول زفر والحسن ابن زیاد.(رسم المفتی: ۱۹)

اور ص:۲۰ پر لکھتے ہیں: **ولذا قال الإمام قاضی خان وإن کانت المسئلة مختلفًا فیها بین أصحابنا فإن کان مع أبی حنیفة أحد صاحبیه یأخذ بقولهما أی بقول الإمام ومن وافقه**.(رسم المفتی: ۲۰)

عقود رسم المفتی میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جب صحیح، أصح، الأظهر، الأوجه، المختار، المؤكد، يفتىٰ، عليه الفتوىٰ' میں يفتىٰ، عليه الفتوىٰ سب سے زیادہ صحیح قول ہے، جیسا کہ ابھی علامہ شامی کی عبارت گذر چکی کہ لفظ فتوىٰ أكد و أبلغ ہے لفظ مختار سے، پوری عبارت عقود رسم المفتی کی اس طرح ہے:

وحيثما وجدت قولين و قد صحح واحد فذلك المعتمد
بنحو ذا الفتوىٰ عليه الأشبه و الأظهر المختار ذا والأوجه
أو الصحيح و الأصح أكد منه و قيل عكسه المؤكد
كذا به يفتىٰ عليه الفتوىٰ و ذان من جميع تلك أقوىٰ

(رسم المفتی: ۳۱-۳۲)

ان تمام مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں مجھے اس مسئلہ سے اختلاف ہے کہ بسم اللہ بین الفاتحہ والسورۃ مستحب اور بہتر ہے، اس لئے ان عبارتوں اور فقہا کی تصریحات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی رائے عالیہ اور فیصلہ سے مستفیض فرمائیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

زیر بحث مسئلہ کی نوعیت یہ ہے کہ عالمگیری نے " لايسمى، إلخ "، اسی طرح خلاصہ نے "لايأتى الإمام بالتسمية، إلخ"، وقایہ اور نقایہ نے "لايسمى بين الفاتحة و السورة، إلخ"، کبیری نے "عند أبى حنيفة لايأتى بها" کے الفاظ استعمال کئے ہیں، درمختار اور شامی کے الفاظ پر اگر آپ غور کریں تو یہ محسوس کریں گے کہ ان تمام الفاظ مذکورہ کا اصل مفاد یہ ہے کہ شیخین کے مسلک پر تسمیہ بین الفاتحہ والسورۃ مسنون نہیں ہے۔ پس ان تمام الفاظ کا مفاد نفی سنیت ہے، اثبات کراہت نہیں اور چونکہ الفاظ مذکورہ سابقہ میں ایہام کراہت کا تھا، اسی لئے درمختار نے اس طرز تعبیر سے عدول کر کے "لا تسن بين الفاتحة و السورة" کے الفاظ استعمال کئے اور شامی نے اس بات کو ان الفاظ میں واضح کر دیا:

"مقتضى كلام المتن أن يقال لا يسمّى لكنه عدل عنه لإيهامه الكراهة بخلاف نفى السنية".

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اصل اختلاف شیخین اور امام محمد کے درمیان تسمیہ بین الفاتحہ والسورۃ کے بارے میں سنیت اور نفی سنیت کا ہے، پس شیخین اس مقام پر یہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ پڑھنا سنت نہیں اور حضرت امام محمد سری نماز میں سنیت کے قائل ہیں، یہیں سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جس قدر بھی دلائل شیخین کی طرف سے قائم کئے گئے ہیں ان کا مقصد نفی سنیت کا اثبات ہے، نہ کہ اثبات کراہت۔ پس جب یہ بات واضح ہوگئی کہ امام صاحب کا مسلک زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ تسمیہ بين الفاتحة و السورة سنت نہیں ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تسمیہ مکروہ بھی ہو یا حسن نہ ہو بلکہ عدم کراہت متفق علیہ ہے۔

بحر میں پڑھئے:

”والخلاف فی الاستنان أما عدم الکراھة فمتفق علیه“. (البحر الرائق: ۱/ ۳۳۰)(۱)

رہی یہ بحث کہ تسمیہ بین الفاتحہ والسورۃ حسن ہے یا نہیں؟ تو ذخیرہ اور مجتبیٰ کی اس تصریح پر نگاہ رکھئے کہ ان کے خیال میں نماز سری ہو یا جہری امام صاحب کے نزدیک تسمیہ بین الفاتحہ والسورہ حسن ہوگا۔

”ولہٰذا صرّح فی الذخیرة والمجتبیٰ بأنه أن سمی بین الفاتحة والسورة کان حسنًا عند أبی حنفیة سواء کانت تلک السورة مقروء ة سرًا أو جهرًا“. (البحر الرائق: ۱/ ۳۳۰)(۲)

تسمیہ بین الفاتحة والسورة کے حسن کو محقق ابن ہمامؒ اور ان کے شاگرد حلبیؒ نے راجح قرار دیا ہے۔ خیال رکھئے سنت ہونے کو نہیں حسن ہونے کو، اور اس پر یوں استدلال کیا ہے کہ تسمیہ ہر سورہ کا جز ہے یا نہیں؟ اس میں علما کا اختلاف ہے، اگر چہ اس میں راجح قول ہمارے نزدیک عدم جزئیت کا ہے، لیکن اختلاف علما کی وجہ سے جزئیت کا شبہ ضرور پیدا ہو جاتا ہے، اس لئے تسمیہ کا پڑھ لینا حسن ہوگا، اگر چہ تسمیہ کے جزءِ فاتحہ ہونے کے بارے میں جو اختلاف ہے، وہ اختلاف جزئیت سورہ سے زیادہ قوی ہے اور اسی لئے یہ شبہ جو جزئیت سورہ میں پیدا ہوا ہے، اس شبہ سے کمزور ہے، جو جزئیت فاتحہ میں ہے، اور اس اختلاف کے قوی ہونے کی وجہ سے اور نقل وروایات سے مؤید ہونے کی وجہ سے وہاں سنیت کا قول کیا گیا اور بعض مشائخ وجوب عملی کے قائل ہوئے اور یہاں بین الفاتحہ والسورہ صرف قول حسن پر اکتفا کیا گیا۔

ورجّحه المحقق ابن الھمام وتلمیذہ الحلبی لشبھة الاختلاف فی کونها آیة من کل سورة وإن کانت الشبھة فی ذلک دون الشبھة الناشئة من الاختلاف فی کونها آیة من الفاتحة. (البحر الرائق: ۱/ ۳۳۰)(۳)

کبیری کی پوری عبارت میرے سامنے نہیں ہے؛ لیکن جو عبارت آپ نے نقل کی ہے، وہ یوں ہے:

”**والجواب أن الخلاف فی أنها آیة من السورة لیس فی القوة کالخلاف فی أنها آیة من الفاتحة علیٰ ما مر فلا یؤثّر فی ثبوت الاحتیاط کتأثیرہ**“. (۴)

آپ خود غور کر لیں، اس عبارت کا زیادہ سے زیادہ یہ مفاد ہو سکتا ہے کہ جزئیت سورہ میں جو شبہ ہے، وہ جزئیت فاتحہ کے شبہ سے کمزور ہے، اور نتیجتًا ثانی الذکر میں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ حکم میں اس قوت وضعف کا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے، پس محقق ابن الہمام کے جواب میں کبیری نے جو کچھ لکھا ہے، وہ تو خود محقق کی کہی ہوئی بات دہرائی گئی ہے:

(۱-۳) کتاب الصلاة، فصل، وإذا أراد الدخول فی الصلاة کبر، انیس

(۴) کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۳۰۷۔

''وإن كانت الشبهة فى ذلك دون الشبهة الناشئة من الاختلاف فى كونها آية من الفاتحة''.

اور ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

أقول والأظهر أن يقرأ ها سرًّا ولو فى الجهرية لأنها للفصل بين السورتين ولامانع من السكتة فى وسط القراءة كما سيأتى فى قوله آمين سرًّا''.

عبارت مذکورہ کے آخری جملوں سے مبسوط السرخسی کی سکتہ والی علت کا جواب بھی ہوگیا، غالبًا یہی وہ دلائل ہیں، جن کے پیش نظر مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے لکھا ہے:

''عبارت درمختار یہ ہے:

لا تسن بين الفاتحة،إلخ.

اس کا حاصل یہ ہے کہ ابتداءِ سورت میں بسم اللہ پڑھنا نہ مسنون ہے اور نہ مکروہ ہے اور محققین نے اس کو راجح فرمایا ہے کہ پڑھنا بہتر اور مستحب ہے۔شامی میں ہے:

ولذا صرّح فى الذخيرة،إلخ. ''(فتاویٰ دار العلوم قدیم:۱/۱۰۰)

اور حضرت تھانویؒ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

حاصل مسئلہٴ اولیٰ کا یہ ہے کہ گو بسم اللہ ہر سورہ کا جز نہ ہو، مگر باوجود عدم جزئیت روایۃً اس کا پڑھنا ہر سورہ پر منقول ہے۔پس اگر کوئی شخص ہر سورہ پر نہ پڑھے تو اس کی قرأت اس روایت کے موافق نہ ہوئی، گو کوئی جز متروک نہ ہوا ہو، جبکہ کم از کم ایک سورہ پر پڑھ لے اور دوسرے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ گو روایۃً ہر سورت پر بسم اللہ منقول ہو؛ لیکن ہر سورہ کا جز نہیں ہے، بلکہ جز مطلق قرآن کا ہے، اگر ایک جگہ بھی پڑھ لے تو قرآن پورا ختم ہو جائے گا، گو اس روایت کے موافق اس کی قرأت نہ ہو، پس امام عاصمؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے قول میں کوئی تخالف نہیں، کیونکہ دونوں کی نفی اور اثبات کی حیثیتیں جدا جدا ہیں اور حیثیات کے بدلنے سے تعارض جاتا رہتا ہے، یہ جب ہے کہ ہر سورت پر بسم اللہ نہ پڑھے اور اگر پڑھ لے تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور امام صاحب کے بھی خلاف نہیں، کیونکہ امام صاحب تسمیہ کو ہر سورت پر ضروری نہیں کہتے، یہ نہیں کہ جائز نہیں کہتے، درمختار یا رد المحتار میں ہر سورہ پر تسمیہ کو حسن کہا ہے۔(امداد الفتاوی:۱/۳۴۶-۳۴۷)

اس تفصیل کے بعد امید ہے کہ صورت مسئلہ آپ کے سامنے واضح ہو چکی ہوگی اور یہ بات بھی آپ کے سامنے آ گئی ہوگی کہ تسمیہ بین الفاتحہ والسورہ کے حسن ہونے کا قول جو اختیار کیا گیا ہے، ایسا نہیں ہے کہ اس میں امام صاحب کے قول کو مرجوح قرار دے کر امام محمدؒ کے قول کو اختیار کر لیا گیا ہو، تا کہ اصول افتا کی اس بحث میں الجھنا پڑے، جو رسم المفتی سے آپ نے نقل کی ہے اور اسی طرح'' **عليه الفتوىٰ وهو المختار، أكد اور غير أكد** ''ہونے کی بحث بھی

یہاں نہیں پیدا ہوتی،جس کے لئے آپ نے عقود رسم المفتی کی عبارت نقل کی ہے، پھر اس بات کا خیال رکھئے کہ آپ کے پیش کردہ سارے دلائل نفی سنیت کو مفید ہیں،نفی حسن کو نہیں،لہذا آپ کا یہ کہنا کہ مجھے اس مسئلہ سے اختلاف ہے کہ بسم اللہ بین الفاتحہ والسورہ مستحب اور بہتر ہے،قابل غور ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مجاہدالاسلام القاسمی ۔۱۳۸۳/۵/۲۱ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۴۰۰-۴۰۶)(۱)

درمیان سے سورۃ پڑھے تو بسم اللہ پڑھے یا نہیں:

سوال: جب کسی سورۃ کو درمیان سے پڑھے تو بسم اللہ کرے یا نہیں،اور وتر میں جب دعائے قنوت پڑھے تو بسم اللہ کرے یا نہیں؟ اور نمازِ جنازہ میں جب درود یا دعا پڑھے تو بسم اللہ کرے یا نہیں؟

الجواب

جب کسی سورۃ کو درمیان سے بھی پڑھے تب بھی بسم اللہ کرے اور وتر میں جب دعاءِ قنوت پڑھے،تب بھی بسم اللہ کرے اور جنازہ کی نماز میں جب درود یا دعا پڑھے اور بسم اللہ شروع میں پڑھے،کچھ حرج نہیں۔(۲)

کتبہ رشید احمد،الجواب صحیح:عزیز الرحمٰن۔(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۲۶۸)

☆ **فاتحہ اور سورہ کے درمیان بسم اللہ کی بحث:**

سوال: خلاصۃ الفتاویٰ جلد اول صفحہ:۵۲ میں ہے:

”والكلام في التسمية على وجوه ... منها أنه يأتي بها في أول الصلاة لاغيرفي رواية الحسن رحمه الله عن أبي حنيفة رحمه الله،وفي رواية أبي يوسف رحمه الله عن أبي حنيفة رحمه الله يأتي بها في أول كل ركعة،وعن محمدرحمه الله يأتي بها في أول كل ركعة وعند افتتاح كل سورة إلا إذا كانت صلٰوة يجهرفيها بالقراءة لايأتي الإمام بالتسمية بين الفاتحة والسورة عندنا“.

اب ان اقوال میں سے کس قول پر فتویٰ دیا جاوے اور عمل کیا جاوے؟

الجواب

اس کا فیصلہ صاحب درمختار نے اس طرح کیا ہے:

(و) كما تعوذ (سمّي،إلخ)(سرًا في)أول(كل ركعة،إلخ)(لا) تسن (بين الفاتحة والسورة مطلقاً)ولوسريةً ولا تكره اتفاقاً(قوله ولاتكره اتفاقاً) ولِهٰذا صرح في الذخيرة والمجتبٰى بأنه إن سمّى بين الفاتحة والسورة المقروءة سرًّاأوجهرًا كان حسناً عند أبي حنيفةرحمه الله رجححه المحقق ابن الهمام، الخ.(شامي)(الدرالمختارمع رد المحتار،باب صفة الصلاة: ۱/۴۵۷-۴۵۸،ظفير)

پس معلوم ہوا کہ مابین فاتحہ وسورۃ کے بھی بسم اللہ پڑھنا بہتر ہے،اگر چہ سنت مؤکدہ نہیں،جیسا کہ اول ہر رکعت میں ہے۔فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۹۴-۱۹۵)

(۱) بعینہ یہ فتویٰ ”فتاوی قاضی مجاہدالاسلام قاسمی:۶۰-۶۷“ میں مذکور ہے۔انیس

(۲) یعنی ان تمام صورتوں میں اگر چہ بسم اللہ پڑھنا مسنون نہیں ہے لیکن اگر پڑھ لے تو حرج بھی نہیں ہے۔

==

== کما فی الشامی: ۱/ ۵۸۱ (کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، فروع سمع إسم اللّٰه تعالٰی، انیس) فی بیان مفسدات الصلٰوة: (قوله سمع إسم اللّٰه تعالٰی فقال جل جلا له، إلخ) لأن نفس تعظیم اللّٰه تعالٰی والصلٰوة علی نبیه صلی اللّٰه علیه وسلم لاینافی الصلٰوة ویؤیده مافی الدرالمختارفی بیان تالیف الصلٰوة: لاتسن البسملة بین الفاتحة والسورة مطلقاً ولوسریة ولا تکره اتفاقاً إلخ. (جمیل غفرلہ)

مذکورہ فتویٰ بعینہ ''باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۷۱'' میں مذکور ہے۔ انیس

سورۃ فاتحہ اور سورۃ کے درمیان تسمیہ کا حکم:

سوال: سورۃ فاتحہ کے بعد درمیانی سورۃ کے تسمیہ پڑھنا کیسا ہے، اگر پڑھ لیا جائے تو حنفیہ کے نزدیک کیا ہوگا؟ جہراً اور سراً بھی تشریح کر دیں گے۔ اس کے متعلق صاحب درمختار لکھتے ہیں:

''(ولا تسن أی التسمیة) (بین الفاتحة والسورة مطلقاً) ولوسریة ولا تکره اتفاقاً ''. (باب صفة الصلوة) (الدر المختار، فصل فی بیان تألیف الصلوة إلٰی إنتهائها: ۱/ ۴۹۰، سعید)

الجواب ـــــــــــــــــ حامداً ومصلیًا

ردالمحتار: ۱/ ۴۵۷: (قوله: ولا تسن (أی التسمیة) (بین الفاتحة والسورة مطقاً) (الدرالمختار)

(وفی ردالمحتار): ثم إن هذا قولهما وصححه فی البدائع وقال محمد: تسن إن خافت لا إن جهر...آه''.

''قوله: (ولاتکره، إلخ) ولِهٰذاصرح فی الذخیرة والمجتبی بأنه إن سمی بین الفاتحة والسورة المقروءة سرًا أو جهرًا کا حسناً عند أبی حنیفة، ورجحه المحقق ابن الهمام وتلمیذه الحلبی لشبهة الاختلاف فی کونهاآیة من کل سورة. (ردالمحتار، کتاب الصلوة، فصل فی بیان تألیف الصلاة: ۱/ ۴۹۰، سعید)

اور شرح مراقی الفلاح میں تصحیح اور فتوی مذکور ہے۔ (ثم اعلم أنه لافرق فی الإتیان بالبسملة بین الصلاة الجهریة والسریة، وفی حاشیة المؤلف علٰی الدرر: واتفقوا علٰی عدم الکراهة فی ذکرها بین الفاتحة والسورة، بل هوحسن سواءٌ کانت الصلاة سریة أوجهریة ، و ینافیه ما فی القهستانی أنه لایسمی بین الفاتحة، والسورة فی قولهما وفی روایة عن محمد قال فی المضمرات: و الفتوٰی علی قولهما، وعن محمد أنها تسن فی السریة دون الجهریة لئلا یلزم الإخفاء بین جهرین، وهوشنیع واختاره فی العنایة، والمحیط، وقال فی شرح الضیاء: لفظ الفتوی آکد من المختار، وما فی الحاشیة تبع فیه الکمال وتلمیذه ابن أمیرحاج حیث رجحا أن الخلاف فی السنیة ، فلاخلاف أنه لوسمٰی لکان حسناً لشبهة الخلاف فی کونها آیة من کل سورة''. (حاشیة الطحاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، فصل فی بیان سننها: ۲۶۰ـ ۲۶۱، قدیمی)

نیز بحر میں مذکور ہے، ملاحظہ فرمائیں۔ ''(قوله: فی کل رکعة): أی فی ابتداء کل رکعة فلا تسن التسمیة بین الفاتحة والسورة مطلقاًعندهما، وقال محمد: تسن إذاخافت، لا إن جهروصحح فی البدائع قولهما. والخلاف فی الاستنان أما عدم الکراهة فمتفق علیه ولهذاصرح فی الذخیرة والمجتبی بأنه إن سمی بین الفاتحة والسورة کان حسناً عند أبی حنیفة ، سواءٌ کانت تلک السورة مقروءةً سرًا أوجهرًا ورجحه المحقق ابن الهمام وتلمیذ الحلبی لشبهة الاختلاف فی کونهاآیة من کل سورة''. (البحرالرائق، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/ ۵۴۵، رشیدیة) (فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۵۹۳ـ ۵۹۴)　==

== **بسم اللہ بین الفاتحہ والسورۃ سراً ہے یا جہراً:**

سوال: نماز میں بسم اللہ سورہ فاتحہ کے بعد اور سورۃ کے قبل پڑھنی چاہئے یا نہیں، اگر پڑھی جائے تو سرًا یا جہراً؟ صاحب ہدایہ تسمیہ کو ابتداءِ سورۃ میں منع کرتے ہیں اور صاحب درمختار مستحب کہتے ہیں، ان دونوں میں سے کون صحیح اور قابل عمل ہے اور دوسرے کا کیا جواب، اور نیز فاتحہ کے ابتدا میں تسمیہ کا حکم اس کے موافق ہے یا مخالف، مخالف ہے تو کیوں؟

الجواب

عبارت درمختار یہ ہے:

"لا تسن(أی التسمیة)(بین الفاتحة والسورة مطلقاً)ولوسریةً ولاتکره اتفاقاً إلخ". (الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار،باب صفة الصلوٰة: ۱/۴۵۷،ظفیر)

اس کا حاصل یہ ہے کہ ابتداءِ سورۃ میں بسم اللہ پڑھنا نہ مسنون ہے اور نہ مکروہ ہے اور محققین نے اس کو راجح فرمایا ہے کہ پڑھنا بہتر اور مستحب ہے۔ شامی میں ہے:

ولهٰذا صرح فی الذخیرة والمجتبیٰ بأنه إن سمی بین الفاتحة والسورة المقروء ة سرًا أوجهرًا کان حسناً عند أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ ورجحه المحقق ابن الهمام إلخ.(رد المحتار،باب صفة الصلاة،قبیل مطلب قراء ة البسملة: ۱/۴۵۸، ظفیر)

(بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے گی، **"أما الموضع الرابع فإنها تخفی عندنا،إلخ، عن أنس رضی اللّٰه تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یسرببسم اللّٰه الرحمن الرحیم"إلخ.(غنیة المستملی: ۳۰۱، ظفیر)(بیان صفة الصلاة،انیس)** فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۷۸-۱۸۲)

فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا:

سوال: ہر نماز کی ہر رکعت میں قبل شروع کرنے سورہ فاتحہ اور بعد سورہ فاتحہ قبل سورۃ کے بسم اللہ کا پڑھنا جیسا کہ فتاویٰ نذیریہ جلد اول ص:۲۷۰ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے **"من ترکها فقد ترک مائة وأربع عشرة آیة، من کتاب اللّٰه تعالیٰ. کذا فی المدارک"** سے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

الجواب

فاتحہ اور سورۃ کے درمیان بسم اللہ پڑھنا مسنون نہیں ہے، البتہ امام اور منفرد کو ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ آہستہ پڑھنی چاہئے۔ درمختار میں ہے:

وکماتعوذسمی غیرالمؤتم الخ سراً فی أول کل رکعة ولو جهریةلاتسن بین الفاتحة والسورةمطلقاًولوسریة.إلخ.(ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب صفةالصلاة: ۲/۱۹۱-۱۹۲،انیس)

معلوم ہوا کہ مذہب حنفیہ کا یہ ہے کہ امام اور منفرد کو ہر رکعت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنی مسنون ہے اور درمیان فاتحہ اور سورۃ کے بسم اللہ پڑھنی مسنون نہیں ہے اور جو حدیث فتاویٰ نذیریہ سے نقل کی ہے، یہ قابل عمل نہیں ہے۔ **واللّٰه تعالیٰ أعلم**

کتبہ مسعود احمد۔ (امدادالمفتین:۲/۳۰۷) ==

== حکم قرأۃ بسملہ بین الفاتحۃ والسورۃ:

سوال: قرأہ بسم اللہ بین الفاتحہ والسورۃ کو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن کہا ہے:(وقوله ولا تكره اتفاقًا)ولهٰذا صرح في الذخيرة والمجتبى بأنه إن سمى بين الفاتحة والسورة المقرؤة سرًا أوجهرا كان حسنًا عبدأبى حنيفة ورجحه المحقق ابن الهمام وتلميذه الحلبى بشهة الاختلاف فى كونها آية كل سورة بحر.(ردالمحتار: ۱/ ۳۶۲،مصری) لیکن اسی کے اوپر جو عبارت ہے وہ یہ ہے کہ!(قوله لاتسن)مقتضى كلام المتن أن يقال لا يسمى لكنه عدل عنه لايهامه الكراهة بخلاف نفى السنية ثم أن هٰذا قولهماوصححه فى البدائع قال محمد تسن إن خافت لاإن جهربحرونسب ابن الضياء فى شرح الغزنوية الأول إلىٰ أبى يوسف فقط فقال وهٰذا قول أبى يوسف وذكر فى المصفى أن الفتوى علىٰ قول أبى يوسف أنه يسمىٰ فى أول كل ركعة ويخفيهاوذكرفى المحيط المختارقول محمد وهوأن يسمّى قبل الفاتحة وقبل كل سورة فى كل ركعة وفى رواية الحسن ابن زياده أنه يسمى فى الركعة الأولىٰ لا غيروإنما أختيرقول أبى يوسف لأن نقطة الفتوٰى آكد وأبلغ من لفظة المختارولأن قول أبى يوسف وسط وخيرالاُموراَوسطها،كذا فى شرح عمدة المصلى،آه.(ردالمحتار: ۳۶۲/۱،مصری) اور عالمگیریہ کتاب الصلوٰۃ باب چہارم صفت نماز کی فصل،نماز کی سنتوں اور اس کے آداب کے بیان میں ہے:''تعوذ کے بعد آہستہ بسم اللہ پڑھے اور بسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے،سورتوں میں فصل کے واسطے اتری ہے''،یہ ظہیریہ میں مکروہات صلوٰہ کے بیان میں لکھا ہے،صرف بسم اللہ سے فرض قراءت ادا نہیں ہوتا،یہ الجوہرۃ النیرۃ میں لکھا ہے،بسم اللہ ہر رکعت کے اول میں پڑھے،یہ امام ابو یوسفؒ کا قول ہے۔،یہ محیط میں ہے اور حجۃ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے،یہ تاتارخانیہ میں ہے،فاتحہ اور سورۃ کے درمیان میں بسم اللہ نہ پڑھے،یہ وقایہ میں اور نقایہ میں لکھا ہے،یہی صحیح ہے،یہ بدائع اور جوہرۂ نیرہ میں لکھا ہے۔(فتاویٰ ہندیہ ترجمہ فتاویٰ عالمگیریہ صفحہ:۹۹،جلد:۱،مطبوعہ نولکشور ۱۳۳۵ھ)

افسوس ہے کہ فتاویٰ عالمگیریہ اصل عربی میں یہاں موجود نہیں ہے،میں نے حوالہ میں کتاب الصلوٰۃ اور باب اور فصل درج کردی،حضور اصل عربی میں ملاحظہ فرمالیں،عبارت عالمگیریہ سے صاف واضح ہے کہ بین الفاتحہ والسورۃ بسم اللہ نہ پڑھے اور لفظ فتویٰ اور لفظ صحیح کافی ووافی طور پر اس کے دلائل ہیں اور عبارت شامی میں ''وإنما اختير'' سے خط کشیدہ عبارت بین الفاتحہ والسورۃ بسم اللہ نہ پڑھنے کے اوپر دلالت صریحہ کررہی ہیں۔

اس کے باوجود کہ لفظ ''لفظة الفتوىٰ وآكد وأبلغ'' کے مقابلہ میں قول مختار امام محمدؒ کا بھی چھوڑ دیا گیا اور امام ابو یوسفؒ کا قول اختیار کیا گیا،بہشتی زیور میں بسم اللہ پڑھنا لکھا گیا ہے''پھر بسم اللہ پڑھ کر ''الحمد'' پڑھے اور ''ولا الضالين'' کے بعد آمین کہے،پھر بسم اللہ پڑھ کے کوئی سورۃ پڑھے'' بہشتی زیور مدلل ومکمل حصہ دوم ص:۲۴،تو کیا فتویٰ کے مقابلہ پر حسن پر عمل کیا جائے گا،حالانکہ نہ پڑھنے کو صحیح کہا گیا ہے''عالمگیری''،تو سوال یہ ہے کہ اول تو بہشتی زیور سے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ بسم اللہ کا پڑھنا بطور مباح کے ہے یا بطور سنت کے پڑھنے کو لکھا ہے؛لیکن پھر بھی فتویٰ،آکد وابلغ کے مقابلہ پر حسن کا اختیار کرنا سمجھ میں نہ آیا،حضور والا تسلی وتشفی فرما کر احسان عظیم فرمادیں،اب تک میرا عمل نہ پڑھنے پر ہے اور یوں ہی دوسروں کو مسئلہ بتاتا ہوں، ==

تراویح یا نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا:

سوال: ایک شخص نماز تراویح یا اور کوئی نماز لوگوں کو پڑھاتا ہے اور ہر رکعت میں کئی کئی سورتیں پڑھتا ہے اور ہر سورت کے اول میں بسم اللہ بھی جہر سے کہتا ہے تو ہر سورت کے ساتھ نماز میں بسم اللہ کا ملانا جائز ہے یا نہیں اور نماز جہری میں بسم اللہ آواز سے پڑھنا افضل ہے یا آہستہ پڑھنا فضیلت رکھتا ہے اور اکثر حافظوں کا یہ دستور ہے کہ نماز تراویح میں کسی سورۃ کے اول تمام قرآن میں بسم اللہ نہیں پڑھتے۔صرف سورۂ اخلاص کے اول بسم اللہ پڑھتے ہیں۔ سو یہ فعل ان کا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اگر ہر سورت کے اول نماز تراویح میں بسم اللہ نہ پڑھی جاوے تو کچھ حرج ہے یا نہیں؟ بسم اللہ کے نہ پڑھنے سے قرآن کی قرأت کامل ہوگی یا ناقص رہے گی۔ بینوا توجروا؟

الجواب ــ

مذہب حنفیہ میں بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا سنت ہے اور جہر سے پڑھنا ترک اولیٰ ہے اور تراویح جو قرآن کا ختم ہوتا

== ہاں البتہ جب میں تراویح میں ختم کرتا ہوں تو بسم اللہ بین السورتین کرلیتا ہوں، بسبب تصادم روایت عاصمؒ کے کہ براویت ان کے ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ سنت ہے، وبسمل بین السورتین ودرایۃ وتحملا تاکہ قرآن کے نقص کا احتمال نہ رہے، اور ایسا ہی آپ نے فتاویٰ امدادیہ میں جواب دیا ہے، اسی قسم کے ایک سوال کا، لیکن یہ بات عام نمازوں میں تو نہیں، پھر بھی فتویٰ کو چھوڑ دینا کیسا؟ بینوا بالدلائل توجروا بالفضائل۔

الجواب ــ

قول ابی یوسفؒ پر فتویٰ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ تسمیہ قبل سورۃ کو مسنون نہ کہا جاوے گا؛ لیکن بناء برمزید احتیاط اس کو حسن سمجھ کر پڑھ لیا جاوے تو اس فتوے کے خلاف نہیں ہے، کمالا یخفٰی۔

اور بہشتی زیور میں جو ترکیب نماز کی بیان کی ہے، اس میں دوسرے افعال کے مسنون وغیرہ ہونے سے بھی تعرض نہیں جو ان میں تصریح کی حاجت ہوتی، **وفی الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح (ص: ۱۵۱) عن الکمال و تلمیذہ ابن أمیر حاج أن الخلاف فی السنیة فلاخلاف أنه لو سمٰی لکان حسناً لشبهة الخلاف فی کون آیة من کل سورة، إلخ** ۔ باقی رہا سوال تراویح میں ہر سورۃ کے شروع پر بسم اللہ پڑھنے کا، سو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ مولانا (اور امداد الفتاویٰ میں) مدفیوضہم ونیز دیگر اکابر کا یہی معمول ہے کہ ہر سورۃ پر بسم اللہ نہیں پڑھتے، بلکہ تمام قرآن میں فقط ایک سورۃ کے شروع میں پڑھتے ہیں، کیونکہ تسمیہ آیۃ من القرآن ہے، نہ کہ آیۃ من کل السورۃ، اور احکام نماز میں ائمۃ الفقہ کے قول پر عمل کرنا چاہئے اور امام عاصمؒ کا قول خارج صلوٰۃ قابل عمل ہے ونیز امام عاصمؒ کی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بسم اللہ کو بحیثیت جزء القرآن ہونے کے پڑھتے تھے، لہٰذا ختم قرآن میں شبہ نہ کیا جائے، بیش بریں نیست کہ ان کے نزدیک جو چیز مسنون تھی، وہ ترک ہوگئی، سو اس کا مضائقہ نہیں؛ کیونکہ ہم فقہ میں ان کے مقلد نہیں ہیں اور نماز جہریہ میں امام محمدؒ بھی تسمیہ کے قائل نہیں، اس لئے تسمیہ بین السورتین کو جو حسن کہتے ہیں، ان کے نزدیک بھی تراویح میں ہر سورۃ پر بسم اللہ پڑھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

احقر عبدالکریم عفی عنہ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۔۲۰ ر رمضان ۱۳۴۸ھ ۔ (امداد الاحکام: ۱۹۶-۱۹۹)

ہے،اس میں بھی مذہب حنفیہ کے موافق یہی حکم ہے،مگرحفص قاری جن کی قرأت اب ہم لوگوں میں شائع ہے،ان کے نزدیک بسم اللہ جزو ہرسورت کا ہےاور جہر سے پڑھناان کے نزدیک ضروری ہے،پس اگراقتداء سےان کے کوئی ہرسورت پر جہر سے بسم اللہ پڑھےتو مضائقہ نہیں،جیسا بعض قراء کا دستور ہےتو اس حالت میں قرآن کا کامل ہونا حفص کے نزدیک جہر بسم اللہ پر موقوف ہےاورامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک دفعہ کہیں جہر سے بسم اللہ پڑھنا کافی ہے، بہرحال دونوں طرح درست ہے۔ایسے امور میں خلاف ونزاع مناسب نہیں کہ سب مذاہب صحیح ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم　　(رشیداحمد گنگوہی)

یہ قول ٹھیک ہےاورلاریب احادیث سے بھی دونوں باتیں ثابت ہیں،یعنی بسم اللہ کا پڑھنا نماز میں جہراً بھی آیا ہے اورسراً بھی ہاں اتنی بات ہے کہ بسم اللہ کا جہراً پڑھنا متروک ہورہا ہےتو یہ سنت مردہ کے حکم میں ہے،پس اس کورواج دینے میں امید ہے کہ سوشہیدوں کا ثواب ملے؛پس اولیٰ یہ ہے کہ اکثر بسم اللہ کو جہر کے ساتھ نماز میں پڑھا کریں۔خواہ وہ فرض نمازیں ہوں جن میں قرأت جہر کے ساتھ پڑھی جاتی ہے،جیسے:فجر،عشاء،مغرب خواہ تراویح کی نماز ہو۔

حمیداللہ،مقیم مدرسہ مطلع العلوم میرٹھ۔(تالیفات رشیدیہ ا۲۷)☆

☆　**ہرسورت کے شروع میں بسم اللہ کا پڑھنا:**

سوال:　پانی پت کے قاری تراویح میں شروع ہرسورت پر بسم اللہ جہر سے پڑھتے ہیں،یہ درست ہے یانہیں اگر درست ہےتو کس امام کے نزدیک؟

الجواب

بسم اللہ جہر سے پڑھنا مذہب حنفیہ کا نہیں ہے،مگر چونکہ یہ امر قراءت متعارف ہند کے موافق ہے،اس لیےان پر اعتراض نامناسب ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۲۷۰)

حکم جہر بسم اللہ درسورۂ اقرأ:

سوال:　زید نے رمضان شریف میں نماز تراویح میں بروز ختم قرآن شریف سورہ اقرأ شروع کرتے وقت زور سے بسم اللہ الرحمٰن پڑھی تو عمرو نے اس پر اعتراض کیا کہ نہ پڑھنا چاہیے اور کیا کہتا ہے کہ قرآن شریف تسلسل کے ساتھ پڑھا جارہا تھا،بسم اللہ کو درمیان میں کیوں حائل کیا،زید کہتا ہے کہ بسم اللہ جزوقرآن ہے،اگر میں بسم اللہ جہر کے ساتھ نہ پڑھتا تو ایک جزوقرآن شریف کا رہ جاتا،لیکن عمروزید کی اس گفتگو پر یقین نہیں کرتا۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ فعل کس حدتک صحیح ہےاورکس کی بات تسلیم کی جائے اگر دونوں راہ حق پر نہیں ہیں تو براہ شرع شریف جو حکم ہو اس سے آگاہی فرما کر طمانیت بخشی جائے؟

الجواب

زید کا قول صحیح ہے،تمام قرآن میں ایک جگہ کسی سورۃ پر بسم اللہ کا جہرلازم ہے تاکہ ختم پورا ہوجائے،اورسورۂ اقراء پر جہر کرنا ہمارے اکابر کا مختار ہے،کیونکہ یہ سورۃ نزول میں مقدم ہے،اورعمرو کا یہ کہنا کہ اس سے تسلسل قرآن جاتا رہا بالکل غلط ہے؛ کیوں کہ بسم اللہ بھی تو قرآن ہی ہے،پس قرآن کی اآیت سے تسلسل قرآن کیوں کمی آجائے گی۔

۲/ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ۔(امدادالاحکام:۲۰۱/۲)　　==

بسم اللہ کو تمام قرآن مجید میں کہاں پڑھے:

سوال: بسم اللہ شریف کو ختم قرآن شریف میں سورہ نمل کے سوا کہ جو جزوِ قرآن ہے، اس کو سورۂ اخلاص ہی پر پڑھنا چاہیے یا اور کسی سورت پر بھی پڑھنا بلا تخصیص درست ہے۔

الجواب

بسم اللہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک قرآن کی آیت ہے اور کسی سورۃ کا جزو نہیں،(۱) اس کو ایک بار خواہ کہیں، پڑھ دیوے، درست ہے، خصوصیت "قل هو الله" کی نہیں، جہاں چاہے، پڑھ دیوے، البتہ یہ عقیدہ کرنا کہ سوائے "قل هو الله" کے اور کسی صورت پر درست نہیں بدعت ہوگا ورنہ کچھ حرج نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۲۷۰)

بسم اللہ جزو قرآن ہے یا نہیں:

سوال: "بسم اللّٰہ" قرآن شریف کا جزو ہے یا نہیں، اگر ہے تو جہری نماز میں **بسم اللّٰہ** کو بالجہر کیوں نہیں پڑھتے؟ یہاں ایک حافظ نے ماہِ رمضان میں قرآن سناتے وقت صرف "**قل هو اللّٰہ أحد**" کے شروع میں **بسم اللّٰہ** بالجہر پڑھی۔

الجواب

حنفیہ کے نزدیک **بسم اللّٰہ** ہر ایک سورۃ کا جزو نہیں ہے، محض **فصل بین السورتین** کے لئے اوائل سورۃ میں لکھی جاتی ہے اور سوائے سورۂ توبہ ہر ایک سورت کے اول میں لکھنا اس کا ثابت ہے، مگر جزو ہونا اس کا ثابت نہیں ہے، اس لئے جہر کرنا ہر ایک سورت کے ساتھ حکم نہیں ہے، صرف تمام قرآن شریف میں ایک آیت "**بسم اللّٰہ**" بھی ہے، اس لئے تراویح میں جب قرآن شریف پورا پڑھا جاتا ہے تو ایک جگہ جہر کر دیا جاتا ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۲۲۶)

== دو رکعتوں میں ایک چھوٹی سورۃ پڑھنا:

سوال: زید نے نماز تراویح میں ارأیت الذی میں دو رکعت اس طور پر کی کہ پہلی رکعت میں لفظ "مسکین" تک اور دوسری رکعت میں ختم تک آیا یہ دو رکعتیں ہوئیں یا نہیں، اگر نہیں ہوئیں تو اب اس کی مکافات کیا ہو سکتی ہے؟

الجواب

یہ دونوں رکعتیں صحیح ہوگئیں، مگر ایسا کرنا مناسب نہ تھا، ایسی چھوٹی سورتوں میں دو رکعتیں ایک سورۃ کے اندر نہ کونا (غور کر لیا جائے) چاہئے، کہ اس صورت سے ہر رکعت میں تین آیات نہیں ہوئیں۔ (امداد الاحکام:۲/۲۰۱-۲۰۲)

(۱) (التسمية آية من القرآن وليست من الفاتحة)قال أبوبكر أحمد:ولا نعرف عن أصحابنا نصافي أن"بسم الله الرحمن الرحيم"من فاتحة الكتاب أو ليست منها.(شرح مختصر الطحاوی ،باب صفة الصلاة: ۵۸۹/۱ ،دار البشائر الإسلامية.انيس)

(۲) وهي أي بسم الله إلخ آية واحدة من القرآن كله أنزلت للفصل بين السور ،إلخ ،وليست من الفاتحة ==

بسم اللہ کے جزءِ سورۃ ہونے میں امام عاصم اور امام صاحب کے مابین تعارض کا ازالہ:

سوال: خاکسار نے الامداد میں ایک عبارت بعنوان سوال وجواب بسم اللہ کے بارہ میں دیکھی تھی، جس کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بسم اللہ مبسملین کے یہاں جزو ہر سورت نہیں اور شاطبی (۱) کا جو شعر ہے۔

وبسمل بين السورتين بسنته　　رجال نموها دريته وتحملا

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بسم اللہ مبسملین کے یہاں جزو ہر سورت ہے، بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے ہر سورت کے پہلے بسم اللہ پڑھی ہے۔ بے شک یہ توضیح ہے؛ لیکن شاطبی پشاوری جس کے حاشیہ پر دو شرحیں چڑھی ہیں، منجملہ ان کے شرح کنز المعانی بھی ہے، کنز المعانی کے صفحہ: ۳۸ پر اسی شعر کی شرح کی ہے:

"ثم المبسملون بعضهم عدها آية من كل سورة سوى براءة وهم غيرقالو ن وعدها حمزة من التاركين آية من الفاتحة" فقط.

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن کثیر اور امام عاصم اور امام کسائی کے یہاں بسم اللہ سورۃ کا جزو ہے جناب اس کا جواب تحریر فرماویں؟

الجواب

مجھ کو بھی اس عبارت سے اپنے جواب میں تردد واقع ہوگیا، اور جس سوال کا میں جواب دیا تھا وہ پھر محتاج جواب ہوگیا، میرے پاس نہ کتب ہیں نہ وقت، دوسرے علماء وقراء سے رجوع کیا جاوے اور کوئی شافی جواب ملے۔ بشرط مہلت مجھ کو بھی اطلاع دیجئے میں اپنے کسی رسالہ میں نقل کردوں گا ایک توجیہ سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ ہر سورت کے ساتھ بسم اللہ پڑھنا نہ پڑھنا تو روایت کے متعلق ہے اور جزو ہونا نہ ہونا اجتہاد کے متعلق ہے، روایت میں عاصم کا قول حجت ہوگا اور اجتہاد میں امام صاحبؒ کا، پس میرا اصلی جواب سالم رہا۔

۱۲ر شوال ۱۳۳۹ھ۔ (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۳۴۳-۳۴۴)

سوال: مخدوم مکرم دامت فیوضہم بعد سلام بصد تعظیم کے عرض یہ ہے کہ والا نامہ صادر ہوا، جناب قاری عبد الرحمٰن صاحب محدث انصاری پانی پتی تسمیہ کے بارہ میں ائمہ فقہ کے اقوال نقل کرکے یوں لکھتے ہیں:

"وہمہ اقوال حق اند واز قبیل اختلاف قرأۃ ہستند"۔

== ولا من كل سورة في الأصح . (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، بعد الفصل: ۱/۴۵۸، ظفير)

(۱) الشاطبية، باب البسملة (رقم القاعدة: ۱۰۰) ۹/۱، مكتبة دار الهدى ودار الغوثاني للدراسات القرآنية. انيس

اور اسی عبارت پر خود ہی منہیہ لکھتے ہیں، وہ یہ ہے:

''بدانکہ چوں در جز و بودن ونبودن بسم اللہ از ہر سورۃ اختلاف قراءۃ است پس برقاری قراءۃ مبسملین در تراویح قراءۃ بسملہ بر ہر سورۃ جہراو واجب شد والاترک یک صد وچہار دہ آیت درختم لازم آید، وآں جائز نیست ومعمول دیار حنفی المذہب برخلاف آں است پس سبب اہل ترک وغفلت معلوم نیست''۔

اور دوسرے رسالہ میں جو خاص اس مسئلہ میں ہے، یوں لکھتے ہیں:

تسمیہ کا مسئلہ اجتہادی بھی نہیں، چونکہ منصوصات میں اجتہاد جائز نہیں، لہذا ہم چونکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مقلد مسائل اجتہادیہ میں ہیں، نہ مسائل منصوصہ میں، تو ہم کو اس بات کا قائل ہونا پڑا کہ ہم مسائل فقہیہ میں تو امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں؛ کیونکہ وہ امام مجتہد مطلق تھے اور قراءۃ میں مقلد ائمہ قرآن اور راویان قرأت کے ہیں؛ کیونکہ وہ ہر حرف اور ہر نقطہ کی سند متصل اور متواتر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک رکھتے ہیں اور قرأۃ میں ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ بھی مقلد راویان قرآن کے تھے اور احتمال اجتہاد اس مسئلہ میں قابل پذیرائی نہیں ہوسکتا۔

اور آگے جاکے لکھتے ہیں:

دلائل مبسملین اور تارکین دونوں کے احادیث صحیحہ ہیں، یہاں اجتہاد کا کیا دخل ہے، دونوں قرآن میں اجتہاد کو دخل نہیں دیتے، اگر دخل دیتے ہیں تو بتلاؤ نشان اجتہاد عاصم اور ابوحنیفہ کا، اگر اجتہاد سے مراد فرض وتحسین ہے تو مقبول نہیں ہوگا اور اگر مراد قیاس فقہی ہے تو یہاں مقیس اور مقیس علیہ اور وصف مشترک اور نص اور وصف اشتراک کے کیا ہے؟ انتہی۔

الجواب

فی غيث النفع بعد نقل بعض الاختلافات فی البسملة تحت عنوان البسملة وسورة الفاتحة مانصه: وأيضا فإن المحققين من الشافعية وعزاه الماوردی إلی الجمهور علی أنها آية حكمًا لا قطعًا، قال النووی: والصحيح أنها قرآن علی سبيل الحكم ولو كانت قرأنًا علی سبيل القطع لكفرنا فيها وهو خلاف الإجماع وقال المحلی عند قول منهاج فقههم: (والبسملة منها) أی من الفاتحة عملًا لأنه صلی اللّٰه عليه وسلم عدها آية منها صححه ابن خزيمة والحاكم ويكفی فی ثبوتها من حيث العمل الظن، انتهی.

ومعنی الحكم والعمل أنه لاتصح صلوٰة من لم يات بهافی أول الفاتحة وهو نظير كون الحجر من البيت أی فی الحكم باعتبار الطواف والصلاة فيه لا له باعتبار أنه من البيت إذ لم يثبت ذلك بقاطع وإذا قلنا إنها آية قطعًا لاحكمًا كما هوظاهر عبارة كثير فيكون من باب اختلاف القراء فی

اسقاط بعض الکلمات واثباتها وکل قرأ بما تواتر عنده والفقهاء تبع للقراء فی هذا وکل علم یسال عنه أهله والمسئلة طویلة الذیل وما ذکرناه لب کلامهم وتحقیقه. (۱۹)(۱)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ میرا قول بھی گنجائش رکھتا ہے اور قاری صاحب کا بھی دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ اگر قاری صاحب کے سب مقدمات تسلیم کر لئے جاویں تو تراویح کی کیا تخصیص ہے، یہ مقدمات تو قرأت فی الفرض میں بھی جاری ہیں تو کیا احناف وجوب جہر بالبسملة فی الفرائض کا التزام کریں گے۔

۲۰/شوال ۱۳۳۹ھ۔(ترجیح خامس ۱۱۹) (امدادالفتاویٰ جدید:۱/۳۴۴-۳۴۶)

أیضاً:

سوال: ایک امر قابل دریافت ہے وہ یہ کہ باب البسملة میں امام عاصم کے نزدیک بین السورتین بسملہ ضروری ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے مذہب میں تراویح کے اندر ہر سورة پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی تو اب اس صورت میں براویت حفص عن العاصم الکوفی ''ختم کلام مجید پورے طور پر کیونکہ ہوگا، اس لئے بسم اللہ ایک غیر معین سورة کے اول میں پڑھی جاتی ہے اور باقی ایک سوتیرہ سورة کے اول میں نہیں پڑھی جاتی، ختم کلام مجید میں امام عاصم کے قول پر عمل کرنا ضروری ہے اور اگر امام ابوحنیفہؒ کی رائے پر عمل کیا جائے تو ختم کلام مجید ناقص ختم ہوتا ہے خارج از نماز امام عاصمؒ کے قول پر عمل کرنے میں کوئی دشواری نہیں اندر نماز کے بسم اللہ پڑھنا احناف کے نزدیک پکار کر ہر سورت کے شروع میں جائز ہے یا نہیں اگر احناف کے نزدیک جائز ہے تو اس پر عمل کرنا فی زمانناکوئی حرج تو نہیں؟

الجواب

بسم اللہ کے باب میں ایک مسئلہ قراءة کے متعلق ہے اور ایک مسئلہ فقہ کے متعلق، عاصم کا قول اول مسئلہ کی تحقیق ہے اور امام ابوحنیفہؒ کا قول دوسرے مسئلہ کی تحقیق، حاصل مسئلہ اولیٰ کا یہ ہے کہ گو بسم اللہ ہر سورة کا جزو نہ ہو، مگر باوجود عدم جزئیت روایۃً اس کا پڑھنا ہر سورة پر منقول ہے، پس اگر کوئی شخص ہر سورت پر نہ پڑھے تو اس کی قراءة اس روایت کے موافق نہ ہوئی گو کوئی جزو متروک نہ ہوا ہو، جب کہ کم از کم ایک سورة پر پڑھ لے اور دوسرے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ گو روایۃً ہر سورت پر بسم اللہ منقول ہو؛ لیکن ہر سورت کا جزو نہیں ہے، بلکہ جزو مطلق قرآن کا ہے، اگر ایک جگہ بھی پڑھ لے تو قرآن پورا ختم ہو جاوے گا، گو اس روایت کے موافق اس کی قرأت نہ ہو، پس امام عاصم اور امام ابوحنیفہؒ کے قول میں کوئی تخالف نہیں؛ کیونکہ دونوں کی نفی اور اثبات کی حیثیتیں جدا جدا ہیں اور حیثیات کے بدلنے سے تعارض جاتا رہتا ہے، یہ جب ہے کہ ہر سورت پر بسم اللہ نہ پڑھے اور اگر پڑھ لے تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور امام صاحب کے بھی خلاف

(۱) غیث النفع فی القراء ات السبع، سورة الفاتحة: ۱/۳۹، دار الکتب العلمیة بیروت. انیس

نہیں؛ کیونکہ امام صاحب تسمیہ کو ہر سورت پر ضروری نہیں کہتے، یہ نہیں کہ جائز نہیں کہتے، درمختار یا ردمحتار میں ہر سورت پر تسمیہ کو حسن کہا ہے، رہا ہر جگہ پکار کر پڑھنا، یہ بلا شبہ احناف کے خلاف ہے اور امام عاصم بھی جہر کو ضروری نہیں کہتے، صرف تسمیہ کو ضروری کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

۶ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ۔ (امداد: ۱/۴۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۳۴۶-۳۴۷)

سورہ توبہ کے شروع میں بسملہ کی تحقیق:

سیدی ومولائی، دام ظلکم العالی　　　السلام علیکم

سوال: عرض یہ ہے کہ جناب نے ترک بسملہ کو ابتداً تلاوت برأۃ سے ہو؛ اغلاط العوام میں داخل کیا ہے اور مکرر میں ہے:

وأجمع القراء على ترك البسملة فى أول برأة سواء ابتداء بها أو وصلها بالأنفال.(۱)

ایسا ہی شاطبیہ میں ہے۔(۲) لہٰذا جناب کے قول اور مکرر میں، جو صورت تطبیق ہو، تحریر فرماویں؟

الجواب

واقع میں ان دونوں میں تطبیق نہیں ہوسکتی، مگر یہ مسئلہ فن قرأت کا نہیں، اس لئے میرے نزدیک اس میں قاری کا قول حجت نہیں، قواعد فقہیہ کا مقتضا میرے نزدیک وہی ہے جو میں نے لکھا ہے۔ واللہ اعلم (۱)

بعد تحریر سطور ہٰذا ایک وجہ تطبیق کی جو مجھ کو بہت لطیف معلوم ہوتی ہے، خیال میں آ گئی وہ یہ کہ!

---

(۱) **المكرر في ماتواتر من القراء ات السبع وتحرر، باب البسملة: ۲۷/۱، دار الكتب العلمية بيروت. انيس**

(۲) **ومهما تصلها أو بدأت براءة　　لتنزيلها بالسيف لست مبسملا. (الشاطبية، رقم القاعدة: ۱۰۵)**

المعنى: إذا وصلت براءة بالسورة قبلها وهى الأنفال أو ابتدأت بها القراءة فلا تبسمل فى أولها لأحد من القراء سواء كان مذهبه بين السورتين البسملة أو السكت أو الوصل. (الوافى فى شرح الشاطبية، باب البسملة: ۴۸/۱، مكتبة السوادى للتوزيع. انيس)

(۱) یعنی تلاوت کے شروع میں بسم اللہ برکت کے لئے پڑھی جاتی ہے لہٰذا جس طرح سورہ براءۃ کی درمیان کی آیتوں سے تلاوت شروع کرتے وقت بسم اللہ برکت کیلئے پڑھتے ہیں، اسی طرح سورۂ برأت کے شروع سے تلاوت شروع کریں تو بھی برکت کے لئے بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔

تكره (اى البسملة) ... فى أول سورة برأة إذا وصل قراء تها بالأنفال كما قيده بعض المشائخ، آه. (ردالمحتار: ۸/۱، فى تتمه الكلام حول الحمدلة)

جو لوگ منع کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ اس سورۃ کے شروع میں بسم اللہ لکھی ہوئی نہیں ہے پس اگر پڑھیں گے تو رسم واجماع کے خلاف ہوگا۔ لیکن مجوزین کی دلیل قوی ہے۔ (سعید احمد پالنپوری)

ابتداء بسورۃ توبہ میں بسم اللہ پڑھنے کی دو حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت ابتداء بمطلق القراءۃ کی، دوسری حیثیت ابتداء باسورۃ کی، پس اغلاط العوام میں اول کا اثبات ہے اور مکرر اور شاطبیہ میں ثانی کی نفی ہے۔ **فلا تعارض واللّٰہ أعلم**

(ترجیح خامس:۱۰۳) (امداالفتاویٰ جدید:۱/۳۴۲-۳۴۳)

قرأت میں قصار، اوساط اور طوال کی رعایت مسنون ہے یا مستحب اور ان کی تفصیل:

سوال: فجر وظہر میں طوال، عصر وعشا میں اوساط اور مغرب میں قصار کی قرأت مستحب یا مسنون ہے، مگر کہاں سے کہاں تک طوال اور کہاں سے کہاں تک اوساط اور کہاں سے کہاں تک قصار ہے؟

الجواب

یہ رعایت مسنون ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمال کو بذریعہ خطوط کے اس کی تاکید فرمائی ہے اور احادیث مرفوعہ سے بھی اس کی تائید ملتی ہے۔

"والطوال من "ق" إلی "البروج" والأوساط منها إلٰی "لم یکن" والقصار منها إلٰی آخر القرآن ھٰذا ھو المشھور بین الحنفیة وفیه أقوال أخر أیضًا.(۱)

۲۰/شعبان ۱۳۴۸ھ۔ (امدادالاحکام:۲/۱۹۶)

☆☆☆

(۱) والمفصل هو السبع السابع قیل: أوله عند الأکثرین من سورة الحجرات وقیل من سورة محمد أو من الفتح أو من ق والطوال من مبدئه إلی البروج وأوساطه منها إلی لم یکن وقصاره منها إلی آخره، وقیل طواله من الحجرات إلی عبس وأوساطه من کورت إلی الضحٰی والباقی وقصاره لما روی عن عمر أنه یقرأ فی المغرب بقصار المفصل وفی العشاء بوسط المفصل وفی الصبح بطوال المفصل کالفجر لمساواتها فی سعة الوقت وورد أنه کالعصر لاشتغال الناس بمهماتهم، الخ. (مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، فصل فی سننها: ۹۸، المکتبة العصریة. انیس)

مسئلہ: قرأت کے لئے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ آہستہ کہنا سنت ہے۔

یہ صرف امام یا تنہا پڑھنے والا پڑھے، مقتدی نہ پڑھے۔

مسبوق چھوٹی ہوئی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتب پڑھے۔

عیدین کی نماز میں امام تکبیروں کے بعد پڑھے۔

یہ صرف قرآن مجید کی تلاوت کے لئے سنت ہے اس لئے دوسری جگہ نہ پڑھے۔ (ملخص از شامی:۱/۳۲۹)

اعوذ باللہ سے پہلے بسم اللہ پڑھ چکے تو اعوذ باللہ پڑھنے کے بعد پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے۔ (شامی:۱/۳۲۹) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل:۲۴۵) (انیس)

سنن نماز

”تکبیرات، رکوع، قومہ، سجدہ وغیرہ“

تکبیراتِ انتقال، رکوع وسجدہ میں:

سوال: بعض ائمہ رکوع اور سجدہ میں آخر میں تکبیر کہتے ہیں، اور بعض رکوع اور سجدہ کی ابتدا ہی میں تکبیر مکمل کر لیتے ہیں، تکبیر کس طرح اور کب شروع کریں؟ (محمد عبدالحمید، بیدر)

الجواب

تکبیر کہنے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ جونہی رکوع اور سجدہ کے لئے جھکے تکبیر کہنا شروع کرے اور رکوع اور سجدہ کی کیفیت میں پہنچنے تک تکبیر مکمل کرلے۔

”ویکبر مع الانحطاط قالوا: وهو الأصح... وابتداء ه عند أول الخرور وفراغه عندالاستواء“. (۱)

البتہ اگر کوئی شخص تکبیر کو اتنا دراز کرنے میں مشکل محسوس کرتا ہو تو جیسے ہی جھکے تکبیر کہے؛ البتہ اگر امام ضعیف ہو اور اسے اندیشہ ہو کہ شروع میں تکبیر کہنے کی وجہ سے مقتدی اس سے پہلے ہی رکوع یا سجدہ میں چلے جائیں گے، تو اس کے لئے مناسب ہے کہ رکوع اور سجدہ کے قریب پہنچ کر تکبیر کہے؛ تاکہ کسی رکن میں مقتدی امام سے پہلے نہ چلے جائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۷۵-۱۷۶)

---

(۱) البحر الرائق: ۳۱۵/۱ (کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، آداب الصلاۃ.

(عن عبدالله بن مسعود قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبر عند كل خفض ورفع وقيام وقعود وأبوبكر وعمر. (سنن الترمذي، باب ماجاء في التكبير عندالركوع (ح: ۲۵۳) / مسندالبزار، عبدالرحمن بن الأسود عن علقمة عن عبدالله (ح: ۱۶۰۹) / سنن النسائي، باب التكبير عندالرفع من السجود (ح: ۱۱۴۲) / مسند أبي يعلىٰ الموصلي، مسند عبدالله بن مسعود (ح: ۵۱۲۸) انیس)

(۲) دیکھئے: سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۶۲۳.

(عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أما يخشىٰ - أو أما يخشىٰ - أحدكم إذا رفع رأسه والإمام ساجد أن يحول الله رأسه رأس حمار أو صورته صورة حمار. (سنن أبي داؤد، باب فيمن ينصرف قبل الإمام / وكذا في البخاري، باب إثم من رفع رأسه قبل الإمام (ح: ۶۹۱) / الصحيح لمسلم، باب النهي عن سبق الإمام بركوع (ح: ۴۲۷) انیس)

تکبیراتِ انتقالیہ مسنون ہیں:

سوال: نماز میں تکبیراتِ انتقالیہ کا کیا حکم ہے؟ یہ مستحب ہیں یا مسنون؟ اور یہ حکم امام ومقتدی اور منفرد کے لئے یکساں ہے یا کچھ فرق ہے؟ اس کے ترک سے نماز متأثر ہوگی یا نہیں؟ آج کل بعض مقتدی حضرات عامۃً اس کا اہتمام نہیں کرتے، تشفی بخش ومدلل جواب مرحمت فرمائیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

حامدًا ومصليًا ومسلمًا:

نماز کی تکبیرات انتقالیہ، اسی طرح امام کے لئے "سمع اللّٰه لمن حمده" اور مقتدی کے لئے ربنا لک الحمد اور منفرد کے لئے دونوں کہنا مسنون ہیں، اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے مواظبت فرمائی ہے، اور پوری امت کا تعامل رہا ہے، یہ تکبیرات، امام، مقتدی اور منفرد سب کے حق میں یکساں حیثیت رکھتی ہیں، صرف امام ومنفرد کے لئے مسنون ہوں اور مقتدی کے لئے نہ ہوں ایسا نہیں ہے۔ (دیکھئے! ردالمحتار مع الدرالمختار: ۳۳۴/۱)(۱) والطحطاوی علی الدر: ۲۲۰/۱)

وفی البدائع: ... وعن عائشة قالت: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا رفع رأسه من الركوع قال: سمع اللّٰه لمن حمده، ربنا لک الحمد ... عن أبی موسیٰ الأشعری، وأبی هريرة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أنه قال: "إنما جعل الأمام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه، فإذا كبر فكبروا ... وإذا قال: سمع اللّٰه لمن حمده فقولوا: ربنا لک الحمد"... وحديث عائشة محمول علٰی حالة الانفراد فی صلا ة الليل. (۴۰۹/۱)(۲)

سنت مؤکدہ واجب کے قریب قریب ہے، تلویح میں لکھا ہے کہ سنت مؤکدہ کا ترک حرام کے قریب ہے۔

ترک السنة المؤكدة قريب من الحرام. (ردالمحتار: ۷۱/۱-و-۳۱۹- ۲۱۵/۵)(۳)

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جولوگ سنت چھوڑنے کے عادی ہیں اگر اسلامی سلطنت ہوتو ان سے قتال کیا جائے گا، اور امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ ان کی سرزنش کی جائے گی۔

---

(۱) ثم يرفع رأسه من ركوعه مسمعًا ويكتفی به الإمام ويكتفی بالتحميد المؤتم ويجمع بينهما لومنفرداً. (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة: ۱/ ۳۳۴، نعمانية، ديوبند) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أوالتوراة أو أولإنجيل، انيس)

(۲) بدائع الصنائع: ۴۰۹/۱، دار الكتاب، ديوبند، كتاب الصلاة، فصل فی سنن الصلاة، انيس

(۳) ردالمحتار علی الدرالمختار، كتاب الطهارة، مطلب فی السنة وتعريفها: ۷۱/۱--- ۳۱۹/۱، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب فی قولهم الإساءة دون الكراهة...: ۲۱۵/۵، كتاب الحظر والإباحة، ديوبند

فی الشامیة: وقال محمدرحمه اللّٰه تعالٰی فی المصرین علی ترک السنة بالقتال وأبویوسف بالتأدیب. (۳۱۹/۱)(۱)

سنت مؤکدہ کے ترک سے نماز ہوجاتی ہے، واجب الاعادہ نہیں رہتی ہے، البتہ اعادہ مستحب ہے۔

فی الدر: ترک السنة لا یوجب فساداًولا سهوا بل إساءةً لوعامداً. (۳۱۸/۱)(۲)

وفی الشامیة: أقول وقد ذکرفی الإمداد بحثا أن کون الإعادة بترک الواجب واجبة لا یمنع أن تکون الإعادة مندوبة بترک سنة، ونحوه فی القهستانی. (۳۰۷/۱)(۳)

نماز کی سنتوں کے ترک سے اس کے وہ ثمرات وبرکات مرتب نہیں ہوتے جو سنتوں کی رعایت اور اہتمام کے ساتھ پڑھنے پر ہوتے ہیں، سنتوں کی رعایت کے ساتھ نماز پڑھنے پر اللہ رب العزت نے ایک وعدہ یہ فرمایا ہے:

﴿ إِنَّ الصَّلاَةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ﴾(۴)

(کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روک دیتی ہے۔)

چونکہ ہماری نماز اس میزان پر پوری نہیں اترتی، لہٰذا اس سے اثرات وثمرات بھی پورے طور پر ظاہر نہیں ہوتے، تو پھر قصور ہمارا ہے، یا ہماری نماز کا یا کسی اور کا؟

بلاعذر جان بوجھ کر سنتوں کا ترک ممنوع ہے اور مسلسل چھوڑنے والا قابل عتاب وسرزنش اور لائق ملامت ہے۔

فی الشامیة عن التحریر: أن تارکها یستوجب التضلیل واللوم اھ. والمراد الترک بلا عذر علٰی سبیل الإصرارکما فی شرح التحریرلابن أمیرالحاج. (۷۱/۱)(۵)

اگر سنت مؤکدہ کا ترک سستی وکاہلی اور لاپرواہی کی وجہ سے ہو تو یہ قابل عتاب وملامت ہے، لیکن اگر استہزا اور استخفاف کی وجہ سے ہو تو یہ کفر ہے، اسی طرح اسے ازقبیل مشروعات نہ سمجھنا اور حق نہ جاننا بھی کفر ہے۔

فی الشامیة: فإن الظاهرأن الحامل علی الإصرارعلی الترک هوالاستحفاف بمعنی التهاون وعدم المبالاة، لابمعنی الاستهانة والاحتقاروإلا کان کفراً کمامَرّ. (۳۱۹/۱)(۶)

---

(۱)　رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب فی قولهم الإساءة دون الکراهة: ۳۱۹/۱، نعمانیة، دیوبند

(۲)　الدر المختارمع الرد، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۳۱۸/۱، نعمانیه، دیوبند

(۳)　رد المحتارعلی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب کل صلاة أدیت مع کراهة التحریم تجب إعادتها: ۳۰۷/۱، نعمانیه، دیوبند

(۴)　سورة العنکبوت: ۴۵۔

(۵)　رد المحتارعلی الدر المختار، کتاب الطهارة، مطلب فی السنة وتعریفها: ۷۱/۱، نعمانیه، دیوبند

(۶)　حواله سابق، رد المحتار: ۳۱۹/۱، نعمانیة، دیوبند

وفیہ: ولو مستخفاً کفر، لما فی النہر عن البزازیۃ: لو لم یر السنۃ حقًا کفر، اھ؛ لأنہ استخفاف ووجھہ أن السنۃ أحد الأحکام الشرعیۃ المتفق علی مشروعیتھا عند علماء الدین، فإذا أنکر ذلک ولم یرھا شیئًا ثابتًا ومعتبرًا فی الدین یکون قد استخف بھا واستھانھا وذلک کفر، تأمل. (۳۱۸/۱)(۱)

تفسیر عزیزی میں لکھا ہے کہ!

ومن تھاون بالسنۃ عوقب بحرمان الفرائض. (۲)

(جو شخص سنتوں میں سستی اور کاہلی سے کام لیتا ہے، اس کو فرائض سے محرومی کی سزا دی جاتی ہے۔)

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

ترک السنن قد یؤدی إلیٰ الزندقۃ. (مرقات: ۱۹۱/۱)(۳)

(کہ سنتوں کے (بلاعذر) ترک کرتے رہنے سے زندقہ (بددینی) کا خطرہ ہے۔)

حاصل کلام یہ ہے کہ نماز کی تکبیرات انتقالیہ ہر ایک کے لئے مسنون ہے، نیز خواہ نماز کی سنتیں ہوں یا نماز کے باہر کی، سب کی سب لائق اعتنا اور قابل صد اہتمام ہیں، اسی میں ہمارے لئے دنیا وآخرت کی فلاح وکامیابی، اللہ ورسول کی رضا وخوشنودی کا سبب اور دلیل عشق ومحبت ہے، بلاعذر سنتوں کا ترک ایمانی شان کے منافی ہے، واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: حبیب اللہ بستوی غفرلہ۔ ۲۸/۲/۱۴۱۹ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۳۳۱/۲-۳۳۵) ☆

---

(۱) ردالمحتار علی الدرا لمختار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ، مطلب سنن الصلاۃ: ۳۱۸/۱، نعمانیۃ، دیوبند

(۲) تفسیر سورۃ البقرۃ: ۴۳۲ (تفسیر عزیزی، سورۃ البقرۃ: ۴۳۲)

(۳) فیعلم أن من ترک سنۃ، أی سنۃ فقد حرم خیرًا کثیرًا فکیف المواظبۃ علیٰ ترک سائرھا فإن ذلک قد یؤدی إلیٰ الزندقۃ. (مرقات المفاتیح، کتاب الإیمان، باب الإیمان بالقدر: ۱۹۵/۱، دار الفکر / وکذا فی الکاشف عن حقائق السنن للطیبی، باب الوسوسۃ: ۵۸۲/۲، مکتبۃ الباز مکۃ. انیس)

☆ اگر تکبیرات انتقالات چھوٹ جائیں، تو اس کا حکم:

سوال: تکبیر تحریمہ کے علاوہ دوسری تکبیرات کا کیا حکم ہے اگر کسی وجہ سے کوئی تکبیر چھوٹ جائے تو نماز پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟

الجواب

تکبیر تحریمہ فرض ہے اور باقی تکبیراتِ انتقالاتِ سنت ہے، لہٰذا اگر کسی عذر کی وجہ سے رہ جائیں تو نماز متاثر نہیں ہوگی۔

لما قال العلامۃ محمد یوسف البنوری: تکبیرات الانتقالات سنۃ عند الجمھور. قال ابن المنذر: وبہ قال أبو بکر الصدیق وعمر وجابر وقیس بن عبادۃ رضی اللّٰہ عنھم، والشعبی و الأوزاعی وسعید بن عبد العزیز ومالک والشافعی وأبو حنیفۃ، إلخ. (معارف السنن، باب ماجاء فی التکبیر عند الرکوع والسجود: ۴۴۶/۲) (قال الشیخ ظفر أحمد العثمانی: باب کون التکبیر سنۃ عند کل رفع وحفض عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یکبر فی کل حفض ورفع وقیام وقعود... (أی التکبیر) عام فی جمیع الانتقالات فی الصلوۃ. (إعلاء السنن، کتاب الصلاۃ، باب کون التکبیر سنۃ عند کل رفع وخفض: ۳/۳، رقم الحدیث: ۷۳۱، انیس) (فتاویٰ حقانیہ: ۹۷/۳)

سہواً بیٹھ گیا تو اٹھتے وقت دوبارہ تکبیر مسنون ہے یا نہیں:

سوال: امام تیسری رکعت پر سہواً بیٹھ گیا، مگر لقمہ ملنے پر کھڑا ہو گیا، اس قیام کے وقت تکبیر دوبارہ کہنا مسنون ہے یا کہ سجدہ سے اٹھتے وقت جو تکبیر کہی تھی وہی کافی ہے، یہاں کے علما اس میں اختلاف کر رہے ہیں، بعض پہلی تکبیر کو کافی بتاتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ ایک انتقال میں تکبیر کا تعدد منقول نہیں، اس لیے دوسری تکبیر نہ کہے، دوسرے بعض کی دلیل یہ ہے کہ پہلی تکبیر سنت کے مطابق ادا نہیں ہوئی، سنت یہ ہے کہ اختتام انتقال کے ساتھ تکبیر ختم ہو، اس لیے دوسری تکبیر کہے، امید کہ آپ فیصلہ تحریر فرما کر تشفی فرمائیں گے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

بندہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ قعود طویل موجب سجدۂ سہو کی صورت میں چونکہ یہ قعود شمار کیا گیا ہے، اس لیے یہ انتقال اول وثانی میں فصل ہوگا اور دو انتقال مستقل ہو گئے، لہٰذا ہر انتقال کے لیے تکبیر مستقل ہوگی اور اگر جلسہ خفیفہ ہو جو موجب سجدۂ سہو نہیں تو یہ جلسہ غیر معتبر ہونے کی وجہ سے سجدہ سے قیام تک ایک ہی انتقال شمار ہوگا، لہٰذا تکبیر بھی ایک ہی ہوگی، جدید تکبیر کے لیے یہ دلیل معقول نہیں کہ پہلی تکبیر خلاف سنت ہے، اس لیے کہ جدید تکبیر بھی خلاف سنت ہوگی؛ کیوں کہ اس کی ابتداء سجدہ سے نہوض کی ابتدا سے نہیں ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹/ جمادی الآخرہ ۱۳۸۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۴۱-۴۲)

اگر بھول کر تیسری رکعت پر بیٹھ جائے اور فوراً لقمہ دیا جائے تو تکبیر کہہ کر کھڑا ہو:

سوال: کوئی امام بھول کر تیسری رکعت میں بیٹھ گیا، بعد میں مقتدی نے فوراً لقمہ دیا تو امام دوبارہ تکبیر کہہ کر کھڑا ہو، یا بلا تکبیر کھڑا ہو جائے؟

الجواب ــــــــــــــ

کوئی صریح روایت فقہیہ اس میں نظر سے نہیں گذری؛ لیکن حدیث میں ہے:

"كان رسول الله صلى الله عليه و سلم يكبر عند كل خفض و رفع". (۱)

اور شرح منیہ وغیرہ میں اس تکبیر کی یہ صورت لکھی ہے کہ حرکت انتقال کے ساتھ شروع ہو اور ختم حرکت پر ختم ہو۔

حيث قال: بأن يكون ابتداء التكبير عند ابتداء الخرور و انتهائه عند انتهائه. (کبیری: ۳۱۲)(۲)

(۱) سنن الترمذی، باب ماجاء في التكبير عند الركوع (ح: ۲۵۳)/ مسند البزار، عبدالرحمن بن الأسود عن علقمة عن عبدالله (ح: ۱۶۰۹)/ سنن النسائي، باب التكبير عند الرفع من السجود (ح: ۱۱۴۲)/ مسند أبي يعلىٰ الموصلي، مسند عبدالله بن مسعود (ح: ۵۱۲۸) انیس

(۲) كذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/ ۲۰۲. انیس

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرکت انتقال سے پہلے تکبیر ختم کر چکا ہوتو کھڑے ہونے کے وقت دوبارہ تکبیر کہنا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (امداد المفتین:۲/۴-۲۷۴-۲۷۵)

مقتدی پر تکبیر کیوں ہے:

سوال: مقتدی پر قرأت نہیں ہے، تو تکبیر کیوں پڑھتے ہیں؟ (مستفتی: محمد عمر مالیگاؤں ۲۶/رمضان ۱۴۲۳ھ)

الجواب

اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسا ہی ثابت ہے، نیز قرآن میں قرأت کے وقت سننے کا حکم ہے اور خاموش رہنے کا۔ ﴿وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَاَنْصِتُوْا﴾(۱) لیکن تکبیر کہنے سے نہیں روکا گیا ہے اور حدیث میں ہے:

''وإذا كبر الإمام فكبروا''. (الحديث)(۲) والله أعلم وعمله أتم

مفتی محمد شاکر خان قاسمی پونہ۔ (فتاویٰ شاکر خان:۱/۱۱۲-۱۱۳)

رکوع میں تطبیق کی روایت:

سوال: مولوی ثناء اللہ اپنی کتاب ''اہل حدیث کا مذہب'' کے صفحہ:۵۳، میں لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رکوع کے وقت چونکہ تطبیق (۳) کرتے تھے، دونوں ہاتھوں کو زانوں پر نہ رکھتے تھے، چنانچہ صحیح مسلم میں ان کا یہی مذہب ثابت ہے۔ لہٰذا یہ سنت صحیح ہے یا لغو؟

الجواب

یہ قصہ تطبیق فی الرکوع کا صحیح ہے، اس کی تاویل علمانے یہ فرمائی ہے کہ ممکن ہے کہ اس کا نسخ ان کو معلوم نہ ہوا ہو، یا ان کا مذہب تخییر کا ہو، والتفصيل في الكتب. (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۶۹-۱۷۰)

(۱) سورة الأعراف:٢٠٤، انيس

(۲) عن أبي موسىٰ الأشعري قال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبنا فبين لنا سنتنا وعلمنا صلاتنا فقال: وإذا كبر الإمام فكبروا وإذا قال: ﴿غير المغضوب عليهم والضالين﴾ فقولوا: آمين، يجبكم الله. (الصحيح لابن خزيمة، باب ذكر إجابة الرب المؤمن عند فراغ قراءة الفاتحة الكتاب (ح:١٥٨٤) انيس)

(۳) قال الجوهري: التطبيق في الصلاة: جعل اليدين بين الفخذين في الركوع. (النظم المستعذب في تفسير غريب ألفاظ المهذب، ومن باب صفة الصلاة: ١/٨٠، المكتبة التجارية مكة المكرمة. انيس)

(۴) عن أبي عبدالرحمٰن السلمي قال: قال لنا عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه: إن الركب سنت لكم فخذوا بالركب، إلخ، والعمل علىٰ هذا عند أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم والتابعين ومن بعدهم لا خلاف بينهم إلا ماروى عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه وبعض أصحابه أنهم كانوا يطبقون، والتطبيق منسوخ عند أهل العلم، قال سعد بن أبي وقاص رضي الله تعالىٰ عنه: كنا نفعل ذلك فنهينا عنه و أمرنا أن نضع الأكف على الركب. (سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء في وضع اليدين على الركبتين في الركوع: ١/٣٥، ظفير)((ح::٢٥٨-٢٥٩) انيس)

حالت رکوع میں الصاق کعبین:

سوال: ''اِلصاق کعبین'' رکوع کی حالت میں مسنون ہے یانہیں اور'' درمختار، باب السنن'' میں جو روایت اور بحث اس کے متعلق ہے وہ روایت قابل عمل ہے یانہیں؟

الجواب

اس پر عمل کرنا درست ہے، کیونکہ علامہ شامی کو کلام صرف اس میں ہے کہ یہ سنت ہے یانہیں؟ باقی جواز، بلکہ استحباب میں کچھ شبہ معلوم نہیں ہوتا اور چونکہ سنت ہونا اس کا ثابت نہیں ہے،اس لئے اگر کوئی ''اِلصاق کعبین'' نہ کرے تواس پر کچھ ملامت نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۰۰-۲۰۱)

رکوع میں ٹخنوں کا ملانا سنت ہے یانہیں:

سوال: رکوع میں دونوں ٹخنوں کا ملانا سنت ہے یانہیں،اگرکوئی شخص اس پر عامل ہوتواس کومنع کرنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب

أقول وباللّٰہ التوفیق:

شامی میں ہے:

''ویکرہ القیام علٰی أحد القدمین فی الصلاۃ بلاعذر،وینبغی أن یکون بینھمامقدارأربع أصابع الید؛لأنہ أقرب إلی الخشوع، ھٰکذا روی عن أبی نصرالدبوسی أنہ کان یفعلہ،کذا فی الکبریٰ،وماروی أنھم ألصقوا الکعاب بالکعاب أرید بہ الجماعۃ:أی قام کل واحد بجانب الآخر،کذا فی فتاویٰ سمرقند،إلخ.(المجلد الأول :۲۹۹)(۲)

اس روایت سے یہ امر معلوم ہوا کہ حالت قیام میں ہر دوقدم کے درمیان میں چار انگشت کا فاصلہ ہونا چاہئے اور یہ کہ ''اِلصاق کعاب بالکعاب'' کے معنی محاذات کے ہیں جوکہ احادیث ''**سوّوا صفوفکم وتراصّوا وسدّدوا الخلل**'' (۳) وغیرہ سے مستفاد ہے۔پس جب کہ حالت قیام میں چار انگشت کا فاصلہ قدمین میں رکھنا چاہئے تو رکوع

(۱) ویسن أن یلصق کعبیہ وینصب ساقیہ (ویبسط ظھرہ)ویسوی ظھرہ بعجزہ. (الدرالمختارعلٰی ھامش رد المحتار،باب صفۃ الصلاۃ:۱/۴۴۴،۴۶۱)(فروع قرأ بالفارسیۃ أوالتوراۃ والإنجیل،انیس)

اس جواب میں حالت رکوع میں الصاق کعبین کومستحب فرمایا ہےاورآ خرمیں ''فرائض کے بعدسر پر ہاتھ رکھ کردعا'' کے جواب میں ضمنی طور پراسی قسم کا جواب ہے،مگر یہاں اس کے بعدوالے جواب میں مفصل فتویٰ اس کے خلاف آ رہا ہےاوروہی تحقیقی جواب ہے،اس لئے اس جواب کواورآ خروالے ضمنی جواب کومرجوع عنہ سمجھنا چاہئے۔ظفیر الدین مفتاحی مرحوم

(۲) رد المحتار،باب صفۃ الصلوٰۃ،بحث القیام: ۱/۴۴۴،انیس

(۳) ان جملوں کے لئے دیکھئے!مشکوٰۃ،باب تسویۃ الصفوف.ظفیر(عن أنس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ==

میں بھی اسی حالت پر رہنا چاہئے۔ بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ اصل سنت الصاق، محاذات وتسویہ صف سے حاصل ہوجاتی ہے اور تجربہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رکوع اور سجود میں الصاق کعبین حقیقتاً متعذر رہے، یا بہت تکلف اور دقت سے ہوتا ہے، ایڑیوں کو تو ملایا جاسکتا ہے، مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ ایڑیوں کے ملانے سے کعبین نہیں ملتے، البتہ محاذات کعبین پوری طرح اس میں حاصل ہوجاتی ہے اور یہی مقصود شارع علیہ السلام معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے اور اس کی زیادہ تحقیق اور تفصیل مع نقل عبارات مولانا میرک شاہ مدرس مدرسہ ہٰذا نے دوسرے پرچہ پر لکھی ہے، اس کو ملاحظہ کیا جائے۔ فقط　　(دیگر از مولانا میرک شاہ صاحب، مدرس دار العلوم)

الجواب

أقول وبالله التوفيق:

یہ مسئلہ الصاق کعبین کا؛ اگرچہ متاخرین حنفیہ کی کتب میں ہے؛ لیکن ائمہ مذہب اور متقدمین حنفیہ کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ متقدمین کی کتب معتبرہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ اس مسئلہ کو سب سے پہلے زاہدی نے مجتبیٰ میں ذکر کیا ہے، پھر اس سے قہستانی نے جامع الرموز اور شرح کیدانی میں اور حلبی نے شرح منیہ میں اور ابن نجیم نے بحر اور تمرتاشی (تلمیذ صاحب بحر) نے نہج القضا میں نقل کیا ہے اور چونکہ کسی قسم کی تردید بھی نقل نہیں ہے، اس وجہ سے اس کو معمول بہ سمجھا گیا، چنانچہ صاحب بحر وصاحب درمختار نے صیغۂ جزم سے اسے نقل کیا ہے۔ ادھر سے بعض فقہا کے کلام سے اور توارث وتعامل سے معلوم ہوتا ہے کہ تفریج ہی سنت ہونا چاہئے۔ چنانچہ سعایہ میں مذکور ہے:

"ورأيت كلاماً للشيخ محمد حيات السندى يقضى إثبات سنية التفريج ونفى سنية الإلصاق، آه. (سعاية)(۱)

ان حالات کو دیکھ کر فقہاءِ متاخرین کی عبارت یا مؤول ہوگی یا مرجوع۔

== قال: سووا صفوفكم فإن تسوية الصفوف من إقامة الصلاة. (الصحيح للبخارى، باب إقامة الصفوف من تمام الصلاة (ح: ۷۲۳) / قال: سووا صفوفكم فإن تسوية الصفوف من تمام الصلاة. (الصحيح لمسلم، باب تسوية الصفوف (ح: ۴۳۳) / وقال: رصوا صفوفكم وقاربوا بينها وحاذوا بالأعناق فوالذى نفسى بيده إنى لأرى الشيطان يدخل من خلل الصف كأنها الحذف. (سنن أبى داؤد، باب تسوية الصفوف (ح: ۶۶۷) / وقال: أقيموا صفوفكم وتراصوا. (الصحيح للبخارى، باب إقبال الإمام على الناس (ح: ۷۱۹) وكذا فى مسند أبى داؤد الطيالسى، يزيدبن أبان عن أنس (ح: ۲۲۲۲) / وعن أبى هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: وسطوا الإمام وسدوا الخلل. (سنن أبى داؤد، باب مقام الإمام من الصف (ح: ۶۸۱) انيس)

(۱) السعاية فى كشف مافى شرح الوقاية،

طوالع الانوار شرح درمختار میں شیخ محمد عابدؒ نے اس کی تاویل کرتے ہوئے الصاق کعبین سے محاذات کعبین مراد لی ہے اور اس میں علامہ رحمتی کے قول سے استیناس بھی کرلیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"قوله: وإلصاق كعبيه أى حالة الركوع،قال الشيخ رحمتي: مع بقاء تفريج مابين القدمين، قلت: لعله أراد من الإلصاق المحاذاة وذلک بأن يحاذى كل من كعبيه لاٰخر فلايتقدم أحدهما على الاٰخر". (طوالع الأنوار)(۱)

یہ تو متاخرین کے اس قول کی تاویل کی صورت ہے جو طوالع الانوار شرح درمختار میں مذکور ہے اور جن فقہا نے اس کی تاویل کا ارادہ نہیں کیا ہے، وہ اس کو قول مرجوح اور زاہدی کے اوہام میں درج کرتے ہیں۔

كما فى السعاية نقلاً عن تعليق الشيخ أبى الحسن السندى على الدرالمختار،هٰذه السنة إنما ذكرهامن المتأخرين تبعاً للمجتبٰى وليس لها ذكرفى الكتب المتقدمة ولم يرد فى السنة علٰى ما وقفناعليه وكان بعض مشائخنا يرىٰ أنه من أوهام صاحب المجتبٰى وكأنهم توهموامما روى أن الصحابةرضى اللّٰه تعالٰى عنه كانوايهتمون بسد الخلل فى الصفوف حتٰى يضمون الكعاب والمناكب ولايخفى أن المراد هٰهنا إلصاق كل كعب بكعب صاحبه لاكعبه مع الكعب الاٰخر، آهـ. (سعاية)(۲)

خلاصہ یہ کہ دونوں ٹخنوں کو رکوع میں بالکل ملا دینا، جیسے کہ مجتبیٰ اور اس کے اتباع کی کتب میں واقع ہوا ہے، اپنے ظاہر مفہوم پر محمول نہیں اور اگر ظاہر مفہوم پر ہی محمول ہو تو صاحب مجتبیٰ کے اوہام میں سے ہوگا؛ لیکن سعایہ میں شق اول کو اختیار کیا ہے اور رکوع میں الزاق کعب بکعب کی سنیت کی نفی کو دلائل عدیدہ سے ثابت کیا ہے۔ **فليراجع فقط**

کتبہ میرک شاہ۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۰۲-۲۰۴) ☆

---

(۱) طوالع الأنوار شرح الدرالمختار

(۲) السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية

☆ رکوع میں الصاق رِجلین سنت ہے یا نہیں:

سوال: باسمه تعالٰى؛ أيها العلماء العاملون والفضلاء الكاملون ماتقولون فى إلصاق رِجل كعبيه فى الركوع والسجود؟ أيعدّ هومن سنن الصّلٰوة أم لا؟ وبأى حديث صحيح ثابت هو،و من القائل به من الأئمة المعتبرين،وكثيرمن علماءِ هٰذاالزمان ينكرون سنية ذلک ومنهم صاحب السعاية وغيره.بينو ابالتحقيق وتوجروا على اليقين ونحن نريد أن نطبع فتويٰكم.

الجواب

لم نجد حديثًا صريحًا فى سنية هذا الإلصاق فى الركوع والسجود ولم يذكره من فقهائنا إلا صاحب الدر وشارح المنية ومن تبعهما وهم قليل ولم يتعرض له القدورى ولاصاحب الكنز ==

رکوع میں الصاق کعبین:

سوال: ''إلصاق الکعبین فی الرکوع والسجود سنة أم لا''؟

شامی کی روایت پر اکتفا کر کے عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں کسی نے اس قسم کا سوال کیا، اس کے جواب میں مفتی صاحب نے کہا:

''شامی کی روایت پر عمل کرنا درست ہے، ہاں! اگر کوئی شخص نہ مانے تو اس پر ملامت نہیں کی جائے گی''؛(۱) لیکن مفتی صاحب کے عمل اور عدم عمل کی جانب میں سے کسی کو ترجیح نہ دینے کی وجہ سے اس مسئلہ نے معرکۃ الاراء صورت اختیار کرلی۔

اب سوال یہ ہے کہ اس مدت میں آپ کی تحقیق میں کوئی نئی بات آئی ہے یا نہیں؟ سعایہ میں ہے کہ إلصاق الکعبین فی الرکوع والسجود مناسب ہے،(۲) کیا شامی معتبر کتابوں میں سے نہیں ہے؟ صاحب سعایہ کا کیا مطلب ہے؟ نیز کتب فقہیہ میں سعایہ کا درجہ کیا ہے؟ (مولانا عبدالحق صاحب، دارالعلوم بانسکنڈی، کچھاڑ، آسام)

== والوقاية وغيرهم من أصحاب المتون المعتبرة الناقلين لظاهر الرواية وفي ترجيح الراجح لشيخنا وقال العلامة عبدالحيي اللكهنوي في السعاية: إن قد وة القائلين بسنية الإلصاق من الحنفية هو الزاهدي وهو وإن كان إمامًا جليلاً في الفقة لكنه مشهور بنقل الروايات الضعيفة، صرح به ابن عابدين في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية. وفي الفوائد البهية: أنه كان معتزلي العقائد حنفي الفروع. (النور، ص: ١٦، متعلق شعبان ١٣٤٢ھ)

وكلام الطحاوي في معاني الأثار يفيد أن الإلصاق ليس مشروعاً في شيء من الأعضاء في الركوع ولا في السجود (للرجال) بل المشروع عكسه أي التجافي بينهما. قال الطحاوي في بحث التطبيق ثم التمسنا حكم ذلك من طريق النظر كيف هو فرأينا التطبيق فيه التقاء اليدين ورأينا وضع اليدين على الركبتين فيه تفريقهما فأردنا أن ننظر في حكم إشكال ذلك في الصلاة كيف هو فرأينا السنة جاء ت عن النبي صلى الله عليه وسلم بالتجافي في الركوع والسجود وأجمع المسلمون علىٰ ذلك فكان ذلك من تفريق الأعضاء وكمن قال في الصلوٰة أمر أن يراوح بين قدميه وقد روى ذلك عن ابن مسعود رضي اللّٰه تعالىٰ عنه وهو الذي روى التطبيق، فلما رأينا تفريق الأعضاء في هذا بعضها من بعض أولىٰ من الإلصاق بعضها ببعض واختلفوا في إلصاقها وتفريقها في الركوع كان النظر علىٰ ذلك أن يكون ما اختلفوا فيه ذلك معطوفًا علىٰ ما جمعوا عليه منه فيكون كما كان التفريق فيما ذكرنا أفضل يكون في سائر الأعضاء كذلك. آه. (١٣٥/١-١٣٦)

وبعد ذلك فلا حاجة إلىٰ إقامة الدليل علىٰ سنية هذا الإلصاق إذا ثبت ضعف نقله في المذهب ونص الطحاوي علىٰ سنية التجافي بين الأعضاء في الركوع والسجود جميعًا. واللّٰه تعالىٰ أعلم (امداد الاحکام: ۹۱/۲-۹۲)

(۱) فتاوی دارالعلوم دیوبند، کتاب الصلوۃ، الباب الرابع فی صفۃ الصلاۃ، فصل ثالث سنن وکیفیت نماز: ۲۰۰/۲، امدادیہ، ملتان

(۲) السعاية في كشف ما في شرح الوقاية: ١٨٠/٢-١٨١، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، سہیل اکیڈمی لاہور

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

اس سے پہلے بھی اس مسئلہ پر آپ کے اطراف میں بہت بحث ہو چکی ہے، اہل علم حضرات نے زور قلم صرف کیا ہے، احقر کے خیال میں یہ اتنا اہم نہیں کہ اس طرح اس پر مناظرہ ومجادلہ کیا جائے۔

الصاق کعبین کی دونوں تفسیریں کی گئی ہیں: محاذاۃ، والزاق، (۱) اول تو قیام، رکوع وسجود سب ہی جگہ ہے، ثانی کو بعض نے رکوع کی سنت قرار دیا ہے، بعض نے سجود میں بھی مانا ہے اور قیام میں چار انگل کا فصل مسنون ہے جو کہ معنی ثانی کے منافی ہے:

"وتفريج القدمين فی القيام قدر أربع أصابع آهـ". (نور الإيضاح) (۲)

"ويسن أن يلصق كعبيه وينصب ساقيه آهـ". (الدر المختار) (۳)

"قال السيد أبو السعود: وكذا فی السجود أيضاً. وسبق فی السنن أيضاً، آهـ والذی سبق هو قوله: وإلصاق كعبيه فی السجود سنة". (الدر المختار)

"ولا يخفى أن هذا سبق نظر، فإن شارحنا لم يذكر لا فی الدر المختار ولا فی الدر المنتقىٰ، ولم أره لغيره أيضًا. فافهم

نعم ربما يفهم ذلک من أنه إذا كان السنة فی الركوع إلصاق الكعبين ولم يذكروا تفريجهما بعده، فالأصل بقاء هما ملصقين فی حالة السجود أيضاً تأمل، آهـ". (رد المحتار) (۴)

سعایہ میں اس کا التزام نہیں کہ قول راجح ہی کو نقل کیا جائے، اس کا بھی اہتمام نہیں کہ اقوال مختلفہ کو نقل کر کے قول راجح کو ترجیح دی جائے، اس لئے کہ وہ فتوے کی کتاب نہیں۔ شرح وقایہ کی شرح شروع کی تھی، مگر اس میں بسط بہت کیا گیا، قدر قلیل کی شرح ہو سکی، تمام نہیں ہوئی، یہ بھی ممکن ہے کہ نظر چوک گئی ہو۔

صاحب سعایہ میں بعض جگہ شان اجتہاد بھی معلوم ہوتی ہے، حتی کہ فقہ کے متون مسلمہ کے خلاف بھی اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر لکھ جاتے ہیں، چنانچہ ان کا ایک رسالہ ہے، جس میں جماعۃ النسا کے لئے ثبوت فراہم کیا ہے، جو کہ مسلک امام

---

(۱) والقول الفيصل أن يقال: إن كان المراد بإلصاق الكعبين أن يلزم المصلی أحد كعبيه بالأخر ولا يفرج بينهما كما هو ظاهر عبارات الدر المختار والنهر وغيرهما، وسبق إليه فهم المفتی أبی سعود أيضاً، فليس هو من السنن على الأصح... وإن كان المراد به محاذاة أحدى الكعبين بالأخر كما أبد العلامة السندی، فهو أمر حق ولا بعد فی حمل الإلصاق على المحاذة، فإنه جاء استعماله فی القرب، آهـ. (السعاية فی كشف ما فی شرح الوقاية: كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱۲۱/۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) نور الإيضاح مع شرحه مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، فصل فی بيان سننها، ص: ۲۶۲، قديمی

(۳-۴) الدر المختار، كتاب الصلاة، فصل فی بيان تأليف الصلوة إلى انتهائها: ۴۹۳/۱، سعيد

اعظم کے خلاف ہے،(۱) نصاب زکوۃ صدقۃ الفطر کے متعلق بھی ان کی رائے دیگر اکابر کے خلاف ہے، جس کی تغلیط کی گئی ہے،(۲) اسی طرح صدقۃ الفطر کے متعلق حضرت کی رائے ہے،(۳) حواشی لامع الدراری وغیرہ شروح حدیث میں کسی قول کا نقل کرنا فتوے کے لئے نہیں ہوتا، کبھی غرابت کے لئے بھی نقل کیا جاتا ہے اور بھی وجوہ نقل ہوئی ہیں۔ اسلم طریقہ احقر کے خیال میں وہ ہے، جو حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ نے اختیار فرمایا ہے۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۲۶/۵-۶۲۸) ☆

(۱) رسالة مستقبلة، مسماة "تحفة النبلاء فى جماعة النساء" من مجموعة رسائل اللكنوى ج:٥، إرادة القرآن

(۲) إعلم أن الوزن المعروف فى بلادنا ماهجة وتولجة هو الذى يقال له: توله إثناعشرة ماهجة، وهو الذى يقال له: ماشة و الماهجة يكون ثمانية أجزاء، كل جزء منها يسمى بالفارسية سرخ، ويقال بالهندية: رتى، ونسميه بالأحمر، وهٰذا الجزء يكون بقدر أربع شعيرات، فيكون المثقال الذى هو مائة شعيرة خمسة وعشرين جزء الأحمر، وهو ثلث ماهجة و أحمر واحد، فيكون نصاب الذهب وهو عشرون مثقالاً مقدار خمس تولجة واثنتين ونصف ماهجة كما يعلم من ضرب ثلاث ماهجة، وأحمر فى عشرين، هٰذا فى الذهب. وأما الفضة فقد عرفت أن نصابه مائتا درهم، وكل درهم أربعة عشر قيراطاً يعنى سبعين شعيرةً، فتحصل فى درهم سبعة عشر ونصف أحمر وهو ماهجتان وواحد ونصف من ذلك الأحمر، فيكون مقدار مائتى درهم ستاً وثلثين تولجة ونصف ماهجة". (۲۲۹/۱، سعيد)

(۳) "(قوله: بثمانية أرطال من الحنطة، اهـ) الرطل عشرون أستارًا، والأستار كما سيذكره الشارح أربعة مثاقيل ونصف مثقال، والمثقال درهم وثلثة أسباع درهم، والدرهم أربعة عشر قيراطاً، والقيراط خمس شعيرات، فيكون الدرهم سبعين شعيرًا، ويكون المثقال مائة شعير أى عشرين قيراطاً، ويكون الأستار ستة دراهم وثلثة أسباع درهم: أى أربع مائة وخمسين شعيرًا، ويكون الرطل تسعين مثقالاً: أى مائة وثمانية وعشرين درهم ونصف درهم ونصف سبع درهم. ويكون المن وهو رطلان مائة وثمانين مثقالاً: أى مائتين وسبعة وخمسين درهماً وسبع درهم ويكون الصاع سبعمائة وعشرين مثقالاً أى: ألفاوثمانية وعشرين درهماً ونصف درهم ونصف سبع درهم، هٰذا علٰى مااختاره الشارح وذكر صاحب مجمع البحرين فى شرحه أن الصاع أربعة أمناء والمن رطلان والرطل عشرون أستارًا والأستارستة دراهم ونصف درهم والدرهم أربعة عشر قيراطًا والقيراط خمس شعيرات، فيكون الصاع بوزن الرطل ثمانية أرطال، وبوزن الأستارمائة و ستين أستارًا، وبوزن الدراهم ألفًاوأربعين درهماً. وهذا هو الذى اختاره فى الدرالمختار وغيره". (عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية، كتاب الزكٰوة، باب صدقة الفطر: ۲۳۹/۱، سعيد)

☆ **رکوع میں الصاق کعبین:**

سوال: صورت الصاق کعبین (بوقت رکوع) وحکمش چیست؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیًا

"(وسننها)... (تكبير الركوع والرفع منه) بحيث يستوى قائماً (والتسبيح فيه ثلا ثاً) وإلصاق كعبيه، آهـ". (الدرالمختار) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، سنن الصلاة: ۱۷۰/۲، دارالكتب العلمية، بيروت، انيس) ==

ایضاً:

سوال: الصاق کعبین حالت رکوع میں سنت ہے یا نہیں؟ مع دلائل تحریر فرمائیں؟ سعایہ،ص:۱۸۰، میں عدم سنت کی دلیل نقل کی گئی ہے،(۱) اس کے رد میں اگر دلائل ہوں تو تحریر فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصليًا

حالت رکوع میں الصاق کعبین کا مسئلہ فقہ کے متون متقدمہ میں موجود نہیں ہے،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظاہر الروایہ کا مسئلہ نہیں،اس لئے کہ جو متون ظاہر الروایۃ سے لئے گئے ہیں، وہ بھی اس سے خالی ہیں،بعض شروح میں البتہ اس کو سنت رکوع قرار دیا گیا ہے،ظاہر ہے کہ یہاں الصاق حقیقی مراد نہیں، بلکہ حکمی مراد ہے، جیسے:"**مررت بزيد:أى بمكان يقرب منه زيد**" غالبًا اس لئے لفظ "**يضم**" نہیں فرمایا گیا ہے، جیسے حالت سجود میں انگلیوں کے متعلق کہا گیا ہے "**ويضمها كل الضم**"۔ نیز اگر الصاق کعبین حقیقۃً کو سنت کہا جائے تو تمام قدم کا قدم سے الصاق ہونا چاہئے

==　**قال الطحطاوى:"(قوله:إلصاق كعبيه)حالة الركوع،هٰذا إن تيسرله وإلا فكيف يتيسرله على الظاهر،آهـ". (ص:٢١٣)(حاشية الطحطاوى على الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٢١٣/١، دارالمعرفة،بيروت)**

"قلت:لعله أراد من الإلصادق المحاذاة،وذلك بأن يحاذى كل من كعبيه الآخر،فلايتقدم أحدهماعلى الأخر.وظاهرلفظ الشارح يقتضى اللصوق ونفى التفريج،ولذا قال السيد أحمد هٰذا:أى إلصاق كعبيه إن تيسرله". (السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية،كتاب الصلاة،تتمة من السنن التى تسن فى الركوع:١٨٠/٢،سهيل اكيڈمى لاهور)

از یں عبارت واضح شد کہ اگر آسان شود بحالت رکوع الصاق کعبین مسنون است ،ولیکن بعض محققین انکار سنتیش نمودہ اند۔(**"قلت:لقد دارت هذا المسئلة فى سنة أربع وثمانين بعد الألف والمأتين بين علماء عصرنا،فأجاب أكثرهم بأن الصاق الكعبين فى الركوع والسجود ليس بمسنون ولا أثرله فى الكتب المعتبرة،والقول الفيصل أن يقال:إن كان المراد بإلصاق الكعبين أن يلزم المصلى أحد كعبيه بالأخرولايفرج بينهماكما هوظاهرعبارت الدرالمختاروالنهروغيرهما،وسبق إليه فهم المفتى أبى سعود أيضاً،فليس هومن السنن على الأصح...وإن كان المراد به محاذاة أحد الكعبين بالأخركما أبد العلامة السندى،فهوأمرحق و لا بعد فى حمل الإلصاق على المحاذة،فإنه جاء استعماله فى القرب". (السعاية فى كشف ما فى شرح الوقاية: ١٨٠/٢ـ١٨١،كتاب الصلاة،تتمة من السنن التى تسن فى الركوع،سهيل اكيڈمى)** فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔۱۳/۳/۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ،صحیح:عبد اللطیف۔۶/ربیع الاول ۱۳۵۶ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۶۲۵/۵)

(۱)　**السعاية،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة:١٨٠/٢ـ١٨١،سهيل اكيڈمى،لاهور**

اور دوسرے کے مائل جنوب، حالانکہ فقہا انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنے کی تاکید فرماتے ہیں حتی کہ حالت سجود اور حالت قعود میں بھی تاکید ہے اگر چہ اس میں دشواری ہوتی ہے، اگر قبلہ رخ کیا گیا الصاق کے ساتھ ہی تو محض کعبین کا الصاق نہیں ہوگا، بلکہ قدمین کا الصاق ہوگا، پھر الصاق کعبین سے تعبیر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ نیز رکوع میں نماز کا نصف اول بحکم قیام رکھتا ہے اور حالت قیام میں قدمین کے درمیان اربع اصابع کا فاصلہ کتب فقہ میں مذکور ہے اور الصاق کعبین اس کے منافی ہے، کیونکہ اس قیام میں قدمین کا لفظ کعبین پر بھی مشتمل ہے۔ بعض روایات حدیث میں الصاق کعبین کا تذکرہ ہے تو وہ درحقیقت تسویۂ صفوف کے لئے ہے اور تائید میں ''حاذوا المناکب'' اور ''سووا'' وغیرہ الفاظ مذکورہ ہیں، (۱) یعنی صفیں سیدھی رکھنے کی تدبیر یہ ہے کہ کعبین محاذی رہیں اور ایک کا منکب دوسرے کے منکب سے مل جائے۔ کتب فقہ: فتح القدیر، بدائع، البحر، زیلعی، طحاوی، شامی، عالمگیری، خانیہ وغیرہ اور شروح احادیث بذل المجہود، منہل، معالم السنن وغیرہ سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ (۲) **واللّٰہ تعالیٰ أعلم بحقیقة الحال وإلیه الرجوع فی المبدأ والمآل.**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ یکم شعبان ۱۳۸۷/ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۶۲۹-۶۳۰) ☆

(۱) وعن أبی أمامة قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ''إن اللّٰہ وملا ئکته یصلون علی الصف الأول ... وقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: ''سووا صفوفکم، وحاذوا بین مناکبکم ولینوا فی أیدی إخوانکم وسدوا الخلل إلخ''. (مشکوٰة المصابیح، کتاب الصلاة، باب تسویة الصف، الفصل الثالث: ۱/۹۸، قدیمی، (ح: ۱۱۰۱)/ سنن ابن ماجة، باب فضل الصف المتقدم (ح: ۹۹۷)/ سنن أبی داؤد، باب تسویة الصفوف (ح: ٦٦٦) انیس)

(۲) ''وینبغی للقوم إذا قاموا إلی الصلاة أن یتراصوا ویسدوا الخلل ویسووا بین مناکبهم فی الصفوف''. (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الإمامة والحدث فی الصلاة: ۱/۳۵۰، دار الکتب العلمیة، بیروت)

☆ رکوع وسجدہ میں الصاق کعبین:

سوال: الصاق کعبین در رکوع وسجود سنت است یا چہ۔ آیا الصاق قدمین خود مراد است یا الصاق کعب بکعب غیر مراد است؟ (خلاصۂ سوال: رکوع وسجدے میں دونوں ٹخنوں کو ملانا سنت ہے یا کیا ہے۔ اور کیا خاص دونوں قدموں کو ملانا مراد ہے یا ٹخنے کا دوسرے کے ٹخنے سے ملانا مراد ہے؟ انیس)

الجواب

فی الدر المختار: ویسن أن یلصق کعبیه، قال فی الشامی: قال السید أبو السعود: وکذا فی السجود أیضاً، إلخ. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بعد الفصل: ۱/٤٦١، ظفیر)

پس ظاہر این است کہ کعبین خود را باہم ملصق کند وممکن است کہ مراد محاذات کعبین باشد واز ارجاع ضمیر در کعبیہ بسوی مصلی احتمال ثالث ساقط شد یعنی ضم کعب خود بکعب غیر مراد نخواہد شد۔ فقط (خلاصۂ جواب: درمختار میں ہے کہ ''سنت یہ ہے کہ نمازی رکوع میں اپنے دونوں ٹخنوں کو ملالے''۔ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ ''سید ابو سعودؒ نے فرمایا ہے کہ ''اسی طرح سجدے میں بھی ملالے''۔ ==

رکوع اور سجدہ میں الصاقِ کعبین کی بحث:

الصاقِ کعبین رکوع وسجود میں جیسا درمختار میں ہے، کسی کتاب حدیث سے اس کا نشان معلوم نہیں ہوتا اور چونکہ اس کی سنیت حیز خفا میں ہے، لہٰذا متروک ہے۔ بعض پہلے علما کو بھی اس میں تکرار ہوا ہے، بخاری(۱) کا الصاق کعاب باہم مقتدیوں کا مراد ہے،(۲) اور اس سے محاذات مقصود ہے اور اتصال وتراص صفوف اور یہاں وہ بظاہر مراد نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اگر سجود(۳) میں إلصاق كعبين کیا جاوے تو توجه أصابعِ رجلين إلى القبلة نہیں ہوسکتا، مگر ہاں! جس کا سارا پنجہ پاؤں کا مساوی اور سب انگشت پا برابر مساوی ہوویں، تو مضائقہ نہیں اور ایسا پا[ؤں] تو کہیں شاذ ونادر ہوتا ہے، تو اب حقیقی معنی الصاق میں توجه أصابع إلى القبلة فوت ہوتی ہے، تو بظاہر یہ مراد نہیں، اگر محاذات(۴) پر حمل کیا جاوے تو رکوع وسجود کی خصوصیت کیا ہے، یہ قیام کی سنت ہونی چاہئے، مگر یہ معنی مراد نہیں ہو سکتے؛ کیوں کہ شامی سجدہ کی بحث میں کہتا ہے:

قدمنا أنه ربما يفهم منه أن السجود كذلك ،إذ لم يذكروا تفريجها بعد الركوع فالأصل بقاؤهما هنا كذلك،إلخ.(۵)

== پس ظاہر یہ ہے کہ اپنے دونوں ٹخنوں کو باہم ملائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مراد دونوں ٹخنوں کی محاذات ہو، اور لفظ ''کعبیہ'' میں ضمیر کو نمازی کی طرف لوٹانے سے تیسرا احتمال ساقط ہوگیا، یعنی اپنا ٹخنا دوسرے کے ٹخنے سے ملانا مراد نہیں ہوگا۔فقط۔انیس)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۴۶/۳-۳۴۷)

(۱) قال النعمان بن بشير، رأيت الرجل منا يلزق كعبه بكعب صاحبه. صحيح البخاري :۱/ ۱۰۰،كتاب الصلاة،باب الزاقِ المنكب.[مرادآباد:۱۴۱۵ھ-نیز ج: ۱ رقم الحديث: ۷۲۵ [الرياض الحديثة، ۱۴۰۴ ھ]

(۲) یہ سوال مقدر کا جواب ہے، بخاری شریف میں ٹخنے ملانے کا تذکرہ ہے(صحيح الخاری، كتاب الصلاة، باب الزاق المنكب) حضرت نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس سے مقتدیوں کا ٹخنے ملانا بھی صفیں سیدھی کرنے کے لئے تھا، یعنی نماز شروع کرنے سے پہلے باہم ٹخنے ملا کر محاذات کرلیں، پھر ڈھنگ سے کھڑے ہو کر نماز شروع کریں اور اگر صفیں سیدھی کرنے کا کوئی اور ذریعہ ہو، مثلاً صف کی لکیر بنی ہوئی ہو یا صف بچھی ہوئی ہو، تو اس کے ذریعہ بھی صف سیدھی کی جاسکتی ہے، اس وقت ٹخنے ملا کر صف سیدھی کرنے کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی میں کچا فرش تھا، کوئی نشان نہیں تھا، اس لئے صحابہ ٹخنے ملا کر صف سیدھی کیا کرتے تھے، غیر مقلدین نے اس کو حالت قیام میں کھڑے ہونے کا طریقہ سمجھ لیا ہے، جو صحیح نہیں ہے۔(پالن پوری)

(۳) یہ ایک دوسرے سوال مقدر کا جواب ہے، کہ اگر درمختار کے قول سے سجدہ میں ٹخنوں کو ملانا مراد لیا جائے تو کیا حرج، شاذ ونادر ہی کسی کے پاؤں کا پنجہ مساوی ہوتا ہے اور سب انگلیاں برابر ہوتی ہے اور حقیقی الصاق کی صورت میں عام لوگوں کی پیروں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ نہیں ہوں گی، اس لئے بظاہر یہ بھی مراد نہیں۔(پالن پوری)

(۴) یہ ایک اور سوال مقدر کا جواب ہے کہ بخاری میں ٹخنے ملانے کا جو مقصد محاذات ہے، درمختار کی روایت میں وہ کیوں نہ مراد لیا جائے؟ جواب یہ ہے کہ پھر رکوع وسجود کی خصوصیت کیا ہوگی، بلکہ یہ قیام کی سنت ہوگی مگر یہ معنی مراد نہیں لے سکتے، کیونکہ شامی نے صراحت کی ہے کہ سجدے رکوع کی طرح ہیں، پس اگر رکوع میں ٹخنے ملائے گئے، تو وہ سجدوں میں بھی ملے رہیں گے۔(پالن پوری)

(۵) شامی(نسخہ ہندیہ)ص:۳۳۹،ج:۱۔باب اطالة الركوع للجائي(مطبع مجتبائی دہلی:۱۲۸۷ھ) ==

ترجمہ: اس سے پہلے ہم کہہ چکے ہیں، کبھی کبھی اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ سجدے بھی اس طرح ہیں، کیوں کہ ان دونوں کو رکوع کے بعد، کھولنے کا ذکر نہیں، تو اصل ان کا یہاں اس طرح باقی رہنا ہے۔

سو تفریج (۱) کے مخالف الصاق مراد رکھتے ہیں اور وہ معنیٰ حقیقی کے مراد ہونے پر دال ہے اور اس الصاق کی کہیں سند نہیں ملی، پہلے بھی تحقیق کیا تھا۔ فقط

(مکتوبات بنام مولانا خلیل احمدؒ مکتوب نمبر ۳۴) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۷۱-۱۷۲) ☆

== نیز شامی (رد المحتار) ص: ۵۰۴، ج: ۱- باب اطالة الرکوع. (مطبوعہ دار الفکر بیروت: ۱۳۹۹ھ) [نور]

(۱) یہ بحث کا خلاصہ ہے کہ جو لوگ الصاق کعبین کے قائل ہیں اور تفریج (کشادہ رکھنے) کے مخالف ہیں، وہ الصاق کے حقیقی معنی مراد لیتے ہیں، صرف محاذات مراد نہیں لیتے اور الصاق حقیقی کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ طحاوی باب التطبیق فی الرکوع میں تفریق کے افضل ہونے کی صراحت ہے۔ (پالن پوری)

☆ رکوع میں ٹخنے ملانا:

سوال: درمختار میں ہے کہ رکوع میں مردوں کو ٹخنے ملالینا مسنون ہے، شامی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، مگر زید اس کو تسلیم نہیں کرتا، اس بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرما کر مطمئن فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــ باسم ملهم الصّواب

جب بندہ کی نظر سے درمختار کا یہ جزئیہ گزرا، اسی وقت قلب نے اس کو قبول نہیں کیا، اس لیے کہ یہ کلیات ذیل کے خلاف ہے:

(۱) مردوں کے لیے رکوع وسجود میں تجافی۔

(۲) پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ رخ رہنا، الصاق کعبین سے انگلیاں قبلہ رخ نہیں رہ سکتیں۔

(۳) نماز میں بلا ضرورت حرکت نہ کرنا۔

مندرجہ بالا کلیات احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں اور بالاتفاق مسلم ہیں، امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ رکوع میں قول تطبیق پر یوں رد فرماتے ہیں:

فرأينا السنّة جاء ت عن النبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم بالتجافي في الركوع والسجود وأجمع المسلمون علىٰ ذلك فكان ذٰلک من تفريق الأعضاء. (شرح معاني الآثار: ۱/۱۱۳)

کلیات مذکورہ کے خلاف ہونے کے علاوہ الصاق کعبین کی نہ کسی حدیث سے تائید ہوتی ہے اور نہ ہی ائمہ مذہب سے اس کا کوئی ثبوت ہے، اور نہ جمہور فقہا نے اس کو ذکر فرمایا ہے، اس لیے بندہ شروع ہی سے قولاً وعملاً اس کے خلاف رہا ہے، مگر اپنے اس نظریہ کی تائید میں اکابر میں سے کسی کی تحریر کی جستجو رہی، چنانچہ بحمداللہ تعالیٰ امداد الفتاویٰ میں بحوالہ سعایہ اس کی تائید مل گئی، سعایہ کی مراجعت سے ثابت ہوا کہ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کے مطابق اس مسئلہ پر بھی کافی مدلل ومفصل بحث فرمائی ہے، جو باختصار درج ذیل ہے:

"ومنها إلصاق الكعبين ذكره جمع من المتأخرين وجمهور الفقهاء لم يذكروه ولا أثر له في الكتب المعتبرة كالهداية وشروحها النّهاية والعناية والبناية والكفاية وفتح القدير وغيرها والكنز وشرحه للعيني وشرح النقاية لإلياس زاده والبرجندي والشمني وفتاوى قاضيخان والبزازية وغيرها ==

== وإمام الدين أوردكما ذكره الزاهدى حيث قال فى المجتبٰى برمزبط يسن فى الركوع إلصاق الكعبين واستقبال الأصابع القبلة ونقله عنه القهستانى فى جامع الرموزوفى شرح الخلاصة الكيدانية والحلبى فى الغنية وابن نجيم فى البحروتلميذه التمرتاشى فى منح الغفاروأقروه وذكره صاحب النهروصاحب الدرالمختارعلٰى سبيل الجزم لكن لم يبين واحد منهم المراد من إلصاق الكعبين وقال خيرالمتأخرين شيخ مشايخنا محمد عابد السندى المدنى فى طوالع الأنوارشرح الدرالمختار:(قوله وإلصاق كعبيه)أى حالة الركوع،قال الشيخ الرحمتى مع بقاء تفريج ما بين القدمين،قلت:لعلّه أراد من الإلصاق المحاذاة وذلک بأن يحاذى كل من كعبيه لاُخرفلايتقدم أحدهما على الاُخروظاهرلفظ الشارح يقتضى اللصوق و نفى التفريح ولذا قال السيّد أحمد هٰذا أى إلصاق كعبيه إن تيسّرله ورأيت كلاماً للشيخ محمّد حيات السّندى يقتضى إثبات سنية التفريج ونفى سنية الإلصاق انتهٰى كلامه،وقال أيضاً فى موضع اٰخرمن الطوالع يسنّ فى حال الركوع كما فى المجتبى وزاد أبو السعود فى السجود أيضاً أن يلصق كعبيه قال الشيخ أبوالحسن السندى فى تعليقه على الدرالمختارهٰذه السنّة إنما ذكرها من ذكرها من المتأخرين تبعًا للمجتبى وليس لها ذكرفى الكتب المتقدمة ولم يرد فى السّنة علٰى ماوقفنا عليه وكان بعض مشايخنا يرى أنه من أوهام صاحب المجتبى وكأنهم توهموا ممّا ورد أنّ الصحابة كانوا يهتمون بسدّ الخلل فى الصفوف حتٰى يضمون الكعاب و المناكب ولا يخفى أنّ المراد هٰهنا الصاق كل كعب كعب صاحبه لا كعبه من الكعب الاُخر، انتهٰى كلام الشيخ.

قلت:لقد دارت هٰذه المسئلة فى سنة أربع وثمانين فى الركوع والسجود ليس بمسنون ولا أثرله فى الكتب المعتبرة والقول الفيصل أن يقال إن كان المراد بالصاق الكعبين أن يلزق المصلّى إحدى كعبيه بالاُخر ولا يفرج بينهما كما هوظاهرعبارة الدّرالمختاروانهروغيرهما و سبق إليه فهم المفتى أبى السعود أيضاً فليس هومن السنن على الأصح كيف وقد ذكر المحققون من الفقهاء أنّ الأولى للمصلّى أن يجعل بين قدميه نحوأربعة أصابع ولم يذكروا أنه يلزقهما فى حالة الركوع أوالسجود وقال العينى فى البناية نقلاً عن الواقعات ينبغى أن يكون بين قدمى المصلّى قدرأربع أصابع اليد لأنّه أقرب إلى الخشوع والمراد من قوله عليه الصلاة والسّلام الصقوا الكعاب بالكعاب اجتماعهما،انتهٰى،فهٰذا صريح فى أنّ المسنون هوالتفريج مطلقًا والا لقيده بحالة القيام وأنّ المراد بالصاق الكعب بالكعب الوارد فى الخبرخير الزادقهما ويؤيده ما أخرجه أبوداؤد وصححه ابن خزيمة وذكره البخارى تعليقًا عن النعمان بن بشيرقال رأيت الرجل منا يلزم كعبيه بكعب صاحبه وفى رد المحتارنقلاً عن فتاوٰى سمرقند ينبغى أن يكون بين القدمين مقدارأربع أصابع وماروى أنهم الصقواالكعاب أريدبه الجماعة انهتٰى،وإن كان المراد به محاذاة إحدى الكعبين بالاُخركما أبدع العلاّمة السندى فهوأمرحق ولا بعد فى حمل الالصاق على المحاذاة فإنّه جاء استعماله فى القرب ويؤيّد عدم سنية الزاق الكعبين بالمنعى الأوّل أى ترک التفريج بينهما أنه يلزم فيه تحريک إحدى الكعبين إلى الأخرٰى وتحريک عضوفى الصلوٰة من غير ضرورة ليس بجائزعندهم حتٰى إن منهم من لم يجوزرفع اليدين عند الركوع لهٰذه العلّة والظاهرإن حمل كلامهم على المعنى الثانى أولٰى من جمله على المعنى الأوّل علٰى أنّه من أوهام صاحب المجتبى فاحفظ هذاالتحقيق فإنّه من النفائس المختصة بهٰذاالكتاب وقل من تبّه عليه من العلماء إلامن شاء اللّٰه أن يتنبّه.(السعاية: ۱۸۲/۲) ==

بیٹھ کر نماز پڑھی جائے تو رکوع کس طرح کیا جائے:

سوال: اگر نشستہ نماز می خواند بحالت رکوع برداشتن سرین ضروراست یا نہ؟(۱)

الجواب

ضروری نیست۔(۲)

قال فی رد المحتار: ولو کان یصلی قاعدًا ینبغی أن یحاذی جبهته قدام رکبتیه لیحصل الرکوع، آہ.

قلت: ولعله محمول علٰی تمام الرکوع وإلاّ فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس مع انحناء الظهر، إلخ. (شامی)(۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۱/۲-۱۵۲)

== امدادالفتاویٰ کے سوال مذکور میں سائل نے یہ بھی لکھا ہے:

ونسبت زاہدی درنافع کبیر وفوائد بہیمیہ نوشتہ اند:

وإن کان إماماً جلیلاً فی الفقه لکنّه متساهل فی نقل الروایات وأیضًاهو معتزلی الاعتقاد وحنفی الفروع قال صاحب ردالمحتار فی تنقیح الفتاوی الحامدیة فی کتاب الإجارة الحاوی الزاهدی مشهور بنقل الروایات الضعیفة، ولهٰذا قال ابن وهبان وغیره أنه لاعبرة بما یقوله الزاهدی مخالفا لغیره. (امدادالفتاویٰ: ۱۴۹/۱)

مگر سعایہ کی تحقیق کے مطابق زاہدی کے تخطئہ کی بہ نسبت ان کے قول کی تاویل بہت رہے، مجتبیٰ میں الصاق الکعبین کے ساتھ استقبال الاصابع القبلہ کا ذکر بین دلیل ہے کہ الصاق میں محاذاۃ اس لیے کہ الصاق بمعنی ضم کی صورت میں پاؤں کی انگلیاں مستقبل قبلہ نہیں ہوسکتیں۔

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کعبین میں محاذاۃ تو حالت قیام میں بھی مسنون ہے، پھر اس کو بالخصوص رکوع میں کیوں بیان فرمایا؟

اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہے، ایک یہ کہ دراصل اس پر تنبیہ مقصود ہے کہ قدمین کی جو کیفیت حالت قیام مسنون ہے رکوع میں بھی وہی کیفیت سنت ہے، رکوع اور قیام میں کوئی فرق نہیں، دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حالت رکوع میں پاؤں پر نظر پڑتی ہے، اس لیے اس سنت کی تعمیل میں اگر کوئی نقص ہو تو رکوع میں اس کی اصلاح کا موقع ہے۔

ان توجیہات کی اس لیے بھی ضرورت ہے کہ استقبال الاصابع القبلہ کو رکوع میں بیان کرنے پر بعینہ یہی اشکال وارد ہوتا ہے، جو توجیہ اس کی کی جائے گی وہی کعبین میں محاذاۃ کی بھی کرلی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶/رمضان ۱۳۹۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳۷/۳-۴۰)

(۱) خلاصۂ سوال: بیٹھ کر نماز پڑھنے پر رکوع کی حالت میں سرین اٹھانا ضروری ہے یا نہیں؟ انیس

(۲) ضروری نہیں ہے۔ انیس

(۳) رد المحتار، باب صفة الصلاة، بحث الرکوع والسجود: ٤١٦/١، ظفیر

بیٹھ کر نماز پڑھنے میں رکوع کس طرح کیا جائے:

سوال: اگر بیٹھ کر نماز پڑھے تو رکوع کرنے کی کیا حد ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

وقال الشامی:"ولو کان یصلی قاعدًا ینبغی أن یحاذی جبهته قدام رکبتیه لیحصل الرکوع آه .قلت:ولعله محمول علٰی تمام الرکوع وإلافقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس أی مع انحناء الظهر". (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے میں کمال رکوع یہ ہے کہ پیشانی رکبتین کے مقابل ہو جاوے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۷۴) ☆

رکوع وسجدہ کتنا طویل ہو:

سوال: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رکوع وسجدہ دیر تک کرنا ثابت ہے؟ کیا آج کل امام صاحب اس کا اتباع کر سکتے ہیں یا صرف منفرد کو جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیًا

اگر مقتدیوں میں تحمل نہ ہو تو امام کو تین یا پانچ بار تسبیح پر قناعت کرنا چاہئے۔(۲) **فقط واللّٰہ تعالٰی أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔۲۵/۳/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵/۶۰۹)

---

(۱) رد المحتار،باب صفة الصلاة،بحث الرکوع والسجود: ۱/۴۱٦،ظفیر

☆ **بیٹھ کر نماز پڑھنے کی حالت میں ہیئت رکوع کیا ہو:**

سوال: بیٹھ کر نماز پڑھنے سے رکوع کی حالت میں سرین کو ایڑی سے اوپر اٹھانا چاہئے یا نہیں یا سر کو خوب جھکا دینا کافی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ

سر کو خوب جھکا دینا کافی ہے اور کمال رکوع کا ایسی حالت میں یعنی بیٹھے ہوئے نماز پڑھنے میں یہ ہے کہ رکوع میں پیشانی گھٹنوں کے مقابل ہو جاوے، لیکن اگر تھوڑا سا بھی سر کو جھکا دیوے گا کمر کی انحنا کے ساتھ تو یہ بھی کافی ہے۔

شامی میں برجندی سے منقول ہے:

"ولو کان یصلی قاعدًا ینبغی أن یحاذی جبهته قدام رکبتیه لیحصل الرکوع اهـ.قلت:ولعله محمول علٰی تمام الرکوع وإلا فقد علمت حصوله بأصل طأطأة الرأس أی مع انحناء الظهر. (رد المحتار،باب صفة الصلاة،بحث الرکوع والسجود : ۱/۴۱٦،ظفیر) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۹۸)

(۲) **فالأدنٰی فیهما ثلاث مرات،والأوسط خمس مرات،والأکمل سبع مرات،کذا فی الزاد.وإن کان إماماً لایزید علی وجه یمل القوم،کذا فی الهدایة". (الفتاوٰی الهندیة،کتاب الصلاة،الباب الرابع فی صفة الصلاة،الفصل الثالث فی سنن الصلوة،وآدابها وکیفیتها: ۱/۷۵،رشیدیه)**

تسبیحات رکوع وسجود کی تعداد:

سوال: نماز میں تسبیحات رکوع وسجود، دس مرتبہ اور تین مرتبہ سے زیادہ کہنے سے نماز مکروہ ہوتی ہے یا مستحسن؟ قومہ میں ''ربنا لک الحمد'' کہنا'' سمع اللّٰہ لمن حمدہ'' کے بعد مستحسن ہے یا نہیں؟ جلسہ میں ''رب اغفرلی وارحمنی وعافنی واھدنی وارزقنی'' کہنا مستحسن ہے یا نہیں؟

الجواب

تین مرتبہ تسبیح رکوع وسجود سے سنت تسبیح ادا ہوجاتی ہے اور فرائض میں تخفیف کا حکم ہے، اس لئے برعایت مقتدیان زیادہ طویل نہ کرنی چاہئے، جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو تطویل قرأت کرنے سے '' اَفَتَّــــانٌ اَنْـــــتَ'' (۱) فرمایا؛ حالانکہ قرأت افضل اجزائے صلوٰۃ ہے؛ لیکن تین سے زیادہ ہونے کو حنفیہ مکروہ نہیں فرماتے، (۲) اور ''سمع اللّٰہ لمن حمدہ'' کے بعد ''ربنا لک الحمد'' کہنا بھی مستحب ہے۔ (۳)

(۱) مشکوۃ،باب القراء ۃ فی الصلاۃ،فصل أول: ۷۹،عن البخاری ومسلم (ح: ۸۳۳)/الصحیح للبخاری،باب من شکا إمامه إذا طول (ح:۷۰۵)/الصحیح لمسلم،باب باب القراء ۃ فی الصلاۃ (ح:٤٦٥)انیس)

(۲) ویقول فی رکوعه''سبحان ربی العظیم''ثلا ثاً وذلک أدناه،فلوترک التسبیح أصلاً أوأتی به مرۃً واحدۃً یجوزویکره (الهندیة،مصری: ۱/۷۹)ویقول فی سجوده''سبحان ربی الأعلیٰ''ثلا ثاًوذلک أدناه،کذا فی المحیط،ویستحب أن یزید علی الثلاث فی الرکوع والسجود بعد أن یختم بالوتر،کذا فی الهدایة،فالأدنیٰ فیها ثلاث مرات والأوسط خمس مرات والأکمل سبع مرات،کذا فی الزاد،وإن کان إماماً لایزید علیٰ وجه یمل القوم،کذا فی الهدایة .(الفتاویٰ الهندیة،مصری،الباب الرابع فی صفة الصلاۃ،فصل ثالث،فی سنن الصلاۃ: ۱/۷۰)ظفیر مفتاحی)

عن أبی بکرۃ أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یسبح فی رکوعه (سبحان ربی العظیم)وفی سجوده (سبحان رب الأعلیٰ).رواه البزار والطبرانی وإسناده صحیح.(آثارالسنن: ۱/۱۱٤)إعلاء السنن،باب وجوب الاعتدال وسنیة الذکر فی الرکوع والسجود وسنة الذکرفیهما:۳/۱٤ (ح: ۷٥۰)انیس)

(۳) إن کان إماماً یقول''سمع اللّٰه لمن حمده''بالإجماع وإن کان مقتدیاً یأتی بالتحمید ولایأتی بالتسمیع بلاخلاف،وإن کان منفرداً الأصح أنه یأتی بهما،کذا فی المحیط،وعلیه الاعتماد،کذا فی التتارخانیة وهوالأصح هٰکذا فی الهدایة،ثم فی الروایة التی تجمع یأتی بالتسمیع حال الارتفاع وإذا استویٰ قائماً قال''ربنا لک الحمد،کذا فی الزاهدی وهوالصحیح کذا فی القنیة.(الفتاویٰ الهندیة،مصری،الباب الرابع فی صفة الصلاۃ،فصل ثالث،فی سنن الصلاۃ: ۱/۷۰،ظفیر)

أبوهریرۃ یقول: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إذا قامم إلی الصلاۃ یکبر حین یقوم ثم یکبرحین یرکع ثم یقول: سمع اللّٰه لمن حمده حین یرفع صلبه من الرکعة ثم یقول وهوقائم ربنالک الحمد .(الصحیح للبخاری،باب التکبیر إذا قام من السجود (ح:۷۸۹)/الصحیح لمسلم،باب إثبات التکبیر فی کل خفض ورفع فی الصلاۃ (ح:۳۹۲)انیس)

اسی طرح جلسہ میں " رب اغفر لی، إلخ" کہنا جائز ومستحسن ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ یہ ادعیہ واذکار نوافل میں پڑھے اور فرائض میں تخفیف رکھے۔(۱)

جیسا کہ امر "فليخفف" (الحديث)(۲) اس کو مقتضی ہے، وإذا أراد الله بعبد خيرًا يفقّهه في الدين. (۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۱۵۶-۱۵۸)

رکوع وسجدہ میں تسبیحات کی مقدار:

سوال: ہمارے امام صاحب نماز میں بڑا لمبا سجدہ کرتے ہیں، " سبحان ربي الأعلىٰ" تین بار پڑھنا ہے، یا سات بار یا اس سے بھی زیادہ؟ (ذاکر شریف، گلبرگہ)

الجواب

رکوع اور سجدہ کی تسبیحات کم سے کم تین بار کہنی چاہئے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

(۱) ويقول في ركوعه سبحان ربي العظيم ثلاثاً وذلك أدناه فلو ترك التسبيح أصلاً لا أتى به مرةً واحدةً يجوز ويكره. (الهندية، مصري: ۷۹/۱)

ويقول في سجوده سبحان ربي الأعلىٰ ثلاثاً وذلك أدناه، كذا في المحيط ويستحب أن يزيد على الثلاث في الركوع والسجود بعد أن يختم بالوتر، كذا في الهداية، فالأدنىٰ فيهما ثلاث مرات والأوسط خمس مرات وإلا كمل سبع مرات، كذا في الزاد، وإن كان إماماً لا يزيد علىٰ وجه يمل القوم، كذا في الهداية. (الفتاویٰ الهندية، مصري، الباب الرابع في صفة الصلاة، فصل ثالث: ۷۰/۱ (ظفير مفتاحي)

والسنة فيه أن يرفع رأسه حتىٰ يستوي جالساً وليس في هٰذا الجلوس ذكر مسنون عندنا، هٰكذا في الجوهرة النيرة. (الفتاویٰ الهندية: ۷۰/۱، ظفير)

عن عائشة قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم يقول في ركوعه وسجوده: سبحانك اللّٰهم ربنا ولك الحمد اللّٰهم اغفرلي. (الصحيح للبخاري، باب الدعاء في الركوع (ح: ۷۹٤)

وكذا لا يأتي في ركوعه وسجوده بغير التسبيح على المذهب وما ورد محمول على النفل. (الدرالمختار على صدر ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۵۰۵/۱-۵۰٦، دارالفكر. انيس)

(۲) وہ حدیث یہ ہے: "عن أبي هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا صلىٰ أحدكم للناس فليخفف، فإن فيهم السقيم والضعيف والكبير وإذا صلىٰ أحدكم لنفسه فليطول ماشاء" متفق عليه. (مشكوٰة، باب ما على الإمام: ۱۰۱، ظفير غفرله) الفصل الأول (ح: ۱۱۳۱)/صحيح البخاري، باب إذا صلى لنفسه فليطول ماشاء (ح: ۷۰۳)/صحيح لمسلم، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة (ح: ٤٦۷) انيس)

(۳) دیکھئے: مشكوٰة، كتاب العلم، فصل أول: ۳۲، (ح: ۲۲۰) الفاظ مشکوٰۃ والی حدیث میں یہ ہیں: من يرد اللّٰه به خيرًا يفقّه في الدين. ظفير)/صحيح البخاري، باب من يرد اللّٰه به خيرا يفقه في الدين (ح: ۷۱)/مسلم (ح: ۱۰۳۷) انيس)

''جب تم میں سے کوئی شخص رکوع کرے اور رکوع میں تین بار ''**سبحان ربی العظیم**'' اسی طرح سجدہ میں تین بار ''**سبحان ربی الأعلیٰ**'' کہے تو اس نے رکوع وسجدہ مکمل کرلیا، لیکن فرمایا کہ یہ تسبیحات کی کم سے کم مقدار ہے''۔(۱)

اس لئے فقہا نے لکھا ہے:

''کم سے کم رکوع اور سجدہ میں تسبیح کی مقدار تین دفعہ ہے، اوسط درجہ پانچ ہے اور سب سے کامل درجہ سات دفعہ تسبیح پڑھنے کا ہے''۔(۲)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام ہوتے تو عام معمول تین بار تسبیح پر اکتفا کرنے کا تھا، چنانچہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں تین بار اور سجدہ میں تین بار پڑھا کرتے تھے''۔(۳)

البتہ تہجد کی نماز میں تسبیحات کی مقدار زیادہ ہوا کرتی تھیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع اور سجدہ بہت طویل ہوتا، اور رکوع اور سجدہ کی مقدار بھی قریب قریب قیام ہی کی ہوتی تھی۔(۴)

امام کو چاہئے کہ اتنی تسبیحات پڑھے کہ مقتدیوں کو اکتاہٹ نہ ہو۔

''**وإن كان إمامًا لايزيد علٰی وجه يمل القوم**''.(۵)

---

(۱)　**الجامع للترمذی، رقم الحديث: ۲۶۱، باب ماجاء في التسبيح في الركوع والسجود.**

یہ مرفوع حدیث ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں اور الفاظ حدیث یہ ہیں:

''عن ابن مسعود: أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ''إذا ركع أحدكم فقال في ركوعه ''سبحان ربي العظيم'' ثلاث مرات، فقد تم ركوعه، وذلک أدناه، وإذا سجد فقال في سجوده ''سبحان ربي الأعلیٰ'' ثلاث مرات، فقد تم سجوده، وذلک أدناه '' (الجامع للترمذی (ح: ۲۶۱) باب ماجاء في التسبيح في الركوع والسجود، محشی)

(۲)　الفتاویٰ الهندية: ۷۵/۱، الباب الرابع فی صفة الصلاة

(۳)　مجمع الزوائد: ۱۲۸/۲، (عن أبی بكرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسبح فی ركوعه ''سبحان ربی العظيم'' ثلاثا'' وفی سجوده سبحان ربی الأعلیٰ'' ثلاثاً. (مجمع الزوائدومنبع الفوائد، باب مايقول فی ركوعه وسجوده (ح: ۲۷۷۷) والحديث رواه البزار، بقية حديث أبی بكرة (ح: ۳۶۸۶)) انيس)

(۴)　الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ۱۷۹۹، باب صلاة النبي ودعاءه بالليل. محشی

(عن حذيفة قال: صليت مع النبی صلى الله عليه وسلم ذات ليلة فافتتح البقرة فقلت: يركع عندالمائة ثم مضى فقلت: يصلی بها فی ركعة فمضى فقلت: يركع بها ثم افتتح النساء فقرأها ثم افتتح آل عمران فقرأها يرقأ مترسلا إذا مر بآية فيها تسبيح سبح وإذا ر بسؤال سأل وإذا مر بتعوذ تعوذ ثم ركع فجعل يقول: سبحان ربی العظيم، فكان ركوعه نحوا من قيامه ثم قال: سمع الله لمن حمده ثم قام طويلا قريبا مما ركع ثم سجد فقال: سبحان ربی الأعلیٰ، فكان سجوده قريبا من قيامه. (الصحيح لمسلم، باب استحباب تطويل القراءة فی صلاة الليل (ح: ۷۷۲) انيس)

()　الفتاوی الهندية: ۷۵/۱۔

اس لئے بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ امام کو پانچ دفعہ تسبیحات پڑھنی چاہئے، تاکہ تیز پڑھنے والوں کو زیادہ انتظار کرنا نہ پڑے، اورآہستہ پڑھنے والوں کی تین تسبیحات پوری ہوجائیں:

"ینبغی للإمام أن یقول خمسًا لیتمکن القوم من الثلاث". (۱) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۷۶-۱۷۷)

نمازوں میں رکوع سجود کی تسبیحات زور سے پڑھے یا آہستہ:

سوال: بعض آمیوں کی عادت ہے کہ فرض، سنت، وغیرہ نمازوں میں ثناء، اور رکوع وسجود کی تسبیحات اور تکبیرات انتقالات اور تشہد، درود شریف، اور نماز کے بعد دعا اور وظیفہ وغیرہ زور سے پڑھتے ہیں کہ قریب نماز پڑھنے والے کو حرج ہوتا ہے اور نماز میں غلطی ہوتی ہے، خشوع اور خضوع فوت ہوتا ہے، تو اس قدر زور سے پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب

فرض وغیرہ میں ثنا اور رکوع وسجود کی تسبیحات وغیرہ یا تلاوت قرآن مجید، ذکر واوراد اور وغیرہ، وظیفہ وغیرہ اس قدر زور سے پڑھنا کہ دوسروں کی توجہ بٹے، نماز پڑھنے والوں کو خلجان ہو، وہ بھول جائیں، یا ان کے خشوع وخضوع میں، یا اعتکاف کرنے والوں کی یکسوئی میں فرق آئے، یا سونے والوں کی نیند میں خلل پڑے، (اس طرح پڑھنا) درست نہیں۔ گناہ کا موجب ہے۔ لہٰذا ایسی عادت چھوڑ دینی چاہیے۔

وفی حاشیة الحموی عن الإمام الشعرانی: أجمع العلماء سلفاً وخلفاء علیٰ استحباب ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الاأن یشوش جهرهم علیٰ نائم أومصلی أو قاری،إلخ. (ردالمحتار: ۶۱۸/۱)

وقد ذکر الشیخ عبدالوهاب الشعرانی فی کتابه المسمی "بیان ذاکر للمذکور والشاکر للمشکور" مانصه: وأجمع العلماء سلفاً وخلفاً علیٰ استحباب ذکر اللّٰه تعالیٰ جماعة فی المسجد وغیرها من غیر نکیر الاأن یشوش جهرهم بالذکر علیٰ نائم أومصلی أوقاری، کماهو مقرر فی کتب الفقه. (الأشباه والنظائر مع شرح الحموی: ۵۶۰) **فقط واللّٰه أعلم بالصواب** (فتاویٰ رحیمیہ:۳/۲۳-۲۴) ☆

(۱) مجمع الأنهر: ۹۶/۱، فصل صفة الشروع فی الصلاة. انیس

☆ **رکوع اور سجدے کی تسبیح تین سے کم پڑھنا مکروہ ہے:**

سوال: رکوع یا سجدے میں تسبیح تین مرتبہ سے کم پڑھنے میں کوئی مضائقہ ہے یا نہیں؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

حامدًا ومصلیًا ومسلمًا: ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

(والتسبیح فیه ثلا ثًا) فلو ترکه أونقصه کره تنزیهًا. (الدر المختار: ۳۳۲/۱) (الدر المختار مع الرد، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۳۳۲/۱، نعمانیة، دیوبند، مطلب: فی التبلیغ خلف الإمام، انیس) **واللّٰه أعلم بالصواب**

کتبہ: حبیب اللہ القاسمی غفرلہ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم:۲/۳۴۹-۳۵۰) ==

تسبیحات رکوع وسجدہ میں 'بحمدہ' کا اضافہ درست ہے یا نہیں:

سوال: زید اپنے فرض ونفلوں میں رکوع کے اندر ''**سبحان ربی العظیم وبحمدہ**'' اور سجدہ میں ''**سبحان ربی الأعلیٰ وبحمدہ**'' پڑھتا ہے۔ خالد کہتا ہے ''**وبحمدہ**'' پڑھنا کسی کتاب حنفی میں نہیں ہے اور نہ فقہا نے لکھا ہے اور نہ حدیث سے ثابت ہے۔ آیا خالد حق پر ہے یا زید؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

احادیث میں تسبیح رکوع وسجود میں ایسا ہی وارد ہوا ہے جیسا کہ خالد کہتا ہے اور فقہا حنفیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔(۱) باقی اگر ''**بحمدہ**'' کی زیادتی کردی جاوے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے، یہ کچھ اختلاف کرنے کی بات نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۷-۱۶۸)

'تسبیحات رکوع' میں جو ''عظیم'' نہ کہہ سکے وہ ''کریم'' کہے یا نہیں:

سوال: جو شخص ''**سبحان ربی العظیم**'' کے الفاظ کوادا نہ کر سکے، بلکہ رکوع میں بجائے ''**سبحان ربی العظیم**'' کے ''**سبحان ربی العجیم**'' پڑھے اس کو بجائے ''**عظیم**'' کے ''**سبحان ربی الکریم**'' کی تعلیم دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

اس صورت میں بجائے'' **سبحان ربی العظیم**'' کے ''**سبحان ربی الکریم**'' کی تعلیم درست ہے، تاوقتیکہ وہ ''**عظیم**'' کا لفظ درست کریں۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۷۰-۱۷۱) ☆

== ☆ **امام کا رکوع وسجدہ کی تسبیح بلند آواز سے پڑھنے کا حکم:**

سوال: اگر کوئی حافظ اور مولوی ہوتے ہوئے سجدہ میں ''**سبحان ربی الأعلیٰ**'' اتنی آواز سے ہمیشہ پڑھے کہ سارے مقتدی سنتے ہوں، تو کیا وہ نماز ہوگی، یا جماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا ومصليًا

کسی بھی رکن میں کسی بھی جملہ کو اس طرح پڑھنا کہ دوسروں کی نماز میں خلل ہو، غیر پسندیدہ ہے، البتہ اگر گاہ بگاہ کبھی کبھار غیر اختیاری طور پر کوئی لفظ زور سے نکل جائے، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی، ۱/۴/۱۴۱۳ھ۔ (حبیب الفتاویٰ:۴/۸۴-۸۵)

(۱) (ويضع يديه)معتمدًابهما(علىٰ ركبتيه إلخ ويسبح فيه وأقله)(ثلثة). (الدرالمختار)السنة فى تسبيح الركوع"سبحان ربى العظيم". (رد المحتار،باب صفة الصلاة،قبيل مطلب فى إطالة الركوع للجائى: ۱/۴٦۲)

(۲) السنة فى تسبيح الركوع سبحان ربى العظيم إلا أن كان لايحسن الظاء فيدل به الكريم ==

تسبیح پڑھے نہ پڑھے تو کیا حرج ہے:

سوال: عامی لوگ نماز میں تسبیح رکوع ''سبحان ربی العظیم'' کو پڑھنہیں پڑھتے تو نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز ہو جاتی ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۷۵)

== لئلایجری علٰی لسانه العزیم تفسد به الصلاة،کذا فی شرح درر البحار،فلیحفظ.(ردالمحتار،باب صفة الصلاة ،قبیل مطلب فی إطالة الرکوع:۱/٤٦٢،ظفیر)

☆ رکوع میں ''سبحان ربی الکریم'' پڑھنا:

سوال: نماز کے اندر رکوع میں ''سبحان ربی العظیم'' کے بجائے ''سبحان ربی الکریم'' پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص ''العظیم'' کے بجائے ''أجیم'' پڑھتا ہو تو وہ دائرہ اسلام میں رہتا ہے یا نہیں؟ اور اس کا ایمان کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیًا

حدیث پاک میں ''سبحان ربی العظیم'' ہے، ''سبحان ربی الکریم'' پڑھنا حدیث شریف کے خلاف ہے۔(عن ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالٰی عنه أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم:''إذ رکع أحدکم،فقال فی رکوعه:سبحان ربی العظیم ثلاث مرات،فقد تم رکوعه،وذلک أدناه،إذا سجد فقال فی سجوده:سبحان ربی الأعلٰی ثلاث مرات، فقد تم سجوده،وذلک أدناه''.(سنن الترمذی،أبواب الصلاة،باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود: ۱/٦٠،سعید) ''[تنبیه]:السنة فی تسبیح الرکوع''سبحان ربی العظیم''.(ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل فی بیان تألیف الصلاة إلی إنتهائها: ۱/٤٩٤،سعید)

جو شخص ''عین'' و ''ظا'' ادا نہیں کرتا وہ ''أجیم'' پڑھتا ہوگا، اس طرح پڑھنا غلط ہے۔(''ومنها زلة القاری،فلو فی إعراب... ولو زاد کلمة أو نقص...أو بدله بآخر نحو...''انفجرت '' بدل: ''انفرجت ''، ''إیاب بدل:''أواب''،لم تفسد مالم یتغیر المعنی،إلاما یشق تمییزہ کا لضاد والظاء فأکثرهم لم یفسد ها''.(الدر المختار: ۱/٦٣٠-٦٣٣)وقال ابن عابدین رحمه اللّٰہ تعالٰی تحته:''إن الخطاء إما فی الإعراب...أوفی الحروف بوضع حرف مکان آخر''.(رد المحتار،کتاب الصلاة،باب مایفسد الصلاة ومایکرہ فیها،مسائل زلة القاری: ۱/٦٣٠،سعید)

لیکن اس سے کافر نہیں ہوتا؛ کیونکہ جو شخص ''ع'' و ''ظ'' ادا نہیں کر پاتا وہ مجبور ہے، اس کو صحیح ادا کرنے کی کوشش لازم ہے۔(''وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف،أولا یقدر علٰی إخراج الفاء إل ابتکرار '' .(الدر المختار)''فکل ذلک حکمه مامر من بذل الجهد دائماً، وإلافلا تصح الصلاة به''.(ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب الإمامة : ۱/٥٨٢،سعید)(مطلب فی الألثغ،انیس)

جب تک صحیح ادا نہ کر سکے اس کو ''سبحان ربی الکریم'' پڑھنا چاہئے۔(السنة فی التسبیح الرکوع سبحان ربی العظیم،إلاإن کا ن لایحسن الظاء فیبدل به الکریم؟لئلایجری علٰی لسانه العزیم،فتفسد به الصلاة''.(ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل فی بیان تألیف الصلاة: ۱/٤٩٤،سعید)فقط واللّٰہ أعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔۱۳۸۸/۹/۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔۱۳۸۸/۹/۶ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۵/۶۰۷-۶۰۸)

(۱) والتسبیح فیه ثلاثاً.(الدر المختار علٰی هامش رد المحتار،کتاب الصلاة،باب صفة الصلٰوة: ۱/٤٤٤،ظفیر)

رکوع میں امام عجلت کرے تو مقتدی کی نماز ہوگی یا نہیں:

سوال: امام رکوع وسجود میں ایسی جلدی کرتا ہے کہ مقتدی تین بار تسبیح نہیں پڑھ سکتے، مقتدیوں کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب ——————

امام کو ایسی جلدی رکوع وسجود میں نہ کرنا چاہئے کہ مقتدی تین بار تسبیح نہ پڑھ سکیں۔ لیکن اگر مقتدیوں کی تین تسبیح پوری نہ ہوئی تو نماز مقتدیوں کی صحیح اور کامل ہوئی اس میں کچھ نقصان نہیں آیا۔ (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۰۸/۲)

رکوع، سجدہ کی تسبیح کا موقع نہ ملے تو کیا کرے:

سوال: مقتدی نے رکوع وسجود میں تین تسبیح نہیں کہی کہ امام نے تکبیر کہہ دی، ایسی صورتوں میں شرکت ہوگی اور ایسی صورتوں میں امام کی متابعت ضروری ہے، یا تسبیح کی مقدار پوری کرے؟ حنفیہ کا اصح قول کیا ہے؟

الجواب —————— حامداً و مصلیًا

اگر امام اتنا تیز رفتا ہے کہ مقتدی تین دفعہ تسبیح رکوع پڑھے تو قومہ نہ پاسکے اور تسبیح سجدہ پڑھے تو دوسرے سجدہ میں پکڑنا مشکل ہوجائے تو ایک تسبیح پر قناعت کرلے اور امام کی متابعت کرتا رہے۔ (۲) **فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم**

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۱/۶/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۰۸/۵)

تسمیع وتحمید:

سوال: بہشتی زیور حصہ دوئم میں فرض فرض نماز پڑھنے کے طریقہ کے بیان میں لکھا ہوا ہے کہ "**سمع اللّٰہ لمن حمدہ**" کہتے ہوئے کھڑے ہوجاوے (۳) اور بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ منفرد دونوں پڑھے، یعنی "**سمع اللّٰہ لمن حمدہ**" اور "**ربنا لک الحمد**"۔

سواب دریافت طلب یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو پڑھنا چاہئے یا عورت کو صرف "**سمع اللّٰہ لمن حمدہ**" اور مرد کو دونوں یا صرف "**سمع اللّٰہ لمن حمدہ**" مرد کے لئے سنت ہے یا دونوں سنت ہیں؟ بعض کتابوں میں لکھا

(۱-۲) (ولو رفع الإمام رأسه) من الركوع والسجود (قبل أن يتم المأموم التسبيحات) الثلاث (وجب متابعته). (الدر المختار)

يسبح فيه ثلاثاً فإنه سنة على المعتمد المشهور في المذهب لافرض ولاواجب، كما مرّ فلايترك المتابعة الواجبة لأجلها. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٤٦٣/١، ظفير) (مطلب في إطالة الركوع للجائي، انيس)

(۳) بہشتی زیور، حصہ دوم، فرض نماز پڑھنے کے طریقہ کا بیان، ص: ۱۷، امدادیہ ملتان

ہوا ہے کہ رکوع سے کھڑے ہو کر منفرد "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہے اور کوئی شخص نہ معلوم ہونے کی وجہ سے صرف "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" پڑھ دیا بعد میں معلوم ہوا کہ دونوں پڑھنا چاہئے اس میں کوئی گناہ تو نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

مرد اور عورت دونوں کو جب کہ وہ منفرد ہوں "سمع اللّٰہ لمن حمدہ"، "ربنا لک الحمد" پورا پڑھنا چاہئے اگر مسئلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے کسی نے صرف "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کہا "ربنا لک الحمد" نہیں کہا تو اس کے ذمہ گناہ نہیں، نماز ہوگئی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۳/۱۳۵۵ھ۔ جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ۔

(فتاویٰ محمودیہ، ۵/ص:۶۰۹-۶۱۰)

امام کے لئے تحمید افضل ہے:

سوال: امام "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کے بعد "ربنا لک الحمد" بھی کہے یا کہ صرف مقتدی کہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملہم الصواب

امام کی تحمید سے متعلق دونوں قول ہیں، کہنا افضل ہے۔

قال فی شرح التنویر فی سنن الصلاۃ: والتسمیع للإمام والتحمید لغیرہ.

وقال ابن عابدین رحمہ اللّٰہ تعالیٰ: (قولہ لغیرہ) أی لمؤتم ومنفرد لکن سیأتی أن المعتمد أن المنفرد یجمع بین التسمیع والتحمید وکذا الإمام عندھما وھو روایۃ عن الإمام جزم بھا الشرنبلالی فی مقدمتہ. (ردالمحتار: ۱/۴۴۵) فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم

۳۰/ جمادی الآخرہ ۱۳۹۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۱۲)

"سمع اللّٰہ لمن حمدہ" کی جگہ "اللّٰہ أکبر" کہے:

سوال: زید نے عصر میں بھول کر "سمع اللّٰہ لمن حمدہ" نہیں کہا "اللّٰہ أکبر" کہہ کر سجدہ میں چلا گیا، سبھی مقتدیوں نے اقتدا کی، ایک نے اقتدا نہ کی اور سیدھا کھڑا ہونے کے بجائے رکوع سے سجدہ میں چلا گیا، اس کی نماز ہوئی یا نہیں، تمام مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟

---

(۱) وإن کان مقتدیاً یأتی بالتحمید ولا یأتی بالتسمیع بلاخلاف، وإن کان منفرداً الأصح أنہ یأتی بھما، کذا فی المحیط، وعلیہ الاعتماد، وکذا فی التاتارخانیہ، وھو الأصح، ھٰکذا فی الھدایۃ" (الفتاویٰ الھندیۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الرابع فی صفۃ الصلاۃ، الفصل الثالث فی سنن الصلاۃ: ۱/۷۴، رشیدیۃ)

ھو المصوب

سب کی نماز ہوگئی، (۱) البتہ جس مقتدی نے رکوع سے ہی سجدہ کیا ہے اس کی نماز ناقص ہوئی، وہ نماز دہرا لے۔

تحریر: محمد ظہور ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۹۳/۲)

رکوع سے اٹھتے وقت مقتدی ''ربنا لک الحمد'' کے ساتھ ''اللّٰھم'' کہے یا نہیں:

سوال: امام جب ''سمع اللّٰہ لمن حمدہ'' کہے تو مقتدی صرف ''ربنا لک الحمد'' کہے یا ''اللّٰھم'' بھی زیادہ کرے اور احسن کیا ہے؟

الجواب

امام جب ''سمع اللّٰہ لمن حمدہ'' کہے تو مقتدی صرف ''ربنا لک الحمد'' کہے اور اگر ''اللّٰھم'' بھی بڑھا دیوے تو بہتر ہے، حدیث شریف میں دونوں وارد ہیں اور بعض احادیث میں واو کی زیادتی بھی وارد ہے، یعنی ''اللّٰھم ربنا ولک الحمد''، پس جو لفظ کہہ لیوے کافی ہے اور سنت ادا ہو جاتی ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۶۲/۲-۱۶۳)

(۱) سئل یوسف بن محمد عمن رفع رأسه من الرکوع ولم یقل عند الرفع سمع اللّٰه لمن حمده، قال لا یأتی به بعدمااستوٰی قائماًوکذا کل ذکر یؤتٰی به فی حال الانتقال لا یؤتٰی به فی غیرمحله کالتکبیرالذی یؤتٰی به عندالانحطاط من القیام إلی الرکوع أومن الرکوع إلی السجود(الفتاوی الهندیة: ۷٤/۱)(کتاب الصلاة،الباب الرابع فی صفة الصلاة،الفصل الثالث فی سنن الصلاة،انیس)

(۲) (و)یکتفی (بالتحمید المؤتم)وأفضله"اللّٰهم ربناولک الحمد" ثم حذف الواوثم حذف اللّٰهم فقط.(الدرالمختارعلٰی هامش ردالمحتار،باب صفة الصلاة : ٤٦٤/۱ ،ظفیر)(فروع قرأبالفارسیة أوالتوراة أوالإنجیل،انیس)

☆ تحقیق جملہ ''رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ'':

سوال: رکوع سے اٹھ کر رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ پڑھا کرتا تھا، ایک معتبر عالم نے ایک مرتبہ بیان کیا کہ رکوع سے اٹھ کر ربنا ولک الحمد پڑھنے میں یہ یہ فضیلت ہے اور فرشتے بہت کچھ اس بندہ کے لیے کرتے ہیں، اس دن سے واو کا اضافہ کر دیا، لیکن دل میں کھٹکا ہے، اس لیے دریافت طلب یہ ہے کہ کون سی صورت اختیار کی جائے ربنا لک الحمد بہتر ہے یا ربنا ولک الحمدُ، براہ کرم اس کے متعلق مدد فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس کے چار طریقے ہیں: (۱) اللّٰھمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ (۲) اللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ (۳) رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ (۴) رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ. فضیلت میں اول سب سے زیادہ ہے، پھر دوم پھر سوم اور پھر چہارم۔

قال فی العلائیة: وأفضله اللّٰهمَّ ربناولک الحمد،ثم حذف الواو،ثم حذف اللّٰهم،فقط. ==

”ربنا لک الحمد “میں اضافہ:

سوال: ایک صاحب نے جماعت کی نماز میں امام صاحب کے ”سمع الله لمن حمده“ کہنے کے بعد اس طرح کہا: ”ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه“ کیا اس طرح تحمید کے کلمات کہے جا سکتے ہیں؟

(جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”ہم لوگ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیدگاہ میں نماز ادا کر رہے تھے، جب حضور صلی اللہ علیہ سلم نے رکوع سے سر اٹھایا تو فرمایا: ”سمع اللّٰه لمن حمده“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک شخص نے کہا: ”ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیباًمبارکاً فیه“ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا یہ کہنے والا کون ہے؟ انہوں نے کہا: میں ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا کہ اس کو لکھنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے کوشاں ہیں“۔(۱)

== وقال ابن عابدين: وبقي رابعة وهي حذفهما والأربعة في الأفضليّة على هٰذا الترتيب كما أفاده بالعطف بثم (رد المحتار: ۱/۴۶۴) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، انيس)

حدیث میں تیس سے زائد فرشتوں کا جن کلمات کو لے جانے میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے کا ذکر ہے، وہ کلمات یہ ہیں: ربنا ولک الحمد حمدًا کثیرًا طیّباً مبارکاً فیه. (رواه البخاري، رقم الحديث: ۷۹۹) مگر احناف کے قاعدہ کے مطابق اتنی طویل دعا فرائض میں نہیں پڑھنا چاہیے، صرف سنتوں اور نوافل میں پڑھی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰/ربیع الاول ۱۳۹۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۴۳/۳)

تحمید کے افضل کلمات:

سوال: تحمید کے افضل کلمات کون سے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حامدًا ومصليًا ومسلمًا: تحمید کے سب سے افضل کلمات یہ ہیں: ”اللّٰهم ربنا ولک الحمد“.

والأفضل اللّٰهم ربنا ولک الحمد ويليه اللّٰهم ربنا لک الحمد ويليه ربنا لک الحمد. (مراقي الفلاح: ۱۸۹) (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، فصل في كيفية تركيب أفعال الصلاة: ۱۸۹، مصري) كذا في شرح المنية الكبير: ۳۱۸، (غنية المستملي شرح منية المصلي، صفة الصلاة: ۳۱۸، سهيل اكيڈمی، لاهور) والدر المختار: ۱/۳۳٤) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة: ۱/۳۳٤، نعمانية، ديوبند) والله أعلم بالصواب

کتبہ: عبد اللہ غفرلہ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۳۳۰)

(۱) صحیح البخاری: ۱/۱۱۰، حدیث نمبر: ۷۹۹، باب فضل اللّٰهم ربنا لک الحمد۔ محشی

اس سے معلوم ہوا کہ اگر نماز میں اس طرح تحمید کے کلمات کہے جائیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ صحابہ کا جو عام معمول تھا، وہ یہی کہ جماعت کی نماز میں صرف ''**ربنا لک الحمد**'' کہنے پر اکتفا کرتے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت بھی یہی منقول ہے کہ جب امام ''**سمع اللّٰہ لمن حمدہ**'' کہے تو تم ''**ربنا لک الحمد**'' کہو۔(۱)

اس لئے احناف اور اکثر فقہا کی رائے یہی ہے کہ فرض نمازوں میں اتنے ہی پر اکتفا کرنا بہتر ہے، البتہ نفل نماز میں تحمید کے وہ کلمات کہے جس کا آپ نے سوال میں ذکر کیا ہے، کیونکہ نفل میں بمقابلہ فرض کے گنجائش زیادہ ہے۔ رہ گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تو اس کا مقصد ان کلمات کی تحسین ہے، نہ کہ عمل کی توثیق، یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقصود نہیں کہ لوگ اس طرح کلمۂ تحمید کہا کریں، اگر یہ مقصد ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے صحابہ کو بھی اس طرح کہنے کی ترغیب دی ہوتی، بلکہ اس کا مقصد ان حمدیہ کلمات کی تحسین ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۸۱-۱۸۲)

قومہ میں ہاتھ باندھنا ثابت نہیں:

سوال: رسالہ ''**إتمام الخشوع**'' بھیجتا ہوں، ملاحظہ فرما کر تصدیق وتنقید سے مطلع فرمایا جاوے؟

الجواب

بندہ نے رسالہ ''**إتمام الخشوع**'' کو دیکھا، کوئی حدیث صریح اس بارہ میں نقل نہیں کی گئی، جس سے ''بعد الرکوع'' صراحۃً ہاتھ باندھنا معلوم ہو، بلکہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ جو صفحہ: ۷، کتاب مذکور میں منقول ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: ''**إنہ کان إذا قام إلی الصلوٰۃ وضع یمینہ علی الشمال فلایزال کذلک حتیٰ یرکع**'' سے معلوم ہوا کہ! ''**وضع یمین علی الشمال قبل الرکوع**'' تک ہوتا تھا۔

بہرحال حنفیہ (**کثرھم اللّٰہ تعالیٰ**)(۱) اور جمہور سلف وخلف کا یہی مذہب ہے کہ ''بعد الرکوع'' ہاتھ چھوڑے جاتے ہیں، پھر تعجب ہے کہ آپ بندہ کی رائے دریافت کرتے ہیں، بندہ کی رائے اپنے ائمہ اور جمہور کے خلاف کیسے ہوسکتی ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۷۶-۱۷۷)☆

---

(۱) **صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۷۹۶، باب فضل اللّٰھم ربنا لک الحمد۔** محشی

(۲) **وأما فی القومة التی بین الرکوع والسجود ذکر شیخ الإسلام فی شرح کتاب الصلاة أنه یرسل علی قولهما کما هو قول محمد. (المحیط البرهانی، کتاب الصلاة: ۱/۳۵۵، دار الفکر)**

وترسل فی القومة وبین تکبیرات العید. (الهدایة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۹، دار إحیاء التراث، انیس)

☆ **قومہ میں ہاتھ باندھنا:**

سوال: **الدر المختار، باب صفة الصلاة: ''وهو سنة قیام ... (له قرار فیه ذکر مسنون فیضع حالة الثناء وفی القنوت وتکبیرات الجنازة لا) (فی قیام بین رکوع وسجود) (و) لا بین (تکبیرات العید) لعدم الذکر مالم یطل القیام فیضع. (الدر المختار)**

==

== ومقتضاه أنه يعتمد أيضًا في صلاة التسابيح. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في بيان المتواتر بالشاذ، انيس) (درمختار، باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے: اور وہ سنت ہے اس قیام کی جس میں قرار اور ذکر مسنون ہے، تو حالت ثنا میں اور قنوت میں اور تکبیرات جنازہ میں باندھے، نہ کہ رکوع کے بعد کے قیام اور سجدہ میں۔ ردالمحتار میں ہے: اور نہ تکبیرات عیدین میں کہ اس میں ذکر نہیں ہے، خواہ قیام کتنی ہی دیر کا ہو تو ہاتھ باندھ لے اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ صلوٰۃ التسبیح میں بھی وہ اس پر اعتماد کرے۔)

اس عبارت کا کیا مفہوم ہے؟ اس سے قومہ صلوٰۃ التسبیح میں ہاتھ باندھنا ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

حالت قومہ میں ہاتھ نہ باندھنا چاہئے اور اس عبارت درمختار سے ہاتھ باندھنا نہیں نکلتا، بلکہ یہ کہتا ہے کہ اس قاعدہ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ: ۲۶۵)

☆ قومہ کی دعا:

سوال: يا أيها المفتي! ماتقول في هٰذه المسئلة: رجل حنفي يتبع مذهب أبي حنيفة في جميع الأفعال، لٰكن في الصلاة بعد الركوع يقرأ "ربنا لك الحمد حمدًا كثيرًا طيباً مباركاً فيه"، لامن حيث أنه يخالف مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ بل يفهم ذلك من "ربنا لك الحمد" فقط. فما تقول في هذه المسئلة صلاة صحيحة أم لا؟ إن كان صحيحة فبكراهة أو بلاكراهة؟

الجواب ــــــــــــ حامداً ومصليًا

"(ثم يرفع رأسه من ركوعه مسمعاً)... (ويكتفي به الإمام). وقالا: يضم التحميد سرًا، (و) يكتفي (بالتحميد المؤتم) وأفضله: أللّٰهم ربنا ولك الحمد، ثم حذف الواو، ثم حذف أللّٰهم فقط. (ويجمع بينهمالو منفردًا) علىٰ المعتمد يسمع رافعاً ويحمد مستوياً آه". (الدرالمختار)

"(قوله: وقالا: يضم التحميد) هورواية عن الإمام أيضاً، وإليه مال الفضلي والطحاوي و جماعة من المتأخرين، معراج عن الظهيرية. واختاره في الحاوي القدسي، ومشي عليه في نور الإيضاح، لكن المتون علىٰ قول الإمام. (قوله: ثم حذف أللهم): أي مع إثبات الواو، وبقي رابعة: وهي حذفهما. والأبعة في الأفضلية على هٰذ االترتيب كما أفاده بالعطف بثم. (قوله: علي المعتمد): أي من أقوال ثلاثة مصححة، قال في الخزائن: وهو الأصح، كما في الهداية، والمجمع والملتقى، وصحح في المبسوط أنه كالمؤتم، وصحح في السراج معزياً لشيخ الإسلام أنه كالإمام. قال الباقاني: والمعتمد الأول آه". (رد المحتار: ۵۱۹/۱) (الدر المختارمع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: إذاأرد الشروع: ۴۹۷/۱، سعيد)

"قال مولانا بحرالعلوم: اعلم أنه قدجاء في أدعية القومة زائدًا علىٰ ماذكرنا عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذارفع رأسه من الركوع قال: "أللهم ربنا لك الحمد ملأ السمٰوٰت وملأ الأرض وملأماشئت من شيء بعد أهل الثناء والمجد أحق ماقال العبد، وكلنالك عبد، أللهم لامانع لما أعطيت ولامعطي لما منعت، و لاينفع ذالجد منك الجد". رواه مسلم. (رواه مسلم في صحيحه في كتاب الصلاة، باب ما يقول إذارفع رأسه من الركوع: ۱۹۰/۱، قديمي) (رسائل الأركان، فصل في صفة الصلاة: ۷۷، المطبع العلوي بلكهناؤ. انيس) ==

سجدہ میں جاتے ہوئے مقتدی کو تکبیر کہنا:

سوال: امام جب تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جاتا ہے تو مقتدی تکبیر کہتے ہوئے سجدہ کریں یا بلا تکبیر؟

الجواب ——————— حامداً و مصليًا

مقتدی بھی تکبیر کہے گا۔ جیسا کہ شامی میں ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔ ۲۶/۱۰/۱۳۹۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۱۸/۵)

سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ سے پہلے گھٹنے رکھنے کا حکم:

سوال: بعد رکوع سجدہ میں جانے کے وقت پہلے ہاتھ ٹیک کر جاوے یا گھٹنا ٹیک کر جاوے؟

الجواب ———————

احادیث اس میں مختلف ہیں کہ پہلے سجدہ میں گھٹنے رکھے یا ہاتھ۔ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے "**وضع الركبتين قبل اليدين**" مروی ہے،(۲) اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں ہیں، ایک روایت مذکورہ، دوسرے اس کا عکس۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات بوجہ تعارض کے مرتفع ساقط ہوئیں، وائل بن حجر کی حدیث تعارض سے سالم رہی، لہٰذا اس کو ترجیح دی گئی، (۳) اور یہی عمل حنفیہ کا ہے۔

(امداد، جلد: ۱، صفحہ: ۹۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۹۵)

== "وقيد في البذل الدعاء الطويل بانفراده صلى الله عليه وسلم، كذافي باب ماجاء في ما يقول إذارفع رأسه من الركوع ("والحديث الذي استدل به محمول على حالة الانفراد في صلاة التطوع". (بذل المجهود، كتاب الصلاة، باب ماجاء في مايقول إذارفع رأسه من الركوع: ۶۸/۲، مكتبة. إمدادية)

فقد ظهرمن العبارات المنقولة جواب المسئلة. وبسط الأدعية في "الحرزالثمين" ص: ۲۶۲ (الحرز الثمن للحصن والحصين لعلى بن سلطان محمد الهروى المعروف بالقارى نزيل مكة المكرمة): "إذاأقام من الركوع، قال: "ربناولك الحمد حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه". خ، د، س، آه". (حصن، ص: ۴۰) (حصن حصين للجزرى رحمه الله تعالىٰ، وإذاقام من الركوع، ص: ۱۹۰، دارالإشاعت) (رواه البخارى في صحيحه، في كتاب الأذان، باب بلا ترجمة بعد باب فضل أللهم ربناولك الحمد: ۱/۱۱۰، قديمى)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

صحیح: عبد اللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۴/ جمادی الاولی ۱۳۵۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۱۰/۵-۶۱۲)

(۱) "وثمانية تفعل مطلقاً: الرفع لتحريمة، والثناء، وتكبير انتقال، آهـ". (الدرالمختار)

"(وقوله: وتكبيرانتقال): أي إلى ركوع أوسجود أورفع منه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الوتروالنوافل: ۱۲/۲، سعيد) (مطلب في القنوت للنازلة، انيس) ==

پہلے سیدھا گھٹنا رکھنا مسنون نہیں:

سوال: ایک صاحب کہتے ہیں کہ سجدہ میں جاتے وقت پہلے سیدھا گھٹنا زمین پر لگانا اور اسی طرح سیدھا ہاتھ رکھنا پھر بایاں ہاتھ، ایسے ہی برعکس سجدہ سے اٹھتے وقت، کیا یہ طریقہ سنت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے دونوں گھٹنے ایک ساتھ زمین پر رکھے، اسی طرح دونوں ہاتھ ایک ساتھ رکھے اور اٹھتے وقت بھی برعکس ایسا ہی کرے، البتہ اگر عذر کی وجہ سے گھٹنے پہلے رکھنا مشکل ہو، اس لیے ہاتھ پہلے رکھنا چاہے تو اس حالت میں دایاں ہاتھ پہلے رکھے، پھر دونوں گھٹنے ایک ساتھ رکھے، غرضیکہ بوقت عذر جب ہاتھ پہلے رکھے جائیں، تو صرف ہاتھوں میں تیامن ہے، گھٹنوں میں نہیں۔

قال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالىٰ تحت(قوله واضعًا ركبتيه ثم يديه):ويضع اليمنىٰ منهماأوّلاً ثم اليسرى كما في القهستاني،لكن الذى فى الخزائن:واضعًا ركبتيه ثم يديه إلاّ أن يعسرعليه لأجل خف أوغيره فيبدأ باليدين ويقدم اليمنىٰ،آهـ.ومثله فى البدائع والتاترخانية والمعراج والبحروغيرها،ومقتضاه أن تقديم اليمنى إنما هوعند العذرالداعى إلى وضع اليدين أوّلاً وأنه لا تيامن فى وضع الركبتين وهوالذى يظهرلعسرذلك. (رد المحتار: ٤٦٥/١)(١) **فقط واللّٰه تعالى أعلم**

۲۵ رمحرم ۱۳۹۱ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳۲/۳)

سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے سر ٹیکے یا ناک......؟:

سوال: سجدہ میں جب جاتے ہیں تو پہلے سر ٹیکے یا ناک ٹیکے، اور جب اُٹھے تو پہلے سر اٹھاوے یا ناک اٹھاوے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ

سجدے میں جاتے ہوئے پہلے سر رکھے پھر ناک اور اُٹھتے ہوئے کوئی ترتیب مذکور نہیں، اور ظاہر یہ ہے کہ دونوں ساتھ ہی اٹھائے جائیں۔

==(۲) حدیث یہ ہے: عن وائل بن حجر قال: رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا سجد يضع ركبتيه قبل يديه وإذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه. (رواه الترمذى،باب ماجاء فى وضع الركبتين قبل اليدين فى الصلاة (ح: ٢٦٨)/ إعلاء السنن،طريق السجود: ٣٤/٢،رقم الحديث: ٧٧٩،انيس)

(۳) دیکھئے: شرح معانى الآثار: ١٥٠/١،باب مايبدأبوضعه فى السجود،إلخ۔سعيد (٢٥٥/١،عالم الكتاب،انيس)

حاشيه صفحه هذا:

(١) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب فى إطالة الركوع للجائى،انيس

قال في الدر: (ثم وجهه)مقدماً أنفه لمامرّ أى لقربه من الأرض.

لـمـا قال الشامي: لكن في البدائع: ومنها: أى من السنن أن يضع جبهته ثم أنفه،وقال بعضهم، أنفه ثم اهـ،جبهته ومقتضاه اعتماد تقديم الجبهة وأن العكس قول البعض،آه.

قال في الدر: ويعكس نهوضه.

قـال الشامي: وهل يرفع الأنف قبل الجبهة: أى على القول بأنه يضعه قبلها؟قال في الحلية: لم أقف على صريح فيه،آه. (۵۲۰/۱)(۱) والله أعلم

۱۶/رجب ۱۳۴۸ھ - (امداد الاحکام:۲/۹۸-۹۹)

سجدۂ مسنون:

سوال: رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لمبا سجدہ کرتے تھے۔کیا اس سے یہ مراد ہے کہ سجدہ میں دیر تک رہتے تھے؟

الجواب ــــــــــــــ حامداً و مصليًا

جب تنہا نماز پڑھتے تو سجدہ میں دیر تک رہتے تھے اور سجدہ ایسا کشادہ کرتے تھے کہ بکری کا بچہ آپ کے نیچے کو نکلنا چاہے تو نکل جائے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۵/۶۱۸-۶۱۹)

سجدہ کا طریقہ:

سوال: سجدہ میں ران اور پنڈلی کو کتنا کشادہ کیا جائے؟ کیا زاویہ قائمہ بنانا چاہیے یا کیا؟

الجوابــــــــــــــــ

درمختار میں ہے:

”(ويظهر عضديه) في غير زحمة (ويباعد بطنه عن فخذيه) ليظهر كل عضو بنفسه، إلخ. (۳)

(۱) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فروع بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل،انيس

(۲) عـن ميـمـونة رضـي الـلّٰه عنها أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: كان إذا سجد،جافٰى بين يديه،حتٰى لو أن بهمةً أرادت أن تـمـر تحت يديه،مرت“. (سنن أبي داؤد،كتاب الصلوة،باب صفة السجود: ۱۳۰/۱، دار الحديث، ملتان)/(ح:۸۹۸)/سنن ابن ماجة،باب السجود (ح:۸۸۰) انيس

”(قـولـه: وجـافٰـى بـطنه عن فخذيه): أى باعده لحديث مسلم: ”كان إذا سجد،جافٰى بين يديه،حتى لو بهمةً أرادت أن تـمـر تـحـت يـديـه،مـرت“. ولـحـديـث أبـي داؤد في صفة صلوته عليه السلام: ”إذا سجد فرج بين فخذيه غير حامل بطنه علٰى شيء من فخذيه“. (البحر الرائق،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۵۵۹/۱-۵۶۰،رشيدية)

(۳) الدر المختار علٰى هامش رد المحتار،باب صفة الصلاة: ۴۷۰/۱

پس معلوم ہوا کہ سجدہ میں سنت اسی قدر ہے اور زاویہ قائمہ بنانا ضروری نہیں ہے اور یہ بھی جب ہے کہ جماعت میں نہ ہو تنہا ہو یا امام ہو، ورنہ ایسا فعل نہ کرے، جس سے دوسرے مقتدیوں کو ایذا ہو۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۶۳-۱۶۴)

سجدہ میں دونوں گھٹنوں کو ملا کر رکھنا:

سوال: علم الفقہ (مصنفہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی) میں نماز کے سنتوں کے بیان میں ہے کہ!

''سجدہ کی حالت میں دونوں گھٹنوں کو ملا کر (جوڑ کر) رکھیں''۔(۱)

دریافت طلب امر یہ ہے کہ!

کیا ایسا کرنا واقعی مسنون ہے؟ آج تک میں کسی کتاب میں بھی نہیں دیکھا اور نہ کسی عالم سے سنا۔

الجو اب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

جوڑ کر یا ملا کر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کو ایک ساتھ رکھے، یہ نہ کرے کہ ایک گھٹنہ مثلاً داہنا پہلے رکھے اور دوسرا (بایاں) بعد میں رکھے اور یہ کتب فقہ میں موجود ہے کہ دونوں گھٹنے ایک ساتھ رکھے جائیں اور اس کو لفظ ''ملا کر'' سے تعبیر کیا ہے: ''لا تیامن فی وضع الرکبتین''. (ردالمحتار)(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۱۹/۷/۱۳۹۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۶۳۱)

سجدہ میں الصاق کعبین:

سوال: **العرف الشذی**، ص: ۱۳٤، ''**باب ما جاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود**'' میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے:

''**الرص بین العقبین فی السجدة أی ضمها، إلخ**''. (۳)

اس ''**الرص بمعنی الضم**'' سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں ایڑیاں صرف سجدہ میں ملائی جائیں اور پنجے الگ رہیں، اس ملانے کی حیثیت صرف مستحب کی ہوگی یا سنت کی؟ ورنہ اگر کوئی نہ ملائے، جیسا کہ عام معمول ہے تو نماز پر کیا اثر ہوگا، خلاف اولی یا کراہت؟ فقہ کی جو کتابیں عموماً پڑھائی جاتی ہیں، اس کا ان میں تذکرہ نہیں ملتا، وجہ بظاہر سمجھ میں نہیں آتی۔

---

(۱) علم الفقہ، حصہ دوم، متفرق مسائل، نماز کی سنتیں، ص: ۲۲۰، دارالاشاعت، کراچی

(۲) ردالمحتار، کتاب الصلاة، فصل فی بیان تألیف الصلاة إلیٰ انتهائها: ۱/٤٩٣، سعید

(۳) العرف الشذی علیٰ جامع الترمذی، أبواب الصلاة، باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود: ۱/٦٩، سعید

الجو اب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

چونکہ حالت سجود میں بھی الصاق کعبین کا حکم ہے:

"إذا كان السنة في الركوع إلصاق الكعبين ولم يذكروا تفريجهما بعده، فالأصل بقاؤهما ملصقين في حالة السجود أيضاً". (ردالمحتار: ۲۳۲/۱)(۱)

اور إلصاق كعبين ضم عقبين کو مستلزم ہے، اس لئے اس کے بغیر الصاق کعبین کما حقہ نہیں ہوگا اور جو چیز سنت کے لئے معین بنے وہ کم از کم استحباب کے درجہ میں ہوگی، (۲) خصوصاً جب کہ روایت مذکور فی السوال میں اس کی تائید ہوتی ہے، تاہم پنجوں میں کچھ فصل ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔ ۲۲/۶/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۳۰/۵-۶۳۱)

سجدہ میں ٹخنے ملانا:

سوال: مرد سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں کے ٹخنے آپس میں ملا کر رکھیں یا علاحدہ؟ عرف شذی میں ٹخنے ملانے کی روایت ہے۔

وفي صحيح ابن حبان عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: الرصّ بين العقبين في السجدة أي ضمهما وأكثر الناس عن هذا غافلون. (العرف الشذى: ۱۳۵)

اس کے بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

اعلاء السنن میں سوال میں مذکور حدیث کے بعد تفاجج بین القدمین کی حدیث بھی منقول ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها في حديث أوّله: فقدت رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم وكان معي علىٰ فراشي فدجته ساجدًا راصًا عقبيه مستقبلاً بإطراف أصابعه القبلة. (رواه ابن حبان في صحيحه بإسناد حسن)(التلخيص الحبير: ۹۸/۱)(۲)

وللنسائي وقد سكت عنه: وهو ساجد وقدماه منصوبتان. (الحديث)(سنن النسائي: ۱۶۶/۱)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلىٰ انتهائها: ۴۹۳/۱، سعيد/باب صفة الصلاة، انيس

(۲) "لأن مالا يتوصل إلىٰ الفرض إلابه، فهو فرض". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلىٰ انتهائها: ۴۹۹/۱، سعيد)(باب صفة الصلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، انيس)

(۳) الصحيح لابن خزيمة، باب ضم العقبين في السجود (ح: ۶۵۴)/صحيح ابن حبان، ذكر الخبر المدحض قول من زعم أن هذا الاخبر تفرد به عبدالله بن عمر (ح: ۱۹۳۳) انيس)

(۴) سنن النسائي، باب نصب القدمين في السجود (ح: ۱۱۰۰) انيس

عن البراء رضی اللّٰہ تعالٰی عنه کان صلّی اللّٰہ علیه وسلّم إذا رکع بسط ظهره وإذا سجد وجه أصابعه قبل القبلة فتفاجّ. (یعنی وسع بین رجلیه. منه). (رواه البیهقی) (التلخیص الحبیر: ۹۸/۱)(۱)

قلت: احتج به الحافظ ابن حجر بعد ما ضعف روایة الدارقطنی عن عائشة رضی اللّٰہ تعالٰی عنها وسکت عنه فهو حسن أو صحیح عنده. (إعلاء السنن: ۱۳۸/۳)(۲)

بصورتِ تعارض اولاً تطبیق پھر ترجیح کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

تطبیق:

حدیث اول میں رصّ بین العقبین تقریب پر محمول ہے۔

"کما حمل علیه العلامة الطحطاوی رحمه اللّٰہ تعالٰی حدیث ضم الکفین فی الدعاء". (۳)

خود اسی حدیث میں حمل علی التقریب پر دو قرائن بھی ہیں، ایک استقبال الاصابع القبلہ، دوسرا نصب القدمین، یہ دونوں سنتیں رص بین العقبین کی صورت میں علی وجہ الکمال ادا نہیں ہو سکتیں، مزید بریں اس میں بلا ضرورت پاؤں کو حرکت دینے کی قباحت بھی ہے۔

ترجیح:

حدیث ثانی مردوں کے لیے رکوع وسجود میں سنت تجافی کے مطابق ہے۔

وکفی به مرجحًا، وبهٰذا رجح الإمام الطحاوی رحمه اللّٰہ تعالٰی حدیث وضع الیدین علی الرکبتین فی الرکوع علی حدیث التطبیق. (۴)

نیز نماز میں امر خشوع سے بھی اسی کی ترجیح ثابت ہوتی ہے کیوں کہ بلا ضرورت حرکت خشوع کے منافی ہے۔

قال صلّی اللّٰہ علیه وسلّم فی مصل یعبث بلحیته: لو خشع قلبه لسکن جوارحه. (۵)

یہ بحث تبرعاً لکھ دی ہے ورنہ رجوع الی الحدیث وظیفہ مقلد نہیں، فقہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، شامیہ میں صرف ابو السعود سے نقل کر کے صحت نقل میں کلام فرمایا ہے اور سعایہ میں رکوع وسجود میں الصاق الکعبین پر مفصل ومدلل تردید فرمائی ہے۔ احسن الفتاویٰ میں رکوع میں ٹخنے ملانے کی بحث میں سعایہ کی تحقیق منقول ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۷ رشعبان ۱۴۰۰ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۴۹/۳-۵۰)

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیهقی، باب یضم أصابع یدیه فی السجود ویستقبلها بها (ح: ۲۶۹۷) / مسند السراج، باب الأمر بالاعتدال فی السجود (ح: ۳۵۲) انیس

(۲) باب طریق السجود: ۳۹/۳-۴۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراتشی. انیس

(۳)

(۴) شرح معانی الآثار، باب التطبیق فی الرکوع: ۲۳۰/۱-۲۳۲، عالم الکتاب، انیس

(۵) عن علی قال: أبصر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم رجلا یعبث بلحیته فی الصلاة فقال: ==

سجدۂ صلاۃ زمین پر بلا واسطہ افضل ہے یا بالواسطہ:

سوال: زید اور بکر دونوں کا اس بارے میں شدید اختلاف ہے کہ سجدۂ صلاۃ وجہ ارض پر بغیر واسطہ افضل ہے؟ یا بالواسطہ؟ مثلا: چٹائی اور کپڑا وغیرہ بچھا کر؟ زید شق اول کا قائل ہے، اس کے پاس فقط یہ دلیل ہے کہ " **السجدة وضع الجبهة على الأرض** " کو کہتے ہیں، نیز وہ اس کا بھی قائل ہے کہ " **العبرة للعموم**" عمومی طور پر عامۃ الناس کو زمین میسر ہوسکتی ہے اور "**جعلت لي الأرض طهوراً ومسجدًا**" حدیث پاک سے مدد لیتا ہے اور حضرات صحابہ کا کنکریاں بچھا کر نماز ادا کرنا اور پیشانی پر بوقت سجدہ چپک جانے یا لگ جانے والے گرد وغبار کو مسئلہ فقہیہ کے اعتبار سے نہ جھاڑنا بھی اس کے ادلہ میں شامل ہے۔

اور بکر اس بات کا قائل ہے کہ وضع جبہ کا نام سجدہ ہے، اور ارض کی قید اتفاقی ہے اور ارض کو طہور یا مسجد فرمایا جانا افضلیت کا مرجح بایں معنی نہیں ہے کہ اس میں حرج اور تنگی ہے اور گرد وغبار کا پیشانی پر لگ جانا فرش وچٹائی پر بھی ممکن ہی نہیں ہے، بلکہ واقع ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

حامدًا ومصلیاً ومسلماً:

فریقین کے دلائل سے قطع نظر اس باب میں فقہائے کرام کا دوٹوک فیصلہ موجود ہے کہ نماز میں سجدہ زمین، اور اس سے اگنے والی چیزوں پر افضل ہے، اور حضرات فقہا کے کلام میں اس کی دو وجہیں ہم کو مل سکیں: اول یہ کہ یہ اقرب إلی التواضع ہے، دوم یہ کہ کپڑوں کے متعدد انواع پر سجدہ کرنا امام مالک کے نزدیک مکروہ ہے

اور زمین اور اس پر اگنے والی چیزوں پر سجدہ کرنے سے امام مالک کے اختلاف سے عملاً اجتناب ہوجاتا ہے، اور خرج من الخلاف اولیٰ ہے۔

في الشامي: ۳۶۸/۱: لكن الأفضل عندنا السجود على الأرض أو على ما تنبته. (۱)

وفي الكبير: ۳٤۷: (و) لكن الصلاة (على الأرض) بلا حائل (و) على (ما أنبتته الأرض)

== "لو خشع قلبه لخشعت جوارحه". العسكري في المواعظ وفيه زياد بن المنذر، متروك. (كنز العمال، فصل في مفسدات الصلاة ومكروهاتها: ۱۹۷/۸ (ح: ۲۲۵۳۰)/ وفي المصنف لعبدالرزاق الصنعاني، باب العبث في الصلاة (ح: ۳۳۰۸) بلفظ: عن أبان قال: رأى ابن المسيب رجلا يعبث بلحيته في الصلاة فقال: "لو خشع قلبه لخشعت جوارحه". انيس)

(۱) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۵۰۲/۱، دار الفكر بيروت، انيس

كالحصير والبوريا(أفضل) لأنه أقرب إلٰى التواضع وفيه خروج عن خلاف الإمام مالك فإن عنده يكره السجود على ماكان من نحو الصوف والقطن والكتان فكان أفضل.(۱)

وفى نورالإيضاح،فصل فيما لايكره للمصلى:

ولا بأس بالصلاة على الفرش والبسط واللبود ... والأفضل الصلاة على الأرض ... أوعلٰى ما تنبته،ووجهه صاحب المراقى بقوله:لقربه من التواضع وصاحب الطحطاوى:وفيه خروج عن خلاف الإمام مالك.(۲)والله أعلم بالصواب

کتبہ: عبداللہ غفرلہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالحلیم عفی عنہ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم:۲/۳۴۶-۳۴۷)

سجدے سے اٹھتے ہوئے سہارا لینا جائز ہے یا نہیں:

سوال: سہارا لینا سجدہ سے اٹھتے وقت بلا عذر جائز ہے یا مکروہ، اور گھٹنوں پر سہارا لینا یعنی! اعتماد علٰی الرکبة اگر چہ جائز ہے، لیکن اس کا ترک مستحب ہے یا نہیں؟

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

ولايعتمد على الأرض بيديه عندقيامه وإنمايعتمد على الركبة ... وترك الاعتماد مستحب،إلخ.(۳)

اس عبارت کا کیا مطلب ہے اور اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب

درمختار میں ہے:

(ويكبرللنهوض)علٰى صدورقدميه(بلا اعتماد وقعود)استراحةٍ، إلخ.

شامی میں ہے:

(قوله:بلا اعتماد):أى على الأرض، إلخ، قال فى الكفاية:أشار به إلٰى خلاف الشافعى رحمة الله عليه فى موضعين، أحدهما: يعتمد بيديه علٰى ركبتيه ، عندناوعنده على الأرض، إلخ.(ردالمحتار:۱/۳٤٠)(۴)

پس معلوم ہوا کہ مذہب حنفیہ کا ”**اعتماد على الركبتين**“ ہے اور مذہب امام شافعیؒ ”**اعتمادعلى الأرض**“ ہے۔

---

(۱) الحلبى الكبير شرح منية المصلى،كتاب الصلاة،بعد مكروهات الصلاة،فروع:٣٦٠،مطبع سنده.انيس

(۲) مراقى الفلاح مع الطحطاوى،فصل فيما لا يكره للمصلى:٢٤٨،مصرى

(۳) الفتاوىٰ الهندية،الفصل الثالث فى سنن الصلاة وآدابها:٧٥/١،دارالفكربيروت.انيس

(۴) (رد المحتار،باب صفة الصلاة: ٤٧٢/١-٤٧٣،ظفير)(فروع بالفارسية أوالتوراة أوالإنجيل،انيس

لہٰذا بلا عذر " **اعتماد علی الأرض** " نہ کرے، بلکہ " **اعتماد علی الرکبتین** " کر کے اٹھے اور عالمگیری میں جو یہ مذکور ہے: " **وترک الاعتماد مستحب** " (۱)، اس کا مطلب یہی ہے کہ ترک " **اعتماد علی الأرض** " مستحب ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۱۸۵)

سجدے سے اٹھتے ہوئے سیدھا کھڑا ہونا سنت کے مطابق ہے:

سوال: غیر مقلد یہ بھی کہتے ہیں کہ حنفی لوگ سجدے سے سر اٹھانے کے ساتھ ہی سیدھے کھڑے ہوجاتے ہیں، غیر مشروع ہے اور اس سے نماز خلل پذیر ہوتی ہے، بلکہ سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد کچھ بیٹھنا بھی چاہئے۔ یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

اس کا جواب صاحب ہدایہ نے مختصر الفاظ میں اس طرح دیا ہے:

"ولنا حدیث أبی هریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم "کان ینهض فی الصلوٰة علٰی صدور قدمیه"، وما رواه محمول علٰی حالة الکبر، إلخ. (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۰۵-۲۰۶) ☆

(۱) الفتاویٰ الهندیة، مصری، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الثالث فی سنن الصلاة: ۱/۷۰، ظفیر

(۲) الهدایة، باب صفة الصلاة: ۱/۱۰۱۔ (سنن الترمذی، باب منه أیضا (ح: ۲۸۸) / عن عبدالرحمن بن یزید قال: کان عبدالله ینهض علی صدور قدمیه. (المعجم الکبیر للطبرانی، باب (ح: ۹۳۲۸) انیس)

یعنی حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سجدہ سے اٹھتے ہوئے سیدھے اپنے دونوں پاؤں کے سرے پر کھڑے ہوجاتے تھے، سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد کچھ دیر بیٹھتے نہیں تھے، باقی جس روایت میں بیٹھ کر کھڑے ہونے کا ذکر ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھاپے کا واقعہ ہے کہ اپنے ضعف کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔ اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل کی صورت نکل آتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ظفیر

☆ نماز میں اٹھتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا مستحب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ میں کہ رکوع سے سجدہ کی طرف جاتے وقت اور سجدہ سے قیام کی طرف آتے وقت ہاتھ کہاں رکھے، مستحب طریقہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب　باسم ملهم الصّواب

قیام سے سجدہ کی طرف جاتے وقت ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا مستحب نہیں، عوام اس کو مستحب سمجھتے ہیں، لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہیے، البتہ قعدہ یا سجدہ سے قیام کی طرف آتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا مستحب ہے۔

قال فی العلائیة ویکبر للنهوض علٰی صدور قدمیه بلا اعتماد وقعود استراحة ولو فعل لا بأس.

وفی الشامیة: (قوله بلا اعتماد، إلخ) أی علی الأرض قال فی الکفایة أشار به إلٰی خلاف الشافعی فی موضعین أحدهما یعتمد بیدیه علٰی رکبتیه عندنا وعنده علی الأرض والثانی الجلسة الخفیفة قال شمس الائمة الحلوانی الخلاف فی الأفضل حتٰی لو فعل کما مذهبنا لا بأس به عند الشافعی ولو فعل کما هو مذهبه لا بأس به عندنا کذا فی المحیط. (رد المحتار: ۱/ ۴۷۳) **فقط واللّٰه تعالٰی أعلم**

۲۹ محرم ۱۳۹۹ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۴۵)

نماز میں جلسۂ استراحت کا حکم:

سوال: نماز میں جلسۂ استراحت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

جلسۂ استراحت سے مراد آپ کی یہ ہے کہ پہلی رکعت یا تیسری رکعت میں دوسرے سجدے کے بعد بیٹھ کر کھڑا ہونا تو حنفیہ منع کرتے ہیں، اگر آپ حنفی ہیں تو آپ کو نہیں بیٹھنا چاہئے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی ۱/۶/۱۳۷۷ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۱۳۰-۱۳۱)☆

(۱)　(ويكبر للنهوض) علٰى صدور قدميه (بلا اعتماد و قعود) استراحة ولو فعل لا بأس. (الدر المختار)
قال في الحلية: والأشبه أنه سنة أو مستحب عند عدم العذر، فيكره فعله تنزيهًا لمن ليس به عذر. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل في بيان تأليف الصلاة إلٰى انتهائها: ۲/۲۱٤)
معلوم ہوا کہ کوئی عذر نہ ہو تو جلسۂ استراحت کے بغیر کھڑا ہو جانا مسنون و مستحب ہے، بغیر عذر جلسہ استراحت کرنے سے نماز میں کوئی خلل نہیں ہوگا؛ لیکن ایسا کرنا مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہوگا۔ [مجاهد]

☆　**طاق رکعتوں میں جلسۂ استراحت کی بحث:**

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طاق رکعتوں میں جلسۂ استراحت نہ کرنا یا کرنے سے منع کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

وعن أبي هريرة رضي الله تعالٰى عنه قال: أن النبي صلى الله عليه وسلم كان ينهض في الصلٰوة علٰى صدور قدميه (الهداية، باب صفة الصلاة: ۱/۱۰۱، عن البخاري. ظفير)

اور بہت سے صحابہ سے بھی منقول ہے۔(كذا في شرح المنية) (عن عبدالرحمن بن يزيد يقول: رمقت عبدالله بن مسعود في الصلاة فرأيته ينهض ولا يجلس قال: ينهض على صدور قدميه في الركعة الأولٰى والثانية. (المعجم الكبير للطبراني، باب (ح: ۹۳۲۷) انيس) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۱۸۶-۱۸۷)

جلسۂ استراحت درست ہے یا نہیں:

سوال: نماز میں دو سجدوں کے ختم کے بعد تھوڑی دیر بیٹھ کر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

حنفیہ کے نزدیک جلسۂ استراحت سجدہ کے بعد دوسری اور چوتھی رکعت کے لئے اٹھنے کے وقت نہیں ہے، ایسا نہ کیا جاوے۔
((و يكبر للنهوض... بلا اعتماد وقعود) استراحة ولو فعل لا بأس (الدر المختار) بلا اعتماد إلخ أي على الأرض قال في الكفاية: أشار به إلٰى خلاف الشافعي في موضعين: أحدهما يعتمد بيديه علٰى ركبتيه عندنا وعنده على الأرض، والثاني الجلسة الخفيفة، قال شمس الأئمة الحلواني: الخلاف في الأفضل حتٰى لو فعل كما هو مذهبنا لا بأس به عند الشافعي رحمه الله تعالٰى ولو فعل كما هو مذهبه لا بأس به عندنا، كما في المحيط آه. قال في الحلية: والأشبه أنه سنة أو مستحب عند عدم العذر، فيكره فعله تنزيهاً لمن ليس به عذر، آه.　==

التحیات سے قبل بسم اللہ پڑھنے کا حکم:

سوال: التحیات کے قبل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر التحیات کو پڑھنا حدیث شریف سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

التحیات میں پوری بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کسی حدیث میں ثابت نہیں، البتہ بعض احادیث میں اس طرح وارد ہے:

بسم الله التحيات لله والصلوات لله والزاكيات لله إلخ. (۱)

باقی حنفیہ کے نزدیک سب سے افضل تشہد ابن مسعود ہے جو کہ ان بلاد میں رائج ہے، اس پر زیادت کرنا خلاف اولیٰ ہے، باقی اگر بسم اللہ پڑھا جاوے تو نماز میں کچھ خلل نہ آوے گا۔

قال في الدر: (ويقرأ تشهد ابن مسعود) وجوباً كما بحثه في البحر ، و لكن كلام غيره يفيد ندبه، وجزم شيخ الإسلام الجد بأن الخلاف في الأفضلية، آه. (۵۳۲/۱) (۲) والله أعلم

۴/رجب ۱۳۴۱ھ۔ (امداد الاحکام: ۷۹/۲) ☆

== وتبعه في البحر وإليه يشير قولهم: لابأس فإنه يغلب فيما تركه أولىٰ. (رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۴۷۲/۱، ظفير، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، انيس) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۱/۲)

نماز میں جلسۂ استراحت:

سوال: سجدہ سے کھڑے ہوتے ہوئے بعض لوگ پہلے بیٹھتے ہیں، اور بیٹھ کر پھر اٹھتے ہیں، تو اس طرح بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟ کیا ایسا کرنا سنت ہے؟ (عبدالسلام، ملے پلی)

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ سے اٹھنے کی دونوں کیفیتیں ثابت ہیں، بیٹھ کر پھر کھڑا ہونا، بغیر بیٹھے ہوئے کھڑا ہونا، (**صحيح البخاري**، حدیث نمبر: ۸۲۳، **باب من استوى قاعداً في وتر من صلاته ثم ينهض**، نیز دیکھئے: **مصنف ابن أبي شيبة، باب من كان يقول إذا رفعت رأسك، إلخ.** محشی)

اس لئے دونوں صورتیں جائز ہیں، اس بیٹھک کو جلسۂ استراحت کہا جاتا ہے، بعض فقہا کے نزدیک جلسۂ استراحت مسنون اور بہتر ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اصل مسنون طریقہ یہ ہے کہ بغیر بیٹھے ہوئے کھڑا ہو، بیٹھ کر اٹھنے والی روایت کے بارے میں احناف کا خیال ہے کہ غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم بوڑھاپے اور جسم کے بھاری ہونے کے بعد اس طرح اٹھا کرتے تھے۔ (حوالہ سابق)

گویا یہ عذر کی بنا پر تھا۔

حنفیہ کی یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے، بہتر جلسۂ استراحت نہیں کرنا ہے؛ لیکن کرلے تو جائز ہے، کراہت بھی نہیں، چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفیؒ جلسۂ استراحت کے بارے میں فرماتے ہیں:

"**ولو فعل لابأس**". (الدر المختار علىٰ هامش الرد : ۲۱۳/۲) (کتاب الفتاویٰ: ۱۸۷/۲)

(۱) موطأ الإمام مالک، تحقيق: الأعظمي، كتاب الصلاة، التشهد في الصلاة: ۱۲۵/۲ (ح: ۳۰۱) انيس

(۲) كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، انيس ==

تشہد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجوہ ترجیح:

سوال: مسند ابوعوانہ اور بیہقی وغیرہ میں تشہد ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ''السلام علی النبی ورحمۃ اللہ'' کے الفاظ ہیں، بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی مروی ہے کہ انھوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے بعد خطاب کے صیغہ کو ترک کر دیا ہے، ہم اہل سنت والجماعت احناف پہلے الفاظ پر کیوں اڑے ہوئے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

عن القاسم قال: أخذ علقمة بيدى، وقال علقمة: أخذ ابن مسعود بيدى، وقال عبدالله: أخذرسول الله صلى الله عليه وسلم بيدى، فقال: إذاجلست فى الصلاة فقل: ''التحيات لله والصلوات و الطيبات السلام عليك أيها النبى ورحمة الله وبركاته السلام علينا وعلىٰ عباداللّٰه الصالحين أشهد أن لا اله الا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله''. (الحديث) (أخرجه محمد فى كتاب الحجة: ١٣٤ـــ وجماعة من المحدثين منهم أبو داؤد والطحاوى والدارمى والدارقطنى والبيهقى والبخارى ومسلم وغيرهم)(١)

== ☆ قبل از التحیات بسم اللہ پڑھنا:

سوال: التحیات پڑھنے سے پہلے اگر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لیا تو نماز درست اور سنت کے مطابق ہو جائے گی؟ یا اعادہ واجب ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

حامدًا و مصليًا و مسلمًا:

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے التحیات سے پہلے بسم اللہ پڑھنا منقول نہیں، اس لئے بسم اللہ پڑھنا سنت کے مطابق نہ ہوگا، البتہ مکروہ بھی نہ ہوگا اور نہ اعادہ واجب ہوگا۔ (بعض طرق میں بسم اللہ کی زیادت بھی ہے، لہٰذا سجدۂ سہو تو نہ ہوگا، مگر ایسا کرنا اچھا نہیں، اب اگر محض بسم اللہ زیادہ کیا تو یہ تو جائز ہے ''لکونہ وارداً'' اور اگر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' زیادہ کیا، تو اس میں کراہتِ تنزیہی ہوگی ''لکونہ غیر واردٍ'' اور سجدۂ سہو نہ ہوگا ''لكونه زيادة فى التشهد لا على التشهد''. (امداد الاحکام: ۱/۵۸۷، کراچی) واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: محمد حمزہ غفرلہ ۱۷/۲/۱۴۱۴ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۳۴۱)

(١) سنن الدارقطنى، باب صفة التشهد ووجوبه واختلاف الروايات فيه (ح: ١٣٣٣)/مسند أبى حنيفة رواية أبى نعيم: ٩٣/١، مكتبة الكوثر الرياض/السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب باب تحليل الصلاة بالتسليم (ح: ٢٩٦٥)/كتاب الآثار لأبى يوسف، باب التشهد (ح: ٢٦٩)/صحيح البخارى، باب التشهدفى الآخرة (ح: ٨٣١)/الصحيح لمسلم، باب التشهدفى الصلاة (ح: ٤٠٢)/سنن أبى داؤد، باب التشهد (ح: ٩٦٨)/سنن الترمذى، باب ماجاء فى التشهد (ح: ٢٨٩)/مسند البزار، حماد بن أبى سليمان عن إبراهيم عن علقمة عن عبدالله (ح: ١٥٥٥)/سنن الدارمى، باب فى التشهد (ح: ١٣٧٩)/سنن النسائى، باب كيف التشهد (ح: ١٢٧٩)/مسند أبى يعلى الموصلى، مسند عبدالله بن مسعود (ح: ٥١٣٥)/مستخرج أبى عوانة، باب إيجاب قراء ة التشهد عند القعدة (ح: ٢٠٢٦)/شرح معانى الآثار، باب لاتشهد فى الصلاة كيف هو؟ (ح: ١٥٥٦) انيس)

وجوہ ترجیح:

(۱)　امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلمیذ خاص حضرت امام محمد رحمہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ!

وليس في التشهد شيء أوثق من حديث عبد الله ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه. (كتاب الحجة: ۱۳۰)

اس سے زیادہ پختہ حدیث تشہد کے باب میں موجود نہیں۔

(۲)　**وفي المؤطا: كان عبد الله بن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه يكره أن يزاد فيه حرف أوينقص منه حرف.** (۱/۱۵۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشہد میں ایک حرف کی بھی کمی زیادتی کو جائز نہیں رکھتے تھے۔

(۳)　ایسے ہی طحاوی شریف میں مروی ہے کہ ایک شخص نے تشہد سے قبل بسم اللہ کا اضافہ کیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "أتأكل" کیا تو کھانا کھاتا ہے کہ بسم اللہ کہہ ڈالا ہے، یعنی بسم اللہ کے اضافہ پر بھی (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے) تنبیہ فرمائی۔

(۴)　ایسے ہی کسی شخص نے "**وحده لا شريك له**" کا اضافہ کرنا چاہا تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد حضرت علقمہؒ نے اس کی اصلاح فرمائی۔

(۵)　جتنے محدثین نے مذکورہ بالا حدیث کی تخریج کی ہے مسئولہ حدیث کی تخریج اتنے محدثین نے نہیں کی۔

(۶)　یہ تشہد حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد فرمودہ ہے، مسئولہ تشہد تعلیل فرمودہ ہی نہیں۔

(۷)　حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی حدیث میں یہ تفصیل بیان نہیں فرمائی کہ یہ تشہد میری زندگی تک ہے، میرے رخصت ہوجانے کے بعد اس میں یوں تبدیلی کرلینا۔

(۸)　جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کمی وزیادتی کو مکروہ جانتے تھے تو پھر انہوں نے یہ تبدیلی کیسے کرلی، تبدیلی اور مکروہ کیسے جمع ہوگئے؟ نیز یہ تبدیل شدہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ الفاظ کے مقابلہ میں حجت نہ ہوں گے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بھی جو صحابہؓ حاضر خدمت نہ ہوتے تھے، وہ بغیر تبدیلی کے تشہد پڑھتے تھے۔

(۹)　حضرت امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

وهو أصح حديث عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في التشهد والعمل عليه عند أكثر أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ومن بعدهم من التابعين. (الترمذي: ۱/۶۱)(۱)

---

(۱)　أبواب الصلاة، باب ما جاء في التشهد، رقم الحديث: ۲۸۹، انیس

یہ حدیث تشہد کے باب میں سب سے اصح ہے، اکثر حضرات صحابہؓ اور تابعین کا اسی پر عمل ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۲۶/۱۱/۱۴۰۳ھ۔

الجواب صحیح: فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ مفتی جامعہ ہٰذا۔ ۲۹/۱۱/۱۴۰۳ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲/۲۸۰-۲۸۱)

تشہد میں ''وَالطَّیِّبَاتِ'' کو ''السَّلاَمُ'' کے ساتھ ملا کر پڑھنا:

سوال: تشہد میں لفظ ''والطیبات'' کو لفظ ''السلام علیک'' سے ملانا افضل ہے، یا جدا پڑھنا افضل ہے اور دوسرے لفظ ''وبرکاته'' کو ''السلام علیک'' سے ملانا افضل ہے یا جدا پڑھنا؟

الجواب ـــــــــ حامداً و مصلیًا

جدا کر کے پڑھنا افضل ہے، یہ مقولہ الگ الگ ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۶۳۴)

تشہد میں ''السلام علیک'' پر کیا نیت کرے:

سوال: ''جوہرہ نیرہ'' میں ایک مرتبہ دیکھا تھا کہ تشہد میں ''السلام علیک'' کہتے وقت حکایت صلوۃ کا خیال ہونا چاہئے جو معراج میں ہوئی تھی۔ (۲) شامی میں اس کے برخلاف لکھا ہے کہ انشاء صلوۃ مد نظر رہنا چاہئے، اخبار اور حکایت نہیں (۳) ان دونوں قولوں میں کون صحیح ہے؟ دوسرے یہ انشاء صلوۃ کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب بالواسطہ ہوگا یا بلا واسطہ، اگر بالواسطہ ہوگا تو اس کی تصریح کہاں ہے اور اگر بلا واسطہ ہے تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وتعالیٰ علیہ وسلم حاضر بھی ہیں؟ صاحب جوہرہ کون ہیں، ان کے ہمنوا اس مسئلہ میں کون کون ہیں؟

(۱) ''عن شقیق بن سلمة قال: قال عبد اللّٰه رضی اللّٰه تعالٰی عنه: کنا إذا صلینا خلف النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم قلنا: السلام علی جبرئیل و میکائیل، السلام علٰی فلان وفلان، فالتفت إلینا رسو ل اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فقال: إن اللّٰه هو السلام، فإذا صلی أحدکم فلیقل: التحیات للّٰه والصلوات والطیبات، السلام علیک أیها النبی ورحمة اللّٰه وبرکاته، السلام علینا وعلٰی عباد اللّٰه الصالحین، فإنکم إذا قلتموها أصابت کل عبد للّٰه صالح فی السماء والأرض، أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وأشهد أن محمداً عبده ورسوله''. (صحیح البخاری، کتاب الأذان، باب التشهد فی الآخرة: ۱/۱۱۵، قدیمی، سعید) (ح: ۸۳۱) انیس)

(۲) قوله: السلام علیک أیها النبی ورحمة اللّٰه وبرکاته): أی ذلک السلام الذی سلمه اللّٰه علیک لیلة المعراج، فهٰذا حکایة عن ذلک السلام لا إبتداء السلام، ومعنی السلام: أی السلامة من الآفات''. (الجوهرة النیرة علٰی المختصر القدوری، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۶۵، حقانیة، ملتان)

(۳) ''(ویقصد بالفاظ التشهد) معانیها مرادةً له علٰی وجه (الإنشاء) کأنه یحیی اللّٰه تعالٰی ویسلم علٰی نبیه وعلٰی نفسه وأولیائه، (لا الإخبار)''. (الدر المختار، کتاب الصلاة، فصل فی بیان تألیف الصلاة إلٰی انتهائها: ۱/۵۱۰، سعید)

الجو اب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

شامی کا قول اقرب معلوم ہوتا ہے۔خطاب حاضر وناظر جان کرنہیں، بلکہ اس اعتقاد کے ماتحت ہے کہ ملائکہ کے ذریعہ سے پیش کیا جائے، جیسا کہ خط میں کسی کوخطاب کیا جاتا ہے اور یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ مکتوب الیہ حاضر ہے، بلکہ یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ ڈاک کے ذریعہ سے یہ خط مکتوب الیہ کے پاس پہونچ جائے گا، حدیث شریف میں موجود ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے ملائکہ مقرر فرما رکھے ہیں جو درود وسلام پہونچاتے ہیں'' البتہ روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر جو درود وسلام پڑھا جائے، اس کوآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود سنتے ہیں۔(۱)

''عن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه علیه وسلم: ''إن للّٰه ملائکة سیاحین فی الأرض یبلغونی من أمتی السلام''. (للنسائی)(۲)

''عمار بن یاسر- إن اللّٰه وکّل بقبری ملکاأعطاه أسماع الخلا ئق، فلایصلی علیٰ أحد إلیٰ یوم القیامة إلا أبلغنی باسمه واسم أبیه هٰذا فلان بن فلان قد صلیٰ علیک''. (للبزاربضعف)

''(عبداللّٰه بن دینار)رأیت ابن عمررضی اللّٰه تعالیٰ عنهما یقف علیٰ قبرالنبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، فیصلی النبی صلی اللّٰه وتعالیٰ علیه وسلم وأبی بکروعمر''. لمالک، آه. (جمع الفوائد: ۲/ ۲۷۲-۲۷۳)(۳)**فقط واللّٰه أعلم**

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/ ۶۳۳-۶۳۴)

الفاظ تشہد میں اضافہ:

سوال: التحیات میں ''**أشهد أن لاإله إلا اللّٰه**'' کے بعد ''**وحده لاشریک له**'' پڑھنا چاہئے یانہیں؟ یہ سنت ہے یانہیں؟ (حافظ علی احمد، گودھام)

---

(۱) عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: ''من صلی علیّ عند قبری سمعته، ومن صلیٰ علی نائیاً ابلغته''. (رواه البیهقی فی شعب الإیمان)(مشکوٰة المصابیح، کتاب الصلاة، باب الصلاة علیٰ النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم وفضلها: ۱/ ۸۷، قدیمی) (ح: ۹۳٤)انیس

(۲) سنن النسائی، کتاب السهو، باب السلام علیٰ البنی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: ۱/ ۱۸۹، قدیمی)(ح: ۱۲۸۱)انیس)

(۳) جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزاوائد، کتاب الأذکاروالأدعیة، الأستغفروالتسبیح و التهلیل والتکبیروالتحمیدوالحوقلة والصلوٰة علیٰ النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم: ۲/ ٤٧٥، المکتبة الإسلامیة سمندری فیصل آباد، پاکستان)

مسند البزار، ابن الحمیری عن عمار (ح: ۱٤۲۵)/ موطأالإمام مالک، ت: الأعظمی، باب ماجاء فی الصلاة علی النبی صلی الله علیه وسلم (ح: ۵۷٤)انیس

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

اس جگہ ''وحدہ لاشریک له'' پڑھنا بعض روایات میں آیا ہے،(۱) لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں نہیں،(۲) اسی کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اختیار فرمایا ہے۔(۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔(فتاویٰ محمودیہ:۶۳۲/۵)

---

(۱) عن أبي بشر سمعتُ مجاهدًا،يحدث عن ابن عمرعن رسول اللّٰه تعالٰى عليه وسلم فى التشهد التحيات للّٰه والصلوات والطيبات،السلام عليك أيها النبى ورحمة اللّٰه وبركاته.قال:قال ابن عمر:زدت فيها وبركاته السلام علينا وعلٰى عباد اللّٰه الصالحين أشهد أن لاإله إلااللّٰه.قال ابن عمر:زدت فيها:وحده لاشريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله''.(سنن أبى داؤد،كتاب الصلاة، أبواب تفريع استفتاح الصلاة بعدالتشهد: ١٤٦/١،مكتبة إمدادية)(ح:٩٧١)انيس)

(۲) عن شقيق بن سلمة قال:قال عبداللّٰه رضى اللّٰه تعالٰى عنه:كنا إذاصلينا خلف النبى صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم قلنا:السلام علٰى جبرئيل وميكائيل،السلام علٰى فلان وفلان،فالتفت إلينا رسول اللّٰه تعالٰى عليه وسلم فقال:''إن اللّٰه هوالسلام ،فإذاصلى أحدكم فليقل:التحيات للّٰه والصلوات والطيبات السلام عليك أيهاالنبى ورحمة اللّٰه وبركاته ،السلام علينا وعلٰى عباداللّٰه الصالحين،فإنكم إذاقلتموها أصابت كل عبد للّٰه صالح فى السماء والأرض أشهد أن لاإلٰه إلا اللّٰه وأشهد أن محمداً عبده ورسوله ''.(صحيح البخارى،كتاب الأذان،باب التشهد فى الآخرة: ١٥٥/١، قديمى(ح:٨٣١)انيس)

(۳) ويقرأ تشهد ابن مسعود رضى اللّٰه تعالى عنه وجوباً كما بحثه فى البحر،لكن كلام غيره يفيدندبه ،وجزم شيخ الإسلام الجدبأن الخلاف فى الأفضلية ، و نحوه فى مجمع الأنهر''.(الدرالمختار،كتاب الصلوة،باب صفة الصلاة،فصل فى بيان تأليف الصلوةإلى انتهائها : ٥١٠/١،سعيد)

☆ تشہد میں ''وحدہ لاشریک له'' کے الفاظ بڑھانا:

سوال: اگر کوئی تشہد میں '' أشهد أن لا اله إلا اللّٰه'' کے بعد ''وحدہ لاشریک لہ'' کا اضافہ کرے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجوابـــــــــــــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تشہد مختلف طرق سے ثابت ہے،بعض روایات میں ''وحده لا شريك له'' إلخ،کا پڑھنا بھی ثابت ہے،مگر حنفیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے تشہد کو اختیار کیا ہے اور مذکورہ الفاظ اس میں نہیں ہیں،اس لئے ان کا پڑھنا مناسب نہیں تاہم اگر کوئی ان الفاظ کو پڑھتا ہے تو اس کی نماز متاثر نہیں ہوگی۔

لماأخرجه أبوداؤد:من حطان بن عبد اللّٰه الرقاشى،بهٰذا الحديث،زاد فإذا قرأ فانصتوا وقال فى التشهد بعدأشهد أن لا إلٰه إلااللّٰه زاد وحده لا شرك له.(أبوداؤد،باب التشهد: ١٤٠/١)/ (ح:٩٧٣) انيس/ (عن ابن عمرعن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم فى التشهد...أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه قال ابن عمرزدت فيها وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله.(التلخيص الحبير،باب صفة الصلوة: ٢٦٦/١)(فتاویٰ حقانیہ:۹۹/۳)

تحیات میں انگلیوں کا حلقہ:

سوال: التحیات میں کلمۂ شہادت کے اوپر انگلی کا حلقہ باندھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

التحیات میں انگشت وسطیٰ اور انگوٹھے کا حلقہ کرنا اور انگشت سبابہ سے اشارہ کرنا سنت ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۱-۱۶۲)

بوقت اشارہ انگلیوں کا حلقہ کرنا جائز ہے یا نہیں:

سوال: نزدیک امام اعظمؒ کے بوقتِ تشہد وسطیٰ اور ابہام کا حلقہ کر کے اور خنصر و بنصر کو بند کر کے اشارہ کرنا جائز یا نہیں؟

الجواب

''اشارہ بالسبابہ'' کی تشہد میں یہ صورت جو سوال میں مذکور ہے کہ 'ابہام' اور 'وسطیٰ' کا حلقہ کرے 'بنصر' اور 'خنصر' کو بند کرے، کتب فقہ حنفیہ میں بھی اس کو لکھا ہے اور یہ جائز ہے اور شامی میں ہے:

فلذا قال في منية المصلي: فإن أشار يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطى بالإبهام، الخ.(۲)

اور درمختار میں نقل کیا ہے:

''الصحيح أنه يشير بمسبحة وحدها يرفعها عند النفي ويضعها عند الإثبات، إلخ.(۳)

یعنی انگشت سبابہ کو ''لا إلٰہ'' کے ساتھ اٹھاوے اور ''إلا اللّٰہ'' پر رکھ دے۔ فقط۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۹۱-۱۹۲)

اشارہ کرنے کے لئے حلقہ کب بنایا جائے:

سوال: تشہد میں بیٹھتے ہی انگلیوں کا حلقہ بنالینا چاہئے یا جب ''أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه'' پڑھیں، تب شہادت کی انگلی اٹھائیں اور باقی انگلیوں کا حلقہ بنائیں، فقہ حنفی کے مطابق جواب عنایت فرمائیں؟

(سائل: ممتاز احمد قاسمی)

---

(۱) لكن المعتمد، إلخ، أنه يشير لفعله عليه الصلاة والسلام (الدر المختار) فهو صريح في أن المفتي به هو الإشارة بالمسبحة مع عقد الأصابع، إلخ .(ردالمحتار: ۱/۴۷۵، ظفير. كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، انيس)

(۲) رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۷۵، ظفير)(فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، انيس)

(۳) الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۱/۴۷۴، ظفير، فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، انيس

الجواب

جب تشہد پر پہنچے، تب حلقہ بنائے۔

”والعقد وقت التشهد فقط فلا يعقد قبل ولا بعد وعليه الفتوٰى فالظاهر يجعل المعقودة إلٰى جهة الركبة، إلخ. (طحطاوی:۱۴۷) **فقط والله أعلم**

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۳/۴/۱۴۰۹ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۲/۲۶۱)

انگلیوں کا حلقہ تشہد میں کب تک باقی رکھے:

سوال: نماز کے اندر قعدہ میں جب انگشت شہادت اٹھاتا ہے تو اور چار انگلیوں کو بند کرنا ہوتا ہے، بعد تشہد کے تا سلام ان انگلیوں کو ویسا ہی رکھنا چاہئے یا کھول کر؟

الجواب

”لا إلٰه إلا اللّٰه“ کہنے کے وقت جب کہ عقد اصابع یا ان کا حلقہ کرلیا ہے تو پھر اس کو فارغ ہونے تک ویسا ہی رکھنا چاہئے۔

كما نقل الشامي عن المحيط: أنها سنة يرفعها عند النفي، ويضعها عند الإثبات، وهو قول أبي حنيفة ومحمد، وكثرت به الاٰثار والأخبار فالعمل به أولٰى، انتهٰى. فهو صريح في أن المفتٰى به هو الإشارة بالمسبحة مع عقد الأصابع علٰى الكيفية المذكورة. (ردالمحتار، المجلدالأول)(۱)

اس طرح کی متعدد عبارتیں ہیں کہ جن میں عقد اصابع واشارہ کے بعد اس کے کھولنے کا ذکر نہیں، جو کہ اس کی صریح دلیل ہیں کہ بعد عقد کھولنا مناسب نہیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۰۲)

تشہد میں کب تک حلقہ بنائے ہوئے انگلی اٹھائے رکھے:

سوال: بہشتی زیور حصہ دوم میں لکھا ہے کہ تشہد پڑھتے وقت جب کلمہ پر پہنچے تو بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر کلمہ کی انگلی کو اٹھا دیوے اور سلام پھیرنے تک اسی طرح اٹھائے رہے؛ لیکن یہاں کے چند ملا صاحبان اس پر معترض ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ طریقہ شافعی مذہب کا ہے، حنفی مذہب میں آخر تک انگلی کو اٹھائے رکھنا، کسی کتاب میں نہیں ہے، چنانچہ ان لوگوں نے اردو کی کئی ایک کتابیں مجھے دکھلائیں، (جن میں شامی وکبیری وغیرہ کا حوالہ ہے) جس میں لکھا ہے کہ بروقت کہنے ”أشهد أن لا إلٰه“ کے انگلی کلمہ کی اٹھاوے اور جب ”إلا اللّٰه“ زبان سے کہے، اس وقت انگلی کو گرادے۔

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، بحث القيام: ۱/۴۱۴، ظفير

عن عبداللّٰه بن الزبير أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا تشهد وضع يده اليسرىٰ على فخذه اليسرىٰ ووضع يده اليمنىٰ على فخذه اليمنىٰ وأشار بأصبعه السبابة لا يجاوز بصره إشارته. (صحيح ابن حبان، ذكر وصف ما يجعل المرء أصابه عندالإشارة (ح:۱۹۴۴) انيس)

الجواب

ذرا جھکاوے، یہ معنیٰ ہیں گرانے کے اور حلقہ بنائے رکھے اور بالکلیہ نہ گراوے۔(۱)

صرح به ملا علی القاری فی رسالة "تزئین العبارة لتحسین الإشارة".

۱۴ر جمادیٰ الثانی ۱۳۳۳ھ۔ (تتمہ ثالثہ صفحہ:۴۱) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۱۴)

تشہد میں آخر نماز تک ہاتھ کی انگلیوں کا حلقہ بنائے رکھنے اور اشارہ کی انگلی کو اسی طرح باقی رکھنے کی تحقیق:

سوال: رفع سبابہ (۲) کو سلام کے وقت تک رکھنے کی کیا دلیل ہے، میں نے بہت تلاش کی، مگر نہ ملی بلکہ مولانا عبدالحی صاحب نے "**التعلیق الممجد**"، میں ملا علی قاریؒ کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے:

والصحیح المختار عند جمهور أصحابنا أن یضع کفیه علٰی فخذیه ثم عند وصوله إلٰی کلمة التوحید یعقد الخنصر والبنصر ویحلق الوسطٰی والإبهام ویشیر بالمسبحة رافعاً لها عند النفی واضعاً عند الاثبات ثم یستمر علٰی ذٰلک لأنه ثبت العقد عند ذٰلک بلا خلاف ولم یوجد أمر بتغییره فالأصل بقاء الشیء علٰی ما هو علیه. (۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع سبابہ صرف نفی کے وقت ہونا چاہئے، بعدہ اس کا وضع چاہئے اور اسی طرح حلق مع وضع سبابہ اخیر صلوٰۃ تک چاہئے اور جو حدیث ترمذی کے (ابواب الدعوات، ترمذی شریف:۲/۱۹۹) میں ہے، اس سے رفع سبابہ اِلٰی آخر الصلوٰۃ ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبض اَصابع وبسط سبابہ اخیر صلوٰۃ تک چاہئے، بہرکیف رفع سبابہ الیٰ آخر الصلوٰۃ کی کوئی روایت باوجود سعی کے نظر سے نہ گزری۔

الجواب

واقعی بقاء اشارہ میں روایت (۴) ترمذی کی صریح نہیں، گو محتمل ہے اور ملا علی قاریؒ کی عبارت کا مدلول بھی واقعی قبض

---

(۱) اس جواب سے رجوع فرمالیا گیا ہے، جو سوال "تشہد میں آخر نماز تک ہاتھ کی انگلیوں کا حلقہ بنائے رکھنے اور اشارہ کی انگلی کو اسی طرح باقی رکھنے کی تحقیق"، میں آرہا ہے۔سعید

(۲) حضرت مجیب قدس سرہ کا ۱۳۳۳ھ کا ارقام فرمودہ فتویٰ سوال نمبر:۱۹۸ پر آرہا ہے، (یہاں اس سے اوپر رکھ دیا گیا ہے۔انیس) جس کا حاصل یہ ہے کہ سبابہ کو ذرا جھکادے، بالکلیہ نہ گرادے، بلکہ سلام پھیرنے تک اشارہ باقی رکھے۔ یہاں سائل اس فتویٰ پر نقد کر رہا ہے، چنانچہ حضرت مجیب قدس سرہ نے زیر نظر سوال کے جواب میں جو یکم صفر ۳۵ھ کا مرقوم ہے، اپنے سابق فتویٰ سے جو ۳۳ھ کا مرقوم تھا، رجوع فرمالیا ہے۔

اس کے بعد سوال نمبر ۱۹۷ میں اس سلسلہ میں طویل بحث آرہی ہے، جس میں سائل نے حضرت مجیب قدس سرہ کے رجوع پر نقد کیا ہے اور ابقاء اشارہ الیٰ آخر القعدہ کے دلائل بیان کئے ہیں؛ لیکن حضرت مجیب اپنے رجوع پر برقرار رہے ہیں اور سائل کی تمام دلیلوں کے جوابات دیئے ہیں۔سعید احمد

(۳) **التعلیق الممجد علی موطأ الإمام محمد، باب العبث بالحصی فی الصلاة ومایکره: ٤٦٣/١، دار القلم دمشق. انیس**

(۴) ترمذی شریف، ابواب الدعوات:۱/۱۹۹، باب) کی یہ روایت سوال نمبر:۱۹۷ کی وجہ ثانی میں آرہی ہے　==

اصابع وبسط سبابہ ہی کا بقا ہے نہ کہ اشارہ کا پس بہشتی زیور کے مضمون سے رجوع کرتا ہوں اور اس کو اس طرح بدلتا ہوں تشہد میں ''لاإلٰــہ'' کے وقت انگلی اٹھاوے اور ''إلا اللّٰــہ'' پر جھکاوے مگر عقد اور حلقہ کی ہیئت کو آخر نماز تک باقی رکھے، **وجزاکم اللّٰہ علیٰ ھٰذا التنبیہ.**

یکم صفر ۱۳۳۵ھ۔ (ترجیح جلد نمبر: ۵، ص: ۲)

جواب بالا سے متعلق سوال وجواب:

سوال: سائل- ایک طالب علم سے مسموع ہوا کہ جناب والا نے ابقاء اشارہ الیٰ آخر القعدتین سے رجوع فرمالیا ہے، بندہ کو اس میں شبہ ہے جو بغرض حل عرض ہے، امید کہ جواب سے سرفراز فرما کر ممنون فرمایا جاوے۔

تقریر شبہ کی یہ ہے کہ رفع عند النفی ووضع عند الاثبات جسے صاحب محیط و برہان ودرمختار وعلی متقی وملا علی قاری اور ان کے اتباع میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی ومولانا عبد الحی لکھنوی وغیرھم رحمھم اللہ تعالیٰ نے اختیار فرمایا ہے، اس کا ثبوت کسی حدیث یا اثر یا روایت عن الائمہ سے نہیں ملتا، سوائے اس کے کہ شمس الائمہ حلوانیؒ سے مروی ہے اور نکتہ رفع للنفی ووضع للاثبات کو متضمن ہے۔

مجیب- شمس الائمہ حلوانی حسب تصریح شامی فقہا کے طبقہ ثالثہ سے ہیں کہ ہمارے لئے ان کا بلکہ ان کے مابعد والوں کا قول بھی حجت ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے:

وأما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ وما صححوہ ، إلخ. (۱)

پھر دوسرے مصنفین کثیرین کا نقل کرنا دال ہے کہ یہ قول منصوص اور معتمد ہے، شاذ یا مرجوح نہیں۔ اس لئے صاحب تزیین العبارۃ نے اس کو جمہور کا قول کہا ہے:

وقالوا (أی جمهور علمائنا): یرفع المسبحة عند قول لاالٰه ویضعها عند قول إلا اللّٰه، إلخ. (ص: ۳)

اور ایک جگہ کہا ہے:

الصحیح المختار عند جمهور أصحابنا أنه یضع (إلٰی قوله) ویشیر بالمسبحة رافعاً لها عند النفی واضعاً لها عند الاثبات. (ص: ۱۷)

پس ہم کو مقلد ہونے کی حیثیت سے ان کی مخالفت یا ان سے مطالبۂ دلیل کی گنجائش نہیں۔

== اور ملا علی قاریؒ کی عبارت سے وہ عبارت مراد ہے جو سوال میں ذکر کی گئی ہے۔ حضرت مجیبؒ کا سابق فتویٰ مرقومہ ۳۳ھ در بارۂ ابقاء اشارہ الیٰ آخر القعدۃ ملا علی قاریؒ کی اسی عبارت سے مستفاد تھا، لیکن عبارت کا مطلب سمجھنے میں تسامح ہوا تھا اب اس کا صحیح مطلب سمجھ میں آیا ہے اس لئے سابق فتویٰ سے رجوع کیا گیا ہے۔ سعید احمد

(۱) الدر المختار، مقدمة قبل، کتاب الطهارة: ۷۷/۱

فی رد المحتار تحت قول الدر المختار: کما لو أفتونا فی حیاتهم مانصه: أی کما نتبعهم لو کانوا إحیاء و أفتونا بذٰلک فإنه لا یسعنا مخالفتهم. (۱/ ۸۰)(۱)

البتہ اگر اس کے مقابل مذہب میں دوسرا قول بھی منقول ہوتا تو اس کی ترجیح ممکن تھی یا کوئی صحیح وصریح حدیث اس کے خلاف ہوتو پھر اس قول کا ترک واجب ہوتا اور اگر روایات حدیثیہ میں غور کیا جائے تو تخصیص اشارہ بوقت تہلیل کا پتہ بھی لگتا ہے۔

فی تزئین العبارة عن معا ذ بن جبل و فیه یشیر بأصبعه إذا دعا. (رواہ الطبرانی فی الکبیر: ۹)(۲)

اور دعا کی تفسیر تشہد کے ساتھ مسلم ہے اور ظاہر ہے کلمۂ اذا توقیت کے لئے ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اشارہ صرف تہلیل کے وقت تھا، پس تہلیل کے ختم پر اشارہ بھی ختم ہوجاوے گا اور یہی حاصل ہے رفع عند النفی ووضع عند الاثبات کا اور ابوداؤد ونسائی کی روایت میں ہے:

رافعاً أصبعه السبابة وقد حناها شیئاً أی أمالها. (تزئین، ص: ۸)(۳)

اور اشارہ میں انگلی کا سیدھا ہوجانا مشاہد ہے۔ پس یہ انحناء اس وقت ہوسکتا ہے کہ اشارہ تو نہ رہے؛ لیکن ہیئت عقد کی باقی رہے، پس اس سے دو امر ثابت ہوئے، ایک اشارہ کا آخر تک مستمر نہ رہنا، دوسرے عقد کا مستمر رہنا، پھر عدم استمرار اشارہ کی تفسیر اوپر کی حدیث "**إذا دعا**" سے ہوگئی۔

سائل: بخلاف ابقاء اشارہ الیٰ آخر القعدتین کے کہ اس کے ثبوت میں متعدد وجوہ ذہن میں آتے ہیں، جن میں چند عرض ہیں۔

وجہ اول روایت ترمذی مندرجہ وجہ ثانی کو ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ تزئین العبارۃ میں نقل کر کے فرماتے ہیں:

وروی أبو یعلٰی نحوه (أی نحو ماروی الترمذی الاٰتی فی الوجه الثانی) وقال فیه بدل بسط: یشیر بالسبابة،انتهٰی،(۴) وهٰکذا نقل الشامی فی رفع التردد عن تزئین العبارة۔

یہ حدیث ابو یعلیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کو آخر سلام تک باقی رکھنے پر صراحۃً دال ہے۔

مجیب: اس روایت کی مجھ کو تحقیق نہیں، اگر یہ قواعد کے موافق قابل احتجاج ہوتو بے شک اس پر عمل اور اس قول

---

(۱) الدر المختار، مقدمة قبل کتاب الطهارة: ۷۷/۱

(۲) رواه الطبرانی فی المعجم الکبیر عن عبدالله بن الزبیر، معجم عبد الله بن الزبیربن العوام (ح: ۱٤۸۲۱)انیس

(۳) سنن أبی داؤد، باب الإشارة فی التشهد (ح: ۹۹۱)/سنن النسائی، باب إحناء الالسبابة فی الإشارة (ح: ۱۲۷٤)انیس

عن عبدالله بن الزبیر أن النبی صلی الله علیه وسلم إذا قعد فی التشهد قال: هکذا - ووضع یحيٰ یده الیمنٰی علٰی فخذه الیمنٰی والیسریٰ علی فخذه الیسریٰ وأشار بالسباحة ولم یجاوز بصره إشارته.(مسند أبی یعلیٰ الموصلی، مسند عبدالله بن الزبیر (ح: ٦۸۰۷)انیس)

مشہور کا ترک ضروری ہے اور جب تک احتجاج ہونا ثابت نہ ہو تو اس کا وجود کا لعدم ہے اور اس قول کے ترک کی کوئی وجہ نہیں تو روایت ابویعلیٰ کے رجال کی تحقیق کرنی چاہئے۔

سائل: وجہ ثانی: **عن عاصم بن كليب عن أبيه عن جده قال دخلت علىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم وهويصلى وقد وضع يده اليسرىٰ علىٰ فخذه اليسرىٰ ووضع يده اليمنىٰ وقبض أصابعه وبسط السبابة وهويقول يا مقلب القلوب ثبت قلبى علىٰ دينك.** (رواه الترمذى أبواب الدعوات: ۱۹۹/۲)

یہ روایت بھی روایت ابویعلیٰ کی مؤید ہے، اس لئے کہ عندالعقد والتحلیق سبابہ ذرا خمیدہ ہو جاتی ہے، بسط نہیں رہتا تاوقتیکہ ذرا اٹھائی نہ جائے۔

مجیب: یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے۔

سائل: پس اس روایت کا بھی مطابق نہ سہی التزامی مدلول استمرار اشارہ ہوگا، یہی وجہ ہے، جو رواۃ ما تحت میں سے کسی نے یشیر بالسبابۃ سے اور کسی نے بسط السبابۃ سے تعبیر کر دیا۔

مجیب: اس کے مبنیٰ کا خلافِ مشاہدہ ہونا مذکور ہو چکا۔

سائل: وجہ ثالث: **عن ابن عمر أن النبى صلى الله عليه وسلم كان إذاجلس فى الصلوٰة وضع يديه علىٰ ركبتيه ورفع أصبعه اليمنىٰ التى تلى الإبهام ودعا بها.** (الحديث) **وروا مسلم وأبوداؤد والترمذى.**(۱)

وفى شرح معانى الآثا رعن وائل بن حجر الحضرمى فلما قعد ... ثم عقد أصابعه وجعل حلقه بالابهام والوسطٰى ثم جعل يدعوا بالأخرىٰ.(۲)

یہ احادیث بھی دعا کے وقت اشارہ کرنے پر دال ہیں اور اگر احادیث مذکورہ میں دعا سے دعا آخر صلوٰۃ مراد نہ لی جاوے اور دعا بمعنیٰ تشہّد یا تہلیل مراد لی جاوے تب بھی رفع عندالنفی ووضع عندالاثبات درست نہیں ہوتا، اس لئے کہ طحاوی وغیرہ نے **ثم جعل يدعوا بالأخرىٰ** روایت کی جو استمرار پر دال ہے اور یہ اس میں مقصود ہے۔

مجیب: دلالت علیٰ الاستمرار غیر مسلم ہے۔

سائل: وجہ رابع: امام طحاویؒ حدیث ''**ثم جعل يدعوا بالأخرىٰ**'' سے عدم تورک فی القعدۃ الاخیرۃ پر استدلال کرتے ہیں اور یہ تب ہی مستقیم ہو سکتا ہے کہ حدیث ''**ثم جعل يدعوا**'' میں دعاء آخر صلوٰۃ مراد ہو، پس اس سے طحاوی کا بھی استمرار اشارہ الیٰ آخر الصلوٰۃ کا قائل ہونا لازم آئے گا۔

---

(۱) الصحيح لمسلم، باب صفة الجلوس فى الصلاة وكيفية وضع اليدين (ح: ۵۸۰)/سنن أبى داؤد، باب الإشارة فى التشهد (ح: ۹۸۷)/سنن الترمذى، باب ماجاء فى فى الإشارة (ح: ۲۹٤) انيس

(۲) شرح معانى الآثار، باب صفة الجلوس فى الصلاة كيف هو؟ (ح: ۱۵٤۲) انيس

فی شرح معانی الآثار: قال أبو جعفر: فهٰذا یوافق ما ذهبوا إلیه من ذٰلک وفی قول وائل ثم عقد أصابعه یدعوا دلیل علٰی أنه کان فی آخر الصلوٰة. (۱)

مجیب: یدعو کی تفسیر میں طحاوی کا قول حجت لازمہ نہیں۔

سائل: وجہ خامس: **عن بشر أنه سمع ابن عمر یقول: إن رفعکم أیدیکم فی الصلوٰة لبدعة واللّٰه ما زاد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علٰی هٰذا یعنی بأصبعه.** (رواه ابن أبی شیبة)(۲)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ اشارہ فی الصلوٰۃ قائم مقام رفع یدین کے ہے اور ظاہر ہے کہ "**رفع یدین مع بسطهما**" سوال کے لئے موضوع ہے، نہ کہ تہلیل کے لئے کہ عادۃً سائل مسئول عنہ کی طرف ہاتھ پھیلا کر مانگتا ہے اور شریعت نے بھی اسے آداب دعا میں شمار کیا ہے، پس رفع یدین کا محل سوال ہی ہوگا، جس سے لازم آئے گا کہ اس کے نائب مناب (اشارہ بالسبابہ) کا محل بھی سوال؛ یعنی دعا آخر صلوٰۃ ہی ہو، یہ اور بات ہے کہ تہلیل مقدمہ دعا کا ہو کر کالجزء ہو جانے کی وجہ سے وہ بھی محل رفع یدین میں داخل ہوگئی اور اس کے واسطہ سے محل میں اس کے نائب کے بھی داخل ہوگئی، الخ، اس لئے ابتداءِ تہلیل ہی سے حکم اشارہ ہوا، علاوہ ازیں اشارہ میں جہۃ نیابت لرفع الیدین کے ساتھ ایک دوسری جہۃ اشارہ (فعلیہ) الیٰ التوحید والاخلاص کی تھی کہ بیہقی نے روایت کی:

"**أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یشیر بها للتوحید**". (۳)

اور ابن تیمی سے مروی ہے:

سئل ابن عباس عن تحریک الرجل أصبعه فی الصلوٰة، فقال: ذٰلک الاخلاص. (۴)

لہٰذا ابتدا تہلیل ہی سے حکم ہوا کہ ادب دعاء ادا ہونے کے ساتھ ایک دوسری غایت یعنی اشارہ الیٰ التوحید والاخلاص بھی حاصل ہو کر قول وفعل میں مطابقت ہو جاوے، پھر لطف یہ کہ ان مقصدوں کے ساتھ اور فوائد بھی مثل **انقطاع طمع شیطان لإضلاله العبد والقائه فی الشرک** ۔ ورفع سہو وقمع شیطان وتخویف شیطان بھی مترتب ہوتے

---

(۱) شرح معانی الآثار، باب صفة الجلوس فی الصلاة کیف هو؟: ۲۵۹/۱ (بعد رقم الحدیث: ۱۵٤۲) عالم الکتاب. انیس

(۲) وفی مسند الإمام أحمد، مسند عبداللّٰه بن عمر (ح: ٥٢٦٤) بلفظ: إن رفعکم أیدیکم بدعة مازاد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علی هذا یعنی إلی الصدر. (انیس)

(۳) عن مقسم بن أبی القاسم قال: حدثنی رجل من أهل المدینة قال: صلیت إلی جنب خفاف بن إیماء بن رخصة فرآنی أشیر بأصبعی فی الصلاة فقال: ابن أخی، لم تفعل هذا؟ قلت: إنی رأت خیار الناس وفقاء هم یفعلونه قال: قد أصبت، رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یشیر بأصبعه إذا جلس یتشهد فی صلاته وکان المشرکون یقولون: إنما یسحرنا، وإنما یرید النبی اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم التوحید. (سنن البیهقی الکبریٰ، باب ماینوی مشیر بإشارته فی التشهد (ح: ۲۷۹۲) انیس)

(۴) مصنف عبدالرزاق الصنعانی، باب رفع الیدین فی الدعاء (ح: ۳۲٤٤) انیس

ہیں کہ وارد ہوا: " **لَهِیَ أی الاشارة أشد علٰی الشیطان من الحدید**". (رواہ البیہقی) (۱) اور وارد ہوا: " **هی مذبّة الشیطان لایسهو أحدکم مادام یشیر بأصبعه**" (۲) اور وارد ہوا: "**تحریک الأصبع فی الصلوٰة مذعرة للشیطان**". (رواہ البیہقی) (۳)

الحاصل اشارہ بالمسبحہ قائم مقام رفع یدین للدعاء ہونے کی وجہ سے آخر سلام تک باقی رہے گا۔

مجیب: ابن عمرؓ کا قول اس میں صریح نہیں، یہ بھی معنیٰ ہو سکتے ہیں کہ حرکت رفع یدین ہیئتِ صلوٰۃ کے منافی ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں اتنی حرکت سے زیادہ ثابت نہیں، پھر خواہ یہ حرکت کسی موقع پر ہو، اس سے روایت ساکت ہے اور دوسری روایات مبیّن ہیں کہ تشہّد کے وقت تھی، باقی احادیث مذکورہ وجہ ہٰذا کو، اگر ثابت بھی ہوں، مانحن فیہ سے کچھ مس نہیں اور حدیث اخیر کو تو ابن حجر نے ضعیف بھی کہا ہے، (کما فی المرقاۃ جلد اول: ۵۵۵) اور سائل نے جو تہلیل کو مقدمہ دعاء آخر صلوٰۃ ہونے کا سبب محل اشارہ ٹھہرایا ہے، اگر یہ امر صحیح ہوتا تو قعدۂ اولیٰ میں اشارہ نہ ہوتا کہ وہاں تہلیل مقدمۂ دعاء نہیں ہے، **وهو کما تریٰ**. دوسرے دعاء آخر صلوٰۃ مؤکد نہیں تو لازم آتا ہے کہ اس کے ترک پر اشارہ عبث ہو، **وهو کما تریٰ**.

سائل: وجہ سادس: جبکہ احادیث صحیحہ کثیرہ وآثار صحابہؓ سے سنّیت اشارہ ثابت ہوگئی اور اس کے مقابلہ میں کوئی حدیث یا اثر صحیح کیا ضعیف بھی ایسا نہیں پایا گیا، جو سنیتِ اشارہ کا نافع ہو تو قیاس جلی یوں چاہتا ہے کہ سنّیت اشارہ آخر قعدہ تک یوں ہی مستمر و باقی رہے کہ اصول کا مسئلہ ہے، شیء اپنی حالتِ سابقہ پر باقی رہتی ہے، تاوقتیکہ کوئی امر مغیر نہ پایا جاوے، پس حکم سنیت اشارہ آخر قعدہ تک مستمر و باقی رہے گا۔

مجیب: یہاں مغیر نہ پایا جانا یقینی نہیں، طبقہ ثالثہ کا فتویٰ دلیل ظنّی ہے، وجود مغیر کی، دوسرے ایک قیاس اس کا معارض بھی ہے، وہ یہ کہ اصل عدم اشارہ ہے اور اشارہ للعارض ہے، پس ارتفاع عارض سے اشارہ مرتفع ہو جاوے گا، جیسا رفع یدین کہ اصل نماز میں اس کا عدم ہے، مگر عارض انتقال سے اس کا تحقق ہوتا ہے، پھر اس کے ارتفاع سے وہ رفع بھی مبدل بوضع یا ارسال ہو جاوے گا، ورنہ سائل کے قیاس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ مثلاً وتر کی رکعت ثالثہ میں جو بعد قرأت کے رفع یدین کیا جاتا ہے اور اس کے بعد وضع یا ارسال روایت میں منقول نہیں، تو چاہئے کہ وہی ہیئت رفع کی رکوع کے وقت تک مستمر رکھے اور قنوت اسی ہیئت رفع کی حالت میں پڑھا جاوے، فافہم، البتہ اس قیاس سے تزئین میں استمرار ہیئت عقد میں کام لیا ہے:

---

(۱) مسند الإمام أحمد، مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب (ح: ۶۰۰۰) انیس

(۲) مسند الحمیدی، أحادیث عبدالله بن عمر بن الخطاب ح: ۶۶۳) دار السقا دمشق، انیس

(۳) السنن الکبریٰ للبیهقی، باب من رأی أنه أشار بها ولم یحرکها (ح: ۲۷۸۸) انیس

”ویشیر بالمسبحة رافعالها عند النفی وواضعاً لها عند الاثبات ثم یستمر علیٰ ذلک لأنه ثبت العقد عند الاشارة بلاخلاف ولم یوجد أمر یغیره فالأصل بقاء الشیء علیٰ ما هو علیه واستصحابه إلیٰ آخر أمره وماله إلیه هٰذا. (ص:۱۷)

اوراس قیاس کا کوئی معارض بھی نہیں، بلکہ ترمذی کی حدیث اس کی مؤید ہے، پس استمرار عقد میں اس قیاس پر عمل ہوگا۔

سائل: وجہ اصابع ایسے ہی جبکہ ہمارے ائمہ ثلٰثہ ابوحنیفہ، صاحبین رحمہم اللہ سے حکم سنّیت اشارہ بروایت معتبرہ ثابت ہوگیا اوراس کے مقابلہ میں کوئی رافع نہیں پایا گیا تو حکم سنّیت اشارہ بنابر مذہب ائمہ کے بھی آخر تک باقی رہے گا۔

مجیب: **فیه ما قد مرفی الجواب عن الوجه السابق.**

التماس (۱) تزئین العبارۃ اگر وہاں ہو تو تکلیف فرما کر یہاں عاریۃً بھیج دیجئے، (۱) اُس کا مطالعہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔

(۲) یہاں کتابیں نہیں ہیں، مجھ کو روایت مذکورہ وجہ اوّل سے کچھ تردد ہوگیا، اگر وہاں کے حضرات سے سب اجزاء کی تحقیق کر کے اخیر بات طے کرلی جاوے، میں اس کا اتباع کروں گا۔

۱۶/جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ۔ (ترجیح، ج:۵، ص:۶) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۰۶-۲۱۴)

تشہد میں انگلی اٹھانا کیسا ہے:

سوال: تشہد میں انگلیا ٹھانا کیسا ہے، علماءِ احناف میں اختلاف ہے، بعض مستحب فرماتے ہیں اور خلاصہ کیدانی میں حرام لکھا ہے، وہ معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب

معتبر فقہا نے رفع سبّابہ کو سنت لکھا ہے، درمختار میں چند کتب کا حوالہ دیکر اس کو سنت ثابت کیا ہے اور عدم رفع کو خلاف روایت ودرایت لکھا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے موطأ میں مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا رفع سبّابہ لکھا ہے، پس خلاصہ کیدانی وغیرہ کے حوالہ سے اس کو حرام کہنا غلط ہے اور تفصیل اس کی کتب فقہ میں موجود ہے۔ درمختار، شامی، فتح القدیر وغیرہ کو دیکھنا چاہئے، خلاصہ کیدانی کے قول کا اس بارہ میں اعتبار نہ کیا جاوے، اس نے صریح غلطی کی ہے کہ فعل سنت کو حرام لکھا۔ فقط (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۷۲-۱۷۳) ☆

(۱) چنانچہ وہ رسالہ مل گیا، اس کو دیکھ کر جواب ہذا میں کہیں کہیں اضافہ بھی واقع ہوا ہے۔ منہ

(۲) (ولایشیر بسبابته عند الشهادة وعلیه الفتویٰ) کما فی الولوالجیة والتجنیس وعمدة المفتی وعامة الفتاویٰ، لکن المعتمد ماصححه الشراح، ولاسیما المتأخرون کالکمال و الحلبی والبهنسی والباقلانی وشیخ الإسلام الجد وغیرهم أنه یشیر لفعله علیه الصلوٰة والسلام ونسبوه لمحمد والإمام، ==

== بل فی متن در ر البحار و شرحه غررالأذکار: المفتٰی به عندنا أنه یشیر باسطاً أصابعه کلها،وفی الشرنبلالیة عن البرهان:الصحیح أنه یشیر بمسبحته وحدها یرفعها عند النفی ویضعها عند الإثبات،واحترزبالصحیح عما قیل لا یشیر،لأنه خلاف الدرایة و الروایة وبقولنا بالمسبحة عما قیل یعقد عندالإشارة،آه.وفی العینی عن التحفة:الأصح أنها مستحبة،وفی المحیط:سنة.(الدرالمختار)

وفی المحیط أنها سنة یرفعها عند النفی ویضعها عند الإثبات هوقول أبی حنیفة ومحمد رحمهما اللّٰه وکثرت به الآثاروالأخبار فالعمل به أولٰی،آه.فهوصریح أن المفتی به هوالإشارة بالمسبحة،إلخ.(ردالمحتار،باب صفة الصلاة: ۱/ ٤۷٤،ظفیر)(کتاب الصلاة،قبیل مطلب مهم فی عقد الأصابع عند التشهد ، انیس)

☆ تشہد میں انگشت شہادت اٹھانا:

سوال: تشہد میں انگشت شہادت کا اٹھانا مسنون ہے یا نہیں؟

الجواب

روایات متعلق رفع سبابہ یہ ہیں:

فی الدرالمختار:لٰکن المعتمد ماصححه الشراح،ولاسیما المتأخرون کالکمال والحلبی والبهنسی والباقانی وشیخ الإسلام الجد وغیرهم أنه یشیرلفعله علیه الصلوٰة والسلام،ونسبوه لمحمد والإمام،بل فی متن دررالبحاروشرحه غررالأذکار: المفتٰی به عندنا أنه یشیر،إلخ،وفی الشرنبلالیة عن البرهان:الصحیح أنه یشیربمسبحته وحدها یرفعها عند النفی ویضعها عند الإثبات،واحترزبالصحیح عما قیل لایشیرلأنه خلاف الدرایة والروایة،إلخ. (الدرالمختار)(الدرالمختارعلٰی هامش ردالمحتار،باب صفة الصلاة: ۱/ ٤۷٤،ظفیر)(فروع بالفارسیة أوالتوراة أوالإنجیل،انیس)

اور شامی میں ہے:

وفی المحیط:أنها سنة،یرفعها عند النفی،ویضعها عندالإثبات وهوقول أبی حنیفة و محمد رحمهمااللّٰه وکثرت به الآثاروالأخبارفالعمل به أولٰی،آه،فهوصریح فی أن المفتی به هوالإشارة بالمسبحة مع عقد الأصابع،إلخ.

وقال فی الشرح الکبیر:قبض الأصابع عندالإشارة هوالمروی عن محمدرحمه اللّٰه فی کیفیة الإشارة وکذا عن أبی یوسف رحمه اللّٰه فی الأمالی وهذا فرع تصحیح الإشارة وعن کثیرمن المشائخ لایشیرأصلاً وهوخلاف الدرایة والروایة فعن محمد رحمه اللّٰه أن ماذکره فی کیفیة الإشارة قول أبی حنیفة رحمه اللّٰه انتهٰی ومثله فی فتح القدیر،وفی القهستانی وعن أصحابنا جمیعاً أنه سنة فیحلق إبهام الیمنٰی ووسطاها ملصقاً رأسها برأسها،ویشیربالسبابة إلخ.(ردالمحتار: ٤ ۳ ۲ ،المجلدالأول)(رد المحتار،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،قبیل مطلب مهم فی عقدالأصابع عند التشهد: ۱ / ٤ ۷ ۳ ،ظفیر)

(ان روایات سے معلوم ہوا کہ تشہد میں انگشت شہادت اٹھانا مسنون ہے،اوراس کا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کے سروں کو ملا کر حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔ظفیر)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/ ۱۸۰۔۱۸۱) ==

تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنا کیسا ہے:

سوال: رفع سبابہ میں عقد شروع قعود وتشہد سے اور رفع وقت شہادت کے سنت صحیحہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ با وجود ثبوت اس کے عامل کو برا جاننا اور لا مذہب کہنا کیسا ہے اور یہ مذہب حنفیہ میں بھی ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب

عمل رفع سبابہ کا تشہد میں سنت ہے،اس کے عامل کو برا جاننا زبوں امر ہے،حق تعالیٰ اس کو ہدایت فرمائے اور حنفیہ بھی اس کی سنیت کے مقر ہیں،اس پر لا مذہب کہنا سخت نا زیبا ہے-فقط (تالیفات رشیدیہ:۲۶۶)☆

☆ تشہد کے وقت انگلی اٹھانا:

سوال: تشہد میں شہادت کی انگلی اٹھانا سنت ہے یا نہیں؟

الجواب

بعض نے اس کو مکروہ لکھا،مثلاً صاحب منیۃ المفتی اور بعض نے حرام،جیسا کہ خلاصہ کیدانی میں صراحت ہے اور بعض حضرات نے مستحب،چنانچہ تحفہ کے رمزالحقائق میں ہے اور بعض نے لکھا ہے کہ اشارہ نہ کرنا ہی مختار ہے،چنانچہ عالمگیریہ میں خلاصہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے؛لیکن یہ سب اقوال تحقیقی نہیں ہیں،صحیح مسلک یہ ہے کہ اشارہ کرنا سنت ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور امام محمدؒ نے اپنے موطأ میں لکھا کہ یہی میرا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے-صحابہ کرام اور ائمہ سلف کا اس بارہ میں کوئی خلاف منقول نہیں اور جو شخص کہ اس کو حرام یا مکروہ کہتا ہے،وہ گنہگار ہے اور ملا علی قاریؒ نے اسی مسئلہ پر ایک رسالہ لکھا اور خلاصہ کیدانی والے کی خوب خبر لی-ملا علی قاری فرماتے ہیں:

لو يعلم من الصحابة ولا من علماء السلف خلاف في هذه المسئلة ولا في جواز هٰذه الإشارة بل قال إمامنا الأعظم وصاحباه وكذا الإمام مالك والشافعي وأحمد وسائر علماء الأمصار و الأعصار أجمعين علىٰ ماورد به صحاح الأخبار والآثار وقد نص عليه مشائخنا المتقدمون والمتأخرون فلا اعتداد لما عليه المخالفون ولا عبرة لما ترك هٰذا السنة الأكثرون من سكان ماوراء النهر وأهل خراسان والعراق والروم وبلاد الهند،انتهىٰ (وعن المشايخ لايشير أصلاً،وهو خلاف الدراية والرواية.(مرقاة المفاتيح،باب صفة الصلاة: ۲/ ۲۶۳،دار الفكر.انيس)

اور البحر الرائق میں ہے:

"ورجح في فتح القدير القول بإشارة وأنه مروى عن أبي حنيفة كما قال محمد فالقول بعدمها مخالف للرواية والدراية،ورواها في الصحيح لمسلم من فعله صلى الله عليه وسلم وفي المجتبىٰ:لمااتفقت الروايات عن أصحابنا جميعًا في كونها سنة وكذا عن الكوفيين والمدنيين وكثرت الأخبار والأٰثار كان العمل بها أولىٰ،انتهىٰ(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،آداب الصلاة: ۱/ ۵۶۵،دار الكتب العلمية،بيروت،انيس)

(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو:۲۲۲)

تشہد میں انگلی اٹھانے کی شرعی حیثیت:

سوال: کیا نماز میں التحیات میں کلمہ کی انگلی اٹھانا مسنون ہے؟

الجواب

رفع سبابہ نماز میں سنت ہے، یعنی التحیات میں أشهد أن لا إلٰه الا اللّٰه پڑھنے کے وقت انگشت شہادت اٹھانا سنت ہے اور یہ علماءِ حنفیہ کے نزدیک بھی سنت ہے، چنانچہ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی تحقیق میں ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں پورے طور پر روایات نقل کی ہیں، اس کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے اور وہ عبارت یہ ہے:

"رفعها إلى القبلة لحديث رواه البيهقي وأن ينوى برفعها التوحيد والاخلاص لحديث فيه رواه البيهقي وأن لايجوز بصره أشارته لاتباع المروى وأن يخصص الرفع بقوله لا إلٰه إلاالله كما فى رواية مسلم وأن يستمر على الرفع إلى اٰخر التشهد كما قاله البعض واحترز به عن قول جمع بأن الأولٰى عند الفراغ إعادتها، انتهٰى، والأول هو المعمول لأن الاعادة يحتاج رواية.

ترجمہ: یعنی اور مسنون ہے یہ کہ اٹھائی جائے انگشت شہادت قبلہ کی جانب اور یہ حکم حدیث سے ثابت ہے، روایت کیا اس حدیث کو بیہقی نے اور مسنون ہے کہ جب انگشت شہادت اٹھائی جائے تو نیت توحید اور اخلاص کی کرے اور یہ حکم بھی حدیث سے ثابت ہے اور یہ حدیث بھی بیہقی نے روایت کی ہے اور مسنون یہ ہے کہ تجاوز نہ کرے نظر مصلی کی اس کے اشارہ سے، تاکہ حدیث کی اتباع ہو اور خاص اس وقت انگشت شہادت کو اٹھائے، جب لا إلٰه إلا الله پڑھے اور ایسا ہی مسلم کی روایت میں ہے اور بعض علماءِ کرام کے نزدیک یہ ہے کہ آخر تشہد تک انگلی اٹھائے رہے اور یہ احتراز ہے ان لوگوں کے قول سے، جو کہتے ہیں کہ بہتر ہے کہ جب تشہد سے فارغ ہو تو پھر دوبارہ انگلی اٹھائے اور عمل اول قول پر ہے، اس واسطے کہ اس حکم کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ کسی روایت سے ثابت ہو کہ تشہد سے فارغ ہونے کے بعد پھر دوبارہ انگلی اٹھانا چاہئے۔ (فتاویٰ عزیزی:۴۷۳)

☆ **اشارہ کے لیے انگلی اٹھانا:**

سوال: نماز میں جب لوگ التحیات میں "عبده ورسوله" پڑھتے ہیں تو داہنے ہاتھ کی کلمہ کی انگلی اٹھاتے ہیں، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب

کلمے کی انگلی اٹھانا شہادتین پڑھنے کے وقت سنت ہے، احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور فقہ کی معتبر کتابوں سے بھی ثابت ہے، چنانچہ شرح وقایہ میں لکھا ہے:

"ومثل هٰذا جاء عن علمائنا أيضا". (باب صفة الصلاة: ۱۳۸/۱، مطبع يوسفى لكهنؤ. انيس)

ترجمہ: اور ایسا ہی ہمارے علماءِ کرام سے بھی ثابت ہے۔

==

تشہد میں بحث رفع سبابہ:

سوال: تشہد میں رفع سبابہ کے متعلق علمائے احناف کا کیا مذہب ہے، آیا سنت ہے یا واجب یا مستحب اور کس وقت سے کس وقت تک رفع کیا جاوے، حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ اس کے خلاف کیوں فرماتے ہیں اور حلقہ بنانا کیسا ہے؟

الجواب

صحیح یہ ہے کہ رفع سبابہ تشہد میں سنت ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے موطأ میں فرمایا ہے:

وهو قول أبی حنيفة رحمه الله. (موطأ الإمام محمد)

اور مستحب یہ ہے کہ نفی پر اٹھاوے اور اثبات پر رکھ دے۔

"وفی المحيط: أنها سنة يرفعها عند النفی، ويضعها عندالإثبات وهو قول أبی حنيفة ومحمد رحمهما الله وكثرت به الآثار والأخبار فالعمل به أولىٰ، آه. (۱)

اور حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بر بناء علی المتون عدم رفع کو راجح سمجھا ہے؛ لیکن جمہور فقہا و محدثین نے اس کے خلاف کی تصحیح فرمائی ہے اور شراح نے متون کی روایت کو صحیح اور مفتیٰ بہ نہیں سمجھا ہے اور حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اتباع اور خلفا نے بھی قول امام ربانی کی تاویل فرمائی ہے اور اشارہ سبابہ کا سنت ہونا ثابت فرمایا ہے اور حلقہ کرنا ابہام اور وسطیٰ سے اور قبض کرنا خنصر اور بنصر کو اور اشارہ کرنا مسبحہ سے سنت ہے۔

"وصفتها: أن يحلق من يده اليمنىٰ عند الشهادة والإبهام والوسطىٰ ويقبض البنصر والخنصر ويشير بالمسبحة"، إلخ. (ردالمحتار) (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۰۴-۲۰۵) ☆

== چنانچہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی موطأ میں اس مضمون کی حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ کی انگلی اٹھاتے تھے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بعد کہا کہ ہمارا عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل پر ہے اور یہی قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور بعض کتب فقہ میں جو لکھا ہے کہ بعض کا قول ہے کہ اس وقت اشارہ کرنا منع ہے تو یہ قول محض غلط ہے اس واسطے کہ اس قائل نے اپنے پیغمبر خدا اور اپنے مجتہد کے خلاف کہا ہے۔ اس کے قول کا اعتبار نہیں۔ (فتاویٰ عزیزی: ۲۶۸)

(۱-۲) رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل فی تاليف الصلاة: ۱/۵۰۷، ظفير) (كتاب الصلاة، قبيل مطلب مهم فی عقد الأصابع عند التشهد، انيس

☆ رفع سبابہ کرنا چاہئے یا نہیں:

سوال: رفع سبابہ اس طرف حنفی نہیں کرتے اور امام صاحبؒ کا ایک قول نہ کرنے کا حجت پکڑتے ہیں۔

الجواب

رفع سبابہ کے متعلق درمختار اور شامی نے پوری تفصیل فرمادی ہے اور رفع کو راجح کردیا ہے اور بہت سی کتب سے ==

== اس کو نقل کیا ہے، اس کے بعد مقلد کو خلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ موطا میں امام محمد رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ قول ہمارا اور ہمارے استاد امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔(لٰکن المعتمد ماصححه الشراح،ولاسيما المتأخرون كالكمال والحلبی و البهنسی والباقانی وشیخ الإسلام الجد وغیرهم أنه یشیر لفعله علیه الصلٰوة والسلام،إلخ،(الدر المختار علٰی صدر رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صفه الصلاة،فروع قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل: ٤/١ ٤٧،ظفير) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۱۸۸/۲)

انگشت شہادت سے اشارہ:

سوال: نماز میں انگشت شہادت کا اٹھانا کثرت احادیث سے ثابت ہے مگر فقہا رحمہم اللہ معلوم نہیں کیوں منع فرماتے ہیں اور حرام کہتے ہیں۔ اگر مذہب حنفیہ میں جائز ہو تو تحریر فرمائیے۔

الجواب

فقہاءِ محققین حنفیہ نے بھی راجح اشارہ بالسبابہ کو فرمایا ہے اور اسی پر فتویٰ اور عمل ہے۔ درمختار میں ہے بعد نقل روایت منع کے:" لٰکن المعتمد ماصححه الشراح،ولاسيما المتأخرون كالكمال والحلبی والبهنسی والباقانی وشیخ الإسلام الجد وغیرهم أنه یشیر لفعله علیه الصلوٰة والسلام،ونسبوه لمحمد والإمام،بل فی متن درر البحار وشرحه غرر الأذكار:المفتیٰ به عندنا أنه یشیر باسطاً أصابعه كلها،والشرنبلالية عن البرهان:الصحيح أنه یشیر بمسبحته وحدها إلخ وفی الشامی: فهو صریح فی أن المفتیٰ به هو الإشارة بالمسبحة مع عقد الأصابع علی الكيفية المذكورة،إلخ. (ردالحتار: ٣٤١/١)(رد المحتار،باب صفة الصلاة: ٤/١ ٤٧،ظفير)(كتاب الصلاة، قبيل مطلب مهم فی عقد الأصابع عند التشهد،انیس) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۱۸۹/۲-۱۹۰)

تشہد میں انگشت سے اشارہ:

سوال: سرحد کے علما تشہد میں انگشت اٹھانے سے منع کرتے ہیں کہ یہ فعل نماز میں نہ کیا جائے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ فعل کرنا نماز میں سنت سے ثابت ہوا ہے لہذا جس طور پر اشارہ ثابت ہوا ہے بہ سند صحیح تحریر فرماویں۔

الجواب

صحیح عند الحنفیہ یہ ہے کہ تشہد میں اشارہ بالسبابہ سنت ہے اور اس کے خلاف کو خلاف روایت اور درایت لکھا ہے۔ درمختار میں متعدد کتب کے حوالہ سے اشارہ بالسبابہ کی تصحیح فرمائی ہے۔ حيث قال بعد نقل قول عدم الإشارة:

"لٰکن المعتمد ماصححه الشراح،ولاسيما المتأخرون كالكمال والحلبی والبهنسی والباقانی وشیخ الإسلام الجد وغیرهم أنه یشیر لفعله علیه الصلوٰة والسلام،ونسبوه لمحمد والإمام،بل فی متن درر البحار وشرحه غرر الأذكار:المفتیٰ به عندنا أنه یشیر إلخ،وفی الشرنبلالية عن البرهان:الصحيح أنه یشیر بمسبحة،إلخ،واحترز بالصحيح عماقيل لايشير لأنه خلاف الرواية والدراية،إلخ وفی العينی عن التحفة: الأصح أنها مستحبة،وفی المحيط:سنة.(الدرالمختار)(الدرالمختار علٰی صدر ردالمحتار،باب صفة الصلاة ٤٧٤/١،ظفير)(كتاب الصلاة،قبيل مطلب مهم فی عقد الأصابع عند التشهد،انیس) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۱۹۴/۲) ==

== **رفع سبابہ اور حضرت مجدد صاحبؒ:**

سوال:　اکثر کتب فقہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ التحیات میں انگلی سبابہ کا اٹھانا سنت وموجب ثواب ہے اور حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی بھی اس کو سنت نبوی قرار دیتے ہیں۔لیکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس فعل کو مکتوبات نمبر:۳۱۲ میں حرام فرماتے ہیں۔ان دونوں حضرات میں سے کس کا قول معتبر ومستند ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

اس میں صحیح ومستند یہ ہے کہ اشارہ بالسبابہ تشہد میں سنت ومستحب ہے۔جمہور امت اسی طرف ہیں اور در مختار میں عدم رفع سبابہ کی روایت نقل کرکے پھر اس کے خلاف کو بہت روایات اور دلائل سے سنت ہونا ثابت کیا ہے اور محمد رحمۃ اللہ علیہ نے موطأ میں اپنا اور امام صاحبؒ کا سنیت رفع سبابہ کا مذہب نقل کیا ہے۔(تفصیلی حوالہ پہلے گذر چکا ہے۔ظفیر)

اور حضرت امام ربانی مجدّد الف ثانی رحمہ اللہ کی طرف سے بعض نے ان کی اولا د امجاد میں سے اور ان کے خلفا نے معذرت فرمائی ہے، بر بنا بعض روایات حنفیہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا فرمایا ہے۔لیکن امر محقق یہ ہے کہ رفع سبابہ سنت ہے اس کو ترک نہ کیا جاوے۔

هٰذا خلاصة ما فصله وحققه العلماء المحققون من الأحناف فلا إشكال فإن اختلاف الأمة رحمة من الله المتعال. فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۲۰۶)

رفع سبّابہ اور حضرت مجدد صاحبؒ:

سوال:　جواب نمبر ۲۵۱۶ (یعنی مندرجہ بالا جواب) موصول ہوا، مخالفین نے الحمدللہ تسلیم کیا، مگر یہ کہا کہ کیدانی وغیرہ کے قول کو تمام علما نے رد کیا، مگر حضرت مجدد الف ثانی سرہندیؒ نے مکتوب نمبر:۳۱۲ میں (کی شرح کرتے ہوئے) لکھا ہے بلکہ مکتوب کے حاشیہ پر قول امام محمدؒ در بارہ رفع سبّابہ کو رد کیا ہے اور عدم رفع کو ترجیح دی ہے، شرعاً اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اولاد امجاد میں سے ہی بعض حضرات نے یہ تحقیق کی ہے کہ رفع سبابہ سنت سے ثابت ہے، اس لئے اس پر عمل کرنا چاہئے اور جب کہ بہت سے فقہا محققین حنفیہ نے رفع سبابہ کو ترجیح دی ہے اور اختیار کیا ہے، تو مقلدین حنفیہ کو اپنے فقہا کے قول کو لینا چاہئے، جیسا کہ خود حضرت مجدد صاحبؒ نے اپنے مکتوبات میں بہت جگہ اس کی تصریح فرمائی ہے کہ!

''احکام شریعت میں ائمۂ مجتہدین اور فقہا کے قول کو لینا ضروری ہے، اس میں حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت شبلیؒ اور دیگر اولیاء کبار اور مجتہدین فی الطریقہ کا قول معتبر نہیں اور ان کی تقلید جائز نہیں ہے''۔(**والأصح كما في السراجية: أنه يفتٰى بقول الإمام على الإطلاق ثم بقول الثاني ثم بقول الثالث إلخ، (الدر المختار علٰى هامش ردالمحتار، مقدمة: ۱/۶۵، ظفیر) فقط**

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۷۳-۱۷۴)

تشہد میں اشارۂ سبابہ:

سوال: قعدہ میں ''التحیات'' پڑھتے ہیں، بہت سے لوگ مٹھی باندھ کر کلمہ کی انگلی اٹھاتے ہیں اور آخیر تک رہنے دیتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے، یا تمام انگلیاں پھیلی رہنے دینا چاہئے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیًا

''التحیات'' میں ''أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه'' پر کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا سنت ہے، اس طرح کہ دو انگلیاں ہتھیلی سے ملی رہیں، بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر حلقہ بنالیا جائے، پھر ''إلا اللّٰه'' پر انگلی کا اشارہ کو ختم کر کے کچھ نیچے کورخ کر دیا جائے اور یہ ہیئت اخیر تک باقی رہے، سب انگلیاں کھول کر نہ پھیلائی جائیں، (۱) اس مسئلہ پر بعض علما نے مستقل رسالے لکھے ہیں۔ (۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔ ۱۲/۸/ ۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۳۵/۵ـ۶۳۶)

اشارہ کے سلسلہ میں تفصیلی بحث:

سوال: نماز میں التحیات پڑھتے وقت أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه پر کلمہ کی انگلی اٹھانا کیا مستحب ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

سب تعریف اور احسان کے جملہ صفتیں اللہ تعالیٰ کے واسطے ہیں، رحمت کاملہ اور سلام صاحب شریعت؛ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اولاد اور اصحاب پر نازل ہو کہ آپ کی آل اور اصحاب سے امر حق ظاہر ہوا، اور رحمت کاملہ اور سلام ائمہ پر نازل ہو، جاننا چاہئے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کسی کے واسطے یہ حلال نہیں کہ ہمارے قول کو کسی مسئلہ میں دلیل قرار دے، جب تک اس کو یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس قول کا ماخذ کتاب یعنی قرآن

---

(۱) عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنهما قال: كان رسول اللّٰه عليه وسلم: "إذا قعد فی التشهد وضع يده اليُسرٰى علٰی ركبته اليُسرى، ووضع يده اليمنٰى علٰی ركبته اليمنٰى، وعقد ثلاثة وخمسين، وأشار بالسبابة، آهـ". رواه مسلم. (مشكٰوة المصابيح، كتاب الصلاة، باب التشهد، الفصل الأول: ۸٤/۱، قديمی) (رقم الحديث: ۹۰٦، انيس)

"وصحيح فی شرح الهداية أنه يشير، وكذا فی الملتقط وغيره، وصفتها: أن يحلق من يده اليمنى عند الشهادة الإبهام والوسطٰى ويقبض البنصر والخنصر، ويشير بالمسبحة أو يعقد ثلاثةً وخمسين بأن يقبض الوسطى والبنصر والخنصر، ويضع رأس إبهامه علٰی حرف مفصل الوسطى الأوسط، ويرفع الأصبع عند النفی ويضعها عند الإثبات" آه. (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فی بيان تأليف الصلاة إلٰی انتهائها: ۵۰۸/۱ـ۵۰۹، سعيد)

(۲) كتاب المسبحة لمحمد بن الحسن الشيبانی (رحمة واسعة) رفع التردد فی عقد الأصابع عند التشهد مع ذيلها. لمحمد أمين الشهير بابن عابدين رحمه اللّٰه تعالٰی من مجموعة رسائل ابن عابدين: ۱۲۰/۱، سهيل اكيڈمی، لاهور

شریف اور سنت یعنی حدیث اور اجماع اور قیاس جلی میں سے کیا ہے؟ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اصول ہے؛ کیوں کہ فقہ چار اصل سے ماخوذ ہوتا ہے۔

پہلی اصل: کتاب اللہ؛ یعنی قرآن شریف۔

دوسری اصل: سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)؛ یعنی حدیث شریف۔

تیسری اصل: ایک وقت کے مجتہد کا اجماع۔

چوتھی اصل: قیاس نظری، اس مسئلہ میں جس میں نص نہ ہو اور قیاس نظری اس مسئلہ پر قیاس کرنے سے ثابت ہوتا ہے۔

جس میں نص ہو اور جو حکم کتاب اور سنت سے ثابت ہو، وہ کتاب اور سنت کے سوا دوسری چیز سے منسوخ نہیں ہوتا، وہ اجماع اور قیاس باطل ہے، جو کتاب یعنی قرآن شریف اور سنت کے خلاف ہو، یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ثابت ہوا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منسوخ نہیں ہوسکتا اور مجتہد سے کبھی خطا ہوتی ہے اور کبھی اس میں صحیح ہوتا ہے، جب مجتہد کی خطا کسی مسئلہ میں ظاہر ہو جائے تو اس مسئلہ اور اس مجتہد کی تقلید حرام ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اصول ہے، اب خیال کرنا چاہئے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین (امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دوشاگرد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ) امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد وغیرہم رحمہم اللہ کے نزدیک صحیح حدیثوں سے ثابت ہوا کہ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب التحیات پڑھتے تھے تو أشھد أن لا إلـہ إلا اللّٰہ پر اشارہ فرماتے تھے اور یہ اشارہ خداوند تعالیٰ کی توحید کی جانب تھا اور متبعین آثار واخبار نبویہ علیہ السلام نے یہ تصریح کی ہے کہ ایسی کوئی آیت اور حدیث نہیں، جس سے اشارہ ہفت ثابت ہوتی ہو، بعض لوگوں کو اماموں کے اقوال کی سند میں حدیث نہ ملی تو ان لوگوں نے اشارہ کو صرف قیاس سے منع کیا ہے، کتاب اور سنت سے منع نہ کیا، ایسا اجماع اور قیاس باطل ہے، جو نص کے خلاف ہو تو اس بارے میں لوگوں سے خطا ہوئی اور اس مسئلہ میں ان لوگوں کی تقلید حرام ہے، جس میں ان لوگوں کی خطا ظاہر ہو جائے، اس درجہ میں ایک مقدمہ اور تین فصلیں ہیں، مقدمہ اس بیان میں کہ امت محمدی میں جب مسائل میں اختلاف ہو تو حدیث پر عمل چاہئے۔

پہلی فصل صحیح حدیثوں کے بیان میں جو اشارہ کے بارے میں وارد ہوئیں۔

دوسری فصل فقہ کی روایتوں کے بیان میں جو اشارہ کے بارے میں ہوئیں۔

تیسری فصل ان لوگوں کی دلیلوں کے بیان میں ہے جو اشارہ کو منع کرتے ہیں اور ان کے جواب میں مقدمہ اس بیان میں ہے کہ امت محمدی میں جب مسائل میں اختلاف ہو تو سنت یعنی حدیث پر عمل کرنا چاہئے۔

یہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوْااللّٰه إِنَّ اللّٰه شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾(۱)

ترجمہ: یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے تم لوگوں کو جو حکم فرمایا وہ کرو اور جس سے منع فرمایا اس سے باز رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

یعنی جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے، اللہ تعالی اس پر سخت عذاب کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

وقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من يعش منكم بعدى فسيرىٰ اختلافًا كثيرًا، فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ. (رواه أحمدوالترمذى)(۲)

یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم لوگوں سے میرے بعد زندہ رہے گا، وہ لوگوں میں بہت اختلاف دیکھے گا، اس وقت تم لوگوں پر لازم ہوگا کہ میری سنت کو ہاتھوں اور دانتوں سے پکڑ لینا۔

یعنی سنت کو مظبوط پکڑ لینا اور اس پر تم لوگ عمل کرنا اور حدیث شریف میں ہے کہ!

وقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ومن أحيا سنتى، فقد أحبنى ومن أحبنى كان معى فى الجنة. (رواه الترمذى)(۳)

یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے بے شک میری محبت کی اور جس نے میری محبت کی وہ بے شک میرے ساتھ بہشت میں ہوگا۔

پہلی فصل:

ان صحیح حدیثوں کے بیان میں، جو اشارہ کے بارے میں وارد ہوئیں، روایت کی امام ربانی محمد بن شیبانی نے اپنے موطأ یعنی امام محمدؒ میں امام مالکؒ سے اور انہوں نے روایت کی مسلم بن ابی مریم سے اور انہوں نے روایت کی علی بن عبد الرحمٰن معادی سے کہ علی بن عبدالرحمٰن معادی نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ نے مجھ کو دیکھا اور میں نماز میں سنگریزوں سے کھیل رہا تھا، جب میں نماز سے فارغ ہوا۔ تو عبداللہ بن عمرؓ نے مجھ کو منع کیا اور یہ کہا کہ تم نماز میں وہ فعل کرو جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، میں نے کہا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے، تو عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ!

''جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بیٹھتے تھے تو داہنے ہاتھ کی ہتھیلی کو داہنے ران پر رکھتے تھے اور سب انگلیوں

---

(۱)　سورة الحشر: ۷، انیس

(۲)　حديث العرباض بن سارية عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم (ح: ۱۷۱٤۲)/ باب ماجاء فى الأخذ بالسنة وإجتناب البدع (ح: ۲٦۷٦) انيس

(۳)　كتاب العلم، باب ما جاء فى الأخذ بالسنة واجتناب البدع، رقم الحديث: ٤٦/٥، ۲٦۷۸، انيس

کو بند رکھتے تھے اور انگوٹھے کے نزدیک جو انگلی ہے اس سے اشارہ کرتے تھے اور بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ران پر رکھتے تھے''۔

امام محمدؒ نے یہ کہا کہ ہم نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل اختیار کیا۔ (۱) موطأ امام محمدؒ کی عبارت کا ترجمہ ہے۔

بدائع اور نہایہ میں یہ لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے کتاب مسبحۃ میں اشارہ کرنے کے لئے تصریح کی ہے اور وہ اس بارے میں حدیث لائے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ کرتے تھے۔ امام محمدؒ نے پھر یہ کہا کہ جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، ہم نے بھی وہی اختیار کیا اور امام ابوحنیفہؒ کا اور ہمارا یہی قول ہے۔ (۲)

ذخیرہ اور شرح زاہدی میں لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے یہ حدیث بیان کی، پھر یہ کہا کہ جو کچھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، ہم نے بھی وہی کیا اور امام ابوحنیفہؒ کا اور میرا یہی قول ہے۔ کفایہ اور تاتارخانی میں امام محمد کی روایت سے یہ حدیث ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا ہے، امام محمدؒ نے یہ حدیث بیان کی، پھر یہ کہا کہ میرا اور امام ابوحنیفہؒ کا یہی قول ہے۔ عنایہ میں یہی قول لکھا ہے کہ امام محمدؒ نے کتاب مسبحۃ میں اس مسئلہ کی تصریح کی ہے، وہ اس بارہ میں حدیث لائے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اشارہ کرتے تھے۔ (۳)

اور امام محمدؒ اور ابن السکیت نے بھی اپنے صحاح میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ!

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ''الإشارۃ بالأصبع أشدعلی الشیطان من الحدید. (۴)

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انگلی سے اشارہ کرنا لوہے سے زیادہ شیطان پر سخت گذرتا ہے۔

اور حدیث کی کتابوں میں شافعی مذہب کے اماموں کی جو روایتیں ہیں، وہ قریب متواتر ہونے کے ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ!

جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بیٹھتے تھے تو داہنے ہاتھ کو داہنی ران پر رکھتے تھے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے تھے اور کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور انگوٹھے کو درمیانی انگلی پر رکھتے تھے۔ (۵)

عبدالرزاق نے ابوہریرۃؓ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیغمبری کے ستر جز ہیں، ایک

(۱) موطأ الإمام مالک بروایة محمدبن الحسن الشیبانی، باب العبث فی الصلاة ومایکره، الخ (ح: ١٤٤) انیس

(۲) بدائع الصنائع، وأما سنة التشهد، الخ: ٢١٤/١، دار الکتب العلمیة. انیس

(۳) العنایة شرح الهدایة، باب صفة الصلاة: ٣١٢/١، دار الفکر. انیس

(۴) پوری حدیث اس طرح ہے: عن نافع قال: کان عبد اللّٰه بن عمر رضی اللّٰه عنهما إذا جلس فی الصلاة وضع یدیه علیٰ رکبتیه أشار بأصبعه وأتبعها بصره، ثم قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لهی أشد علیٰ الشیطان من الحدید یعنی السبابة. (مسند الإمام أحمد، مسند عبداللّٰه بن عمربن الخطاب (ح: ٦٠٠٠) انیس)

(۴) الصحیح لمسلم، باب صفة الجلوس فی الصلاة، الخ (ح: ٥٧٩) انیس

جز سحری میں دیر کرنا ہے اور دوسرا جز افطار میں جلدی کرنا ہے اور یہ بھی ایک جز ہے، انگلی سے نماز میں اشارہ کرنا ہے۔(۱)

حاکم نے عقبہ بن عامرؓ سے روایت کی ہے کہ!

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص نماز میں اشارہ کرتا ہے تو ہر اشارہ کے عوض میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، ہر ایک انگلی کے مقابلہ میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔(۲)

اشارہ کی بہت سی فضیلتیں ہیں، اس مختصر میں ان کی گنجائش نہیں، اس کے حال پر افسوس ہے، جو اشارہ نہیں کرتا، ان فضیلتوں سے محروم رہتا ہے۔

دوسری فصل:

فقہ کی روایتوں کے بیان میں جو اشارہ کے بارے میں ہیں، یہاں وہ روایتیں حنفی مذہب کی معتبر کتابوں سے لکھی جاتی ہیں، ابن ہمام نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے کہ اشارہ کو منع کرنا عقل اور نقل کے خلاف ہے۔ ملتقط میں لکھا ہے کہ اشارہ کرنے کے بارے میں علماءِ کرام کا اختلاف نہیں۔ خانیہ میں لکھا ہے کہ یہ بلا اختلاف علماءِ کرام سے ثابت ہے کہ التحیات میں لا إلٰه إلا اللّٰه پڑھنے کے وقت اشارہ کرنا چاہئے اور کفایہ میں مذکور ہے کہ علامہ نجم الدین زاہدی کا یہ قول ہے کہ بالاتفاق اس بارے میں ہمارے اصحاب سے روایتیں ثابت ہیں کہ اشارہ کرنا سنت ہے اور علماءِ کوفہ اور علماءِ مدینہ کا بھی یہی قول ہے اور اشارہ کرنے کے بارے میں بہت اخبار اور آثار ہیں تو ان پر عمل کرنا بہتر ہے، یعنی اشارہ کرنا چاہئے، امام ابن ہمامؒ نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے اور صاحب کفایہ کا بھی یہ قول ہے اور محقق چلپی نے خفیۃ المھتدیٰ میں لکھا ہے اور شیخ شمنی نے شرح نقایہ میں لکھا ہے کہ ''لا إلٰهَ إلا اللّٰه'' پڑھنے کے وقت اشارہ کرنا بہتر ہے، انگلیوں کو بند کرے اور اشارہ کرے؛ تاکہ دونوں طریق پر عمل ہو جائے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی امالی میں لکھا ہے کہ چھوٹی انگلی اور اس کے بعد کی انگلی کو بند کرے اور درمیان کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ کرے اور کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرے۔ شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ ہمارے علماءِ کرام کے نزدیک اسی طور سے اشارہ کرنا ثابت ہے۔ صاحب ہدایہ نے مختار النوازل میں لکھا ہے کہ ''لا إلٰهَ إلا اللّٰه'' پڑھنے کے وقت اشارہ کرنا بہتر ہے اور منیۃ المصلی میں یہ لکھا ہے کہ جب پڑھے ''أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وأشهد أن محمداً عبده ورسوله'' تو کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرے۔

---

(۱)　مصنف عبدالرزاق الصنعانی، باب رفع الیدین فی الدعاء (ح: ٣٢٤٦) انیس

(۲)　عن عقبة بن عامر الجهني يقول: إني يكتب في كل إشارة يشيرها الرجل بيده في الصلاة بكل أصبع حسنة أو درجة. (المعجم الكبير للطبراني، أبو المصعب مشرح بن هاعان عن عقبة (ح: ٨١٩) انيس)

تیسری فصل

ان لوگوں کی دلیلوں کے مطابق میں جو اشارہ کرنے کو منع کرتے ہیں اور یہ فصل ان لوگوں کی دلیلوں کے جواب میں بھی ہے۔ بعض علماءِ کرام نے جو یہ کہا ہے کہ اشارہ کرنا بہتر ہے اور ان کا یہ قول ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے، اس واسطے کے نماز کی بنا سکون اور وقار ہے اور اشارہ کرنے میں سکون اور وقار نہیں رہتا، اس کا جواب یہ ہے کہ!

یہ دلیل کوئی آیت نہیں اور نہ حدیث اور نہ اجماع ہے، بلکہ قیاس ہے، جب کسی مسئلہ میں حدیث موجود ہو تو اس مسئلہ میں اس حدیث کے خلاف قیاس اور اجماع باطل ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جس نے اشارہ کو منع کیا، اس کو صحیح حدیثیں نہ پہنچیں اور اس نے حنفی مذہب کے فقہ کی روایتوں کو نہ جانا، ورنہ جو شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے بارے میں یہ کہے کہ یہ فعل سکون اور وقار کے خلاف ہے، خصوصاً وہ نماز کے کسی فعل کے بارے میں ایسا کہے تو وہ شخص بالاتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک کافر ہو جائے گا۔

صلوٰۃ مسعودی میں لکھا ہے کہ اشارہ کرنا علماءِ متقدمین کی سنت ہے۔ علماءِ متاخرین نے آخر میں اشارہ کرنے سے منع کیا ہے۔ اس واسطے اشارہ کرنے کا حکم منسوخ ہو گیا۔ علماءِ متاخرین نے اشارہ کرنے کو اس واسطے منع کیا کہ علماءِ متقدمین نے رافضیوں کا یہ قول اختیار کیا ہے کہ اشارہ کرنا چاہئے۔

پہلی بات: جو یہ ہے کہ علماءِ متاخرین نے اشارہ کرنے کو منع کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دلیل حضرت امام اعظمؒ رحمۃ اللہ علیہ کے اصول کے خلاف ہے، اس واسطے کہ یہ دلیل قیاس ہے اور جب حدیث صحیح ہو موجود ہو تو اس کے خلاف قیاس اور اجماع باطل ہے۔

دوسری بات: یعنی علماءِ متقدمین کا قول منسوخ ہو گیا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جائز نہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی حکم منسوخ ہو۔

تیسری بات: یعنی یہ کہ علماءِ متقدمین نے رافضیوں کا یہ قول اختیار کیا تھا کہ اشارہ کرنا چاہئے اس واسطے علماءِ متاخرین نے اشارہ کرنے کو منع کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رافضیوں کی مخالفت ان کی بدعتوں میں چاہئے، رافضیوں کا جو یہ فعل فی الواقعہ سنت ہے، اس میں رافضیوں کی مخالفت نہ کرنا چاہئے، اس واسطے کہ جب رافضیوں کی مخالفت کے لحاظ سے کوئی سنت ادا نہ کی جائے گی تو اس میں مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو جائے گی۔ یہ ظاہر ہے کہ رافضی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور بسم اللہ سے کام کو شروع کرتے ہیں اور داہنے ہاتھ سے کھاتے ہیں اور بائیں ہاتھ سے استنجا کرتے ہیں تو رافضیوں کے ان افعال میں درود بھیجنا، بسم اللہ کہنا، حمد وثنا کرنا، وضو میں پے درپے بدن کو دھونا اور ناخن کٹوانا اور بغل کے بال منڈوانا اور زیر ناف بال مونڈنا اگر اس غرض سے کہ

رافضیوں کی مخالفت ہوتو سنتوں کو چھوڑ نا ضروری ہوتو سنیوں کو چاہئے کہ اس خیال سے کہ رافضیوں کی مخالفت ہوتو اکثر ان سنتوں کو ترک کردیں، جو عادت اور عبادت کے متعلق ہیں اور اس بارے میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کو جائز سمجھیں اور پھر اپنے کو سنی کہیں اور یہ صرف شیطان کا فریب اور تعصب ہے۔

محیط میں یہ لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اشارہ کرنا سنت ہے،(۱) اور ایسا ہی دوسری کتابوں میں بھی مذکور ہے، اگر وہ سب ہم یہاں ذکر کریں، تو بات طویل ہوجائے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ صرف ان لوگوں کی جہالت اور تعصب نفسانی ہے، جو دلیل یا کسی کے گمان کی بنا پر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں اور امام کے خلاف مذہب کوئی مسئلہ اختیار کریں اور باوجود اس کے اپنے کو سنی سمجھیں، سنی وہ ہے جو سنت پر عمل کرتا ہے اور رافضی وہ ہے جو سنت کو ترک کرتا ہے اور امام کے خلاف مذہب اس کا عمل ہے۔

(سعایہ رسالہ عبدالعزیز عفا اللہ عنہ نے لکھا، تمام ہوا، رسالہ جو اس بارے میں ہے کہ نماز میں جب التحیات پڑھے تو **لا إله إلا الله** پڑھنے کے وقت کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرنا چاہئے۔)(فتاویٰ عزیزی:۴۶۸-۴۷۳) ☆

---

(۱)　**المحيط البرهاني،الفصل السادس عشر في التغني والإلحان: ۳۶۹/۱،دارالفكر.انيس**

☆　تشہد میں اشارہ بالسبابہ احادیث سے ثابت ہے:

سوال:　چہ می فرمایند علماءِ دین دریں مسئلہ کہ اشارہ بالسبابہ لطفاً از شما استدعا مینمایم، زیرا کہ فہم چیز است و در وطن مایاں منفی است، و اگر یک ادم میکند او را بدے داند، کہ ایں وہابی شدہ است و پیش مایاں عاجزان نہ یک کتاب و نہ ایں قدر علمیت کہ برائے شان قناعت بدہم و نہ بخود شان این قدر حفظ از علم احادیث است، اگر ایں مسئلہ اشارت واضح موافق با کمال علمیت و وقوف خو نوشتہ شود ، در ہر کتاب کہ نفی اشارت میشد و میکند نان ایں کتاب و مرجوحیت قول ایں ہم لطفاً واضح شود؟ بینوا توجروا۔(المستفتی: عبدالغفار، افغانستان)

الجواب

دریں باب بسیار احادیث مرفوعہ وارد شدہ اند،(**فليراجع إلىٰ مشكوة،باب التشهد**) و بعد از وفات پیغمبر علیہ السلام از صحابہ اشارہ کردن ثابت شدہ است،(**فليراجع إلىٰ الموطأ للامام محمد**) وائمہ ما متقدمین در کتب ظاہر الروایۃ ہیچ نہ گفتہ اند، بے شک در غیر ظاہر الروایۃ بہ جواز تصریح کردہ اند، شیخ ابی یوسف رحمہ اللہ در امالی و امام محمد در موطأ وصاحب بحر در باب قضاء الفوائت، گفتہ است کہ در وقت عدم ظاہر الروایۃ واجب است مصیر بہ نادر الروایۃ وعلماءِ متأخرین در اشارہ مختلف اند جمع عظیم بر جواز قائل است و جمع عظیم بر عدم جواز لاکن راجح جواز است زیرا نکہ آن متأخرین کہ جامع بین الفقہ والحدیث اند مثل صاحب الفتح والبحر والشرح الکبیر ورد المحتار قائل بر جواز اند و صاحب الہدایۃ نیز بر جواز تصریح کردہ است در مختار نوازل وسکوت کردہ است در ہدایہ و بحث دریں مسئلہ بسیار است و فرصت نوشتن کم است لہٰذا بریں اشارات اکتفاء باید کرد۔(**مر التفصيل في الحاشية المحولة بمنهاج السنن شرح جامع السنن،باب ما جاء في الإشارات: ۱۶۶/۱**) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲۵۶/۲)　==

== **تشہد میں رفع سبابہ کا اثبات اور روایات نفی کا جواب:**

سوال: درمیان خلق مشہور است کہ در اشارت سبابہ روایات نہی و اثبات ہر دو آمدہ لیکن چونکہ نہی را بر اثبات ترجیح باشد لہذا نہی اشارت را ترجیح شد و بعض خلق می گوید کہ چوں معارضہ حل و حرمت بیاید ترجیح حرمت را باشد مثبتیں اشارت را از یں چہ جواب است ,دیگر آنکہ مانعین اشارت می گویند کہ لفظ علیہ الفتویٰ کہ از آکد الفاظ ترجیح است، بر نفی اشارت لفظ و علیہ الفتویٰ بسیار در کتب مذکور است، چنانکہ در درمختار وغیرہ و بر اثبات اشارت لفظ و علیہ الفتویٰ نیاوردہ لہذا نہی اشارت را ترجیح دادہ شود بر اثبات اشارت، عرض آنکہ در کتب درکدام کتاب معتمد علیہ بر اثبات اشارت لفظ و علیہ الفتویٰ آوردہ یا نہ اگر آوردہ باشد عبارت کتاب نوشتہ شود و اگر نہ جواب مانعین را نوشتہ شود؟

الجواب

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ موطأ میں بسند صحیح یہ حدیث نقل کر کے ”كان (رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم) إذا جلس فى الصلٰوة وضع كفه اليُمنى علٰى فخذه اليمنى، وقبض أصابعه كلها وأشار بأصبعه التى تلى الإبهام ووضع كفه اليُسرٰى علٰى فخذه اليسرٰى، آه.

فرماتے ہیں:

قال محمد: وبصنيع رسول الله صلى الله عليه يؤخذ وهو قول أبى حنيفة. (ص: ۱۰٦) (موطأ الإمام مالك برواية محمد بن الحسن باب: العبث فى الصلاة وما يكره من تسويته: ٦٧/١ (ح: ١٤٤) انيس)

ترجمہ: ”کہا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فعل کو اختیار کرتے ہیں اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہؒ کا، آھ۔

امام محمد کا یہ قول علیہ الفتویٰ سے آکد و مؤکد ہے، لما فيه من إسناده الأخذ إلٰى صنع رسول الله صلى الله عليه وسلم.

اور مانعین اشارت کا یہ کہنا کہ اثبات اشارت پر لفظ فتویٰ نہیں ہے غلط ہے، درمختار میں ہے:

بل فى متن درر البحار وشرحه غرر الأذكار المفتٰى به عندنا أنه يشير باسطًا أصابعه كلها وفى الشرنبلالية عن البرهان الصحيح أنه يشير بمسحته وحدها...واحترز بالصحيح عما قيل لا يشير لأنه خلاف الدراية والرواية، آه.

وقال فى رد المحتار ناقلاً عن غرر الأذكار: والفتوٰى أى المفتٰى به عندنا خلافه أى خلاف عدم الإشارة وهو الاشارة علٰى كفية عقد ثلاثة وخمسين كما قال به الشافعي وأحمد وفى المحيط أنها سنة، يرفعها عند النفى ويضعها عند الإثبات، وهو قول أبى حنيفة ومحمد، وكثرت به الآثار والأخبار فالعمل به أولٰى، آه. (۵۳۰/۱) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل مطلب مهم فى عقد الأصابع عند التشهد، انيس)

اس سے معلوم ہوا کہ عدم اشارہ کے مقابل اثبات اشارہ کے لئے لفظ ”معتمد وصحيح ومفتٰى به وعليه الفتوٰى والعمل به أولٰى ، بہت سے الفاظ کتب فقہ معتمد علیہا میں موجود ہیں اور محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں میں اسی کی تصریح ہے، پس یہی مذہب حنفیہ کا ہے اور احادیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے اور کتب محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مقابلہ میں خلاصہ وغیرہ کی کوئی ہستی نہیں اور حرمت وحلت کا تعارض اور ترجیح حرمت کا قاعدہ وہاں ہے، جب کہ حرمت وحلت کا ورود کلام شارع میں ہو اور اس مسئلہ میں کسی حدیث سے ممانعت اشارہ کی ثابت نہیں ہوئی، ==

انگشتِ شہادت اٹھانے کی وجہ:

سوال: ''التحیات' میں بوقت کلمہ شہادت 'انگشت شہادت' اٹھانے کا کیا سبب ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

''التحیات'' میں بوقتِ کلمہ شہادت 'انگشت سبابہ' سے توحید کا اشارہ ہوتا ہے؛ تاکہ جیسا کہ زبان سے ''أشهد أن لا إلٰه إلا الله'' إلخ، کہا جاتا ہے، جس کا مطلب توحید کا اقرار ہے، اسی طرح عملاً بھی افعال جوارح سے اس کو ظاہر کیا جاوے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۷۱) ☆

== باقی مصنفین کے کلام میں اگر حرمت وحلت کا تعارض ہے تو وہاں مطلقا حرمت کو ترجیح نہ ہوگی، بلکہ جو قول روایت ودرایت کے زیادہ موافق ہوگا وہی راجح ہوگا، پس اشارہ موافق سنت ہے، یہی راجح ہے، اور اہل سرہند وپنجاب جو اس سے روکتے اور انکار کرتے ہیں ان پر خوف عذاب شدید ہے۔ واللہ اعلم

۱۸/رمضان ۱۳۴۲ھ۔ (امدادالاحکام:۲/۸۰-۸۲)

اشارہ بالسبابہ کی تحقیق:

سوال: رفع سبابہ کے متعلق کیا حکم ہے۔ کہتے ہیں کہ اشارہ کی احادیث از قسم آحاد ہیں یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اشارہ بالسبابہ سنت ہے اور شارح منیہ نے مانعین کے قول کو خلاف درایت وروایت ہونا لکھا ہے:''**والمراد من العقد المذكور فى رواية مسلم العقد عند الإشارة (إلٰى أن قال) وأشاره بأصبعه التى تلى الإبهام، إلخ.** (کبیری:۲۸۹)

اور ممانعت کرنے والا کا اس کو سجدہ شکر پر قیاس کرنا ناواقفی کی دلیل ہے اور اشارہ کا ثبوت احادیث صحیح سے ہے جیسا کہ روایت کبیری میں مذکور ہے اور نیز کبیری میں ہے:

''**وعن كثير من المشائخ لايشير أصلاً وصححه فى الخلاصة وهو خلاف الدراية والرواية أما الدراية فما تقدم فى الحديث الصحيح ولامحل له إلاالإشارة وأما الرواية فعن محمد رحمه الله أن ماذكره فى كيفية الإشارة وهو قوله وقول أبى حنيفة رحمة الله عليه ذكره فى النهاية وغيرها قال نجم الدين الزاهدى لما اتفقت الروايات عن أصحابنا جميعاً فى كونها سنة وكذا عن الكوفين والمدنين وكثرت الاخبار والآثار كان العمل بها أولٰى، إلخ.**

ان عبارات سے آپ کے سب شبہات کا کافی جواب ہوگیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (امدادالمفتین:۲/۲۷۵)

(۱) پس آں حضرت اشارت می کرد بایں انگشت بوحدانیت حق تعالیٰ۔ (اشعۃ اللمعات، باب التشہد:۱/۴۲۸)

أشار بأصبعه وأتبعها بصره، ثم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لَهِىَ أشد على الشيطان من الحديد يعنى السبابة. (مشکوۃ) (پوری حدیث اس طرح ہے: **عن نافع قال: كان عبد الله بن عمر رضى الله عنهما إذا جلس فى الصلاة وضع يديه علٰى ركبتيه أشار بأصبعه وأتبعها بصره، ثم قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لهى أشد علٰى الشيطان من الحديد يعنى السبابة.** (مشكوة، كتاب الصلاة، باب التشهد، الفصل الثالث، رقم الحديث:۹۱۷، انیس)

بجہت اشارت کردن بوی توحید اثبات برایمان وقطع طمع شیطان از وقوع مصلی در شرک وکفر۔ (اشعۃ اللمعات، باب التشہد:۱/۴۳۴، ظفیر) ==

سبابہ سے کب اشارہ کرے:

سوال: کس وقت سبابہ یعنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا چاہئے؟

الجواب

نفی؛ یعنی "لا إلٰہ" کے وقت انگلی کو اٹھائے اور اثبات؛ یعنی "إلا اللّٰہ" کے وقت رکھ دے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

" قالوا: یرفع المسبحة عند قوله لا إلٰهَ ویضعها عند قوله إلا اللّٰہ لمناسبة الرفع للنفی وملائمة الوضع للاثبات حتٰی تطابق القول الفعل فی التوحید والتفرید، انتھٰی، وھٰکذا فی البرھان والکفایة وغیرھما. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۲۲-۲۲۳) ☆

== ☆ تشہد کے وقت رفع سبابہ کی حکمت:

سوال: التحیات میں جو انگشت شہادت اٹھائی جاتی ہے اس کی کیا بنیاد ہے؟ شارع اسلام نے کوئی وجہ بیان فرمائی یا نہیں؟

الجواب

توحید کا اشارہ ہے جو شیطان کو بروئے روایات ناگوار ہوتا ہے۔

(تتمہ اولیٰ صفحہ ۴۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۰۶)

☆ تشہد میں انگلی کس وقت اٹھائی جائے:

سوال: نماز پڑھتے وقت جب التحیات پڑھی جائے، تو کن الفاظ پر شہادت کی انگلی اٹھانی چاہئے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق

أشھد أن لا إلٰہ إلّا اللّٰہ پر انگلی اٹھائی جائے۔ ("لا إلٰہ" پر انگلی اٹھائی جائے اور "إلا اللّٰہ" پر گرادی جائے۔ [مجاھد] (وأشار بالمسبحة) من أصابعه الیُمنٰی في الشھادة علی الصحیح (یرفعھا عند النفي ویضعھا عند الإثبات) (مراقی الفلاح، ص: ۱۵۵ (کتاب الصلاة، فصل فی کیفیة ترکیب أفعال الصلاة، انیس) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۴/۷/۶/۱۳۷۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۱۳۰)

تشہد کے وقت انگلی کب سے کب تک اٹھائے رکھے:

سوال بعض اشخاص جس وقت التحیات میں بیٹھتے ہیں، اول ہی سے انگشت شہادت اٹھالیتے ہیں، سلام پھیرنے تک، حالانکہ حنفیوں کا یہ مذہب ہے کہ جب تشہد پر پہنچے، تب انگلی اٹھائے، بعد میں پست کرلے، اس میں صحیح قول کیا ہے اور حنفی کو کس وقت سے کس وقت تک انگلی اٹھانا چاہئے اور اس میں امام اعظم صاحبؒ کیا فرماتے ہیں؟

الجواب

تشہد پر انگشت کو اٹھاوے اور سلام تک اٹھائے رکھے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ ۲۶۶)

سبابہ سے اشارہ کرنے کا طریقہ:

سوال:　سبابہ سے اشارہ کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب

اس کے متعلق چند طریقے مذکور ہیں۔

(۱)　انگوٹھا اور درمیانی انگلی کے کناروں کو ملا کر حلقہ بنائے، خنصر و بنصر کو بند کرے اور انگشت مسبحہ کو کھول کر اشارہ کرے۔ کفایہ میں ابو جعفر رحمہ اللہ سے یہی طریقہ مذکور ہے اور رسائل الارکان میں اس کو مختار کہا گیا ہے:

وقال الشمنی فی شرح النقاية ذكر أبويوسف فی الأمالی أنه يعقد الخنصر والأصبع التی تليها ويحلق الوسطى والإبهام ويشير بالسبابة، انتهٰى. (۱)

وقال البرجندی فی شرح النقاية وقد جاء عن علمائنا فی بعض الروايات أنه يفعل كما يفعل الشافعی وهو أن يعقد الخنصر والبنصر ويحلق بين الوسطى والإبهام برأسهما ويشير بالسبابة عند التلفظ بالشهادتين، انتهٰى.

(۲)　دستِ راست کو اپنی ران پر سیدھا رکھ کر انگلیوں کو قبلہ کی جانب رکھے اور سبابہ سے اشارہ کرے، نہ حلقہ بنانے کی ضرورت ہے اور نہ خنصر و بنصر کو بند کرنے کی۔ صاحب برہان نے اسی طریقہ کو پسند کیا ہے اور درمختار میں درر البحار اور اس کی شرح غرر الاذکار کے حوالہ سے منقول ہے:

المُفتٰی به عندنا أنه يشير باسطاً إصابعه كلها، انتهٰى. (۲)

(۳)　خنصر و بنصر اور درمیانی انگلی کو بند کرے اور انگوٹھے کو سبابہ کی جڑ میں رکھ کر سبابہ کو کھول کر اشارہ کرے اور امام شافعیؒ کا مذہب یہی ہے اور امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ **(كذا فی شرح المشكٰوة وفی الكفاية) وفی قول المدنيين يجب أن يعقد الثلٰث والخميس ويشير بالسبابة، انتهٰى**

(۴)　انگشتِ شہادت کے علاوہ چاروں انگلیوں کو بند کر کے سبابہ سے اشارہ کرے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے موطأ میں یہی طریقہ ذکر کیا ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۲۳-۲۲۴) ☆

---

(۱)　رسائل الأركان، بيان رفع السبابة: ۸۱، المطبع العلوی لكهنؤ. انيس

(۲)　الدرالمختار على صدرردالمحتار، فروع قرأبالفارسية أوالتوراة أوالإنجيل: ۵۰۹/۱، دارالفكر. انيس

☆　تشہد پڑھتے وقت انگلی سے اشارہ کیسے کیا جائے:

سوال　حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب محدث پانی پتی کتاب ''مالا بدمنہ'' میں فرماتے ہیں وانگشت خنصر و بنصر از دست راست عقد کند و وسطیٰ و ابہام را حلقہ کند وانگشت شہادت را کشادہ دارد و وتشہد نخواند و وقت شہادت اشارہ کند۔　==

اشارہ کے وقت انگلی کو حرکت دینا:

سوال: سبابہ سے اشارہ کرتے وقت اس کو حرکت دینی چاہئے یا نہیں؟

الجواب

ابوداؤد حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انگلی کو حرکت نہ دیتے تھے، (۱) اور جن روایات سے حرکت کا ثبوت ملتا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ آپ انگلی کو اشارہ کرنے کے لئے اٹھاتے تھے اور ظاہر ہے کہ اس میں حرکت بھی ہو جاتی تھی۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۲۳)

== (اور سیدھے ہاتھ کی چھوٹی اور اس کے بازو کی انگلیوں سے گرہ لگائے اور بیچ کی انگلی اور انگھوٹھے کو حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی کو کھول کر تشہد پڑھے اور شہادت کے وقت اشارہ کرے۔) یہ عبارت موافق مذہب امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہے یا نہیں؟ اس سے ابتداءً رفع سبابہ شروع التحیات سے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا وقت شہادت کے رفع کیا جاوے یا دل ہی سے مرقوم فرمایئے؟

الجواب

بعض علمائے حنفیہ اول کھول کر ہاتھ رکھتے ہیں اور وقت اشارہ کے عقد کرتے ہیں۔ اس کا پتہ بھی حدیث سے ملتا ہے اور ملا علی قاری نے لکھا کہ اول سے ہی عقد کر کے ہاتھ رکھے، یہ بھی درست معلوم ہوتا ہے، دونوں طرح پر عمل درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(تالیفات رشیدیہ: ۲۶۵-۲۶۶)

رفع سبابہ کی بہتر صورت:

سوال: رفع سبابہ کا حکم کیسے ہے اور کس طریقہ سے اگر انگشت نہ اٹھائی جاوے تو کیا حکم ہے انگشت اٹھانا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ ہے، انگشت اٹھا کر اختتام نماز سلام تک مشت بندر کھی جاوے یا پہلی ہیئت پر انگلیاں دراز کر کے زانوں پر رکھی جاوے؟

الجواب وباللہ التوفیق

رفع سبابہ کی کئی صورتیں کتب فقہ میں منقول ہیں اور سب درست ہیں؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ جب "أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه" پر پہنچے تو بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کے انگشت شہادت اوپر کو اٹھائے اور پھر خیال اس طرف سے اٹھا کر نماز کی طرف متوجہ کر لے، انگلی شہادت کو طبعی حالت پر چھوڑ دے، گر جائے یا اٹھی رہ جائے، اس طرف التفات نہ کرے، اسی طرح انگلیوں سے حلقہ جو بندھا ہوا تھا، اس کو اس طرح بندھا چھوڑ دے اور نماز پوری کر لے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۵۷)

(۱) **عن عبداللّٰه بن زبير أن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم كان يشير بأصبعه إذا دعا ولا يحركها.** (سنن أبی داؤد، **باب الإشارة فی التشهد** (ح: ۹۸۹) انیس)

رفع سبابہ کے وقت نگاہ کہاں ہونی چاہئے:

سوال: بندہ نماز میں قعدہ کے وقت نظر گود میں رکھتا ہے، تو کیا رفع سبابہ کے وقت نظر سبابہ کی طرف رکھنی چاہئے؟ اور کیا سلام پھیرنے تک نظر سبابہ کی طرف رکھنی چاہئے؟

الجواب

قعدہ کے وقت نظر گود ہی کی طرف رکھنی چاہئے، سبابہ کی طرف نظر کرنا میری نظر سے نہیں گذرا۔

قال فی مراقی الفلاح: ١٦١/١: ومنها نظر المصلی سواءٌ کان رجلاً أو امرأة إلٰی موضع سجوده قائمًا (إلٰی أن قال) وإلٰی حجره جالسًا، إلخ. (۱)

بعد میں ایک حدیث نظر سے گذری جس کو نسائی نے روایت کیا ہے:

عن عبد اللّٰه بن عمر فی حدیث طویل وفیه: أشار بأصبعه التی تلی الإبهام فی القبلة، ورمٰی ببصره إلیها أو نحوها ثم قال: هٰکذا رأیت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یصنع، آه. (۲)

اس سے اشارہ کے وقت سبابہ کی طرف نظر کرنا ثابت ہے، مگر قرار ثابت نہیں۔ واللہ اعلم (امداد الاحکام:۲/۷۸-۷۹)

اشارہ کے وقت نظر کس جگہ رکھے:

سوال: اشارہ کرتے وقت نظر انگلی پر رکھے یا کسی دوسری جگہ۔

الجواب

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم انگلی اٹھانے اور اشارہ کرنے کے وقت نظر مبارک انگشت پر رکھتے اور کسی دوسری جانب نہیں دیکھتے تھے۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یشیر بأصبعه إذا دعا ولایحرکها، (۳) ولایجاوز بصره إشارته، انتهٰی. (۴)

ابوالحسنات محمد عبدالحئی۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۲۳)

---

(۱) کتاب الصلاة، فصل من آدابها، انیس

(۲) باب موضع البصر فی التشهد (ح: ۱۱۶۰) ۲/۲۳۶، مکتب المطبوعات الإسلامیة حلب، انیس

(۳) سنن أبی داؤد، باب الإشارة فی التشهد (ح: ۹۸۹)/ سنن النسائی، باب بسط الیسرٰی علی الرکبة (ح: ۱۲۷۰)/ معرفة السنن والآثار، کیفیة وضع الیدین فی التشهد (ح: ۳۶۵۲) انیس)

(۴) سنن أبی داؤد، باب الإشارة فی التشهد (ح: ۹۹۰) انیس

بوقت تشہد ہاتھ رکھنے کی جگہ:

سوال: قعود کی حالت میں دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھے یا نہیں؟

الجواب

دونوں ہاتھ رانوں پر رکھے۔

عالمگیریہ میں ہے:

”وضع يديه علىٰ فخذيه وبسط أصابعه، كذافى الهداية، ولايأخذالركبة فى الأصح، كذافى الخلاصة، إنتهىٰ (۱) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۲۴)

تشہد میں انگلی اٹھا کر کس لفظ پر گرائی جائے:

سوال: نماز میں ”التحیات“ پڑھتے وقت جو انگلی ”**أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه**“ کے وقت اٹھائی جاتی ہے، وہ کس وقت گرانی چاہیئے؟

الجواب

شرح منیہ میں امام حلوانی سے نقل کیا ہے کہ! ”لا إلٰه“ پر انگشت کو اٹھاوے اور ”إلا اللّٰه“ پر رکھ دیوے۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۸۹)

اشارہ کے بعد انگلیوں کو کھولنا:

سوال: اشارے کے طریقوں میں جو کھولنا اور بند کرنا مذکور ہے، کیا اشارہ کے بعد بھی اسی کو باقی رکھے یا تمام انگلیوں کو کھول دے؟

الجواب

اسی طریقہ کو باقی رکھے۔ ملا قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والصحيح المختار عندجمهور أصحابناأنه يضع كفيه علىٰ فخذيه ثم عند وصوله إلىٰ كلمة

(۱) الفتاویٰ الهندية، الفصل الثالث فى سنن الصلاة وآدابها: ۱/۷۵، دارالفكر بيروت. انيس

(۲) يرفعهاعند النفى ويضعهاعند الإثبات. (الدرالمختار)

وفى المحيط: أنها سنة يرفعها عند النفى ويضعها عندالإثبات وهوقول أبى حنيفة ومحمدرحمهما اللّٰه تعالىٰ وكثرت به الآثاروالأخبارفالعمل به أولىٰ. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل مطلب مهم فى عقدالأصابع عند التشهد: ۱/۴۷۵/ كبيرى، صفة الصلاة: ۳۲۸)

التوحيد يعقد الخنصر والبنصر ويحلق الوسطى والإبهام ويشير بالمسبحة رافعاً لها عند النفي وواضعاً لها عند الإثبات ثم يستمر علىٰ ذلک لأنه ثبت العقد عند الإشارة بلاخلاف ولم يوجد غيره، فالأصل إبقاء الشيء علىٰ ما هو عليه وأصحابه إلىٰ اٰخره، انتهىٰ. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۲۴)

متون میں رفع سبابہ کا ذکر کیوں نہیں:

سوال: متون میں رفع سبابہ کا ذکر کیوں نہیں کیا اور یہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

درمختار میں اس کی تفصیل دیکھ لیں، اس میں بعض متون سے بھی رفع سبابہ نقل کیا ہے اور رفع سبابہ کی تصحیح کی ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنا اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول لکھا ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۰۱)

دائیں ہاتھ کی انگشت نہ اٹھا سکتا ہو تو کیا کرے:

سوال: ایک شخص داہنے ہاتھ کی انگلی شہادت اٹھانے سے مجبور ہے، تشہد میں بائیں ہاتھ کی انگلی اٹھاتا ہے، زید منع کرتا ہے؟

الجواب

اگر داہنے ہاتھ میں عذر ہے اور انگشت نہیں اٹھا سکتا تو وہ انگشت نہ اٹھاوے، بائیں ہاتھ کی انگشت اٹھانے کا حکم نہیں ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۹۲) ☆

---

(۱) مفصل حوالہ گذر چکا۔ وهو قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما اللّٰه وكثرت به الأثار والأخبار فالعمل به أولىٰ. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد: ۴۷۵/۱، ظفير)

(۲) الصحيح أنه يشير بمسبحة وحدها، يرفعها عند النفي. (الدرالمختار)

(قوله: بمسبحة وحدها) فيكره أن يشير بالمسبحتين كما في الفتح وغيره. (رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۴۷۴/۱، ظفير) (كتاب الصلاة، قبيل مطلب مهم في عقد الأصابع عند التشهد، انيس)

☆ **معذوری کی وجہ سے داہنے ہاتھ سے رفع سبابہ ممکن نہ ہو تو:**

سوال: اگر کسی شخص کا داہنا ہاتھ کٹا ہوا ہو یا انگشت سبابہ کٹی ہو یا داہنا ہاتھ مفلوج ہو اور انگشت شہادت کا اٹھانا قابو میں نہ ہو تو تشہد میں اس کے بدلے بائیں ہاتھ کی انگلی اٹھا سکتا ہے یا اٹھانا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اس کے متعلق کوئی نقل نظر سے نہیں گذری کہ بائیں ہاتھ سے اشارہ کرے، اس لئے ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں اشارہ کا استحباب ساقط ہے کیوں کہ جو فعل اس کا سنت سے منقول ہے وہ موجود نہیں اور کسی دوسرے عضو کو اس کا قائم مقام کرنا محض قیاس سے درست نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (اضافہ) (امداد المفتین: ۲/۲۷۵)

==

افضل درود شریف:

سوال: نماز کے باہر کون سا درود شریف پڑھنا چاہئے، وہ درود شریف تحریر کیجئے؛ جس کی فضیلت احادیث میں آئی ہو؟

الجواب ــــــــــ حامداً و مصلیًا

سب سے افضل درود شریف وہی ہے جو نماز میں پڑھا جاتا ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، یوپی۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

(فتاویٰ محمودیہ: ۶۴۴/۵-۶۴۵)

== کسی وجہ سے انگشت شہادت سے اشارہ ممکن نہ ہو تو کسی اور انگلی سے نہ کریں:

سوال: میری شہادت کی انگلی میں کافی دنوں سے پھوڑا نکلا ہوا ہے انگلی کو حرکت دینے سے ٹیسیں اٹھتی ہیں تو بوقتِ تشہد اس انگلی کے بجائے دوسری انگلی سے اشارہ کر سکتا ہوں یا نہیں؟ (قمر الدین مکتبہ ربانیہ نزد خیر المدارس ملتان)

الجواب ــــــــــ

اگر تکلیف کی وجہ سے انگشتِ شہادت سے اشارہ مشکل ہو تو اشارہ ترک کردیں، کسی اور انگلی سے نہ کریں؛ کیونکہ اشارہ اسی انگلی سے مستحب ہے۔

"لایشیر بغیر المسبحة حتیٰ لو کانت مقطوعة أو علیلة لم یشر بغیرها من أصابع الیمنیٰ و الیسریٰ کمافی النووی علیٰ مسلم. (طحطاوی: ۱٤۷)(فصل فی بیان سننها، انیس) فقط واللّٰه أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔ ۱۰/۷/۱۴۱۷ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۲۶۰/۲-۲۶۱)

(۱) أفضل العبارات علی ما قال المرزوقی: "اللهم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد، آه". (ردالمحتار، خطبة الکتاب، مطلب أفضل صیغ الصلاة: ۱۳/۱، سعید)

"حدثنا شعبة عن الحکم، قال: سمعت ابن أبی لیلیٰ قال: لقینی کعب بن عجرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه فقال: ألا أهدی لک هدیةً، خرج علینا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، فقلنا: قد عرفنا کیف نسلم علیک، فکیف نصلی علیک؟ قال: "قولوا: اللّٰهم صلی علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ إبراهیم إنک حمید مجید، اللهم بارک علیٰ محمد وعلیٰ آلِ محمد کما بارکت علیٰ ابراهیم، إنک حمید مجید". (الصحیح لمسلم، کتاب الصلاة، باب الصلاة علی النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم بعد التشهد: ۱۷۵/۱، قدیمی)(رقم الحدیث: ٤۰٦، انیس)

"قال: سئل محمد عن الصلوٰة علی النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، فقال: یقول "اللّٰهم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ إبراهیم وعلیٰ آل إبراهیم إنک حمید مجید، وبارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ إبراهیم وعلیٰ آل إبراهیم إنک حمید مجید"، وهی الموافقة لما فی الصحیحین وغیرهما". (رد المحتار، کتاب الصلاة، فصل فی بیان تألیف الصلوٰة إلیٰ انتهائها: ۵۱۲/۱، سعید)

درود میں سیدنا کا اضافہ کیسا ہے:

سوال: جو درود شریف بعد تشہد کے نماز میں پڑھا جاتا ہے اور بدونِ لفظ ''سیدنا'' مروی ہے، آیا بلا ''سیدنا'' پڑھنا چاہئے، یا اضافہ لفظ ''سیدنا'' کیا جاوے؟

الجواب

اضافہ لفظ ''سیدنا'' میں کچھ مضائقہ نہیں ہے؛ لیکن تشہد نماز میں جیسا کہ وارد ہوا ہے بلا لفظ ''سیدنا''، ویسا ہی بہتر ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۸-۱۶۹)

درود شریف میں لفظ سیدنا کا اضافہ اولیٰ ہے:

سوال: ایک سائل کو یہ جواب تحریر فرمایا جو درج ذیل ہے۔ سوال کا حاصل صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ خارج صلوٰۃ یا داخل صلوٰۃ درود شریف میں لفظ سیدنا کا اضافہ کرنا کیسا ہے؟ (محمد خالد عفا اللہ عنہ)

الجواب

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ سیدنا کا اضافہ صلوٰۃ میں اولیٰ لکھا ہے تو غیر صلوٰۃ میں بھی بالا ولیٰ ہوگا اور کتابت میں بھی لکھنا اولیٰ ہے۔ فقط

خلیل احمد عفی عنہ۔ (فتاویٰ مظاہر علوم:۱/۹۷-۹۸) ☆

---

(۱) وصلی علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم إلخ وندب السیادة،لأن زیادة الإخبار بالواقع عین سلوک الأدب، فهو أفضل من ترکه،ذکره الرملی الشافعی وغیره وما نقل ''لاتسودونی فی الصلاة'' فکذب.(الدر المختار)

قال:سئل محمد عن الصلوٰة علی النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم،فقال:یقول''اللّٰهم صلّ علی محمد وعلی آل محمد إلخ وهی الموافقة لما فی الصحیحین وغیرهما إلخ...واعترض بأن هذا مخالف لمذهبنا لما مر من قول الإمام من أنه لوزاد فی تشهده أونقص فیه کان مکروهاً،قلت:فیه نظر فإن الصلوٰة زائدة علی التشهد.(رد المحتار،باب صفة الصلوٰة: ۱/۴۷۸-۴۷۹،ظفیر)(کتاب الصلاة،قبیل مطلب فی جواز الترحم علی النبی ابتداء ومطلب فی جواز التراحم علی النبی ابتداءً،انیس)

☆ درود میں 'سیدنا' کا اضافہ افضل ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز میں درود شریف ''اللّٰهمّ صلّ علی محمد'' کہنا افضل ہے، یا ''اللّٰهمّ صلّ علی سیّدنا محمّد'' کہنا افضل ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ———— باسم ملهم الصّواب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام دونوں کے ساتھ لفظ ''سیدنا'' کا اضافہ افضل ہے۔ ==

درود شریف نہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے:

سوال: زید نے نماز میں درود شریف قصداً نہ پڑھا، بکر کہتا ہے کہ نماز نہیں ہوئی، زید کہتا ہے نماز ہو گئی، تو کس کا قول صحیح ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــ باسم ملھم الصّواب

نماز ہو جائے گی، کیوں کہ درود شریف پڑھنا سنت ہے، اور سنت کے ترک سے نماز ہو جاتی ہے، مگر نماز کا اعادہ بہتر ہے، بالخصوص درود شریف کے ترک سے اعادہ کی اہمیت اس لیے زیادہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قعدۂ اخیرہ میں درود شریف فرض ہے، لہٰذا جلدی کی صورت میں بھی **اللّٰھمّ صلِّ علیٰ محمّد** تک پڑھ لینا چاہیے۔

قال فی الدر: وسنّة فی الصلاة، ومستحبّة فی کلّ أوقات الإمکان.

وفی الشامیة (قوله سنّة فی الصلاة) أی فی قعود أخیر مطلقًا وکذا فی قعود أوّل فی النوافل غیر الرواتب، تأمل وفی صلاة الجنازة. (رد المحتار: ۴۸۳/۱)(۱)

== قال فی الدر: وندب السیادة؛ لأنّ زیادة الإخبار بالواقع عن سلوک الأدب، فھو أفضل من ترکه ذکره الرّملی الشافعی وغیره. وقال المحشی: (قوله ذکره الرملی الشافعی) أی فی شرحه علی منھاج النّووی ونصّه: "والأفضل الإتیان بلفظ السیادة کما قاله ابن ظھیریة وصرّح به جمع وبه أفتی الشارح لأنّ فیه الإتیان بما أمرنا به وزیادة الإخبار بالواقع الذی ھو أدب، فھو أفضل من ترکه، آه (إلیٰ قوله) وأنه یأتی بھا مع إبراھیم علیه السلام. (رد المحتار: ۴۷۹/۱) (کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبیل مطلب فی الکلام علی التشبه فی کما صلیت علیٰ إبراھیم، انیس) فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم

۲ / رجب ۱۳۸۶ھ۔ (احسن الفتاویٰ، جلد: ۲۷/۳)

نماز والے درود شریف میں "سیدنا ومولانا" کا اضافہ کرنا:

سوال: نماز میں التحیات اور تشہد کے بعد والے درود میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ناموں سے پہلے "**سیدنا ومولانا**" پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــ

ہمارے ائمہ سے تو یہ مسئلہ منقول نہیں، درمختار میں اس کو شافعیہ کے حوالے سے مستحب لکھا ہے اور اس سے موافقت کی ہے۔ **(وندب السیادة لأنّ زیادة الإخبار بالواقع عن سلوک الأدب فھو أفضل من ترکه، ذکره الرملی الشافعی وغیره.**

(الدر المختار: ۵۱۳/۱، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، طبع ایچ ایم سعید) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۵۱/۲)

علماء احناف نے کلمۂ تشہد میں اضافہ سے منع کیا ہے، دار العلوم دیوبند کا فتویٰ مذہب حنفی کے اسی اصول کے تحت ہے، مذہب شافعی میں اضافہ کر سکتا ہے، واضح رہے کہ اضافہ سے معنی میں کوئی فرق واقع نہیں پڑتا ہے، اس لیے بڑھانا نہ بڑھانا دونوں درست ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اضافہ کی صورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ محمود عمل ہے، اس لیے بڑھانا افضل ہے۔ انیس

(۱) **کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فروع قرأ بالفارسیة أو التوراة أو الإنجیل، انیس**

وفی سنن الصلاۃ من الدّر: ترک السّنة لایوجب فسادًا ولا سهوًا بل اساءۃً لوعامدًا غیر مستخف.

وفی الشامیة: فلو غیر عامد فلا إساءۃ أیضًا، بل تندب إعادۃ الصلاۃ کما قدمناہ فی أوّل بحث الواجبات. (رد المحتار: ۴۴۲/۱)(۱)

ونصّه هناک أقول: وقد ذکر فی الإمداد بحثًا: أن کون الإعادۃ بترک الواجب واجبة لا یمنع أن تکون الإعادۃ مندوبة بترک سنّة آہ. ونحوہ فی القهستانی بل قال فی فتح القدیر: والحق التفصیل بین کون تلک الکراهة کراهة تحریم فتجب الإعادۃ، أو تنزیه فتستحب، اهـ. (رد المحتار: ۴۲۵/۱)(۲) **فقط واللّٰہ تعالٰی أعلم**

۱۷/صفر ۱۳۸۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۲۹/۳، ۳۰)

نماز میں درود کے بعد کی دعا:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز میں التحیات کی جگہ کون سی دعا پڑھی ہے؟ حدیث سے ثابت کیجئے۔ اور قعدہ میں درود ابراہیمی کی جگہ کون سی دعا پڑھی ہے یا درود پڑھی ہے؟ حدیث سے ثابت کیجئے۔ اور فرض نماز میں کیا پڑھا ہے؟ وہ لکھئے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں ہر دو رکعت پر قعدہ میں التحیات پڑھا کرتے تھے اور جب سلام پھیرنا ہوتا تو التحیات کے بعد درود ابراہیمی پڑھا کرتے تھے اور اس کے بعد دعا بھی پڑھتے تھے۔ ایک دعا یہ ہے:

"اللّٰهم إنی أعوذبک من عذاب جهنم" (۳) "وأعوذبک من عذاب القبر وأعوذبک من فتنة المسیح الدجال وأعوذ بک من فتنة المحیا والممات، اللّٰهم إنی أعوذبک من المأثم والمغرم". (۴)

---

(۱) کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، مطلب: سنن الصلاۃ، انیس

(۲) کتاب الصلاۃ، باب صفة الصلاۃ، مطلب: کل صلاۃ أدیت مع کراهة التحریم تجب إعادتها، انیس

(۳) عن أبی هریرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال: قال رسول اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم: "إذا تشهد أحدکم فلیستعذ باللّٰہ من أربع یقول: اللّٰهم إنی أعوذبک من عذاب جهنم ومن عذاب القبر ومن فتنة المحیا والممات، ومن شر فتنة المسیح الدجال". (الصحیح لمسلم، کتاب الصلاۃ، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر: ۲۱۷/۱، قدیمی، (ح: ۵۸۸) انیس)

(۴) وقد روی مسلم هذا الدعاء بسندہ عن عائشة رضی اللّٰہ تعالٰی عنها زوج النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه و سلم، أخبرته، أن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم کان یدعو فی الصلاۃ: "اللّٰهم أعوذبک من عذاب القبر". إلٰی آخر الحدیث. (الصحیح لمسلم، کتاب الصلاۃ، باب استحباب التعوذ من عذاب القبر وعذاب جهنم: ۲۱۷/۱، قدیمی، (ح: ۵۸۹) انیس)

اور بھی دعائیں منقول ہیں۔(۱)

رسالہ ''تعلیم الاسلام'' میں پوری طرح نماز کی ترکیب شروع سے اخیر تک درج ہے، یہ رسالہ عام طور پر اردو کتب فروشوں کی دوکانوں میں مل جاتا ہے۔فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۶۴۵/۵-۶۴۶)

درود شریف کے بعد کئی دعائیں پڑھنے کا حکم:

سوال: امامت کراتے ہوئے یا اکیلا نماز پڑھتے ہوئے درود پاک کے بعد ''رَبِّ اجْعَلْنِیْ'' اور ''رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً'' الخ، یہ دونوں دعائیں پڑھ سکتا ہے یا ایک پڑھے؟

الجواب

پڑھ سکتا ہے، بہتر ہے کہ بصورت امامت ایک دعا پڑھے۔(۲) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، رئیس الافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان۔۱۰/۷/۱۴۰۳ھ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مرتب خیر الفتاویٰ۔(خیر الفتاویٰ: ۲۶۸/۲-۲۶۹)

دعا کے بغیر سلام پھیر دیا:

سوال: التحیات کے بعد سلام پھیر دیا گیا، یا درود بھی پڑھ لیا؛ مگر دعا نہیں پڑھی اور سلام پھیر دیا، تو نماز ہو گئی، یا نہیں؟

(۱) عن حنظلة بن علی أن محجن بن الأدرع رضی اللّٰه تعالٰی عنه حدثه، قال: دخل رسول اللّٰه تعالٰی علیه وسلم المسجد، فإذا هو برجل قدقضی صلاته وهویتشهد وهویقول: اللّٰهم إنی أسئلک یا اللّٰه الأحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد، ولم یکن له کفواً أحد، أن تغفرلی ذنوبی، إنک أنت الغفور الرحیم، قال: فقال: ''قد غفرله قد غفرله ثلاثاً''. (سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب مایقول بعد التشهد: ۱/ ۴۱۴-۴۱۲، سعید)(ح: ۹۸۵)انیس)

والتفصیل فی (الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الثالث فی سنن الصلاة و آدابها: ۷۶/۱، رشیدیة)

''ویتشهد... وصلی علی النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم... ودعاء بما یشهه ألفاظ القرآن، والأدعیة الماثورة آه''. (الهدایة، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱۱۲/۱-۱۱۳، مکتبة شرکة علمیة، ملتان)

(۲) وکره للإمام تطویل الصلاة، لما فیه من تنفیر الجماعة لقوله علیه السلام: ''من أم فلیخفف'' آه. (مراقی الفلاح) (قوله تطویل الصلاة) بقراءة أو تسبیح أو غیرهما رضی القوم أم لا، لإطلاق الأمر بالتخفیف، آه. (الطحطاوی : ۱۶۶)(فصل فی بیان الأحق بالإمامة، انیس)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

ہوگئی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔ ۱۷/۶/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔ ۱۷/۶/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۴۱/۵)

نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ:

سوال: نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ کیا ہے؟ لفظ سلام میں وبرکاتہ بھی کہے یا صرف ''**السلام علیکم**'' کہے؟ مذاہب اربعہ کی روشنی میں جواب عنایت کریں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

ائمہ ثلاثہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز سے نکلنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ پہلے داہنی طرف لفظ ''**السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ**'' کہے پھر بائیں طرف ''**السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ**'' کہے نہ اس سے کم کرے اور نہ اس میں اضافہ کرے، یہی متوارث عمل ہے، البتہ امام مالک کے نزدیک صرف ''**السلام علیکم**'' سنت ہے، ''**ورحمۃ اللّٰہ**'' کی زیادتی مسنون نہیں۔

(۱) مذہب احناف:

ملاحظہ ہو؛ مبسوط میں ہے:

(ثم یسلم تسلمتین أحداهما عن یمینیه ''السلام علیکم ورحمة اللّٰه''، والأخریٰ عن یساره مثل ذلک) لقول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ''وتحلیلها السلام''. (المبسوط للإمام السرخسی: ۳۰/۱، مطلب فی حکم التسلیم، إدارة القرآن)(۲)

شرح منیۃ المصلی میں ہے:

''ویسلم عن یمینیه ویقول ''السلام علیکم ورحمة اللّٰه'' ولایقول فی هذا السلام... ''وبرکاته'' کذا ذکر فی المحیط فإن المروی فیه عن ابن مسعود رضی اللّٰه عنه أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یسلم عن یمینه ''السلام علیکم ورحمة اللّٰه'' حتٰی یریٰ بیاض خده الأیمن و

---

(۱) (وسننها) ترک السنة لایوجب فسادًا ولاسهوًا، بل إساءةً لو عامدًا غیر مستخف، وقالوا: الإساءة أدون من الکراهة، ثم هی علٰی ما ذکره ثلاثة وعشرون: (رفع الیدین للتحریمة... والصلاة علی النبی، والدعاء). (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۴۷۳/۱ ـ ۴۷۷، سعید)

(۲) کیفیة الدخول فی الصلاة، انیس

عن يساره ''السلام عليكم ورحمة الله'' حتىٰ يرىٰ بياض خده الأيسر، رواه أصحاب السنن الأربعة، وقال الترمذى رحمه الله حديث حسن صحيح ولا يتوهم ان مراده هٰذا السلام الأول وأنه يقول فى السلام الثانى ''وبركاته'' كما يفعله بعض الجهال، لأن ذلك خلاف السنة، كما فى هٰذا الحديث الصحيح و خلاف عمل الأمة. (شرح منية المصلى: ۳۳٦، سهيل/وكذا فى الطحطاوى علىٰ مراقى الفلاح: ۲۷٤، قديمى/وفى الفتاوىٰ الهندية: ۷٦/۱)

(۲)　مذہب مالکیہ:

قال العلامة شمس الدين الدسوقى: وظاهر كلام أهل المذهب أنها (ورحمة الله و بركاته) غير سنة وإن ثبت بها الحديث لأنها لم يصحبها عمل أهل المدينة بل ذكر فى المنح: أن الأولىٰ الاقتصار علىٰ ''السلام عليكم'' وإن زيادة ورحمة الله وبركاته هُنا خلاف الأولىٰ. (حاشية الدسوقى: ۳۷۹/۱، وكذا فى مواهب الجليل: ۲۱۹/۲. وفى شرح مختصر خليل: ۳٤٤/۳. وفى المدونة الكبرى: ۲٦٦/۱)(۱)

وقال الإمام مالك: فى ''السلام'' يقول: ''السلام عليكم''، بلا ''ورحمة الله''. (الاستذكار لابن عبدالبر: ۲۸۹/٤)

(۳)　مذہب شوافع: ملاحظہ ہو کتاب الام میں ہے:

(قال الشافعى) وبهٰذا الحديث كلها نأخذ فنأمر كل مصل أن يسلم تسليمتين إمامًا كان، أو مأمومًا، أو منفردًا ونأمر المصلى خلف الإمام إذا لم يسلم الإمام تسليمتين أن يسلم هو تسليمتين ويقول فى كل واحد منهما ''السلام عليكم ورحمة الله''. (كتاب الأم: ۱٤٦/۱، باب السلام فى الصلاة، دارالفكر. وكذا فى شرح المهذب: ٤۷۳/۳. فرضية السلام فى الصلاة، دارالفكر)

(٤)　مذہب حنابلہ: المغنی میں ہے:

مسئلة: قال: ثم يسلم عن يمينه فيقول: ''السلام عليكم ورحمة الله'' وعن يساره كذلك لما روى ابن مسعود رضى الله عنه قال: رأيت النبى صلى الله عليه وسلم... قال الترمذى: حديث ابن مسعود رضى الله عنه حديث حسن صحيح. (المغنى لابن قدامة الحنبلى: ٥۸۸/۱، وكذا فى الشرح الكبير: ٥۸۸/۱، دارالكتب العلمية، لبنان)(۲) والله سبحانه تعالىٰ أعلم (فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۲/ ۱٦٤-۱٦٦)

---

(۱)　الشرح الكبير وحاشية الدسوقى، فصل فى فرائض الصلاة: ۲٤۱/۱، دارالفكر/مواهب الجليل فى مختصر خليل، مسألة الحركة إلى الأركان هل هى واجبة لنفسها أو لغيرها فى الصلاة: ٥۲۳/۱، دارالفكر/ شرح مختصر خليل للخرشى، فصل فى فرائض الصلاة: ۲۷۳/۱، دارالفكر. انيس

(۲)　مسألة إذا فرغ من صلاته وأراد الخروج منها: بعد فصل يسلم تسليمتين عن يمينه ويساره، انيس

سلام پھیرتے وقت جو ملے، وہ تشہد پورا کرے یا نہیں:

سوال: جس شخص نے امام کی اقتدا سلام پھیرنے کے وقت کی ہو تو کیا بعد سلام امام اس کو تشہد پورا کرنا ضروری ہے؟

الجواب

شامی جلد: ۱/۳۳۳، میں ہے کہ مختار اس صورت میں یہ ہے کہ تشہد پورا کر کے کھڑا ہو اور اگر پورا نہ کیا اور کھڑا ہو گیا تو یہ بھی جائز ہے۔(۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۱۶۴-۱۶۵)

امام کے سلام پھیرتے وقت مقتدی دعا پوری نہ کر سکا ہو تو کیا کرے:

سوال: امام سلام پھیر دے اور مقتدی کی کچھ دعا باقی ہو، تو فوراً امام کے ساتھ سلام پھیر دے، یا ختم کر کے سلام پھیرے؟

الجواب

اگر تھوڑی سی دعا باقی رہی ہے، تو جلدی سے پورا کر کے کچھ بعد میں سلام پھیر لے، تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۱۶۵)

مقتدی کے تشہد مکمل کرنے سے قبل امام کھڑا ہو جائے تو مقتدی کیا کرے:

سوال: تشہد کا پڑھنا کیسا ہے؟ کیا امام کی اقتدا تشہد میں بھی ضروری ہے جب کہ امام صاحب تشہد میں جلدی کرتے ہیں، بعض مقتدی کو تشہد میں دیر ہوتی ہے اور امام صاحب کھڑے ہو جاتے ہیں یا نماز ختم کر لیتے ہیں تو کیا مقتدی تشہد مکمل کرے یا نہ کرے؟

الجواب و باللہ التوفیق

تشہد پڑھنا واجب ہے اور امام کی اتباع بھی واجب ہے، صورت مذکورہ میں تشہد مکمل کر لینے کے بعد بھی اگر مقتدی کھڑا ہو گا تو امام کی اتباع ہو جائے گی، لہٰذا مقتدی تشہد مکمل کر کے اس کے بعد امام کی اتباع کے لئے کھڑا ہو۔

"و متابعة الإمام". (الدر المختار)

---

(۱) وشمل بإطلاقه مالو اقتدىٰ به في أثناء التشهد الأول أو الأخير، فحين قعد قام إمامه أو سلم، و مقتضاه أنه يتم ثم يقوم ولم أره صريحاً، ثم رأيته في الذخيرة ناقلاً عن أبي الليث: المختار عندي أن يتم التشهد وإن لم يفعل أجزاه. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ١/٤٦٣، بعد مطلب في إطالة الركوع للجائي، ظفير)

(۲) ولو سلم والمؤتم في أدعية التشهد تابعه لأنها سنة والناس عنه غافلون. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد الشروع: ١/٤٦٣، بعد مطلب في إطالة الركوع للجائي، ظفير)

(قوله:ومتابعة الإمام)قال فی شرح المنية:لاخلاف فی لزوم المتابعة فی الأركان الفعلية إذ هی موضوع الاقتداء.واختلف فی المتابعة فی الركن القولی وهو القراءة،فعند مالايتابع فيها بل يستمع وينصف وفيما عدا القراءة من الأذكاريتابعه.والحاصل أن متابعة الإمام فی الفرائض و الواجبات من غيرتأخيرواجبة،فإن عارضها واجب لاينبغی أن يفوته بل يأتی به ثم يتابع،كما لوقام الامام قبل أن يتم المقتدی التشهد فإنه يتمه ثم يقوم لأن الإتيان به لا يفوّت المتابعة بالكلية،وإنمايؤخرها،والمتابعة مع قطعه تفوّته بالكلية،فكان تأخيرأحد الواجبين مع الإتيان بهما أولٰی من ترک أحدهما بالكلية،بخلاف ماإذاعارضها سنة،كما لورفع الإمام قبل تسبيح المقتدی ثلاثًا فالأصح أنه يتابعه؛لأن ترک السنة أولٰی من تأخيرالواجب، آه. (رد المحتار، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب:مهم فی تحقيق متابعة الإمام: ۱٦٥/۲)

محمد نعمت اللہ قاسمی -۱۴۰۹/۵/۲۱ھ-(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۸۷-۳۸۸)

مقتدی کے بعد درود کی دعا پڑھنے سے پہلے امام سلام پھیر دے تو وہ کیا کرے:

سوال: اگر امام نے سلام پھیر دیا اور مقتدی نے صرف 'التحیات' اور صرف 'درود' ہی پڑھا ہے، دعا نہیں پڑھی، تو کیا مقتدی کو بھی امام کے ساتھ سلام پھیر دینا چاہیے یا دعا پڑھ کر؟

الجواب

اس صورت میں مقتدی امام کے ساتھ سلام پھیر دیوے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۶۹)

مقتدی کس وقت سلام پھیرے:

سوال: مقتدی کو کس وقت سلام پھیرنا چاہیے؟

---

(۱) ولوسلّم(الإمام)والمؤتم فی أدعية التشهد تابعه لأنها سنة والناس عنه غافلون.(الدرالمختار)

(قوله:فی أدعية التشهد)يشمل الصلوٰة علی النبی صلی اللّٰه عليه وسلم.(رد المحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل إذا أراد الشروع: ٤٦٣/١،ظفير)(مطلب فی إطالة الركوع للجائی،انيس)

عن أنس بن مالک أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم ركب فرساً فصرع عنه فجحش شقه الأيمن فصلی صلاة من الصلوات وهو جالس فصلينا جلوساً فلما انصرف قال:إنما جعل الإمام ليؤتم به إذا صلی قائما فصلوا قياماً وإذا ركع فاركعوا وإذا قال سمع اللّٰه لمن حمده فقولوا ربنا ولک الحمد وإن صلی قاعداً فصلوا قعوداً أجمعين.

قال محمد:وبهذا نأخذ،صلاة الرجل قاعداً للتطوع مثل نصف صلاته قائماً فأما ماروی من قوله إذا صلی الإمام جالساً فصلوا جلوساً أجمعين فقدروی ذلک وقد جاء ماقدنسخه.(مسند الإمام مالک برواية محمدبن الحسن،باب صلاة القاعد (ح:١٥٧): ٧١/١،المكتبة العلمية.انيس)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

مقتدی کے لئے بہتر یہ ہے کہ امام جب دائیں طرف سلام پھیرے تو مقتدی بھی دائیں طرف سلام پھیرے اور جب امام دائیں طرف سے فارغ ہوکر بائیں طرف پھیرے تو مقتدی امام کے بعد بائیں طرف سلام پھیرے، یعنی امام سے مقدم نہ ہو۔(۱)

لما قال فخر الدين قاضي خان رحمة الله عليه: قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله المختار أن ينتظر إذا سلم الإمام عن يمينيه فيسلم المقتدى عن يمينيه وإذا فرغ الإمام عن يساره يسلم المقتدى عن يساره. (فتاوٰى قاضى خان علٰى هامش الهندية، فصل فيمن يصح الاقتداء به فيمن لايصح: ۸۸/۱) (۲) (فتاویٰ حقانیہ: ۱۰۷/۳)

مقتدی کے لئے امام کی اتباع:

سوال: امام تکبیر کہتا ہوا سجدہ سے کھڑا ہوا اور مقتدیوں میں سے بعض نے اٹھنے میں اتنی تاخیر کی کہ امام نے قرأت شروع کردی، یہ فعل درست ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مقتدیوں کو امام کی پیروی کرنی چاہئے، نہ امام سے سبقت کرنی چاہئے اور نہ زیادہ تاخیر کرنی چاہئے۔ اگر کسی مقتدی کی حرکت کراہت کا سبب ہو تو اسی کی نماز میں کراہت آئے گی دوسرے کی نماز میں کوئی کراہت نہیں آئے گی۔(۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی۔ ۱۳۷۰/۱۰/۲۸ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱۲۵/۲)

---

(۱) **عن أبي هريرة قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا، يقول: لا تبادروا الإمام إذا كبر فكبروا وإذا قال "ولا الضالين" فقولوا: آمين، وإذا ركع فاركعوا وإذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا: اللّٰهم ربنالك الحمد. (الصحيح لمسلم، باب النهي عن مبادرة الإمام في التكبير (ح: ۴۱۵) انيس)**

(۲) **قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله: المختار أن ينتظر إذا سلم الإمام عن يمينه يسلم المقتدى عن يمينيه وإذا فرغ عن يساره يسلم المقتدى عن يساره، آه. (الفتاوٰى الهندية، الفصل الثالث في سنن الصلاة وآدابها إلخ: ۷۷/۱) (الباب الرابع في صفة الصلاة، انيس)**

(۳) **والحاصل أن متابعة الإمام في الفرائض والواجبات من غير تأخير واجبة، فإن عارضها واجب لا ينبغي أن يفوته بل يأتي به ثم يتابع، كما لو قام الإمام قبل أن يتمّ المقتدي التشهد فإنه يتمّه ثم يقوم لأن الإتيان به لا يفوت المتابعة بالكلية وإنما يؤخّرها، والمتابعة مع قطعه تفوته بالكلية، فكان تأخير أحد الواجبين مع الإتيان بهما أولٰى من ترك أحدهما بالكلية، بخلاف ما إذا عارضها سنة، كما لو رفع الإمام قبل تسبيح المقتدي ثلاثًا فالأصح أنه يتابعه، لأن ترك السنة أولٰى من تأخير الواجب. (رد المحتار، مطلب: مهم في تحقيق متابعة الإمام: ۱۶۵/۲، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس)**

ختم نماز ''السّلام علیکم'' پڑھنا چاہئے:

سوال: '' السّلام علیکم ورحمة اللّٰہ ''پر نماز ختم کردینا چاہئے، یا لفظ '' برکاتہ'' بھی پڑھا جائے؟

الجواب

صرف لفظ ''السّلام علیکم ورحمة اللّٰہ'' کہنا سنت ہے، کما فی الأنوار الساطعة عن منیة المصلی: ''وأن یقول: السّلام علیکم ورحمة اللّٰہ''مرتین، اھـ. (۱)

اوراسی طرح اورحدیث میں بھی وارد ہے، صرف ابوداؤد کی ایک روایت میں ''وبرکاتہ'' کا لفظ بھی وارد ہوا ہے، مگر حنفیہ کے یہاں روایت مشہورہ ہی مسنون ہے، ''وبرکاتہ'' کے زائد کرنے کی ضرورت نہیں۔ (۲)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۶/۲)

''السّلام علیکم'' کہتے وقت مقتدی کا سانس امام سے پہلے ٹوٹ جائے:

سوال: مقتدی کا سانس سلام پھیرتے وقت السلام علیکم کہنے میں امام سے پہلے ٹوٹ جاوے تو مقتدی کی نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) ویقول ''السلام علیکم ورحمة اللّٰہ'' ولا یقول فی هذا السلام أی فی سلام الخروج من الصلاة سواءٌ کان عن الیمین أوالیسار ''وبرکاته''. (غنیة المستملی: ۳۲۶، ظفیر. باب صفة الصلاة، انیس)

عن جابر بن سمرة قال: کنا إذا صلینا مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قلنا: السلام علیکم ورحمة اللّٰہ، السلام علیکم ورحمة اللّٰہ، الخ. (الصحیح لمسلم، باب الأمر بالسکون فی الصلاة (ح: ۴۳۱)/وقد تقدم مرارًا حدیث عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنه رواه أبوداؤد، باب فی السلام (ح: ۹۹۶) انیس)

(۲) ثم یسلم، إلخ، قائلاً ''السلام علیکم ورحمة اللّٰہ'' هو السنة، إلخ وأنه لایقول هنا ''وبرکاته'' وجعله النووی بدعة، ورده الحلبی وفی الحاوی أنه حسن. (الدرالمختار)

(رده الحلبی) حیث قال فی الحلیة شرح المنیة بعد نقله قول النووی إنها بدعة: ولم یصح فیها حدیث بل صح فی ترکها غیر ما حدیث مانصه، لکنه متعقب فی هذا، فإنها جاء ت فی سنن أبی داؤد من حدیث وائل بن حجر بإسناد صحیح، وفی صحیح ابن حبان من حدیث عبداللّٰہ بن مسعود ثم قال: اللّٰهم إلا أن یجاب بشذوذها وإن صح مخرجها، إلخ. (الدرالمختار مع رد المحتار، باب صفة الصلاة، بعد الفصل: ۴۹۱/۱، ظفیر) (الفصل إذا أراد الشروع، مطلب: فی وقت إدراک فضیلة الافتتاح، انیس)

عن وائل بن حجر قال: صلیت مع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فکان یسلم عن یمینه: السلام علیکم ورحمة اللّٰہ وبرکاته، وعن شماله: السلام علیکم ورحمة اللّٰہ. (سنن أبی داؤد، باب فی السلام (ح: ۹۹۷)/صحیح ابن حبان، ذکر کیفیة التسلیم الذی ینتقل المرء به من الصلاة (ح: ۱۹۹۳) انیس)

الجواب

مقتدی کی نماز میں اس صورت میں کچھ خلل نہیں آیا۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۶۳) ☆

سلام میں صرف منھ پھیرے سینہ نہ پھیرے:

سوال: نماز سے خروج کیلئے سلام پھیرتے وقت قبلہ سے فقط منھ ہی پھیرے یا سینہ بھی؟

الجواب

صرف منھ پھیرنا دونوں طرف سلام کے ساتھ کافی ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۰۷)

سلام کے دوران امام اور ملائکہ کی نیت کرنا:

سوال: نمازی کو سلام کے دوران کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب

نمازیوں کی تین قسمیں ہیں: (۱) امام (۲) مقتدی (۳) منفرد۔

(۱) لوأتم المؤتم التشهد،بأن أسرع فيه وفرغ منه قبل إتمام إمامه فأتى بما يخرجه من الصلاة كسلام أو كلام أوقيام جازأى صحت صلاته لحصوله بعد تمام الأركان الخ وإنما كره للمؤتم ذلك لتركه متابعة الإمام بلاعذرفلوبه الخ فلاكراهة.(رد المحتار،باب صفة الصلاة: ۱/۴۹۰، ظفير)(كتاب الصلاة،مطلب:فى خلف الوعيد وحكم الدعاء بالمغفرة للكافرولجميع المؤمنين،انيس)

☆ **"السّلام عليكم ورحمة اللّٰه" میں امام سے سبقت:**

سوال: اگر کوئی مقتدی امام سے پہلے "السّلام عليكم ورحمة اللّٰه" کہنے میں سانس توڑ دے یا امام کے منھ پھیرنے سے پہلے منھ پھیر دے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب

نماز اس صورت میں صحیح ہے، مگر امام سے پہلے سلام پھیرنا مکروہ ہے۔

وإنما كره للمؤتم ذلك لترك متابعة الإمام بلا عذر،إلخ. (ردالمحتار،المجلدالأول)(رد المحتار،باب صفة الصلاة،فصل إذا أراد الشروع : ۱/۴۹۰، ظفير) (كتاب الصلاة،مطلب:فى خلف الوعيد وحكم الدعاء بالمغفرة للكافرولجميع المؤمنين،انيس) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۱۹۳)

(۲) وتحويل الوجه يمنة ويسرة للسلام أى من السنن(الدر المختارعلىٰ هامش ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب سنن الصلاة: ۱/۴۴۵،(ولها آداب)تركه لايوجب إساءةً ولا عتاباً...لكن فعله أفضل إلخ وإلىٰ منكبه الأيمن والأيسرعند التسليمة الأولىٰ والثانية)لتحصيل الخشوع،أيضاً،آداب الصلاة: ۱/۴۴۶،ظفير)

اگر نمازی مقتدی ہو تو سلام کے دران اگر امام دائیں طرف ہو تو دائیں طرف سلام پھیرتے وقت ملائکہ اس طرف کے مقتدیوں اور امام کی نیت کرنی چاہیے اور اگر امام بائیں طرف ہو تو مقتدی کے لئے ملائکہ وغیرہ کے علاوہ امام کی بھی نیت کرنی چاہیے اور اگر مقتدی صف کے وسط میں امام کے پیچھے کھڑا ہو تو دونوں طرف سلام میں امام کی نیت کرے اور اگر نمازی امام ہو تو امام کو دونوں طرف کے مقتدیوں کی نیت کرنی چاہیے اور اگر نمازی منفرد ہو تو منفرد سلام میں ملائکہ (حفظہ) کی نیت کرنی چاہئے۔

لما فی الهندية:وينوی من عنده من الحفظة والمسلمين فی جانبيه...والمقتدی يحتاج إلٰی نية الإمام مع نية من ذكرنا فإن كا ن الإمام فی الجانب الأيمن نواه فيهم وإن كان فی الجانب الأيسر نواه فيهم وإن كان بحذائه نواه فی الجانب الأيمن عند أبی يوسف وعند محمد ينويه فيهما وهو رواية عن أبی حنيفة وفی الفتاوٰی هو الصحيح والمنفرد ينوی الحفظة لاغيرولاينوی فی الملا ئكة عددًا محصورًا. (الفتاوٰی الهندية،الفصل الثالث فی سنن الصلاة وآدابها: ۷۷/۱)(۱)(فتاویٰ حقانیہ:۳/۱۰۷-۱۰۸)

---

(۱)　الباب الرابع فی صفة الصلاة،انيس)

قال العلامة عبد الرحمن الجزائری:يسن أن ينوی المصلی بسلامه الأول من علٰی يمينه وبسلامه الثانی من علٰی يساره(كتاب الفقه علٰی مذاهب الأربعة: ۲٦٦/۱)

عن أبی هريرة يقول (فی حديث طويل قال فيه): قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم : فإذا صلی لم تزل الملائكة تصلی عليه مادام فی مصلاه ، اللّٰهم صل عليه، اللّٰهم ارحمه ، ولايزال أحدكم فی صلاة ما انتظر الصلاة.(الصحيح للبخاری،باب فضل صلاة الجماعة (ح:٦٤٧)انيس)

مسئله: رکوع کی حالت میں دونوں گھٹنے دونوں ہاتھوں سے پکڑنا سنت ہے۔(مراقی:۱۴۵)

مسئله: رکوع کی تسبیح میں **سبحان ربی العظيم** کہنا سنت ہے لیکن جس سے صحیح ادا نہ ہو اور ظاء کو زاء کہ دے وہ **سبحان ربی الكريم** کہے ورنہ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔(شامی:۱/۳۳۲)

مسئله: رکوع نہ کرے اور قیام سے سیدھے سجدہ میں چلا جائے اونٹ کی طرح تو رکوع کے بدلہ ہو جائے گا۔(عالمگیری:۱/۷۰)

مسئله: جس کی پشت رکوع کی طرح ٹیڑھی ہو وہ رکوع کے لئے ہلکا سا سر جھکائے اس اشارہ سے اس کا رکوع ہو گیا۔(عالمگیری:۱/۷۰)

مسئله: رکوع کا وقت قراءت سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔(عالمگیری:۱/۷۰)

مسئله: قومہ میں امام کا **سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه** کہنا اور مقتدی کا **رَبَّنَا لَکَ الْحَمْد** کہنا اور اکیلے پڑھنے والے کا دونوں کہنا سنت ہے۔(تعلیم الاسلام:۳/۶۹)

افضل **اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْد** ہے اس کے بعد **رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْد** اور سب سے ادنیٰ درجہ **رَبَّنَا لَکَ الْحَمْد** ہے۔(الفقہ علی المذاہب الأربعۃ:۱/۲۵۱)(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل:۲۲۶-۲۲۷-۲۵۳)(انیس)

نماز کے آداب ومستحبات

مسنون لباس میں نماز:

سوال: یہاں افریقہ میں مکان ہے، باہر بازار وغیرہ میں بغیر کوٹ پتلون پہنے ہوئے نکلنے کا رواج نہیں ہے، یہاں کا یونیفارم ہی کورٹ پتلون ہے تو جو شخص اپنے مکان میں یا مسجد میں کورٹ یا پتلون نکال کر پائجامہ پہن کر نماز پڑھے گا تو اس کی نماز بغیر کراہت ہوگی یا کراہت کے ساتھ؟

الجواب ــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جو لباس مسنون ہے، اس کو پہن کر نماز پڑھنا مکروہ نہیں؛ بلکہ افضل ہے، اگرچہ وہاں کا یونیفارم اس کے خلاف ہو۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۶۴۷/۵)

پگڑی کے ساتھ نماز کثرت ثواب کا ذریعہ ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

امام کے لئے عمامہ(پگڑی) ضروری ہے یا نہیں؟ نیز واضح کریں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پگڑی اور عمامہ باندھنے سے ثواب ستر گناہ درجہ زیادہ ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: فضل کریم صوابی...... ۲۷/ ذیقعدہ/ ۱۳۹۵ھ)

---

(۱) وقوله تعالىٰ: ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (سورة الأعراف: ۳۱)

يدل علىٰ أنه مندوب فی حضور المسجد إلىٰ أخذ ثوب نظيف مما يتزين به، وقد روى عن النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: ''ندب إلىٰ ذلک فی الجمع والأعياد''. كما أمر بالاغتسال للعيدين والجمعة وأن يمس من طيب أهله. (أحكام القرآن للجصاص: ۵۱/۳، قديمی)

''ولهٰذه الآية وما ورد فی معناها من السنة يستحب التجمل عند الصلاة''. (تفسير ابن كثير: ۲۸۱/۲، مكتبة دار الفيحاء، دمشق)

عن طاؤس فی قوله عزوجل ﴿خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ قال: الثياب. (معرفة السنن والآثار، جماع لبس المصلی: ۱۴۹/۳ (ح: ۴۰۸۱) جامعة الدراسات الإسلامية كراتشی، انيس)

الجواب

عمامہ پہننا ہر مسلمان کے لئے کارِ خیر اور مستحب ہے، خصوصاً نماز کی حالت میں کثرت ثواب کا ذریعہ ہے۔

"كما في الفردوس الديلمي: عن جابر ركعتان بعمامة خير من سبعين ركعةً بلا عمامة.

وفيه أيضاً: الصلاة في العمامة عشر آلاف حسنة. (كما في كشف الحقائق، ص: ۷۷)(۱)

البتہ امام کے ساتھ اس کی تخصیص کرنا جہالت ہے۔ وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۸۲-۲۸۳)

پگڑی کے مسنون ہونے کا حکم انقلابات زمانہ سے تبدیل نہیں ہوتا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ!

جس مقام پر پگڑی کا استعمال نہ ہوتا ہو، اس مقام پر پگڑی میں نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور یہ بات کس کتاب میں لکھی ہوئی ہے کہ جہاں پگڑی کا استعمال نہ ہوتا ہو، وہاں پگڑی میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، کتاب کا حوالہ لکھ کر ممنون فرماویں؟ بینوا توجروا۔　　(المستفتی: محمد نثار برطانیہ......۱۹/محرم الحرام/۱۳۹۵ھ)

الجواب

امر مسنون تا قیامت مسنون رہے گا، عرف کے انقلابات سے سنت میں انقلاب نہیں آتا۔ (كما في تنقيح الفتاویٰ: ۳/۱)(۲) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۴۸-۲۴۹)

---

(۱) قال القاري: وكذا ما أورده الديلمي من حديث ابن عمر مرفوعاً: صلاة بعمامة تعدل خمسا وعشرين ... ومن حديث أنس مرفوعاً الصلاة في العمامة بعشرة آلاف حسنة قلت: مروى ابن عمر نقله السيوطي عن ابن عساكر في جامعه الصغير مع التزامه بأنه لم يذكر فيه الموضوع. (الموضوعات الكبرىٰ للقاري: ۱۴۷، رقم الحديث: ۵٦۳)

وقال النجم بعد إيراد ما ذكر: لكن أورد السيوطي في الجامع الصغير عن جابر بلفظ: "ركعتان بعمامة خير من سبعين ركعة من غير عمامة" فهو غير موضوع لأن الجامع المذكور جرده مؤلفه عن الموضوع. (كشف الخفاء، حرف الصاد المهملة: ۲/۲۸، المكتبة العصرية. انيس)

حديث جابر رواه أبو الشجاع الديلمي في الفردوس بمأثورة الخطاب، باب الراء (رقم الحديث: ۳۲۳۳) ۲/۲٦۵، دار الكتب العلمية بيروت.

والحديث الثاني روى عن أنس رضي الله عنه، باب الصاد (رقم الحديث: ۳۸۰۵) ۲/٤۰٦. انيس

(۲) قال العلامة محمد أمين ابن عابدين: وفي القنية: ليس للمفتي ولا للقاضي أن يحكما علىٰ ظاهر المذهب ويتركا العرف ... وأصلها قوله عليه الصلاة والسلام" ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن". أقول: لكن صرحوا بأن العرف المخالف للنص لا يعتبر بأنه لا يصح بيع الشرب مقصودًا وإن تعورف. (العقود الدرية في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، قبيل كتاب الطهارة (مقدمة): ۳/۱) فوائد تتعلق بآداب المفتي، دار المعرفة. انيس)

امام سے عمامہ باندھ کرنماز پڑھانے کا مطالبہ درست نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگرایک شخص لوگوں کے روبرو یہ بات کہہ دے کہ پگڑی سر پر باندھنا سنتِ رسول ہے اور جو علما سر پر پگڑی نہیں باندھتے ، وہ لعنتی اور خبیث ہیں،اس کہنے والے کا کیا حکم ہے؛ کیونکہ ہمارے معاشرے میں اکثر علما سر پر پگڑی نہیں باندھتے ؛ بلکہ اکثر ٹوپی اورقراقلی پہنتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی:عبدالرزاق، پی اوایف واہ کینٹ،۹/۱/۱۹۹۱ء)

الجواب

عمامہ پہننا سنت رسول،(۱)اور سنتِ ملائکہ ہے، (۲)اوراس کا پہننا ہرمسلمان کے لئے سنتِ زائدہ اور مستحب ہے،(۳)علمائے کرام یا ائمہ کرام کے ساتھ اس کا خاص کرنا غلطی ہے،(۴)البتہ کپڑے یا چمڑے کی ٹوپی پر اکتفا کرنا بھی جائز ہے،(۵)اور جو شخص عمامہ کو بالکلیہ ترک کردے، یا استخفاف اور قلت مبالات کی وجہ سے ترک کردے، یا

(۱) فی منهاج السنن:أن العمامة سنة ولها فضيلة مثل سائر السنن الزائدة وأما روايات فضيلة الصلاة فيها خمسا وعشرين صلاة أوسبعين صلاة وعشرة آلاف حسنة فباطلة وموضوعة صرح به القارى وغيره،و تمام هٰذه المسائل فى التحفة الأحوذى.(منهاج السنن شرح جامع السنن:۲۱۲/۵،باب سدل العمامة بين الكتفين)

نوٹ: حدیث مذکور کے بارے میں علما کا اختلاف ہے،اکثر محدثین نے موضوع کہا ہے،البتہ ملا علی قاری ودیگر علما کی یہ رائے کہ علامہ سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں اس حدیث کو نقل کیا، واضح رہے کہ علامہ سیوطیؒ نے جامع صغیر میں موضوع حدیث کو نقل نہیں کیا ہے،اس حدیث کے نقل کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ حدیث قابل قبول ہے،البتہ اس حدیث سے سنت مؤکدہ ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے، بلکہ استحباب کو ثابت کیا جاسکتا ہے۔اس لیے اگر کوئی شخص بغیر عمامہ کے نماز پڑھائے تو اس پر لعن طعن نہیں کیا جاسکتا ہے۔انیس

(۲) قال العلامة الحافظ ابن كثير:(قوله:من الملائكة مسوّمين)قال:"معلمين وكان سيما الملائكة يوم بدر عمائم سود ويوم حنين عمائم حمر"وروى من حديث حصين بن مخارق عن سعيد عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس قال لم تقاتل الملائكة إلا يوم بدر ... عن ابن عباس قال:كان سيما الملائكة يوم بدرعمائم بيض قد أرسلوها فى ظهورهم ويوم حنين عمائم حمر...حدثنا هشام بن عروة عن يحيٰ بن عباد أن الزبير رضى الله تعالىٰ عنه كان عليه يوم بدر عمامة صفراء معتجرا بها فنزلت الملائكة عليهم عمائم صفر.(تفسيرابن كثير:۵۲۳/۱،سورة آل عمران:۱۲۵،انيس)

(۳) قال فى شرح الوقاية:السنة ما واظب النبى عليه السلام مع الترك أحياناً فإن كانت المواظبة المذكورة علىٰ سبيل العبادة فسنن الهدىٰ وإن كانت علىٰ سبيل العادة فسنن الزوائد كلبس الثياب والأكل باليمين وتقديم الرجل اليمنىٰ فى الدخول ونحو ذلك.(شرح الوقاية:۶۹/۱،الولاء والتيامن فى الوضوء،كتاب الطهارة)

(۴) قال العلامة حسن بن عمار بن على:والمستحب أن يصلى فى ثلاثة أثواب إزار وقميص وعمامة وقال الزيلعى والأفضل أن يصلى فى ثوبين لقوله عليه السلام إذا كا ن لأحدكم ثوبان فليصل فيهما يعنى مع العمامة ؛لأنه يكره مكشوف الرأس.(إمداد الفتاح شرح نورالإيضاح:۲۲۹،باب شروط الصلاة وأركانها)

(۵) وقال فى منهاج السنن:فى الغرائب رجل صلىٰ مع قلنسوة وليس فوقها عمامة أو شئ آخر يكره وما ذكره الفردوس الديلمى عن جابرركعتان بعمامة خيرمن سبعين ركعة بلا عمامة،وبالجملة أن ترك العمامة ترك الأولىٰ نعم جازترك مالايكون مطلوباً شرعاً عند مصلحة العوام.(منهاج السنن شرح جامع السنن:۲۲۵/۲،باب ما جاء فى الصلاة فى الثوب الواحد)

تکاسل کی وجہ سے ترک کردے تو وہ حدیث بیہقی " لعنتهم ولعنهم اللّٰه وكل نبى مجاب والتارك لسنتى "(۱) کی بنا پر ملعون ہے۔(۲)وهو الموفق

نوٹ: ماحول اور معاشرہ کے تاثر سے سنت رسول ترک کرنا اضعف ایمان کی علامت ہے۔فقط

(فتاویٰ فریدیہ:۲۹۱/۲۔۲۹۳)

عمامہ کے لئے رومال کا استعمال اور عمامہ کی مقدار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل رومال کا جو استعمال ہے کیا اس کو سر پر باندھنے سے عمامہ کی سنت ادا ہوگی؟ نیز از روئے احادیث عمامہ کی اقل مقدار اور اکثر مقدار کتنے گز تک ثابت ہے؟ نیز کیا عمامہ صرف امام کے لئے سنت ہے یا مقتدی اور منفرد کے لئے بھی؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: حبیب گل......۱۹۷۴ء)

الجواب

واضح رہے کہ عمامہ پہننا ہر مسلمان کے لئے سنت ہے،لثبوتها بالأحاديث القولية والفعلية كمالايخفىٰ اور فقہائے کرام نے اس کو مستحبات نماز میں شمار کیا ہے۔(كما فى شرح الكبير: ۳۲٤)(۳)

---

(۱) عن على بن الحسين يقول:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:ستة لعنتهم،لعنهم الله وكل نبى مجاب: الزائد فى كتاب اللّٰه،والمكذب بقدرالله،والتارك لسنتى والمتسلط بالجبرية ليذل من أعزالله ويعزمن أذل الله والمستحل من عترتى ماحرم الله يعنى والمستحل لحرم الله.(القضاء والقدر للبيهقى،باب ماورد من التشديد على من كذب بقدر (ح:٤٢٤): ٢٨٥/١،مكتبةالعبيكان الرياض.انيس)

(۲) وقال فى منهاج السنن:ذكر العلى القارى أيضاً والمجد الشيرازى وغيرهما من أرباب السيرأن النبى صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم كان يلبس القلانس تحت العمائم وبغير العمائم ويلبس العمائم بغير القلانس انتهٰى.فإن قيل قد روى الترمذى مرفوعاً :"إن فرق ما بينا وبين المشركين العمائم علىٰ القلانس"،قلنا:قال الترمذى :إسناده ليس بالقائم،وقيل قصده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الانكارعلىٰ الاعتجاز.(منهاج السنن شرح جامع السنن: ٢٣٧/١، باب ماجاء فى المسح علىٰ الجوربين والعمامة)

قال العلامة عبد الحى اللكهنوى:وقد ذكروا أن المستحب أن يصلى فى قميص وإزاروعمامة ولايكره الاكتفاء بالقلنسوة ولاعبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك.(عمدة الرعاية علىٰ هامش شرح الوقاية: ١٩٨/١، قبيل باب الوتروالنوافل)(كتاب الصلاة،باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها،انيس)

(۳) قال العلامة الحلبى:(المستحب أن يصلى)الرجل فى (ثلا ثة أثواب إزار وقميص وعمامة)ولوصلىٰ فى ثوب واحد متوحشاً به جميع بدنه كما يفعل القصارفى المقصرة جاز من غير كراهة ... ولكن فيه ترك الاستحباب) (غنية المستملى:٣٣٧،فصل فيما يكره فى الصلاة)

اس میں امام اور غیر امام کا حکم یکساں ہے، صرف امام کے ساتھ خاص ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔(۱)

نیز واضح رہے کہ عمامہ ہر وہ کپڑا ہوتا ہے جو کہ سر پر پیچیدہ کیا جائے۔(کما فی التعلیق الممجد) اور یہ معنٰی رومال میں بھی موجود ہے، لہٰذا لغت عربی کی رو سے یہ عمامہ ہوگا، اگرچہ ہماری لغت میں اسے عمامہ نہیں کہا جاتا ہے اور چونکہ عمامہ کے لئے شرعاً کوئی مقدار مقرر نہیں ہے، لہٰذا رومال کے صغر سے کوئی نقص لازم نہ ہوگا، البتہ ملا علی قاری نے مرقات میں میں لکھا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چھوٹا عمامہ سات شرعی گز تھا اور بڑا عمامہ بارہ شرعی گز تھا؛(۲) لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس خاص مقدار سے کم وبیش عمامہ مسنون نہ ہوگا، کما فی الرداء والإزار. (۳) فافهم وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۸۸-۲۸۹)

امام کے لئے پگڑی کی مقدار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ امام مسجد کے لئے پگڑی کی کم از کم مقدار کتنی ہونی چاہئے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: مثل زادہ ترلاندی صوابی.....۱۲/۵/۱۹۶۹ء)

---

(۱) قال العلامة عبد الحى اللكهنوى:وقد ذكروا أن المستحب أن يصلى فى قميص وإزار وعمامة ولايكره الاكتفاء بالقلنسوة ولاعبرة لما اشتهر بين العوام من كراهة ذلك.(عمدة الرعاية علٰى هامش شرح الوقاية: ۱۹۸/۱، قبيل باب الوتر والنوافل)(كتاب الصلاة،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،انيس)

وفى منهاج السنن:أن العمامة سنة ولها فضيلة مثل سائر السنن الزائدة وأما روايات فضيلة الصلاة فيها خمساً وعشرين صلاة أوسبعين صلاة وعشرة آلاف حسنة فباطلة وموضوعة صرح به القارى وغيره.(منهاج السنن شرح جامع السنن:۲۱۲/۵،باب سدل العمامة بين الكتفين)

(۲) ... كان له صلى الله عليه وسلم عمامة وقصيرة وعمامة طويلة وأن القصيرة كانت سبعة أذرع والطويلة اثنى عشر ذراعاً.(مرقاةالمفاتيح شرح مشكاة المصابيح،كتاب اللباس:۲۷۷۸/۷،دارالفكر بيروت.انيس

(۳) وفى منهاج السنن:والعمامة هى ما اعتم بالرأس ولا حد لها شرعاً، نعم ذكر فى شرح المواهب:كانت له صلى الله تعالٰى عليه وسلم عمامة قصيرة ستة أذرع عمامة طويلةاثنا عشر ذراعاً.

وفى السعاية:ذكرعلى القارى فى رسالته فى العمامة ذكربعض علماء نا الحنفية أن العمامة التى كان يلبس دائماً طولها سبعة أذرع والتى تلبس فى الجمعة والعيدين طولها اثنا عشرة ذراعاً ويؤيده ما ذكره الجزرى فى تصحيح المصابيح قد تتبعت الكتب وتطلبت من كتب السيروالتواريخ لأقف علٰى قدرعمامته صلى الله تعالٰى عليه وسلم فلم أقف علٰى شئ حتٰى أخبرنى من أثق به أنه وقف علٰى شئ من كلام الشيخ محى الدين النووى ذكر فيه أنه عليه السلام كان له عمامة قصيرة وعمامة طويلة وإن القصيرة كانت سبعة أذرع والطويلة اثنى عشر،انتهٰى.(منهاج السنن شرح جامع السنن:۲۳۷/۱،باب ما فى المسح على الجوربين والعمامة)

الجواب

پیغمبر علیہ السلام کی پگڑی مختلف قسم کی تھی؛ لیکن سنت ہر پگڑی سے ادا ہوتی ہے، جیسا کہ قمیص اور چادر اور ازار، جتنا بھی ہو، اس سے سنت ادا ہو سکتی ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ موافق مقدار منقولہ کی ہو۔(۱) **وھو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۸۷)

پگڑی کی شرعی حیثیت اور مقدار:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ پگڑی صرف نماز کے لئے باندھی جائے گی یا دیگر اوقات میں بھی مسنون ہوگی، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے اور کیا رومال جو عام طور پر کندھوں پر استعمال کیا جاتا ہے، اس سے سنت کا اتباع ہوگا یا نہیں؟ نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پگڑی کی مقدار کیا تھی؟ بینوا تو جروا۔

(**المستفتی:** روح الامین فائنل شعبۂ نفسیات، پشاور یونیورسیٹی ۳۰/ذی الحجہ/۱۴۰۲ھ)

الجواب

پگڑی نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں مسنون ہے۔(۲)

پگڑی کی کوئی حد شرعی نہیں ہے، البتہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ساڑھے تین گز، چھ گز دو قسم پگڑیاں (مختلف رنگوں کی) استعمال کی ہیں۔(سعایہ وزرقانی) **وھو الموفق** (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۸۸)

---

(۱) العمامة ما اعتم بالرأس ولا حد لها شرعاً، نعم ذكر في شرح المواهب: كانت له (صلى الله تعالىٰ عليه وسلم) عمامة قصيرة ستة أذرع، وعمامته طويلة إثناعشر ذراعاً كما في الطبراني، ولكن قال ابن حجر لا أصل له. (المواهب:۹۹)

وفي السعاية: ذكر علي القاري في رسالته في العمامة ذكر بعض علماء نا الحنفية أن العمامة التي كان يلبس دائماً طولها سبعة أذرع والتي تلبس في الجمعة والعيدين طولها اثنا عشرة ذراعاً ويؤيده ماذكره الجزري في تصحيح المصابيح: قد تتبعت الكتب وتطلبت من كتب السير والتواريخ لأقف علىٰ قدر عمامته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلم أقف علىٰ شئ حتىٰ أخبرني من أثق به أنه وقف علىٰ شئ من كلام الشيخ النووي ذكر فيه أنه كان له عمامة قصيرة ستة أذرع وعمامة طويلة إثنا عشر ذراعًا وأن القصيرة كانت سبعة أذرع. (مواهب)(الفصل الثالث فيما تدعو ضرورته إليه من غذائه، النوع الثاني في لباسه وفراسته: ۲۵۷/٦/كذا جمع الوسائل في شرح الشمائل، باب ماجاء في عمامته صلى الله عليه وسلم: ١٦٨، المطبعة الشرفية مصر، انيس)

وقال الشيخ أحمد عبد الجواد الدومي عن ابن القيم لم تكن عمامته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كبيرة يؤذى الرأس حملها ولا صغيرة لا تقي الرأس من حر ولا برد بل كانت وسطاً بين ذلك وخير الأمور الوسط. (اتحافات: ۱۵۵)

(۲) عمامہ (پگڑی) پہننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے ایک سنت ہے، حضرات انبیاء اور صالحین کے لباس کا حصہ ہے، علامہ قسطلانی لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک عمامہ تھا جس کو سحاب کہا جاتا تھا، آپ اس عمامہ کے نیچے سر پر مڑی ہوئی ٹوپی پہنتے تھے۔(المواہب مع زرقانی: ۹/۵) ==

عمامہ کے دو شملوں کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عمامہ کے دو شملے چھوڑنا جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (المستفتی: حامد انور......۱۲/۳/۱۹۷۵ء)

الجواب

بین الکتفین وعذبہ(۱) جائز ہیں۔ (أشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ)(۲) وھو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۸۸)

== اور شرح مواہب میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمامہ چھ گز اور ایک بارہ گز کا تھا، اور سعایہ میں ہے کہ ملا علی قاری نے اپنے رسالہ عمامہ میں ذکر کیا ہے کہ ہمارے بعض حنفی علما نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیشہ جو عمامہ پہنتے تھے اس کا طول سات گز تھا اور جمعہ وعیدین میں بارہ گز کا عمامہ باندھتے تھے، اور اس کی تائید علامہ جزری کے قول سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے تصحیح المصابیح میں ذکر کیا ہے۔

حتٰی أخبرنی من أثق به أنه وقف علٰی شیئ من کلام الشیخ محی الدین النووی ذکر فیه أنه علیه السلام کان له عمامة قصیرة وعمامة طویلة وإن القصیرة کانت سبعة أذرع والطویلة اثنی عشر.

حافظ ابن القیم نے زاد المعاد۔(۱/۲۷) اور ملا علی قاری نے مرقاۃ اور مجد الشیر ازی وغیرہ ارباب السیر نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس طرح ٹوپی استعمال فرماتے تھے اسی طرح عمامہ بھی باندھتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر ٹوپی پہن کر اس پر عمامہ باندھتے تھے، نیز بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی بھی پہنتے تھے اور بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ استعمال فرماتے تھے اور اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ترمذی میں مرفوع روایت ہے:

أن فرق مابینا وبین المشرکین العمائم علی القلانس.

تو اس کا ایک جواب محدثین نے یہ ذکر کیا ہے کہ امام ترمذی نے کہا ہے، إسناده لیس بالقائم، اور منہاج السنن میں ہے کہ اس حدیث میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مراد اعتجاز پر انکار ہے۔

رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے صرف حالت، احرام میں برہنہ سر ہونا ثابت ہے اور عموماً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ آپ کے سرِ مبارک پر عمامہ یا ٹوپی سجی رہتی تھی اور یہ سنت ملائکہ ہیں، تفسیر ابن کثیر (ص:۵۲۳، جلد:۱) میں متعدد روایات اس بارے میں وارد ہیں، صحابہ کرام بھی ٹوپی یا عمامہ سے اپنے سروں کو ڈھانکتے تھے، عبد اللہ بن عتیک اور عبد اللہ بن عدی میں سے ہر ایک کے عمامہ کا ذکر بخاری شریف میں آیا ہے اسی طرح کتب احادیث میں انس بن مالک، عمار بن یاسر اور حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے صحابۂ کرام کے عمامہ کا ذکر آیا ہے، نیز دوسرے صحابۂ کرام کے عمامے پہننے اور شملہ چھوڑنے کی کیفیت تک کا تذکرہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے تابعین اور تبع تابعین کے متعلق عمامے کا استعمال مروی ہے، ابن بطال مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے بیان فرمایا کہ انہوں نے یحیٰ بن سعید، ربیعہ اور ابن ہرمز رحمہم اللہ میں سے ہر ایک کو عمامہ باندھتے ہوئے پایا اور میں ربیعہ کی مجلس میں تھا ان میں اکتیس شرکاء تھے، ہر ایک عمامہ باندھے ہوئے تھا حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، قوم عمامہ اور ٹوپی پر سجدہ کرتی تھی (بخاری:۱/۵۶)(از مرتب)

(۱) عذبة: شملہ عمامہ

(۲) وفی المنهاج: وکما ثبت إرسال العذبة بین الکتفین کذلک ثبت إرسالها من الجانب الأیمن نحو الأذن فی حدیث إمامة، أخرجه الطبرانی فی الکبیر... وکذلک ثبت ارخاء ها بین یدی المعتم ومن خلفه ==

نماز حنفی یا شافعی طریقہ پر:

سوال: مجھے بچپن سے شافعی طریقہ پر نماز پڑھنا سکھایا گیا ہے، اب مجھے میرے سسرال والے نماز کا طریقہ بدلنے اور حنفی طریقہ پر نماز پڑھنے کو کہتے ہیں، ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ (ایکس وائی زیڈ چھتہ بازار)

الجواب

حنفی طریقہ ہو، یا شافعی، سب کا مقصود قرآن وحدیث کے مطابق عمل کرنا ہے، البتہ قرآن وحدیث کو سمجھنے اور تحقیق میں اختلافِ رائے ہوسکتا ہے، یہ اختلافات ہدایت وضلالت اور حق وباطل کے نہیں ہیں؛ بلکہ صواب وخطأ اور اکثر مواقع پر زیادہ بہتر اور کم بہتر کا اختلاف ہے، (۱) اس لئے آپ کے سسرال والوں کو اس پر اصرار نہیں کرنا چاہئے کہ آپ حنفی ہی طریقہ پر نماز پڑھیں، تاہم اگر آپ حنفی طریقہ پر نماز ادا کیا کریں اور مستقل طور پر اس پر عمل کریں تو اس میں بھی حرج نہیں، بہرحال جس فقہ پر عمل کریں، اس پر استقلال برتیں، ایسا نہ ہو کہ کبھی ایک اور کبھی دوسرے مسلک پر عمل کیا جائے، اس سے نفس پرستی کے رجحان کو تقویت پہونچتی ہے، اور ایسی صورت میں اندیشہ ہے کہ لوگ دین کو کھلونا بنالیں گے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۱۲۹/۳-۱۳۰)

== في حديث عبدالرحمٰن بن عوف رواه أبوداؤد وفي إسناده شيخ مجهول وفي حديث ثوبان أخرجه الطبراني في الأوسط... اعلم أن سدل الطرف الأسفل يسمٰى عذ بة في الإصطلاح وأما غرزالطرف الأعلٰى وارساله من خلفه فيسمٰى عذبة لغة وهو ثابت في رواية أبي الشيخ من رواية ابن عمر، كان رسول الله صلٰى الله تعالىٰ عليه وسلم يدير كور العمامة علٰى رأسه ويغرزهامن رواء ه ويرخىٰ لها ذؤابة بين كتفيه. (منهاج السنن جامع السنن: ۲۱۲/۵، باب سدل العمامة بين الكتفين)

(أخرجه أبوالشيخ في أخلاق النبي، باب ذكرعمامته صلى الله عليه وسلم (ح: ۳۰۶): ۱۹۵/۲، دارالمسلم للنشروالتوزيع / وكذا رواه الطبراني في المعجم الكبير، من مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب (ح: ۱٤۰۳۹)

وقال الألباني بعد ذكرهذا الحديث: منكر، أخرجه أبوالشيخ في أخلاق النبي صلى الله عليه وسلم، ص: ۱۲۳، وابن حبان في الضعفاء: ۱۵۳/۳، والبيهقي في الشعب: ۱۷٤/۵-٦۲۵۲، من طريق أبي معشر البراء قال: حدثنا خالدالحذاء قال: حدثنا أبوالسلام قال: قلت لابن عمر: كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعتم؟ قال: فذكره وقال ابن حبان: أبوالسلام يروي عن ابن عمر مالايشبه حديث الإثبات لايجوزالاحتجاج به ثم ساق له هذا الحديث. (سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرهاالسيء في الأمة: ۲٦۳/۹، دارالمعارف الرياض. انيس)

(۱) ومنها أن أكثرصورالاختلاف بين الفقهاء لا سيما في المسائل التي ظهر فيها أقوال الصحابة في الجانبين كتكبيرات التشريق وتكبيرات العيدين ونكاح المحرم وتشهد ابن عباس وابن مسعود والاخفاء بالبسملة وبآمين والاشفاع والايثارفي الإقامة ونحوذلك إنما هو في ترجيح أحدالقولين وكان السلف لايختلفون في أصل المشروعية وإنما كان خلافهم في أولى الأمرين ونظره اختلاف القراء في وجوه القراءة وقد عللوا كثيرا من هذا الباب بأن الصحابة مختلفون وأنهم جميعا على الهدىٰ. (حجة الله البالغة: ۲۷۱/۱، دارالجيل بيروت. انيس)

نمازی کے آگے سترہ کا حکم:

سوال: اکثر عورتیں گھروں میں نماز ادا کرتی ہیں اور ہر گھر میں پلنگ وغیرہ ہوتے ہیں، انہیں کے سامنے نماز ادا کر لیتی ہیں، کیا ایسی صورت میں نماز ہو جاتی ہے اور چار پائی و پلنگ کے سامنے کیوں نماز نہیں پڑھ سکتے اور پڑھ سکتے ہیں تو کس صورت میں تفصیل سے جواب دیں؟ بہت سی جگہ قلت جگہ کی وجہ سے پلنگ پر اتنا سامان ہوتا ہے کہ کھڑا کرنا دشوار ہوتا ہے تو اس قسم کی چار پائی و پلنگ کھڑا کئے بغیر اسی کے سامنے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نماز صحیح ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ نمازی کے آگے کوئی نہ ہو، اگر کوئی ہو یا آگے سے گذرے تو صرف کوئی ایک چیز خواہ انگلی کی طرح پتلی اور قریب ایک ہاتھ اونچی سامنے رکھ لے، پھر نماز پڑھے تو نماز بلاشبہ صحیح ادا ہوگی۔(۱) پس گھر میں اس قاعدہ سے سترہ (حائل) کرلے اور بلاخوف وخدشہ پڑھے، اتنا سترہ ہو جانے پر پھر چار پائی پلنگ آگے کھڑا کرنے وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔۲۲/۲/۱۴۰۹ھ۔

الجواب صحیح: حبیب الرحمٰن خیرآبادی، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول:۱۶۹)

---

(۱) والمستحب لمن يصلى فى الصحراء أن ينصب بين يديه عوداً أو يضع شيئاً أدناه طول ذراع كى لايحتاج إلى الدرء لقول النبى صلى اللّٰه عليه وسلم:إذا صلى أحدكم فى الصحراء فليتخذ بين يديه سترة... وإنما قدر أدناه بذراع طولا دون اعتبار العرض وقيل ينبغى أن يكون فى غلظ أصبع لقول ابن مسعود:يجزى من السترة السهم،ولأن الغرض منه المنع من المرور ومادون ذلك لا يبدو للناظر من بعيد فلايمنع ويدنو من السترة لقوله صلى اللّٰه عليه وسلم من صلى إلى سترة فليدن منها،الخ.(بدائع الصنائع،فصل بيان مايستحب فى الصلاة ومايكره: ۲۱۷/۱، دار الكتب العلمية بيروت)/المبسوط للسرخسى،باب الحدث فى الصلاة: ۱۹۱/۱،دار المعرفة بيروت)

عن سبرة بن معبد الجهنى عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال:ليستر أحدكم فى صلاته ولو بسهم.(المعجم الكبير للطبرانى، الربيع بن سبرة عن أبيه (ح: ٦٥٤٠)/الآحاد والمثانى لابن أبى عاصم،سبرة بن معبد بن مجازة بن خديج بن ذهل (ح: ٢٥٧٠)/مصنف ابن أبى شيبة،قدركم يستر المصلى؟ (ح:٢٨٦٢)

عن أبى جحيفة ان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم صلى بهم البطحاء وبين يديه عنزة، الظهر ركعتين والعصر ركعتين تمربين يديه المرأة والحمار.(الصحيح للبخارى،باب سترة الإمام سترة من خلفه (ح: ٤٩٥)/سنن أبى داؤد، باب مايستر المصلى (ح:٦٨٨)

والعنزة عصا فى أسفلها حديدة ويقال: العنزة قدرنصف الرمح أو أطول شيئاً فيها سنان مثل سنان الرمح والعكازة نحومنها، قيل:العنزة مادورنصله والآلة والحربة العريضة النصل.(شرح أبى داؤد للعينى،باب مايستر المصلى:٢٤٥/٣، مكتبة الرشد الرياض. انيس)

نماز شروع ہونے سے پہلے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا:

سوال: کوئی شخص نماز پڑھنے سے قبل صفوں کے درمیان اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے ناف کے نیچے ایک دوسرے ہتھیلیوں کے اوپر رکھ کر کھڑا رہے، تو کیا یہ سنت کے خلاف ہے؟ اگر خلاف سنت ہے تو اس کی صحیح حدیثوں کے ذریعہ مدلل جواب سے ممنون فرمائیں؟

هو المصوب

نماز شروع ہونے سے قبل قیام کی حالت میں جب صف لگائی جارہی ہو، اس وقت ہاتھ باندھنا نہ مسنون ہے؛ بلکہ اختیار ہے، جس طرح چاہیں ہاتھ رکھیں، نہ مستحب، نماز سے قبل ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا ثبوت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نہیں ہے اور نہ صحابہ کرام سے ہے، لہٰذا اس وقت ہاتھ باندھنے کو مسنون سمجھنا اور نہ باندھنے والے کو غلط سمجھنا درست نہیں ہے، لہٰذا ایسی باتوں سے احتراز کرنا چاہیے؛ تاکہ لوگ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں، نماز سے قبل نماز کی ہیئت بنانا شبہ کا باعث ہے، اسی لئے سلام پھیرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوراً پلٹ کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔(۱)

تحریر: محمد طارق ندوی۔ تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۲/۸۰)

نماز شروع کرتے وقت ''بسم اللہ'':

سوال: جب کوئی مصلی پر نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو بسم اللہ شریف پڑھنے کا حکم ہے یا نہیں اور اگر حکم ہے تو کتب نماز میں درج کیوں نہیں؟ فقط

الجواب ـــــــــــ حامداً و مصلیاً

کھڑے ہونے کے وقت بسم اللہ شریف پڑھنے کا حکم نہیں، بلکہ الحمد شریف شروع کرنے کے وقت حکم ہے۔(۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۵/۵۸۸-۵۸۹)

---

(۱) عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤمنا فينصرف على جانبيه جميعاً على يمينه وعلى شماله. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی الانصراف عن يمينه وعن يساره (ح: ۳۰۱) انیس)

(۲) ''و في ذكر التسمية بعد التعوذ إشارة إلى محلها فلو سمى قبل التعوذ أعادها بعده لعدم وقوعها في محلها، ولو نسيها حتى فرغ من الفاتحة، لايسمى لأجل فوات محلها''. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة: ۵۴۵/۱، رشيدية)

ويسمى سراً أول كل ركعة لا بين الفاتحة والسورة. (مجمع الأنهر: ۱۴۳/۱، باب صفة الصلاة، فصل في الخشوع، دار الكتب العلمية بيروت. انیس)

پہلے ہاتھ اٹھائیں پھر تکبیر کہیں:

سوال: تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھ کب اٹھانے چاہئیں، پہلے یا بعد میں یا ساتھ ساتھ؟

الجواب

تینوں قول منقول ہیں، پہلے کا بھی، بعد کا بھی، ساتھ ساتھ کا بھی؛ لیکن راجح یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے۔

(ورفع يديه)قبل التكبير وقيل معه،آه.(الدرالمختار)

قوله:(قبل التكبير وقيل معه)الأول نسبه فى المجتمع إلٰى أبى حنيفة ومحمد وفى غاية البيان إلٰى عامة علمائنا وفى المبسوط إلٰى أكثر مشايخنا وصححه فى الهداية والثانى اختاره فى الخانية والخلاصة والتحفة والبدائع والمحيط،بأن يبدأ بالرفع عند بداءته التكبير ويختم به عند ختمه وعزاه البقالى إلٰى أصحابنا جميعاً،ورجحه فى الحلية وثمة قول ثالث وهو أنه بعد التكبير والكل مروى عنه عليه الصلاة و السلام وما فى الهداية أولٰى كما فى البحر والنهر ولذا اعتمده الشارع فافهم،آه.(ردالمحتار:۱/٤٥)(۱)فقط والله أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان۔ (خیر الفتاویٰ:۲/۲۴۰)

تکبیر تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھانے کے بعد نیچے نہ لے جائیں:

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ تکبیرِ تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو اللہ اکبر کہہ کر ہاتھوں کو نیچے لے جاتے ہیں؛ یعنی رانوں کے برابر کر لیتے ہیں اور پھر باندھتے ہیں،اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ہاتھ اٹھانے کے بعد نیچے نہ لے جائیں، بلکہ ہاتھ باندھ لیں۔

(ويسن وضع الرجل يده اليمنٰى) كما فرغ من التكبير للإحرام بلا إرسال،آه.(۲)فقط والله أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔۲۷/۱۱/۱۴۰۹ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۲/۲۷۳)

(۱) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب:في حديث:الأذان جزم،انيس

عن أبى قتادة قال:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قام إلى الصلاة رفع يديه حتى يحاذى بهما منكبيه ثم يكبر حتى يقر كل عظم فى موضعه،الخ.(سنن الدارمى باب صفة صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم (ح:۱۳۹٦)

عن ابن عمر قال:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قام إلى الصلاة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه ثم كبر،الخ.(الصحيح لمسلم،باب استحباب رفع اليدين حذو المنكبين (ح:۳۹۰)

عن مالک بن الحويرث أن النبى صلى الله عليه وسلم كان إذا كبر رفع يديه حتى يحاذى أذنيه وإذا أراد أن يركع وإذا رفع رأسه من الركوع.(سنن الدارمى فى رفع اليدين فى الركوع والسجود (ح:۱۲۸٦)انيس)

(۲) حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح : ۱٤۰ (كتاب الصلاة،فصل فى بيان سننها،انيس)　==

تکبیراتِ انتقال کہنے کا طریقہ:

سوال: بہت سے ائمہ حضرات جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو ہاتھ باندھنے کے بعد ''اللّٰہ أکبر'' کہتے ہیں اور سجدہ وقعدہ سے آدھی دور تک اٹھنے کے بعد ''اللّٰہ أکبر'' کہتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(عبدالغفور، فیل خانہ)

الجواب

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ جب نماز شروع کرتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے پھر ''اللّٰہ أکبر'' کہتے، (۱) اس لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھائے، ''اللّٰہ أکبر'' کہتے ہوئے ہاتھ نیچے لائے اور باندھ لے۔ (۲)

اسی طرح ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے لئے جو تکبیرات اوراذکار ہیں، ان کے سلسلہ میں بھی اصول یہی ہے کہ جونہی اگلے رکن کی طرف منتقل ہونا شروع ہو، ''اللّٰہ أکبر'' کہنا شروع کرے اور دوسرے رکن میں پہنچنے تک تکبیر ختم کرلے، جب قیام سے رکوع میں جائے تو جونہی جھکے تکبیر شروع کرلے اور رکوع کی کیفیت میں پہنچنے سے پہلے تکبیر ختم کردے۔

''فیبتدئ بالتکبیر مع إبداء الانحناء ویختمه بختمه''. (۳)

اسی طرح دوسرے ارکان میں بھی تکبیرات کہنی ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۷۴-۱۷۵)

تکبیر تحریمہ، رفع یدین اور تکبیرات انتقالات کا صحیح طریقہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس بارے میں کہ تکبیر تحریمہ جو فرض ہے، اس کو ہاتھ باندھنے سے پہلے کہے یا ہاتھ باندھنے کے بعد۔

(۱) اگر کوئی امام کان تک ہاتھ اٹھالینے کے بعد، یا ناف تک ہاتھ لانے کے بعد، تکبیر تحریمہ کہے، تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

== عن وائل بن حجر رضی اللّٰه عنه قال: رمقت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فلما افتتح الصلاة رفع یدیه حتی بلغ بهما أذنیه وکبر ثم وضع یده الیمنٰی علی الیسریٰ، الخ. (مسندالبزار، مسند وائل بن حجر (ح:٤٤٨٥) انیس)

(۱) دیکھئے: صحیح البخاری، حدیث نمبر:۷۳۸، باب إلی أین یرفع یدیه/الصحیح لمسلم، حدیث نمبر:۳۹۰، باب استحباب رفع الیدین الخ. محشی

(۲) البحر الرائق: ۳۰۵/۱.

(۳) مراقی الفلاح: ١٥٤ (کتاب الصلاة، فصل فی کیفیة ترتیب أفعال الصلاة، انیس)

(۲)　اگرامام ناف تک ہاتھ لانے کے بعد تکبیر شروع کرے اور ہاتھ باندھنے کے بعد تکبیر پوری کرے،تو نماز صحیح ہوگی یانہیں؟

(۳)　نماز کے لئے تکبیر تحریمہ کا آغاز کب کرے اور تکبیر پوری کب کرے؟

(۴)　رکوع اور سجدہ کی تکبیرات کا صحیح وقت کونسا ہے؟ اور صحیح طریقہ کیا ہے؟

(۵)　اگرامام ہر نماز میں تکبیرات خلاف سنت کہے تو شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

تکبیر تحریمہ یعنی تکبیر اولیٰ اور رفع یدین کے بارے میں تین قول ہیں:

(۱)　پہلے رفع یدین کرے یعنی دونوں ہاتھ کان تک اٹھا کر تکبیر شروع کرے اور تکبیر ختم ہونے پر دونوں ہاتھ باندھ لے۔

(۲)　تکبیر اور رفع یدین دونوں ساتھ ساتھ شروع کرے اور دونوں ساتھ ساتھ ختم کرے۔

(۳)　پہلے تکبیر شروع کر کے ہاتھ اٹھا کر ساتھ ساتھ ختم کرے۔

وفيه ثلٰثة أقوال:القول الأول:　أنه يرفع مقارنا للتكبيروهوالمروى عن أبى يوسف قولاً والمحكى عن الطحاوى فعلاً واختاره شيخ الإسلام وقاضى خان وصاحب الخلاصة والتحفة والبدائع والمحيط حتٰى قال البقالى:هٰذاقول أصحابناجميعا.ويشهدله المروى عنه عليه الصلاة والسلام أنه كان يكبرعندكل خفض ورفع ومارواه أبوداؤد أنه صلٰى اللّٰه عليه وسلم كان يرفع يديه مع التكبير وفسرقاضى خان المقارنة بأن تكون بداء ته عند بدأته وختمه عند ختمه.

القول الثانى:　وقته قبل التكبيرونسبه فى المجمع إلٰى أبى حنيفة رحمه اللّٰه ومحمدرحمه اللّٰه،وفى غاية البيان إلٰى عامة علمائنا وفى المبسوط إلٰى أكثرمشايخنا،وصححه فى الهداية. ويشهد له مافى الصحيحين عن ابن عمرقال كا ن النبى صلٰى اللّٰه عليه وسلم إذا فتتح الصلاة رفع يديه حتى يكوناحذ ومنكبيه ثم كبّر.

القول الثالث:　وقته بعد التكبيرفيكبرأولاً ثم يرفع يديه ويشهد له مافى الصحيح لمسلم أنه صلى اللّٰه عليه وسلم كا ن إذا صلٰى كبرثم رفع يديه. (البحرالرائق: ۳۰۵/۱.الدرالمختارمع ردالمحتار: ٤٦٥/١)(۱)

مذکورہ صور ثلثہ میں پہلی دوسری صورت افضل ہے، تیسری صورت بھی جائز ہے،لیکن معمول بہانہیں ہے۔

---

(۱)　کتاب الصلاۃ،باب صفۃ الصلاۃ،آداب الصلاۃ،انیس

وا لأصح أنه يرفع يديه أولا ثم يكبر لأن فعله نفی الكبرياء عن غير اللّٰه تعالٰی والنفی مقدم (علی الايجاب)(الهداية: ۶۸/۱/ردالمحتار/البحرالرائق)(۱)

''جوہرہ''میں ہے اصح یہ ہے کہ اولاً نمازی دونوں ہاتھ اٹھائے جب ہاتھ کان کے برابر پہنچ جائے تب تکبیر شروع کرے۔

والأصح أنه يرفع أولاً فاذااستقرتافی موضع المحاذاة كبر.(الجوهرة: ۴۹/۱)(۲)

صورت مسئولہ میں نماز صحیح ہوگئی؛لیکن ہاتھ باندھنے تک تکبیر میں تاخیر کرنا یعنی ہاتھ باندھ کر تکبیر کہنے کی عادت کر لینا غلط اور مکروہ ہے۔یہ وقت ہے ثنا پڑھنے کا،نہ کہ تکبیر کہنے کا،تکبیر ہاتھ باندھنے پر ختم کردی جائے،ہاتھ باندھنے تک تاخیر کرنے میں دوسری خرابی یہ ہے کہ کم سننے والا اور بہرا مقتدی،امام کو ہاتھ اٹھاتے دیکھ کر تکبیر تحریمہ کہے گا،تو امام سے پہلے تکبیر کہنے کی وجہ سے اس کی اقتدا اور نماز صحیح نہ ہوگی،اگر لفظ اللہ کہنے میں مقتدی پہل کرے بلکہ لفظ اللہ امام کے ساتھ شروع کرے لیکن لفظ اکبر کو امام کے ختم کرنے سے پہلے مقتدی ختم کردے تب بھی اقتدا درست نہ ہوگی۔

''**فلو قال اللّٰه مع الإمام وأكبر قبله (أی قبل فراغه)لم يصح.**(الدرالمختارمع ردالمحتار: ۴۴۸/۱)(۳)

لہٰذا امام کو چاہیے کہ یہ عادت ترک کردے۔

رکوع اور سجدے کی تکبیرات کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ رکوع میں جاتے وقت تکبیر بھی ساتھ ساتھ شروع کردے اور ساتھ ساتھ ختم کرے،اسی طرح سجدے میں جاتے وقت بھی تکبیر ساتھ ساتھ شروع کرے اور ساتھ ہی ختم کرے، رکوع وسجدہ میں پہونچنے کے بعد تکبیر کہنا سنت کے خلاف ہے اور اس میں دو کراہتیں بھی لازم آتی ہیں،ایک کراہت کے وقت کو ضائع کرنے کی اور دوسری کراہت بے وقت تکبیر کہنے کی؛ کیونکہ یہ وقت رکوع وسجدے کی تسبیح پڑھنے کا ہے، تکبیر کا نہیں۔

''**(فلما فرغ من القراءة يخر راكعًا يكبر تكبيرًا وينبغی أن يكون إبتداء تكبيره عند أول الخرور والفراغ) منه عندالاستواء وبعضهم قالوا إذاأتم القراءة حالة الخرورلابأس به بعد أن يكون ما بقی من القراءةحرفاً أوكلمة والأول أصح.**(منية المصلی:۸۸)(۴)

وفی موضع آخروأن يأتی بالأذكارالمشروعة فی الانتقالات بعد تمام الانتقال وفيه كراهتان تركها عن موضعه وتحصيلها فی غير موضعه.(الكبيری: ۳۴۵)(فتاویٰ رحیمیہ:۱۹/۳-۲۱)

(۱-۲) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس

(۳) باب صفة الصلاة،فصل فی بيان تأليف الصلاة،انيس

(۴) الكبيری،باب صفة الصلاة : ۳۱۴،انيس

تکبیرات انتقالیہ کو پورے انتقال پر محیط کرنے کا حکم:

سوال: رکوع، سجدہ میں جاتے وقت یا اٹھتے وقت جو تکبیر پڑھی جاتی ہے اس کو جلد ختم کرنا چاہئے یا پورے انتقال پر محیط اور شامل کرنا چاہئے؟

الجواب

تکبیرات انتقالیہ کو پورے انتقال پر محیط اور شامل کرنا مستحب ہے اور اس کے خلاف کرنا، خلاف مستحب ہے۔

ملاحظہ ہو؛ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

قوله:ثم يكبر حين يركع ... دليل على مقارنة التكبير لهذه الحركات وبسطه عليها،فيبدأ بالتكبير حين يسرع في الانتقال إلٰى الركوع ويمده حتٰى يصل إلٰى حد الراكعين.ثم يشرع في تسبيح الركوع،ويبدأبالتكبير حين يسرع في الهوٰى إلٰى السجود ويمده حتى يضع جبهته على الأرض،ثم يسرع في تسبيح السجود.وفيه:يبدأ في قوله:سمع الله لمن حمده،حتٰى يسرع في الرفع من الركوع،ويمد حتٰى ينتصب قائمًا،...وفيه:أنه يسرع في التكبير للقيام من التشهد الأول ويمده حتى ينتصب قائمًا. (عمدة القاري: ٤/ ٥٤٢،دار الحديث ملتان)(١)

بدائع الصنائع میں ہے:

وإذا فرغ من القراءة ينحط للركوع ويكبرمع الإنحطاط...لما روى عن على رضى الله عنه وابن مسعود رضى الله عنه وأبى موسىٰ الأشعرى رضى الله عنه وغيرهم أن البنى صلى الله عليه وسلم كان يكبرعندكل خفض ورفع وروى أنه كان يكبروهويهوى والواوللحال ولأنه الذكرسنة في كل ركن ليكون معظمًا لله تعالٰى فيماهومن أركان الصلاة بالذكركما هومعظم له بالفعل فيزداد معنى التعظيم والانتقال من ركن إلٰى ركن بمعنى الركن لكونه وسيلة إليه فكان الذكرفيه مسنونًا. (بدائع الصنائع: ١/ ٢٠٧، سعيد)(٢)

مرقات میں ہے:

قوله(ثم يكبرحين يرفع رأسه)أى من السجود قال ابن الهمام:وفيه ترجيح مقارنة الانتقال بالتكبيركما هوفي الجامع الصغير. (مرقات المفاتيح: ٢/ ٢٦٠/وكذا في الفتاوىٰ الهندية: ١/ ٧٤)(٣)

والله سبحانه تعالٰى أعلم (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۲/ ۱۴۱-۱۴۲) ☆

---

(١) كتاب الأذان،باب يهوى بالتكبير حين يسجد (ح: ٨٠٤) انيس

(٢) فصل في سنن الصلاة،انيس

(٣) كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة (ح: ٧٩٩)انيس

==

بیٹھ کر نماز پڑھنے کی ترکیب:

سوال: بیٹھ کر نماز پڑھنے کی کیا شرطیں ہیں؟ ہمارے مدرسہ کے مدرس مولوی حیدر علی کہتے ہیں کہ جو لوگ بیٹھ کر نماز پڑھتے ہیں اور چوتڑ اٹھا کر سجدہ کرتے ہیں، ان کی نماز نہیں ہوتی؛ بلکہ عورتوں کی طرح سجدہ کرنا چاہئے۔

الجواب ــــــــــــــــــ

یہ قول ان کا غلط ہے، مردوں کو عورتوں کی طرح نماز نہ پڑھنی چاہئے، مردوں کو سجدہ میں پچھلا حصہ اٹھانا چاہئے۔(۱)

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۱۵۹/۲)

== ☆ رکوع وسجدہ کی تکبیر کی ابتدا وانتہا کی تعیین:

سوال: رکوع اور سجدہ کی تکبیر کی ابتدا کہاں سے ہونی چاہئے اور اس کی انتہا کہاں ہونی چاہئے؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا

رکوع کے لئے جب جھکنا شروع کرے تو رکوع کی تکبیر کی ابتدا کرے اور جھکنے کے اختتام پر تکبیر کی انتہا کرے، اسی طرح سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کی ابتدا ہونی چاہئے اور پیشانی کے رکھنے کے وقت تکبیر کی انتہا ہونی چاہئے۔

"(ثم كبر كل مصل (راكعًا) فيبتدي بالتكبير مع ابتداء الانحناء ويختمه بختمه... (ثم كبر) كل مصل (خارًا للسجود) ويختمه عند وضع جبهته للسجود. (مراقى الفلاح: ۱۸۹) كتاب الصلاة، فصل فى كيفية ترتيب أفعال الصلاة، انيس) فقط والله تعالىٰ أعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ:۴۰/۲)

(۱) ويضع يديه فى السجود حذاء أذنيه، الخ، ولا يفترش ذراعيه ويجافى بطنه عن فخذيه والمرأة لا تجافى فى ركوعها وسجودها وتقعد علىٰ رجليها وفى السجدة تفترش بطنها على فخذيها. (الفتاوىٰ الهندية: باب رابع صفة الصلوٰة، الفصل الثالث: ۷۰/۱، ظفير) (فى سنن الصلاة وآدابها وكيفيتها، انيس)

ويظهر عضديه، الخ، ويباعد بطنه عن فخذيه، الخ، (والمرأة تنخفض) فلا تبدى عضديها (وتلصق بطنها بفخذيها)، الخ. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلوٰة، فصل فى تأليف الصلوٰة: ۴۷۰/۱، ظفير) (فروع إذا قرأ بالفارسية أو التوراة أو الإنجيل، انيس)

عن عائشة رضى الله عنها قالت: فى حديث طويل ... وكان (رسول الله صلى الله عليه وسلم) يفرش رجله اليسرىٰ وينصب رجله اليمنىٰ وكان ينهى عن عقبة الشيطان وينهى أن يفترش الرجل ذراعيه افتراش السبع وكان يختم الصلاة بالتسليم. (الصحيح لمسلم، باب مايجمع صفة الصلاة ومايفتتح به. (ح:۴۹۸)

عن إبراهيم أنه كان يفترش رجله اليسرىٰ يصعها بين إليتيه وينصب اليمنىٰ فيقعد عليها فى الصلاة ويكره أن يقعد على اليمنىٰ إلا من عذر. (كتاب الآثار لأبى يوسف (ح:۳۲۸): ۶۷/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

عن ميمونة قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سجد جافى حتى لو شاء ت بهمة تمر تحته لمرت. (سنن الدارمى، باب التجافى سى السجود (ح:۱۴۶۹) / سنن أبى داؤد، باب صفة السجود (ح:۸۹۸) انيس)

بیٹھ کے نماز پڑھنے والا کیسے بیٹھے:

سوال: جو معذور بیٹھ کر نماز پڑھتا ہو، اس کے لئے بیٹھنے کا کوئی خاص طریقہ منقول ہے، یا جیسے چاہے، بیٹھ جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر مشقت نہ ہوتو بحالتِ التحیات بیٹھنا بہتر ہے اور اگر اس طرح بیٹھنے سے تکلیف ہوتی ہوتو پھر جیسے آسانی ہو، بیٹھ جائے۔

(ثم المریض یقعد فی الصلاة من أولها إلٰی آخرها کما یقعد فی التشهد)إن استطاع ذکر السروجی أن هٰذا قول زفر(و) نقل عن أبی اللیث رحمه اللّٰه أنه (علیه الفتویٰ)؛لأنه القعود المعهود فی الصلاة وقال قاضی خان رحمه اللّٰه یقعد کیف شاء فی روایة محمد عن أبی حنیفة إلٰی قوله والظاهر ما أفتٰی به أبو اللیث کما ذکره المصنف عند عدم حصول المشقة به والتخییر عند حصولها به،آه. (کبیری: ۲٦٤)(۱)**فقط واللّٰه أعلم**

الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ ۱۳/ ۷/ ۱۴۰۷ھ۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان۔ (خیر الفتاویٰ:۲/ ۲۷۰)

بیٹھ کر نماز پڑھنا اور اس سلسلہ میں ایک غلط روایت:

سوال: **”من صلّٰی قاعدًا لایرفع الإلیتین فی الرکوع والسجود فإن رفع إلیتین فیهما تفسد صلاته،الخ“** یہ روایت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ روایت خلاف قواعد ہے اور بے اصل ہے اور کسی کتاب معتبر میں نہیں ہے؛ بلکہ کتب فقہ میں جو عام حکم سجدہ کے بارے میں ہے **”ویظهر عضدیه ویباعد بطنه عن فخذیه“**. (الدر المختار)(۲)

یہ حکم سجدہ مصلی قائم اور قاعد دونوں کو شامل ہے اور رفع الیتین اس میں لازم ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/ ۱٦۱)

---

(۱)　**کتاب الصلاة،فرائض الصلاة،الثانی:القیام،انیس**

(۲)　**الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، باب صفة الصلوٰة،فصل إذا أراد الشروع: ۱/ ٤٧٠،ظفیر**

عن أنس رضی اللّٰه عنه أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال:اعتدلوا فی السجود ولایفترش أحدکم ذراعیه افتراش الکلب.(سنن أبی داؤد،باب صفة السجود (ح:٨٩٧)انیس)

قعدہ میں سیدھا پاؤں کھڑا نہ رکھ سکے یا بلا عذر اس کی عادت بنالے تو کیا حکم ہے:

سوال: ہمارے امام صاحب کے پیر میں چوٹ لگ گئی، اس کی وجہ سے جب وہ قعدہ میں بیٹھتے ہیں تو سیدھا پاؤں کھڑا رہ کر انگلیاں قبلہ رخ نہیں رکھ پاتے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ کیا نماز میں کوئی کراہت پیدا ہوگی؟ اسی طرح جب وہ تقریر کرتے ہیں تو سمجھ میں نہیں آتا، اس وجہ سے بھی لوگ نماز پڑھنا پسند نہیں کرتے تو ان کی امامت کا کیا حکم ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب

مرد کے لئے قعدہ میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا کرے اور دائیں پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ رکھے، بلا عذر مسنون طریقہ کے خلاف بیٹھنا مکروہ ہے، البتہ عذر کی وجہ سے اس طرح نہ بیٹھ سکے تو کراہت نہیں۔

(و)يسن(افتراش)الرجل(رجله اليسرىٰ ونصب اليمنىٰ)وتوجيه أصابعها نحو القبلة كما ورد عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما. (مراقى الفلاح مع الطحطاوى:١٤٦سنن الصلوة)(١)

مکروہات الصلوۃ میں ہے:

(والتربع بلا عذر) لترك سنة القعود (قوله:بلاعذر) أمابالعذرفلا كراهة لأن العذريبيح ترك الواجب فأولىٰ السنة (قوله:لترك السنة القعود) هذا يفيد أنه مكروه تنزيهًا أفاده الشرح. (مراقى الفلاح مع طحطاوى:١٩٢)(٢)

صورت مسئولہ میں اگر آپ کے امام صاحب کسی عذر کی وجہ سے سنت طریقہ کے مطابق نہ بیٹھ سکیں تو نماز میں کوئی کراہت پیدا نہ ہوگی، ان کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، البتہ اگر بلا عذر اس طرح بیٹھتے ہوں اور اس کی عادت بنالی ہو، تو اس طرح بیٹھنا مکروہ ہوگا، ان کو چاہئے کہ اپنی اصلاح کرلیں اور سنت طریقہ اختیار کریں، تقریر کرنا اور تعلیم کرنا ان پر لازم اور ضروری نہیں ہے اور اس مقصد کے لئے ان کا تقرر بھی نہیں کیا گیا ہے، اگر وہ نماز میں قرآن مجید تجوید کے مطابق صحیح صحیح پڑھتے ہوں اور سنت طریقہ کے مطابق نماز پڑھاتے ہوں تو ان کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب (فتاویٰ رحیمیہ:۸/۹۷-۹۸)

---

(١) عن وائل بن حجر قال:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا جلس فى الصلاة أضجع رجله اليسرىٰ وقعد عليها وينصب رجله اليمنىٰ.(مسند أبى حنيفة رواية الحصكفى،كتاب الصلاة (ح: ٣٦)الآداب مصر/مسند الحميدى،حديث وائل بن حجر الخضرمى رضى الله عنه (ح:٩٠٩)انيس)

(٢) عن عبد الله بن عبدالله بن عمر أنه كان يرى عبدالله بن عمر يتربع فى الصلاة إذا جلس،قال:ففعلته وأنا يومئذ حديث السن فنهانى عبدالله وقال:إنما سنة الصلاة أن تنصب رجلك اليمنىٰ وتثنى رجلك اليسرىٰ، ==

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت بحالت رکوع وسجود سرین اٹھانے کا حکم:

سوال: بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت رکوع وسجود کی حالت میں سرین اٹھانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت رکوع کا اکمل طریقہ یہ ہے کہ پیشانی گھٹنوں کے مقابل آجائے، (**حتٰی یحاذی جبهته ركبتيه**) اوراس میں سرین اٹھانا لازم نہیں آتا اور سجدہ جس طرح عام طور پر کیا جاتا ہے، اسی طرح کرے اوراس میں سرین کا اٹھنا لازمی چیز ہے۔

ملاحظہ ہو ہدایہ میں ہے:

ويعتمد بيديه على الأرض؛ لأن وائل بن حجر رضي الله عنه وصف صلاة رسول الله صلى الله عليه وعلٰى آله وسلم فسجد وأدعم على راحتيه ورفع عجيزته. (الهداية: ۱۰۸/۱، باب صفة الصلاة شركة علمية)(۱)

البحر الرائق میں ہے:

قوله: (وجافى بطنه عن فخذيه) أى باعده لحديث مسلم: كان إذا سجد جافى بين يديه حتى لو أن بهيمة أرادت أن تمر بين يديه مرت ولحديث أبي داؤد فى صفة صلاته عليه الصلاة والسلام: و إذا سجد فرج بين فخذيه غير حامل بطنه على شيء من فخذيه ... والمجافاة أن يظهر كل عضو بنفسه فلا تعتمد الأعضاء بعضها على بعض. (البحر الرائق: ۳۲۰/۱، کوئٹۃ) (۲)

== فقلت له: فإنك تفعل ذلك، فقال: إن رجلي لا تحملاني. (موطأ الإمام مالك، ت: عبدالباقي، باب العمل فى الجلوس فى الصلاة (ح: ۵۱) دار إحياء التراث العربي بيروت. انيس)

(۱) عن البراء بن عازب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يضع وجهه بين كفيه إذا سجد. (مسند أبي يعلى الموصلي، مسند البراء بن عازب (ح: ۱۶۶۹)

عن أبي إسحاق قال: وصف لنا البراء بن عازب فوضع يديه واعتمد على ركبتيه ورفع عجيزته وقال هكذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسجد. (سنن أبي داؤد، باب صفة السجود (ح: ۸۹۶)) انيس)

(۲) كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة، انيس

عن ميمونة بنت الحارث قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا سجد جافى حتى من خلفه وضح إبطيه، قال وكيع: يعني بياضهما. (الصحيح لمسلم، باب مايجمع صفة الصلاة وما يفتتح به (ح: ۴۹۷)

وفي رواية عن ميمونة رضي الله عنها أنها قالت: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا سجد لو شاءت بهمة أن تمر بين يديه لمرت. (المرجع السابق، ح: ۴۹۶)

حديث أبي داؤد فى باب افتتاح الصلاة رقم الحديث: ۷۳۵. انيس

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

وإن ركع جالساً ينبغي أن يحاذي بجبهته ركبتيه،أبو السعود. (حاشية الطحطاوي على الدر المختار ، باب صفة الصلاة: ۲۰۳/۱،سعيد)

شامی میں ہے:

(ومنها الركوع)... وفي حاشية الفتال عن البرجندي: ولو كان يصلي قاعداً ينبغي أن يحاذي جبهته قدام ركبتيه ليحصل الركوع،اهـ.قلت:ولعله محمول على تمام الركوع،وإلا فقد علمت حصوله بأصل طاطأة الرأس أي مع انحناء الظهر، تأمل.(ردالمحتار: ۴۴۷/۱،باب صفة الصلاة)(۱)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

فإن ركع جالساً ينبغي أن تحاذي جبهته ركبتيه ليحصل الركوع.ولعل مراده انحناء الظهر عملا بالحقيقة لا أنه يبالغ فيه حتى يكون قريباً من السجود. (حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح: ۲۲۹، قديمي)(۲)

آپ کے مسائل میں ہے:

بیٹھ کر نماز پڑھتے وقت اتنا جھکیں کہ سر گھٹنوں کے برابر آجائے ۔ (آپ کے مسائل اوران کا کا حل:۱۹۵/۲)واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۱۵۰/۲-۱۵۱)

بیٹھ کر نماز پڑھے تو حالت قعود ورکوع میں نگاہ کہاں رکھے:

سوال: جوشخص بیٹھ کر نماز پڑھے وہ بیٹھنے کی حالت میں اپنی نظر کس جگہ رکھے اور جب رکوع کرے تو کہاں نظر کرے؟

الجواب

جوشخص بیٹھ کر نماز پڑھے، بیٹھنے کی حالت میں اس کے لئے فقہا نے یہ مستحب لکھا ہے کہ حجر کی طرف نظر کرے اور حجر کے معنی کئی ہیں: گود کے بھی ہیں اور پہلو وغیرہ کے بھی ہیں اور شامی میں یہ بھی لکھا ہے کہ اپنا کرتہ وغیرہ جو سامنے ہے اس کو دیکھے۔غرض یہ ہے کہ جس میں خشوع حاصل ہو اور ایک طرف نظر ہو اور اِدھر اُدھر نہ ہو وہ امر کرے اور یہ بھی شامی میں ہے کہ اندھیرے میں اور نابینا آدمی اللہ کی عظمت اور بڑائی کا خیال کرے۔(۳)

(۱) مطلب:قديطلق الفرض علىٰ ما يقابل الركن وعلىٰ ما ليس بركن ولا شرط،بحث الركوع والسجود،انيس

(۲) باب شروط الصلاة وأركانها،انيس

(۳) نظره إلىٰ موضع سجوده حال قيامه الخ وإلىٰ حجره حال قعوده.(الدر المختار)

(قوله:إلىٰ حجره)مابين يديك من ثوبك،قاموس،وقال أيضاً:الحجر مثلثة:المنع وحضن الإنسان،==

اس کے بعد واضح ہو کہ فقہانے بیٹھے ہوئے نماز پڑھنے کے لئے بحالت رکوع کوئی مقام نظر کیلئے معین نہیں کیا۔لہٰذا اس کے لئے یہی مستحب ہوگا کہ رکوع میں جہاں نظر پڑے، وہیں نظر رکھے اور متوجہ إلیٰ اللہ ہو، اصل حکم یہی ہے کہ تمام نماز اس طرح پڑھے گویا اللہ کو دیکھتا ہے۔ کما ورد: أن تعبد اللہ کأنک تراہ. (الحدیث)(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۲/۲۱۴-۲۱۵) ☆

رکوع، سجدہ اور سلام کے وقت مصلی کو کہاں نظر رکھنی چاہئے:

سوال: رکوع، سجدہ اور سلام کی حالت میں مصلی کو کہاں نظر رکھنی چاہئے؟

الجواب

حالت سجدہ میں ناک کی طرف حالت رکوع میں ظاہر قدم پر اور داہنی طرف سلام پھیرتے وقت داہنے کندھے پر اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں کندھے پر نظر رکھنا یہ نماز کے آداب میں سے ہے اور تکمیل فرائض کے لئے وسیلہ ہے۔درمختار میں ہے:

ولها آداب... (نظره إلیٰ موضع سجوده حال قیامه، وإلیٰ ظهر قدمیه حال رکوعه، وإلیٰ أرنبة أنفه حال سجوده، وإلیٰ حجره حال قعوده، وإلیٰ منکبه الأیمن والأیسر عند التسلیمة الأولیٰ و الثانیة لتحصیل الخشوع. (الدرالمختار: ۱/۴۷۷، سعید)(۲)

امداد الفتاح میں ہے:

ونظر المصلی إلیٰ موضع سجوده قائمًا وإلیٰ ظاهر القدم راکعًا لأنه أدعی إلی الخشوع و نظره إلیٰ أرنبة أنفه ساجدًا لأن تصویب النظر إلیها أقرب إلی الخشوع... ولئلا ینظر إلیٰ مایشغله

== والمناسب هنا الأول لأنه فسر الحضن بمادون الإبط إلیٰ الکشح أو الصدر والعضدان، الخ (قوله: لتحصیل الخشوع) علة الجمیع؛ لأن المقصود الخشوع وترک التکلف، الخ، وإذا کان فی الظلام أو کان بصیراً یحافظ علیٰ عظمة اللّٰه تعالیٰ؛ لأن المدار علیها. (رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل آداب الصلاة: ۱/۴٤٦، ظفیر)

(۱) مشکوة، کتاب الإیمان، فصل أول رقم الحدیث: ۲. ظفیر

☆ **بیٹھ کر نماز میں نظر کہاں رکھیں:**

سوال: نفل نماز بیٹھ کر پڑھنے میں تلاوت کے وقت نگاہ سجدہ کی جگہ بہتر ہے یا گود میں؟

الجواب حامداً و مصلیاً

گود میں مناسب ہے۔(''وإلیٰ حجره حال قعوده''. (الدرالمختار، کتاب الصلوة، باب صفة الصلوة، آداب الصلاة: ۱/ ٤٧٨ ، سعید) فقط (فتاویٰ محمودیہ:۵/۶۴۸)

(۲) باب صفة الصلاة، آداب الصلاة، انیس

عـمـا هـو فيه من الخشوع استحضارًا لعظمة مولاه...ويكون ملاحظًا قوله صلى الله عليه وسلم ”اعبـد الـلّٰـه كأنک تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراک“وإلى المنكبين مسلمًا فينظرإلٰى أيمنه فى الأول،وإلٰى أيسره فى الثانى،لأن المقصود الخشوع،وترک التكلف فإذا تركه صارناظرًا إلٰى هـذه المواضع قصد أولم يقصد. (إمداد الفتاح: ٣٠٦،بيروت/وكذا فى البحرالرائق: ٣٠٤/١، كوئٹہ/ ومراقى الفلاح: ١٠٢،مكة المكرمة/والطحطاوى: ٢٧٧/وبدائع الصنائع: ٢١٥/١،سعيد/والفتاوىٰ الهندية: ٧٢/١)(١)والله سبحانه تعالىٰ أعلم(فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۱۶۳/۲۔۱۶۴)

سورہ کے آخری حرف کو رکوع کی تکبیر کے ساتھ پڑھے،تو کیا حکم ہے:

سوال: نماز میں سورۂ کوثر اور سورۂ اخلاص کے آخری حرف کو رکوع کی تکبیر کے ساتھ ملالے؛یعنی سورۂ کوثر میں ”هو الأبتر الـلّٰه أكبر“ اور سورۂ اخلاص میں ”كُفُوًا اَحَدٌ الله أكبر“ پڑھ کر رکوع کرے تو نماز میں کوئی خرابی پیدا ہوگی یا نہیں؟

الجواب

جہاں سورۃ کا آخری حرف اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کا ہو، وہاں تکبیر کے ساتھ ملا سکتے ہیں اور جہاں ایسا نہ ہو، وہاں وصل نہ کیا جائے۔لہٰذا ”كُفُوًا اَحَدٌ الله أكبر“ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں،مگر ”هو الأبتر الله أكبر“ نہ پڑھنا چاہئے ”ھو الابتر“ پر وقف کر کے رکوع کی تکبیر کہے۔

إذافرغت من القرأة وتريد أن تكبر للركوع إن كان الختم بالثناء فالوصل بالله أكبرأولٰى ولو لـم يكن بالثناء فالفصل أولٰى كقوله تعالىٰ إنّ شانئک هو الأبتر، هٰكذافى التتارخانية .(الفتاوىٰ الهندية: ٨١/١)(٢)(فتاویٰ رحیمیہ:۱۸۴/۱۔۱۸۵)

سجدہ میں جاتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا:

سوال: قومہ سے جاتے ہوئے ہاتھوں کو کس ہیئت پر رکھا جائے گا،آیا ”وضـع اليـدين على الركبتين“ پر عمل کیا جائے گا یا ارسال یدین پر عمل کیا جائے گا؟ نیز بہشتی زیور کی عبارت کہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھے ہوئے سجدہ میں جائے،(۳)اس پر نہ کوئی حاشیہ اور نہ کسی حدیث صحیح سے ثابت ہے، نیز فقہاء کرام نے بھی اس مسئلہ سے کوئی تعرض نہیں

(١) عن ابن سيرين قال:كان النبى صلى الله عليه وسلم يرفع بصره إلى السماء فأمربالخشوع فرفع بصره نحو مسجده.(مصنف عبدالرزاق الصنعانى،باب رفع الرجل بصرى إلى السماء (ح: ٣٢٦١)انيس)

(٢) الباب الرابع فى صفة الصلاة،الفصل الخامس فى زلة القارى،انيس

(۳) بہشتی زیور،حصہ یازدہم،فرض نماز کے بعد مسائل ص:۵۲ ۷،دارالاشاعت،کراچی

کیا، کسی فقہی کتاب سے یہ مسئلہ ثابت نہیں۔ پھر علمائے ہند حالت مذکور میں وضع کو مستحب اور علمائے پاکستان ارسال کو افضل کیوں بتاتے ہیں؟ جیسے کہ احسن الفتاوی کی عبارت سے ظاہر وباہر ہے۔(۱)

پس وضع یا ارسال اگر کسی صحیح حدیث سے ثابت ہو، تحریر فرمائیں، نیز افضل ومفضول کو بھی تحریر فرمائیں، نیز دونوں شقوں میں سے کونسی شق پر عمل کرنا زیادہ اولی وانسب ہوگا؟

الجو اب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

صراحۃً یہ جزئیہ کسی کتاب میں نہیں دیکھا، معمول یہ ہے کہ ہاتھوں کو رانوں اور گھٹنوں پر رکھ؛ یعنی سہارا لے کر قومہ سے سجدہ میں چلے جاتے ہیں، جیسے کہ سجدہ سے اٹھ کر رانوں اور گھٹنوں پر سہارا لے کر کھڑے ہوتے ہیں۔

"ویمکن أن یشم راحة الاستدلال من حدیث :"استعینوا بالرکب، آھـ". (الجامع الصغیر) (۲)

فقط واللہ تعالی أعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۲۲/۷/۱۴۰۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۶۱۷-۶۱۸)

سجدہ کی طرف جاتے وقت ہاتھ گھٹنوں پر نہ رکھے:

سوال: رکوع کے بعد سجدہ میں جاتے ہوئے ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا سنت ہے یا مستحب؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

اٹھتے وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا مستحب ہے، سجدہ کی طرف جانے کی حالت میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنا ثابت نہیں، عدم ثبوت کے علاوہ اس میں مزید دو قباحتیں ہیں۔

(۱) عوام اس کو مسنون یا مستحب سمجھنے لگے ہیں۔

(۲) قومہ سے سجدہ کی طرف جانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ گھٹنے زمین پر ٹکنے سے قبل کمر اور سینہ نہ جھکے، اس وقت گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی عادت کا یہ اثر دیکھا گیا ہے کہ گھٹنے زمین پر لگنے سے قبل ہی اوپر کا دھڑ جھک جاتا ہے، لہٰذا یہ عادت سبب ترک سنت ہونے کی وجہ سے قابل احتراز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ / رجب ۱۴۰۰ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۵۰)

---

(۱) أحسن الفتاوی، باب صفة الصلوٰة ومایتعلق بها: ۳/ ۵۰، سعید

(۲) عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالی عنه قال: إشتکی أصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إلی النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم مشقة السجود علیهم إذا تفرجوا، فقال: "استعینوا بالرکب". (سنن الترمذی، أبواب الصلوة، باب ماجاء فی الاعتماد فی السجود : ۱/ ٦٤، سعید)/(ح: ۲۸٦) انیس)

سجدہ کا طریقہ:

سوال (الف)　کیا سجدہ میں دونوں پیر زمین سے اٹھا کر رکھنے کی صورت میں نماز ہو جاتی ہے؟

(ب)　سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیوں کو کھلا رکھنا چاہئے، یا پھیلا کر؟

(ج)　سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھیں یا دونوں گھٹنے؟

(این، محمد شرف الدین ارشد، مشیر آباد)

الجواب

(الف)　رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اعضا پر سجدہ کرنے کا حکم فرمایا ہے، ان میں ایک دونوں پاؤں بھی ہے، (۱) لہذا اگر کسی شخص نے سجدہ کیا اور بلا عذر پاؤں زمین پر نہیں رکھا، تو اس کا سجدہ درست نہیں ہوگا، اگر ایک پاؤں زمین پر رکھا اور ایک اٹھائے رکھا، تو سجدہ ادا ہو جائے گا؛ لیکن یہ صورت مکروہ ہے، پاؤں رکھنے سے مراد پاؤں کی انگلیوں کو زمین پر رکھنا ہے، اگر پاؤں کی انگلیوں کے بجائے تلوے کے مقابل پاؤں کے اوپری حصہ کو زمین پر رکھا تو یہ کافی نہیں، انگلی نہیں رکھی تو بھی سجدہ ادا نہیں ہوگا، کیوں کہ پاؤں کے رکھنے کا مقصود انگلیوں کو قبلہ کی سمت متوجہ رکھنا ہے:

أنّ المراد بوضع الأصابع توجيهها نحو القبلة ليكون الاعتماد عليها وإلا فهو وضع ظهر القدم. (۲)

(ب)　سجدہ میں ہاتھ اس طرح رکھنا چاہئے کہ انگلیاں ملی ہوئی ہو، ''**ضاما أصابع يديه**'' (۳) رکوع میں انگلیوں کو کھلا رکھنا اور سجدہ کی حالت میں ملا کر رکھنا مسنون ہے، دوسرے مواقع پر حالتِ اعتدال میں رکھنا چاہئے، یعنی اس کیفیت پر جس پر عام طور پر انگلیاں ہوا کرتی ہیں۔ (۴)

(ج)　سجدہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ زمین سے جو عضو جتنا قریب ہو، اسی ترتیب سے اعضاءِ سجدہ زمین پر رکھے جائیں؛ یعنی پہلے گھٹنہ، پھر ہاتھ، اس کے بعد ناک، پھر آخر میں پیشانی۔

''**إذا أرادالسجود يضع أولاً ماكان أقرب إلى الأرض**''. (۵) (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۸۳-۱۸۴)

---

(۱)　الجامع للترمذی، رقم الحديث: ۲۷۲۔

(عن العباس بن المطلب أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا سجد العبد سجد معه سبعة آراب (وفي رواية: أطراف) وجهه وكفاه وركبتاه وقدماه. (باب ماجاء في السجود على سبعة أعضاء) الصحيح لمسلم، باب أعضاء السجود (ح: ۴۹۱) انيس)

(۲-۳)　رد المحتار: ۲/۲۰۳، زكريا/كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب: في إطالة الركوع للجائي، انيس

(۴)　الكبيرى شرح منية المصلى: ۲۸۰۔

(۵)　الفتاوى الهندية: ۱/۷۵ (الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الثالث في سنن الصلاة، انيس)　==

سجدہ میں ہاتھ کس طرح رکھیں:

سوال: سجدہ میں دونوں ہاتھوں کو کہنی تک زمین پر بچھائے رکھنے سے کیا نماز ادا ہو جائے گی؟ سجدہ میں ہاتھوں کو رکھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ (محمد عبدالمنعم ،نرمل)

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ سجدہ کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو زمین پر بچھایا جائے ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کتے کے بچھانے کی طرح اپنے ہاتھ نہ بچھایا کرے۔(۱)

سجدہ میں ہاتھوں کو رکھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ گٹوں سے کہنیوں تک کا حصہ زمین سے الگ رہے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تشریف لے جاتے تو ہاتھ کا زمین اور بازو کا پہلو سے اتنا فاصلہ ہوتا کہ بغل مبارک کی سفیدی نظر آجاتی۔

"کان إذاصلی فرج بین یدیه حتی یبدو بیاض إبطیه". (۲)

البتہ عورتیں بازو کو پہلو سے اور پیٹ کو رانوں سے ملا کر اور سمٹ کر نماز ادا کریں گی ،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ہدایت فرمائی ہے،(۳) اور خواتین کے لئے اس میں زیادہ ستر ہے۔(۴) (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۸۴-۱۸۵)

== عن نافع عن ابن عمررضی اللّٰه عنه أنه کان یضع رکبتیه إذا سجد قبل یدیه ویرفع إذا رفع قبل رکبتیه". (مصنف ابن أبی شیبة : ۲۳۶/۱ ،رقم الحدیث: ۲۷۰۶)محشی (کتاب الصلاة،فی الرجل إذا الخط إلیٰ السجود أی شئ یقع منه قبل إلیٰ الأرض،انیس)

(۱) سنن نسائی،عن أنس،رقم الحدیث: ۱۱۰۳،باب النهی عن بسط الذراعین فی السجود (عن أنس عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال:لا یفترش ذراعیه فی السجود إفتراش الکلب. (انیس)

"عن عبد اللّٰه بن سعید عن جده عن أبي هریرة رضی اللّٰه عنه یرفعه أنه قال:إذاسجد أحدکم فلیبدئ برکبتیه قبل یدیه ولایبرک بروک الفحل". (مصنف ابن أبی شیبة: ۲۳۶/۱،رق الحدیث: ۲۷۰۲. محشی. (کتاب الصلاة،فی الرجل إذا الخط إلی السجود أی شئ یقع منه قبل إلیٰ الأرض،انیس)

(۲) صحیح البخاري،رقم الحدیث: ۳۹۰. محشی. (کتاب الصلاة،باب یبدئ ضبعیه ویجافیٰ فی السجود،انیس)

(۳) سنن البیهقی: ۲۲ /۲۲۳ - ۲۲۲۔

قال إبراهیم النخعی: کانت المرأة تؤمر إذا سجدت أن تلزق بطنها بفخذیها کیلا ترتفع عجزتها ولا تجافی کما یجافي الرجل. (سنن البیهقی الکبریٰ،باب مایستحب للمرأة من ترک التجافی فی الرکوع والسجود (باب:۳۰۵)انیس)

(۴) عن عبداللّٰه بن عمر قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:إذا جلست المرأة فی الصلاة وضعت فخذها علی فخذها الأخریٰ وإذا سجدت ألصقت بطنها فی فخذیها کأستر مایکون لها وإن اللّٰه تعالیٰ ینظر إلیها ویقول:یا ملائکتی أشهدکم أنی قد غفرت لها. (سنن البیهقی الکبریٰ، باب مایستحب للمرأة من ترک التجافی فی الرکوع والسجود (ح:۳۱۹۹)انیس)

سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں کیسے رہیں:

سوال: سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں آپس میں کیسے رہیں؟

حامداو مصليًا الجواب ______ وباللّٰه التوفيق

سجدہ کی حالت میں دونوں طریقے جائز ہیں؛ خواہ دونوں پاؤں ملے ہوئے رہیں، یا کچھ فاصلے پر رہیں۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم (مرغوب الفتاویٰ:۲/۱۴۳)

سجدہ میں عقبین ملانے کے بارے میں روایت کی تحقیق:

سوال: نماز میں عقبین کا ملانا سجدہ کی حالت میں بعض احادیث میں وارد ہے، مثلا: صحیح ابن خزیمہ، بیہقی، طحاوی وغیرہ میں حدیث موجود ہے:"**فوجدته ساجدًا راصًا عقبيه**". اس کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب ______

یہ حدیث مختلف طرق کے ساتھ مختلف کتب میں مذکور ہے؛ لیکن یہ الفاظ "**فوجدته ساجداً راصاً عقبيه**" صرف یحی بن ایوب نقل کرتے ہیں اور دوسرے ثقات کی مخالفت کرتے ہیں، لہذا یہ زیادتی شاذ ہے۔

حدیث کی تحقیق ملاحظہ ہو:

یہ حدیث مندرجہ ذیل کتابوں میں مذکور ہے۔

(۱) **الإسناد الأول:ابن خزيمة (٦٥٤)،ابن حبان:(١٩٣٣) شرح معانی الأثار:(٢٣٤/١) الحاكم : (٢٢٨/١)البيهقی فی الكبير:(١١٦/٢) ابن عبد البرفی التمهيد: (٣٤٨/٢٣) وإسناده عند جميعهم من طريق سعيد بن أبی مريم عن يحی بن أيوب عن عمارة بن غزية عن أبی النصر عن عروة عن عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها.**

سعيد بن أبی مريم — **متفرد**

يحيٰی بن أيوب — **علل الذهبی أحاديثه**

رد أحمد روايته فی الوتر ليس بذلک القوی.

قال أبوحاتم :لا يحتج به

وقال النسائی:ليس بالقوی.

وقال الدارقطنی:فی حديثه اضطراب.

---

(۱) "قوله: (و يسن أن يلصق كعبيه)قال السيد أبوالسعودوكذا فی السجود أيضاً.(ردالمحتار،مطلب فی قراءة البسملة بين الفاتحة:١٩٦/٢)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس)

ولفظه راصاً عقيبيه عند الكل،يحيٰى بن أيوب ليس بذالك القوى وخالف الأقوىٰ هُنا فشذت روايته.

(۲) الاسناد الثاني:رواه مسلم:(۳۵۲/۱)وأحمد:(۸۵/٦-۲۰۱)وأبوداؤد:(۵٤۷/۱) والنسائي:(۱۰۲/۱)وابن عبد البر:(۳٤۹/۲۳)عن:

أبوبكر بن أبى شيبة	ثقة	ميزان الاعتدال:٤٥٤۹.
أبو أسامة	ثقة	لسان الميزان.
عبيد اللّٰه بن عمر	حجة من العدول	بيان مشكل الآثار تحفة الأحوذى:۲٤۰/۳.
محمد بن يحيٰى	ثقة	التاريخ الكبير
الأعرج	ثقة	الاكمال.
أبو هريرةؓ	الصحابى	

ولفظه عند الكل"فوقعت يدى علٰى بطن قدميه".

(۳) الاسناد الثالث:رواه مالك:(۲۱٤/۱)والترمذى:(٤۸۹/٥) والطحاوى : (۳٤۱) و البغوى:(۱٦٦/٥)عن:

يحيٰى بن سعيد الأنصارى	ثقة	ولفظه عند الكل"فوقعت يدى
محمد بن ابراهيم التميمى	ثقة	علٰى بطن قدميه".
عائشة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها	أم المؤمنين	

والخلاصة:الحديث أصله صحيح فى شرح مسلم:(۳٥۲/۱) وأحمد:(۸٥-۲۰۱) وأبوداؤد: (٥٤۷/۱) والنسائي: (۱۰۲/۱)وابن عبد البر:(۳٤۹/۲۳)ومالك:(۲۱٤/۱) والترمذى: (٤۸۹/٥) والطحاوى:(۳٤۱) والبغوى:(۱٦٦/٥)وليس عندهم رص العقبين، فهٰذا شاذ كما ذكر الحاكم.(ملخص من رسالة " لاجديد فى أحكام الصلاة")واللّٰه سبحانه تعالٰى أعلم

(فتاویٰ دارالعلوم زکریا:۱۵۴/۲-۱۵۶)

رسالة "سجدہ میں ایڑیوں کا ملانا":

قال المرتب: شامی میں ہے:

قوله:(ويسن أن يلصق كعبيه)قال السيد أبوالسعود وكذا فى السجود،أيضاً.(۱)

"إعلاء السنن" میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے:

(۱) ردالمحتار،مطلب فى قراءة البسملة بين الفاتحة:۱۹٦/۲)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،انيس

میں نے ایک رات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہیں پایا حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے ساتھ ہی میرے بستر پر لیٹے ہوئے تھے، پس میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ سجدہ میں پایا اس طرح کہ پاؤں کی ایڑیاں ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے ملی ہوئی تھیں۔(۱)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ رقمطراز ہیں:

"وأما سنية إلصاق الكعبين في السجود فيدل عليه حديث عائشة...وفيه"فوجدته ساجدًا راصًا عقبيه"أي ملصقًاأحدهما بالآخر".(۲)

حضرت مولانا احمد نقشبندی کا ایک واقعہ:

حضرت مولانا غلام محی الدین صاحب متبحر اہل حدیث عالم تھے، ان کا ایک کتب خانہ بھی تھا، ہمیشہ تقوی اور اعتدال کی راہ پر گامزن رہتے، حضرت (مولانا احمد خان) کی خدمت میں خانقاہ سراجیہ تشریف لائے اور چار پانچ روزہ قیام کے دوران اپنا تعارف تک نہ کروایا، رخصت ہوتے وقت اتنا کہا کہ آپ کا باطنی معاملہ جو اللہ کے ساتھ ہے، اسے تو آپ ہی بہتر جانتے ہوں گے، میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ نماز اور اس کے واجبات کی ادائیگی میں آپ کا عمل کامل طور پر سنت مطہرہ کے مطابق ہے اور اس سلسلے میں آپ کی ذات مجدد کی حیثیت رکھتی ہے، البتہ آپ کا سجدے کی حالت میں ایڑیوں کا جوڑنا کتب احادیث سے ثابت نہیں، حضرت نے فوراً "بیہقی" منگوا کر درج ذیل حدیث پیش کی، جس سے وہ مطمئن ہو گئے۔

"عن عروة بن الزبير رضى الله تعالىٰ عنه يقول: قالت عائشة رضى الله تعالىٰ عنهازوج النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: فقدتُ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وكان معى على فراشى فوجدته ساجدًا راصاً عقبييه مستقبلاً بأطراف أصابعه القبلة فسمعته يقول:أعوذ برضاك من سخطك وبعفوك من عقوبتك وبك منك أثنى عليك لا أبلغ كل ما فيك" إلىٰ آخر الحديث.(۳)

حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے (ایک رات) بستر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا، حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس ہی لیٹے ہوئے تھے، پس میں نے صلی

---

(۱) فقدت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وكان معى علىٰ فراشى،فوجدته ساجداً راصاً عقبيه.(إعلاء السنن ،كتاب الصلاة،باب طريق السجود:۳۹/۳،رقم الحديث:۷۸٦،انيس)

(۲) إعلاء السنن،كتاب الصلاة،باب طريق السجود:۴۲/۳،رقم الحديث:۷۹۰،انيس

(۳) السنن الكبرىٰ للبيهقى،كتاب الصلاة،باب ما جاء فى ضم العقبين فى السجود:۱۱٦/۲ (ح:۲۷۱۹)

اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پاؤں کی ایڑیاں ایک دوسری کے ساتھ مضبوطی سے ملی ہوئی تھیں اور پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی جانب تھا، پس میں نے سنا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دعا فرما رہے تھے، (اے اللہ!) میں تیری ناراضگی سے رضا کی، تیرے عذاب سے تیرے عفو کی اور تجھ سے تیری پناہ کا طلب گار ہوں، تیری حمد وثنا کرتا ہوں اور تیرے اوصاف کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ آخر حدیث تک۔ (بیس مرداں حق: ۱/۵۳۵)

یہ سنت عام طور پر متروک ہے، بہت کم اس پر عمل کرتے دیکھا گیا۔ میرے استاذ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ نے ایک رسالہ میں اس کو شائع فرما کر زندہ کرنے کی کوشش کی تو بعض حضرات نے اس کے خلاف ''احسن الفتاویٰ'' (۱) کا فتویٰ پیش کیا۔ موصوف نے اس پر تبصرہ تحریر فرمایا، جو یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

(مرغوب)

''احسن الفتاویٰ'' کا جواب:

سوال: مرد سجدہ کی حالت میں دونوں پاؤں کے ٹخنے آپس میں ملا کر رکھیں یا علیٰحدہ؟ ''عرف الشذی'' میں ٹخنے ملانے کی روایت ہے:

''وفي صحيح ابن حبان عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها الرص بين العقيبين فى السجدة أى ضمها وأكثر الناس عن هٰذا غافلون''.

اس کے بارے میں اپنی تحقیق تحریر فرمائیں؟

الجواب ـــــــــــ باسم ملهم الصواب

''إعلاء السنن'' (۲) میں سوال میں مذکور حدیث کے بعد ''تفاجج بين القدمين'' کی حدیث بھی منقول ہے:

''وللنسائى وقد سكت عنه وهو ساجد وقدماه منسوبان. الحديث(النسائى: ١/١٦٦)(۳)

عن البراء رضى الله تعالىٰ عنه كان صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا ركع بسط ظهره، وإذا سجد وجه أصابعه قبل القبلة فتفاج (ينبغى وسع بين رجليه).(رواه البيهقى)

---

(۱) احسن الفتاویٰ: ۳/۴۹-۵۰

(۲) عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها فى حديث أوله فقدتُ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وكان معى على فراشى فوجدته ساجدًا راصاً عقيبيه مستقبلاً بأطراف أصابعه القبلة، رواه ابن حبان فى ''صحيحه'' بإسناد صحيح. (التلخيص الحبير: ١/٩٨)

(۳) إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب طريق السجود، رقم الحديث: ٧٨٦، انيس

قلتُ: احتج به الحافظ بن حجر بعد ما ضعف رواية الدارقطني عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها، وسكت عنه فهو حسن أو صحيح عنده. (۱)

بصورت تعارض اولاً تطبیق پھر ترجیح کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

تطبیق: حدیث اول میں ''رص بین العقبین'' تقریب پر محمول ہے، كما حمل عليه العلامة الطحاوى رحمه الله تعالىٰ حديث ضم الكفين فى الدعاء.

خود اسی حدیث میں حمل علی التقریب پر دو قرائن بھی ہیں: ایک استقبال الأصابع القبلة، دوسرا نصب القدمين، یہ دونوں سنتیں ''رص بین العقبین'' کی صورت میں علی وجہ الکمال ادا نہیں ہو سکتیں۔ مزید بریں اس میں بلاضرورت پاؤں کو حرکت دینے کی قباحت بھی ہے۔

ترجیح: حدیث ثانی مردوں کے لئے رکوع وسجود میں سنت تجافی کے مطابق ہے۔

''وكفى به مرجحاً وبهذا رجح الإمام الطحاوى رحمه الله تعالىٰ حديث وضع اليدين على الركبتين فى الركوع على حديث التطبيق''.

نیز نماز میں امر خشوع سے بھی اسی کی ترجیح ثابت ہوتی ہے، کیونکہ بلاضرورت حرکت خشوع وخضوع کے منافی ہے۔

''قال النبى صلى الله تعالىٰ إليه وسلم: فى مصل يعبث بلحيته لو خشع قلبه يسكن جوارحه. (۲)

یہ بحث تبرعاً لکھدی ہے ورنہ رجوع الی الحدیث وظیفۂ مقلد نہیں۔ فقہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ شامیہ میں صرف ابوالسعود سے نقل کر کے صحت نقل میں کلام فرمایا ہے اور ''سعایہ'' میں رکوع وسجود میں الصاق الكعبين پر مفصل ومدلل تردید فرمائی ہے ''احسن الفتاویٰ'' میں رکوع میں ٹخنے ملانے کی بحث میں ''سعایہ'' کی تحقیق منقول ہے۔ (۳)

سجدہ میں ایڑیوں کا ملانا:

''احسن الفتاویٰ'' کے جواب پر تبصرہ!

از: حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ

---

(۱) إعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب طريق السجود: ۳۹/۳، رقم الحديث: ۷۸۷.

(۲) عن أبى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه رأى رجلا يعبث بلحيته فى الصلاة فقال عليه السلام: ''لو خشع قلب هذا خشعت جوارحه'' انتهى، وسليمان بن عمرو هذا أن يكون هو أبو داؤد النخعى فإنى لم أجد أحدا فى هذه الطبقة غيره وقد اتفقوا على ضعفه، قال ابن عدى: أجمعوا على أنه يضع الحديث. (تخريج أحاديث الكشاف، سورة المؤمنين: ۴۰۰/۲، دار ابن خزيمة الرياض. انيس)

(۳) احسن الفتاویٰ: ۳/۴۹-۵۰

الجواب ـــــــــــــــ واللّٰہ ہو الموفق للصواب

”عن عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہاقالت: فقدتُ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم وکان معی علٰی فراشی فوجدتہ ساجدًا راصاً عقبیہ،مستقبلاً بأطراف أصابعہ القبلة“. (۱)

”صحیح ابن حبان“ کی جس روایت کا ذکر ”**العرف الشذی**“ اور ”**التلخیص الحبیر**“ میں ہے وہ ”صحیح ابن حبان“ میں بھی انہی الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔”ابن خزیمۃ“ نے اس حدیث کو ”**باب ضم العقبین فی السجود**“ کے تحت ذکر کیا ہے۔ میں نے وہیں سے اس کو نقل کیا ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے بھی اس سنت کی طرف توجہ دلائی ہے۔(**فالحمد للّٰہ علٰی ذلک**)

اس حدیث کے خلاف کوئی صریح حدیث نہیں ہے،اس لئے ہمارے خیال میں ضم عقبین کے ظاہر ہی پر عمل کرنا چاہئے، کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔فقہ کی کتابوں میں اس کا ذکر نہ ہونا عمل سے روکنے یا تاویل کرنے کے لئے کافی نہیں۔

”إعلاء السنن“ میں ہے:

”وأما سنیة الصاق الکعبین فی السجود فیدل علیہ حدیث عائشة رضی اللّٰہ تعالیٰ“. (۲)

دیکھئے! حضرت مولانا ظفر صاحبؒ نے اس کی کوئی تاویل نہیں کی؛ بلکہ شامی سے مفتی ابوالسعود کا قول نقل کیا:

”والصاق کعبیہ فی السجود سنة“آہ. (۳)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ نے حدیث میں لفظ ”**فتفاج**“ (۴) کو حضرت عائشہؓ کی حدیث کے معارض سمجھا، یہ سمجھنا ہمارے خیال میں صحیح نہیں۔

(۱) اولاً تو اس لئے کہ حافظ نے ابن حجرؒ نے حضرت براءؓ کی حدیث کو ”**التلخیص**“ میں ”**تفریج بین الرکبتین**“ کی دلیل میں پیش کیا ہے، جیسے ابوحمید ساعدیؓ کی حدیث میں جس میں ”**إذاسجد فرج بین فخذیہ**“ کا لفظ ہے اور ضم فخذین کا مسئلہ ضم عقبین سے الگ ہے، یہ دو مسئلے ہیں، ”ابن خزیمۃ“ نے دونوں کے لئے الگ الگ باب قائم کیا ہے اور دونوں میں الگ الگ حدیثیں ذکر کی ہیں۔

---

(۱) التلخیص الحبیر: ۲۵۶/۱،صحیح ابن خزیمة: ۳۲۸/۱)(کتاب الصلاة،باب ضم العقبین فی السجود،رقم الحدیث: ۶۵۴،انیس)

(۲) إعلاء السنن،باب طریق السجود: ۴۲/۳)(کتاب الصلاة،رقم الحدیث: ۷۹۰،انیس)

(۳) ردالمحتار: ۱۹۶/۲،دارالباز/کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب: قراءة البسملة بین الفاتحة والسورة حسن، انیس

(۴) جس کی تفسیر حافظ ابن حجر نے ”وسع بین رجلیہ“ سے کی ہے

(۲) ثانیاً حافظ نے جو معنی لئے ہیں، وہ متعین نہیں؛ بلکہ "فتفاج" جو "فج" سے ہے، جس کے معنیٰ کشادگی کا ہے، وہ "تجافٰی" کے قریب قریب ہے، حضرت براءؓ کی ایک دوسری روایت "بیھقی" نے ذکر کی ہیں، "جنح" کا لفظ ہے اس کا مطلب خود بیہقی نے شیخ ابوزکریا العنبری سے یہ نقل کیا ہے:

"جخ الرجل في صلاته إذا مد ضبعيه وتجافٰی فی الركوع والسجود".(۱)

اسی صفحہ میں حضرت جابرؓ کی روایت ان الفاظ سے پیش کی ہے:

"إذا سجد تجافٰی حتٰی یری بیاض إبطیه" آه.(۲)

یہ مضمون بہت سی حدیثوں میں آیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھل کر سجدہ کرتے تھے کہ بغل کھلی رکھتے اور پیٹ پر ران کو نہ رکھتے، نیز حافظؒ نے "تلخیص" میں حضرت براءؓ سے ایک اور لفظ نقل کیا ہے:

"كان إذا سجد بسط كفيه ورفع عجينته".

پھر لکھا ہے کہ!

رواه ابن خزيمة والنسائي وغيرهما بلفظ إذا سجد جخ يقال جخ الرجل في صلاته إذا مد ضبعيه.

ان سب الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت براءؓ سجدہ نبوی کی جو مشہور کیفیت ہے اس کو بیان کر رہے ہیں، یعنی بغل کھلا رکھنا اور پیٹ اور رانوں کو جدا رکھنا، اس مطلب کی رو سے اس کا ضم عقبین سے کوئی تعارض نہیں۔

اسی طرح ابوحمیدؓ کی حدیث میں "فرج بين فخذيه" کا مطلب "بذل المجھود" میں یہی بیان کیا ہے کہ "باعد بين فخذيه وبطنه" اور آگے روایت میں یہ جو لفظ ہے "غير حامل بطنه علٰی شئ من فخذيه" اس کو اس کی تاکید بتایا، پھر اس مطلب کی تائید ابن نجیم صاحب بحرؒ کے قول سے پیش کی۔ (۳)

لطف یہ ہے کہ "بیہقی" نے بھی "سنن کبریٰ" میں "تفریج بین الرکبتین" کا باب قائم کیا؛ لیکن اس کے ذیل میں صرف ابوحمیدؓ کی حدیث ذکر کی، تفریج کے اثبات کے لئے حضرت براءؓ کی حدیث ذکر نہیں کی، جس سے معلوم ہوا کہ "فتفاج" کا مطلب "بیہقی" نے وہ نہیں لیا جو حافظؒ نے لیا؛ بلکہ دوسرا مطلب لیا؟(۴)

تطبیق کی ضرورت ہے، نہ ترجیح کی، اس لئے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا یہ فعل بلا ضرورت ہے۔

---

(۱) السنن الكبرىٰ للبيهقي، كتاب الصلاة، باب يجافٰی مرفقيه عن جنبيه: ۱۱۵/۲، رقم الحديث: ۲۷۰۹، انیس

(۲) السنن الكبرىٰ، كتاب الصلاة، باب يجافی مرفقيه عن جنبيه: ۱۱۵/۲، رقم الحديث: ۲۷۱۰، انیس

(۳) دیکھئے! بذل المجهود: ۸٦/۲.

(۴) السنن الكبرىٰ: ۱۱۵/۲۔

ضم فخذین:

رہا مسئلہ ضم فخذین کا جو ''ابن خزیمۃ'' اور ''ابوداؤد'' میں ''ولیضم فخذیہ'' کے لفظ سے مروی ہے تو اس کے معارضہ میں حدیث ابوحمید ''فرج بین فخذیہ'' وہ لوگ پیش کریں گے، جو یہ مطلب لیتے ہیں کہ دونوں رانوں کو آپس میں ملاتے نہیں تھے ''بیہقی'' اور ''شوکانی'' نے بھی یہی معنی لئے ہیں۔(۱)

اور حافظؒ نے ''فتفاج'' سے جو سمجھا وہ بھی اس کے معارض ہوگا، اس مسئلہ میں تطبیق یا ترجیح دی جائے تو ان دونوں حدیثوں کے ایک معنیٰ کے لحاظ سے بظاہر تعارض ہونے کی وجہ سے معقول ہوگا، چنانچہ ''بیہقی'' نے ''السنن الکبریٰ'' میں تفریج کو ترجیح دی ہے اور اس کو نماز کی ہیئت سے زیادہ مشابہ قرار دیا ہے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے ''بذل المجہود'' میں ''بین الفخذین'' کا وہ معنی لینا چاہا ہے، جو اوپر مذکور ہوا، جس کی رو سے تعارض نہیں رہتا اور حضرت تھانویؒ نے دونوں میں تطبیق دے کر تقریب کا معنیٰ لیا ہے۔(۲)

میرا بھی اسی طرف رجحان ہے، اسی پر عمل بھی ہے، اس لئے کہ دونوں رانوں کو بالکل ملانا مشکل ہے۔

تنبیہ: مولانا عبدالحی صاحبؒ نے ''سعایۃ'' میں اصالۃ رکوع میں الصاق کعبین کی تردید فرمائی ہے اور ہم اس میں ان کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں، ضمناً سجدہ میں الصاق کی تردید بھی ہوگئی ہے، یہ صحیح ہے؛ لیکن اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ضم عقبین کی حدیث حضرت مولاناؒ کی نظر میں نہیں ہے، اسی لئے الصاق کعبین فی الرکوع کی تردید میں شیخ ابوالحسن سندھی کا کلام نقل کیا ہے: **''ولم یرد فی السنة علٰی ماوقفناعلیه''**. (۳)

اور مولاناؒ نے سجدہ کے بیان کے وقت اس مسئلہ سے تعارض نہیں کیا۔ ہاں سجدہ کے بیان میں ضم فخذین کو سنت بتایا اور ابوداؤد کی حدیث کا حوالہ دیا **''ولیضم فخذیه''**. (۴)

باوجودیکہ اس سنت کو بھی ہمارے فقہا نے ذکر نہیں کیا اور حضرت مولاناؒ نے اس لفظ ضم کی کوئی تاویل بھی نہیں کی، اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ کوئی سنت حدیث معتبرہ سے ثابت ہوتی ہو تو اس پر عمل کریں گے، یہ کہہ کر اسے چھوڑ نہیں دیں گے کہ ہماری فقہ کی کتابوں میں اس کا ذکر نہیں، اسی لئے علامہ انورشاہ کشمیریؒ جن کی نظر حدیث وفقہ پر بہت وسیع اور عمیق ہے ضم عقبین کی سنت کی طرف توجہ دلا رہے ہیں۔

---

(۱) دیکھئے! السنن الکبریٰ: ۱۱۵/۲. وبذل المجهود: ۸۶/۲.

(۲) دیکھئے! إعلاء السنن، باب طریق السجود: ۳۲/۳۔

(۳) السعایة: ۱۸۱/۲.

(۴) دیکھئے! السعایة: ۱۹۷/۲.

اسی طرح کوئی عمل فقہ کی کتابوں میں سنت بتایا گیا ،لیکن حدیث میں اس کا ذکر کہیں نہیں ملا تو اس کو سنت نہیں سمجھیں گے ،جیسا کہ ''الصاق کعبین فی الرکوع'' کے ساتھ ہمارے اکابر نے کیا ،باوجودیکہ اس کو'' کبیری شرح منیۃ المصلی'' اور ''الدر المختار'' میں سنت بتایا؛ لیکن ہمارے محققین نے اس کے سنت نہ ہونے کو ترجیح دی، جیسا کہ ''سعایۃ'' سے ظاہر ہے،(۱) اگر ضم عقبین کی حدیث ان کے سامنے ہوتی تو کبھی وہ اس کی تردید نہ فرماتے۔ واللہ اعلم

حضرت مولانا رشید احمد صاحب مدظلہ کی چند باتوں کا جواب

قولہ: ''رص بین العقبین'' کو تقریب پر محمول کریں گے، جیسا کہ ''طحاوی'' نے ''ضم الکفین فی الدعاء'' کو تقریب پر محمول کیا۔(۲)

جواب: رص اور ضم میں لغۃً فرق ہے۔﴿كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ﴾ (۳) سے ظاہر ہے کہ رص بالکل ایک دوسرے سے مل جانے کو کہتے ہیں، برخلاف ضم کے کہ وہ قریب پر بھی بولا جاتا ہے۔

قولہ: استقبال قبلہ اور نصب القدمین، یہ دونوں رص کے ساتھ علی وجہ الکمال نہیں ہو سکتے۔(معنیً)

جواب: یہ نص حدیث کے خلاف ہے، حضرت عائشہؓ رص اور استقبال قبلہ دونوں بول رہی ہیں، جو کچھ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا، وہی ہمارے لئے سنت ہے۔

ہم نے عملاً کر کے دیکھ لیا ہے کہ یہ تینوں کام مکمل ہو سکتے ہیں،(من شاء فلینظرنا) اس وقت دونوں پاؤں قریب کر لئے جائیں گے۔

قولہ: اس میں بلاضرورت پاؤں کو حرکت دینے کی قباحت بھی ہے۔

جواب: بلاضرورت نہیں سنت کی ادائیگی کے لئے ہے، جیسے ہاتھ کی انگلیوں کو سجدہ میں ملانا سنت ہے، باوجودیکہ رکوع میں پھیلانا سنت تھا، اس میں حرکت کو کون منع کرتا ہے؟ وتر میں قنوت سے پہلے احناف رفع یدین کی حرکت کرتے ہیں ۔عیدین میں کرتے ہیں۔ بین السجدتین بائیں پاؤں کو پھیلا کر اس پر بیٹھتے ہیں ، کیوں ابن عباسؓ کی حدیث پر عمل نہیں کرتے ،جس میں عقبین پر بیٹھنا آیا ہے، اس میں حرکت نہیں ہوگی۔

اور جیسا کہ شہادت کی انگلی شہادت کے وقت اٹھانا۔ بعض لوگوں نے مفتی صاحب مدظلہ والی علت کی وجہ سے اس اشارہ سے انکار کیا تو محققین نے حدیث پیش کر کے تردید کی۔(فتدبر وكن على بصيرة)

---

(۱) السعاية: ۲/ ۱۸۲.

(۲) احسن الفتاویٰ: ۳/ ۴۹

(۳) سورة الصف: ٤، انیس

اصل میں یہ سب بناء فاسد علی الفاسد ہے۔تعارض سمجھ کر ایسا فرما رہے ہیں، وھو ممنوع۔

قولہ: حدیث ثانی سنت تجافی کے مطابق ہے۔

جواب: حدیث ثانی کا حال معلوم ہو چکا ہے کہ اس میں جو سنت تجافیٰ بیان ہوتی ہے وہ ضم عقبین کے ساتھ حاصل ہے اور اگر حافظ کا مطلب لیجئے؛ یعنی" تفریج بین الر کبتین أو الفخذین "تو یہ بھی ضم عقبین کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں نہ تطبیق کی ضرورت ہے نہ ترجیح کی،اس لئے کہ روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ اور مفتی ابوالسعود صاحب کے فرمانے کے مطابق اس سنت پر عمل کرنا چاہئے۔

البتہ ضم فخذین کے مسئلہ میں من وجہٍ دلائل میں ظاہری تعارض اور فی نفسہ حقیقی ضم مشکل ہونے کی وجہ سے تقریب پر عمل کریں گے۔واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب (۱)

فضل الرحمٰن اعظمی ۔۲/ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ ۲/مئی ۱۹۹۵ء منگل۔(مرغوب الفتاویٰ:۲/۱۴۵-۱۵۳)

سجدہ سے اٹھنے کا مستحسن طریقہ:

سوال: نماز میں سجدہ کے بعد جب کھڑا ہونا چاہیں،تو گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھیں؟

الجواب: ہاں!

تتمہ السوال: یا زمین سے ہاتھ ٹیک کر کھڑا ہو؟

الجواب: نہیں،الا بعذر۔

تتمہ السوال: یا کسی جگہ ہاتھ نہ ٹیکے جائیں، بہر حال کھڑے ہونے کا مستحسن دستور کیا ہے؟

الجواب: اوپر لکھدیا۔

"فی الدر المختار: (ویکبر للنهوض) علٰی صدور قدمیه (بلا اعتماد وقعود) استراحة.

فی رد المحتار: (بلا اعتماد): أی علٰی الأرض. قال فی الکفایة: أشار به إلٰی خلاف الشافعی فی موضعین: أحدهما یعتمد بیدیه علٰی رکبتیه عندنا وعنده علی الأرض والثانی الجلسة الخفیفة، إلخ. (۲)

۱۹/ربیع الاول ۱۳۵۵ھ (النور صفحہ:۷/صفر المظفر ۱۳۵۶ھ)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۲۱)

---

(۱) ماخوذ از "علمی مکتوبات"

(۲) رد المحتار، فصل فی بیان تالیف الصلٰوة، قبل مطلب مهم فی عقد الأصابع عند التشهد: ۱/۵۹۶.

دوسری رکعت سے کس طرح کھڑا ہو:

سوال: دوسری رکعت میں بعد قعدہ کے جب کھڑا ہو، تو ہاتھ بدستور رانوں پر رکھ کر کھڑا ہو، یا زمین پر سہارا دے کر کھڑا ہو؟

الجواب

ہاتھ گھٹنوں اور رانوں پر رکھ کر کھڑا ہونا بہتر ہے اور اگر بضرورت زمین پر رکھ کر کھڑا ہو تو یہ بھی درست ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۹۰)

نماز میں قعدہ کے وقت نظر کہاں رکھے:

سوال: نماز پڑھتے ہوئے قعدہ میں نظر سجدہ کی جگہ پر رکھے یا چھاتی پر؟

الجواب

دونوں جگہ درست ہے، غرض خیال و نظر بندی ہے۔(۲)

(بدست خاص، سوال:۸۸) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۳)

تشہد کی حالت میں نگاہ کہاں ہو:

سوال: تشہد کی حالت میں کس جگہ نگاہ رکھے؟

الجواب

آدابِ نماز میں سے ہے کہ حالت قیام میں سجدہ کی جگہ نظر رکھیں اور حالت رکوع میں پشت قدم کی طرف اور حالت سجود میں ناک کے کنارہ کی طرف اور حالت قعود و تشہد میں اپنی گود کی طرف، الخ۔ (درمختار) (۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۰۸-۲۰۹)

---

(۱) (و يكبر للنهوض) علىٰ صدور قدميه (بلا اعتماد وقعود) استراحة ولو فعل لا بأس. (الدر المختار)

(بلا اعتماد) أي علىٰ الأرض، قال في الكفاية: أشار به إلىٰ خلاف الشافعي في موضعين: أحدهما يعتمد بيد يه علىٰ ركبتيه عندنا وعنده على الأرض و الثاني الجلسة الخفيفة، الخ. (رد المحتار، باب صفة الصلوٰة: ۱/۴۷۲، ظفير) (قبيل مطلب: مهم في عقد الأصابع عند التشهد، انيس)

(۲) (والأفضل للمصلي أن يكون نظره في قيامه إلى موضع سجوده وفي ركوعه إلى قدمه وفي سجوده إلى أنفه وفي قعوده إلى حجره). (شرح مختصر الطحاوي للجصاص، باب صفة الصلاة: ۱/۶۴۸، دارالبشائر الإسلامية. انيس)

(۳) نظره إلىٰ موضع سجوده حال قيامه، وإلىٰ ظهر قدميه حال ركوعه، وإلىٰ أرنبة أنفه حال سجوده وإلىٰ حجره حال قعوده. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار: ۱/۴۴۶، ظفير) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، آداب الصلاة، انيس)

قعدہ میں ہاتھ رکھنے کا طریقہ:

سوال: جس قعدہ میں تشہد پڑھا جاتا ہے تو گھٹنوں کے برابر ہاتھ کو موڑ کر رکھنا ہے یا اپنی ران پر سیدھا رکھنا ہے، شرعی اعتبار سے کیا صحیح ہے؟ (محمد شجاع الدین، کالے پتھر)

الجواب ــــــــــــــــــــ

قعدہ کی حالت میں ہاتھ ران پر اس طرح رکھنا چاہئے کہ ہاتھ کا آخری حصہ گھٹنوں پر رہے، ہاتھ موڑنا نہ چاہئے، کیونکہ مقصود انگلیوں کو قبلہ رخ رکھنا ہے،(۱) اور اگر گھٹنوں کی طرف موڑ لیا جائے تو انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف باقی نہیں رہے گا۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۸۷-۱۸۸)

قعدہ میں بیٹھے ہوئے ہاتھ رکھنے کی کیفیت:

سوال: نماز کے قعدے میں کیا ہاتھ جانگھ پر کہنی سے پنجوں تک رکھے جائیں گے اور کیا گھٹنے کی چکی پر انگلیاں رہیں گی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

قعدہ میں ہاتھ جانگھ پر رکھے انگلیاں گھٹنے کے پاس رہیں، پھر جتنا حصہ ہاتھ کا جانگھ پر ہے، اس کو جانگھ پر رکھے جو زائد پڑے اور یا باہر پڑے، پڑنے دے۔(۲) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند۔۱۱/۵/۱۳۸۷ھ۔ الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزءاول:۱۷۳)

قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ:

سوال: اسی طرح قعدہ اخیرہ کے بارے میں امام ابوداؤد نے اپنی سنن ابوداؤد میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ بیان فرمایا ہے کہ جب اس سجدے سے سر اٹھائے جس کے بعد سلام ہے تو بایاں پاؤں ایک طرف نکال

---

(۱) دیکھئے: الهداية مع حاشية عبد الحي اللكنوى: ۱/۳۳٦، نیز دیکھئے: سنن أبی داؤد، حدیث نمبر:۹۷۵، باب کیف الجلوس فی التشهد. محشی

(۲) (ويستقبل بأصبع رجله اليمنىٰ القبلة كما يفعل فى السجود ثم يبسط كفيه على ركبتيه وينشر أصابعه ولايشير بشيء منها). (شرح مختصر الطحاوى للجصاص، باب صفة الصلاة: ۱/٦۲۸-٦۲۹، دار البشائر)

عن أبى حميد قال: أنا أعلمكم بصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر الحديث بطوله وقال: جلس فافترش رجله اليسرىٰ وأقبل بصدر اليمنىٰ على قبلته ووضع كفه اليمنىٰ على ركبته اليمنىٰ وكفه اليسرىٰ على ركبته اليسرىٰ وأشار بأصبعه السبابة. (صحيح ابن خزيمة، باب سنة الجلوس فى التشهد الأول (ح:٦۸۹) انيس)

دیتے اور بائیں سرین پر ٹیک دے کر بیٹھتے ، جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قعدہ میں اس طرح بیٹھتے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طریقہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہماری رہنمائی فرمائیں؟

هو المصوب

قعدہ میں بائیں طرف پیر نکال کر بائیں سرین پر ٹیک لگا کر بیٹھنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے، وہ بلاشبہ روایت سے ثابت ہے،(۱) اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک بھی یہی ہے؛ لیکن امام ابوحنیفہؒ اور دیگر حنفیہ کے نزدیک جو طریقہ راجح ہے، وہ یہ ہے کہ دائیں قدم کو کھڑا رکھے اور بائیں پاؤں پر بیٹھ جائے ،(۲) یہ طریقہ کتب حدیث میں موجود ہے،(۳) حنفیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے اور ابوداؤد کی جو روایت ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقہ ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑھاپے میں جسم بھاری ہو جانے پر اختیار فرمایا تھا، ورنہ عام معمول اور طریقہ وہی رہا ہے، جس کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے، حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ نے بھی یہی اختیار فرمایا ہے، ترمذی شریف میں حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت ہے:

فلما جلس يعني للتشهد افترش رجله اليسرٰى،ووضع يده اليسرىٰ يعني علٰى فخذه اليسرٰى ونصب رجله اليمنٰى. (۴)

ترمذی کے حاشیہ میں مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس کو سنت صلاۃ قرار دیا ہے، حضرت عائشہؓ بھی یہی فرماتی ہیں۔(۵)

تحریر: محمد ظفر عالم ندوی۔ تصویب: ناصر علی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء:۲/۱۰۸-۱۰۹)

(۱) حتٰى إذا كانت السجدة التي فيها التسليم أخر رجله اليسرىٰ وقعد متوركاً علٰى شقه الأيسر. (سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من ذكر التورك في الرابعة، رقم الحديث: ۹٦٣)

(۲) (وبعد فراغه من سجدتي الركعة الثانية يفترش) الرجل (رجله اليسرىٰ) فيجعلها بين إليتيه ويجلس عليها وينصب رجله اليمنىٰ ويوجه أصابعه) في المنصوبة. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۲۱٦) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس)

(۳) وكان يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنىٰ...، (الصحيح لمسلم، كتاب الصلاة، باب ما يجمع صفة الصلاة: ۲۰٤، رقم الحديث: ٤۹۸)

عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالٰى عنهما قال: من سنة الصلاة أن تنصب القدم اليمنٰى واستقباله بأصابعها القبلة والجلوس علٰى اليسرٰى. (سنن النسائي، كتاب الافتتاح، باب الاستقبال بأطراف أصابع القدم (ح: ۱۱٥۹)

(۴) سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء كيف الجلوس في التشهد: ۲/ ۸٦، رقم الحديث: ۲۹۲، قال الترمذي هذا حيث حسن صحيح)

(۵) وقول عائشة رضي الله تعالىٰ عنها كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يفتتح الصلاة إلٰى أن قالت وكان يفترش رجله اليسرىٰ وينصب رجله اليمنىٰ. (حاشية الترمذي: ۱/ ٦٥ (مطبوعه مكتبة رشيدية، دهلي)

مقتدیوں کو آواز پہونچانے کی غرض سے "ورحمة اللّٰہ" کو دراز کرنا:

سوال: امام نماز کے سلام میں "ورحمة اللّٰـه" اس غرض سے دراز کرے کہ مقتدیوں تک آواز پہونچے، جائز ہے یا نہیں؟

حامدًا و مصليًا الجواب ــــــــــــ و بالله التوفيق

کلمہ "ورحمة اللّٰـه" کو طویل کرنا جائز ہے اور جب کہ غرض صحیح ہے اور مجمع بڑا ہے تو آواز کو طویل کرنا بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (مرغوب الفتاویٰ: ۲/۱۴۳)

ایک سانس میں دونوں سلام:

سوال: نماز کے ختم پر دائیں جانب سلام پھیرنے پر کتنے وقفے کے ساتھ بائیں جانب سلام پھیرنا چاہئے؟ ایک ہی سانس میں دونوں جانب سلام پھیر دیوے تو اس میں کیا مضائقہ ہے؟

الجو ابــــــــــــ حامداً و مصليًا

اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں دیکھی۔ (۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۶۴۱)

امام کے لئے انحراف عن القبلہ کن نمازوں کے بعد مستحب ہے:

سوال: بعد فریضۂ نماز کے سلام پھیرنے کے، اہل حدیث تو ہر نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر دعا مانگتے ہیں، مگر حنفی امام کو اکثر دیکھا ہے کہ جس کے بعد تطوع نہیں مثلاً فجر و عصر وہاں تو وہ بھی اہل حدیث کی طرح ہی سلام پھیر کر مقتدیوں کی طرف منھ کر لیتے ہیں، مگر جس نماز کے بعد تطوع ہیں مثلاً ظہر، مغرب، عشا، وہاں وہ روقبلہ ہی ہو کر دعا مانگتے ہیں۔ ان میں سے کون طریق اقرب الی السنۃ ہے، مع حوالہ تحریر ہو؟

حدیث بخاری "**كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا صلى أقبل علينا بوجهه**" سے استمرار ثابت ہوتا ہے، یہ صحیح ہے یا نہیں؟

---

(۱) اس سلسلہ میں فقہ حنفی میں کوئی صراحت نہیں ملی، فقہ شافعی کے حوالہ سے موسوعہ فقہیہ کویت میں اس کی وضاحت موجود ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ دونوں سلام کے درمیان فصل کیا جائے۔

ذكر الفقهاء أنه يسن لمن يأتي بالتسليمتين في آخر الصلاة للخروج منها أن يفصل بينهما. (الموسوعة الفقهية الكويتية، وصل التسليمتين: ۴۳/۱۶۶، وزارة الأوقات الكويت)

ويسن إذا أتى بهما أن يفصل بينهما. (مغني المحتاج، باب صفة الصلاة: ۱/۳۸۵، دار الكتب العلمية. انيس)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

درمختار میں ہے:

"ویکرہ تأخیر السنة إلا بقدر: "اللّٰهم أنت السلام" الخ.

وفی الخانية: یستحب للإمام التحول لیمین القبلة: یعنی یسار المصلی لتنفل أو ورد وخیره فی المنية بین تحویله یمینًا وشمالاً وأمامًا وخلفًا وذهابه لبیته واستقباله الناس بوجهه، الخ. (۳۵۷/۱)(۱)

وعن عائشة رضی اللّٰه تعالٰی عنها قالت: کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لم یقعد إلا مقدار ما یقول: "اللّٰهم أنت السلام ومنک السلام تبارکت یاذاالجلال والإکرام". (مشکوٰة: ۸۱)(۲)

ان روایت فقہیہ اور حدیث مشکوٰۃ شریف سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں، روبقبلہ دعا مانگ کر سنتوں کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں اور حدیث بخاری شریف "کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إذا صلی صلاة أقبل علینا بوجهه" (۳) ان نمازوں پر محمول ہے جن کے بعد سنتیں نہیں ہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۵/۲-۱۹۶)

ہر فرض نماز کے بعد انحراف کیسا ہے:

سوال: فجر اور عصر میں امام مقتدی کی طرف منہ کر کے دعا کرتے ہیں، یہ صحیح ہے، لیکن مغرب، عشا اور ظہر کی نماز میں مقتدی کی طرف منہ کر کے دعا کرنا کیسا ہے؟ میرے یہاں امام مسجد پانچوں وقت کی نماز میں مقتدی کی طرف منہ کر کے دعا کرتے ہیں، ان کا یہ عمل شرعاً کیا جائز ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

پچھم سے پورب، اتر، دکھن رخ بدلنے کی وجہ یہ ہے کہ آنے والوں کو دھوکا نہ ہو کہ لوگ نماز میں مشغول ہیں، جن نمازوں کے بعد سنت نہیں ہے، ان نمازوں کے بعد کچھ ذکر وغیرہ کر کے دعا کی جاتی ہے، اگر ذکر قبلہ رخ کر کے کیا گیا تو آنے والوں کو دھوکا ہوسکتا ہے کہ اب تک لوگ نماز میں مشغول ہیں اور اس دھوکا میں آ کر کہیں اقتدا نہ کرلیں، (۴)

---

(۱) الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة: ۴۹۵/۱، ظفیر

(۲) باب الذکر بعد الصلاة، الفصل الأول (مصنف ابن أبی شیبة، من کان یستحب إذا سلم أن یقوم أو ینحرف (ح: ۳۰۸۵)/ الصحیح لمسلم، باب استحباب الذکر بعد الصلاة (ح: ۵۹۲) انیس

(۳) کتاب الأذان، باب یستقبل الإمام الناس إذا سلم: ۱۷۲/۱، رقم الحدیث: ۸۴۵، عن سمرة بن جندب رضی اللّٰه عنه انیس

(۴) ولأن المکث یوجب اشتباه الأمر علی الداخل، فلا یمکث ولکن یقوم یتنحی عن ذلک المکان، ثم یتنفل. (بدائع الصنائع، ما یستحب للإمام أن یفعله عقیب الفراغ من الصلاة: ۴۳۲/۱)

مذکورہ نمازوں میں لوگوں کو دھوکا میں پڑنے کا گمان کم ہے۔لہذا ان نمازوں کے بعد رخ بدلنا جائز تو ہوگا؛لیکن بہتر نہیں ہوگا۔

امدادالفتاویٰ (۱/۸۸۷) اورفتاویٰ عالمگیری (۱/۷۷) دیکھا جائے۔(۱)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد نعمت اللہ قاسمی ۔۱۲/۸/۱۴۰۴ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۳۹۵-۳۹۶)☆

(۱)　"وإذا سلم الإمام من الظهر والمغرب و العشاء كره له المكث قاعدًا لكنه يقوم إلٰى التطوع ولايتطوع فى مكان الفريضة ولكن ينحرف يمنة ويسرة أويتأخر وإن شاء رجع إلٰى بيته يتطوع فيه،وإن كان مقتديا أويصلى وحده إن لبث فى مصلاه يد عوجاز...وفى صلاة لا تطوع بعدها كالفجر والعصريكره المكث قاعدًا فى مكانه مستقبل القبلة والنبى عليه الصلاة والسلام سمى هذا بدعة ...و يستقبل القوم بوجهه إذا لم يكن بحذائه مسبوق فإن كان ينحرف يمنه أويسرة والصيف والشتاء سواء هو الصحيح،كذا فى الخلاصة". (الفتاویٰ الهندية: ۷۷/۱)(الباب الرابع فى صفة الصلاة،الفصل الثالث فى سنن الصلاة،انيس)

☆ نماز پنجگانہ میں امام کا مقتدیوں کی طرف رخ کرنا:

سوال:　پنج وقتہ نمازوں میں نماز کے اختتام پر امام کا مقتدیوں کی طرف رخ کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

حامدًا مصليًا مسلمًا : سلام کے بعد امام کے لئے پانچوں نمازوں میں مقتدیوں کی طرف رخ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔(عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال:كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤمنا فينصرف على جانبيه جميعاً على يمينه وعلى شماله.(سنن الترمذى،باب ماجاء فى الانصراف عن يمينه وعن يساره (ح:۳۰۱)

عن عبد الله قال: لايجعلن أحدكم للشيطان من نفسه جزءاً لا يرى إلا أن حقا عليه أن لاينصرف إلا عن يمينه، أكثر ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينصرف عن شماله.(الصحيح لمسلم،باب جوازالانصراف من الصلاة (ح:۷۰۷)/الصحيح للبخارى،باب الانتقال والانصراف عن اليمين والشمال (ح:۸۵۲)

عن السدى قال:سألت أنساً كيف أنصرف إذا صليت؟عن يمينى أو عن يسارى قال:أما أنا فأكثر ما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ينصرف عن يمينه.(الصحيح لمسلم،باب جوازالانصراف من الصلاة (ح:۷۰۸)

عن سمرة بن جندب قال: كان النبى صلى الله عليه وسلم إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه.(الصحيح للبخارى،باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم (ح:۸٤٥)

قال النووى: ومذهبنا أنه لا كراهة فى واحد من الأمرين لكن يستحب أن ينصرف فى جهة حاجته سواء كانت عن يمينه أو شماله فإن استوى الجهتان فى الحاجة وعدمها فاليمين أفضل لعموم الأحاديث المصرحة بفضل اليمين فى باب المكارم ونحوها ،اه (۲٤۷/۱) قلت:وهذا مذهبنا أيضاً،قال فى مراقى الفلاح:وإن شاء الإمام انحرف عن يساره وجعل القبلة عن يمينه وإن شاء عن يمينه وجعل القبلة عن يساره وهذا أولىٰ لما فى مسلم:كنا إذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه حتى يقبل علينا بوجهه،وإن شاء ذهب لحوائجه قال تعالىٰ:﴿فإذا قضيت الصلاة فانتشروا فى الأرض وابتغوا من فضل الله﴾والأمر للإباحة،اه.(إعلاء السنن،باب الانحراف بعدالسلام وكيفيته وسنيةالدعاء والذكر بعدالصلاة:۱۸٤/۳،إدارةالقرآن والشؤون الإسلامية كراتشى.انيس)

==

سلام پھیرنے کے بعد امام کا رخ کدھر ہونا چاہئے:

سوال: امام کو بعد سلام پھیرنے کے ان نمازوں میں جن کے بعد سنتیں نہیں ہیں، کس طرف کو بیٹھنا چاہئے، داہنی طرف یا بائیں طرف، یا قبلہ کو پشت کر کے جملہ مقتدیوں کی طرف؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــــ

حدیث مسلم میں ہے:

"وعن البراء رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال: کنا إذا صلینا خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم أحببنا أن نکون عن یمینه یقبل علینا بوجهه، قال: فسمعته یقول: ربِّ قنی عذابک یوم تبعث أو تجمع عبادک". (رواہ مسلم)(۱)

وفی حدیث عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنه قال: لایجعل أحدکم للشیطان شیئاً من صلاته یریٰ أن حقاً علیه أن لاینصرف إلا عن یمینه، لقد رأیت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کثیرًا ینصرف عن یساره. (رواہ البخاری ومسلم)(۲)

وعن أنس أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کان ینصرف عن یمینه. (رواہ مسلم)(۳)

وعن سمرة بن جندب قال: کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا صلیٰ صلاةً أقبل علینا بوجهه. (رواہ البخاری: ۷۹، مشکوٰۃ)(۴)

== **"فی الدر: فی الخانیة: یستحب للإمام التحول لیمین القبلة: یعنی یسار المصلی لتنفل أو ورد واخیره فی المنیة بین تحویله یمینًا وشمالاً وأمامًا وخلفًا وذهابه لبیته، واستقباله الناس بوجهه.**

وفی الرد عن البدائع: لأن المقصود من الانحراف وهو زوال الاشتباه أی اشتباه أنه فی الصلاة یحصل بکل منهما. (ردالمحتار: ۳۵۷/۱) (مطلب: فیمالوزادعلی العددفی التسبیح عقب الصلاة، انیس) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصلاة، قبیل فصل فی القراءة: ۳۵۷/۱، نعمانیة، دیوبند) واللّٰہ أعلم بالصواب

کتبہ عبداللہ غفرلہ ۱۲/۱۱/۳ ۱۴۱۲ھ۔ الجواب صحیح: محمد حنیف غفرلہ۔ (فتاویٰ ریاض العلوم: ۲/۷۰۴)

(۱) مشکوٰۃ، باب الدعاء فی التشهد، فصل أول: ۸۷ (ح: ۹۴۷) ظفیر/ (الصحیح لمسلم، باب استحباب یمین الإمام (ح: ۷۰۹) انیس)

(۲) مشکوٰۃ، کتاب الأذان، باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال: ۱۷۲ (ح: ۸۵۲)/الصحیح للبخاری، باب الانتقال والانصراف عن الیمین والشمال (ح: ۸۵۲) انیس

(۳) مشکوٰۃ، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب جواز الانصراف من الصلاة عن الیمین والشمال: ۲۸۰ (ح: ۷۰۸)/الصحیح لمسلم، باب جوازالانصراف من الصلاة (ح: ۷۰۸) انیس

(۴) مشکوٰۃ، کتاب الأذان، باب یستقبل الإمام الناس إذاسلم (ح: ۸۴۵)/الصحیح للبخاری، کتاب الأذان، باب یستقبل الإمام الناس إذا سلم: ۱۷۲/۱، رقم الحدیث: ۸۴۵. انیس

ان روایات سے معلوم ہوا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات داہنی طرف کو بیٹھتے تھے اور منصرف ہوتے تھے اور کبھی بائیں طرف کو اور کبھی اقبال علی الناس بوجہ فرماتے تھے، جس سے یہ بھی مطلب حاصل ہوسکتا ہے کہ مستد بر قبلہ ہوکر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے تھے اور یہ بھی اس کا مطلب ہوسکتا ہے کہ یہ اقبال بوجہ وہی ہے، جس کو یمین اور یسار کی طرف انصراف سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ فقہانے بھی اس میں اختیار دیا ہے کہ خواہ داہنی طرف کو ہوکر بیٹھے اور خواہ بائیں طرف کو اور خواہ مستقبل الی الناس اور مستد بر قبلہ ہوکر بیٹھے۔

درمختار میں ہے:

"وفی الخانية: يستحب للإمام التحول ليمين القبلة يعني يسار المصلي الخ وخيره في المنية بين تحويله يميناً وشمالاً الخ واستقباله الناس بوجهه، الخ. (۱)

اور اکثر فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا داہنی طرف ہوکر بیٹھنے کا تھا، **كما ذكره الشراح وعليه عمل أكابرنا كالشيخ المحدث گنگوهي ومولانا النانوتوي قدس الله أسرارهما. فقط** (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۹۲۔۱۹۳)

امام کا مقتدیوں کی جانب یا بجانب شمال رخ کر کے بیٹھنا:

سوال: ہر نماز کے بعد امام کا مقتدیوں کی طرف یا بجانب شمال رخ کر کے بیٹھنا سنت ہے یا کسی خاص وقت کی نماز کے بعد؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیًا

جس نماز کے بعد سنتیں نہیں، اس کے بعد شمال یا جنوب مقتدیوں کی طرف رخ کر لینا ثابت ہے اور جس نماز کے بعد سنتیں ہیں، اس کے بعد ثابت نہیں، بلکہ مختصر دعا کر کے سنتیں پڑھنے میں مشغول ہوجانا چاہئے۔ (طحطاوی: ۱۷۱، (۲) بدائع) (۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ: ۵/۶۷۹۔۶۸۰)

---

(۱) **الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، باب صفة الصلوٰة: ۱/۴۹۵،** تفصیل کے لئے دیکھئے: **غنية المستملي: ۲۳۰، ظفير**

(۲) **(الأذكار الواردة بعد) صلاة (الفرض) ... (القيام إلى) أداء (السنة) التي تلي الفرض (متصلاً بالفرض مسنون) غير أنه يستحب الفصل بينهما كما كان عليه السلام إذا سلم يمكث قدرما يقول: "ألّلهم أنت السلام ومنك السلام، الخ، ثم يقوم إلى السنة... ويستحب (أن يستقبل بعده): أي بعد التطوع وعقيب الفرض إن لم يكن بعده نافلة يستقبل (الناس) إن شاء، الخ. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، فصل في صفة الأذكار: ۳۱۱۔۳۱٤، قديمي)**

(۳) **وأما بيان ما يستحب للإمام أن يفعله عقيب الفراغ من الصلاة: فنقول: إذا فرغ الإمام من الصلاة فلا يخلو إما إن كانت صلاةً لا تصلى بعدها سنة أو كانت صلاةً تصلى بعدها سنة، فإن كانت صلاةً لا تصلى بعدها سنة كالفجر والعصر، فإن شاء الإمام قام وإن شاء قعد في مكانه يشتغل بالدعاء ...** ==

نماز کے بعد کس طرف رخ کیا جائے:

سوال: نماز فجر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر چہار جانب دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

تین جانب بیٹھنے کا ثبوت ملتا ہے، قبلہ رو اور شمال و جنوب۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفر لہ دار العلوم دیو بند۔ ۲۴/۴/۱۳۹۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۵۱/۵)

== لما روی: "أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم كان إذا فرغ من صلاة الفجر، استقبل بوجهه أصحابه"... ثم اختلف المشايخ فی كيفية الانحراف ... وقال بعضهم : هومخيرإن شاء انحرف يمنة ، وإن شاء يسرةً ، وهو الصحيح... وإن كانت صلاة بعدها سنة،يكره له المكث قاعدةً.(بدائع الصنائع،كتاب الصلاة،فصل و أما بيان ما يستحب للإمام،الخ: ۳۹۳/۱۔۳۹٤،رشيدية)

(۱) عن البراء بن عازب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال:كنا إذا صلينا خلف رسول اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم ،أحببنا أن نكون عن يمينه،فيقبل علينا بوجهه صلی اللّٰہ علیه وسلم ". (مشكوٰة،باب الدعاء فی التشهد،الفصل الأول: ۸۷، رقم الحديث: ۹٤۷،انيس)

"وقد ورد الروايا ت المختلفة فی الإنصراف عن الصلاة،فروی البخاری من حديث سمرة بن جندب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه قال:كان رسول اللّٰہ تعالی علیه وسلم إذاصلیٰ صلوة أقبل علينا بوجهه ".(صحيح البخاری، كتاب الأذان،باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم (ح:۸٤٥) انيس)

وأخرج مسلم من حديث أنس رضی اللّٰہ تعالی عنه قال كان النبی صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم ينصرف عن يمينه " (كتاب صلاة المسافرين وقصرها،باب جواز الانصراف من الصلاة عن اليمين والشمال: ۲۸۰(ح: ۷۰۸)انيس)

وأخرجاعن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ تعالی عنه...لقد رأيت البنی صلی اللّٰہ علیه وسلم كثيراًينصرف عن يساره"(كتاب الأذان،باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال: ۱۷۲(ح:۸٥۲)انيس)

وقال بعضهم هومخيرإن شاء انحرف يمنةً وإن شاء ينحرف يسرة،وهوالصحيح؛لأن ما هوالمقصود من الانحراف وهو زوال الاشتباه يحصل بالأمرين جميعاً".(بذل المجهود ،كتاب الصلاة،باب الإمام ينحرف بعد التسليم: ۳٤٤/۱ (ح:٦۱۲) إمدادية)

"عن قبيصة بن هلب عن أبيه رضی اللّٰہ تعالی عنه،قال: كان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم يؤمنا فينصرف علیٰ جانبيه جميعاً:علی يمينه وعلیٰ شماله".وعليه العمل عند أهل العلم:أنه ينصرف علی أی جانبيه شاء،إن شاء عن يمينه،وإن شاء عن يساره.وقد صح الأمران عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم،ويروی عن علی بن أبی طالب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أنه قال:إن كا نت حاجته عن يمينه أخذ عن يمينه وإن كانت حاجته عن يساره أخذ عن يساره".(جامع الترمذی،كتاب الصلوة،باب ما جاء فی الانصراف عن يمينه وعن شماله: ٦٦/۱ (ح:۳۰۱) سعيد)

وخيره فی المنية بين تحويله يميناً وشمالاًوأماماً وخلفاً".(الدرالمختار، كتاب الصلوة،باب صفة الصلاة،فصل فی بيان تأليف الصلوةإلیٰ انتهائها: ٥۳۱/۱.سعيد)

نماز کی چندصورتوں میں امام کس طرف رخ کرے:

سوال: وضوکند برھمان نماز بنا کند، اگر منفرد باشداوراز سرنو نماز خواندن اَفضل است و اگر امام باشد خلیفہ گیرد، وضوکند وداخل مقتدیان شود، ومقتدی وضوکرد باز آید بمکان کہ آنجا بود۔

(۱) سوال یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے امام مقتدی اور منفرد تین قسم کے لوگ ہیں، پہلے ایک حکم ہے، درنماز حدث لاحق شود وضوکند، پھر امام اور منفرد ومقتدی کے لئے الگ الگ حالتیں بیان کی گئیں، اس عبارت کا صحیح محمل کیا ہے؟

(۲) دو آدمی برابر کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، ایک امام تھا، دوسرا مقتدی، تیسرے شخص نے امام کو آگے بڑھا کر امام کی جگہ کھڑا کر دیا اور خود اسی ایک مقتدی کے ساتھ صف میں کھڑا ہو گیا، اب بعد سلام کے امام اپنی جگہ علی حالہ بیٹھا رہے یا داہنے طرف مڑ کر بیٹھے پھر دعا کرے؟ یہ عصر کی نماز تھی۔

الجواب ـــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

(۱) منفرد کے لئے اس صورت میں استیناف افضل ہے، اس کا اپنا تنہا کا معاملہ ہے، امام کے لئے خلیفہ بنا دینا افضل ہے، اس کے پیچھے دوسرے لوگ بھی ہیں، ان سب کی نماز بھی اس کے ساتھ وابستہ ہے، اس کو خلیفہ بنا دینا افضل ہے؛ تاکہ وقت حدث تک جتنی نماز پڑھ چکے ہیں، وہ خراب اور بیکار نہ ہو، ان کو استیناف (۱) شاق ہوگا، بنا میں یہ بات نہ ہوگی۔ (۲)

(۲) دائیں یا بائیں اس طرح مڑ کر بیٹھ سکتا ہے کہ مسبوق کی طرف اس کا رخ نہ ہو۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۵۲/۵-۶۵۳)

---

(۱) از سرنو ع پڑھنا اور پڑھی ہوئی کو بیکار قرار دینا۔

(۲) ((والاستينافه أفضل)تحرزًا عن الخلاف. (الدرالمختار)

قلت: هذاظاهرفي المنفرد،لأن مانواه هوعين صلاته من كل وجه،بخلاف الإمام أو المقتدى تأمل. (ردالمحتار ،كتاب الصلوة،باب الاستخلاف: ٦٠٣/١ ،سعيد)

(۳) وعن السدى عن أنس أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان ينصرف عن يمينه،عن عبد الله قال: لايجعلن أحدكم للشيطان من نفسه جزأ لا يرى إلا أن حقاً عليه،أن لاينصرف إلاعن يمينه أكثرمارأيت رسول الله عليه وسلم ينصرف عن شماله ". (الصحيح لمسلم،كتاب المساجد،باب جوازالانصراف من الصلوةعن اليمين والشمال: ٢٤٧/١، رقم الحديث: ٧٠٧-٧٠٨ ، قديمى)

وإن كان لايتنفل بعد ها يقعد مكانه،وإن شاء انحرف يميناً أوشمالاً،وإن شاء استقبلهم بوجهه إلاأن يكون بحذائه مصل،سواء كان فى الصف الأول أوفى الأخيروالاستقبال إلى المصلى مكروه،هذاماصححه فى البدائع. (البحر الرائق،كتاب الصلوة،باب صفة الصلوة: ٥٨٥/١،رشيدية)

نماز کے ختم پر دائیں بائیں منھ پھیرنا:

سوال: نماز میں سلام دائیں اور بائیں پھیرنا چاہئے؛ لیکن کہیں منھ قبلہ کی طرف ہی کر کے پھیر دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ سلام ہوا یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

دائیں بائیں منھ پھیرنا سنت ہے۔

"(و)یسن(الالتفات یمیناً،ثم یسارًابالتسلیمتین)".(مراقی الفلاح:۱۶۳)(۱)

"(ثم یسلم عن یمینه ویساره)حتٰی یری بیاض خده،ولوعکس سلم عن یمینه فقط".(۲)

(فتاویٰ محمودیہ:۶۴۹/۵)

نماز کے بعد داہنی یا بائیں طرف رخ کرنا:

سوال: ایک مقامی مسجد جس میں دس سال سے تبلیغی مرکز ہے اور ہفتہ واری اجتماع ہوتا ہے، اجتماع ایک روز جمعہ کی نماز میں مقرر امام کے نہ آنے کی وجہ سے ایک اجنبی شخص نے امامت کی، بعد سلام تسبیح اور دعاء کے لئے بجائے داہنی طرف مڑنے کے یہ خیال کرتے ہوے کہ بائیں طرف مڑنا سنت ہے اور عام طور پر امامت کرتے بھی نہیں ہیں، بائیں جانب مڑ کر تسبیح پڑھی اور دعا کے فراغ عوام میں چہ می گوئیاں ہوئیں کہ نیا طریقہ اس نے کہاں سے نکالا، چند روز بعد بعض مخلص سمجھدار معاونین و کارکنان جماعت نے اس دن فجر کے وقت امام صاحب کو اپنی مخلصانہ رائے پیش کی کہ یہاں کی فضا میں عوام کو ابھی تک تبلیغی کام سے مناسبت نہیں ہوئی ہے اور آپ سے بھی ابھی تک عوام کا ربط نہیں ہوا ہے۔ برائے کرم شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

داہنی طرف رخ کرنے سے اصل امام یا کوئی بھی اس کا نائب گناہ گار نہیں، جب دونوں ہی سنت ہیں، داہنی طرف رخ کرنا بھی، بائیں طرف رخ کرنا بھی، تو کسی ایک طریقہ پر عمل کرنے سے ترک سنت نہیں ہوگا، اس کے شواہد شریعت میں بے شمار ہیں؛ لیکن کسی ایک طریقہ کو لازم قرار دینا، جس سے یہ مفہوم ہونا ہو کہ دوسرا سنت سے ثابت شدہ طریقہ غلط اور خلاف شرع ہے، جائز نہیں، مشکوۃ شریف، ص:۸۷ سے ظاہر ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالی

---

(۱) مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلاة،فصل فی بیان سننها: ۲۷۴،قدیمی

(۲) الدر المختار، کتاب الصلاة،فصل فی بیان تألیف الصلاة إلی انتهائها: ۵۲۴/۱،سعید

علیہ وسلم سے ـــــــــ داہنی طرف رخ فرمانا بھی ثابت ہے اور بائیں طرف رخ کرنا یہ بھی ثابت ہے۔(۱)

بہتر یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی احادیث کوئی عالم نمازیوں کو سنایا کرے تا کہ ان کے سامنے ہر چیز کا سنت طریقہ آئے اور جن غلط فہمیوں میں وہ گرفتار ہیں وہ دور ہوں فتنہ سے پورا پرہیز کیا جائے اور ایسا عمل اختیار نہ کیا جائے جن سے غلط عقیدہ کی تائید ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۴۹/۵ ـ ۶۵۱) ☆

---

(۱) عن أنس رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال: كان النبی صلی اللّٰہ تعالی علیه وسلم ينصرف عن يمينه. رواه مسلم. (كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز الانصراف من الصلاة عن اليمين والشمال: ۲۸۰ (ح: ۷۰۸) انيس)

عن عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال: لايجعل أحدكم للشيطان شيئاًمن صلوٰته يرى أن حقاًعليه أن لا ينصرف إلا عن يمينه، لقد رأيت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم كثيرًا ينصرف عن يساره. متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوٰة، باب الدعاء فی التشهد، الفصل الأول: ۸۷/۱، رقم الحديث: ۹٤٦، قديمی) (كتاب الأذان، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال: ۱۷۲، رقم الحديث: ۸۵۲، انيس)

وإن كان لايتنفل بعد ها يقعد مكانه، وإن شاء انحرف يميناً أوشمالاً، وإن شاء استقبلهم بوجهه إلاأن يكون بحذائه مصل، سواء كان فی الصف الأول أوفی الأخير. (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۵۸۵/۱، رشيدية)

☆ دعا کے وقت امام کا رخ کس جانب ہونا چاہئے:

سوال: دعا کے وقت امام کا بائیں طرف منھ کر کے بیٹھنا نہایت ہی مذموم سمجھتے ہیں، اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــ

دعا کے وقت امام کو داہنی طرف اور بائیں طرف پھرنا دونوں حدیث میں آئے ہیں اور دونوں امر کی شرعاً اجازت ہے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ کرے کہ یہ سمجھے کہ داہنی طرف ہی پھرنا ضروری ہے، میں نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ بائیں طرف کو پھرے۔ انتہی (عن عبد اللّٰہ بن مسعود قال: لايجعل أحدكم للشيطان شيئًا من صلاته يرى أن حقاً عليه أن لاينصرف إلاعن يمينه لقد رأيت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عليه وسلم كثيرًا ينصرف عن يساره. (متفق عليه، مشكوة، كتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشهد، الفصل الأول: ۸۷، رقم الحديث: ۹٤٦، ظفير)

لیکن یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ زیادہ تر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داہنی طرف کو پھرتے تھے۔ (عن أنس رضی اللّٰہ عنه قال: كان النبی صلی اللّٰہ عليه وسلم ينصرف عن يمينه، رواه مسلم. (أيضاً) ظفير) كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز الانصراف من الصلاة عن اليمين والشمال: ۲۸۰، رقم الحديث: ۷۰۸، انيس)

پس معمول یہ رکھنا چاہئے کہ اکثر داہنی طرف کو پھرے اور کبھی کبھی بائیں طرف کو بھی پھر جایا کرے۔ ((فإذا تمت صلاة الإمام فهومخيرإن شاء انحرف عن يساره) وجعل القبلة عن يمينه (وإن شاء انحرف عن يمينه) وجعل القبلة عن يساره وهذا أولٰی لما فی مسلم من حديث البراء: "كنا إذا صلينا خلف النبی صلی اللّٰہ عليه وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه حتی يقبل علينا بوجهه"، فإن مفهومه أن وجهه عند الإقبال عليهم كان يقابل من هوعن يمينه وذلك إنمايكون إذاكان المسجد عن يمينه والقبلة عن يساره، الخ. (غنية المستملی، باب صفة الصلاة: ۳۳۰/۱، ظفير) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۸۸/۲ ـ ۸۹)

جن نمازوں کے بعد نوافل نہیں، ان کے بعد امام کس طرف منھ کر کے بیٹھے:

سوال: جن نمازوں کے بعد سنت مؤکدہ نہیں ہیں، ان نمازوں میں امام کس طرف متوجہ ہو داہنی طرف یا بائیں طرف، یا مقتدیوں کی طرف؟ زید کہتا ہے کہ داہنی طرف متوجہ ہو، عمر کہتا ہے کہ مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو، ان میں سے کون سا قول صحیح ہے اور کس قول پر فتویٰ ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیًا

تینوں طرح درست ہے، کسی ایک کا التزام درست نہیں، داہنی جانب متوجہ ہونا کہ قبلہ بائیں جانب ہو جائے، اولیٰ ہے۔

وعقب الفرض إن لم يكن بعده نافلة يستقبل (الناس) إن شاء إن لم يكن في مقابلة مصل لما في الصحيحين: "كان النبي صلى الله عليه وسلم: إذا صلّى أقبل علينا بوجهه". وإن شاء الإمام انحرف عن يمينه وجعل القبلة عن يساره وهذا أولى لما في مسلم: "كنا إذا صلينا خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه حتى يقبل علينا بوجهه". وإن شاء ذهب لحوائجه، قال تعالىٰ: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ﴾ والأمر للإباحة" آه. (مراقي الفلاح: ۱۷۶)(۱)

عن أنس أن النبي صلى الله عليه وسلم كان ينصرف عن يمينه. قال النووي رحمه الله تعالىٰ: "وجه الجمع بينهما أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يفعل تارةً هذا وتارةً هذا فأخبر كل واحد بما اعتقد أنه الأكثر فيما يعلمه، فدل على جوازهما ولا كراهية في واحد منهما... لكن يستحب أن ينصرف في جهة حاجته سواء كانت عن يمينه أو شماله. فإن استوى الجهتان في الحاجة وعدمها فاليمين أفضل لعموم الأحاديث المصرحة بفضل اليمين في باب المكارم". (۲) **فقط والله سبحانه تعالىٰ أعلم**

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۷۸/۵-۶۷۹)

عصر و فجر میں دکھن جانب رخ کر کے دعا مانگنا:

سوال (۱) زید بعد سلام نماز عصر و فجر میں کبھی کبھی دکھن جانب پھر کر دعا مانگتا ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں؟

---

(۱) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الإمامة، فصل في صفة الأذكار: ۳۱۴، قديمي

(۲) الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب المساجد، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز الانصراف من الصلوٰة عن اليمين وعن الشمال: ۲۴۷/۱، قديمي، انيس)

ہندوستان میں ”انصراف إلی الیمین والیسار“ کا رواج:

(۲) ہندوستان میں بھی علمائے کرام دکھن رخ ہوکر دعا کرتے ہیں یا نہ؟

انصراف مذہب حنفی کے موافق ہے یا نہیں:

(۳) زید کا یہ فعل موافق مذہب امام ابوحنیفہؒ کے ہے یا مخالف؟

حدیث میں انصراف کی مراد کیا ہے:

(۴) حدیث میں ”ینصرف عن یمینه وعن یساره“ کا جو لفظ آتا ہے، آیا یہ ”انصراف للذهاب إلی المنزل“ تھا، یا ”انصراف للدعاء“ تھا؟

”انصراف للدعاء“ کی دلیل:

(۵) ”انصراف للدعاء“ کے عدم ثبوت پر اتر جانب پھر کر دعا مانگنے کی کیا دلیل ہے؟

الجواب

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر داہنی طرف اور کبھی کبھی بائیں طرف بھی پھرتے تھے۔(۱) اسی لئے فقہاءِ کرام نے بھی دونوں طرف ہوکر بیٹھنے اور دعا مانگنے کو مستحب لکھا ہے۔(۲)

(۲) اکثر عوام وخواص زیادہ تر داہنی طرف پھر کر بیٹھتے ہیں اور گاہ گاہ بائیں طرف پھر کر بیٹھتے ہیں۔(۳)

(۳) کبھی کبھی بائیں طرف، یعنی دکھن کی طرف منھ کرکے بیٹھنا فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ کبھی کبھی بائیں طرف کو بھی بیٹھنا اچھا ہے اور مستحب ہے۔(۴)

---

(۱) عن عبد اللّٰه بن مسعود قال: لایجعل أحدکم للشیطان شیئًا من صلوٰته یریٰ أن حقاً علیه أن لاینصرف إلا عن یمینه، لقد رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کثیرًا ینصرف عن یساره. متفق علیه. (مشکوٰة المصابیح، کتاب الصلاة، باب الدعاء فی التشهد، الفصل الأول: ۸۷، حدیث نمبر: ۹٤٦، ظفیر)

عن أنس کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ینصرف عن یمینه. (رواه مسلم) (کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب جواز الانصراف من الصلاة عن الیمین والشمال (ح: ۷۰۸) انیس)

(۲-۴) فإذا تمت صلاة الإمام فهو مخیّر إن شاء انحرف عن یساره) وجعل القبلة عن یمینه (وإن شاء انحرف عن یمینه) الخ (وإن شاء استقبل الناس بوجهه، الخ، هذا إذا لم یکن بعد) الصلوٰة (المکتوبة)... تطوع کالفجر والعصر. (غنیة المستملی، صفة الصلاة: ۳۳۰، ظفیر)

(۴) اس انصراف کا مطلب ''انصراف للدعاء'' کا بھی ہوسکتا ہے۔(۱)

(۵) جبکہ انصراف ''انصراف للدعاء'' کو شامل ہے تو یہی دلیل کافی ہے۔فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبندم:۲/۱۶۶۔۱۶۷)☆

---

(۱) والمراد من الانصراف الالتفات عن جهة الصلاة وهی القبلة أعم من أن يجلس بعده أولا فلذا قال(وإن شاء ذهب إلٰی حوايجه)؛لأنه قضی صلا ته، الخ.(غنية المستملی،صفة الصلاة: ۳۳۰ ، ظفير)

☆ امام کا فجر اور عصر بعد قبلہ رو ہو کر دعا کرنا:

سوال: امام صاحب کا بعد نماز فجر وعصر قبلہ رو ہو کر دعا مانگنا مکروہ ہے؟ اگر مکروہ ہے تو کس قسم کا؟ اور دائیں، بائیں یا مقتدیوں کے سامنے ہو کر دعا مانگنا اگر سنت ہے تو یہ سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟

حامدًا و مصليًا الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

بعد نماز فجر وعصر مستحب ہے کہ امام داہنی جانب یا بائیں جانب خواہ مصلیوں کی طرف ہو کر بیٹھے۔

(قال العلامة الكاسانی: ''فلا يمكث،ولكنه يستقبل القوم بوجهه إن شاء''،الخ.

آگے تحریر فرماتے ہیں:

''ثم اختلف المشايخ فی كيفية الانحراف،قال بعضهم:ينحرف إلٰی يمين القبلة تبركاً بالتيامن،وقال بعضهم:ينحرف إلی اليسار،ليكون يساره إلی اليمين،وقال بعضهم:هومخيرإن شاء انحرف يمينه،وإن شاء يسرة،وهو الصحيح''.(بدائع الصنائع،كتاب الصلاة،بيان مايستحب للإمام: ۳۹٤/۱)

اورضروری تسبیحات پڑھ کر دعا کرے۔ ہمیشہ قبلہ رخ بیٹھ کر دعا کرنا مستحب کے خلاف ہے اور اکثر داہنی طرف رخ کر کے بیٹھنا اولیٰ ہے۔(مسلم) (كان النبی صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم ينصرف عن يمينه.مسلم.(مشكوٰة،باب الدعاء فی التشهد : ۸۷) / (الصحيح لمسلم،كتاب صلاة المسافرين وقصرها،باب جواز الانصراف من الصلاة عن اليمين والشمال: ۲۸۰ (ح:۷۰۸)انيس)

اور تینوں طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کو ضروری سمجھ کر خاص کر لینا بدعت وخلاف سنت ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تینوں طریقے ثابت ومنقول ہیں۔(یمین ویسار کی روایت کا حوالہ گذر چکا،تیسرے طریقے کی روایت یہ ہے:عن سمرة بن جندب رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال:كان النبی صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم إذا صلی صلاة أقبل علينا بوجهه،رواه البخاری (مشكوة، باب الدعاء فی التشهد:۸۷)(البخاری،كتاب الأذان،باب يستقبل الإمام الناس إذا سلم (ح:۸٤۵)انيس)

قبلہ رو بیٹھ کر دعا کرنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول نہیں،اس لئے مستحب کے خلاف ہوگا۔مکروہ ہونا کہیں نظر سے نہیں گذرا۔(''بدائع'' میں کراہت کا قول موجود ہے:''إلا أنه يكره المكث علٰی هيئته مستقبل القبلة.(بدائع الصنائع،كتاب الصلاة ،بيان ما يستحب للإمام : ۳۹۳/۱)اولیت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ تنزیہی کہہ سکتے ہیں۔(مراقی الفلاح: ۵۷/۲) (مكروه تنزيهًا وهو ما تركه أولٰی من فعله،الخ.(حاشية الطحطاوی،فصل فی المكروهات: ۸۰)واللّٰه تعالٰی أعلم وعلمه أتم وأحكم(مرغوب الفتاویٰ:۲/۱۹۸۔۱۹۹)

==

امام کے دائیں بائیں گھومنے کیلئے مقتدی کی کوئی تعداد نہیں:

سوال: یہ مسئلہ صحیح ہے یا نہیں کہ جب تک امام کے ساتھ دس یا اور کوئی عدد مخصوص کے مقتدی نہ ہوں تو بعد سلام نماز کے دائیں بائیں گھوم کر نہ بیٹھے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

یہ مسئلہ صحیح نہیں ہے۔

كما في الشامي: (ولودون عشرة)أى أن الاستقبال مطلق لا تفصيل فيه بين عدد وعدد،الخ، ولايلتفت إلٰى ما ذكره بعض شراح المقدمة من أن الجماعة إن كانوا عشرة يلتفت إليهم،الخ، فإن هٰذاالذى ذكره لا أصل له فى الفقه،الخ. (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۱۸۴و۱۸۵)

نماز کی جگہ بدلنا:

سوال: باجماعت نماز پڑھنے کے بعد اکثر لوگوں کو اپنی جگہ بدلتے دیکھا ہے، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ اگر درست ہے، تو کس سمت کو جگہ بدلنی چاہئے؟ نیز ایسا کرنا سنت ہے یا بدعت؟

امام بھی ایسا ہی کرتا ہے کہ باجماعت نماز پڑھانے کے بعد محراب چھوڑ کر پیچھے چلا آتا ہے اور اپنی جگہ کسی اور کو بھیج دیتا ہے، کیا یہ بھی سنت ہے؟ (سائل: محمد کریم دبئی، یو، اے، ای)

الجوابـــــــــــــــــــ باسمه تعالى

فرض نماز سے فارغ ہو کر امام اور مقتدی دونوں کے لئے جگہ بدل لینا مستحب ہے۔

== امام کا ہمیشہ داہنی طرف گھوم کر دعا مانگنا:

سوال: امام صاحب کا ہمیشہ نماز کے بعد داہنی طرف گھوم کر دعا مانگنا کیسا ہے؟

حامدًا و مصليًا الجوابـــــــــــــ و باللّٰه التوفيق

داہنی طرف گھومنے کو لازم سمجھ لینا حسب ارشاد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نماز میں شیطان کا حصہ مقرر کر لینا ہے۔ **(عن عبد اللّٰه بن مسعود قال: لا يجعل أحدكم للشيطان شيئًا من صلاته يرى أن حقاً عليه أن لا ينصرف إلا عن يمينه لقد رأيتُ رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم كثيرًا ينصرف عن يساره" متفق عليه. (مشكوة، الفصل الأول، باب الدعاء فى التشهد:۸۷)(كتاب الصلاة، باب الدعاء فى التشهد، الفصل الأول، رقم الحديث: ۹٤٦، انيس)** حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دونوں طرف پھیرنا ثابت ہے۔ **فقط واللّٰه تعالٰى أعلم وعلمه أتم وأحكم** (مرغوب الفتاویٰ:۲/۱۹۸)

(۱) **رد المحتار، باب صفة الصلاة، قبيل فصل فى القراءة: ۱/٤۹٦، ظفير (مطلب: فيما زاد على العدد فى التسبيح عقب الصلاة، انيس)**

سنن ابی داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے:

" أيعجز أحدكم أن يتقدم أو يتأخر عن يمينه أو عن شماله يعني في السبحة". (۱)

" کیا تم میں سے ایک آدمی اس بات سے قاصر ہے کہ فرض نماز کے بعد جب سنت شروع کرے، تو ذرا آگے پیچھے دائیں بائیں ہولیا کرے"۔

کتبہ: **محمد یوسف لدھیانوی**، بینات۔ ربیع الثانی: ۱۴۰۰ھ۔ (فتاویٰ بینات: ۲/۲۶۹)

فرض ادا کرنے کے بعد امام سنت کہاں ادا کرے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ظہر، مغرب اور عشا کی نمازوں کے بعد امام کے لئے محراب میں سنت پڑھنا مکروہ ہے کیا یہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: ملک جہاں نزیب آفریدی درہ آدم خیل کوہاٹ......۳۰/اگست ۱۹۸۹ء)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

جس فرض کے بعد سنت ہو تو فرض پڑھانے والے امام کے لئے مستحب ہے کہ آگے یا پیچھے ہو جائے اور جانب چپ یا راست (دائیں یا بائیں) کو ہو جائے اور یا گھر کو چلا جائے۔ (۲) فقط (فتاویٰ فریدیہ: ۲/۲۸۲)

نمازی کے آگے سے ہٹنے کا مسئلہ:

سوال: اگر میں کسی نمازی کے بالکل آگے بیٹھا ہوا ہوں اور وہ نمازی نماز میں مشغول ہے تو اگر میں اپنی جگہ سے ہٹ کر کسی اور جگہ جانا چاہوں تو کیا ہٹ سکتا ہوں؟ کیا بیٹھے رہنا اور نمازی کے نماز ختم کرنے کا انتظار کرنا اولیٰ ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

ہاں بیٹھے رہنا اور ختم نماز کا انتظار کرنا اولیٰ ہے اور ہٹ جانا بھی درست ہے، البتہ اگر نمازی دائیں جانب کچھ ہٹا ہوا ہے تو اس کے بائیں جانب سے ہٹے اور اگر بائیں جانب ہٹا ہوا ہے تو دائیں جانب سے ہٹے اور اگر بالکل ہی محاذات میں ہو تو ہر طرف سے ہٹ سکتے ہیں۔ (۳) فقط واللہ اعلم

کتبہ العبد نظام الدین الاعظمی عفی عنہ، مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (نظام الفتاویٰ، جلد پنجم، جزء اول: ۱۶۸)

---

(۱) سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في الرجل يتطوع في مكانه الذي صلى فيه المكتوبة: ١٤٤/١، ط: مير محمد، رقم الحديث: ١٠٠٦)

(۲) قال الحصكفي: يستحب للإمام التحول ليمين القبلة الخ. قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: وإن كان بعدها تطوع وقام يصليه يتقدم أو يتأخر أو ينحرف يميناً أو شمالاً أو يذهب إلى بيته فيتطوع ثمة. (رد المحتار: ٣٩٢/١، مطلب فيما لو زاد على العدد في التسبيح عقب الصلاة، آداب الصلاة) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، انيس)

(۳) کیوں کہ ان صورتوں میں مرور (گذرنا) لازم نہیں آتا ہے۔ انیس

صبح کی نماز کے بعد سلام کرنا کیسا ہے:

سوال: اکثر لوگ صبح کی نماز کے بعد ''سلام علیک'' کرتے ہیں، یہ سنت ہے یا نہیں؟

الجواب ______________________

ہمیشہ اس کا التزام کر لینا بدعت ہے۔ (فتاوی عزیزی:۶ / ۴۷)

ساتھ والے کو دیکھ کر نماز پوری کرنا:

سوال: زید نماز میں شامل ہوا جب کہ ایک رکعت ہو چکی تھی، جب بقیہ رکعتیں ادا کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو یاد نہ رہا کہ میری کتنی رکعت باقی ہیں، اس کے ساتھ ایک اور آدمی نماز میں شامل ہوا تھا، زید نے سوچا کہ اس کو دیکھ کر نماز پوری کرلوں گا، چنانچہ اس کے ساتھ ساتھ نماز پوری کر لی، کیا اس کی نماز درست ہوگئی؟

الجواب ______________________

اگر اس دوران زید تین دفعہ ''سبحان ربی العظیم'' کہنے کی مقدار کہیں خاموش منتظر نہیں رہا تو زید کی نماز ہوگئی۔

ولو نسی أحد المسبوقين المتساويين كمية ماعليه فقضٰى ملاحظاً للاٰخر بلا اقتداء به صح، هٰكذا فى الخلاصة، آه. (الفتاوىٰ الهندية: ۱ / ۹۸)(۱)فقط والله أعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی جامعہ ہٰذا۔ (خیر الفتاویٰ:۲ / ۲۷۳)

بعض حروف ادا کرتے وقت گردن جھکانا:

سوال: ہمارے امام صاحب نماز پڑھاتے وقت گردن اور سر کو جہاں بھی ''ع'' یا ''ح'' ہو، اس طرح کرتے ہیں، جیسے مرغا اذان پڑھتا ہے اور اپنی گردن کو اوپر نیچے کرتا ہے، کبھی ایک ٹانگ کے اوپر کھڑے ہو جاتے ہیں، یعنی ایک ہی ٹانگ پر سارا زور دیکر کھڑے ہوتے ہیں تو ان صورتوں میں حنفیہ کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ______________________ حامداً و مصلیاً

قیام طویل ہو تو کبھی ایک ٹانگ پر بوجھ دینا، کبھی تھک جائے تو دوسری پر بوجھ دینا درست ہے، اس سے نماز خراب نہیں ہوتی، (۲) البتہ ''ع'' اور ''ح'' ادا کرتے وقت سر کو جھکانے کی ضرورت نہیں، یہ بلا ضرورت ہے، اگرچہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، تاہم اس سے احتیاط کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔ ۱۹ / ۱۰ / ۱۳۹۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵ / ۶۵۷)

(۱) الباب الخامس فى الإمامة، الفصل السابع فى المسبوق واللاحق، انیس

(۲) وللمتطوع الاتكاء علىٰ شيء كعصا وجدار (مع الإعياء): أى التعب بلاكراهة وبدونه يكره. (الدر المختار) ==

نماز میں متعدد امور کی کوتاہی:

سوال: وہ ارکان جن کی ادائیگی دانستہ طور پر اس طرح کی جاتی ہے اور اب ایک رواج کی صورت تک پہنچ چکی ہے۔
(الف) قومہ صحیح ادا نہ کرنا، رکوع سے حسب سابق سیدھا کھڑا نہ ہونا اور سجدہ میں چلے جانا۔
(ب) جلسہ صحیح ادا نہ کرنا، پہلے سجدہ کے بعد حسب سابق سیدھا نہ بیٹھنا اور فوراً دوسرے سجدہ میں چلے جانا۔
(ج) دوران نماز خصوصاً قیام میں بار بار کھانسنا، بار بار ہاتھ اٹھا کر کسی جگہ کھجلانا، کپڑا سمیٹنا۔
(د) التحیات میں بیٹھتے ہی دونوں ہاتھوں سے قمیص کے دامن کو کھینچ کر درست کرنا،
(ہ) دوان رکوع اپنے ہاتھ گھٹنے سے ہٹا کر پنڈلی اور ران وغیر کو کھجلانا،
(و) دوران سجدہ ایک ہاتھ اٹھا کر کانوں، منھ وغیرہ کو کھجلانا، اسی طرح پاؤں کو دوران سجدہ اٹھالینا۔
(ز) دوران نماز آستین چڑھا کر رکھنا، جب کہ قمیص بھی پوری آستین والی ہے۔
ان تمام امور سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر فاسد نہیں ہوتی تو مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

ان جملہ امور میں احکام شرعی کی رعایت لازم ہے۔
بعض کے ارتکاب میں کراہت ہلکی ہے، بعض میں شدید ہے، بعض میں فساد نماز کا بھی مظنہ ہے، نماز ام العبادات ہے، تھوڑی سی بے توجہی اور غفلت سے اس کو ناقص اور فاسد کر دینا بڑا خسارہ ہے، اپنے عمدہ لباس پر معمولی دھبہ

== "قوله: (وللمتطوع) لعل وجهه أن التطوع قد يكثر كالتهجدفيؤدى إلى التعب فلم يكره له الاتكاء، بخلاف الفرض فإنه زمنه يسير، وإلافالمفترض إن عجزفقد مرحكمه، وإن تعب فالظاهر أنه لايكره له الاتكاء، تأمل". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۱۰۱/۲، سعيد)

وقال العلامة الرافعي رحمة اللّٰه تعالىٰ: (فالظاهر أنه لايكره له الاتكاء) لكن مقتضى تقييدهم بالمتطوع أن المفترض يكره له الاتكاء ولومع الإعياء وكأنه لأن زمنه يسيرفلم يكن الإعياء فيه نافياً للكراهة". (تقريرات الرافعي، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۱۰٤/۲، سعيد)

ويكره القيام على أحد القدمين فى الصلاة بلاعذر". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٤٤٤/۱، سعيد) (مطلب: قد يطلق الفرض علىٰ ما يقابل الركن وعلىٰ ما ليس بركن ولا شرط، بحث القيام، انيس)

"قوله: (وللمتطوع) قيدبه؛ لأن المفترض إذا لم يقدرعلى القيام إلابه، لزمه" آه. (حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۳۲۰/۱، دارالمعرفة بيروت)

(قوله: وبدونه يكره)؛ لأنه إساءة أدب فالكراهة تنزيهية". (حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۳۲۰/۱، دارالمعرفة بيروت)

برداشت نہیں کیا جاتا، جوفریضہ اورتحفہ حق تعالی شانہ کی بارگاہ عالی میں پیش کیا جائے، اس کو بہتر سے بہتر طریقہ پر ہر قسم کے دھبہ سے صاف رکھ کر پیش کیا جائے۔(۱) فقط واللہ تعالی اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔۲۰/۶/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔۲۲/۶/۱۳۸۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۶۵۵/۵)

آداب صلوۃ ترک ہوجانے کا حکم:

سوال: اگر کسی سے آداب یعنی مستحبات نماز رہ جائیں تو اس سے نماز پر کیا اثر پڑے گا؟ نماز کا دوبارہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز کے اندر آداب کا لحاظ رکھنا افضل اور بہتر ہے البتہ اگر کسی وجہ سے کبھی رہ جائیں نماز بلا کراہت صحیح اور درست ہے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

قال العلامة الحصكفي:(ولها آداب)تركه لايوجب إساءةً ولا عتاباً كترك السنة الزوائد لكن فعله أفضل.(۲)(فتاویٰ حقانیہ:۱۰۶/۳)

---

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه :أن رجلاًدخل المسجد ورسول الله صلى الله عليه وسلم جالس في ناحية المسجد، فصلّى ثم جاء فسلم عليه ،فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم:"وعليك السلام ،ارجع فصل فإنك لم تصل فرجع فصلّى،ثم جاء فسلم فقال:"وعليك السلام،ارجع فصل فإنك لم تصل"فقال:في الثالثة أوفي التي بعدها:علمني يا رسول الله ! فقال :"إذاقمت إلى الصلوٰة فأسبغ الوضوء،ثم استقبل القبلة فكبر،ثم اقرأ بما تيسرمعك من القرآن ،ثم اركع حتّى تطمئن راكعاً،ثم أرفع حتى تستوى قائماً،ثم اسجد حتى تطمئن ساجداً،ثم ارفع حتى تطمئن جالساً،ثم اسجد حتّى تطمئن ساجداً،ثم ارفع حتى تطمئن جالساً".وفي رواية :"ثم ارفع حتى تستوى قائماً،ثم افعل ذلك في صلوٰتك كلها".متفق عليه.(مشكوة المصابيح ،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،الفصل الأول: ٧٥/١،رقم الحديث: ٧٩٠ ،قديمي)

"ومن الواجبات تعديل الأركان عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله.وفي المغرب:والمراد بتعديل أركان الصلاة: تسكين الجوارح في الركوع والسجود والقومة بينهماوالقعدة بين السجدتين ". (الفتاوى التاتارخانية ، كتاب الصلوة،الفصل الثاني في فرائض الصلوةوواجباتها وسننها وآدابها: ٥١٠/١،إدارة القرآن والعلوم الاسلامية كراچی)

(۲) الدرالمختارعلى صدرردالمحتار،باب صفة الصلاة: ٤٧٧/١ـ

(قال العلامة السيد أحمد الطحطاوي : (تحت قوله(الأدب مافعله الرسول)صلى الله عليه وسلم مرة أومرتين ولم يواظب عليه)وتركه لا يوجب إساءةً ولا عتابًا لكن فعله أفضل،آهـ .(طحطاوي حاشية مراقي الفلاح، فصل من آدابها: ٢٢٤)

ہر رکن میں دھیان کا حاضر رہنا:

سوال: ہر رکن میں دھیان نہیں رہتا کہ اب رکوع میں ہوں، یا قومہ میں، یا سجدہ میں، یا قعدہ میں، تو کیا نماز ہوجائے گی؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

انشاء اللہ تعالیٰ ہوجائے گی، مگر کوشش کرتا رہے۔ (۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۴۱/۵-۶۴۲)

جمائی روکنے کا طریقہ:

سوال: بحالت نماز اگر جمائی آئے تو اس کو کیسے روکیں؟ خاص کر رکوع وسجود میں۔

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

داہنے ہاتھ کی پشت منھ پر رکھ لی جائے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۵۳/۵)

---

(۱) ”أن تعبد اللّٰہ کأنک تراہ،فإنک إن لا تراہ فإنہ یراک“ . (الصحیح لمسلم،کتاب الإیمان: ۲۷/۱، قدیمی)(باب بیان الإیمان والإسلام،رقم الحدیث: ۵،انیس)

”فلو اشتغل قلبہ بتفکر مسألۃ مثلاً فی أثناء الأرکان،فلاتستحب الإعادۃ.وقال البقالی:لم ینقص أجرہ إلا إذا قصر“ .(ردالمحتار،کتاب الصلاۃ،باب شروط الصلاۃ: ۴۱۷/۱،سعید)(مطلب:فی حضور القلب والخشوع،انیس)

ولو تفکر فی صلاتہ فتذکر حدیثاً أو شعرًا أو خطبۃً أو مسئلۃً،یکرہ ولاتفسد صلاتہ،ہکذا فی السراج الوہاج. (الفتاوی الہندیۃ،کتاب الصلاۃ،الباب السابع فیمایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا،الفصل الأول فیمایفسدہا: ۱۰۰/۱،رشیدیۃ)

(۲) عن أبی ہریرۃ رضی اللّٰہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: ”العطاس من اللّٰہ والتثاؤب من الشیطان، فإذاتثاؤب أحدکم ،فلیضع یدہ علی فیہ آھ“.(جامع الترمذی،أبواب الاستیذان الأدب عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ،باب ما جاء أن اللّٰہ یحب العطاس ویکرہ التثاؤب: ۱۰۳/۲، رقم الحدیث: ۲۷۴۶،سعید)

(وإمساک فمہ عند التثاؤب،فإن لم یقدرغطاہ)بظہر(یدہ)الیسری ،وقیل:بالیمنی لوقائماً،وإلافیسراہ ،اھ مجتبیٰ“ .(الدرالمختار).”وعبارۃ الشارح فی الخزائن:أی بظہر یدہ الیمنی الخ،فالمناسب إبدال الیسریٰ بالیمنیٰ“ . (رد المختار،کتاب الصلاۃ،باب صفۃ الصلاۃ،آداب الصلاۃ: ۴۷۸/۱،سعید)

وقال علامۃ الرافعی:”(فالمناسب إبدال الیسری بالیمنی)،الذی رأیتہ فی عدۃ نسخ من الشرح بظہریدہ الیمنی.(تقریرات الرافعی،کتاب الصلاۃ،باب صفۃ الصلاۃ: ۵۹/۱،سعید)

داہنے ہاتھ سے کھجائے یا بائیں ہاتھ سے کھجائے:

سوال: نماز میں قیام کی حالت میں اگر کسی جگہ بدن پر خارش آئے اور کسی وجہ سے بائیں ہاتھ سے کھجایا تو نماز ٹوٹ گئی یا نہیں؛ کیونکہ ہمارے یہاں امام صاحب کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہوئی، داہنے ہاتھ سے کھجایا جائے؟ فقط

الجواب ــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر خارش کو ضبط نہیں کرسکتا تو حالت قیام میں داہنے ہاتھ سے کھجائے؛ لیکن اگر بائیں ہاتھ سے بھی کھجایا تو محض بایاں ہونے کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔ ۱۶/۷/ ۱۳۷۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۵۴/۵)

نماز میں ترجمہ پر توجہ:

سوال: نماز ہی میں سورۂ فاتحہ اور سورتوں کا ترجمہ سوچنا اور اس پر غور وفکر کرنا کیسا ہے؟ اگر اس طرح کیا جائے تو دھیان اِدھر اُدھر نہیں جاتا؟ (محمد سیف اللہ، حافظ بابانگر)

الجوابــــــــــــ

اگر کوئی شخص ترجمہ سے واقف ہو اور کلماتِ قرآنی کو پوری توجہ سے سنتے ہوئے اپنے ذہن کو اس کے معانی کی طرف متوجہ رکھے تو کچھ حرج نہیں؛ کیونکہ قرآن کی بالخصوص جہری تلاوت کا مقصد ظاہر ہے کہ صرف الفاظِ قرآنی سے کان کو محظوظ کرنا نہیں؛ بلکہ اس کے معانی ومقاصد بھی مطلوب ہیں، اگر قرآن کے معانی پر بھی توجہ ہو تو نماز میں خشوع اور انابت الی اللہ کی کیفیت بڑھ جاتی ہے، اس لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں، ہاں! معانیٔ قرآن کے سواء دوسری

(۱) (وعبثه به): أي بثوبه (وبجسده) للنهي، إلالحاجة، لابأس به. (الدر المختار)

قوله: (إلا لحاجة) كحك بدنه لشيء أكله وأضره، وسلت عرق يؤلمه ويشغل قلبه، وهٰذالو بدون عمل كثير، قال في الفيض: الحك بيدو احدة في ركن ثلاث مرات يفسد الصلاة إن رفع يده في كل مرة. (رد المختار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاةوما يكره فيها: ٦٤٠/١، سعيد) (مطلب: في الكراهة التحريمية والتنزيهية، انيس)

وإمساك فمه عند التثاؤب، فإن لم يقدر غطاه بظهر يده اليسرى، وقيل: باليمنى لو قائماً، وإلافيسراه، آه. مجتبى. (الدر المختار)

وفي ردالمحتار: وعبارة الشارح في الخزائن: أي بظهر يده اليمنى الخ، فالمناسب إبدال اليسرى باليمنى. (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٤٧٨/١، سعيد)

(فالمناسب إبدال اليسرى باليمنى)، الذي رأيته في عدة نسخ من الشرح بظهريده اليمنى. (تقريرات الرافعي، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ٥٩/١، سعيد)

باتوں کی طرف قصداً ذہن کو متوجہ رکھنا مکروہ ہے؛ لیکن نماز اس سے بھی فاسد نہیں ہوتی، علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں کہ اگر نماز میں غور وفکر کرے اور شعر اور خطبہ یاد کرلے اور ان دونوں کو دل ہی دل میں پڑھ لے، زبان سے اس کا تکلم نہ کرے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

"فقرأهما بقلبه ولم يتكلم بلسانه، لاتفسد صلاته". (۱) (کتاب الفتاویٰ:۲/۲۰۵-۲۰۶)

سجدۂ شکر کرنا کیسا ہے:

سوال: سجدۂ شکر کا کیا حکم ہے اور بعد صلاۃ کرنا چاہئے، یا کس وقت اور بعد نماز بلا وجہ سجدہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب

سجدۂ شکر عند تجدد النعمۃ مستحب ہے۔

في الدر المختار: وسجدة الشكر مستحبة. (۲)

اور بعد نماز کے بلا وجہ مکروہ ہے۔

كما فيه أيضًا: لكنها تكره بعد الصلاة لأن الجهلة يعتقدونها سنةً أو واجبةً وكل مباح يؤدي إليه فمكروه، الخ. (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۲/۱۶۲)

خشوع نہ ہونے کی صورت میں نفل کا اعادہ کیسا ہے:

سوال: اگر نماز میں خشوع نہ ہوا اور اعادہ کرے تو کچھ حرج تو نہیں یا غیر اللہ کا خیال آنے سے نیت توڑ دے، نفل میں ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب

اعادہ نہ کرے اور نیت بھی نہ توڑے، ایسا کرنے سے شیطان کو زیادہ موقع وسوسہ کا ملتا ہے، اس لئے نفل میں بھی نہ کرے۔ (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۲/۱۷۵)

بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنے کا حکم:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا ضروری نہیں ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوپی کو سترہ بنایا تھا کیا یہ صحیح ہے؟

---

(۱) البحر الرائق: ۲/ ۱٤، ط: پاکستان، کوئٹة) (كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة ومايكره فيها، انيس

(۲-۳) الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب سجود التلاوة: ۱/ ۷۳۱، ظفير

(۴) فلو اشتغل قلبه بتفكر مسئلة مثلاً في أثناء الأركان فلا تستحب الإعادة، وقال البقالي: لم ينقص أجره إلا قصر. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، مطلب في حضور القلب والخشوع: ۱/ ۳۸۷، ظفير)

الجواب

بغیر ٹوپی کے نماز پڑھنا مکروہ ہے اور ٹوپی کو سترہ بنانے والی حدیث ضعیف ہے، (۱) اس سے استدلال درست نہیں، نیز مختلف روایات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اور اسلاف امت کا عمل بھی ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا منقول ہے۔

ملاحظہ ہو، درمختار میں ہے:

(فی باب مکروهات الصلاة) :(وصلاته حاسرا)أی کاشفا (رأسه للتکاسل)وفی الشامی: (للتکاسل) أی لأجل الکسل بأن استثقل تغطیته ولم یرها أمرا مهمافی الصلاة فترکهالذلک. (الدرالمختارمع الشامی: ١/ ٦٤١، مکروهات الصلاة ، سعید وکذا فی شرح منیة المصلی:٣٤٨،سهیل)

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے:

کھلے سر پھرنا آج کل فیشن ہوگیا ہے اور اس کو فساق و فجار نے اختیار کیا ہے اور یہ بہت قبیح ہے۔

علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں:

”ولا یخفی علی عاقل أن کشف الرأس مستقبح وفیه إسقاط مروءة وترک أدب“. (تلبیس إبلیس: ۳۷۳)(۲)

عاقل پر پوشیدہ نہیں ہے کہ سر کھولنا قبیح ہے اور مروت کو ختم کرنا اور ادب اور شریفانہ تہذیب کے خلاف ہے۔

قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

”ویکره کشف رأسه بین الناس“. (غنیة الطالبین: ۱/ ۱۳)(۳)

لوگوں کے درمیان سر کھولنا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ:۶/ ۳۵۱)

سنت اور فرض کے درمیان کھانا پینا یا باتیں کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ صبح کی نماز میں فرض اور سنت کے

(۱) حدیث:”کان یلبس القلانس تحت العمائم وبغیرعمامة وربما نزع قلنسوته من رأسه فجعلها سترة بین یدیه ثم یصلی إلیها“ أخرجه الطبرانی وأبوالشیخ والبیهقی فی شعب الإیمان من حدیث ابن عمر: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یلبس قلنسوة بیضاء ،ولأبی الشیخ من حدیث ابن عباس: کان لرسول الله صلی الله علیه وسلم ثلاث قلانس، قلنسوة بیضاء مضربة وقلنسوة بردحبرة قلنسوة ذات آذان یلبسها فی السفر وفربماوضعها بین یدیه إذا صلی، وإسنادهما ضعیف ،الخ. (تخریج أحادیث إحیاء علوم الدین،بیان آدابه وأخلاقه فی اللباس: ١/ ٨٦١،دارابن حزم بیروت. انیس)

(۲) تلبیس إبلیس،ذکرتلبیس إبلیس علی الصوفیة فی الوجد: ١/ ٢٣٢،دارالفکربیروت. انیس

(۳) غنیة لطالبین،فصل فی الإستئذان: ١/ ٥١،دارالکتب العلمیة بیروت. انیس

درمیان یا نماز ظہر کی سنت اور فرض کے درمیان کھانا پینا اور باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سے سنت کا اعادہ لازم ہے یا نہیں؟ بینوتوجروا۔

(المستفتی: مولوی نصیب خان حسن خیل شمالی وزیرستان......۱۰/نومبر ۱۹۸۹ء)

الجواب

فرائض اور سنن کے درمیان یہ امور منقص ثواب ہیں؛ لیکن موجب اعادہ نہیں ہیں۔(شرح التنویر علی هامش ردالمحتار: ۱/۴۵۷)(۱) وهو الموفق (فتاویٰ فریدیہ:۲/۲۸۶)

---

(۱) قال العلامة الحصكفي: ولو تكلم بين السنة والفرض لا يسقطها ولكن ينقص ثوابها، وقيل تسقط. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار: ۱/۵۰۳، مبحث مهم في الكلام على الضجعة بعد سنن الفجر، باب الوتر والنوافل)

والكلام بين السنة والفرض وكل عمل ينافي التحريمة لا يسقطها ولكن ينقص ثوابها على الأصح. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في بيان النوافل: ۳۸۹، دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

نماز کے اندر کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا کرنا مستحب ہے اور زیادہ ثواب کا باعث ہے اور نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہے ان کے چھوڑنے والے کو برا بھلا نہیں کہا جائے گا اور نہ اس پر غصہ کیا جائے گا لیکن ان کا کرنا افضل ہے (درمختار بر شامی:۱/۳۲۱)

۱- آستین کے اندر ہتھیلی ہو تو تکبیر تحریمہ کے وقت مرد کو اس کو باہر نکالے۔

(الف) لیکن ٹھنڈ ہو تو نہ نکالے۔ (ب) عورتیں اپنی ہتھیلیاں چھپائے رکھیں۔

۲- مرد و عورت دونوں کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ کی جگہ اور رکوع کی حالت میں دونوں پاؤں کے قدم کی پشت (اوپر) کو اور سجدہ کی حالت میں ناک کا بانسہ (نرم حصہ) کو بیٹھنے کی حالت میں گود کو اور دائیں جانب سلام کرتے وقت مونڈھے کو اور بائیں جانب سلام کرتے وقت بائیں مونڈھے کو دیکھنا۔ (مراقی: ص۱۵۱)

۳- جہاں تک ہو سکے کھانسی کو روکنا۔ (مراقی: ص۱۵۱)

(الف) اگر کھانسی روکنے میں ضرر ہو یا روکنے میں دل میں مشغول ہونے سے قراءت میں یا بلند آواز سے پڑھنے میں رکاوٹ ہو تو نہ روکے۔ (طحطاوی:۱۵۱)

(ب) اگر کھانسنے میں کوئی حرف کی آواز نکل جائے یاڈ کارنے میں نکل جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ (طحطاوی:۱۵۱)

۴- جمائی کے وقت منہ بند کرنا۔ (مراقی:۱۵۱)

(الف) منہ پر ہاتھ رکھے بغیر بند ہو سکے تو ہاتھ یا آستین سے بند کرنا مکروہ ہے۔ (طحطاوی) ورنہ نہیں۔ (مراقی:۱۵۱)

(ب) ہاتھ سے بند کرنے کی صورت میں یہ ہے کہ ہاتھ باندھے ہو تو دائیں ہاتھ کی پشت منہ پر رکھے، ورنہ بائیں ہاتھ کی پشت منہ پر رکھیں۔

۵- امام محراب سے دور ہو اور صفوں کے پیچھے آگے سے آئے تو جس صف کے پاس سے گزرے وہ صف کھڑی ہو جائے اور امام آگے سے مسجد میں داخل ہو تو امام کو دیکھتے ہی سب مقتدی کھڑے ہو جائیں اور اگر امام و مقتدی سب لوگ موجود ہوں تو جلدی اٹھ کر صف سیدھی کریں اور حی علی الفلاح کے بعد کوئی بیٹھا نہ رہے۔ (طحطاوی علی الدرالمختار وغیرہ) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل:۲۶۰-۲۶۱) (انیس)

نماز میں قرأت کے احکام ومسائل

قرأت میں ترتیب کا لحاظ:

سوال: نماز میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورتیں جوضم کی جاتی ہیں، ان کی ترتیب حسب ذیل کی جاتی ہے۔
یعنی! اول ''إِذَاجَاءَ'' پھر '' تَبَّتْ'' یا اسی طرح اول '' أَلَمْ تَرَكَيْفَ'' اور دوسری میں '' لِإِيْلَافِ'' یہ صورت تو مسنون اور جائز کہی جاتی ہے، کیا اس کے خلاف بھی جائز ہے؟ مثلاً: پہلی رکعت میں '' تَبَّتْ'' اور دوسری میں ''إِذَا جَاءَ'' وغیرہ وغیرہ۔
ایک شخص اول رکعت میں ''إِذَا جَاءَ'' پڑھتا ہے اور دوسری میں ''قُلْ هُوَاللّٰهُ'' یا سورۂ ناس ملاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟ ایک شخص اول رکعت میں نصف ''سورۂ مزمل'' مثلاً پڑھ کر پھر ''قُلْ هُوَاللّٰهُ'' پڑھ کر جمعہ کی نماز میں رکوع کرتا ہے اور دوسری رکعت میں معوذتین دونوں پڑھ کر رکوع کرتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سورتوں کو ترتیب سے پڑھنا واجب ہے، (۱) پس پہلی رکعت میں '' تَبَّتْ'' اور دوسری میں '' إِذَا جَاءَ'' پڑھنا ... درست نہیں ہے اور فرائض میں ایک چھوٹی سورت کا فاصلہ کرنا، مثلاً پہلی رکعت میں '' إِذَا جَاءَ'' اور دوسری رکعت میں ''قُلْ هُوَاللّٰهُ'' پڑھنا مکروہ ہے، (۲) اور نوافل میں ایسا کرنا درست ہے اور ایک رکعت میں نصف ''سورۂ مزمل'' مثلاً پڑھ کر ''قُلْ هُوَاللّٰهُ'' اس کے ساتھ ملانا مکروہ ہے۔ اسی طرح دوسری رکعت میں معوذتین یعنی دو سورتیں پڑھنا بھی اچھا نہیں ہے، اگرچہ نماز صحیح ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۲۲۲-۲۲۳) ☆

---

(۱)　... وفي التجنيس: لو قرأ سورة ثم قرأ الثانية سورة قبلها ساهياً لايجب عليه السجود لأن مراعاة ترتيب السور من واجبات نظم القرآن، لا من واجبات الصلاة، فتركها لايوجب سجود السهو. (البحر الرائق، سجود السهو: ۲/ ۱۰۲، دار الكتاب الإسلامي بيروت. انيس)

(۲)　اگر کوئی اس طرح پڑھ لے تو نماز کراہت کے ساتھ جائز ہوگی، سجدۂ سہو واجب نہیں ہوگا۔ انیس

(۳)　ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسًا إلا إذا ختم فيقرأ من البقرة...و لا يكره في النفل شيء من ذلك. (الدر المختار)

وفي التاترخانية: إذا جمع بين سورتين في ركعة رأيت في موضع أنه لابأس به. وذكر شيخ الإسلام: لاينبغي له أن يفعل، إلخ. (رد المحتار، فصل في القراءة: ۱/ ۵۱۰، ظفير)
==

نماز میں ترتیب سوَر کا لحاظ:

سوال: ترتیب سوَر قرآنیہ کا نماز میں کیا حکم ہے؟ مثلاً ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ کے بعد ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

فرائض وواجبات میں اس تقدیم وتاخیر کو مکروہ لکھا ہے اور نوافل میں درست ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۳۶-۲۳۷) ☆

== (كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية،قبيل باب الإمامة،انيس)

☆ قرأت میں ترتیب:

سوال: ہماری مسجد میں امام صاحب نے عشا کی نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ بقرہ کا آخری رکوع اور دوسری رکعت میں دوسرے پارہ کے دوسرے رکوع کی تلاوت فرمائی، نماز ختم ہونے کے بعد ایک صاحب نے یہ اعتراض کیا، تلاوت میں تسلسل کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے، نیز سجدۂ سہو بھی نہیں کیا گیا، اس لئے نماز کا اعادہ ضروری ہے، ان کے اصرار کے بعد نماز کو دوبارہ لوٹا لیا گیا تو کیا اس صورت میں نماز کا لوٹانا ضروری ہے؟ (محمد افضل، عثمانیہ یونیورسیٹی کالونی، شیخ پیٹھ)

الجواب

جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اس میں نماز ادا ہوگئی، نماز کو دہرانے کی ضرورت نہیں تھی؛ تاہم اس طرح قرآن پڑھنا بہتر نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”ولو قرأ في ركعة من وسط سورة أومن آخرسورة وقرأ في الركعة الأخرىٰ من وسط سورة أخرى أومن آخرسورة أخرى لاينبغي له أن يفعل ذلك علىٰ ما هوظاهرالرواية،و لكن لوفعل ذلك لا بأس به،كذا في الذخيرة“.(الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ۸۷/۱،الفصل الرابع في القراءة.محشي)

ترجمہ: ”اگر ایک رکعت میں کسی سورہ کا وسطی یا آخری حصہ پڑھے، اور دوسری رکعت میں دوسری سورت کا وسطی یا آخری حصہ، تو یہ مناسب نہیں، یہی ظاہر روایت ہے؛ لیکن اگر ایسا کر ہی گزرے، تو جائز ہے“۔

اگر دوسرے پارہ سے مراد کوئی اور پارہ نہیں، بلکہ پارہ سیقول ہے، تو یہ صورت خلاف ترتیب قرآن پڑھنے کی ہے، قصداً ترتیب کی خلاف ورزی مکروہ ہے؛ لیکن نماز ہوجاتی ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۹۶-۱۹۷)

(۱) ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسًا ... ولايكره في النفل شيء.(الدرالمختار)

(قوله وأن يقرأ منكوسًا)بأن يقرأ في الثانية سورة أعلىٰ مما قرأ في الأولىٰ؛لأن ترتيب السور في القراءة من واجبات التلاوة.(رد المحتار،فصل في القراءة: ۵۱۰/۱،ظفير)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،فصل في القراءة، مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية،قبيل باب الامامة: ۵۴۶/۱،دارالفكر،انيس)

☆ نماز میں سورتوں کے درمیان ترتیب:

سوال: قرآن میں جس ترتیب سے سورتیں ہیں، اسی ترتیب سے نماز میں سورتیں پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ (عائشہ جبین، تالاب کٹہ) ==

آیتوں میں ترتیب:

سوال: نماز میں کسی نے ایک آیت طویل اور تین آیتیں چھوٹی پڑھیں، تو ان تین آیتوں میں ترتیب ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی نے ایک آیت چھوٹی پڑھی، اس کے بعد دو یا تین آیت سہواً چھوڑ کر پھر تین یا چار آیت پڑھی، تو نماز ہوئی یا نہیں؟ مثلاً سورۂ صف کی اول آیت پڑھی اور دوسری تیسری سہواً چھوڑ کر چوتھی آیت سے آخر رکوع تک پڑھ کر رکعت پوری کی۔

الجواب ــــــــــــــــــــ و باللّٰه التوفيق

سورۂ صف کے پڑھنے میں اگر ایک دو آیتیں پڑھنے کے بعد چند آیتیں سہواً چھوٹ گئیں اور اس کے بعد کی آیتیں ترتیب کے ساتھ پڑھی گئیں تو نماز درست ہوگئی، نہ اعادہ کی حاجت ہے اور نہ سجدۂ سہو کی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ۔۱۱/۲/۷ ۱۳۴۷ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۱/۴۴) ☆

==

الجواب ــــــــــــــــــــ

فقہا نے لکھا ہے کہ نماز میں سورتوں کو ترتیب سے پڑھنا واجب ہے، لیکن اگر کسی وجہ سے ترتیب قائم نہ رہ سکی، تو نہ سجدۂ سہو واجب ہوگا اور نہ نماز کو لوٹانا، گویا اس کی نماز کچھ نقص کے ساتھ ہوگئی۔

"إذا قرأ فی الرکعة الأولیٰ سورة وقرأ فی الرکعة الثانیة سورة قبلها لا سهو علیه". (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۱/۱۷۷)

ترتیب سے مراد یہ ہے کہ پہلی رکعت میں جو سورت پڑھی گئی ہے، دوسری رکعت میں اس کے بعد والی سورت پڑھی جائے۔(کتاب الفتاویٰ:۲/۲۰۳۔۲۰۵)

(۱) وإذا انتقل من آیة إلی آیة أخریٰ من سورة أخریٰ أو من هذه السورة وبینهما آیات یکره. (المحیط البرهانی، الفصل الرابع فی کیفیتها: ۱/۳۰۴، دارالکتب العلمیة بیروت. انیس)

☆ نماز میں آیات وسورتوں کا خلاف ترتیب پڑھنا:

سوال: کوئی امام پہلی رکعت میں انتیسویں پارہ کی کوئی سورۃ پڑھے اور دوسری رکعت میں دوسرے پارہ کی آیات پڑھے، تو نماز ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو کیسی نماز ہوئی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ و باللّٰه التوفيق

قرآن شریف جس ترتیب سے ہے، اس کے خلاف نماز میں پڑھنا مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ۔۱۹/۱۱/۱۳۴۴ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۱/۴۳۔۴۴)

خلاف ترتیب سورتیں نماز میں پڑھنا مکروہ تحریمی ہے:

سوال: امام یا منفرد نماز فرض یا سنت ونفل میں پہلی رکعت میں ''لِإِیْلَافِ''اور دوسری میں ''سورۂ فیل'' یا پہلی رکعت میں ''سورۂ فیل''اور دوسری میں '' أَ لَمْ نَشْرَحْ'' پڑھیں تو نماز مکروہ تحریمی ہوئی یا مکروہ تنزیہی اور نماز قابل اعادہ ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز فرض وواجب میں اس طرح برعکس ترتیب یعنی معکوس پڑھنا مکروہ تحریمی ہے،(۱)اور نوافل میں مکروہ نہیں ہے۔

''وأن یقرأ منکوسًا،الخ، ولایکرہ فی النفل شئ من ذلک''الخ.(۲)

اور امام ومنفرد کا حکم اس بارہ میں برابر ہے۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۲۴) ☆

(۱) قالوا:یجب الترتیب فی سور القرآن،فلوقرأ منکوسًا أثم لکن لایلزمہ سجود السھو؛لأن ذلک من واجبات القراء ۃ لا من واجبات الصلاۃ،کما ذکرہ فی البحرفی باب السھو،الخ. (رد المحتار،باب صفۃ الصلاۃ: ۱/۴۲۶، ظفیر) (مطلب کل صلاۃ أدیت مع کراھۃ التحریم تجب إعادتھا،انیس)

(۲) الدرالمختارعلیٰ ھامش رد المحتار، فصل فی القراء ۃ:۱/۵۱۰-۵۱۱،ظفیر)(کتاب الصلاۃ،باب صفۃ الصلاۃ، فصل فی القراء ۃ،مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایۃ،قبیل باب الإمامۃ،انیس)

☆ قراءت خلاف ترتیب کی کراہت:

سوال: استفتاء نمبر:۲۴۹۵،موصول ہوا،آپ نے نمبر:۳ میں تحریر فرمایا ہے کہ فرائض اور واجبات میں اس تقدیم وتاخیر کومکروہ لکھا ہے اور نوافل میں درست ہے، مجھے اس میں کچھ کلام ہے۔

آج میری نظر سے بخاری شریف کی ایک حدیث گذری،جس میں یوسف بن مالک راوی ہیں کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ!''اے ام المومنین مجھے اپنا قرآن شریف دکھا دیجئے؟ آپ نے فرمایا: کیوں؟ کہا:اس لئے کہ اس کی ترتیب کے موافق اپنا قرآن کراؤں،اس لئے کہ لوگ بے ترتیب پڑھ رہے ہیں،آپ نے فرمایا کہ تیرا کچھ حرج نہیں ہے،جونسی آیت چاہے پڑھ لے''۔(الصحیح للبخاری،باب تألیف القرآن (ح:۴۹۹۳)انیس)

اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ بخاری شریف میں کہیں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز پڑھائی،تو پہلی رکعت میں سورۂ کہف اور دوسری میں سورۂ یوسف پڑھی۔(صحیح البخاری،تعلیق:۱/۱۵۴،دارطوق النجاۃ۔انیس)اس سے معلوم ہوا کہ یہ تقدیم وتاخیر مکروہ نہیں ہے۔

الجواب

بندہ نے جو کچھ دربارہ کراہت خلاف ترتیب فرائض میں پڑھنے کولکھا تھا،وہ حنفیہ کا مذہب ہے اور اس میں احتیاط ہے،باقی یہ اس کا مطلب نہ تھا کہ اس میں کسی کا خلاف نہیں ہے۔ممکن ہے کہ بعض دیگر حضرات اس کومکروہ نہ کہتے ہوں،مگر حنفیہ کا مذہب وہ ہے جو بندہ نے لکھا ہے،چنانچہ درمختار میں اس کی تصریح ہے۔(**ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ و أن یقرأ منکوسًا...ولایکرہ فی النفل شئ من ذلک.** (الدرالمختارعلیٰ ھامش رد المحتار،فصل فی القراء ۃ: ۱/۵۱۰، ظفیر)(کتاب الصلاۃ،باب صفۃ الصلاۃ،فصل فی القراء ۃ ،مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایۃ،قبیل باب الامامۃ،انیس) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۴۹)

خلاف ترتیب قرأت کا کیا حکم ہے:

سوال: فرضوں کی پہلی رکعت میں ﴿قُلْ هُوَاللّٰه﴾ اور دوسری میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ پڑھی جاوے، تو جائز ہے یا مکروہ؟ اور تراویح کی پہلی رکعت میں "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبّ النَّاسِ" اور دوسری میں سورۂ بقرہ کی چند آیات پڑھنا کیسا ہے؟ اور پہلی رکعت میں غلطی سے سولہویں پارہ کا رکوع پڑھا اور دوسری میں پندرہویں پارہ کا رکوع پڑھا، یہ صورت مکروہ ہے یا کیا؟

الجواب

پہلی رکعت فرض میں ﴿قُلْ هُوَاللّٰه﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَق﴾ پڑھنا جائز ہے، مکروہ نہیں ہے۔ (۱) اسی طرح تراویح میں پہلی رکعت میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبّ النَّاسِ﴾ اور دوسری رکعت میں اول سورۂ بقرہ سے چند آیات پڑھنا جائز ہے، (۲) اور سہواً اگر پہلی رکعت میں سولہویں پارہ کا رکوع اور دوسری رکعت میں پندرہویں پارہ کا رکوع پڑھا گیا، تو اس میں بھی کچھ کراہت نہیں ہے، البتہ فرضوں میں قصداً ایسا نہ کرنا چاہئے کہ مکروہ ہے بھول کر ہو تو کچھ حرج نہیں ہے۔ (۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۲۵۷-۲۵۸) ☆

---

(۱) اس میں کراہت کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے کہ ترتیب کے مطابق ہے، البتہ خلاف ترتیب مکروہ ہے۔

"ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسًا. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل فى القراءة: ۱/ ۵۱۰)

اور اگر شبہ ہو کہ ﴿قُلْ هُوَاللّٰه﴾ چھوٹی ہے اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَق﴾ بڑی، تو یہ برائے نام ہے اور کراہت کے لئے تین آیت سے زیادہ ہونا چاہئے۔

"(وإطالة الثانية على الأولىٰ يكره) تنزيهًا (إجماعًا إن بثلاث آيات) الخ (وإن بأقل لا) يكره. (أيضًا: ۱/ ۵۰۶) والله أعلم، ظفير) (كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فى القراءة، قبل باب الإمامة، انيس)

(۲) وإذا قرأ فى الأولىٰ ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبّ النَّاسِ﴾ ينبغى أن يقرأها فى الثانية أيضًا إلخ وفى الولوالجية: من يختم القرآن فى الصلاة إذا فرغ من المعوذتين فى الركعة الأولىٰ يركع ثم يقوم فى الركعة الثانية يقرأ بفاتحة الكتاب وشئ من البقرة. (غنية المستملى: ۴٦۳، ظفير)

(۳) أفاد أن التنكيس أو الفصل بالقصيرة إنما يكره إذا كان عن قصد، فلو سهوًا فلا، كما فى شرح المنية. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فى القراءة، مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية، قبيل باب الإمامة: ۱/ ۵۱۰، ظفير)

☆ **خلاف ترتیب قراءت کا کیا حکم ہے:**

سوال: در قراءۃ تقدیم "اَلَمْ نَشْرَحْ" وتاخیر "وَالضُّحٰى" جائز است یا نہ؟ واگر سہواً ایں چنیں کند سجدۂ سہو ہست یا نہ؟ (قراءت میں "اَلَمْ نَشْرَحْ" کو مقدم کرنا اور "وَالضُّحٰى" کو مؤخر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر سہواً ایسا کرے، تو سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟) ==

پہلی رکعت میں مزمل کا حصہ اور دوسری میں بقرہ کا حصہ پڑھا، تو نماز ہوئی یا نہیں:

سوال: امام نے مغرب کی اول رکعت میں بعد الحمد شریف پہلا رکوع سورہ مزمل کا پڑھا، دوسری رکعت میں پہلا رکوع ''الٓم'' کا پڑھا اور سجدۂ سہو بھی نہیں کیا، نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں نماز صحیح ہوگئی اور سجدۂ سہو لازم نہیں ہوا، مگر آئندہ اس طرح خلاف ترتیب قرآنی نہ پڑھنا چاہئے کہ اس طرح پڑھنا فرائض میں مکروہ ہے۔ **كذا في الدر المختار:**

''ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسًا''. (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۳۷)

پہلی رکعت میں پارہ ستائیس سے اور دوسری میں پہلے سے پڑھے، تو کیا حکم ہے:

سوال: نماز جمعہ میں رکعت اول میں ستائیسویں پارہ میں سے ایک رکوع پڑھا گیا اور رکعت دوئم میں پارہ اول میں سے ایک رکوع پڑھا، نماز درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب

اس طرح پڑھنا فرائض میں مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ خلاف ترتیب قرآنی ہے۔

درمختار میں ہے:

''ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسًا''. (الدر المختار)

(قوله وأن يقرأ منكوسًا) بأن يقرأ في الثانية سورة أعلىٰ مما قرأ في الأولىٰ لأن ترتيب السور في القراءة من واجبات التلاوة، الخ. (ردالمحتار: ٣٦٧) (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۴۱)

==

الجواب

قصداً تقدیم ''اَلَمْ نَشْرَحْ'' وتاخیر ''وَالضُّحٰی'' نکند وبحالت سہو، سجدۂ سہو نیست۔ (قصداً ''اَلَمْ نَشْرَحْ'' کو مقدم اور ''وَالضُّحٰی'' کو مؤخر نہ کرے، اور سہو کی حالت میں سجدۂ سہو نہیں ہے۔) (في الدر المختار: ''ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوسًا''. قال الشامي: لأن ترتيب السور في القراءة من واجبات التلاوة (إلىٰ أن قال) إنما يكره إذا كان عن قصد فلو سهوًا فلا. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، في فصل القراءة، مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية: ۱/۵۱۰، جميل الرحمن) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۶۸)

(۱) ردالمحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۱۰، ظفير) (الدر المختار علىٰ صدر ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية، قبيل باب الإمامة، انيس)

(۲) رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة، مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية: ۱/۵۱۰، ظفير

نماز میں مختلف سورتوں کا رکوع پڑھنا کیسا ہے:

سوال: ایک سورۃ کا رکوع پڑھنا رکعت اول میں اور اسی سورت یا دوسری سورت کا رکوع پڑھنا دوسری رکعت میں، یا دوسری پوری سورت کا پڑھنا دوسری رکعت میں، یا ایک سورت کو دو رکعت میں پڑھنا جائز ہے یا خلاف اولیٰ؟

الجواب

جواب اول یہ ہے کہ یہ سب خلاف استحباب ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مسنون ومستحب یہ ہے کہ پوری سورت ایک رکعت میں مفصل میں سے موافق ترتیب فقہا کے پڑھے جو معروف ہے اور کتب فقہ میں مذکور ہے۔

قال الشامی: لأن السنة فی الحضر فی کل رکعة سورة تامة، کما یأتی. (۱)

وفیه بعد صفحة: مع أنهم صرحوا بأن الأفضل فی کل رکعة الفاتحة وسورة تامة. (۲)

پس جزءِ سورت کا پڑھنا خلاف افضل وخلاف مستحب ہے، جس کا مآل کراہت تنزیہی ہے نہ کہ کراہت تحریمی۔ (۳) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۵۲-۲۵۳)

نماز میں متفرق پاروں سے قرأت جائز ہے:

سوال: میں نے بیشتر فرائض میں متفرق سیپاروں کے رکوع اور مختلف سیپاروں اور سورتوں کی آیات پڑھی ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس سے نمازوں میں کچھ فرق تو نہیں آیا؟

الجواب

جو عمل آپ کا پہلے رہا ہے متفرق آیات نماز میں پڑھنے کا، اس میں کچھ گناہ نہیں ہوا اور نمازوں میں کچھ فرق نہیں آیا۔ البتہ آئندہ کو فرائض میں ہر ایک رکعت میں پوری سورۃ پڑھا کریں، یہ سنت ہے۔ ایک سورت کو دو رکعت میں نہ کریں، متفرق آیات ورکوع بھی نہ پڑھا کریں۔ نفلوں میں درست ہے۔ (۴) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۵۹)

---

(۱) رد المحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۰۳، ظفیر (کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب السنة تکون سنة عین وسنة کفایة، انیس)

(۲) أیضًا: ۱/۵۰۵۔

(۳) وفی الخلاصة: إذا قرأ سورة واحدة فی رکعتین اختلف فیه، والأصح أنه لایکره، ولکن لاینبغی أن یفعل ولو فعل لابأس به، ولو قرأ وسط السورة أو آخر سورة فی الأولیٰ، وفی الثانیة وسط سورة أو آخر سورة أخریٰ: أی لاینبغی أن یفعل، ولو فعل لابأس به، وفی نسخة الحلوانی: قال بعضهم یکره. (فتح القدیر، کتاب الصلاة، فصل فی القراءة، فروع مهمة فی القراءة خارج الصلاة: ۱/۲۹۹، ظفیر)

(۴) الأفضل أن یقرأ فی کل رکعة الفاتحة و سورة کاملة فی المکتوبة، إلخ ولو قرأ بعض السورة فی رکعة ==

رکعات نماز میں مختلف سورتوں کے رکوع پڑھیں، تو کوئی مضائقہ نہیں:

سوال: کوئی امام اگر اس طرح قرأت پڑھا کرے کہ مثلاً اس کو ہر پارہ کا ایک ایک رکوع یاد ہے اور ہر نماز میں ایک رکوع پڑھتا ہے، اسی طرح بالترتیب تمام ختم کر لیتا ہے پھر بعد ختم ابتدا سے شروع کرتا ہے۔ اس طرح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اس طرح پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ ہر ایک میں پوری سورۃ پڑھے، اس طریقے سے کہ جس طرح فقہا نے لکھا ہے کہ صبح اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل اور عصر وعشا میں اوساطِ مفصل اور مغرب میں قصارِ مفصل میں سے کوئی سورت پڑھے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۴۶)

فرض میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جزو سورۃ کا پڑھنا صراحتاً ثابت نہیں:

سوال: فرض نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت میں علاوہ سورتوں کے رکوع پڑھے ہیں یا نہیں؟

الجواب

کتب فقہ میں یہ لکھا ہے کہ ہر ایک رکعت میں پوری سورت پڑھنا مستحب اور سنت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر پوری ہی سورت پڑھی اور شاید کبھی علاوہ سورت کے کہیں سے کوئی رکوع پڑھا ہو، مگر تصریح نہیں ہے۔(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۳۸)

== والبعض فی رکعة قيل:يكره،وقيل: لايكره وهوالصحيح ،...ولكن لاينبغی أن يفعل ولوفعل لابأس به،كذا فی الخلاصة،ولوقرأ فی ركعة من وسط سورة أومن آخرسورة وقرأ فی الركعة الأخرىٰ من وسط سورة أخرىٰ أومن آخرسورة أخرىٰ لاينبغی له أن يفعل ذلک علىٰ ما هوظاهرالرواية و لكن لوفعل ذلک لابأس به ... هذا كله فی الفرائض وأما فی السنن فلايكره.(الفتاوىٰ الهندية،كشوری،الباب الرابع فی صفة الصلاة،الفصل الرابع فی القراء ة:۱/۷۷،ظفير)

(۱) واستحسنوا فی الحضرطوال المفصل فی الفجروالظهر،وأوسطه فی العصروالعشاء و قصاره فی المغرب الخ الأفضل أن يقرأ فی كل ركعة الفاتحة وسورة كاملة فی المكتوبة، الخ.(الفتاوىٰ الهندية، المصرية،الباب الرابع فی صفة الصلاة،الفصل الرابع فی القراء ة: ۱/۷۲-۷۳،ظفير)

عن سليمان بن يسارعن أبی هريرة أنه قال:مارأيت رجلا أشبه بصلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم من فلان لإمام كان بالمدينة قال سليمان بن يسار:فصليت خلفه،فكان يطيل الأوليين من الظهر ويخفف الأخريين ويخفف العصر ويقرأ فی الأوليين من المغرب بقصار المفصل ويقرأ فی الأوليين من العشاء من وسط المفصل ويقرأ فی العداة بطوال المفصل.(مسندالإمام أحمد،مسند أبی هريرة (ح:۸۳٦٦)

عن الحسن وغيره قال:كتب عمرإلى أبی موسىٰ أن اقرأ فی المغرب بقصارالمفصل وفی العشاء بوسط المفصل وفی الصبح بطوال المفصل.(مصنف عبدالرزاق،باب مايقرأ فی الصلاة (ح:۲٦٧۲)انيس)

(۲) مع أنهم صرحوا بأن الأفضل فی كل ركعة الفاتحة وسورة تامة.(رد المحتار،فصل فی القراء ة: ۱/۵۰۵) (كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب السنة تكون سنة عين وسنة كفاية،انيس)

سنت ووتر میں متفرق آیات پڑھنے کا حکم:

سوال: سنت مؤکدہ اوروتر میں متفرق آیات پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

وتر اور سنت مؤکدہ میں بھی بہتر پوری سورۃ پڑھنا ہے؛ لیکن متفرق آیات پڑھنا بھی جائز ہے۔(۱)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۵۹-۲۶۰)

پہلی رکعت میں رکوع اور دوسری میں سورۃ کی قرأت کی جائے، تو کیا حکم ہے:

سوال: جولوگ اول رکعت میں رکوع اور دوسری رکعت میں سورۃ جو رکوع سے بڑی نہیں ہوتی پڑھتے ہیں، یہ جائز ہے یا مکروہ؟

الجواب

کراہت اس میں کچھ نہیں ہے؛(۲) البتہ فضیلت اس میں ہے کہ دونوں رکعت میں پوری پوری سورت پڑھی جاوے۔(کذا فی الشامی) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۳۵) ☆

(۱) لوقرأ فی رکعة من وسط سورة أومن آخرسورة وقرأ فی الرکعة الأخریٰ من وسط سورة أخریٰ أومن آخر سورة أخریٰ لاینبغی له أن یفعل ذلک علیٰ ما هوظاهرالروایة ولکن لوفعل ذلک لابأس به (إلیٰ قوله)هذا کله فی الفرائض وأما فی السنن فلایکره.(الفتاویٰ الهندیة،الباب الرابع فی صفة الصلاة،کشوری،الفصل الرابع فی القراء ة:۱/۷۷)

(۲) وکذا لوقرأ فی الأولیٰ من وسط سورة أومن سورة أولها ثم قرأ فی الثانیة من وسط سورة أخریٰ،الخ، أوسورة قصیرة الأصح أنه لایکره.(رد المحتار،فصل فی القراء ة: ۱/۵۱۰)(کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایة،قبیل باب الإمامة ،انیس)

مع أنهم صرحوا بأن الأفضل فی کل رکعة الفاتحة وسورة تامة.(أیضًا،مطلب السنة تکون سنة عین وسنة کفایة: ۱/۵۰۵،ظفیر)

☆ **فجر کی ایک رکعت میں ایک رکوع پڑھا اور دوسری میں کوئی سورت تو کیا حکم ہے:**

سوال: فجر یا کسی نماز میں کسی سورۃ کا رکوع، اور دوسری رکعت میں کسی سورۃ کا جزو یا کل پڑھا تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب

مستحب یہ ہے کہ ہر رکعت میں پوری سورۃ پڑھے۔(والأفضل أن یقرأ فی کل رکعة سورةتامة ولوقرأ بعض السورة فی رکعة وباقیها فی رکعة قیل یکره والصحیح أنه لا یکره،إلخ.(الکبیری:۴۶۲)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۶۶)

پہلی رکعت میں ایک سورۃ کا ایک حصہ اور دوسری میں دوسری سورت کا حصہ پڑھا جائے تو درست ہے یا نہیں؟

سوال: اگر امام اول رکعت میں ایک سورت کا پہلا رکوع اور دوسری رکعت میں دوسرا رکوع پڑھے، تو جائز ہے یا نہیں؟

سورۂ ناس کا نصف پہلی رکعت میں اور نصف دوسری میں پڑھنا:

سوال: ایک شخص نے رکعت اولیٰ میں سورۃ الناس شروع کردی، نصف سورت پڑھ کر رکوع کردیا اور نصف سورت رکعت ثانی میں پڑھی، آیا نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

نماز ہوگئی۔ (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۴۲/۲) ☆

ایک سورۃ کو کئی حصے کرکے نماز میں پڑھنے کا حکم:

سوال: بعض امام جو سورت قرآن کی دو رکعتوں میں دو ٹکڑے کرکے پڑھتے ہیں، یا کہیں سے رکوع پڑھ دیتے ہیں، یہ سنت ہے یا خلاف اولیٰ ہے یا مکروہ ہے؟

==
لجواب

نماز درست ہے۔ (ولوقرأ بعض السورة فی رکعة والبعض فی رکعة قیل یکره وقیل لایکره وهو الصحیح، کذا فی الظهیریة. (الفتاویٰ الهندیة المصریة، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الرابع فی القراء ة : ۷۳/۱، ظفیر) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۳۵/۲)

(۱) ولوقرأ بعض السورة فی رکعة وباقیها فی رکعة قیل یکره والصحیح أنه لایکره. (غنیة المستملی شرح منیة المصلی، تتمات: ۴۶۲، ظفیر)

عن ابن مسعود أنه قرأ سورة بنی إسرائیل إلی قوله ﴿قل ادعوا اللّٰه أو ادعوا الرحمن﴾ فی الرکعة الأولیٰ ثم قام إلی الثانیة وختم السورة. (بدائع الصنائع: ۲۰۶/۱، دارالکتب العلمیة. انیس)

☆ **ایک سورت کو دو رکعت میں تقسیم کرکے پڑھنے کا حکم:**

سوال: ایک شخص نے ایک سورت کی تلاوت شروع کی، ایک رکعت میں دو تہائی سورہ پڑھ کر رکوع کرلیا، سورت کا بقیہ حصہ دوسری رکعت میں پڑھا، اس طرح کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامدًا ومصلیًا

ایک رکعت میں پوری سورت پڑھنی چاہئے، لیکن اگر دو رکعت میں تقسیم کرکے پڑھا ہے، تو بھی نماز ہوجائے گی۔

”الأفضل أن یقرأ فی کل رکعة الفاتحة وسورة کاملة فی المکتوبة ولوقرأ بعض السورة فی رکعة والبعض فی رکعة قیل: یکره وقیل: لا یکره، وهو الصحیح، کذا فی الظهیریة. ولکن لاینبغی أن یفعل ولوفعل لابأس به“. (الفتاویٰ الهندیة: ۷۸/۱) (الباب الرابع فی صفة الصلاة، إلخ، الفصل الرابع فی القراء ة، انیس) فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۵۲/۳)

الجواب

فی الهندية: الأفضل أن يقرأ فی كل ركعة الفاتحة وسورة كاملة فی المكتوبة، فإن عجز الآن يقرأ السورة فی الركعتين كذا فی الخلاصة. ولو قرأ بعض السورة فی ركعة والبعض فی ركعة قيل: يكره وقيل لايكره وهو الصحيح كذا فی الظهيرية، ولكن لاينبغی أن يفعل ولو فعل لا بأس به، كذا فی الخلاصة، ولو قرأ فی ركعة من وسط سورة أو من آخر سورة وقرأ فی الركعة الأخرى من وسط سورة أخرىٰ أو من آخر سورة أخرىٰ لا ينبغی له أن يفعل ذلک علىٰ ماهو ظاهر الرواية، و لكن لو فعل ذلک لا بأس به كذا فی الذخيرة، فی الحجة لو قرأ فی الركعة الأولىٰ آخر سورة و فی الركعة الثانية سورة قصيرة كما لو قرأ آمن الرسول فی ركعة وقل هو اللّٰه أحد فی ركعة لايكره، كذا فی التتارخانية. قراءة آخر السورة فی الركعتين أفضل من قراءة السورة بتمامها إن كان آخرها أكثر آية من السورة وإن كانت السورة أكثر آية فقرأتها أفضل، هٰكذا فی الذخيرة. (۱)

روایات مرقومہ سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں بقول اصح مکروہ نہیں؛ مگر عادۃ اس کے خلاف اولیٰ ہے اور اگر احیاناً ہوتو ایک درجہ میں مسنون بھی ہے۔

روی مسلم عن ابن عباس قال: كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يقرأ فی ركعتی الفجر ﴿قُوْلُوْا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا﴾ والتی فی آل عمران ﴿قُلْ يَآ أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ (۲)

۳؍محرم ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولی، صفحہ: ۲۴) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۴۹-۲۵۰)

نصف آیت سے قرأت کی ابتدا مناسب نہیں:

سوال: زید ہمیشہ نماز میں قرأت نصف آیت سے شروع کرتا ہے، نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب

نماز ہوجاتی ہے؛ لیکن ایسا نہ کرنا چاہئے کہ یہ امر نامشروع اور خلاف قواعد ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۴۰)

---

(۱) الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الرابع فی القراءة: ۱/۹٤.

(۲) مشكوٰة المصابيح، كتاب الصلوٰة، فصل أول من باب القراءة فی الصلوٰة: ۱/۲٦۷ (الصحيح لمسلم، باب استحباب ركعتی سنة الفجر (ح: ۷۲۷) انیس)

(۳) والأفضل أن يقرأ فی كل ركعة سورة تامة. (غنية المستملی: ٤٦۲)

==

آیت کا شروع چھوڑ کر قرأت کی جائے تو نماز ہوئی یا نہیں:

سوال: امام نے بعد سورۂ فاتحہ، سورۂ فتح کے آخر رکوع کی آخیر آیت ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ﴾ چھوڑ کر یعنی ﴿وَالَّذِیْنَ مَعَهُ اَشِدَّاءُ﴾ (الآیة) یعنی ﴿مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ أَجْرًا عَظِیْمًا﴾ تک پڑھا نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

نماز ہوگئی، مگر شروع آیت کا چھوڑنا اچھا نہیں ہوا۔ (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۶۳)

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ﴿سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا﴾ سے قرأت کی ابتدا کرنا خلاف اولیٰ ہے:

سوال: ایک شخص نے سورۂ بنی اسرائیل سے قرأت اس طرح کی کہ ﴿سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنْ رُّسُلِنَا﴾ سے ابتدا کی اور اس کے بعد ختم رکوع تک پڑھتا چلا گیا، نماز کے بعد زید نے کہا کہ نماز فاسد ہوگئی؛ کیوں کہ معنی متغیر ہوگئے، اگر ﴿وَاِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ﴾ سے ابتدا کی جاتی تو نماز درست ہوجاتی، عمرو نے کہا کہ نماز اب بھی درست ہوگئی ہے، اعادہ واجب نہیں، پس فیصلہ فرمایا جائے کہ ان دونوں میں صحیح قول کس کا ہے؟

الجواب

اس طرح قرأت کرنا خلاف اولیٰ ضرور تھا؛ (۲) مگر نماز صحیح ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں۔

لأن فواصل الآی فی أنفسها مقاطع فاذا جاز الوقف علٰی قوله ﴿اِلَّا قَلِیْلاً﴾ جاز الابتداء بقوله ﴿سنة من قد أرسلنا﴾ أیضًا لجواز الفصل بین الحال وذی الحال کقوله تعالٰی ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ﴾ وهو حال من قوله ﴿بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا﴾ (علٰی قول وهو کما) تری مفصول واللّٰه تعالٰی أعلم

۱۸/رجب ۱۳۴۷ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۱۹۵-۱۹۶)

== سورۃ کے بعض حصے کو پڑھنا اور کچھ بعض حصہ کو نہ پڑھنے کو فقہا نے مکروہ لکھا ہے تو آیت ادھوری پڑھنا کب مناسب ہوگا۔

ولو قرأ بعض السورة فی رکعة وباقیها فی رکعة قیل یکره والصحیح أنه لایکره. (أیضًا، ظفیر)

(۱) الأفضل أن یقرأ فی کل رکعة الفاتحة وسورة کاملة فی المکتوبة إلخ ولو قرأ فی رکعة من وسط سورة أو من آخر سورة وقرأ فی الرکعة الأخریٰ من وسط سورة أخریٰ أو من آخر سورة أخریٰ لاینبغی له أن یفعل ذلک علٰی ما هو ظاهر الروایة ولکن لو فعل ذلک لابأس به کذا فی الذخیرة، (الفتاویٰ الهندیة المصریة، الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل الرابع فی القراءة: ۱/۷۳، ظفیر)

(۲) لکون الوصل بین الحال وذی الحال حسناً.

فرض نماز میں بتدریج پورا قرآن:

سوال: زید نے فرض نماز میں امام ہوکر تمام قرآن شریف تین چار ماہ میں پڑھا، اخیر پارہ ایک ایک رکعت میں کئی کئی سورہ اور اخیر رکعت میں کسی قدر ﴿الٓمٓ﴾ سے ﴿مفلحون﴾ تک پڑھا، تو اس فرض نماز میں کچھ کراہت ہے یا نہیں؟

الجواب

اس میں تو کچھ حرج نہیں ہے کہ اگر پہلی رکعت میں قرآن شریف ختم کرے، مثلاً ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھی تو دوسری رکعت میں سورۂ بقرہ میں سے کچھ آیتیں پڑھیں۔ کما فی الشامی عن شرح المنیة :

من یختم القرآن فی الصلاة إذا فرغ من المعوذتین فی الرکعة الأولٰی یرکع ثم یقرأ فی الثانیة بالفاتحة وشيء من سورة البقرة لأن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: خیر الناس الحال المرتحل: أی الخاتم المفتتح، الخ. (۱)

لیکن فرائض کی ایک ایک رکعت میں کئی کئی سورتیں پڑھنا تو اچھا نہیں؛ یعنی خلاف اولیٰ ہے۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۲۴۹، ۲۵۰)

نماز میں سورۃ انشقاق وغیرہ پڑھنے کا حکم:

سوال: فرضوں میں سورۂ اقرأ، سورۂ انشقاق یعنی سجدہ والی سورت ارادۃً پڑھنی کیسی ہیں اور ان کے پڑھنے سے نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) رد المحتار، فصل فی القراءة: ۱/ ۵۱۰، ظفیر (کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایة، انیس)

عن رجل من الأسکندریة قال: قیل یا رسول اللّٰه ! أی العمل أفضل ؟قال: الحال المرتحل، قال: قیل له: ما الحال المرتحل؟قال: الخاتم المفتتح .(الزهد والرقائق لابن المبارک والزهد لنعیم بن حماد (ح: ۸۰۰)/ ورواه الدارمی عن زرارة بن أوفٰی عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، باب فی ختم القرآن (ح: ۳۵۱۹)/ ورواه الترمذی عن زرارة بن أوفٰی عن ابن عباس عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ، باب منه (ح: ۲۹۴۸) : ۵/ ۴۸، دارالغرب الإسلامی بیروت لبنان وقال الترمذی: هذا حدیث غریب لانعرفه من حدیث ابن عباس إلا من هذاالوجه وإسناده لیس بالقوی ،حدثنا محمد بن بشار قال: حدثنا مسلم بن إبراهیم قال: حدثنا صالح المری عن قتادة عن زرارة بن أوفٰی عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم نحوه بمعناه ولم یذکر فیه عن ابن عباس وهذا عندی أصح من حدیث نصر بن علی عن الهیثم بن الربیع. انیس)

(۲) ولو جمع بین سورتین فی رکعة لاینبغی أن یفعل ولوفعل لابأس به. (فتح القدیر، فصل فی القراءة: ۱/ ۲۹۹، ظفیر)(کتاب الصلاة، فروع مهمة فی الفتاوٰی، انیس)

الجواب

اگر مقتدی زیادہ نہ ہوں تو سورۂ انشقاق پڑھنے میں کچھ کراہت نہیں اور اگر زیادہ ہوں (جن کے اشتباہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو) تو سورۂ انشقاق اور اسی طرح وہ سورتیں، جن میں آیت سجدہ کے بعد تین آیتیں ہوں، ان کا پڑھنا مکروہ ہے۔(۱) (امداد الاحکام:۲/۱۹۶)

نماز میں سورۂ لہب کی تلاوت:

سوال: میرے ایک عزیز کہتے ہیں کہ نماز میں سورۂ لہب نہیں پڑھنی چاہئے، تو کیا نماز میں اس سورہ کے پڑھنے کی ممانعت ہے؟ (محمد جہانگیر الدین، باغ امجد الدولہ)

الجواب

قرآن مجید کی کوئی بھی سورت نماز میں پڑھی جاسکتی ہے۔

"يقرأ فاتحة الكتاب وسورةً أوثلث آيات من أي سورة شاء". (۲)

اگر اس سورہ کے پڑھنے میں کوئی قباحت ہوتی، تو یہ سورت نازل ہی نہیں ہوتی، یا نازل ہوتی تو تلاوت منسوخ کردی جاتی؛ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس لیے عوام میں جو یہ بات مشہور ہے کہ سورۂ لہب نہیں پڑھنی چاہئے، یہ درست نہیں۔

(کتاب الفتاویٰ:۲/۲۰۲-۲۰۳)

---

(۱) وإذا قرأ آية السجدة من بين آى السورة فالأولٰى أن يقرأ معها آيات وإن اكتفٰى بقراءة آية السجدة لم يضره لأن قراءة آية السجدة من بين الآى كقراءة سورة من بين السور وذلک لا بأس به والمستحب أن يقرأ معها آيات ليكون أدل على المعنٰى والإعجاز ولأنه ربما يعتقد هو أو بعض السامعين منه زيادة فضيلة فى آية السجدة ومن حيث إن قراءة الكل سواء فلهذا يستحب أن يقرأ معها آيات. (المبسوط للسرخسى،باب سجود التلاوة: ٤/٢، دار المعرفة بيروت)

وإذا قرأ الإمام آية السجدة فى صلاة الجمعة فعليه أن يسجد ويسجد معه أصحابه لأن الجمعة ظهر مقصورة فيقاس بالظهر الممدودة فعليه أن يسجد ويسجد معه أصحابه فكذا إذا قرأها فى الجمعة، قال شمس الأئمة الحلوانى رحمه الله:قال مشائخنا:المسألة فى زماننا إذا قرأها الإمام فى الجمعة أن لايسجد لها لامتداد الصفوف وكثرة القوم فإن المكبر إذاكبر لها ظن القوم أنه كبر للركوع فيركعون وفيه من الفتنة مالا يخفٰى وهكذا فى صلاة العيد، قال شمس الأئمة:هكذا سألت القاضى الإمام الأستاذ رحمه الله هل يكره لإمام أن يقرأ سورة فيها سجدة يوم الجمعة كما يكره فى صلاة الظهر؟قال:ليست فيه رواية وينبغى أن يكره لأن الجمع فى حق من لا يسمع قراءة الإمام كصلاة مايجهر فيهابالقراءة. (المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى،الفصل الحادى والعشرون فى سجدة التلاوة: ٢١/٢، دار الفكر بيروت. انيس)

(۲) الهداية، كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة: ٨٧/١.

امام کومخصوص سورتوں کا حکم:

سوال: امام کوحکم کرنا کہ فلاں فلاں سورت نماز میں پڑھواور امام کوایسا کرنا جائز ہے یا مکروہ؟

الجواب

اگرموافق سنت سورۃ کا امر کیا جاوے، تواس میں کچھ حرج نہیں ہے۔(۱)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۵۰)

ایک رکعت میں دوسورتیں پڑھنا کیسا ہے:

سوال: عشایاصبح کی نماز میں امام ایک رکعت میں دوسورتیں پڑھے، تو کچھ کراہت تو نماز میں نہیں آئی؟

الجواب

ایک رکعت میں دوسورتیں پڑھنا خلاف اولیٰ ہے، نماز ہوجاتی ہے اور خلاف اولیٰ سے مراد کراہت تنزیہی ہے۔

قال فی الشامی: وذکر شیخ الإسلام لاینبغی له أن یفعل علٰی ما هوظاهر الروایة،اه،وفی شرح المنیة: الأولٰی أن لایفعل فی الفرض ولوفعل لایکره أی لایکره تحریمًا.(۲)فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۵۵) ☆

---

(۱) عن جابر .رضی اللّٰه تعالٰی عنه.قال: کان معاذ بن جبل.رضی اللّٰه تعالٰی عنه.یصلی مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ثم یأتی فیؤم قومه فصلی لیلة مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم العشاء،ثم أتی قومه فأمهم،فافتتح بسورة البقرة،فانحرف رجل فسلم،ثم صلی وحده وانصرف،فقالوا له،أنافقت یا فلان! قال: لا واللّٰه،ولاٰتین رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فلأخبرنه.فأتی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال: یارسول اللّٰه!إنا أصحاب نواضح،نعمل بالنهاروأن معاذًا صلی معک العشاء ثم أتی قومه فافتتح بسورة البقرة فأقبل رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم علٰی معاذ فقال: یا معاذ! أفتان أنت؟ اقرأ،"وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا،وَالضُّحٰی،وَ اللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی،وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی". متفق علیه.(مشکوٰۃ،کتاب الصلاۃ،باب القراء ۃ فی الصلاۃ: ۷٦،ظفیر)

(۲) اس عبارت سے پہلے یہ ہے:إذا جمع بین سورتین فی رکعة رأیت فی موضع أنه لابأس به،ظفیر) (رد المحتار، باب صفة الصلاة،فصل فی القراء ة،مطلب الاستماع للقرآن فرض کفایة: ۱/۵۱۰،انیس)

وکذا لوجمع بین سورتین فی رکعة واحدة الأولٰی أن لایفعل فی الفرض ولوفعل لایکره.(غنیة المستملی: ٤٦٢)

ولوجمع بین سورتین فی رکعة لاینبغی أن یفعل ولوفعل لابأس به .(فتح القدیر،فصل فی القراء ة : ۱/۲۹۹،ظفیر)

☆ **سورۂ فاتحہ کے ساتھ ایک رکعت میں دوسورتیں:**

سوال: اگرامام سورۂ فاتحہ کے بعد دوسورتوں کی تلاوت کرے تو کیا نماز میں کوئی فرق آئے گا؟ اور نماز ہوجائے گی یا دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی؟ (حکیم محمداکبرنقشبندی، درگاہ یوسفین، ناپلی) ==

مختلف سورتوں کے متفرق رکوع ایک نماز میں پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے مثلاً: سورۂ بقرہ کا دوسرا رکوع نصف، ایک رکعت میں پڑھا اور سورۂ آل عمران کا دوسرا رکوع نصف، دوسری رکعت میں، یا سورۂ بقرہ کا ہی تیسرا رکوع نصف، دوسری رکعت میں پڑھا، تو نماز ہوئی یا نہیں، یا مکروہ ہوئی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

سب طرح درست ہے۔ فقط

(بدست خاص، ص:۱۸) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۱)

فرض نمازوں میں دوسورتیں کامل یا ان کے کچھ کچھ حصے پڑھنے کا حکم:

سوال: فرض نمازوں میں دوسورتیں کامل یا دوسورتوں کے کچھ کچھ حصے پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

یہ سوال سمجھ میں نہیں آیا، کیا یہ مطلب ہے کہ ایک رکعت میں دوسورتیں کامل یا دوسورتیں کے کچھ کچھ حصے پڑھے، یا دو رکعتوں میں ایسا کرے کہ پہلی صورت میں فرض نمازوں میں مکروہ ہے اور دو رکعتوں میں دوسورتیں کامل پڑھنے میں شبہ کیا ہے، ایسا ہی کرنا چاہئے کہ ہر رکعت میں ایک سورت کامل پڑھے اور اگر ایک رکعت میں ایک سورت کا کچھ حصہ اور دوسری میں دوسری سورت کا کچھ حصہ پڑھ دیا تو یہ بھی جائز ہے، مگر خلافِ اولیٰ ہے۔ اس لئے گاہے گاہے تو مضائقہ نہیں مگر عادی نہ ہونا چاہئے۔ (۱)

۲۴؍شعبان ۱۳۴۲ھ۔ (امدادالاحکام:۲؍۱۸۲-۱۸۳)

==　　الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

ایک رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ مسلسل دوسورتیں ملانے میں کوئی حرج نہیں، اگر ایک سورت پڑھ کر درمیان میں ایک یا چند سورتیں چھوڑ کر آگے سے کوئی سورت ملائے، تو نماز تو اس صورت میں بھی ہوجائے گی؛ لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ:۱؍۷۸)

(کتاب الفتاویٰ:۲؍۲۰۴-۲۰۵)

(۱) قرأ سورة فی رکعتین فالأصح أنه لایکره لکن لا ینبغی أن یفعل ولو فعل لابأس به ... وکذا لو قرأ وسط سورة أو آخرها فی الأولٰی وفی الثانیة کذلک من أخریٰ فلا بأس به إلا أنه لایفعله، وفی القنیة قرأخاتمة السورة فی رکعتین مکروه إتفاقاً، وفی نسخة الحلوانی قال بعضهم: یکره، وفی الفتاویٰ: القراءة فی رکعتین من آخر السورة أفضل أم سورة بتمامها؟ العبرة للأکثر وینبغی أن یقرأ فی الرکعتین آخر سورة واحدة لا آخر سورتین فإنه مکروه عندالأکثر ولا بأس بأن یقرأ سورة ویعیدها فی الثانیة کما روی عن ذلک من فعله علیه الصلاة والسلام، کذا فی الشرح ==

جو سورت پہلی رکعت میں پڑھی بھول سے دوسری میں اسی کو دہرادیا تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص نے سہواً جو رکعت اولیٰ میں سورۃ پڑھی تھی وہی رکعت ثانیہ میں پڑھ لی تو نماز میں کچھ نقصان آیا یا نہیں؟

الجواب

نماز میں کچھ نقصان نہیں آیا۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۴۲) ☆

== وجزم فی القنية بالكراهة والظاهر أنها تنزيهية ولفظ لا بأس لا ينافيها ويحمل فعله عليه الصلاة والسلام على بيان الجواز هذا إذا لم يضطر فإن اضطر بأن قرأ فی الأولٰی قل أعوذ برب الناس أعادها فی الثانية إن لم يختم القرآن فی ركعة فإن فصل قرأ فی الثانية من البقرة، كذا فی المجتبٰی ولا ينبغی أن يجمع بين سورتين فی ركعة فإن فعل لابأس وحكی فی القنية قولين فی الكراهة وعدمها والانتقال من أی سورة إلی أخریٰ أو من هذه السورة إلی غيرها وبينهما آيات مكروه وكذا الجمع بين سورتين بينهما سور أو سورة فی ركعة أما فی ركعتين فإن كان بينهما سورتان لا يكره أو سورة قيل يكره وقيل لا يكره ولو قرأ فی الأولٰی سورة وفی الثانية ما فوقها كره فإن جری ذلک علی لسانه فتذكر قطع وقيل يتمها ،الخ. (النهر الفائق،خاتمة فی مسائل القراءة: ۱/۲۳۶-۲۳۷،دار الكتب العلمية.انيس)

(۱) لابأس أن يقرأ سورة ويعيدها فی الثانية. (الدر المختار)

أفاد أنه يكره تنزيهًا وعليه يحمل جزم القنية بالكراهة ويحمل فعله عليه الصلوٰة والسلام لذلک علیٰ بيان الجواز،هذا إذا لم يضطر فإن اضطر بأن قرأ فی الأولٰی ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ... أعادها فی الثانية إن لم يختم. (رد المحتار، فصل فی القراءة: ۱/۵۱۰،ظفير)(كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية،انيس)

البتہ ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔انیس

☆ دو رکعتوں میں ایک ہی سورت کی مکرر قرأت:

سوال: نماز میں ایک ہی سورت کو پہلی اور دوسری رکعت میں پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ کیوں کہ مجھے صرف پانچ سورتیں یاد ہیں۔

(بشریٰ بانو، مہدی پٹنم)

الجواب

قرآن کا پڑھنا نماز میں فرض ہے،اس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی اور کچھ متعینہ مقدار مسنون ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات ومعمولات سے ثابت ہے،اس لیے کم ازکم اتنا قرآن یاد رکھنا ضروری ہے کہ پنج وقتہ نمازیں ادا کی جاسکیں، ورنہ گناہ ہوگا اور کوشش کرنی چاہئے کہ مسنون قراءت کی مقدار یاد کرلیں، کیوں کہ مسلسل ترکِ سنت بھی باعث گناہ ہے،اس لیے آپ مزید قرآن مجید یاد کرنے پر توجہ دیں؛ فرائض وواجبات میں تکرار سورت مکروہ تنزیہی ہے۔صاحبِ درمختار لکھتے ہیں:

’’لا بأس أن يقرأ سورة ويعيدها في الثانية‘‘. (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۲۶۲)(باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة،مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية،انيس)

اس عبارت پر علامہ شامیؒ اپنا وضاحتی نوٹ یوں لکھتے ہیں: ==

ہر رکعت میں سورہ کے ساتھ سورۂ اخلاص پڑھنا کیسا ہے:

سوال: ایک امام نے نماز جہری میں بعد الحمد کے جوسورہ پڑھی، اس سورت کے ساتھ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ پڑھ کر رکوع وسجود کیا اور دوسری رکعت میں الحمد کے ساتھ کوئی اور سورہ ملا کر اس کے بعد ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ﴾ پڑھے، تو حنفیہ کے نزدیک یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

فرائض میں عندالحنفیہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔(۱)

شرح منیہ میں ہے:

"والحاصل أن تكرار السورة الواحدة فى ركعة واحدة مكروه فى الفرض ذكره فى فتاوىٰ قاضى خان وكذا تكرارها فى ركعتين منه بأن قرأها فى الأولىٰ ثم كررها فى الركعة الثانية يكره ذكره فى القنية لكن هذا إذاكان بغير ضرورة بأن كان يقدرقراء ة سورة أخرىٰ أما إذا لم يقدرفلا يكره، إلخ، ولايكره تكرارالسورة فى ركعة أوفى ركعتين فى التطوع، الخ.(۲)

پس معلوم ہوا کہ فرائض میں ایسا کرنا مکروہ ہے اور نوافل میں جائز ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۲/۲۳۴-۲۳۵) ☆

== "أفاد أنه يكره تنزيهًا". (رد المحتارمع الدرالمختار: ۲/۲۶۲)

البتہ نفل نمازوں میں تکرار سورت میں حرج نہیں۔ (الدرالمختارمع رد المحتار: ۲/۲۶۳) جب آپ کو پانچ سورتیں یاد ہیں تو آپ فرض کی دو یا واجب کی تین رکعتوں میں علاحدہ سورتیں بھی پڑھ سکتیں ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۲۰۶-۲۰۷)

(۱) کیوں کہ صورت مسئولہ میں سورہ اخلاص کا تکرار بلاضرورت ہے۔ انیس

(۲) غنية المستملى: ۳۴۳. (مکروہ سے مراد مکروہ تنزیہی ہے۔ انیس)

☆ ہر رکعت میں سورۂ اخلاص کا تکرار فرائض میں نہیں چاہئے:

سوال: امرتسر کے گرد ونواح میں گاؤں کے رہنے والے حضرات پہلی رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں اور دوسری رکعت میں بھی سورۂ اخلاص پڑھتے ہیں۔ آیا ایسا کرنا چاہئے یا نہیں؟ اگر کوئی دہقانی نہ جانتا ہو تو اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

طریق سنت یہ ہے کہ ایک سورۃ کو بار بار پہلی اور دوسری رکعت میں نہ پڑھیں، بلکہ مختلف سورتیں ہر رکعت میں بہ رعایت ترتیب پڑھیں، مثلاً پہلی رکعت میں ﴿قُلْ يٰا اَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھنی چاہئے۔ اسی طرح کبھی کوئی سورت، کبھی کوئی سورت پڑھنی چاہئے، یہ نہیں کہ پہلی رکعت میں ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور دوسری رکعت میں بھی ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ پڑھی جاوے، یہ طریقہ غیر مقلدوں کا ہے کہ ہر ایک رکعت میں سورۂ اخلاص ہی کو مکرر پڑھا جاوے۔ (**ولايتعين شئ من القرآن لصلاة علىٰ طريق الفرضية، الخ، و يكره التعيين. (الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل فى القراء ة: ۱/۵۰۸)**

==

حکم تکرار ﴿قُلْ هُوَ اللّٰه اَحَدٌ﴾:

سوال: قُلْ هُوَ اللّٰه کے بارے میں مشہور ہے کہ تین مرتبہ پڑھنا مسنون ہے، اگر کوئی شخص صرف ایک مرتبہ تلاوت کرتا ہے، تو اس پر اعتراض کیا جاتا ہے، اس بارہ میں جو شرع شریف کا حکم ہو، اس سے آگاہی بخشی جاوے۔

الجواب

تکرار قُلْ هُوَ اللّٰه فی نفسہ مباح ہے؛ مگر جہاں ترک تکرار سے اعتراض ہوتا ہو، وہاں ترک لازم ہے؛ تاکہ لوگ اس کو واجب نہ سمجھ لیں۔(۱) واللہ اعلم

۲/ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/۲۰۲)

== لابأس أن يقرأ سورة ويعيدها في الثانية. (الدرالمختار) (قوله لابأس، إلخ) أفاد أنه يكره تنزيهًا وعليه يحمل جزم القنية بالكراهة ويحمل فعله عليه الصلوٰة والسلام لذلک علىٰ بيان الجوازهذا إذا لم يضطر. (رد المحتار، باب أيضًا: ۱/۵۱۰، ظفير) (صفة الصلاة، فصل فی القراء ة، مطلب الاستماع للقرآن فرض كفاية، انيس)

البتہ جس شخص کو اور کوئی سورۃ یاد نہ ہو، اس کو مجبوری ہے۔ پس آپ لوگ جو حنفی ہیں موافق طریق سنت کے قراءۃ پڑھیں، ہر ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد مختلف سورتیں ترتیب کے موافق پڑھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مختلف سورتیں نماز میں پڑھی ہیں، ایسا نہیں کیا کہ صرف سورۂ اخلاص کو ہر ایک رکعت میں پڑھا ہو۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۴۲-۲۴۳)

(۱) عن رجل من جهينة أنه سمع النبی صلی اللّٰه عليه وسلم يقرأ فی الصبح ﴿إِذَا زُلْزِلَتِ﴾ فی الركعتين كلتيهما فلا أدری أنسی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم أم قرأ ذلک عمداً؟. (سنن أبی داؤد، باب الرجل يعيد سورة واحدة فی الركعتين (ح: ۷۹٤)

وبهذا الحديث قال بعض مشايخنا: إنه إذا كرر سورة فی ركعتين لا يكره، وقيل يكره، وفی الأصل إذا قرأسورة واحدة فی ركعتين اختلف المشايخ فيه والأصح أنه لايكره ولكن ينبغی أن لا يفعل ولوفعل لا بأس به. (شرح أبی داؤد للعينی: ۳/٤۸۳، مكتبة الرشد الرياض)

ولو كرر سورة فی الركعتين يكره إلا فی النفل. (شرح الحكام شرح غررالأحكام، مكروهات الصلاة: ۱/۱۱۱، دارإحياء الكتب العربية)

ويكره أن يتخذ شيئاً من القرآن مؤقتاً لشیء من الصلوات يعنی لا يقرأ غيرها فی تلک الصلوات لأن فی هجرها سوءاً وإذا فعل ذلک فی بعض الأوقات لا بأس به، وفی بعض شروح الجامع الصغير أن هذه الكراهة فيما إذا اعتقد أن الصلاة لا تجوز بدونها إلا أن قراءة هذه السورة أيسر عليه لا بأس به وإذا كرر آية واحدة مراراً فإن كان ذلک فی التطوع الذی يصلی وحده فكذلک غيرمكروه فقد ثبت عندنا عن جماعة من السلف أنهم كانوا يحيون ليلتهم بآية العذاب أو آية الرحمة أو آية الرجاء أو آية الخوف وإن كان ذلک فی صلاة الفريضة فهو مكروه لأنه لم ينقل إلينا عن واحد من السلف أنه فعل ذلک وهذا كله فی حالة الاختيار وأما فی حالة العذر والنسيان فلا بأس به واللّٰه أعلم. (المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی، الفصل الرابع فی كيفيتها: ۱/۳۰۵، دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

نماز میں آیت کے دہرانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی:

سوال: زید فرض مغرب کے پڑھا رہا ہے، اول رکعت میں بعد سورۂ فاتحہ کے سورۂ فیل شروع کی اور کو دو مرتبہ پڑھا، اول مرتبہ ''لام'' کو سکون اور دوسری مرتبہ ''لام'' کو زبر کے ساتھ کہہ کر رکوع کر دیا اور دوسری رکعت میں بعد ختم سورۂ فاتحہ کے سورۂ قریش شروع کی اور پوری سورت پڑھی آیا نماز ہوگئی یا نہیں، یا سجدۂ سہو کرنا چاہئے تھا؟

الجواب

اس صورت میں نماز صحیح ہوگئی۔ سجدۂ سہو کی اور اعادہ کی ضرورت نہ تھی۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۳۸/۲)

☆☆☆

(۱) وقرأ بعدها وجوبًا (سورة أوثلاث آيات)و لو كانت الآية والآيتان تعدل ثلاث ايات قصار. (الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار،باب صفة الصلاة،فروع:قرأ بالفارسية أوالتوراة أوالإنجيل: ۴۵۹/۱، ظفير)

إذاكررآية واحدة مرارًا إن كان فى التطوع الذى يصليه وحده فذلك غيرمكروه وإن كان فى الفريضة فهو مكروه،وهذا فى حالة الاختيارأما فى حالة العذروالنسيان فلابأس به.(غنيةالمستملى: ۴٦٢،ظفير)

مسنون و مستحب قرأت کے مسائل

نماز فجر میں طوال مفصل:

سوال: فقہا صبح کی نماز میں طوال مفصل کو پڑھنا اور چالیس آیت پڑھنا مسنون کہتے ہیں اور بعض سور طوال مفصل بیس آیت ہیں، دو سورتیں پڑھنے سے چالیس آیتیں ہوں گی، کیا کرنا چاہئے؟

الجواب

افضل اور بہتر یہ ہے کہ ہر ایک رکعت میں پوری سورت پڑھے، پس صبح کی نماز کی ہر ایک رکعت میں پوری سورت طوال مفصل کی پڑھے، سنت ادا ہو جاوے گی، آیتوں کا لحاظ نہ کرے، خواہ چالیس ہوں یا کم وبیش۔(۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۲۴۴) ☆

---

(۱) (و)یسن (فی الحضر) لإمام ومنفرد، الخ (طوال المفصل)من الحجرات إلٰی اٰخرالبروج (فی الفجروالظهر،الخ)أی فی کل رکعة سورة مما ذکر.(الدرالمختار)

أی من الطوال والأوساط والقصار،ومقتضاه أنه لانظرإلٰی مقدارمعین من حیث عدد الآیات،الخ.(رد المحتار،باب صفة الصلاة،فصل فی القراء ة،مطلب السنة تکون سنة عین وسنة کفایة: ۱/۵۰۵،ظفیر)

أبوهریرة یقول:مارأیت أحداً أشبه بصلاة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من فلان لأمیر کان بالمدینة قال سلیمان:فصلیت أنا وراء ه فکان یطیل فی الأولیین ویخفف الأخریین ویخفف العصر وکان یقرأ فی المغربین بقصارالمفصل وفی الأولیین من العشاء بوسط المفصل وفی الصبح بطول المفصل.(صحیح ابن خزیمة،باب ذکرالليل علی أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم،الخ : ۱/۲۶۱،رقم الحدیث: ۵۲۰،المکتب الإسلامی بیروت/الصحیح لابن حبان،ذکرالإباحة للمرء أن یقتصر علی القمار،رقم الحدیث: ۱۸۳۷/السنن الکبریٰ للبیهقی،باب قدرالقراء ة فی المغرب.انیس)

☆ فجر میں قرأت کی مقدار:

سوال: فجر کی نماز میں کس قدر قرأت پڑھنا سنت ہے؟

الجواب

طوال مفصل کی سورتیں صبح کی نماز میں پڑھنا سنت ہے، یعنی سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک۔((و)یسن (فی الحضر) لإمام ومنفرد،الخ (طوال المفصل)من الحجرات إلی اٰخرالبروج(فی الفجروالظهر). (الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار : ۱/۵۰۳،باب صفة الصلاة،فصل فی القراء ة،مطلب السنة تکون سنة عین وسنة کفایة،ظفیر) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۲۶۱)

وقت کی تنگی کے وقت نمازِ فجر میں چھوٹی سورتیں درست ہیں:

سوال: صبح کی نماز میں وقت تھوڑا تھا، اس وجہ سے اول رکعت میں ''سورۂ کافرون'' اور دوسری رکعت میں ''سورۂ اخلاص'' پڑھی، بعد نماز ایک صاحب نے یہ فرمایا کہ نماز مکروہ تحریمی ہوئی، بڑی سورت پڑھنی چاہئے تھی؟

الجواب

وہ نماز بلا کراہت صحیح ہوگئی، یہ کہنا کسی کا کہ یہ نماز مکروہ تحریمی ہوئی، غلط ہے۔ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَق﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس﴾ پڑھی ہے۔پس معلوم ہوا کہ جبکہ وقت تھوڑا ہو، یا سفر وغیرہ عجلت ہو تو چھوٹی سورتوں کا فجر کی نماز میں پڑھنا درست ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲۳۷/۲)

کسی مقتدی کو جماعت میں شریک نہ کرنے کے لئے امام کا قرأت مختصر کرنا:

سوال: باوجود ہونے معمولی وقت کے، اگر امام کسی مقتدی کو دیکھ کر بایں خیال کہ یہ مقتدی جماعت میں شامل نہ ہو، فجر کی نماز میں ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وقُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس﴾ پڑھے، تو نماز مکروہ ہوئی یا نہیں؟

الجواب

اگر امام فی الواقع مخالفت مقتدی کی وجہ سے اور غرض فاسد سے چھوٹی قرأت پڑھتا (کرتا) ہے تو گنہگار رہے اور اگر غرض صحیح ہے تو کچھ حرج نہیں اور کوئی کراہت نہیں۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۲۸۰)

(۱) (ویسن في السفر مطلقًا)أی حالة قرار أوفرار... (الفاتحة)وجوبًا(وأی سورة شاء)وفی الضرورة بقدر الحال.(الدرالمختار)وفی الشامیة:أی سواء کان فی الحضرأوالسفر...(رد المحتار،فصل فی القراء ة:۵۰۳/۱، ظفیر)

... لأنه علیه الصلٰوة والسلام قرأ فی الفجربالمعوذتین، الخ. (رد المحتار، کتاب الصلاة،مطلب السنة تکون سنة عین وسنة کفایة: ۵۰۵/۱،انیس)

عن عقبة بن عامر قال:کنت مع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فی سفر فلما طلع الفجر أذن وأقام ثم أقامنی عن یمینه وقرأ بالمعوذتین فلما انصرف قال:کیف رأیت؟قلت:قدرأیت یارسول اللّٰه قال:فاقرأ بهما کلما نمت وکلما قمت.(مصنف ابن أبی شیبة،فی المعوذتین (ح: ۳۰۲۱۱)/مسندالرویانی،جبیربن نفیر عن عقبة بن عامر (ح:۲۴۴)/ صحیح بن حبان،باب ذکر الإباحة للمرء أن یقتصر فی القراء ة فی صلاة الصبح (ح:۱۸۱۸)انیس)

(۲) عن قیس قال:أخبرنی أبومسعود أن رجلاً قال:واللّٰه یارسول اللّٰه إنی لأتأخر عن صلاة الغداة من أجل فلان مما یطیل بنا فمارأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی موعظة أشدغضباً منه یومئذٍ ثم قال:إن منکم منفرین فأیکم ما صلی بالناس فلیتجوز فیهم الضعیف والکبیر وذاالحاجة.(الصحیح للبخاری،باب تخفیف الإمام فی القیام وإتمام الرکوع والسجود (ح:۷۰۲)

قال الملا علی القاری: وفیه وعید علی من یسعی فی تخلف الغیر عن الجماعة،قلت:ولو بإطالة الطاعة.(مرقاة المفاتیح،باب ما علی الإمام:۸۷۲/۳،دارالفکر بیروت.انیس)

کھڑے ہوکر مختصر قرأت یا بیٹھ کر طویل قرأت:

سوال: میری عمر تقریبا چوراسی سال ہے، مجھے بلڈ پریشر ودل کی خرابی کی بیماری بھی ہے، علاج جاری ہے، چلنے سے سانس پھولتی ہے، پنج وقتہ نماز کے لئے مسجد جایا کرتا ہوں، بعض اوقات اندھیرے کی وجہ سے یا بارش یا کمزوری کی وجہ سے مسجد نہیں جاپاتا ہوں، گھر پر ہی نماز پڑھ لیتا ہوں، مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے سے ظاہر ہے بہت زیادہ ثواب ہے، اس لئے میں گھر میں زیادہ ثواب کے خیال سے بڑی بڑی سورتیں پڑھنا چاہتا ہوں؛ لیکن صحت اجازت نہیں دیتی، سانس پھولتی ہے، جس کی وجہ سے بجائے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کے اسٹول پر بیٹھ کر تخت پر سجدہ کرتے ہوئے بڑی بڑی سورت جو چالیس تا پچاس آیتوں پر مشتمل ہوتی ہے، پڑھتا ہوں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ صحت یا موسم کی خرابی کی وجہ سے گھر پر زیادہ ثواب کے خیال سے بڑی بڑی سورت اسٹول پر بیٹھ کر ادا کرنا بہتر رہے گا یا گھر پر ہی کھڑے ہوکر تین چار آیتوں کی تلاوت سے نماز فرض وسنت، تہجد، صلاۃ التسبیح وغیرہ ادا کرنا بہتر رہے گا؟

(ایک قاری، قلعہ گولکنڈہ)

الجواب

اگر بیماری، بارش یا تاریکی کی وجہ سے مسجد جانے میں دشواری ہوتو ایسے شخص کے حق میں جماعت میں شرکت واجب نہیں، گھر پر بھی نماز ادا کرنا درست ہے۔

" فسقط الجماعة بعذر من ... المطر الشديد ... والمرض".(۱)

عذر کی بنا پر فرائض وواجبات بھی بیٹھ کر ادا کی جاسکتی ہیں؛ لیکن اگر کھڑے ہوکر مختصر قرأت پڑھنے پر قادر ہو اور بیٹھ کر طویل قرأت کرسکتا ہوتو فرائض وواجبات میں کھڑے ہوکر ہی نماز ادا کرنی چاہئے؛ کیونکہ قیام فرض ہے،(۲) اور طویل قرأت جس کا احادیث میں ذکر آیا ہے،(۳) مسنون یا مستحب، تو محض ایک مستحب کے لئے فرض کیونکر چھوڑا جاسکتا ہے؟ بلکہ فقہا نے لکھا ہے کہ اگر تکبیر تحریمہ یا قرأت کے کچھ حصہ کے بقدر کھڑے ہونے پر قادر ہوتو واجب ہے کہ اتنا حصہ کھڑا ہوکر ادا کرے اور باقی بیٹھ کر۔

---

(۱) الهداية: ۱۶۱/۱ (وتسقط بالأعذار كالريح في الليلة المظلمة لا بالنهار، كما في السراج، والمطر والطين والبرد الشديد والظلمة الشديدة في الأصح. (النهر الفائق، باب الإمامة: ۲۳۹/۱، دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

(۲) لأن القيام ركن في باب الصلاة. (بدائع الصنائع، فصل في شرائط ركن التيمم: ۴۸/۱، دارالكتب العلمية. انيس)

(۳) دیکھئے: صحيح البخاري، رقم الحديث: ۷۷۹، باب يطول في الركعة الأولىٰ. محشي

(عن أبي قتادة أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يطيل في الركعة الأولىٰ من صلاة الظهر ويقصر في الركعة الثانية ويفعل ذلك في صلاة الصبح. انيس)

''حتى لو قدر أن يكبر قائما للتحريمة ... أو كان يقدر على القيام لبعض القراء ة دون تمامها، فإنه يؤمر أن يكبر قائما ويقرأ ما يقدر عليه قائما ثم يقعد إذا عجز''. (۱)

نفل نمازیں بلا عذر بھی بیٹھ کر ادا کی جاسکتی ہیں، اس لئے نماز تہجد، صلاۃ التسبیح وغیرہ طویل قرأت کے ساتھ بیٹھ کر ادا کرلیں، اس میں کوئی حرج نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۹۳-۱۹۵)

سورۂ ضحیٰ کے ختم پر تکبیر کہنا:

سوال: سورۂ ضحیٰ سے سورۂ ناس تک ہر سورہ کے آخر میں تکبیر کہنا جنت سے متعلق آیات کی تلاوت کے وقت اس کی تمنا کرنا یا دوزخ سے متعلق آیات کی قرأت کے وقت اس سے پناہ مانگنا اور اسی طرح ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی'' کی تلاوت کے وقت ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' کہنا، یا اسی طرح اور دوسری آیات وغیرہ، کیا یہ تمام صورتیں فرائض اور نفل نماز میں یا خارج صلوۃ تلاوت کے وقت حنفی اور شافعی مذہب میں جائز ہیں اور ان کا کیا مرتبہ ہے؟

الجواب

امام احمد وابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی'' کی تلاوت کے وقت ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' فرماتے، (۲) اور علامہ جلال الدین محلی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ سورۂ ضحیٰ کے نازل ہونے پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی اور دوسرے لوگوں کو سورۂ ضحیٰ اور اس کے بعد کی تمام سورتوں کے آخر میں تکبیر کے لئے حکم فرمایا۔ (۳) علامہ سیوطی نے تفسیر اتقان میں احادیث جمع کیں اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا، حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رکعت میں سورہ بقرہ، سورہ آل عمران اور سورۂ نسا

---

(۱) الجوهرة النيرة، كتاب الصلاة، باب صلاة المريض: ۹۵/۱. /تبيين الحقائق، باب صلاة المريض: ۲۰۰/۱، بولاق

قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله: يؤمر بأن يقوم مقدار ما يقدر فإذا عجز قعد حتى إنه إذا كان قادراً على أن يكبر قائماً ولا يقدر على القيام للقراء ة أو كان يقدر على القيام ببعض القراء ة دون تمامها إنه يؤمر بأن يكبر قائماً ويقرأ ما يقدر عليه قائماً ثم يقعد إذا عجز وبه أخذ الشيخ الإمام شمس الأئمة الحلوانی رحمه الله. (المحيط البرهانی، الفصل الحادی والثلاثون فی صلاة المريض: ۱۴۱/۲، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

(۲) عن ابن عباس أن النبی صلى الله عليه وسلم كان إذا قرأ سبح اسم ربک الأعلٰی، قال: سبحان ربی الأعلٰی. (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبدالله بن عباس (ح: ۲۰٦٦) / سنن أبی داؤد، باب الدعاء فی الصلاة (ح: ۸۸۳) انيس)

(۳) والسنة فی قراء ة أهل مكة من أول سورة ''والضحٰی'' على رأس كل سورة حتى يختتم القرآن فيقول: الله أكبر ... فلما نزلت والضحٰی كبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فرحاً بنزول الوحی فاتخذوه سنة والله تعالٰی أعلم. (تفسير الخازن لباب التأويل فی معانی التنزيل، تفسير سورة الضحٰی: ٤٤٠/٤، دار الكتب العلمية. انيس)

پڑھی اور جب ایسی آیت تلاوت کرتے ،جس میں تسبیح کا ذکر ہوتا تو خود تسبیح پڑھتے اور اگر سوال کا ذکر ہوتا تو خود سوال فرماتے اور تعوذ کی صورت میں تعوذ فرماتے اور کتب احادیث وتفاسیر میں اس قسم کی بے شمار مثالیں ملیں گی،اس کے بارے میں تفصیل یہ ہے۔

بعض شافعیہ اس کو مستحب اور بعض اس کو مسنون مانتے ہیں۔نماز اور خارج نماز دونوں حالتوں میں حکم یہی ہے۔

علامہ سیوطی تفسیر اتقان میں فرماتے ہیں:

یستحب التکبیر من الضحی إلٰی آخر القرآن و ھی قراء ة المکین ... وسواء فی التکبیر فی الصلاة وخارجھا، صرح به السخاوی وأبو شامة،انتھٰی ملخصًا.(۱)

اور علامہ سلیمان جمل حاشیہ جلالین میں ذکر کرتے ہیں:

فالتکبیر یسن بعد ھذہ السور سواء قرأ القاری فی الصلٰوة أوفی خارجھا،انتھٰی.(۲)

اور امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

فیه استحباب ھذہ الأمور لکل قاری فی صلٰوة أوغیرھا ومذھبنا استحبابه للإمام والمأموم والمنفرد،انتھٰی ملخصًا.(۳)

اور حنفیہ کے نزدیک فرائض واجبات اور تراویح میں بھی ان کلمات کا کہنا امام ومقتدی دونوں کے لئے مکروہ اور خلافِ سنت ہے، نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ صحابہ کرامؓ سے،البتہ تراویح کے علاوہ دوسری نوافل مثلاً نوافل شب میں کہ اس وقت ایک دو مقتدی ہوتے ہیں،اگر ان کلمات سے مقتدی کو ناگواری ہوتی ہو تو امام کے لئے ان کلمات کا کہنا مناسب نہیں؛لیکن اگر ان کو ناگوار نہ ہو تو ان کا ترک بھی اولیٰ نہیں اور اگر وہ منفرد ہے تو فرائض اور تراویح میں نہ کہے؛ کیوں کہ ان دونوں کے بارے میں ثبوت نہیں،دوسری نوافل کے بارے میں اس کو اختیار رہے۔

درمختار میں ہے:

وکذا الإمام لایشتغل بغیر القرآن وما ورد حمل علی النفل منفردًا،انتھٰی.(۴)

اور علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

(وقوله حمل علی النفل منفردًا)أفاد أن کلا من الإمام والمقتدی فی الفرض والنفل سواء،

(۱) الإتقان فی علوم القرآن،النوع الخامس والثلاثون فی آداب تلاوته: ۱/۳۸۳۔۳۸۴،الھیئة المصریة العامة للکتاب.انیس

(۲) الجمل حاشیة الجلالین:

(۳) شرح النووی علی صحیح مسلم،باب استحباب تطویل القراء ة فی صلاة اللیل: ۶/۶۲،دارإحیاء التراث العربی.انیس

(۴) الدرالمختار علی صدرردالمحتار،فصل فی القراء ة: ۱/۵۴۵،دارالفکر بیروت.انیس

قال فی الحلیة: أمّا الإمام فی الفرائض فلما ذکرنا من أنه صلی اللّٰہ علیه وسلم لم یفعله فیها، وکذا الأئمة من بعده إلیٰ یومنا هذا، فکان من المحدثات، ولأنه تثقیل علی القوم فیکره، و أمافی التطوع فإن کان فی التراویح فکذلک، وإن کان فی غیرها من نوافل اللیل التی اقتدیٰ به فیها واحد أواثنان فلایتم ترجح الترک علی الفعل لما روینا: ...أی عن حذیفة رضی اللّٰہ عنه أنه قال: صلیت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ذات لیلة إلیٰ أن قال وما مر بآیة رحمة إلا وقف عندها فسأل، ولا بآیة عذاب إلا وقف عندها وتعوذ...اللّٰھم إذا کان فی ذلک تثقیل علی المقتدی... وأماالمأموم فلأن وظیفته الإستماع والإنصات فلا یشتغل بمایخله لکن قد یقال إنما یتم ذلک فی المقتدی فی الفرائض والتراویح أمّا المقتدی فی النافلة المذکورة إذاکان إمامه یفعله فلا بعدم الإخلال بما ذکرفلیحمل علیٰ ماعدا هذه الحالة، انتهیٰ.(۱)

اورطحطاوی حاشیہ درمختار میں بیان کرتے ہیں:

(قوله: وکذا الإمام، إلخ)أما المنفرد ففی الفرض کذلک وفی النفل یسئل الجنة ویتعوذ من النارعند ذکرهما، انتهیٰ.(۲)

اورعلامہ ابن الہمام فتح القدیر میں بیان کرتے ہیں:

وکذا الإمام لایشتغل بغیرالقراءة سواء أم فی الفرض أوالنفل أما المنفرد ففی الفرض کذلک، وفی النفل یسأل الجنة ویتعوذمن النارعند ذکرهما ویتفکرفی آیة المثل، وقد ذکروا فیه حدیث حذیفة: "صلیت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم صلاة اللیل فما مربآیة، فیها ذکر الجنة إلا وقف وسأل اللّٰہ تعالیٰ الجنة، ومامربآیة فیها ذکرالنارإلاوقف وتعوذ من النار" وهذا یقتضی أن الإمام یفعله فی النافلة وهم صرحوا المنع إلا أنهم عللوه بالتطویل علی المقتدی فعلی هذا لوأم من یعلم منه طلب ذلک یفعله، انتهیٰ.(۳)

اورشیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "ما ثبت من السنة" میں یہ جوفرمایا: والمسنون المعمول علیه فی الحرمین وسائردیارالعرب التکبیرعند الختم من والضحی إلیٰ آخرالقرآن والمختارفیه لا إله إلا اللّٰہ واللّٰہ أکبرولواکتفی باللّٰہ أکبرصح، انتهیٰ (۴) تو یہ قول محمول ہے خارج صلوۃ پراورفقہاء حنفیہ کی سابقہ تصریحات اس کا قرینہ ہیں۔ واللہ اعلم

---

(۱) باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة، مطلب: السنة تکون سنة عین وسنة کفایة: ۵۴۵/۱، انیس

(۲) حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الصلاة، فصل یجهر الإمام: ۲۳۷/۱، انیس

(۳) فتح القدیر، کتاب الصلاة، فصل فی القراءة: ۳۴۲/۱، دارالفکر بیروت. انیس

(۴) ما ثبت من السنة للشیخ عبدالحق المحدث،

راقم الحروف ۱۲۷۹ھ کو مکہ معظمہ میں موجود تھا اور میں نے مصلی حنفی پر تراویح میں اس بات کو نہیں پایا، البتہ مولد شریف کی متبرک مجالس میں شرکت کا موقع ملا، جس میں عادۃ سورۂ ضحیٰ سے آخر قرآن تک تمام سورتوں کی تلاوت کی جاتی ہے اور ہر سورہ کے ختم پر تکبیر پڑھنے کا دستور ہے اور یہ طریقہ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور جدہ تینوں جگہ دیکھا۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۲۸-۲۳۰)

قرأت مسنونہ:

سوال: خالد کہتا ہے کہ جو لوگ نماز میں طوال مفصل، قصار مفصل اور اوساط مفصل کے بغیر اجزاء السور سے پڑھتے ہیں، ان کی نماز خلافِ سنت ہوتی ہے، چونکہ اجزاء السور سے پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اس لئے خلافِ سنت ہے۔ زید کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجزاء السور سے پڑھنا ثابت ہے، مشکوٰۃ شریف کے باب القرأۃ میں آیا ہے اور قاضی خان نے بھی اجزاء السور سے پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کیا ہے، جو فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو، اس کو خلاف سنت کہنا جہالت ہے یا عناد ہوگا، آج کل علما و غیر علما کو عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ طوال، اوساط اور قصار کی پابندی نہیں کرتے، کیا یہ سب حضرات نماز خلاف سنت ادا کر رہے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

قال في شرح التنوير: (و)يسنّ (في الحضر) لإمام ومنفرد، ذكره الحلبي، والناس عنه غافلون (طوال المفصل) من الحجرات إلى اٰخر البروج (في الفجر والظهر) منها إلٰى اٰخر -لم يكن- (أوساطه في العصر والعشاء، و) باقيه (قصاره في المغرب) أي في كلّ ركعة سورة ممّا ذكره الحلبي. (۱)

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: أي من الطوال والأوساط والقصار، ومقتضاه أنه لا نظر إلٰى مقدار معين من حيث عدد الاٰيات مع أنه ذكر في النهر القرأة أن من المفصّل سنة و المقدار المعيّن سنة أخرى، ثم قال: وفي الجامع الصغير يقرأ في الفجر في الركعتين سورة الفاتحة وقدر

(۱) (و) ... (في الحضر) ...(إذا خاف فوت الوقت يقرأ قدر مالاتفوته الصلاة) ... (وإن لم يخف فوت الوقت) فالسنة في حقه أنه (يقرأ في صلاة الفجر) في الركعتين (بأربعين) آية وسطاً وهو الأدنىٰ (أو خمسين أو ستين آية)... (و) يقرأ (في الظهر مثله) ...(أو)...(دونه) ...(و) يقرأ (في العصر والعشاء) كذلك ...(قال القدروي: يقرأ في الفجر) ...(بطوال المفصل)...(وفي الظهر والعصر والعشاء بأوساط المفصل) ...(و) يقرأ (في المغرب بقصار المفصل)... (أما الطوال) ... (فمن سورة الحجرات إلى سورة البروج وأما الأوساط فمن سورة البروج إلى سورة لم يكن وأما القصار فمن سورة لم يكن إلى آخر القرآن) هذا هو الذي عليه الجمهور في تفسير طواله وأوساطه وقصاره. (شرح منية المصلي، باب صفة الصلاة: ۳۱۰-۳۱۲، مطبع سنده. انيس)

أربعين أوخمسين واقتصر في الأصل علىٰ الأربعين وفي المجرد:ما بين الستين إلىٰ المائة والكل ثابت من فعله عليه الصلوٰة والسلام ويقرأ في العصر والعشاء خمسة عشر في الركعتين في ظاهر الرواية، كذا في شرح الجامع لقاضي خان،وجزم به في الخلاصة وفي المحيط وغيره يقرأعشرين وفي المغرب خمس اٰيات في كل ركعة،آهـ ،أقول:كون المقروء من سور المفصّل علىٰ الوجه الذي ذكره المصنّف وهوالمذكورفي المتون كالقدوري والكنز و المجمع والوقاية والنقاية وغيرها وحصرالمقروء بعدد على ما ذكره في النهر والبحرممّا علمته مخالف لما في المتون من بعض الوجوه كما نبّه عليه في الحلية فإنه لو قرأ في الفجرأوالظهر سورتين من طوال المفصّل تزيد أن علىٰ مائة اٰية كالرحمن والواقعة أو قرأ في العصر أوالعشاء سورتين من أوساط المفصّل تزيد ان على عشرين أو ثلاثين اٰية كالغاشية والفجر يكون ذلك موافقا للسّنة على ما في المتون لا على الرواية الثانية ولا تحصل الموافقة بين الروايتين إلا إذا كانت السورتان موافقة للعدد المذكور ويلزم على ما مرعن النهرمن أن المقدارالمعيّن سنة أخرٰى أن تكون قرأة السورتين الزائدتين على ذلك المقدار خارجة عن السّنة إلاّ أن يقتصر من كل سورة منهما على ذلك المقدار مع أنهم صرّحوا بأن الأفضل في كل ركعة الفاتحة وسورة تامة فالذي ينبغي المصيرإليه أنهما روايتان متخالفتان اختارأصحاب المتون إحداهما ويؤيده أنه في متن الملتقى ذكرأوّلاً أن السّنة في الفجرحضراً أربعون اٰية أوستون،ثم قال:واستحسنوا طوال المفصّل فيهاوفي الظهر،إلخ، فذكر أن الثاني استحسان فيترجح علىٰ الرواية الأولى لتأيده بالأثر الوارد عن عمررضي اللّٰه عنه أنه كتب إلى أبي موسى الأشعري رضي اللّٰه تعالىٰ عنه ان اقرأ في الفجر والظهربطوال المفصّل وفي العصر والعشاء بأوساط المفصل وفي المغرب بقصار المفصل، قال في الكافي وهوكالمروي عن النبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم لأن المقادير لا تعرف إلاسماعاً،آهـ .(رد المحتار: ۱/۵۰۵)(۱)

تحقیق مذکور سے ثابت ہوا کہ سنیت قرأت سے متعلق دوروایتیں ہیں، ایک میں آیات کی متعین تعداد کو سنت قرار دیا ہے اور دوسری میں سور مفصل کو نہر میں صورت تطبیق یہ بیان کی ہے کہ سور مفصل میں سے آیات کی متعین تعداد مسنون ہے، علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اشکال ظاہر فرمایا ہے اور اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ دونوں مستقل روایتیں ہیں، اور سورہ مفصل کی روایت عام متون کی ہے اور یہی راجح ہے۔

پھر اس میں یہ تفصیل ہے کہ پوری سورت پڑھنا افضل ہے اور اگر جزءِ سورت پڑھنا چاہے تو آخر سے پڑھے۔ آخر

(۱) باب صفة الصلاة،فصل في القراءة،مطلب:السنة تكون سنة عين وسنة كفاية: ۱/۵۳۹_۵۴۱،انیس

سورت کا ترک مکروہ تنزیہی ہے، غرضیکہ مفصل سورت پڑھنا سنت ہے، اس کے خلاف جو معمول بن چکا ہے وہ صحیح نہیں، خانیہ ومنیہ میں قرأت مفصل کا استحباب مذکور ہے، مگر علامہ حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہاں استحباب سے سنت مراد ہے، اور بفرض استحباب بھی اس کے ترک کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، ترکِ سنت اور کراہت تنزیہیہ کا ارتکاب بالخصوص اس پر دوام واصرار قابل اصلاح ہے، سور مفصل کے سوا جہاں کہیں کسی سورت کا ثبوت ملتا ہے وہ احیاناً مقتضائے حال پر مبنی ہے۔

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله واختارفى البدائع عدم التقدير، إلخ) والظاهر أن المراد عدم التقدير بمقدارمعين لكل أحد وفى كل وقت كمايفيده تمام العبارة بل تارة يقتصر علىٰ أدنىٰ ما ورد كاقصرسورة من طوال المفصل فى الفجر أواقتصر سورة من قصاره عند ضيق وقت أو نحوه من الأعذار؛ "لأنّه عليه الصلوٰة والسلام قرأ فى الفجر بالمعوذتين لما سمع بكاء صبى خشية أن يشق علىٰ أمّه" وتارة يقرأ أكثر ما ورد إذا لم يمل القوم، فليس المراد إلغاء الوارد ولو بلا عذر ولذا قال فى البحر عن البدائع والجملة فيه أنه ينبغى للإمام أن يقرأ مقدارما يخف علىٰ القوم ولا يثقل عليهم بعدأن يكون على التمام وكذا فى الخلاصة، آهـ. (رد المحتار: ۱/ ۵۰۵)(۱) **فقط والله تعالى أعلم**

۸/محرم ۱۳۸۴ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۲-۷۴)

سفر کی نمازوں میں مسنون قرأت کا حکم:

سوال: ایک شخص کو بہت عجلت تھی، ٹرین اس کی صرف ۳/منٹ کے لئے رکی ہے، اسٹیشن پر اتر کر فجر کی نماز ادا کرنا چاہتا ہے، کیا طوال مفصل کی قرأت ضروری ہے یا کوئی بھی سورت پڑھ سکتا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامدًا و مصلياً

کوئی بھی سورت پڑھ سکتا ہے۔

"تخفف القراءة فى السفر والصلواتِ كلها". (فتاویٰ غياثية: ۳۸)(۲) **فقط والله تعالىٰ أعلم بالصواب**

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۳/ ۹۱)

---

(۱) کتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فى القراءة، مطلب: السنة تكون سنة عين وسنة كفاية، انيس

(۲) الفتاویٰ الغياثية معه فتاویٰ ابن نجيم، باب صلاة المسافر، نوع منه: ۳۸، المطبعة الأميرية بولاق. انيس

عن عقبة بن عامر قال: كنت أقود برسول الله صلى الله عليه وسلم ناقته فى السفر فقال لى: يا عقبة ألا أعلمك خير سورتين قرئتا فعلمنى قل أعوذ برب الفلق وقل أعوذبرب الناس، قال: فلم يرنى سررت بهما جداً فلما نزل لصلاة الصبح صلى بهما صلاة الصبح للناس فلما فرغ رسول الله صلى الله عليه وسلم من الصلاة التفت إلي فقال: يا عقبة كيف رأيت؟. (سنن أبى داؤد، باب فى المعوذتين (ح: ۱٤٦٢) انيس)

سری اور جہری نمازوں میں مسنون قرأت:

سوال: مساجد میں اکثر اماموں کو دیکھا گیا ہے کہ سری نمازیں بہت جلد پڑھا دیتے ہیں اور جہری نماز بہت دیرتک پڑھاتے ہیں، مثلاً ظہر کی چار رکعت میں زیادہ سے زیادہ ۵ رمنٹ کا وقت صرف ہوتا ہے اور عشا میں بھی چار ہی رکعتیں ہیں؛ لیکن جہری ہیں تو اس میں ۱۰ ر۱۲ رمنٹ لگ جاتا ہے تو دریافت طلب امر اینکہ جہری نمازوں میں قاعدے کے مطابق خوب ٹھہر ٹھہر کر امام صاحب قرأت کرتے ہیں اور سری نماز میں جلدی تو نماز درست ہوگی کہ نہیں؟ اگر ہوگئی تو کوئی کراہت وغیرہ آئے گی یا نہیں؟ بعض علما سے سنا گیا ہے کہ اس صورت میں نماز نہ ہوگی، آیا یہ صحیح ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل اور عصر وعشاء میں اوساط مفصل اور مغرب کی نماز میں قصار مفصل کا پڑھنا مسنون ہے؛(۱) لیکن جہری نمازوں کو طویل کرنا اور سری نمازوں کو بلا عذر شرعی مختصر کرنا اخلاص کے منافی ہے،(۲) حضرات علما نے لکھا ہے کہ سری نمازوں میں اسی طرح مخارج کی رعایت کر کے قرأت کرنی چاہیے، جس طرح جہری نمازوں میں رعایت کی جاتی ہے؛(۳) لیکن یہ کہنا کہ اس طرح نماز نہیں ہوگی، غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۳/۹۱-۹۲)

(۱) الحلبی الکبیر شرح منیة المصلی، باب صفة الصلاة: ۳۱۰-۳۱۲، مطبع سنده. انیس

(۲) وفی أحادیث أخر فی غیر الباب وهی فی الصحیحین أن النبی صلی الله علیه وسلم کان أخف الناس صلاة فی تمام وأنه صلی الله علیه وسلم قال: إنی لأدخل فی الصلاة أرید إطالتها فأسمع بکاء الصبی فأتجوز فی صلاتی مخافة أن تفتن أمه، قال العلماء: کان صلاة رسول الله علیه وسلم تختلف فی الإطالة والتخفیف باختلاف الأحوال فإذا کان المامومون یؤثرون التطویل ولا شغل هناک له ولا لهم طول وإذا لم یکن کذلک خفف وقد یرید الإطالة ثم یعرض ما یقتضی التخفیف کبکاء الصبی ونحوه وینضم إلی هذا أنه قدیدخل فی الصلاة فی أثناء الوقت فیخفف وقیل إنما طول فی بعض الأوقات وهوه الأقل وخفف فی معظمها فلاإطالة لبیان جوازها والتخفیف لأنه الأفضل وقد أمر النبی صلی الله علیه وسلم بالتخفیف وقال: إنکم منفرون فأیکم صلی بالناس فلیخفف فإن فیهم السقیم والضعیف وذاالحاجة ... وعلی الجملة السنة التخفیف کما أمر به النبی صلی الله علیه وسلم للعلة التی بیناها. (شرح النووی لصحیح مسلم، باب القراء ة فی الظهر والعصر: ۱۷۴/٤، دارإحیاء التراث العربی بیروت. انیس)

(۳) تصحیح الحروف أمر لابد منه ولا تصیر قراء ة إلا بعد تصحیح الحروف. (المحیط البرهانی، الفصل الرابع فی کیفیتهما: ۲۹٦/۱، دارالکتب العلمیة. انیس)

(۳) وفی المحیط معزیاً إلی الفتاویٰ: الإمام إذا طول القراء ة فی الرکعة الأولیٰ لکی یدرکها الناس لا بأس إذا کان تطویلاً لا یثقل علی القوم، اه، فأفاد أن التطویل فی سائر الصلوات إن کان لقصدالخیر فلیس بمکروه وإلا ففیه بأس وهو بمعنی کراهة التنزیه. (البحرالرائق، آداب الصلاة: ۳٦۲/۱، دارالکتاب الإسلامی. انیس)

مغرب میں قرأت لمبی کرنے کا حکم:

سوال: اگرامام مغرب میں یہ جان کرر کعت میں لمبی سورت پڑھ جائے کہ مقتدی لوگ شرکت کرلیں اورکوئی امیر نہیں ہے، بغیرامیر کے امام لمبی رکعت کردے، اس حالت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

مغرب کی نماز میں قصار مفصل کا پڑھنا مسنون ہے،(۱) اور قصار مفصل کی بعض سورتیں بڑی بھی ہیں، اگراس میں سے کوئی بڑی سورت پڑھ دی تو کوئی مضائقہ نہیں، نیز کبھی کبھار قرأت لمبی کردینا؛ تاکہ مقتدی شریک ہو جائیں، اس میں کوئی بھی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ امام اس کا عادی نہ بن جائے، گواس کا بھی ترک افضل ہے۔ (شامی:۱/۴۹۴)(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ:۳/۹۵-۹۶)

بروز جمعہ فجر میں سورۂ سجدہ پڑھنا:

سوال: زید کہتا ہے کہ نماز فجر میں جمعہ کے روز پہلی رکعت میں سورۂ سجدہ اور دوسری میں سورہ دہر پڑھنا مستحب ہے، عمرو کہتا ہے کہ فقہا حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کو مکروہ لکھا ہے، دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

نماز فجر میں جمعہ کے روز پہلی رکعت میں سورۂ سجدہ اور دوسری میں سورۂ دہر پڑھنا فی نفسہٖ مستحب ہے؛ لیکن اس پر مداومت کرنا مکروہ ہے؛ تاکہ عوام اس کو واجب نہ سمجھنے لگیں، آج کل ائمہ مساجد نے اس مستحب امر کو بالکل ہی ترک کر رکھا ہے، یہ غفلت ہے اور اس کی اصلاح لازم ہے۔

قال في الدر (ويكره التعيين) كالسجدة، وهل أتٰى لفجر كلّ جمعة، بل يندب قرأتهما أحياناً.

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى وفي فتح القدير: لأن مقتضى الدليل عدم المداومة لا المداومة علٰى العدم كما يفعله حنفية العصر، فيستحب أن يقرأ ذلك أحيانًا تبركاً بالمأثور فإن

(۱) عن أبي هريرة قال: ما صليت وراء أحد أشبه صلاة برسول الله صلى الله عليه وسلم من فلان ... يقرأ في المغرب بقصار المفصل. (سنن النسائی، تخفيف القيام والقراءة (ح: ۹۸۲) انیس))

(۲) ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۵٤۱، دارالفكر بيروت. انيس

وأما في زماننا فالأفضل أن يقرأ القوم على حسب حال القوم من الرغبة والكسل فيقرأ قدرمالايوجب تنفير القوم عن الجماعة لأن تكثير الجماعة أفضل من تطويل القراءة. (بدائع الصنائع، فصل في سنن صلاة التراويح: ۱/۲۸۹، دارالكتب العلمية. انيس)

لـزوم الإيهـام ينتفی بالترک أحياناً (إلٰی قوله) وقيد الطحاوی والإسبيجابی الكراهة بماإذا رأی ذٰلک حتـمـاً لا يـجـوز غيـره، أمـا لـوقرأه للتيسير عليه أو تبركاً بقراء ته عليه الصلوٰة والسلام فـلاكـراهة لٰكـن بشـرط أن يـقـرأ غيـره إحيــانــاً لـئـلا يـظـن الجـاهل أن غيرهـا لا يجوز. (رد المحتار: ۱/۵۰۸)(۱)**فقط واللّٰه تعالی أعلم**

۳/ربیع الاول ۱۳۹۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۳/۸۱،۸۲)

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف افضل ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ جب نماز میں پڑھی جائے تو ہر آیت پر وقف کرنا مستحب وافضل ہے، دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بدون وقف کئے مسلسل پڑھنا افضل ہے،دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا افضل ہے۔

عـن ابـن جـريج،عن ابن أبی مليكة،عن أم سلمة رضی اللّٰه تعالی عنها قالت: كان رسول اللّٰه صـلّـی اللّٰه عليه وسلّم يقطع قراء ته يقول(الحمد للّٰه رب العالمين)،ثم يقف،ثم يقول: (الرّحمن الرّحيم)ثم يقف. {رواه الترمذی}(مشكوٰةالمصابيح: ۱۹۱، شمائل الترمذی: ۵۹۲)(۲)

(۱) باب صفة الصلاة،فصل فی القراء ة،مطلب: السنة تكون سنة عين وسنة كفاية.

عـن أبی هريرة أن الـنبـی صـلـی الـلّٰـه عـليه وسلم كان يقرأ فی الصبح يوم الجمعة بـ"الم تنزيل"فی الركعة الأولٰی وفی الثانية "هل أتٰی علی الإنسان حين من الدهر لم يكن شیء مذكوراً". (الصحيح لمسلم،باب مايقرأ فی يوم الجمعة (ح: ۸۸۰)انيس)

وأی سورة قرأ فی صلاة الـعيـد جـاز وقد بلغنا عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم أنه كان يقرأ فيها﴿سبح اسم ربک الأعلٰی﴾و﴿هل أتاک حديث الغاشية﴾ فإن تبرک باقتداء برسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم فی قراء ة هاتين السـورتيـن فـحسـن ولـكـن يـكـره أن يتـخـذ شيـئـاً مـن الـقـرآن حتما فی صلاة لا يقرأ فيها غيره فربما يظن ظانٌّ أنه لاتجوزتلک الصلاة إلا بقراء ة تلک السورة فكان هو مدخلا فی الدين ما ليس منه وقال عليه الصلاة والسلام: "من أدخل فی ديننا ما ليس منه فهو رد". (المبسوط للسرخسی،باب صلاة العيدين: ۲/۴۰،دارالمعرفة)/نحوه فی البدائع، فصل بيان مايستحب فی يوم الجمعة ومايكره: ۱/۲۶۹،دارالكتب العلمية. انيس)

(۲) مشكاة المصابيح، كتـاب فضائل القرآن،باب آداب التلاوة و دروس القرآن (ح: ۲۲۰۵)/سنن الترمذی، باب فی فاتحة الكتاب (ح: ۲۹۲۷)

عـن أم سـلـمة قـالت: كان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم إذا قرأ يقطع قراء ته آية آية {بسـم اللّٰه الرحمن الرحيم o الحمدللّٰه رب العالمين o الرحمن الرحيم o مالک يوم الدين o.[واللفظ لعبداللّٰه بن محمدإسناده صحيح وكلهم ثقات،الخ]. (سنن الدارقطنی،باب وجوب قراء ة بسم اللّٰه الرحمن الرحيم،الخ (ح: ۱۱۹۱)انيس)

وفـي كـنـز العمال عن أبي عثمان النهدي عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه أن النبي صلّى الـلّـه عـليه وسلّم كان يقطع قرأته بسم الله الرحمن الرحيم،الحمد لله رب العالمين إلى آخرها،السلفي في انتخاب حديث الفراء،ورجاله ثقات.(كنز العمال:۷۱/۸)(۱)

حدیث ذیل سے بھی اس کی فضیلت ثابت ہورہی ہے:

عـن أبـي هـريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلّى الله عليه وسلّم قال:"من صلّى صلوٰةً ثم لـم يـقـرأفيهـا بـأم الـقرآن فهي خداج "ثلا ثاً،غيرتمام فقيل لأبي هريرة رضي الله تعالى عنه:إنا نكون وراء الإمام فقال:اقرأ بها في نفسك،فإني سمعت رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يقول :قال الله تعالىٰ:قسمت الصلوٰة بينني وبين عبدي نصفين ولعبدي ما سأل،فإذا قال العبد الحمد لـلّـه ربّ الـعٰلمين،قال الله تعالىٰ:حمدني عبدي،وإذا قال:الرحمن الرحيم ، قال الله تعالىٰ:أثنى عـلـيّ عبـدي،وإذا قـال:مـالک يوم الدين،قال:مجدني عبدي،وقال:مرة فوّض اليّ عبدي،فإذا قـال: إيّـاک نـعبـد وإيّـاک نستعيـن،قال:هٰذابيني وبين عبدي ولعبدي ما سأل،فإذا قال:إهدنا الـصّـراط الـمستـقيـم صـراط الـذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولاالضالّين،قال:هٰذا لعبدي ولعبدي ما سأل.(الصحيح لمسلم:۱۶۹/۱)(۲) فقط والله تعالىٰ أعلم

۳/جمادی الاولیٰ ۹۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۸۲/۳۔۸۳)

بوقت بارش مقدار مسنون سے کم قرأت کرے:

سوال: اگرعین جمعہ کی جماعت کے وقت بارش ہونے لگے،امام صاحب کے علم میں یہ بات ہوکہ سینکڑوں نمازی مسجد کے صحن میں کھڑے بھیگ رہے ہیں تو ایسی صورت میں کیا یہ اقرب بہ سنت نہ ہوگا کہ امام صاحب بہت چھوٹی سورتوں سے نماز پڑھائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

جی ہاں!

قـال ابـن عـابدين رحمه الله تعالى:فقد ظهرمن كلامه(الكمال) أنه لاينقص عن المسنون إلا لضرورة كقراء ته بالمعوذتين لبكاء الصبيّ .(رد المحتار:۵۲۸/۱)(۳) فقط والله تعالىٰ أعلم

۱۶/جمادی الآخرہ ۱۳۹۱ھ۔(احسن الفتاویٰ:۸۳/۳)

---

(۱) كنزالعمال،فصل في أذكار التحريمة ومايتعلق بها:۱۰۸/۸،رقم الحديث:۲۲۱۱۸،مؤسسة الرسالة.انيس

(۲) الصحيح لمسلم،كتاب الصوم،باب وجوب قراءة الفاتحة (ح:۳۹۵) بيت الأفكار،انيس

(۳) كتاب الصلاة،باب الإمامة،مطلب:إذا صلىٰ الشافعي قبل الحنفي هل الأفضل الصلاة مع الشافعي أم لا؟==

نماز میں درمیان سورت سے پڑھنا:

سوال: آج کل عام طور پر ائمہ مساجد نمازوں میں پوری سورت پڑھنے کی بجائے درمیان سے کوئی رکوع پڑھتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے یا کہ اس میں کوئی کراہت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

مروج دستور میں بڑی قباحت یہ ہے کہ نمازوں میں سنت کے مطابق مفصل سورتیں نہیں پڑھی جاتیں؛ حالانکہ یہ سنت ہے۔ مفصل سورتوں کا جزء پڑھنے میں یہ تفصیل ہے کہ ایک سورت کے آخر سے دونوں رکعتوں میں قرأت کرنے میں کوئی کراہت نہیں، اس کے سوا دوسری صورتیں مثلاً اول سورت یا وسط سورت سے پڑھنا، یا ایک رکعت میں ایک سورت کا آخر اور دوسری رکعت میں دوسری سورت کا آخر پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے۔

قال فی شرح التنویر: لا بأس أن یقرأ سورة ویعیدها فی الثانیة، وأن یقرأ فی الأولیٰ من محل وفی الثانیة من اٰخر ولو من سورة إن کان بینهما اٰیتان فأکثر.

وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: قال فی النهر وینبغی أن یقرأ فی الرکعتین اٰخر سورة واحدة لا اٰخر سورتین فإنه مکروه عند الأکثر، آهـ، لکن فی شرح المنیة عن الخانیة: الصحیح أنه لا یکره، وینبغی أن یراد بالکراهة المنفیة التحریمیّة، فلا ینافی کلام الأکثر ولا قول الشارح: لا بأس، تأمل، ویؤیده قول شرح المنیة عقب ما مرّ وکذا لو قرأ فی الأولیٰ من وسط سورة أومن سورة أولها ثم قرأ فی الثانیة من وسط سورة أخریٰ أومن أولهاأوسورة قصیرة الاصح أنه لا یکره لٰکن الأولی أن لا یفعل من غیر ضرورة آهـ (قوله ولو من سورة، إلخ) واصل بما قبله: أی لو قرأ من محلین بإن انتقل من اٰیة إلی اخریٰ من سورة واحدة لا یکره إذا کان بینهما اٰیتان فأکثر لکن الأولیٰ أن لا یفعل بلا ضرورة لأنه یوهم الإعراض والترجیح بلا مرجّح. (شرح المنیة) وإنما فرض المسألة فی الرکعتین لأنّه لو انتقل فی الرکعة الواحدة من اٰیة إلیٰ اٰیة یکره وإن کان بینهما اٰیات بلا ضرورة فإن سها ثم تذکر یعودمراعاة لترتیب الاٰیات. (شرح المنیة). (رد المحتار: ۱/۵۱۰)(۱) فقط والله تعالیٰ أعلم

۲۳ رمضان ۹۸ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/۸۵-۸۶)

== أقول: الدعوة إلی الحق لا تتم فائدتها إلا بالتیسیروالتنفیر یخالف الموضوع والشیء الذی یکلف جمهورالناس من حقه التخفیف کما صرح النبی صلی الله علیه وسلم حیث قال: إن منکم منفرین. (حجةالله البالغة، الجماعة: ۲/۴۲، دارالجیل بیروت. انیس)

(۱) باب صفة الصلاة، فصل فی القراء ة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض کفایة، انیس

دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورت پڑھنا:

سوال: ایک رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھی، دوسری میں بھی سورۂ اخلاص پڑھی، تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

فرائض میں عمداً ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، نوافل میں کوئی کراہت نہیں۔

قال فی العلا ئية: لابأس أن يقرأ سورة ويعيدها فی الثانية.(۱)

وفی الشامية: أفاد أنه يكره تنزيهًا.(رد المحتار: ۱/۵۱۰)(۲)

وفی العلائية: ولايكره فی النفل شئ من ذلک.(۳)والله تعالیٰ أعلم

۲۷ر شعبان ۱۳۸۸ھ۔(احسن الفتاویٰ: ۳/۷۶)

---

(۱) الدرالمختارمع ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۲/۲۶۸/ وكذا فی مجمع الأنهر فی ملتقى الأبحر، فصل فی أحكام القراء ة فی الصلاة: ۱/۱۰۶، دارإحياء التراث العربی. انيس

لا بأس أن يقرأ سورة فی الأولیٰ ثم يعيدها فی الثانية لما روى أنه عليه الصلاة والسلام قرأ فی الركعة الأولیٰ من المغرب ﴿إذا زلزلت الأرض﴾ثم قام وقرأها فی الثانية.(تبيين الحقائق، فصل الشروع فی الصلاة وبيان إحرامها: ۱/۱۳۱، بولاق مصر)

عن رجل من جهينة أنه سمع النبی صلى الله عليه وسلم يقرأ فی الصبح إذا زلزلت الأرض فی الركعتين كلتيهما فلا أدرى أ نسی رسول الله صلى الله عليه وسلم أم قرأ ذلک عمداً.(سنن أبی داؤد، باب الرجل يعيد سورة واحدة فی الركعتين (ح:۸۱٦)/سنن البيهقی الكبریٰ، باب التجوز فی القراء ة فی صلاة الصبح (ح:٤٠٢١)

عن سعيد بن المسيب قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم الفجر فقرأ فی الركعة الأولیٰ بـ"إذا زلزت" ثم قام فی الثانية فأعادها.(المراسيل لأبی داؤد، باب فری القراء ة (ح:٤٠)انيس)

عن عروة أن أبا بكر الصديق صلى الصبح فقرأ فيها بسورةالبقرة فی الركعتين كلتيهما.(موطأ الإمام مالک، ت: الأعظمی، القراء ة فی الصبح (ح:۲۷۰)انيس)

(۲) باب صفة الصلاة، فصل فی القراء ة ، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية، انيس

(۳) رد المحتار. باب صفة الصلاة: ۱/۵۱۱.

ولو قرأ السورة فی ركعة ثم كررها فی الثانية يكره إلا فی النوافل.(قنية المنية لتتميم الغنية، باب فی القراء ة والتسبيح والتعوذ والثناء: ۱٦، طبع كلكتة. انيس)

قال فی الخلاصة: هذا كله فی الفرائض، أما فی النوافل فلا يكره، وعندی فی الكلية نظر، الخ.(فتح القدير، فصل فی القراء ة: ۱/۳٤۳، دارالفكر بيروت. انيس)

سنت فجر اور وتر میں متعین سورتیں پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نمازوں میں مخصوص سورتیں پڑھنا، جیسے فجر کی سنتوں میں پہلی رکعت میں الکافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص اور وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ التکاثر دوسری میں سورۃ الکافرون اور تیسری میں سورۂ اخلاص ہمیشہ پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

فجر کی سنتوں میں سورۂ کافرون واخلاص اور وتر میں سورۂ اعلیٰ، کافرون اور اخلاص پڑھنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، (۱) وتر کی پہلی رکعت میں سورۂ تکاثر کی کوئی وجہ تخصیص نہیں، مع ہذا اگر سورۂ غیر ماثورہ بغرض سہولت یا سورۂ ماثورہ بہ نیت تبرک اختیار کرتا ہے تو اس میں کوئی کراہت نہیں، مگر اس کو لازم نہ سمجھے اور کبھی کبھی ناغہ کردینا بہتر ہے، البتہ وتر کی امامت میں ان سورتوں پر دوام مکروہ ہے، اس لیے کہ اس سے ناواقف کو شبہ وجوب ہوسکتا ہے، اسی لیے فرائض کی امامت میں بھی مخصوص سورت پر دوام مکروہ ہے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲/رجب ۱۳۹۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ:۳/۸۰)

☆☆☆

---

(۱) عن عبدالله بن عمر قال: رمقت النبی صلی الله علیه وسلم شهراً فکان یقرأ فی الرکعتین قبل الفجر قل یا أیها الکافرون وقل هو الله أحد. (مسند الإمام أحمد، مسند عبدالله بن عمر (ح: ۵۶۹۱)/موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان، باب ماجاء فی رکعتی الفجر وما یقرأ فیهما (ح: ۶۰۹) انیس)

عن عبد الرحمن بن أزدی قال: کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یقرأ فی الوتر فی الرکعة الأولٰی بـ''سبح اسم ربک الأعلٰی'' وفی الثانیة ''قل للذی کفروا یعنی قل یا أیها الکافرون'' وهی هکذا فی قراء ة ابن مسعود رضی الله عنه وفی الثالثة ''قل هو الله أحد''.

قال محمد: إن قرأت بهذا فهو عندنا حسن وما قرأت من القرآن فی الوتر مع فاتحة الکتاب فهو أیضاً حسن إذا قرأت مع فاتحة الکتاب بثلاث آیات فصاعدا وهو قول أبی حنیفة رحمه الله. (کتاب الآثار لمحمد بن الحسن الشیبانی، باب الوتر ومایقرأ فیها: ۳۲۶/۱، دارالکتب العلمیة بیروت. انیس)

(۲) ولا ینبغی أن یوقت شیئاً من القرآن فی الوتر لمامر، ولو قرأ فی الرکعة الأولٰی ﴿سبح اسم ربک الأعلٰی﴾ ...إتباعاً للنبی صلی الله علیه وسلم کان حسناً لکن لا یواظب علیه کی لا یظنه الجهال حتماً. (بدائع الصنائع، فصل فی القنوت: ۲۷۳/۱، دارالکتب العلمیة. انیس)

مکروہاتِ قرأت

دوسری رکعت کو پہلی سے لمبی کرنا اور درمیان میں چھوٹی سورت چھوڑ نا مکروہ ہے:

سوال: ایک شخص اول رکعت کی قرأت سے دوسری رکعت کی قرأت کو طویل کرتا ہے اور چھوٹی سورت درمیان میں چھوڑتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

دوسری رکعت میں بہ نسبت قرأت اول رکعت کی تین آیتوں سے زیادہ طول کرنا مکروہ ہے،(۱) اسی طرح چھوٹی سورت کا فاصلہ کرنا مکروہ ہے۔(کذافی الدر المختار)(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۱۷-۲۱۸)

(۱) یہاں کراہت سے مراد مکروہ تنزیہی ہے، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فجر کی نماز میں معوذتین کی قراءت ثابت ہے، ظاہر ہے کہ سورہ فلق سے سورہ ناس لمبی ہے۔

عن عقبة بن عامر: أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم أمهم بالمعوذتین فی صلاة الصبح. (مسند الرویانی، جبیر بن نفیر عن عقبة بن عامر (ح:٢٤٤)/صحیح ابن حبان، ذکر الإباحة للمرء أن یقتصر فی القراءة فی الفجر(ح:١٨١٨)

البتہ دوسری رواتیوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول نہیں تھا، بلکہ آپ نے بچے کی رونے چلانے کی آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا۔

عن أنس بن مالک أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم جوز ذات یوم فی صلاة الفجر فقیل: یارسول اللّٰہ! لم جوزت؟ قال: سمعت بکاء صبی فظننت أن أمه معنا تصلی فأردت أن أفرغ له أمه. (مسند الإمام أحمد، مسند أنس بن مالک (ح:١٣٧٠١)/حدیث السراج، الجزء الثالث منحدیث أبی العباس محمد، الخ (ح:٥٨٩) انیس)

(۲) وتطال أولی الفجر علیٰ ثانیتها... (فقط) وقال محمد: أولی الکل حتیٰ التراویح، قیل: وعلیه الفتویٰ (وإطالة الثانیة علی الأولیٰ یکره) تنزیهًا (إجماعاً إن بثلاث آیات) إن تقاربت طولاً وقصراً و إلا اعتبر الحروف والکلمات، الخ (وإن بأقل لایکره) إلخ ویکره الفصل بسورة قصیرة (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة:١/٥٠٥-٥٠٦ ـ ٥١٠، ظفیر)

دوسری رکعت کی قرأت کرنے کی صورت میں اگر چھوٹی سورت کے برابر فصل ہو تو مکروہ ہے، البتہ اگر لمبی سورت دونوں رکعت میں پڑھے، مگر اس طور پر کہ اس کی وجہ سے دوسری رکعت لمبی ہوجائے تو یہ مکروہ نہیں ہے۔

أما بسورة طویلة بحیث یلزم منه إطالة الرکعة الثانیة إطالة کثیرة فلا یکره. (ردالمحتار، فصل فی القراءة :١/٥٤٦، دارالفکر. انیس)

دوسری رکعت میں لمبی قرأت مکروہ تنزیہی ہے:

سوال: مسئلہ جو مشہور ہے کہ پہلی رکعت میں چھوٹی سورت اور دوسری میں بڑی سورت مکروہ ہے، یہ مکروہ کونسا مکروہ ہے، تحریمی یا تنزیہی اور بڑی چھوٹی ہونے میں کچھ حد ہے کہ اتنی بڑی یا اتنی چھوٹی ہو یا نہیں، اگر کوئی شخص پہلی رکعت میں سورۂ کوثر پڑھے اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص، یہ مکروہ ہوگا یا نہیں، اور سورتوں میں جو ترتیب ہے یہ سنت ہے یا واجب اس کے ترک سے سجدۂ سہو لازم ہوگا یا نہ؟

الجواب

فی الدر المختار: (وإطالة الثانية علٰى الأولٰى يكره) تنزيهًا (إجماعًا إن بثلاث آيات) إلخ. (۱)

پس معلوم ہوا کہ اگر کسی نے پہلی رکعت میں سورۂ کوثر اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھی تو یہ مکروہ نہیں؛ کیوں کہ دوسری سورت میں تین آیتوں کی زیادتی نہیں ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۲/۲۲۱)

فجر کی دوسری رکعت میں قرأت پہلی سے لمبی کردے تو مکروہ ہے یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ امام صبح کی نماز میں اول رکعت سے دوسری رکعت میں قرأت کو قصداً دو چار آیات طول دیوے، اس صورت میں بلا کراہت نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں نماز صحیح ہے، بلا کراہت۔

شامی میں ہے کہ بڑی سورتوں میں تین آیات کی زیادتی کا اعتبار نہیں ہے، البتہ چھوٹی سورتوں میں دوسری رکعت میں تین آیات کی زیادتی مکروہ تنزیہی ہے۔ (۳) فقط واللہ اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ، مفتی مدرسہ دیو بند۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۲/۲۴۸)

---

(۱) الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۵۴۲، دار الفكر، ظفير

(۲) (وإن بأقل لا) يكره. (أيضاً: ۱/۵۴۳، ظفير)

(۳) بل الذی ینبغی أن الزیادة إذا كانت ظاهرة ظهورًا تامًا تكره وإلا فلا للزوم الحرج فی التحرز عن الخفیة.

وأيضاً قال: والذی تحصل من مجموع كلامه وكلام القنية، أن إطلاق كراهة إطالة الثانية بثلاث آيات مقيد بالسور القصيرة المتقاربة الآيات لظهور الإطالة حينئذ فيها أما السور الطويلة أو القصيرة المتفاوتة فلا يعتبر العدد فيهما بل يعتبر ظهور الإطالة من حيث الكلمات وإن اتحدت اٰيات السورتين عدداً. فقط والله أعلم. (ردالمحتار: ۱/۵۰۷) (باب صفة الصلاة، فصل في فضائل القراءة، مطلب: السنة تكون سنة عين وسنة كفاية: ۱/۵۴۳، انيس)

پہلی رکعت میں سورہ ''سبح اسم ربک، الخ''
اوردوسری میں سورۃ الغاشیۃ پڑھنے کا حکم؛ درانحالیکہ سورۂ غاشیہ کی آیات زائد ہیں:

سوال: ''سورۃ سبح اسم'' اور ''ھل أتاک حدیث الغاشیۃ'' ان دونوں صورتوں میں سورۂ غاشیہ کی آیات سورۂ اعلیٰ سے زیادہ ہیں، نماز میں ان دونوں کو پڑھنے سے کسی قسم کی کراہت تو نہیں؟

الجواب

لکونہ ماثورًا فیستثنی من الکراھۃ.(۱)

۲۳/رجب ۱۳۴۹ھ۔ (امداد الفتاویٰ جدید:۱/)

دوسری رکعت کو طول دینے میں کس چیز کا اعتبار ہے:

سوال: نماز میں اول رکعت سے دوسری رکعت میں زیادہ قرأت مکروہ ہے، یہ بحساب آیتوں کے ہے یا بحساب حروف کے یا بحساب کلمات کے؟

الجواب

اگر آیتیں برابر یا قریب برابر کے ہیں تو عدد آیات کا اعتبار ہے کہ دوسری رکعت کی قرأت تین آیات سے زیادہ نہ ہو اور اگر آیات متفاوت ہوں، طول وقصر میں تو حروف وکلمات کا اعتبار ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۲۵۵)

(۱) یہ سوال وجواب النور محرم ۱۳۵۱ھ سے لکھا گیا ہے، اس میں چند نمبر اور بھی تھے جن کا تبویب میں دوسری جگہ آنا مناسب تھا، وہاں درج کردئے گئے۔ بندہ محمد شفیع

حاصل جواب: چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیۃ پڑھنا ثابت ہے، لہٰذا کراہت نہیں ہے۔ سعید احمد

عن النعمان بن بشیر أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قرأ فی الجمعۃ والعیدین ب''سبح اسم ربک الأعلیٰ'' و''ھل أتاک حدیث الغاشیۃ''.(مسند أبی داؤد الطیالسی،النعمان بن بشیر (ح: ۸۳۲)/سنن الدارمی،باب القراءۃ فی صلاۃ الجمعۃ (ح: ۱۶۰۹)/الصحیح لمسلم،باب مایقرأ فی صلاۃ الجمعۃ (ح: ۸۷۸)/سنن أبی داؤد، باب مایقرأ بہ فی صلاۃ الجمعۃ (ح: ۱۱۲۲)/سنن الترمذی،باب القراءۃ فی العیدین (ح: ۵۳۳)/مسند البزار،مسند النعمان بن بشیر (ح: ۳۲۳۰)/سنن النسائی،باب القراءۃ فی العیدین بسبح اسم ربک الأعلیٰ (ح: ۱۵۶۸)/المنتقی لابن الجارود،ماجاء فی العیدین (ح: ۲۶۵)/مسند أبی حنیفۃ روایۃ أبی نعیم،إبراھیم بن محمد بن المنتشر بن الأجدع: ۱/۵۲،مکتبۃ الکوثر الریاض)

عن سمرۃ بن جندب أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قرأ فی صلاۃ الجمعۃ''سبح اسم ربک الأعلیٰ'' و ''ھل أتاک حدیث الغاشیۃ''.(مسند أبی داؤد الطیالسی،وما أسند عن سمرۃ بن جندب (ح: ۸۲۹)/سنن النسائی، القراءۃ فی صلاۃ الجمعۃ بسبح اسم ربک الأعلیٰ (ح: ۱۴۲۲)انیس)

(۲) (وإطالۃ الثانیۃ علی الأولی یکرہ) تنزیھاً (إجماعًا إن بثلاث آیات) إن تقاربت طولاً وقصرًا،وإلا اعتبرت الحروف والکلمات،الخ (وإن بأقل لا) یکرہ.(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار،باب صفۃ الصلاۃ،فصل فی القراءۃ: ۱/۵۰۶)

وتر کی رکعتوں میں بڑی چھوٹی سورتوں کی قرأت کی تو نماز ہوئی یا نہیں:

سوال: وتر میں امام صاحب نے پہلی رکعت میں '' والعصر ''، دوسری میں ''التکاثر ''، تیسری میں ''الھمزۃ'' پڑھی، تیسری سورت دوسری سے دوگنی ہے تو نماز وتر ہوئی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

نماز وتر ہوگئی، اس قدر سورتوں کے بڑے چھوٹے ہونے سے نماز میں کچھ کراہت نہیں آتی ۔(۱)

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب قرآن کے خلاف سورتیں پڑھی گئیں، یہ بھی مکروہ ہے، اس سے پرہیز کرنا چاہئے، یوں نماز ہوگئی ۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۳۵-۲۳۶)

چھوٹی سورت کا فصل مکروہ ہے:

سوال: اگر کوئی چھوٹی سورتوں میں سے ایک سورۃ پڑھ کر درمیان میں ایک سورۃ چھوڑ کر دوسری رکعت میں تیسری سورت پڑھے یا پہلی رکعت میں چھوٹی سورۃ اور دوسری میں بڑی سورۃ پڑھے تو کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

سورۂ قصیر کا فصل کرنا فرائض میں مکروہ ہے ۔(۳)

---

(۱) (وإطالة الثانية على الأولٰى يكره) تنزيهًا (إجماعاً إن بثلاث آيات) إن تقاربت طولاً وقصرًا وإلا اعتبرت الحروف و الكلمات واعتبر الحلبي فحش الطول لا عدد الآيات، واستثنى في البحر ماوردت به السنة، واستظهر في النفل عدم الكراهة مطلقًا (وإن بأقل لا) يكره. (الدر المختار)

(قوله: فحش الطول، إلخ) كما لوقرأ في الأولٰى والعصر وفي الثانية الهمزة فرمز في القنية أولاً أنه لايكره، ثم رمز ثانياً أنه يكره وقال: لأن الأولٰى ثلاث آيات والثانية تسع وتكره الزيادة الكثيرة، الخ. (رد المحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۰۶-۵۰۷) (باب صفة الصلاة، مطلب: السنة تكون سنة عين وسنة كفاية، انيس)

(۲) ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوساً. (الدر المختار)

لأن ترتيب السور في القراءة من واجبات التلاوة. (رد المحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۱۰، ظفير) (باب صفة الصلاة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية، انيس)

ويكره أن يقرأ سورة أو آية في ركعة ثم يقرأ في الثانية مافوقها وعليه جمهور الفقهاء وعن عبداللّٰه أنه سئل عمن يقرأ القرآن منكوساً فقال: ذلك منكوس القلب، وهو بأن يقرأ سورة ثم يقرأ بعدها سورة قبلها في النظم وبه قال أحمد، ولم يكرهه مالك. (حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، فصل الشروع في االصلاة وبيان إحرامها: ۱/۱۳۱، المطبعة الأميرية بولاق مصر. انيس)

(۳) ويكره الفصل بسورة قصيرة، إلخ، ولايكره في النفل شئ من ذالك. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۵۱۰، ظفير)

==

اور دوسری رکعت میں بقدر تین آیت یا زیادہ، پہلی رکعت سے قرأت زیادہ کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔
(وإطالة الثانية على الأولٰى يكره) تنزيهاً (إجماعًا إن بثلاث آيات)، إلخ. (الدر المختار)(۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۲۴)

ترتیب قرآنی، دوسورتوں کے درمیان فصل کی صورت میں سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: اگر سورۂ کافرون پڑھ کر "إنا أعطينا يا لإيلٰفِ" وغیرہ پڑھے، تو ترتیب قرآنی کے خلاف پڑھنے میں نماز ہوگی یا نہیں اور اگر سجدۂ سہو کرلے تو کراہت جاتی رہے گی یا نہیں؟

(۲) اول رکعت میں "إنا أعطينا"، دوسری رکعت میں اذا جاء پڑھے، تو نماز مکروہ ہوگی کہ نہیں؛ اس لئے کہ اس نے چھوٹی سورت ایک درمیان میں چھوڑ کر کے، پڑھی سجدۂ سہو کرنے سے نماز کی کراہت جاتی رہے گی کہ نہیں؟

(۳) اول رکعت میں چھوٹی سورت پڑھے دوسری میں بڑی سورت پڑھے تو نماز مکروہ ہوگی کہ نہیں اور سجدۂ سہو سے نماز ٹھیک ہوگی یعنی کراہت جاتی رہے گی یا نہیں؟

الجواب

(۱) فی الدر المختار، فصل القراءة: ويكره الفصل بسورة قصيرة وإن يقرأ منكوسًا. (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ نماز ہوگئی اور سجدۂ سہو لازم نہیں، خصوصاً جبکہ بلا قصد ہوا ہو تو کراہت بھی نہیں۔

لما فی (۴) الرد: (قوله ثم ذكريتم) أفاد أن التنكيس أو الفصل بالقصيرة إنما يكره إذا كان عن قصد فلو سهوًا فلا كما فی شرح المنية، آه. (ص: ۵۷۱)(۳)

(۲) فی الدر المختار: ويكره الفصل بسورة قصيرة.

فی ردالمحتار: أما بسورة طويلة بحيث يلزم منه إطالة الركعة الثانية إطالةً كثيرةً فلا يكره، شرح المنية. (۵)

== (و) يكره (فصله بسورة بين سورتين قرأهما في ركعتين) لما فيه شبهة التفضيل والهجر، وقال بعضهم: لايكره، إذا كانت السورة طويلة كما لو كان بيهمنا سورتان قصيرتان. (مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، فصل فی المكروهات: ۱۲۹، المكتبة العصرية. انيس)

(۱) الدر المختار علٰى هامش رد المحتار. باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة: ۱/۵۰۶، ظفير

(۲) الدر المختار مع ردالمحتار، فروع فصل القراءة قبل باب الامامة: ۱/۵۴۶۔

(۳) ردالمحتار: ۱/۵۴۷، قبل باب الإمامة (باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية، انيس)

(۴) یہاں پر تصحیح الاغلاط ص: ۱۰ سے عبارت میں اضافہ کیا گیا ہے۔

(۵) الدر المختار مع ردالمحتار، فروع فصل القراءة قبل باب الإمامة: ۱/۵۴۶ (باب صفة الصلاة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية، انيس)

اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹی سورت درمیان میں چھوڑنا، جو مکروہ ہے، تو اس میں شرط یہ ہے کہ سورت متروکہ اول سورت سے بڑی نہ ہو،(۱) ورنہ مکروہ نہیں اور چونکہ صورت مسئولہ (۲) میں سورت متروکہ یعنی "قل یاأیھا الکافرون" سورت "إنا أعطیناک الکوثر" سے بڑی ہے، اس لئے یہ ترک مکروہ نہیں ہوا، البتہ دوسری رکعت کا طویل ہونا موجب کراہت ہوا، کما فی الدر المختار أیضا: وإطالة الثانیة علیٰ الأولیٰ یکرہ تنزیھًا؛ لیکن سجدۂ سہو لازم نہیں۔

(۳) مکروہ بمعنی خلاف سنت ہے، لما مر فی الجواب عن السوال الثانی ؛ لیکن سجدہ سہو واجب نہیں۔

واللہ تعالیٰ أعلم وعلمہ أتم

۲/ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ۔ (امداد صفحہ: ۱/ ۶۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۲۵۹-۲۶۰)

درمیان میں چھوٹی سورت نہ چھوڑی جائے:

سوال: کہا جاتا ہے کہ "إِذَا جَاءَ" کے بعد "تَبَّتْ" پڑھنی چاہئے اس کو ترک کر کے "قُلْ هُوَ اللّٰهُ" نہ پڑھے ... پڑھنے والے کو "إِذَا جَاءَ" اور "قُلْ هُوَ اللّٰهُ" سے محبت ہے تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

ایک چھوٹی سورت کا فاصلہ کرنا فرائض وواجبات میں فقہا نے مکروہ لکھا ہے، (۳) پس اگر "قُلْ هُوَ اللّٰهُ" دوسری رکعت میں پڑھنی ہے تو پہلی میں "قُلْ یَا اَیُّهَا" پڑھ دے اور اگر پہلی رکعت میں "إِذَا جَاءَ" پڑھی ہے تو دوسری میں "قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" پڑھے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/ ۲۳۶)

چھوٹی سورت کی تعریف:

سوال: جو آیت سورۂ کوثر کے برابر ہو بڑی آیت شمار ہوگی، کسی کتاب فقہ کی عبارت تحریر فرما دیجئے کہ کم سے کم بڑی آیت کی مقدار کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

درمختار میں ہے:

(وضم) أقصر (سورة) کالکوثر أو ماقام مقامها وهو ثلاث آیات قصار، نحو ﴿ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾.

---

(۱) اس سلسلہ میں مفصل بحث سوال نمبر: ۲۱۴ کے جواب اور اس کے حاشیہ میں گذری ہے۔

(۲) اس جگہ بھی تصحیح الاغلاط ص: ۱۰ سے عبارت میں ترمیم کی گئی ہے۔ محمد شفیع عفی عنہ

(۳) مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، فصل فی المکروہات: ۱۲۹، المکتبة العصریة. انیس

وفی ردالمحتار: (قوله: تعدل ثلا ثاً قصاراً) أی مثل "ثُمَّ نَظَرَ، إلخ" وهی ثلاثون حرفاً فلوقرأ آية طويلة قدرثلاثين حرفاً يكون قد أتى بقدرثلاث آيات، إلخ. (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۲۶/۲)

چھوٹی سورت کی مقدار کیا ہے اور وہ کونسی ہیں:

سوال: وہ چھوٹی سورتیں کونسی ہیں جن کو پہلی رکعت اور دوسری رکعت کی قرأت کے درمیان چھوڑنے سے نماز مکروہ ہوتی ہے؟

الجواب

وہ سورتیں قصار مفصل کی "لم یکن" سے آخر قرآن شریف تک ہیں۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۴۴/۲)

چھوٹی تین آیتوں کی پہچان:

سوال: قرآن مجید کی چھوٹی سی تین آیتیں جو ایک رکعت میں کافی ہوسکتی ہیں کونسی ہیں؟ آیت گول O ٹکڑے کی مانی جاتی ہیں، یا ج، ص، ز، ط وغیرہ پر مانی جاتی ہے؟ ایک بڑی آیت کے مقابلہ میں چھوٹی تین آیت کافی ہوسکتی ہیں یا کیا؟

الجواب

واجبات نماز میں سے یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد تین آیات چھوٹی یا ایک آیت بڑی جو چھوٹی تین آیتوں کے برابر ہو پڑھے، چھوٹی سورت جس میں تین آیتیں ہیں ﴿اِنَّـآ اَعْـطَيْـنٰکَ الْـکَوْثَرَ﴾ ہے، یہ سورت یا اس کے مانند کوئی دوسری سورت "الحمد" کے بعد پڑھنے سے واجب ادا ہوجاتا ہے اور آیت وہی سمجھی جاتی ہے، جس پر گول نشان اس صورت سے O ہو اور بڑی آیت کی مثال "آیۃ الکرسی" یا "آیۃ مداینۃ" وغیرہ ہے اور چھوٹی آیات کی مثال: ﴿ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۴۵/۲) ☆

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، باب صفة الصلوٰة، مطلب واجبات الصلوٰة: ۴۲۷/۱، ظفیر (مطلب: کل صلاة أديت مع کراهة التحريم تجب إعادتها، انیس)

(۲) (و) منها إلى آخر "لم یکن" (أوساطه، الخ) وباقيه (قصاره). (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة: ۵۰۴/۱، ظفیر)

(۳) (وضم) أقصر (سورة) کالکوثر أوما قام مقامها، وهو ثلاث آيات قصار نحو "ثُمَّ نَظَرَ..." ﴿ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ الخ. (الدرالمختار علی هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة: ۴۲۷/۱، ظفیر)

☆ **تین چھوٹی آیتوں سے مراد:**

سوال: نماز میں سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورہ ملانے کے مسئلہ میں کہا جاتا ہے کہ اگر ایک آیت تین چھوٹی آیتوں ==

قرأت کی مقدار:

سوال: زید نے مغرب کی نماز میں امام بن کر دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد سورۂ مزمل کی اخیر کی آیتوں میں سے ﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَآتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾(۱) تک جہاں تین جگہ اور اخیر میں علامت آیت موجود ہے، پڑھی اور باقی رکعت کو حسب دستور ادا کیا، فاتحہ کے بعد اسی قدر آیت قرآنی پڑھنے سے اس کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

هو المصوب

صورت مسئول عنہا میں زید کی نماز مع الکراہۃ صحیح ہوئی؛ کیوں کہ اس کو پہلی دو رکعت میں فاتحہ کے بعد ایک سورت یا چھوٹی تین آیتیں یا بڑی ایک آیت پڑھنا واجب تھا؛ لیکن اس نے قصداً ایک آیت سے بھی کم پڑھ کر واجب کو ترک کیا، اس لئے اس پر نماز پھر پڑھنی واجب ہے اور نماز کو اعادہ نہ کرنے سے وہ فاسق اور گنہگار رہوا، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری وغیرہ کی عبارت اس پر شاہد ہے۔ عالمگیری میں ہے:

ویجب قراء ۃ الفاتحة وضم السورة أو ما یقوم مقامها من ثلٰث آیات قصار أو آیة طویلة فی الأولیین بعد الفاتحة، کذا فی النهر الفائق، انتهٰی. (۲)

اور درمختار میں ہے:

و(لها واجبات) لا تفسد بترکها وتعاد وجوبًا فی العمد والسهوإن لم یسجد له، وإن لم یعدها یکون فاسقًا آثمًا، انتهٰی. (۳)

== کے برابر کی پڑھ لے تو نماز درست ہوجائے گی، تو تین چھوٹی آیتوں سے کون سی چھوٹی آیتیں مراد ہیں؟ (عبدالحفیظ، ناملی)

الجواب

فقہا نے قرآن کی سب سے چھوٹی تین آیات کی حیثیت سے ان آیات کا ذکر کیا ہے:

﴿ ثُمَّ نَظَرَ، ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ، ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَکْبَرَ ﴾ (المدثر: ۲۱-۲۳، از محشی)

یہی بات قاضی خان اور علامہ حلبیؒ وغیرہ نے لکھی ہے، (دیکھئے: فتاوی قاضی خان: ۱/۱۶۱، کبیری: ص: ۲۷۴)

ان آیات میں تلفظ کے اعتبار سے ۲۹ ر حروف ہوتے ہیں۔ لہٰذا سورۂ فاتحہ کے ساتھ کم سے کم ایک ایسی آیت کا پڑھنا واجب ہے، جو ۲۹ ر حروف پر مشتمل ہو۔ (کتاب الفتاویٰ: ۲/۱۹۳)

(۱) سورة المزمل: ۲۰، انیس

(۲) الفتاوٰی الهندیة، الفصل الثانی فی واجبات الصلاة: ۱/۷۱، دار الفکر/ النهر الفائق، باب صفة الصلاة: ۱/۱۹۷، دار الکتب العلمیة بیروت. انیس

(۳) باب صفة الصلاة، واجبات الصلاة: ۲/۱۴۶، انیس

اور ردالمحتار میں ہے:

(قوله وتعاد وجوبًا)أی بترک هذه الواجبات أوواحد منها،انتهٰی.(۱)

اور ہدایہ کے مکروہات الصلوٰۃ میں ہے:

والصلاة جائزة فی جمیع ذلک لاستجماع شرائطها وتعاد علٰی وجه غیرمکروه وهذا الحکم فی کل صلوٰة أدیت مع الکراهة.(وفی الحاشیة:کما إذا ترک واجبًا من واجبات الصلوٰة)،انتهٰی.(۲)

اور جامع الرموز میں ہے:

وواجبها...(قراء ة) خصوص (الفاتحة) (وضم)مقدار (سورة) من آیة طویلة أوثلٰث قصار، وفی الکلام إشارة إلٰی أنه یجب تأخیر السورة عن الفاتحة وإلٰی أنه یجب أن یقرأ مرة،کما فی المحیط وإلٰی أنها واجبة ولذاکان تارکها یؤمر بالإعادة،کما فی القنیة وإلٰی أن نفس السورة واجبة أیضًا،کما قال القاضی فی الجامع.(۳)

اس لئے صورت مسئول عنہا میں امام مذکور کی قرأت میں بعد فاتحہ کے ایک آیت بھی نہیں پائی گئی؛ کیونکہ وہاں تین جگہ اور اخیر میں،علامت آیۃ موجود ہے،اسی سبب سے وہ تارک واجب ہوا،اور پھر نماز کو اعادہ نہ کرنے کی وجہ سے شرعاً فاسق اور گنہگار بھی ہوا،هکذا حکم الکتاب واللّٰه أعلم بالصواب وإلیه المرجع والمآب.

حرره الراجی رحمة ربه الولی محمد رمضان علی الکوشاکالوی

أقول وباللّٰه التوفیق وبیده أزمة التحقیق،الجواب جواب لایماثله جواب والمنکرعلی خلاف الصواب،لأن البعض قد استشکله بعبارة الهندیة والشامی حیث حررت فی مقامها أنه لو قرأ بعض آیة الکرسی فی رکعة والبعض فی رکعة أخریٰ لایجوزعند الإمام وعند العامة یجوز ویکتفی فلاتثبت من قول الجوازوالکفایة الصحة الکاملة لترک الواجب وهوقراء ة الأیة التامة فی رکعة واحدة فعلیه أن یعید وجوبًا فی العمد والسهوإن لم یسجد له وإن لم یعدها یکون فاسقًا آثمًا کما فی الوقایة فرض القراء ة آیة...والمکتفی بها مسیء لترک الواجب.

وفی القدوری:یقرأ فاتحة الکتاب وسورة معهاأوثلاث آیات من أی سورة شاء.(۴)

---

(۱) ردالمحتار،باب صفة الصلاة،مطلب:واجبات الصلاة:۱۴۶/۲،انیس

(۲) الهدایة،کتاب الصلاة،باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها،فصل فی مکروهات الصلاة:۲۵/۲،انیس

(۳) جامع الرموز،کتاب الصلاة،فصل شروط الصلاة:۷۹،انیس)
اس کے بعد مجیب نے اوقاف قرآن کی بحث طرداً لکھی ہے،ہم نے اختصاراً حذف کردیا۔

(۴) مختصرالقدروی،کتاب الصلاة،باب صفة الصلاة:۲۷،انیس

وفي الذخيرة: قراءة ثلاث آيات قصار أو آية طويلة من واجبات الصلوٰة بالإجماع فلو قرأ مع الفاتحة اٰية قصيرة سهوًا فعليه السهو. (۱)

وفي الهندية: لو قرأ أقل من آية وإن كان حرفًا يكره. (۲)

وفي الدر المختار: كل صلوٰة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها. (۳) **والله أعلم**

محمد تبارک علی واشگنج۔

الجواب ــــــــــ : حقیقت یہ ہے کہ جو مقدار قرأت کی فرض ہے، وہی مقدار سورۂ فاتحہ کے بعد واجب ہے؛ کیوں کہ فقہائے کرام جو الفاظ یعنی "**سورة أو ما يقوم مقامها**" وغیرہ فرض قراءت میں ذکر کرتے ہیں، وہی الفاظ واجبات میں ذکر کرتے ہیں، کما لا یخفی، بس اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ آیت طویلہ کا حصہ جو تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہو، وہ تین آیتوں کے قائم مقام ہے یا نہیں، سو عالمگیری شامی وغیرہ کتب فقہ میں مصرح ہے:

إذا قرأ آية طويلة في الركعتين نحو آية الكرسي وآية المداينة البعض في ركعة والبعض في أخرى ... وعامتهم علىٰ أنه يجوز، كذا في المحيط. (۴)

اس سے ثابت ہوا کہ آیت طویلہ کا جزو مطلقاً کافی ہے؛ یعنی بدون فاتحہ کافی عن الفرض ہے اور مع الفاتحہ کافی عن الواجب ہے، پس جواب مرسل کی تصدیق میں جو لکھا ہے، **في الوقاية فرض القراءة آية والمكتفي بها مسيء لترك الواجب**، (۵) اس میں اکتفاء علی الآیۃ بدون الفاتحہ کا ذکر ہے اور ہندیہ سے جو "**لو قرأ أقل من آية وإن كان حرفًا يكره**" (۶) نقل کیا ہے، وہ عبارت اس وقت ملی نہیں، اگر اس میں ہو تو مراد کراہۃ تنزیہہ لی جاوے گی، للجمع بین الروایات، اور عبارات فقہیہ جو واجبات صلوٰۃ میں ہیں کہ **وضم السورة أو ما يقوم مقامها من ثلاث آيات قصار أو آية طويلة** (۷) یہ بر سبیل تمثیل ہے، آیۃ طویلہ کے حصہ کا اس میں ذکر نہیں نفیاً نہ اثباتاً، اور

(۱) وفي فتاوىٰ النسفي: قراءة ثلاث آيات قصار أو آية طويلة واحدة بالإجماع. (البناية شرح الهداية، أدنىٰ ما يجزئ من القراءة في الصلاة: ۲/۳۰۳، دار الكتب العلمية بيروت. انيس)

(۲) الفتاوىٰ الهندية، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الرابع في القراءة: ۸۷/۱، انيس

(۳) كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۱/۴۷۱، انيس

(۴) ردالمحتار، واجبات الصلاة: ۴۵۹/۱، دار الفكر/الفتاوىٰ الهندية، الفصل الأول في فرائض الصلاة: ۶۹/۱، دار الفكر بيروت/المحيط البرهاني، الفصل الرابع في كيفيتهما: ۲۹۸/۱، دار الكتب العلمية بيروت. انيس

(۵) شرح الوقاية معه عمدة الرعاية، فصل في القراءة: ۱۴۰/۱، المطبع اليوسفي لكناؤ. انيس

(۶) الفتاوىٰ الهندية، الفصل الخامس في زلة القاري: ۷۹/۱، دار الفكر بيروت. انيس

(۷) الفتاوىٰ الهندية، الفصل الثاني في واجبات الصلاة: ۷۱/۱، دار الفكر بيروت. انيس

دوسری جگہ آیت کے جُزو کا کافی ہونا مصرح ہے، تو اس محکم کو مقدم رکھنا ضروری ہے، اس تمثیل کی بنا پر اس محکم جزئیہ میں کلام نہیں ہوسکتا۔

لہذا صورتِ سوال میں نماز بالکل درست ہوگئی، ترکِ واجب نہیں ہوا، البتہ عالمگیریہ کی روایت جس کے متعلق گذر چکا ہے کہ ہمیں نہیں ملی، اس کی بنا پر خلاف اولیٰ کا حکم ضرور کیا جاوے گا، لترک السنة.

کتبہ عبدالکریم۔ ۲۳ رجب ۱۳۵۳ھ۔ (امدادالاحکام: ۲/۲۰۲-۲۰۴)

پہلی رکعت میں ''إِذَا جَاءَ'' اور دوسری رکعت میں ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ'' تو کوئی نقصان ہوا یا نہیں:

سوال: امام نے پہلی رکعت میں ''إِذَا جَاءَ'' اور دوسری رکعت میں ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ''، تو نماز میں کچھ نقصان ہوا، یا نہیں؟

الجواب

فرضوں میں قصداً اس طرح پڑھنا کہ ایک چھوٹی سورت کا فاصلہ کیا جاوے، جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے، مکروہ ہے اور نماز ہو جاتی ہے اور اگر سہواً ہو گیا تو کچھ کراہت نہیں ہے اور نوافل میں کچھ کراہت نہیں ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۳۹-۲۴۰) ☆

(۱) ویکره الفصل بسورة قصيرة الخ ولايكره في النفل شئ من ذالک.(الدرالمختار)
أفادأن التنكيس أوالفصل بالقصيرة إنما يكره إذا كان عن قصد فلوسهوًا فلا ، كما في شرح المنية.(رد المحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۱۰، ظفير)(باب صفة الصلاة،مطلب:الاستماع للقرآن فرض كفاية،انيس)

☆ **پہلی رکعت میں ''إِذَا جَاءَ'' اور دوسری میں ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ'' کیا حکم ہے:**

سوال: امام نے پہلی رکعت میں سورۂ ''إِذَا جَاءَ'' پڑھی اور دوسری رکعت میں ''قُلْ هُوَ اللّٰهُ''. نماز کو پھر پڑھنا چاہئے یا کیا؟

الجواب

فرائض میں قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے اور سہواً اگر ایسا ہوگیا تو کچھ کراہت نہیں ہے، اعادہ نماز کا لازم نہیں ہے۔(ویکره الفصل بسورةقصيرة.(الدرالمختار)أفاد أن التنكيس أوالفصل بالقصيرة إنما يكره إذاكان عن قصد فلوسهوًا فلا كما في شرح المنية.(رد المحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۱۰،ظفير)(باب صفة الصلاة،مطلب:الاستماع للقرآن فرض كفاية،انيس)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۶۳-۲۶۴)

فرائض ونوافل میں ایک سورۃ درمیان میں چھوڑ کر قراءت درست ہے یا نہیں:

سوال: فرائض یا نوافل میں ایک سورۃ درمیان میں چھوڑ کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

فرائض میں ایک چھوٹی سورت کا فصل کرنا مکروہ ہے اور نوافل میں درست ہے۔(كذا في الدرالمختار)(ويكره الفصل بسورة قصيرة وأن يقرأ منكوساً الخ ولايكره في النفل شئ من ذلک.(الدرالمختار على هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل في القراءة: ۱/۵۱۰، ظفير)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۶۳)

==

== **نماز میں دوسورتیں اس طور پر پڑھنا کہ درمیان میں ایک سورت رہ جائے:**

سوال: نماز میں دوسورتیں اس طور پڑھنا کہ درمیان میں ایک سورت چھوٹ جائے، مثلاً اول میں سورۂ فتح یعنی: ''اِذَا جَاءَ'' دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

اگر درمیان میں بڑی سورت چھوٹ جاوے، جس میں دو رکعت ہوسکیں جائز ہے، چھوٹی ناجائز۔(۱) واللہ اعلم

۶ ررمضان ۱۳۱۹ھ۔(امداد: ۱/۹۶) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۲۶-۲۲۸)

(۱) یہ میں نے یاد سے لکھا تھا، مگر پھر کوئی روایت مساعد نہیں ملی، تتبع سے معلوم ہوا کہ مطلب اس کا کہ بڑی سورت کا بیچ میں چھوڑ نا جائز ہے یہ ہے کہ وہ سورت پہلے سے بڑی ہو کہ اس کے پڑھنے سے دوسری رکعت پہلی رکعت سے طویل ہوجاوے جیسا اذا جاء کے بعد سورۂ تبت پڑھنے میں یہی امر لازم آتا ہے۔ **كذا في رد المحتار، فصل القراءة. منه**

اضافہ از سعید احمد پالنپوری: فقہاء کرام کی عبارتوں سے تو متبادر وہی ہوتا ہے جو حضرت قدس سرہ نے اپنے سابق جواب میں تحریر فرمایا ہے یعنی بڑی سورۃ وہ ہے جس میں دو رکعت ہوسکیں اور چھوٹی وہ ہے جس میں دو رکعت نہ پڑھی جاسکیں؛ لیکن صحیح وہ ہے جو حضرت قدس سرہ نے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے، حضرتؒ کا اس سلسلہ میں ایک مدلل جواب نمبر: ۲۲۹ پر بھی آرہا ہے، چونکہ اس مسئلہ میں عام طور پر غلط فہمی پائی جاتی ہے، اس لئے قدرے تفصیل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

دوسورتوں کے درمیان ایک سورت چھوڑنے کی کراہت کی وجہ ہجر و تفضیل کے شبہ سے بچنا ہے۔

ويكره فصله بسورة بين سورتين قرأهما في ركعتين لما فيه من شبهة التفضيل والهجر، اھ. (مراقی الفلاح: ١٩٤)

پس اولیٰ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں جو سورۃ پڑھی ہے اسی سے متصل بعد والی سورۃ دوسری رکعت مین پڑھی جائے اگر ایک سورت چھوڑ کر پڑھے گا تو اسکا ہجر (چھوڑنا) اور بعد والی کی تفضیل (ترجیح بلا مرجح) لازم آئے گی۔

إذا قرأ في كل ركعة الحمد والسورة فانه يقرأ سورة أخرى في الركعة الثانية متصلة بالسورة الأولىٰ، وإن أراد أن تفضل بينهما ينبغي أن لا يفصل بسورة أوبسورتين، وإنما يفصل بسور هكذاروى في الحديث. (الحموى على الأشباه ١/١١١)

لیکن دوسورتوں کا چھوڑنا احادیث سے ثابت ہے، حضو پاک صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی رات میں مغرب کی نماز میں سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص تلاوت فرماتے تھے۔

ولو ترك سورتين فالصحيح أنه لايكره أيضًا لماروى جابر بن سمرة: كان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم يقرء في المغرب ليلة الجمعة قل يأيها الكافرون وقل هواللّٰه أحد. رواه أبوداؤد وابن ماجة، آه. (الكبيرى: ٤٤٢)

لہٰذا دوسورتوں کا فصل جائز ہوا اوران مین ہجر و تفضیل کا شبہ نہ رہا کراہت صرف ایک سورت کے چھوڑنے میں ہوگی خواہ وہ سورت چھوٹی ہو یا بڑی۔ لیکن اگر بعد والی سورت اتنی بڑی ہو کہ اسے دوسری رکعت میں پڑھنے سے اس کا پہلی رکعت سے طویل ہونا لازم آتا ہو تو اس عارض کی وجہ سے ایسی طویل سورت کا چھوڑنا جائز ہوگا کیونکہ ہر رکعت میں کامل سورت پڑھنا افضل ہے اور دوسری رکعت کو طویل کرنا مکروہ ہے اور جہاں یہ عارض نہ ہو وہاں پہلی سورت سے متصل جو سورت ہے اسی کو پڑھنا اولیٰ ہے اور اس کو چھوڑ کر (خواہ وہ بڑی ہو جس میں دو رکعت ہوسکیں یا چھوٹی ہو) بعد والی سورت پڑھنا مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے اور یہ کراہت فرائض میں ہے نوافل میں ایک سورت چھوڑ نا جائز ہے۔ ==

ایک رکعت میں سورہ بقرہ پھر دوسری رکعت میں سورۃ النساء پڑھی تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص نے ایک رکعت میں سورۂ بقرہ اور دوسری رکعت میں سورہ نساء پڑھی، تو نماز مکروہ ہوئی، یا کیسی ہوئی؟ اور ایک سورہ درمیان [سے] چھوڑ کر پڑھنا چھوٹی سورتوں میں مکروہ ہے، یا بڑی سورتوں میں بھی یہی حکم ہے۔

الجواب

یہ صورت مکروہ تنزیہی ہے، چھوٹی بڑی سورت سب کا ایک حکم ہے۔(۱)

(بدست خاص، ص:۱۸) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۷۰)

دو رکعت میں ایک سورت کے پڑھنے میں چند آیتوں سے فصل کرنے کا حکم:

سوال: امام نے صبح کی نماز میں سورۂ دہر پڑھی اول رکعت میں هل أتىٰ سے مشكوراً تک؛ یعنی ایک رکوع پڑھا، دوسری رکعت إن هٰؤلاء سے ختم سورہ تک پڑھا، درمیان میں چھوٹی چھوٹی تین آیات چھوڑ دیں، مقتدیوں میں کسی شخص نے ایک سلام پھیرنے کے بعد تکبیر سجدہ سہو کے واسطے کہی، امام نے سجدہ سہو نہ کیا اور کہا کہ نماز ہوگئی، تکبیر کہنے والے نے کہا کہ ہو تو گئی، مگر کراہت رہی؛ کیوں کہ درمیان میں دو سورت چھوٹی یا بقدر انہیں سورتوں کے عبارت چھوڑنی چاہئے، جس میں دو رکعت پڑھی جاسکیں، امام کہتا ہے کہ دو سورتوں کا چھوڑنا کوئی ضروری بات نہیں، اگر ہے تو

== ويكره الفصل بسورة قصيرة،آه.(الدرالمختار)أما بسورة طويلة بحيث يلزم منه إطالة الركعة الثانية إطالة كثيرة فلا يكره شرح المنية كماإذا كانت سورتان قصيرتان،آه.(ردالمحتار: ۱/ ٤٠٤)(باب صفة الصلاة،فصل في القراءة،مطلب:الاستماع للقرآن فرض كفاية، انيس)

ولوقرأفي كل ركعة سورة وترك بين سورتين سورة يكره لماقلنا(اى لانه يوهم الاعراض و الترجيح بلا مرجح) إلا أن تكون تلك السورة اطول من التى قرأها في الركعة الأولىٰ بحيث يلزم منه إطالة الركعة الثانية إطالة كثيرة فحينئذٍ لايكره،آه. (الكبيرى:٤٦٣)

☆ ایک سورت بیچ میں چھوڑ کر پڑھے یا بے موقع وقف کرے تو کیا حکم ہے:

سوال: اگر کوئی نماز میں ایک سورت پڑھ کر ایک چھوڑ کر تیسری سورت پڑھ لے اور قراءت میں بے موقع وقف کردے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

ويكره الفصل بسورة قصيرة،الخ ... ولايكره في النفل شئ.(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة،فصل في القراءة:۱/ ٥١٠،ظفير)

حاصل یہ ہے کہ چھوٹی سورت کا فاصلہ کرنا مکروہ ہے، مگر نوافل میں مکروہ نہیں ہے، اگر درمیان آیت سانس ٹوٹ جاوے اس وجہ سے وقف کیا تو اعادہ اس آیت کا کرنا چاہئے، باقی تفصیلی حکم کسی قاری صاحب سے دریافت کرنا چاہئے۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۶۴/۲)

(۱) اکثر علماء کی رائے ہے کہ چھوٹی سورت کے فصل کی صورت میں مکروہ تنزیہی ہے، بڑی سورت میں نہیں۔انیس

چھوٹی ہی سورتوں میں ہے، بڑی سورت میں جتنا جی چاہے چھوڑ کر پڑھے، حتی کہ اگر ایک چھوٹی سی آیت بھی درمیان قرأت دو رکعت کے چھوڑ دے، تب بھی بلا کراہت نماز ہو جائے گی، تکبیر کہنے والے نے کہا کہ میری نماز نہ ہوئی، ایک تو اسی وجہ سے جو اوپر مذکور ہوئی، دوسرے اس وجہ سے کہ امام صاحب کے ٹخنے ازار سے ڈھکے ہوئے تھے اور قبل نماز کے بھی کہا گیا تھا کہ ازار اوپر کو کیجئے خیر اوپر کو کی بھی تو نہ ہوئی، یعنی ٹخنے نہ کھلے انہی وجوہات کو مدنظر رکھ کر دوبارہ نماز پڑھی گئی اور تکرار جماعت میں امام صاحب بھی شریک ہوئے، آیا صورت مذکورہ بالا میں نماز بلا کراہت ہوئی یا بکراہت، اگر با کراہت ہوئی تو یہ کراہت تحریمی ہے، یا تنزیہی اور درمیان قرأت دو رکعت کے عبارت کس قدر چھوڑنی چاہئے، جس میں کسی قسم کی کراہت نہ رہے؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

فی الدرالمختار: ولا بأس... أن یقرأ فی الأولیٰ من محل وفی الثانیة من آخر ولو من سورة إن کان بینهما آیتان فأکثر. (الدرالمختار)

وفی ردالمحتار (تحت قوله: ولو من سورة): لکن الأولی أن لا یفعل بلا ضرورة، لأنه یوهم الإعراض والترجیح بلا مرجح، شرح المنیة. (۵۷۰/۱)(۱)

روایت ہذا سے ثابت ہوا کہ درمیان میں تین آیتیں چھوڑ دینے سے کراہت نہیں ہوئی البتہ خلاف اولیٰ ہوا؛ لیکن یہ کہنا کہ اگر ایک چھوٹی سی آیت بھی درمیان قرأت دو رکعت کے چھوڑ دی، تب بھی بلا کراہت نماز ہو جاوے گی، یہ غلط ہے، لما مر فی الروایة من قوله إن کان بینهما اٰیتان فأکثر فقط واللّٰه أعلم

۱۵؍ ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ۔ (تتمہ اولیٰ صفحہ: ۱۵) (امدادالفتاویٰ جدید: ۲۲۸/۱-۲۲۹)

بے جگہ وقف کرے یا جزء سورہ نماز میں کوئی پڑھے تو نماز ہو جائے گی:

سوال (۱) زید ایک قاری، وقف اضطراری بہت کثرت سے کرتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ نہایت ترتیل سے پڑھتا ہے، عشا اور فجر میں اکثر جزء سورت پڑھتا ہے، مصلیوں میں اور لوگ بھی قرآن صحیح بلا وقوف اضطراری پڑھ سکتے ہیں۔ مصلیوں میں سے بعض ایسے پڑھنے کو طبعاً بہت مکروہ سمجھتے ہیں، بڑی آیت میں کئی جگہ اور چھوٹی میں ایک جگہ کبھی دو جگہ وقف کیا جاتا ہے۔ مثلاً: ''اَطْعَمَهُمْ'' اضطراری، ''اَلَّذِیْ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّآمَنَهُمْ'' اضطراری'' مِنْ خَوْفٍ'' اور مثلاً: ''اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا''، اضطراری ''وَمَا اَدْرَاکَ مَالَیْلَةُ الْقَدْرِ'' اس طرح وقف کرنا جائز ہے یا مکروہ؟

(۲) اور جزو سورہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

(۱) ردالمحتار، فصل فی القراءة، فروع فی القراءة خارج الصلاة: ۵٤٦/۱، دارالفکر بیروت. انیس

(۳) بعض مصلیان کا مکروہ سمجھنا ترک امامت کیلئے دلیل ہے یا نہیں؟
(۴) جب قاری مذکور تدویر سے بلاوقف اضطراری پڑھ سکتا ہے تو ایسے پڑھنے سے اس کو منع کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب

(۱) اس طرح وقوف اضطراری میں دوبارہ آیت کا اعادہ کر لینے سے کچھ کراہت نہیں رہتی اور مقتدیوں کو بھی اس سے کراہت کرنا نہ چاہئے؛ لیکن جبکہ دوسرا شخص صحیح پڑھنے والا قرآن شریف کا موجود ہے، جو کہ اس قدر کثرت سے وقف اضطراری نہیں کرتا تو اس کا امام ہونا اچھا ہے؛ کیوں کہ مقتدیوں کی رعایت بہتر ہے۔(۱)
(۲) جزوسورہ ہمیشہ پڑھنا خلاف سنت ہے اور غیر اولیٰ ہے، بہتر یہ ہے کہ نماز میں پوری سورہ پڑھی جاوے۔ شامی میں ہے:
صرحوا بأن الأفضل فی کل رکعة الفاتحة وسورة تامة،الخ .(۲)
(۳) مصلیان کا کسی امام کی امامت کو مکروہ سمجھنا اگر بوجہ امام کی خرابی کے ہو تو اس امام کو امامت کرانا مکروہ ہے اور اگر امام میں کچھ خرابی نہیں تو مقتدیان کا مکروہ سمجھنا بُرا ہے۔(کذا فی الدر المختار)(۳)
(۴) بے شک اگر تدویر سے بدونِ اوقاف اضطراری کے پڑھ سکتا ہے ویسا ہی پڑھنا چاہئے۔فقط
(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۲۹-۲۳۰)

قرأت کی چند صورتوں کے متعلق سوال:

سوال: اگر فرض نماز میں اول رکعت میں سورۂ ہمزہ، دوئم میں سورہ فیل یا اول رکعت میں سورۂ ہمزہ، دوئم میں سورہ قریش، یا اول میں سورۂ ہمزہ دوئم میں سورۂ ماعون، یا اول میں سورۂ فیل دوئم میں ہمزہ، یا اول میں سورۂ قریش دوئم میں سورۂ فیل، یا اول میں ماعون دوم میں فیل پڑھے عمداً یا سہواً، تو نماز میں کسی قسم کی خرابی تو نہ ہوگی؟

---

(۱) وهو مافی الصحیحین :"إذا صلی أحدکم للناس فلیخفف فإن فیهم الضعیف والسقیم والکبیروإذا صلی لنفسه فلیطول ماشاء". (رد المحتار،باب الإمامة : ۱/۵۱۷،ظفیر)(إذا صلی الشافعی قبل الحنفی هل إلا فضل الصلاة مع الشافعی أم لا؟)/موطأ الإمام مالک بروایة محمدبن الحسن الشیبانی،عن أبی هریرة رضی الله عنه، طول القراءة فی الصلاة (ح:۲٤۸)/الصحیح للبخاری،باب إذا صلی لنفسه فللیطول ماشاء (ح: ۷۰۳)/الصحیح لمسلم،باب باب أمر الأئمة بتخفیف الصلاة (ح:٤٦۷)/السنن المأثورة للشافعی،باب ماجاء فی الصلاة علی الراحلة (ح: ۱۲۰)انیس)
(۲) رد المحتار، کتاب الصلاة،باب صفة الصلوٰة،فصل فی القراءة: ۱/۵۰۵،ظفیر)(مطلب:السنة تکون سنة عین وسنة کفایة،انیس)
(۳) ولوأم قوماً وهم له کارهون ،إن الکراهة (لفساد فیه أولأنهم أحق بالإمامة منه کره)له ذلک تحریماً إلخ (وإن هوأحق لا)،والکراهة علیهم.(الدر المختارعلی هامش ردالمحتار،باب الإمامة : ۱/۵۲۲،ظفیر)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

اول صورت بلا کراہت درست ہے، دوسری مکروہ، تیسری جائز، چوتھی مکروہ، پانچویں مکروہ، ششم مکروہ ہے اور جس میں کراہت ہے عمداً پڑھنے میں ہے اور فرض میں ہے، نفل میں ہر طرح جائز ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۱۸)

قرأت مکروہ:

سوال: کسی امام نے دو رکعت میں فاتحہ کے بعد "قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ" سے دو چار آیتیں پڑھ کر بدستور نماز کو تمام کرلیا، یہ نماز مکروہ ہوئی یا نہیں۔

ردالمحتار قبیل باب الإمامة میں جو لکھا ہے:

" قوله: وأن يقرأ في الأولى من محل إلخ قال في النهر: وينبغي أن يقرأ في الركعتين اٰخر سورة واحدة لا اٰخر سورتين فإنه مكروه عند الأكثر آه" اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی نہیں ہے؛ کیونکہ عبارت ردالمحتار میں مکروہ اس کو لکھا ہے کہ دو رکعت میں دو سورتوں کا آخر پڑھے اور ایک سورت کے آخر کی آیتیں دونوں رکعت میں پڑھنا مکروہ نہیں ہے، یعنی مکروہ تحریمی نہیں ہے؛ لیکن غیر اولیٰ یعنی مکروہ تنزیہی ہے؛ کیوں کہ افضل و اولیٰ و سنت یہ ہے کہ ہر ایک رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد پوری سورت پڑھے۔

كما في الدر المختار: بأن الأفضل في كل ركعة الفاتحة وسورة تامة، إلخ. (۲)

اور ظاہر ہے کہ غیر اولیٰ کا مآل مکروہ تنزیہی ہوتا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۲۱-۲۲۲)

ہر نماز کے بعد سورت متعین کرنے کی کراہت:

سوال: ہم چنانکہ تعیین سورۃ در فرائض مکروہ است آیا در نوافل ہم مکروہ است یا نہ؟ (۳)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

في الهندية: ويكره أن يوقت شيئًا من القرآن بشيءٍ من الصلوٰت، إلخ. (۱/٤٩) (۴)

---

(۱) **ويكره الفصل بسورة قصيرة و أن يقرء منكوساً إلخ ولا يكره في النفل شئ من ذالك. (الدر المختار)** **(قوله: ثم ذكر يتم) أفاد أن التنكيس أو الفصل بالقصيرة إنما يكره إذا كان عن قصد فلو سهواً فلا، كما في شرح المنية، رد المحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۱۰، ظفير) (باب صفة الصلاة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية، انيس)**

(۲) **ردالمحتار، فصل في القراءة: ۱/۵۰۵، ظفير (باب صفة الصلاة، مطلب: السنة تكون سنة عين وسنة كفاية، انيس)**

(۳) ترجمۂ سوال: جس طرح فرائض میں سورۃ متعین کرلینا مکروہ ہے، نوافل میں بھی مکروہ ہے یا نہیں

(۴) **الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الرابع في القراءة: ۱/۸٦، دار الفكر. انيس**

==

از یں روایت معلوم شد کہ فرائض ونوافل دریں حکم برابرست۔(۱)

یکم محرم ۱۳۳۴ھ۔(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۵۶-۲۵۷)

نماز میں آیتِ سجدہ کا چھوڑنا مکروہ ہے:

سوال: امام آیتِ سجدہ پر پہنچ کر آیت سجدہ چھوڑ کر رکوع کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب

درمختار میں ہے:

وكره ترك آية سجدة وقراءة باقي السورة،إلخ.(۲)

پس معلوم ہوا کہ آیت سجدہ کو بالقصد چھوڑ دینا مکروہ ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۲۵) ☆

== ولأنه لاتوقيت في القراءة لشيء من الصلوات ففي دعاء القنوت أولٰى.(بدائع الصنائع،فصل فى القنوت :۲۷۳/۱،دارالكتب العلمية.انيس)

(ولا تتعين سورة لصلاة) بحيث لا يجوز غيرها(ويكره التعيين)يعني يكره أن يعين المصلى سورة لصلاة ويواظب عليها لما فيه من هجران الباقي،قال الطحاوى:هذا إذا اعتقد أن الصلاة لا تجوز بغيرها أما إذا لم يعتقد ذلك ولازمها أنها أيسر فلا يكره.(شرح المجمع لابن ملك،فصل فى صفة الصلاة: ۱۲۲/۱،دارالكتب العلمية.انيس)

(۱) خلاصۂ جواب:فرائض ونوافل دونوں کا حکم یکساں ہے۔

(۲) الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار،باب سجود التلاوة: ۷۲۹/۱،ظفير

(وكره أن يقرأ سورة)فيها سجدة (ويدع) أى يترك (آية السجدة) قال محمد فى الجامع الصغير: لأن فيه هجر شيء من القرآن وذلك ليس من أعمال المسلمين ولأنه فرارمن السجدة وذلك ليس من أخلاق المؤمنين.(النهرالفائق،باب سجودالتلاوة: ۳۴۳/۱،دارالكتب العلمية بيروت)

ويكره أن يقرأ السورة فى الصلاة أو غيرها ويدع آية السجدة، قال الحاكم الشهيد رحمه اللّٰه:إنما كره لمعان:أحدها:أن ترك الآية من بين السورة يقطع النظم وإعجاز القرآن فأشبه تحريف القرآن عن موضعه فيكون فيه رعايةً على تحريفه قابل ما فى الباب أن يكره.والثانى:أن فيه ترك القراءة سنة فإن السنة أن يقرأ فيها السورة على نحوها،قال عليه السلام لبلال:إذا قرأت سورة فاقرأها على نحوها وخلاف السنة مكروه.والثالث:أن ترك الآيتين به من بين السورة يؤدى إلى إلغاء القرآن ومن ألغى القرآن فقد أجرم فيكره لقوله تعالٰى:وقال الذين كفروا لا تسمعوا لهذا القرآن والغوا فيه لعلكم تغلبون.(فصلت: ۲۶).والرابع:أن فى تركها فراراً من السجدة فيكره لقوله تعالٰى: وإذا قيل لهم اسجدوا للرحمن قالوا ومالرحمن أنسجد لما تأمرنا وزادهم نفوراً.(الفرقان: ۶۰). والخامس: أن ترك السجدة من بين السورة يؤدى إلى هجرالقرآن فيكره لقوله تعالٰى:وقال الرسول يٰرب إن قومى اتخذوا هذا القرآن مهجوراً.(الفرقان: ۳۰).وقال النبى صلى اللّٰه عليه وسلم:ليس شيء من القرآن بمهجور، فلاينبغى أن يدع آية السجدة،الخ.(المحيط البرهانى،الفصل الحادى والعشرون فى سجدة التلاوة: ۱۹/۲،دارالفكر.انيس)

☆ **آیت سجدہ کا ترک:**

سوال: سجدہ والی سورت میں دو ایک آیت چھوڑ دینا سجدہ کی وجہ سے کیسا ہے؟ ==

قرأت خفی کی حالت میں سانس لیتے ہوئے قرأت جاری رکھنا:

سوال: اثناء نماز قرأت خفی کی حالت میں سانس لیتے ہوئے قراءت کا جاری رکھنا؛ جب کہ کوئی فتور قرأت میں نہ پڑھے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر قرأت میں فتور نہ آئے تو جائز ہے، ورنہ مکروہ ہے۔(۱)

۲۶ ر شعبان ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام: ۲/ ۱۹۳)

==

الجواب

سجدہ کی آیت کو پڑھنا اور سجدہ کرنا بہتر ہے اس کو نہ چھوڑے۔((وكره ترك آية سجدة وقراءة باقي السورة)؛ لأن فيه قطع نظم القرآن وتغيير تأليفه واتباع النظم والتأليف مأمور به بدائع. ومفاده أن الكراهة تحريمية(لا)يكره (عكسه)(الدر المختار على هامش رد المحتار، باب سجود التلاوة: ۷۲۹/۱، ظفير) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲/ ۲۴۴)

(۱) سانس لینے سے کوئی قباحت نہیں آتی ہے، خشوع وخضوع برقرار رکھتے ہوئے سانس لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے، کیوں نماز میں انسان اپنے رب کے سامنے اس طرح کھڑا ہوتا ہے کہ گویا وہ اپنے رب کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔انیس

عن ابن عمر قال: ... قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك. (الصحيح للبخاري، باب سوال جبريل النبي صلى الله عليه وسلم (ح: ۵۰)/الصحيح لمسلم، باب معرفة الإيمان والإسلام والقدر (ح: ۸)/سنن أبي داؤد، باب في القدر (ح: ٤٦٩٥) انيس)

قرأت:

یعنی نماز میں قرآن مجید پڑھنا۔اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) فرض (۲) واجب (۳) سنت

مسئلہ: ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا فرض ہے۔(مراقی) آیۃ الکرسی یا ایسی بڑی ایک آیت دو رکعتوں میں آدھا آدھا پڑھے تو جائز ہے۔(عالمگیری: ۱/ ۶۹)

مسئلہ: فرض نماز کی صرف دو رکعتوں میں اور وتر ونوافل (سنن وغیرہ سب نمازوں) کی سبھی رکعتوں میں قرأت فرض ہے۔(شامی: ۱/ ۳۰۰)

مسئلہ: اس طرح قراءت کرے کہ خود سنے اگر خود بھی نہ سنے تو قرأت نہ ہوگی۔(عالمگیری: ۱/ ۶۹)

مسئلہ: فرض کی دو رکعتوں میں اور وتر، سنت نفل کی سب رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔

مسئلہ: فرض کی تیسری یا چوتھی یا دونوں رکعتوں میں سورہ ملادی تو نماز صحیح ہے سجدۂ سہو کی بھی ضرورت نہیں ہے۔(شامی)

مسئلہ: مقتدی قرأت نہ کرے، امام بلند آواز سے پڑھے تو وہ سنے اور آہستہ پڑھے تو وہ خاموش رہے۔مقتدی کا قرأت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔(مراقی: ۱۲۳)

مسئلہ: نماز میں جتنا قرآن مجید پڑھنا فرض ہے، اس کو زبانی یاد کرنا بھی فرض ہے اور پورا قرآن مجید حفظ کرنا فرض کفایہ ہے۔(شامی: ۱/ ۳۶۱)

(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل: ۲۲۴-۲۲۵) (انیس)

غیر عربی میں قرأت کے مسائل

قرآن کا ترجمہ نماز میں پڑھنا کیسا ہے:

سوال: ایک زبردست عالم کا بیان ہے کہ اگر قرآن شریف کی کسی آیت کا ترجمہ اردو میں پڑھ لیا جاوے تو نماز ادا ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ قرآن شریف کلام اللہ نہیں ہے، بلکہ اس کا ترجمہ ہے، جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے عربی زبان میں کیا اور قرآن شریف کے نزول کا یہ ذریعہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈال دیا، انہوں نے اپنی زبان مبارک سے ادا کیا، یہ بیان اس مولوی صاحب کا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب

اس زبردست عالم کے حوالے سے جو مسئلہ آپ نے لکھا ہے، وہ بالکل غلط ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب دین کے عالم نہیں ہیں، افسوس ہے کہ ایسے ایسے غلط مسئلے نام کے عالم بیان کر دیتے ہیں، الحمد یا کسی سورت کا ترجمہ نماز میں پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی؛ کیوں کہ قرآن شریف نام ہے، اس عربی کلام اللہ کا، جو ما بین الدفتین ہے؛ یعنی دو پٹھوں کے درمیان میں جو کلام اللہ ہے، یہی قرآن شریف ہے اور یہی کلام اللہ ہے، اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ ہے۔(۱) پس اس مولوی کا یہ کہنا کہ یہ عربی قرآن شریف کلام اللہ نہیں ہے، بلکہ اس کا ترجمہ ہے، الخ، بالکل غلط ہے اور افتراء ہے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْاٰناً عَرَبِيّاً لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾(۲)

---

(۱) كما صح لو شرع بغير عربية،إلخ (أو قرأ بها عاجزاً)فجائز إجماعاً قيد القراءة بالعجز لأن الأصح رجوعه إلٰى قولهما وعليه الفتوىٰ،قلت:وجعل العينى الشروع كالقراءة لاسلف له فيه ولا سند له يقويه.(الدر المختار)

وإنما المنقول أنه رجع إلٰى قولهما فى إشتراط القراءة بالعربية إلا عند العجز إلخ لأن الإمام رجع إلٰى قولهما فى إشتراط القراءة بالعربية لأن المامور به قراءة القرآن،وهو إسم للمنزل باللفظ العربى المنظوم هذا النظم الخاص المكتوب فى المصاحف المنقول إلينا نقلاً متواتراً،إلخ،(رد المحتار،باب صفة الصلوٰة،فصل فى بيان تاليف الصلوٰة، مطلب:الفارسية: ۱/ ۴۵۱،ظفير)

(۲) سورة يوسف: ۲،ظفير

اسی طرح بہت جگہ قرآن کو عربی فرمایا ہے اور ایک جگہ یہ بھی ارشاد ہے:

﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْاٰناً اَعْجَمِيّاً لَّقَالُوْا لَوْلاَ فُصِّلَتْ اٰيَاتُهُ أَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ﴾(۱)

یعنی: اللہ فرماتا ہے کہ اگر ہم قرآن کو عربی زبان میں نہ اتارتے اور عجمی کر دیتے یعنی سوائے عربی کے دوسری زبان میں اتارتے تو کفار یہ اعتراض کرتے کہ عربی پیغمبر پر عجمی قرآن اتارا گیا یہ عجیب بات ہے۔

اور فقہ کی کتابوں میں صاف یہ لکھا ہے کہ نماز میں قرآن شریف کا ترجمہ پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی، البتہ جو شخص نومسلم کوئی ایسی موٹی زبان کا ہے کہ اس سے عربی لفظ نہیں کہے جاتے، اس کو تاوقتیکہ وہ سیکھے اور قرآن پڑھ سکے، یہ درست ہے کہ ترجمہ ہی پڑھ لے؛(۲) کیوں کہ وہ معذور ہے، قرآن کے پڑھنے سے اور یہ کہنا اس کا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کے دل میں ڈال دیا، آپ نے اپنی زبان سے عربی الفاظ میں بیان کر دیا، یہ عقیدہ بھی بالکل اس کا اہل سنت کے خلاف ہے، یہ نیچریت اور مرزائیت کے معتقد معلوم ہوتے ہیں، اہل سنت، اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت جبرئیل کے ذریعہ سے قرآن شریف نازل ہوا ہے، خود قرآن شریف میں آیا ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (۳) کہ اس قرآن کو روح امین یعنی جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کے پاس سے اتارا ہے۔(۴)

الغرض ایسے بدعقیدہ والے کی بات نہ سننی اور نہ ماننی چاہئے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۶۴-۲۶۶)

---

(۱) سورة حٓم سجدة: ٤٤، ظفير

(۲) (عن أبي حنيفة في رجل افتتح الصلاة بالفارسية أو قرأ فيها بالفارسية أو ذبح أو سمّٰى بالفارسية وهو يحسن العربية أجزاه وقال أبويوسف ومحمدلا يجزيه)هذا تنصيص على أن من قرأ القرآن بالفارسية لا تفسد صلاته إتفاقاً وإنما الشان في جواز الصلاة معها، هما يقولان إنه مأمور بالنظم والمعنى جميعاً فإذا ترك النظم يجب أن لايجزيه وأبوحنيفة يقول: بأنه مأموربهما لكن النظم غيرلازم في حق جوازالصلاة وذكرأبوبكرالرازي أنه رجع إلى قولهما وعليه الاعتماد. (وإن لم يحسن العربيةأجزاه). (الجامع الصغيروشرحه النافع الكبير، باب في تكبيرة الافتتاح: ٩٤/١-٩٥، عالم الكتاب بيروت. انيس)

(۳) سورة الشعراء: ١٩٣، ظفير

(۴) وإن القرآن كلام اللّٰه منه بدأ بلاكيفية قولاً وأنزله على رسوله وحياً وصدقه المؤمنون على ذلك حقاً وأيقنوا أنه كلام الله تعالىٰ بالحقيقة ليس بمخلوق ككلام البرية فمن سمعه فزعم أنه كلام البشر فقد كفر وقد ذمه اللّٰه وعابه وأوعده بسقر حيث قال﴿اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾(سورة المدثر: ٢٥)علمنا وأيقنا أنه قول خالق البشر ولا يشبه قول البشر. (العقيدةالطحاوية)

هذه قاعدة شريفة وأصل كبير من أصول الدين ضل فيه طوائف كثيرة من الناس وهذا الذي حكاه الطحاوي رحمه اللّٰه وهو الحق الذي دلت عليه الأدلة من الكتاب والسنة لمن تدبرها وشهدت به الفطرة السليمة التي لم تغير بالشبهات والشكوك والآراء الباطلة. (شرح الطحاوية للأذرعي الحنفي، القرآن كلام اللّٰه: ١٦٨/١، دارالسلام للنشر والتوزيع. انيس)

نماز میں ترجمۂ قرآن پڑھا جائے تو نماز ہوگی یا نہیں:

سوال (۱) اگر نماز کے اندر قرآن مجید کا ترجمہ دوسری زبان میں کیا جائے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

قرآن سے مقصود لفظ ہے یا معنیٰ:

(۲) قرآن مجید سے مقصود دراصل لفظ ہے یا معنیٰ؟

الجواب

قرأت قرآن میں مقصود اصلی دونوں ہیں، لفظ بھی اور معنی بھی اور قرآن نام ہے، اس کلام اور عبارت خاص کا؛ جو کہ مکتوب فی المصاحف ہے اور عربی زبان میں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْاٰناً عَرَبِيّاً لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (۱)

پس جو نظم عربی نہیں ہے وہ قرآن نہیں ہے اور نہ حکم تلاوت قرآن کا اس پر صادق آتا ہے اور نہ وہ ثواب حاصل ہوسکتا ہے، حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من قرأ حرفاً من كتاب اللّٰه فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول: الٓمّ، حرف، ألف حرف، ولام حرف، وميم حرف. (رواه الترمذى وغيره عن ابن مسعود رضى اللّٰه عنه) (۲)

شامی میں ہے:

لأن الإمام رجع إلىٰ قولهما فى إشتراط القراء ة بالعربية ... لأن المأمور به قراء ة القرآن، وهو إسم للمنزل باللفظ العربى المنظوم هذا النظم الخاص، ألمكتوب فى المصاحف المنقول إلينا نقلاً متواترًا، إلخ. (۳)

اس کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب اور صاحبین اس میں متفق ہوگئے ہیں کہ نماز میں قرأت قرآن انہی کلمات عربیہ

---

(۱) سورة يوسف: ۲، ظفير

(۲) مشكوٰة كتاب فضائل القرآن، الفصل الثانى: ۱۸۶، رقم الحديث: ۲۱۳۷، ظفير (سنن الترمذى، باب ماجاء فيمن قرأ حرفاً من القرآن (ح: ۲۹۱۰)/شعب الإيمان، باب فى إدمان تلاوة القرآن (ح: ۱۸۳۰) انيس)

(۳) رد المحتار، باب صفة الصلوٰة، مطلب: فى حكم القراء ة بالفارسية: ۴۵۲/۱، ظفير

أما الكتاب: فالقرآن المنزل على رسول اللّٰه المكتوب فى المصاحف المنقول عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم نقلاً متواتراً بلاشبهة. (أصول البزدوى على صدر كشف الأسرار، أصول الشرع ثلاثة الكتاب والسنة والإجماع: ۲۱/۱-۲۲، دارالكتاب الإسلامى)

کے ساتھ ہونی چاہئے جو کہ حقیقۃً قرآن ہے اور مصاحف میں لکھا ہوا ہے۔(۱)

الحاصل نماز کے اندر ترجمہ قرآن شریف کا پڑھنے سے نماز نہ ہوگی؛ کیوں کہ نماز میں قرأت قرآن مجید فرض ہے اور قرآن نام منظّم عربی کا ہے، ترجمہ کو قرآن نہیں کہا جائے گا، مگر مجازاً۔

كما قال فى رد المحتار : والأعجمى إنما يسمى قرآناً مجازًا ولذا يصح نفى إسم القرآن عنه،إلخ .(ردالمحتار)(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۲/ ۲۳۱-۲۳۲)

قرأت بغیر حرکتِ لَب معتبر نہیں:

سوال: اگر کوئی شخص نماز بلا حرکتِ لب جی میں پڑھے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب

قرأت وغیرہ ایسے معتبر نہیں ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند:۲/ ۲۴۰)

☆☆☆

(۱) (ويروى رجوعه فى أصل المسألة إلى قولهما وعليه الإعتماد)أى على القول بالرجوع الإعتماد ولتنزيله منزلة الإجماع فإن القرآن إسم للنظم والمعنى جميعاً بالإجماع.(البناية شرح الهداية،باب صفة الصلاة: ۱۷۹/۲، دارالكتب العلمية بيروت.انيس)

(۲) ردالمحتار ،باب صفة الصلاة،مطلب:الفارسية: ۱۴۸/۱،انيس

(۳) (و)أدنى (الجهر إسماع غيره) و (أدنى المخافتة إسماع نفسه،الخ) (ويجرى ذلک) المذكور (فى كل مايتعلق بنطق،كتسمية على ذبيحة ووجوب سجدة تلاوة وعتاق وطلاق وإستثناء) وغيرها.(الدرالمختار)

إعلم أنهم اختلفوا فى حد وجود القراءة علىٰ ثلاثة أقوال:فشرط الهندوانى والفضلى لوجودها خروج صوت يصل إلىٰ أذنه وبه قال الشافعى رحمه اللّٰه تعالىٰ وشرط بشرالمريسى وأحمد خروج الصوت من الفم وإن لم يصل إلىٰ أذنه ، إلخ ، ولم يشترط الكرخى وأبوبكرالبلخى السماع واكتفيا بتصحيح الحروف،إلخ.(رد المحتار، فصل فى القراءة : ۱/ ۴۹۸-۴۹۹،ظفير)(باب صفة الصلاة،مطلب:فى الكلام علىٰ الجهروالمخافة،انيس)

دوران قرأت آیتوں کا چھوڑنا

ایک آیت پڑھ رہا تھا چھوڑ کر دوسری جگہ سے پڑھنے لگا:

سوال: امام نے قرأت شروع کی اور اس کو سہو ہوا؛ حالانکہ بقدر ایک آیت کے پڑھ چکا تھا، اس نے اس موقعہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ سے پڑھا یہ کیسا ہوا؟

الجواب

یہ اچھا کیا۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۲۰)

مقدارِ واجب پڑھنے کے بعد بھول گیا اور امام نے رکوع کے بجائے نماز توڑ دی تو کیا حکم ہے:

سوال (۱) امام نے نماز شروع کی اور تین یا چار آیت پڑھ کر بھول گیا، تو اب اس کو رکوع کرنا تھا، اس نے نماز توڑ دی، پھر دوبارہ الحمد سے شروع کی تو کیسا ہے؟

دو آیت پڑھ کر بھول گیا، امام نے بیچ کی آیت چھوڑ کر آگے سے پڑھا:

(۲) امام نے نماز شروع کی، دو آیت پڑھ کر بھول گیا تو چوتھی یا پانچویں آیت سے شروع کی یا دوسری سورہ، تو نماز ہوگئی یا نہیں اور سجدہ سہو ہے یا نہیں؟

اگر دو آیت پڑھ کر بھول گیا تو دوسری سورت پڑھے یا نہیں:

(۳) امام دو آیت پڑھ کر تیسری نصف آیت سے بھول گیا تو چوتھی یا پانچویں آیت سے، یا دوسری سورہ شروع کر دی تو نماز ہوگی یا نہیں اور سجدہ سہو ہے یا نہیں؟

---

(۱) یکره أن یفتح من ساعته کمایکره للإمام أن یلجئه إلیه، بل ینتقل إلٰی آیة أخریٰ لایلزم من وصلها مایفسد الصلاة أوإلٰی سورة أخریٰ أویرکع إذا قرأ قدرالفرض، إلخ ، وفی روایة: قدرالمستحب (رد المحتار، باب مایفسد الصلوٰة: ۵۸۲/۱، ظفیر) (مطلب: المواضع التی لا یجب فیها ردالسلام)

ینبغی للمقتدی أن لایعجل بالفتح لأنه ربما یتذکر الإمام فیکون التلقین من غیرحاجة وللإمام أن لا یلجئهم إلیه بل یرکع إذا قرأ قدرالفرض وإلا انتقل إلی آیة أخریٰ. (تبیین الحقائق، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۱۵۷/۱، المطبعة الأمریة بولاق، انیس)

الجواب

(۱) نماز توڑنے کی ضرورت نہ تھی؛ لیکن جب دوبارہ اس نماز کو پڑھ لی تو ادا ہوگئی۔(۱)

(۲) نماز صحیح ہے اور سجدہ سہو لازم نہیں ہوا۔(۲)

(۳) اس صورت میں بھی نماز ہوگئی اور سجدہ سہو لازم نہیں ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۴/۲۳۲-۲۳۳)

نماز میں تین آیت سے کم پڑھ کر دوسری جگہ سے پڑھنے کا حکم:

سوال: اگر کسی نے ضم سورت کے لئے تلاوت شروع کی؛ لیکن ایک دو چھوٹی آیت کے بعد اگلی آیت یاد نہیں آئی اور اس نے دوسری سورت پڑھ کر نماز کی تکمیل کر لی تو کیا ایسی صورت میں اس کو سجدہ سہو کرنا ہوگا، یا بغیر سجدہ سہو کے نماز ہو جائے گی؟ (محمد عبدالقیوم، عیدی بازار)

الجواب

سورۂ فاتحہ کے بعد ایک ہی جگہ سے تین آیتیں، یا تین چھوٹی آیتوں کے برابر ایک بڑی آیت کا پڑھنا واجب ہے،(۴) یاد ہونے کے باوجود ایک ہی رکعت میں مختلف جگہوں سے قرأت کرنا مکروہ ہے۔

"لو انتقل فی الرکعة الواحدة من آیة إلٰی آیة یکره".(۵)

اگر اتنا نہ پڑھ سکا اور آگے کسی اور جگہ سے تلاوت شروع کر دی تو سجدہ سہو کرنا واجب ہے،(۶) اور اگر قرأت کے درمیان ہی پہلے پڑھی ہوئی آیات کا سلسلہ یاد آ جائے تو جو آیت پڑھ رہا ہے، اس کو پوری کر کے پچھلی آیات کی طرف لوٹ آئے اور اسے مکمل کرے؛ تاکہ ترتیب کی رعایت ہو سکے:

" فإن سها ثم تذکر یعود مراعاةً لترتیب الآیات".(۷) (کتاب الفتاویٰ:۲/۲۰۲)

---

(۱) (وضم) أقصر (سورة) کالکوثر أو ماقام مقامها وهو ثلاث آیات قصار نحو "﴿ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾" إلخ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلوٰة، مطلب واجبات الصلوٰة: ۱/۴۲۷، ظفیر)

(۲) یکره أن یفتح من ساعته کما یکره للإمام أن یلجئه إلیه، بل ینتقل إلٰی آیة أخری لایلزم من وصلها مایفسد الصلاة. (رد المحتار، باب مایفسد الصلوٰة ومایکره فیها: ۱/۵۸۲) (مطلب: المواضع التی لا یجب فیها رد السلام)

(وینبغی للمقتدی أن لایعجل بالفتح وللإمام أن لایلجئهم إلیه) بأن یردد الآیة أو یقف ساکتاً (بر یرکع إذا جاء أوانه أو ینتقل إلی آیة أخری). (البنایة شرح الهدایة، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۱/۴۰۰. انیس)

(۳) ولو قرأ آیة تعدل أقصر سورة جاز، إلخ وقدرها من حیث الکلمات عشر، ومن حیث الحروف ثلاثون. (أیضاً، فصل فی القراءة: ۱/۵۰۲، ظفیر) (باب صفة الصلاة، مطلب: تحقیق مهم فیما لو تذکر فی رکوعه أنه لم یقرأ، الخ، انیس)

(۴) تجب قراءة الفاتحة وضم السورة أو مایقوم مقامها من ثلاث آیات قصار أو آیة طویلة فی الأولیین بعد الفاتحة، کذا فی النهر الفائق. (الفتاوی الهندیة: ۱/۷۱. محشی) (الباب الرابع فی صفة الصلاة الخ، الفصل الثانی فی واجبات الصلاة، انیس)

(۵) رد المحتار: ۲/۲۱۹. (باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض کفایة، انیس)

(۶) الفتاوی التاتارخانیة: ۱/۵۸۰، محشی

(۷) رد المحتار: ۲/۲۶۹، قبیل باب الإمامة. (باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض کفایة، انیس)

مختلف قرأتوں کے احکام ومسائل

نماز میں متواترہ قرأتیں:

سوال: فن قرأت میں اصول وفروع دوقسم ہے اور سات ائمہ اور چودہ روایت سے مروی ہے تو نماز کے اندر تمام کی قرأت جمع کرکے پڑھ سکتے ہیں یا فقط فرع کی؟ یعنی اختلاف فرش الحروف کا نماز کے اندر اجراء کرسکتے ہیں یانہیں، ایک کلمہ ایک راوی کا اور ایک کلمہ دیگر راوی کا نماز میں اجراء کرسکتے ہیں یانہیں؟

الجواب

نماز جملہ روایات متواترہ کے ساتھ صحیح ہے؛ لیکن روایات غریبہ غیر معروفہ کو پڑھنا نماز میں اچھا نہیں، اگرچہ وہ متواترہ ہوں؛ کیوں کہ عوام کو اس میں مضرت ہے۔

كما فى الدرالمختار: ويجوزبالروايات السبع.

وفى الشامي: بل يجوزبالعشر أيضاً.

لكن الأولىٰ أن لايقرأ بالغريبة عند العوام صيانةً لدينهم، إلخ. (الدرالمختار)

وفى الشامي: (قوله بالغريبة) أى بالروايات الغريبة والإمالات؛ لأن بعض السفهاء يقولون مالايعلمون فيقعون فى الإثم والشقاء، ولاينبغي للأئمة أن يحملوا العوام على مافيه نقصان دينهم، ولايقرأعندهم مثل قراءة أبى جعفروابن عامروعلى بن حمزة والكسائى صيانةً لدينهم. فلعلهم يستخفون أويضحكون، وإن كان كل القراءات والروايات صحيحةً فصيحةً، ومشائخنا اختاروا قراءة أبى عمروحفص عن عاصم، إلخ، من التاترخانية عن فتاوىٰ الحجة. (۱)

الحاصل جو قرأت اب عموماً مروج ہے اور قرآنوں میں مطبوع ہے، یعنی قرأت حفص کی عاصم سے اسی کو پڑھنا چاہئے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۲۶-۲۲۷)

---

(۱) رد المحتار، فصل فى القراءة: ۱/۵۰۵، ظفیر (باب صفة الصلاة، مطلب: السنة تكون سنة عين وسنة كفاية) والمشهور أنها ما عدا القراءات السبع لأبى عمرو ونافع وعاصم وحمزة والكسائى وابن كثير وابن عامر وقال السبكى الصحيح أنها ما وراء القراءات العشر للمذكورين ويعقوب وأبى جعفر وخلف، الخ. (التقرير والتحبير على تحرير الكمال بن الهمام لابن أميرالحاج، الباب الثانى من المقالة الثانية فى أدلة الأحكام الشرعية: ۲/۲۱۴، دارالكتب العلمية بيروت. انيس)

نماز میں دیگر روایات کے مطابق تلاوت کرنے کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین دریں مسئلہ کہ بیس روایات جو عشرہ قرأت سے موسوم ہیں، ان میں سے کسی ایک روایت کو خاص کر کے فرض نماز میں پڑھنا اور ادل بدل کر کبھی کسی اور کبھی کسی روایت میں فرض نماز کی جماعت کرانا جائز ہے یا نہیں، اگر ان روایات سے ناواقف لوگ مقتدی ہوں تو اور علما وطلبہ کی جماعت ہو تو جیسے مدارس عربیہ خیرالمدارس وغیرہ تو کیا حکم ہے، ایسے جماعت کرائی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

قرآن مجید کی دس قراءات متواتر ہیں وقطعاً صحیح اور یقیناً قرآن ہیں، ان کو قبول کرنا اور ان کو منزل من اللہ سمجھنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور ان کا نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں پڑھنا بلا شبہ درست ہے، ان دس قرأتوں کے متواتر وصحیح اور مقبول ہونے پر تمام علما وفقہا جملہ مفسرین ومحدثین ونیز ائمہ اربعہ وغیرہم کا اجماع ہے، پس قرأت متواترہ جو بھی ہو، اس سے نماز میں فرض قرأت یقیناً ادا ہو جائے گا؛ البتہ قرأت شاذہ سے فرض قرأت ادا نہ ہوگا اور قرأت شاذہ سے نماز فاسد بھی نہیں ہوتی، چنانچہ ردالمحتار: ۱/۳۵۸ میں ہے:

”القرآن الذی تجوز به الصلاة بالاتفاق هو المضبوط فی مصاحف الأئمة التی بعث بها عثمان رضی اللّٰه عنه إلٰی الأمصار وهو الذی أجمع علیه الأئمة العشرة وهذا هو المتواتر جملة تفصیلاً فما فوق السبعة إلٰی العشرة غیر شاذ وإنما الشاذ ما وراء العشرة وهو الصحیح وتمام تحقیق ذلک فی فتاویٰ العلامة قاسم.(۱)

---

(۱) کما فی ردالمحتار: کتاب الصلاة، مطلب فی حکم القراءة بالشاذ ومطلب بیان المتواتر والشاذ: ۳۵۸/۱، مکتبة رشیدیة ، قدیم کوئٹة)/ ردالمحتار: کتاب الصلاة ، مطلب فی حکم القراءة بالشاذ ، بیان المتواتر و الشاذ : ۲۲۶/۲-۲۲۷، طبع مکتبة رشیدیة جدید کوئٹة)

(القراءات السبع)المنسوبة إلی أئمة السبعة :نافع وابن کثیر وأبی عمرو وابن عامر وعاصم وحمزة والکسائی (متواترة)علیه الجمهور من المسلمین (وقیل)هذه القراءات(مشهورة)ولا یعبأ بهذالقائل ولایعتد به ثم المحققون من المسلمین علی أن الثلاث المنسوبة إلی الأئمة الثلاثة:یعقوب وأبی جعفر وخلف،أیضاً متواترة وحکمها حکم السبعة صرح به محی السنة البغوی فی معالم التنزیلبل نقل عن البغوی دعوی الإتفاق،الخ.(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت،مسئلة القراءات السبعة: ۱۸/۲،دارالکتب العلمیة بیروت.انیس)

(القراءات الشاذة)وهی ماعدا العشرة التی نقلها عن الرسول صلی اللّٰه علیه وسلم من لایبلغ عددالتواتر وان اشتهر عنهم فی القرن الثانی وهو المراد هٰهنا وقد یطلق علی مانقل بأخبار واحد عن واحد (حجة ظنیة)عندنا واجبة العمل دون العلم،الخ.(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت،مسئلة القراءات الشاذة: ۱۹/۲،انیس)

مگر یہ بات یاد رہے کہ گو یہ سب روایتیں صحیح اور فصیح ہیں؛ لیکن صحیح یہ ہے کہ عجیب قرأتیں امالوں کے ساتھ اور جو غریب روایتوں سے ثابت ہوئی ہیں، عوام کے سامنے نہ پڑھے، جیسے امام ابوجعفر اور ابن عامر اور حمزہ، کسائی کی قرائتیں کہ ان کو سن کر عوام ہنستے ہیں اور قرآن مجید پر ہنسنا بے دینی ہے، اس لئے عوام کے سامنے ان کے دین کو بچانے کے لئے عجیب عجیب قرأتیں اور روایتیں نہ پڑھے۔ (کذا فی عمدۃ الفقہ: ۲/ ۱۲۳)(۱)

اور چونکہ مدارس عربیہ میں اہل علم غالب واکثر اور عوام الناس قلیل تو مغلوب ہوتے ہی ہیں، اس لئے مدارس میں ان قرأت کا پڑھنا نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں بلا شبہ مناسب ہے اور چونکہ مدارس پر عوام کو اعتماد ہوتا ہے، اس لئے ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے سامنے ایسی روایات کے پڑھنے سے تبلیغ واشاعت قرأت کا ثواب ملے گا؛ تاکہ وہ ان قرأت سے متعارف مانوس ہوں اور عوام الناس کو بھی چاہئے کہ اگر کسی کو قرأت کا علم نہ ہو اور وہ کسی معتبر ماہر قاری سے اپنی یاد کے خلاف کوئی اختلاف قرأت سنے تو ایسے شخص کے لئے بجائے تردید وتغلیط کے سکوت ہی مناسب ہے۔ فقط

(فتاویٰ مفتی محمود: ۱/ ۹۲۰-۹۲۲) ☆

---

(۱) کما فی الدر المختار: ویجوز بالروایات السبع لکن الأولٰی أن لا یقرأ بالغریبة عند العوام صیانة لدینهم (قوله: بالغریبة) أی بالروایات الغریبة إلا ما لات؛ لأن بعض السفهاء ما لا یعلمون فیقعون فی الإثم والشقاء ولا ینبغی للأئمة أن یحملوا العوام علٰی مافیه نقصان دینهم ولا یقرأ عند مثل قراءة أبی جعفر وابن عامر وعلی بن حمزه والکسائی صیانة لدینهم فلعلهم یستخفون أو یضحکوا وإن کان کل القرآت صحیحة وفصحیة مشائخنا اختاروا قراءة أبی جعفر وحفص عن عاصم. (کتاب الصلاة، مطلب: السنة تکون سنة عین وسنة کفایة: ۲/ ۳۳۰، طبع مکتبة رشیدیة، کوئٹة)

وکذا فی التاتارخانیة: فتاویٰ الحجة: وقراءة القرآن بالقراءات السبع والروایات کلها جائزة، ولکنی أریٰ الصواب أن لا یقرأ بالقراءة العجیبة بالأمالات وبالروایات الغریبة لأن بعض الناس یتعجبون وبعضهم یتفکرون و بعضهم یخطئون، وبعض السفهاء یقولون ما لا یعلمون ولعلهم لا یرغبون فیقعون فی الإثم والشقاء، ولا ینبغی للإمام أن یحملوا العوام إلٰی ما فیه نقصان دینهم ودنیاهم وحرمان ثوابهم فی عقابهم، لا یقرأ علٰی رأس العوام الجهال، وأهل القریٰ والجبال مثل قراءة أبی جعفر المدنی وابن عامر وعلی بن حمزة الکسائی صیانة لدینهم فلعلهم یستخفون أویضحکون وإن کان کل القراءات والروایات صحیحة فصیحة طیبة ومشایخنا اختاروا قراءة أبی عمر عن عاصم. (کتاب الصلاة، فصل فی القراءة: ۱/ ٤٥٥، طبع إرادة القرآن والعلوم الإسلامیة، کراتشی)

☆ نماز میں قرأت سبعہ کا حکم:

سوال: سبعہ کی قرأت سے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــ حامدًا ومصلیاً

نماز تو ہو جائے گی؛ لیکن بہتر نہیں، بروایت حفص مشہور قراءت کرنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ: ۳/ ۹۱)

منع از غلو در قرأت سبعہ بہ وقت احتمال فتنۂ عوام:

سوال: بعض مقامات میں سبعہ قرأت کا چرچا حد سے تجاوز کر چلا ہے، بعض حفاظ لڑکوں اور جاہلوں کو مختلف روایتیں یاد کرا کے پڑھاتے اور پڑھواتے ہیں اور اس کو صریحاً بغرض ریا پڑھتے پڑھاتے ہیں، تراویح میں بھی ایسا ہوتا ہے، جس سے سوائے نمود کے کوئی نفع نہیں، کیا اس طرح پڑھنے پڑھانے میں اس زمانۂ پرآشوب میں یہ خوف نہیں ہے کہ جہّال ومخالفین اسلام ان اختلافات کو سنکر مشوش ہوں گے اور خوف فتنہ نہیں ہے، چنانچہ بعض حفاظ نے تو یہ کہا ہے کہ ایک رکعت میں روایت حفص پڑھی، دوسری رکعت میں روایت قالون، کسی نے ٹوکا تو کہ دیا کہ تم نہیں جانتے، ایسی صورتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں، کیا یہ فعل قابل روکنے کے نہیں ہے، براہ نوازش اگر قابل ممانعت ہے تو اس کا جواب ذرا تفصیل سے الامداد میں طبع ہو جاوے تو بہتر ہے، میرا یہ خیال ہرگز نہیں کہ اس کی تعلیم بند ہو؛ بلکہ زور دیا جاوے کہ تجوید کا نام قرأت ہے اور عوام کو اسی کی ضرورت ہے، اگر کوئی لکھا پڑھا آدمی حرف بھی اس کا اچھا ہو تو اس کو سبع پڑھائی جاوے، سفہا اور تنگ خیال لوگوں کو فقط تجوید پڑھائی جاوے اور قرأت جاننے والوں کو چاہئے کہ ہر کس و ناکس کو سوائے روایت حفص اور تجوید کے کچھ نہ پڑھایا کریں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (سورة الأنعام:۱۰۸)

فی تفسیر بیان القرآن: اس سے قاعدہ شرعیہ ثابت ہوا کہ مباح (۱) جب حرام کا سبب بنجائے وہ حرام ہو جاتا ہے، الخ۔ (۲)

وروى البخاری عن علی قال: حدثوا الناس بما يعرفون، أتحبون أن يكذب الله ورسوله". (۳)

فی حقیقة الطریقة: بعضے بیباک عوام کے سامنے بے تکلف دقائق بیان کر بیٹھتے ہیں، بعضے عوام ان کی تکذیب کرتے ہیں اور بعضے قواعد مشہورہ شرعیہ کے منکر ہو جاتے ہیں، سو ہر حال میں اللہ ورسول کی تکذیب کا تحقق ہوا، والثانی أشد من الأول، اس حدیث میں اس عادت کی ممانعت ہے۔

وروى مسلم عن ابن مسعود أنه قال: ما أنت بمحدث قومًا حديثًا لا تبلغه عقولهم، إلا كان لبعضهم فتنة. (۴)

---

(۱) بلکہ مستحب بھی۔ منہ

(۲) وهذا المبحث كله صالح لأن يلاحظ فيه.

من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يجعل بالرخصة فقد أصاب منه الشيطان على الإضلال. (شرح الطيبي الكاف عن حقائق السنن، باب الدعا فی التشهد: ۱۰۵۱/۳، مكتبة نزار مصطفى الباز. انیس)

(۳) كتاب العلم، باب من خص بالعلم قومًا دون قوم، كراهة أن لا يفهموا: ۵۰/۱، رقم الحديث: ۱۲۷، بيت الأفكار، انیس

(۴) مقدمة مسلم، باب النهي عن الحديث بكل ما سمع: ۲۲/۱، رقم الحديث: ۵، انیس

اس حدیث سے بھی وہی مضمون ثابت ہوتا ہے، جو اس کے قبل کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ (ص:۸۲)

وفی رد المحتار تحت مسئلة کراهة تعیین السورة فی صلوٰة من الدر المختار مانصه: حاصل معنٰی کلام هذین الشیخین بیان وجه الکراهة فی المداومة، وهو: أنه إن رأی ذلک حتمًا یکره من حیث تغییر المشروع وإلایکره من حیث إیهام الجاهل. (۵٦٨/١)(١)

آیت اور حدیث فقہ سب سے یہ قاعدہ ثابت ہوا کہ جس عمل سے عوام وجہلا میں مفسدہ وفتنہ اعتقادیہ یا عملیہ قالیہ یا حالیہ پیدا ہو، اس کا ترک خواص پر واجب ہے، باقی فتنہ کا حدوث یا عدم حدوث یہ مشاہدہ سے معلوم ہوسکتا ہے، سوال میں بعض حالات میں جو فتنہ سبعہ پر مرتب ہوتا ہوا مذکور ہے ہو، مشاہدہ ہے، پس فتویٰ شرعی ہوگا کہ خاص ان احوال میں سبعہ کا استعمال ممنوع ہوگا اور اگر اس کے ساتھ قاری کی نیت بھی اظہار علم ودعوائے کمال وریا وتصنع وتفاخر ہو تو یہ فتنہ اس کے لئے مزید برآں ہے، لہذا اس باب میں جو مشورہ سوال میں مذکور ہے، واجب الاتباع ہے۔

۱۴؍جنوری ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ۔ (تتمہ خامسہ:۴۱) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۹۵-۲۹۷)

جواب شبہ بر عبارت رسالہ الامداد در بار ضرورت سبعہ قرأت:

سوال: رسالہ الامداد ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ کے صفحہ: ۱۷ کے مضمون کو جو آنحضور نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے پیش کر کے ایک صاحب بہت معترض ہوئے کہ تو تم کہتے ہو کہ فن سبعہ قرأت کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اور سب لوگوں کو کم وبیش ضرور سیکھنا چاہئے؛ تاکہ اس علم دین کے فقدان وانعدام کا گناہ سب پر نہ ہو، میں نے ان کو جواب دیئے؛ مگر ان کے نزدیک جواب اس درجہ کا نہیں ہے کہ قابل اطمینان سمجھا جاوے، احقر کو بھی اس مضمون کے دیکھنے سے ایک درجہ میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب یہ علم دین ہے، خاص کر قرآن پاک کا علم ہے، جب عوام کی تشویش کے خیال سے اس کو ترک کیا جاوے گا تو پھر یہ کیوں کر قائم ورائج ہوسکتا ہے، یہاں مجمع کثیر اہل علم کا ہے؛ مگر بوجہ ناواقفی ہی استعجاب تو درکنار اکثر استہزا وانکار ہی کیا جاتا ہے تو پھر کیوں کر اس کی بقا واجرا کا طریقہ اختیار کیا جائے، مثلاً: بعض مقام پر تشہد میں اشارہ سبابہ کو بہت برا سمجھتے ہیں تو ان کی اصلاح کی جاتی ہے اور اس کو مسنون ہی ظاہر کیا جاتا ہے، رہا اس جواب کے سوال میں جو خرابیاں ظاہر کی گئی ہیں، بے شک وہ ضرور واجب الاصلاح ہیں، نہ یہ کہ اس کی تعلیم وتعلم کا سلسلہ ہی محذور قرار دیا جائے، قریب قریب ان معترض کے اعتراضوں کا یہی ماحصل ہے، احقر اپنے کمال اطمینان قلبی کے لئے یہ عریضہ ارسال کر رہا ہے؟

---

(١) باب صفة الصلاة، فصل فی القراءة، مطلب: السنة تکون سنة عین وسنة کفایة، انیس

الجواب

سائل کے کلام میں صریح مشورہ ہےاور جواب میں اسکی تقریر بھی کی گئی ہے کہ اگر کوئی لکھا پڑھا آدمی حرف بھی اس کا اچھا ہوتو اس کو سبعہ پڑھائی جاوے سفہا اور تنگ خیال لوگوں کو فقط تجوید پڑھائی جاوے، الخ، اور یہی حال اکثر فروض کفایہ کا ہے، مثلا: تبحر فی العلوم الشرعیہ کہ فرض کفایہ ہے؛ لیکن اس کے ساتھ یہ حدیث بھی ہے کہ!

''واضع العلم فی غیر أهله کمقلد الخنازیر اللؤلو والجواهر''أو کما قال.(۱)

اورمشاہدہ بھی ہے کہ بعض لوگ جو بدطینت ہیں اوروہ تحصیل علوم کر کے مقتدا بن گئے، ان سے کیا کیا مفاسد پیدا ہوگئے ہیں اوران مفاسد کا انسداد بجز اس کے کیا ہے کہ نااہلوں کو اس رتبہ پر نہ پہنچایا جاوے، یا منصب قضا کہ احادیث(۲) میں اس پر کس قدر وعیدیں آئی ہیں، باوجودیکہ فرض کفایہ ہے۔

وفی حدیث أبی داؤد مرفوعًا: العرافة حق (أی واجب ولو علٰی الکفایة) ولکن العرفاء فی النار،(إذا کانوا غیر أهل لها)(۳)

---

(۱)　سنن ابن ماجة،باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم (ح: ۲۲٤)/جامع بیان العلم وفضله،باب آفة العلم وغائلته وإضاعته،وکراهیة وضعه عند من لیس بأهله: ۱/٤٥۲،رقم الحدیث: ۷۱۰/الفردوس بمأثور الخطاب،باب الواو،رقم الحدیث:۷۱۰۷،انیس

(۲)　عن أنس بن مالک قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:من سأل القضاء وکل إلی نفسه ومن جبر علیه نزل علیه ملک فسدده.(مصنف أبی شیبة،فی القجاء وماجاء فیه (ح: ۲۲۹۷۸)/مسند الإمام أحمد،مسند أنس بن مالک (ح:۱۲۱۸٤)/سنن ابن ماجة،باب ذکر القضاة (ح: ۲۳۰۹)/سنن الترمذی،باب ماجاء عن رسول الله الله علیه وسلم (ح:۱۳۲۳)

عن أبی هریرة فی حدیث طویل قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:إذا وسد الأمر إلی غیر أهله فانتظر الساعة.(الصحیح للبخاری،باب من علما وهو یشتغل فی حدیثه فأتم الحدیث ثم أجاب السائل(ح:۵۹)

عن عبداللّٰه بن عمربن العاص قال:سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول:إن الله لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعه من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی إذا لم یبق عالماً اتخذ الناس رؤوساً جهالاً فسئلوا فأفتوا بغیر علم فضلوا وأضلوا.(الصحیح للبخاری،باب کیف یقبض العلم (ح: ۱۰۰)/الصحیح لمسلم باب رفع العلم وقبضه وظهورالجهل (ح:۲٦۷۳)

(اتخذ الناس رؤوساً)أی خلیفة وقاضیاً ومفتیاً وإماماً وشیخاً(جهالاً)جمع جاهل أی جهلة ما یناسب منصبه... (فسئلوا فأفتوا)أی أجابوا وحکموا ،الخ.(مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح،کتاب العلم: ۱/۲۹۰، دارالفکر بیروت،انیس)

(۳)　والحدیث رواه أبو داؤد، کتاب الخراج والإمارة والفیٔ،باب فی العرافة:۳/۲۳۳،رقم الحدیث:۲۹۳۳،انیس

اور جولوگ اس فن کے آجکل مخالف ہیں وہ تو نفس فن ہی کو فضول بتلاتے ہیں ہر ایک کیلئے حتی کہ اہل فہم کے لئے بھی اور ہر شعبہ کو حتی کہ تجوید کو بھی فشتان بینهما ،غرض منکرین مدعی دو کلیے کے ہیں اور اس جواب میں التزام کیا گیا ہے دو جزئیہ کا اور ظاہر ہے کہ جزئیہ مستلزم کلیہ کو نہیں ہوتا اور سبعہ کی فرضیت عامہ کا دعویٰ کیسے کیا جا سکتا ہے؟ جب کہ خود ایک قرأت سے بھی اتمام قرآن کا فرض عین نہیں اور یہ ظاہر ہے۔

شوال ۱۳۳۶ھ۔ (تتمہ خامسہ: ۶۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱۰/۳۱۰-۳۱۱)

جواب شبہ بر عبارت بیان القرآن

دربارۂ نقل کردن قرأت ابن مسعود "وعلى الوارث ذى الرحم، الخ" بلا سند:

سوال: بیان القرآن کے منہیہ میں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت "وعلى الوارث ذى الرحم" بلا سند ذکر کیا ہے؟

الجواب

میں نے تفسیر مظہری سے لیا ہے، جس کو نقل کر کے مفسر لکھتے ہیں کہ! امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اصل قاعدہ پر عمل کیا کہ ابن مسعود کی قرأت سے کتاب کی تخصیص اور اس پر کچھ زیادتی جائز ہے۔(۱)

اور ہدایہ میں بھی اس قرأت کو نقل کیا ہے،(۲) پس اگر شبہ احقر کی کتاب پر ہے تو اس کا جواب اس قدر کافی ہے کہ اس کا مأخذ فلاں فلاں کتاب ہے اور اگر شبہ ان کتابوں پر ہے تو اس کی تصریح ہونا چاہئے؛ تاکہ دوسرا جواب دیا جائے۔

۹ رجمادی الاخریٰ ۱۳۴۴ھ۔ (ترجیح خامس: ۱۴۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۹۷)

بعض قرأت پر نیکیاں کم ہونے کے شبہ کی تحقیق:

سوال: فلاں مولوی صاحب نے اپنی کتاب میں بھی لکھا ہے اور وعظ میں بھی فرمایا ہے کہ ابوعبداللہ محمد ابن شجاع ثلجی سے منقول ہے کہ فرماتے ہیں کہ میری عادت الحمد پڑھنے میں "مالک یوم الدین" والی قرأت پڑھنے کی تھی، ایک دن میں نے ایک بڑے عربی داں ادیب فاضل عالم سے سنا کہ وہ "ملک یوم الدین" بے الف والی قرأت پڑھتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ یہ بے الف والی قرأت نہایت فصیح بلیغ قرأت ہے، اس دن سے میں بھی "ملک یوم الدین" پڑھنے لگا، وہ قرأت جس میں ایک الف زیادہ تھا موقوف کردی، ایک رات خواب میں دیکھا کہ ہاتف غیب

(۱) التفسير المظهرى، من تفسير سورة البقرة: ۱/۳۲۵، مكتبة الرشدية الباكستان

(۲) الهداية، فصل وعلى الرجل أن ينفق على أبويه وأجداده: ۲/۲۹۳، دار إحياء التراث العربى. انيس

مجھے پکارتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اے بندے تو نے ایک حرف قرآن شریف کا کیوں چھوڑا، دس نیکیاں تیری کم ہوگئیں، کیا تو نے فرمان عالی شان جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں سنا ہے کہ قرآن مجید پڑھنے والے کو ہر حرف کے بدلے دس دس نیکیاں ملتی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ وہ قرأت جس میں ”**ملک یوم الدین**“ ہے، نہیں پڑھنی چاہئے؛ کیوں اپنی دس نیکیاں کم کرے، یہ کہاں تک صحیح ہے، اگر واقعی کم ہوں تو اس کو پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

دوسری گزارش یہ ہے کہ ”**قل هو الله أحد**“ کو ”**اللّٰه الصمد**“ سے اگر ملا کر پڑھے یا ”**نستعين**“ کو ”**إهدنا الصراط**“ سے ملا کر پڑھے؛ یعنی وصل کر کے پڑھے تو نیکیاں کم ہوں گی، بوجہ ہمزہ گرنے کے دونوں جگہ سے، یا نہیں؟

الجواب

قرأتیں ساتوں متواتر اور منقول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، منقول کے اتباع میں کسی قسم کا نقصان نہیں ہوتا،(۱) حدیث میں احرف قرآنیہ کے باب میں ہے: **كلها شاف كاف**.(۲)

رہا شبہ نقص ثواب بنقص بناء علی الحدیث سو نقص فی الکم سے نقص فی الکیف لازم نہیں آتا، کیا معلوم نہیں کہ ایک دونی باوجود دو اکنی سے ناقص فی العدد ہونے کے کیف وکمیت میں برابر ہیں، رہا خواب کا سوال تو وہ حجت نہیں، دوسرے ان کو یہ تنبیہ اس لئے کی گئی ہے کہ ایک قرأت کو مفضول سمجھ کر انہوں نے چھوڑا تھا، سو ایک اعتبار سے اس کا فاضل ہونا بتلا دیا، رہا وصل میں ہمزہ وصل کا کم ہو جانے کا سوال، تو اس کا وہی جواب ہے جو ابھی لکھا گیا، دوسرے ممکن ہے کہ وہ حکماً ملفوظ ہونے کے سبب مکتوب الاجر ہو۔ واللہ اعلم

اشرف علی۔ ۴/شوال ۳۵ھ (تتمہ خامسہ، ص:۳۴)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۳۱۴-۳۱۵)

☆ ☆ ☆

(۱) القراءات السبع التى اقتصر عليه الشاطبى والثلاثة التى هى قراءة أبى جعفر ويعقوب وخلف متواترة معلومة من الدين بالضرورة وكل حرف انفرد به واحد من العشرة معلوم من الدين بالضرورة أنه منزل على رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لا يكابر فى شيء من ذلك إلا جاهل.(شرح طيبة النشر للنويرى،التاسع فى أن القراءات التى يقرأ بها:١/١٦٥،دار الكتب العلمية بيروت.انيس)

(۲) عن أبى بكرة عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال:أتانى جبريل وميكائيل فقال جبريل:اقرأ القرآن على حرف واحد فقال ميكائيل:استزده قال:اقرأه على سبعة أحرف كلها شاف كاف.(مسند الإمام أحمد،حديث أبى بكرة نفيع بن الحارث بن كلدة (ح:٢٠٤٢٥)انيس)

لقمہ اور قرأت میں الفاظ کا چھوڑنا

قدر واجب قرأت کے بعد لقمہ دینا:

سوال: جب امام تین آیت سے گذر جائے اور بعد میں بھولے تو چاہئے تو یہ کہ رکوع کردے اور مقتدی پیچھے سے نہ بتلائے، مگر امام آگے بھولا اور بڑھتا چلا گیا تو اگر مقتدی نے بتلایا تو یہ بتلانے والا کس فعل کا مرتکب ہوا؟ مکروہ تنزیہی یا تحریمی یا حرام کا یا کیا؟

الجواب

نماز میں لقمہ دینے والے اور لینے والے کی صحیح ہے؛ لیکن قدر واجب یا قدر مستحب قرأت پڑھنے کے بعد لقمہ دینا یا امام کا انتظار لقمہ کرنا اور مجبور کرنا مکروہ ہے اور یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ (کذا فی الدر المختار و الشامی)(۱)

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲/۲۲۰-۲۲۱)

امام کو لقمہ دینا:

سوال: امام نے فرضوں میں تین آیت سے زیادہ پڑھ لی اور اس کو سہو واقع ہوا، مقتدی نے پیچھے سے لقمہ دیا، امام نے لقمہ لیا یا نہ لیا، مقتدی کی نماز میں نقصان ہوا یا نہ ہوا؟ جیسا کہ مشہور ہے۔

(۱) یکره أن یفتح من ساعته، کمایکره للإمام أن یلجئه إلیه، بل ینتقل إلیٰ آیة أخریٰ لایلزم من وصلها مایفسد الصلاة أوإلیٰ سورة أخریٰ، أویرکع إذا قرأ قدر الفرض، کما جزم به الزیلعي. (رد المحتار، باب مایفسد الصلاة وما یکره فیها: ۱/۵۸۲، ظفیر) (مطلب: المواضع التی لا تجب فیها ردالسلام/ وکذا فی تبیین الحقائق، باب مایفسد الصلاة ومایکره فیها: ۱/۱۵۷، بولاق، انیس)

عن علی رضی الله عنه قال: إذا استطعمک الإمام فأطعمه. (مصنف ابن أبی شیبة، من رخص فی الفتح علی الإمام (ح: ٤٧٩٤)

عن أبی بن کعب قال: صلی رسول الله صلی الله علیه وسلم فترک آیة وفی القوم أبی بن کعب فقال یارسول الله نسیت آیة کذا وکذا أو نسخت؟ قال: نسیتها. (الصحیح لابن خزیمة، باب تلقین الإمام إذا تعایا أو ترک شیئاً (ح: ١٦٤٧)/ وکذا فی السنن الکبریٰ للنسائی عن عبدالرحمن بن أبزی (ح: ٨١٨٣)/ مسند الإمام أحمد، حدیث عبدالرحمن بن أبزی عن أبی بن کعب (ح: ٢١١٤٠) انیس)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اپنے امام کو لقمہ دینا مفسد نماز امام کا اور مقتدی کا، کسی کا نہیں،(۱) خواہ ضرورت لقمہ کی ہو یا نہ ہو، امام لقمہ لے یا نہ لیوے، خواہ کسی قدر ہی امام پڑھ چکا ہو، کسی حال، کسی وجہ سے فساد کسی کی نماز میں نہیں ہوتا، یہ ہی صحیح ہے اور جو مشہور ہے صحیح نہیں اور نماز مندرجہ سوال کی صورت میں ہوجاتی ہے؛ کیونکہ مراد اس ''**لم یکن ذکرًا**'' (۲) سے یہ ہے کہ وہ کلام ناس سے نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ:۲۸۹)

امام کو لقمہ دینے کے مسائل:

سوال: نماز جمعہ یا کسی اور فرض نماز میں امام اگر کوئی سورۃ کلام مجید غلط پڑھے یا پڑھتے پڑھتے بھول کر خاموش ہوجائے تو کیا مقتدی امام کو صحیح بتا سکتا ہے اور نماز میں مقتدی کے بتانے سے فرق تو نہیں آتا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

امام کو لقمہ دینے میں اور بتلانے میں جلدی کرنا مکروہ ہے، جیسے کہ امام کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور کرے؛ بلکہ بہتر یہ ہے کہ دوسری آیت کی طرف منتقل ہوجاوے، بہر حال لقمہ دینے سے نماز میں کچھ نقص نہیں آتا۔

درمختار میں ہے:

(بخلاف فتحه علٰی إمامه) فإنه لایفسد (مطلقاً) لفاتح وآخذ بکل حال،إلخ. قوله:(بکل حال) أی سواء قرأ الإمام قدر ما تجوز به الصلاة أم لاانتقل إلٰی آیة أخریٰ أم لا،تکرر الفتح أم لا، هو الأصح،نهر. (۳)**(واللّٰه تعالیٰ أعلم)** (امداد المفتین:۳۰۸/۲)

قنوت کی تکبیر میں امام کو لقمہ دینے کا حکم:

سوال: تراویح پڑھنے کے بعد وتروں میں یہ واقعہ پیش آیا کہ امام تیسری رکعت میں بلا تکبیر کہے ہوئے اور رفع یدین کئے ہوئے دعائے قنوت پڑھنے لگا، کسی مقتدی نے اسے اللہ اکبر کہہ کر آگاہ کیا؛ چنانچہ اس نے اللہ اکبر کہہ کر اور رفع یدین کرکے پھر قنوت پڑھی اور نماز تمام کرکے سجدہ سہو کیا تو نماز میں کوئی خرابی تو نہیں رہی؟

---

(۱) (والفتح علی الإمام لا یفسدالصلاة)یعنی المقتدی،فأما غیر المقتدی إذا فتح علی المصلی تفسدبه صلاة المصلی وکذلک المصلی إذا فتح علی غیر المصلی.(مبسوط السرخسی،باب الحدث فی الصلاة: ۱۹۳/۱/۱، دارالمعرفة بیروت.انیس)

(۲) ردالمحتار،باب مایفسدالصلاة ومایکره فیها: ۶۱۵/۱،دارالفکربیروت.انیس

(۳) الدرالمختارمع ردالمحتار،کتاب الصلاة،باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها،مطلب:المواضع التی لاتجب فیها ردالسلام: ۳۸۱/۲،انیس)

الجواب

فی الدرالمختارفی واجبات الصلاۃ: (و)قراء ۃ (قنوت الوتر)وھومطلق الدعاء،وکذا تکبیر قنوتہ.
فی ردالمحتار:أی الوتر،قال فی البحرفی باب سجود السھو:ومما ألحق بہ أی بالقنوت تکبیرہ، وجزم الزیلعی بوجوب السجود بترکہ إلٰی قولہ وینبغی ترجیح عدم الوجوب،إلخ. (۴۸۸/۱)(۱)

پس روایت وجوب پر تو کوئی شبہ ہی نہیں کہ بتلانا ٹھیک ہوا اور دوسری روایت یعنی عدم وجوب پر یہ بتلانا زائد ہوا،مگر مفسد صلوٰۃ نہیں ہے اور نماز ہر حال میں صحیح ہوگئی،جیسے قراءت میں بلا حاجت بتلانے سے نماز صحیح ہو جاتی ہے،اگر چہ امام لقمہ لے لے اور چونکہ کوئی امر موجب سجدہ سہو کا نہیں پایا گیا،اس لئے سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔

۸؍رمضان ۱۳۳۳ھ۔(تتمہ ثالثہ:۷۳)(امداد الفتاویٰ جدید:۴۵۱/۱)

کسی بھی حال میں امام کولقمہ دینا مفسد نماز نہیں:

سوال: امام ومقتدی در حین نماز بودند یکے از مقتدی در قیام رکعت سوم کہ امام برخاست سبحان اللہ گفت بخیال آنکہ ایں رکعت چہارم است چونکہ امام رایقین بود کہ ایں رکعت سوم است گوش نہ کرد قیام فرمودہ رکعت چہارم راختم کردہ نماز خود ومقتدیان راتمام کرد دریں صورت نماز آں مقتدی کہ سبحان اللہ گفت بلا شبہ تمام شد یا بسبب کلام لغو نماز آں فاسد شد صورت مسئلہ چیست در مذہب امام اعظم چیست ودر مذہب حضرت امام شافعی چہ حکم دارد ودر مذہب امام شافعی کدام کتاب کہ مثل ایں مسئلہ جزئیات درآں بسیار باشد اگر بحضرتم معلوم باشد ایماء فرمائید؟(۲)

الجواب

فی الدرالمختار،مفسدات الصلوٰۃ:(بخلاف فتحہ علی إمامہ) فإنہ لایفسد (مطلقا) لفاتح وآخذ بکل حال.(۳)

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار،واجبات الصلاۃ ۴۶۸/۱ (باب صفۃ الصلاۃ،مطلب لا ینبغی أن یعدل عن الدرایۃ إذا وافقتھا روایۃ)/وکذا فی البحرالرائق،الإمام إذا سھا عن التکبیرات حتی رکع: ۱۰۳/۲، دارالکتاب الإسلامی بیروت.انیس)

(۲) خلاصۂ سوال:امام تیسری رکعت کے سجدے سے چوتھی رکعت کے لئے کھڑا ہوا،ایک مقتدی نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ چار رکعتیں ہوگئی ہیں،سبحان اللہ کہہ کر امام کو بٹھانا چاہا،مگر چونکہ امام کو یقین تھا،اس لئے اس نے مقتدی کی بات کی طرف التفات نہ کیا اور چوتھی رکعت پڑھ کر نماز پوری کی،اس صورت میں اس مقتدی کی جس نے بلا ضرورت لقمہ دیا،نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟امام اعظم کے نزدیک کیا حکم ہے اور مذہب شافعی کیا ہے؟اور مذہب شافعی کی ایسی کتاب جس میں اس قسم کے کثیر جزئیات ہوں،اگر آپ کے علم میں ہو تو مطلع فرمائیں۔سعید احمد

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار : ۶۲۲/۱،بیروت،انیس

چوں درصورت مسئولہ ایں سبحان اللہ گفتن بہ نیت فتح علی الامام است وخود از کلام ناس نیست، لہذا نماز امام ومقتدی ہر دو صحیح است و مذہب شافعی مرا معلوم نیست و نہ کتابے در مذہب شافعی مرا معلوم است۔(۱)

(تتمہ اولیٰ ص:۳۱۲)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۴۵۲)

قرآن دیکھ کر اپنے امام کو لقمہ دینا:

سوال: اگر کوئی غیر حافظ کسی امام کی سماعت قرآن دیکھ کر کرتا ہے اور اسی کو دیکھ کر لقمہ دیتا ہے تو ایسی صورت میں نماز صحیح ہوگی یا فاسد؟

الجواب

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ بحالتِ نماز قرآن سے مدد لی اور اگر امام نے اس لقمہ کو لے لیا تو اس کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی، علامہ زیلعی شرح کنز میں **"قول مصنف وقرأته من مصحف"** کے ذیل میں لکھتے ہیں: یعنی!

تفسد الصلاة عند أبی حنيفة، وقال أبو يوسف ومحمد: تكره ولا تفسد صلاته لماروى أن ذكوان مولىٰ عائشة أنه كان يؤمها فی شهر رمضان وكان يقرأ من المصحف... إلاأنه يكره فی الصلوة لما فيه من التشبه بفعل أهل الكتاب ولأبی حنيفة أن حمل المصحف ووضعه عند الركوع والسجود ورفعه عندالقيام وتقليب أوراقه والنظر إليه وفهمه عمل كثيرويقطع من راٰه أنه ليس فی الصلوة،ولأنه يتلقن من المصحف فأشبه التلقن من غيره ... وأثرذكوان محمول علىٰ إنه كان يقرأ قبل شروعه فی الصلوة،إنتهىٰ. (۲)

اور البحر الرائق میں ہے: **وصحح المصنف فی الكافی الثانی و قال: إنها تفسد بكل حال تبعًا لما صححه شمس الأئمة السرخسی،إنتهىٰ.** (۳)(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو:۲۰۷)

---

(۱) ترجمۂ جواب: صورت مسئولہ میں سبحان اللہ کہنا چونکہ امام کو بتلانے کی نیت سے ہے اور خود کلام ناس سے نہیں ہے، لہذا امام اور مقتدی دونوں کی نماز صحیح ہوگئی اور مذہب شافعی مجھے معلوم نہیں اور نہ ان کے مذہب کی کتاب کا مجھے علم ہے۔سعید

مذہب شافعی میں لقمہ سے نماز فاسد ہوجاتی ہے: (ولو نطق بنظم القرآن)أو بذكر آخر كما شمله كلام أصله (بقصد التفهيم كـ) قوله لمن استأذنه فی أخذ شیء أدخول(يا يحی خذالكتاب)ادخلوها بسلام وكتنبيه إمامه أو غيره وكالفتح والتبليغ،الخ.(تحفة المحتاج شرح المنهاج،فصل فی ذكرمبطلات الصلاة وسننها: ۲/۱۴۴،المكتبة التجارية الكبرىٰ مصر.انيس)

(۲) تبيين الحقائق،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱/۴۳۱،بولاق/ كذا فی المبسوط للسرخسی، باب الحدث فی الصلاة : ۱/۲۰۲،دارالمعرفة بيروت/ محمد عن يعقوب عن أبی حنيفة فی إمام يصلی فی رمضان وغيره ويقرأ من المصحف فصلاته فاسدة عن أبی حنيفة وعن أبی يوسف ومحمد رحمهما اللّٰه تعالىٰ لاتفسد صلاته ويكره.(المحيط البرهانی،الفصل الرابع فی كيفيتهما: ۱/۳۱۱،انيس)

(۳) البحر الرائق،باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۱۷ /وكذا فی ردالمحتار،باب مايفسدالصلاة ومايكره فيها: ۱/۶۲۴،دارالفكر بيروت.انيس)

ایسے شخص کی نماز جس کو ہر لفظ پر لقمہ دیا جائے:

سوال: رمضان میں دو چار آدمی ایسے بھی آتے ہیں کہ نماز پڑھنا نہیں جانتے ہیں اور ایک آدمی ایک ایک لفظ کر کے بتاتا ہے، اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوتی تو کیا کرنا چاہئے؛ کیونکہ اس طریقہ سے تو وہ نماز بھی پڑھتا ہے، مسجد میں آتا ہے، اگر نہ بتایا جاوے تو کبھی مسجد میں نہ آوے گا، اس مسئلہ میں معتکف ہو یا غیر معتکف برابر ہے یا نہیں؟

الجواب

ایسا شخص دو بار نماز پڑھے، ایک دفعہ تو اسی طرح، یہ تو نماز کی تعلیم ہوگئی اور دوسری بار بلا تعلیم اس طرح سے کہ نماز کے قبل اس کو بتلا دیا جاوے کہ چونکہ تم کو قرأت واذکار نماز کے یاد نہیں، تم ہر رکن مین تین بار سبحان اللہ کہتے رہو، (۱) یہ نماز اس کی اصلی ہوگی۔

۱۵/شعبان ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ صفحہ:۹۲) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۲۰، ۲۲۱)

سورۂ والعصر میں امام کے "وعملوا الصالحات" کو چھوڑنے کا حکم:

سوال: آج مغرب کی نماز میں پیش امام صاحب سے سورۂ عصر میں "وعملوا الصالحات" سہوا چھوٹ گیا تو ایسی حالت میں نماز ہوگئی یا نہیں اور سجدہ سہو بھی نہیں کیا، اگر کرتے تو کیا نماز ہو جاتی؟

الجواب

صورت مسئولہ میں قرأت فرض تو ادا ہوگئی، اس لئے فرض نماز بھی ادا ہوگئی؛ لیکن قرأت واجبہ کہ علاوہ سورۂ فاتحہ کے ایک آیت طویلہ یا تین آیات قصیرہ ہیں، ادا نہیں ہوئی؛ (۲) کیونکہ آخری آیت کے بعض اجزاء رہ جانے سے آیت پوری

(۱) عن رفاعة بن رافع أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان جالساً فی المسجد فدخل رجل فصلی ورسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ینظر إلیه فقال له: إذا قمت إلی صلاتک فکبر ثم اقرأ إن کان معک قرآن فإن لم یکن معک قرآن فاحمد اللّٰه وکبره وهلل ثم ارکع، الخ. (شرح معانی الآثار، باب مقدار الرکوع والسجود الذی لایجزی أقل، الخ (ح:۱۳۹۳)

عن عبداللّٰه بن أبی أوفٰی قال: جاء رجل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقال: إنی لا أستطیع أن آخذ من القرآن فعلمنی مایجزئنی قال: قل سبحان اللّٰه والحمدللّٰه ولا إله إلا اللّٰه واللّٰه أکبر ولا حول ولا قوة إلا باللّٰه. (مسند الإمام أحمد، بقیة حدیث عبداللّٰه بن أبی أوفٰی (ح: ۱۹۱۱۰)/سنن أبی داؤد، باب ما یجزی الأمی والأعجمی من القراءة (ح: ۸۳۲)/سنن النسائی، ما یجزی من القراءة لمن لایحسن القرآن (ح: ۹۲٤)/صحیح ابن حبان، ذکر الخبر المدحض قول من أمر لمن لم یحسن القرآن (ح: ۱۸۱۰)/والدارقطنی، باب مایجزی من الدعاء عندالعجز عن قراءة القرآن (ح: ۱۱۹٦)/ابن الجارود، باب صفة صلاة النبی صلی الله علیه وسلم (ح: ۱۸۹)/الآثار لأبی یوسف: ۱/۱۱، دارالکتب العلمیة بیروت.) انیس)

(۲) اس فتوی کا مدار اس پر ہے کہ تین آیات قصیرہ پوری نہیں ہوئی؛ لیکن درمختار شامی وغیرہ کی تصریحات سے یہ ثابت ہے کہ! ==

نہیں ہوئی، لہذا واجب ترک ہوا، جس کا سجدہ سہو سے تدارک ہوجاتا، اب وہ نماز واجب الاعادہ ہوئی، وقت میں اعادہ کرنا بالکل مکمل صلوٰۃ ہوتا، اب بھی احوط یہ ہے کہ سب نمازی اس نماز کو الگ الگ دہرالیں۔ والسلام

۶/۳۰ ۱۳۳۳ھ (تتمہ اولیٰ:۱۰) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۴۸-۲۴۹)

تقریباً ایک آیت بیچ میں سے چھوٹ گئی، جس سے معنی بدل گئے:

سوال: ایک شخص نے مغرب کی نماز میں رکعت اولیٰ میں "القارعة" پڑھی اور یہ آیت چھوڑ گیا: "**فهو في عيشة راضية وأما من خفت موازينه**". آیا نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب

اگر "موازينه" پر وقف تام کرنے کے بعد "فأمه هاوية" کہا ہے تو نماز ہوگئی اور اگر بلا وقف تام کہا ہے؛ جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو نماز فاسد ہوگئی۔

قال في شرح المنية الكبير: والقاعدة عند المتقدمين أن ما غير تغيرًا يكون اعتقاده كفرًا يفسد في جميع ذلك سواء كان في القرآن أولم يكن إلاما كان من تبديل الجمل مفصولاً بوقف تام ثم قال بعد ذلك فالأولىٰ الأخد فيه بقول المتقدمين، إلخ. (۱) (امداد المفتین:۲/۳۰۳)

== تین آیتیں پورا ہونا شرط نہیں، بلکہ چھوٹی سے چھوٹی تین آیتوں کی مقدار ہوجانا کافی ہے، جس کی مثال درمختار میں ﴿(ثم نظر)(ثم عبس وبسر)(ثم أدبر واستكبر)﴾ لکھی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے وكذلك لو كانت الأية أو الآيتان تعدل ثلاثًا قصارا ذكره الحلبي. (الدرالمختار مع الردالمختار، باب صفة الصلاة: ۴۵۸/۱، مطلب واجبات الصلوٰة). اور شامی نے مزید توضیح یہ فرمائی کہ ان تین آیتوں میں تیس حرف ہیں، اگر کسی نے ایک یا دو آیت ایسی پڑھ لیں، جس میں تیس حرف ہوں تو واجب ادا ہوگیا، اس لئے صورت مندرجہ سوال میں اعادہ واجب معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (بندہ محمد شفیع)

حضرت مفتی صاحبؒ کے قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس کو ابن خزیمہ وغیرہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا، جس میں نماز مکمل ہونے کے بعد آیت کے چھوٹ جانے کا تذکرہ کیا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد دلانے کے بارے میں تو ارشاد فرمایا؛ لیکن اعادہ کا حکم نہیں دیا۔

عن أبي بن كعب قال: صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فترك آية وفي القوم أبي بن كعب، فقال يارسول الله نسيت آية كذا وكذا أو نسخت؟ قال: نسيتها. (الصحيح لابن خزيمة، باب تلقين الإمام إذا تعايا أو ترك شيئاً (ح: ۱۶۴۷)/ وكذا في السنن الكبرىٰ للنسائي عن عبدالرحمن بن أبزى (ح: ۸۱۸۳)/ مسند الإمام أحمد، حديث عبدالرحمن بن أبزى عن أبي بن كعب (ح: ۲۱۱۴۰) انيس)

(۱) الكبيري: ۴۰۸، مطبوعة لاهور (فصل في بيان أحكام زلة القاري)/ وكذا في ردالمحتار، فروع مشى المصلي مستقبل القبلة هل تفسد: ۶۳۱/۱، انيس)

نماز میں کوئی ایسا کلمہ چھوٹ جانا جس سے مطلب میں کوئی خرابی نہ پڑے:

سوال: عمرو نے نماز صبح کی پڑھائی، دو کلموں کو دو آیتوں میں از روئے سہو کے چھوڑ گیا، اول آیت: ''وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا''، میں کلمہ ''وَ كَذَّبُوْا''، آیت دوسری: ''وَيَقُوْلُ الْكَافِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا'' میں ''الْكَافِرُ'' چھوڑ گیا، اس صورت میں کوئی نقصان نماز میں صادر ہوا یا نہ ہوا؟ زید نے جو مقتدی تھا، نماز اپنی لوٹائی اور کہا نماز نہیں ہوئی۔

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

یہ دو کلمے اگر چہ چھوٹ گئے، مگر تاہم نماز درست ہوگئی ہے کہ معنی درست ہیں، اگر چہ دو کلمہ ترک ہوئے، فقط۔(۱)
زید نے نماز لوٹائی تو اس نے خطا کی؛ کیونکہ اس صورت میں نہ معنی خراب ہوئے اور نہ نماز فاسد ہوئی۔ فقط

(تالیفات رشیدیہ:۲۸۸)

سورۂ نصر میں سہواً ''فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ'' چھوٹ جائے:

سوال: ایک شخص نے مغرب کی نماز میں (سورہ) ''إِذَا جَاءَ نَصْرُاللّٰهِ'' میں ''فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ'' کو سہواً چھوڑ دیا، باقی پوری سورہ پڑھ ڈالی، کیا اس کی نماز صحیح ہوگئی یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب مرحمت فرمائیں گے۔ (محمد یوسف)

الجواب ــــــــــــــــــــ

چونکہ ''فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ'' سے پہلے پہلے تک اتنے حروف آ جاتے ہیں، جو قرآن کی بعض آیات کے لحاظ سے تین آیات کے مساوی ہیں، مثلاً:

---

(۱) ومنها حذف الحرف إن كان الحرف على سبيل الإيجاز والترخيم فإن وجد شرائطه نحو أن قرأ ونادوا يا مال لاتفسد صلاته وإن لم يكن على سبيل الإيجاز والترخيم فإن كان لا يغير المعنى لاتفسد صلاته نحو أن يقرأ ولقد جاء هم رسلنا بالبينات بترک التاء من جاء ت وإن غير المعنى تفسدصلاته عند عامة المشايخ نحو أن يقرأ فمالهم يؤمنون فى لا يؤمنون بترک اللاء ،هكذا فى المحيط وفى العتابية هو الأصح كذا فى التتارخانية ونحو أن يقرأ وهم ظالمون فرأيت فحذف الألف من أ فرأيت ووصل نون يظلمون بفاء أفرأيت وأن يقرأ وهم يحسبون أنهم يحسنون صنعاً فحذف الألف من أنهم ووصل النون لاتفسدالصلاة،هكذا فى الذخيرة فى فصل حذف ما هو مظهر وفى إظهار ما هومحذوف. (الفتاوىٰ الهندية،الفصل الخامس فى زلة القارى: ۷۹/۱،دارالفكر بيروت)

والقاعدة عند المتقدمين: أم ماغير المعنى تغييراً يكون اعتقاده كفراً يفسد فى جميع ذلک سواء كان فى القرآن أو لا إلا ما كان من تبديل الجمل مفصولاً بوقف تام وإن لم يكن التغيير كذلک فإن لم يكن فى القرآن والمعنى بعيد متغير تغيراً فاحشاً يفسد أيضا كهذا الغبارمكان هذا الغراب. (ردالمحتار، فروع مشى المصلى مستقبل القبلة هل تفسد: ۶۳۱/۱،دارالفكر بيروت. انيس)

﴿فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ،ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ نَظَرَ،ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ،ثُمَّ اَدْبَرَوَ اسْتَكْبَرَ﴾(۱)

اس لئے بقدر واجب قراءت ہوگئی اور جب واجب ادا ہو گیا، نیز اس لفظ کے ذکر نہ کرنے کی وجہ سے معنی میں کوئی تغیر فاحش (غیر معمولی تبدیلی) بھی پیدا نہ ہوئی تو نماز ہوگئی۔

"وعند تفاوت الآيات المعتبرة كثرة الكلمات وعدد الحروف،ذكره فى الخانية والظهيرية علىٰ هامش الهداية". (۲) (کتاب الفتاویٰ:۲/۲۰۱)

☆ ☆ ☆

---

(۱) سورة المدثر:۱۹-۲۳.

(۲) الهداية:۷۸۸/۱، ط : كراچی

قرأت میں غلطی کے احکام

نماز میں بعض قرآنی غلطیوں کا حکم:

سوال: عرض یہ ہے کہ ان مسائل کا جواب ارشاد فرمائیے:

(۱) ایک شخص نے "**میثاقه الذی و اثقکم**" جو دوسرے رکوع، مائدہ میں ہے کی جگہ "**میثاقه الذی و اثقکم**"، تراویح میں پڑھا ہے، اب یہ نماز جائز ہے یا نہیں؟ واو کو عاطفہ سمجھ کر ہمزہ پر زبر پڑھا ہے۔

(۲) ایک کس نے "**انعمتَ علَیهم**" کی جگہ "**انعمتُ علَیهم**" زبر کی جگہ پیش پڑھا، پھر جب "**الحمد**" پوری ہوئی، اس کو یاد ہوا، پس بسبب یاد ہونے کے "**انعمت**" کی تاء پر زبر پڑھی، اب یہ نماز جائز ہے، یا نہ؟ مہربانی فرما کر جواب تحریر فرماویں۔

الجواب

پہلی غلطی مفسد معنی نہیں، بلکہ لفظ کو بے معنی کر دینے والی ہے، اس لئے نماز ہوگئی اور دوسری جگہ مفسد معنی ہے، مگر اس کا جب تدارک کر دیا گیا تو وہ کالعدم ہوگئی، (۱) اس لئے اس میں بھی نماز ہوگئی، یہ جواب قواعد سے لکھا ہے، جزئیہ نہیں دیکھا، بہتر ہے کہ کسی محقق سے بھی پوچھ لیا جاوے۔

۲/ربیع الاول ۱۳۲۹ھ (تتمہ خامسہ، صفحہ:۱۸۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۵۷-۲۵۸)

---

(۱) یہ حکم متقدمین کے ضابطہ کے مطابق ہے اور متاخرین نے تو زیر زبر کی غلطی مفسد معنی کو بھی مفسد صلوٰۃ نہیں قرار دیا۔ مفتی محمد شفیع

إذا لحن في الإعراب لحناً لا يغير المعنى بأن قرأ ﴿لا ترفعوا أصواتكم﴾ برفع التاء، لا تفسد صلاته وإن غير المعنى تغييراً فاحشاً بأن قرأ ﴿وعصى آدم ربه فغوىٰ﴾ بنصب الميم، ورفع الرب وما أشبه ذلك مما لو تعمد به يكفر وإذا قرأ خطأ فسدت صلاته في قول المتقدمين، الخ. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الخامس في زلة القاري: ۸۱/۱، دار الفكر بيروت. انيس)

وخطأ القاري إما في الإعراب أو في الحروف أو في الكلمات أو الآيات وفي الحروف إما بوضع حرف مكان حرف أو تقديمه أو تاخيره أو زيادته أو نقصه أما الإعراب فإن لم يغير المعنى لاتفسد لأن تغييره خطأ لا يستطاع الإحتراز عنه فيعذر وإن غير فاحشاً مما اعتقاده كفر مثل البارىء المصور بفتح الواو و ﴿إنمايخشى الله من عباده العلماء﴾ برفع الجلالة ونصب العلماء فسدت في قول المتقدمين. (فتح القدير، فصل في القراءة: ۳۲۲/۱، دار الفكر بيروت. انيس)

سورۂ عصر کی تلاوت کرتے وقت سورۂ والتین کی طرف منتقل ہونا:

سوال: سورۂ والعصر میں سے "وعملوا الصالحات" کی جگہ سے "فلهم أجر غير ممنون" پر انتقال کر کے سہواً سورۂ والتین والزیتون کو ختم کرے تو نماز صحیح ہوگی یا نہ؟ معنی بدلے یا نہ؟

الجواب

صحیح ہوگی۔

۶ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ۔ (تتمہ اولیٰ، صفحہ: ۴۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۲۵۰)

قراءت کی بعض غلطیوں کا حکم:

سوال: امام سے قراءت میں حسب ذیل غلطیاں ہوں تو فاسد ہوگی یا نہیں؟ بصورت اُولیٰ نماز دہرانا ضروری ہے یا نہیں؟

(۱) اگر "مَا وَدَّعَكَ" کو "مَا وَدُّعَاكَ" پڑھے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

(۲) "مِنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى" میں "مِنْ مَّانِيٍّ يُّمْنٰى" پڑھنا موجب فساد ہے کہ نہیں؟

(۳) "اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ" میں لفظ "اللّٰه" کو پیش سے پڑھنے سے فساد ہوگا کہ نہیں؟

(۴) "عَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ" میں فرعون کو زبر اور الرسول کو پیش پڑھے تو نماز ہوگی کہ نہیں؟

(۵) "وَلَا الضَّالِّيْنَ" کو "وَلَا الضُّالِّيْنَ" ض کے پیش اور ض کے بعد (ہمزہ) اور مد کے ساتھ پڑھنا مفسدِ نماز ہے کہ نہیں؟ یہ آخری غلطی عام ہے، کیا اس صورت میں نماز دُہرانا پڑے گی؟

الجواب

(۱) دال پر ضمہ پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

كما فی ردالمحتار تحت قول الدر:

(فلو فی إعراب، إلٰی قوله، لم تفسد) ككسر قِوَامًا مكان فتحها وفتح باء نعبد، آه. (۱)

لیکن عین کے بعد الف کے اضافہ میں تغیر فاحش پیدا کرتا ہے، یعنی مفرد کو تثنیہ بنا دیتا ہے اور تثنیہ کا استعمال حق تعالیٰ شانہ کے حق میں کسی طرح جائز نہیں اور اشباع کا یہ موقع نہیں اور فقہا نے اس کی تصریح کی ہے کہ کسی حرف کے بڑھا دینے

(۱) ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: مسائل زلة القاری: ۲/۳۹۳، انیس

ومن مفسدات القلبية زلة القاری ففی الخطأ فی الإعراب إن لم يتغير المعنى ككسر قواما مكان فتح وفتح باء نعبد لا تفسد. زاد الفقير متن إسعاف المولیٰ القدير، فصل فی زلة القاری: ۲۹، مخطوطة مكتبة جامعة الملك سعود قسم المخطوطات. انيس)

سے اگر معنی میں تغیر ہو جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، لہذا یہ غلطی فسادِ صلوٰۃ کا موجب ہے؛ البتہ اگر بکثرت اس قسم کی غلطی واقع ہوتی ہو تو عموم بلویٰ کے سبب فساد کا حکم نہ دیا جاوے گا اور صلوٰۃ فاسدہ کا اعادہ ضروری ہونا محتاجِ بیان نہیں۔

(۲) یہ غلطی بھی فی نفسہ موجبِ فساد ہے، **لتغير المعنى**؛ ولیکن عمومِ بلویٰ کے سبب عدمِ فساد کا فتویٰ دیا جاوے گا۔

(۳) اس غلطی کو شامی نے متقدمین کے نزدیک مفسدِ صلوٰۃ فرمایا ہے، جبکہ ہمزۂ علماء کو مفتوح بھی پڑھا ہو (اور اگر مفتوح نہ پڑھا ہو؛ بلکہ مضموم یا موقوف پڑھا ہو تو مفسد نہیں؛ کیونکہ اس کا مفعول ہونا مشتبہ ہو گیا) ولیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تغیر کو فاحش کہنا (یعنی: **الذی یکون اعتقاده کفرًا**) صحیح نہیں؛ کیونکہ خشیت صرف خوف کے معنی میں منحصر نہیں؛ بلکہ دوسرے معانی میں بھی مستعمل ہے، چنانچہ قولِ خداوندی "**فَخَشِينَا اَنْ يُّرْهِقَهُمَا**" میں اصل معنی مراد نہیں، بعض نے "**علمنا**" سے اس کی تفسیر (۱) اور بعض نے "**کرهنا**" سے، (۲) اسی طرح "**يَخْشَى اللّٰهَ**" میں زمخشری وغیرہ نے رفع کی قراءت (شاذہ) نقل کی ہے، (۳) اور صاحب روح المعانی نے خشیۃ کو تعظیم پر محمول کیا ہے، (۴) و نیز ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ خشیت کے معنی اختیار (یعنی اجتباء) کے بھی آتے ہیں، پس جب اس غلطی کے ہوتے ہوئے ایک صحیح معنی ہو سکتے ہیں تو متقدمین کے قول پر بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

اور متاخرین کے قول میں تو بہت گنجائش ہے کہ باوجود تغیر فاحش کے بھی فسادِ صلوٰۃ کا حکم نہیں کرتے، حاصل یہ کہ اس غلطی سے نہ متقدمین کے قول پر نماز فاسد ہوگی، نہ متاخرین کے قول پر۔ واللہ اعلم بالصواب

(۴) یہ غلطی متقدمین کے قول پر موجب فساد ہے؛ ولیکن متأخرین کے نزدیک موجب فساد نہیں اور قول متاخرین پر فتویٰ ہونا خلاصہ میں نوازل سے منقول ہے، لہٰذا عوام کے واسطے اسی میں سہولت ہے ولیکن اگر اس قسم کی غلطی بکثرت واقع نہ ہوتی ہو تو اعادہ نماز کا کر لیا جاوے؛ لیکن قول متقدمین احوط و اوفق بالقیاس ہے۔

(۵) اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی، کیونکہ اس سے معنی متغیر نہیں ہوتے۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔ ۲۱ر محرم ۱۳۵۲ھ۔ (امداد الاحکام: ۲/ ۱۹۹-۲۰۱)

قرأت میں غلطی:

سوال: اگر امام صاحب نماز میں قرأت کرتے ہوئے حرکات کو نہ کھینچنے کی جگہ کھینچ کر اور اس کے برعکس پڑھیں،

(۱) تأويلات أهل السنة المعروف بتفسير الماتريدی، سورة الكهف: ۷/ ۲۰۰، دار الكتب العلمية بيروت. انيس

(۲) معانی القرآن للأخفش، سورة الكهف: ۲/ ۴۳۳، مكتبة الخانجي القاهرة. انيس

(۳) وروى عن عمر بن عبدالعزيز أنه قرأ: ﴿إنما يخشى اللّٰهُ﴾ رفعاً ﴿والعلماءَ﴾ نصباً، وهو اختيار أبی حنيفة على معنى يعلم اللّٰه وقيل: يختار، والقراءة الصحيحة ما عليه العامة. (الكشف والبيان عن تفسير القرآن المعروف بتفسير الثعلبی، سورة الفاطر: ۸/ ۱۰۵، دار إحياء التراث العربی. انيس)

(۴) روح المعانی، سورة الرعد: ۷/ ۱۳۴، دار الكتب العلمية بيروت. انيس

جیسے سورۂ رحمٰن میں: ﴿وَالارْضَ وَضَعَهَا﴾ کو ''وَضَعَاهَا'' اورسورۂ تین میں ایک جگہ ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ کی جگہ ''وَعَامِلُوا الصّٰلِحَاتِ''، اور ''السَّلاَمُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ'' میں ''رحماة الله'' پڑھتے ہیں اور بکثرت مجہول پڑھتے ہیں تو کیا ایسی غلطی سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اور کیا ایسے امام کی اقتداء درست ہے؟ (انصار بیگ دانش، دھرم آباد)

الجواب

امام صاحب کو چاہئے کہ وہ ایسی غلطیوں پر قابو پائیں؛ تاہم مسئلہ یہ ہے کہ! اگر کوئی شخص اس طرح حرکت کو کھینچ کر پڑھے کہ کسی حرف کی زیادتی یا کمی پیدا ہو جائے؛ لیکن معنی میں غیر معمولی قسم کی تبدیلی نہ پیدا ہو تو نماز درست ہو جاتی ہے۔

''**لوزادحرفا لايغير المعنى لاتفسد عند هما الخ**''.(۱)

اس لئے جو صورت آپ نے ذکر کی ہے اس میں نماز تو درست ہو جائے گی، البتہ امام صاحب کو حکمت کے ساتھ تنہائی میں سمجھانا چاہئے کہ وہ اپنے طریقۂ تلاوت کی اصلاح کرلیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۹۹-۲۰۰)

نماز میں اعراب کی غلطی کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نماز میں ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ'' میں اسم کے میم کو زیر پڑھ دیا، آیا نماز درست ہوئی یا فاسد؟

الجواب

جس غلطی سے قرآن کے معنی میں تغیر فاحش آجاوے، اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، ورنہ نہیں ہوتی تو اسم کے میم کو زیر پڑھنے سے معنی میں کوئی فساد نہیں ہوا، اس لئے نماز درست ہوگئی۔

إذا لحن في الإعراب لحنا لايغير المعنى بأن قرأ لاَ تَرْفَعُوْا أَصْوَاتَكُمْ برفع التاء لاتفسد صلاته بالإجماع. (الهندية: ۱/۸۰)(۲)**فقط والله تعالىٰ أعلم**

(امداد:۱/۱۰۵)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۴۵۰)☆

---

(۱) رد المحتار: ۲/۳٤۱ (باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: مسائل زلة القارى، انيس)

(۲) الباب الرابع فى صفة الصلاة الخ، الفصل الخامس فى زلة القارى، انيس

قرأت میں اعراب کی غلطی:

سوال: نماز میں قرأت کے دوران زیر و زبر کی غلطی ہو جائے، مثلاً ''أُنْزِلَ'' کے بجائے ''أَنْـزَلَ''، ''يُـرَاؤُوْنَ'' کے بجائے ''يَرَاؤُوْنَ'' تو کیا نماز درست ہو جائے گی؟ (احمد ندیم رضوی، محبوب نگر)

الجواب

عربی زبان میں اعراب یعنی زبر، زیر، پیش کی بڑی اہمیت ہے، اور اکثر اوقات اس سے معنی میں غیر معمولی تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے نماز میں خصوصاً اور نماز کے باہر بھی قرآن مجید پڑھنے میں خوب احتیاط کرنی چاہئے، تھوڑی سی محنت اور کوشش کے ذریعہ ==

قرأت میں تغیر کا واقع ہونا:

سوال: بعض کا مسلک ہے کہ قرأت میں لغزش سے اگر معنی بدل جائیں تو نماز فاسد ہو جائے گی اور بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ اگر معنی بدل جائیں اور وہ کفر تک پہنچا دیں تو نماز فاسد ہوگی، اس بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

الجواب

منیۃ المصلی میں ہے:

(الأصل فيه أنه إن لم يكن مثله في القرآن والمعنى بعيد يتغير) به (تغيرًا فاحشًا تفسد صلاته)انتهٰی.(۱)

اکثر کتب فقہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مطلق تغیر معنی سے نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر اعراب کی غلطی ہو جائے، اگر چہ معنی کا تغیر اس صورت میں بھی ہوگا، مگر عوام پر شفقت کے خیال سے بعض فقہا مفسد صلوۃ نہیں کہتے ہیں۔ (كذا في الهندية)(۲)

ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو:۲۳۱)

جس کو ترجمۂ قرآن نہ آتا ہو، اس کی نماز اور تلاوت کے ثواب کا حکم:

سوال: بکر کہتا ہے کہ جس شخص کو ترجمۂ قرآن نہیں آتا، اس کی نماز ہرگز نہیں ہوتی اور نہ اس کو تلاوتِ قرآن کا ثواب ملتا ہے، اس پر بعض لوگوں نے نماز پڑھنا اور تلاوت کرنا چھوڑ دیا، اس کا جواب مدلّل دیا جائے؟

الجواب

دلیل کا بیان کرنا خود اس شخص کے ذمّہ ہے؛ کیونکہ وہی مدعی ہے اور دعوی بلا دلیل مسموع نہیں، لہذا یہ قول غلط ہے، نیز ہم تبرعاً کہتے ہیں کہ اس شخص کا قول "فَاقْرَأُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ "(۳) کے خلاف ہے، کیونکہ جو شخص قرآن پڑھنے پر قادر ہے اور ترجمہ سمجھنے پر قادر نہیں تو یہ آیت اس کو صرف قراءتِ قرآن کا مکلّف بناتی ہے، (۴) اور اس سے اس کی نماز صحیح ہو جائے گی؛ لإتيان المأمور به، ترجمہ کی قید لگانا تیسیر کے خلاف ہے۔

== ایسی غلطیوں سے بچا جا سکتا ہے، تاہم چونکہ اللہ تعالی نے خطأ اور بھول چوک کو معاف فرمایا ہے، اور خاص کر اہل عجم سے ایسی غلطیاں پیش آتی رہتی ہیں، اس لئے فقہا کی رائے ہے کہ اگر زیر وزبر کی غلطی ہو جائے، تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

"ولو قرأ النصب مكان الرفع والرفع مكان النصب أو الخفض مكان الرفع أو النصب لا تفسد صلاته". (الفتاوى الهندية : ۸۲/۱ (الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الخامس في زلة القاري، انيس))(کتاب الفتاویٰ:۲/۲۰۰-۲۰۱)

(۱) (الأصل فيه)في الزال والخطاء (إن لم يكن مثله)أي مثل ذلك اللفظ) في القرآن والمعنى)أي والحال في أن معنى ذلك اللفظ (بعيد)من معنى لفظ القرآن (متغير) معنى لفظ القرآن به (تغيرًا فاحشًا) قوياً بحيث لا مناسبة بين المعنيين أصلاً (تفسد صلاته).(الكبيرى شرح منية المصلى، فصل في بيان أحكام زلة القاري: ٤٧٦، طبع سنده، انيس)

(۲) الفتاوٰى الهندية، الفصل الخامس في زلة القاري: ۷۹/۱-۸۲، دار الفكر. انيس

(۳) سورة المزمل: ۲۰. انيس

(۴) ﴿فَاقْرَأُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾أي من القرآن من غير تحمل المشاق.(روح المعاني، المزمل: ۱۲۶/۱۵، دار الكتب بيروت)==

دوسرے ہم پوچھتے ہیں کہ قرآن نظمِ عربی کا نام ہے، یا نظمِ عربی مع الترجمہ کا، شقِ ثانی باطل ہے، ورنہ لازم آئے گا، کہ صبیان و جہلاء تلاوتِ قرآن کے وقت قاریٔ قرآن نہ ہوں؛ بلکہ وہ قرآن کے سوا کچھ اور پڑھتے ہوں اور یہ لغو ہے، پس شقِ اوّل متعین ہے، تو اس کے تحقق سے قراءتِ قرآن کا تحقق ہو گیا اور یہی شرط صلوٰۃ وثواب ہے، اس سے زیادہ شرط صلوٰۃ وثواب نہیں۔ (امدادالاحکام: ۹۸/۲)

"قل ھو اللّٰہ" کو "گل ھو اللّٰہ" پڑھنا:

سوال: ایک شخص "قل ھو اللّٰہ" کو "گل ھو اللّٰہ" پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ اہلِ ہند جس کو ق پڑھتے ہیں، وہ درحقیقت ترکی زبان کا حرف ہے، عربی نہیں اور لغت عرب میں یہ شکل گاف کی ہے اور تمام عرب گاف ہی پڑھتے ہیں کیا اس کا مقولہ صحیح ہے یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

اس کا مقولہ صحیح نہیں ہے اور نہ اس کے پیچھے نماز جائز ہے؛ کیوں کہ تمام ادباء اور اہل لغت نیز قراء اور ماہرین نحو کا اتفاق ہے کہ حرف قاف عربی ہے۔

قاری ابو محمد مکی فقیہ کتاب الرعایۃ بتجوید القراءۃ میں بیان کرتے ہیں:

القاف تخرج من المخرج الأول من مخارج الضم ممايلى الحلق من أقصى اللسان ومن فوقهٖ من الحنک والقاف حرف متمكن قوى لأنه من الحروف المجهورة الشديدة المستعلية ومن حروف القلقلة قريبة من مخرج الكاف فيجب على القارى أن يفخم القاف تفخيماً بالغا إذا أتت بعدهاألف كمايفعل بهاإذاحكاها فى الحروف فقال فالقاف وذلک نحوقوله تعالیٰ قالوا وقاموا وكذلک بينهما بياناً خالصاً تفخيماً إذاانفردت مفتوحة أومضمومة نحوقليلاً وقدمنا وقد ورد قوله أوشبهه. فإذا وقعت الكاف بعدها أوقبلها وجب بيانها لئلا يشوبها شىء من لفظ الكاف لقربها منها أويشوب الكاف شىء من لفظ القاف نحوخالق كل شىء وخلقكم ورزقكم،انتهٰى. (۱)

اور ظاہر ہے کہ صفات مذکورہ گاف فارسی میں نہیں پائی جاتیں؛ لیکن موجودہ زمانہ میں اہلِ عرب کے یہاں قاف کی جگہ گاف فارسی کا استعمال، وہ عجمیوں کے اختلاط کی وجہ سے ہو رہا ہے اور اسی وجہ سے کبھی وہ لوگ قرآن وحدیث میں قاف کی جگہ گاف فارسی نہیں پڑھتے اور بادیہ نشیں جاہلوں کا کوئی اعتبار نہیں؛ کیوں کہ وہ حروف کو مخارج سے

== ويحتمل أن يكون المراد منه فاأقرؤا بعينه كيف ما تيسر لكم. (التفسير المظهرى،سورة المزمل: ۱۱۶/۱۰، مكتبةالرشدية الباكستان. انيس)

(۱) كتاب الرعاية بتجويد القراءة،باب القاف: ۱۷۱،دارعمار. انيس

ادانہیں کرتے اور قرآن کے ایسے حروف کہ ان کا تلفظ اور دوسرے حروف سے تمیز آسان ہو، ان کو بدل دینا، ایسے طریقہ پر کہ معنی بھی متغیر ہو جائیں، یہ مفسد صلوۃ ہے۔

ہندیہ میں ہے:

إن غیر المعنیٰ فإن أمکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقة کالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلا ته عند الکل ،إنتھیٰ. (۱) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۱۳)

"الحمد" اور "إیاک" پر جھٹکا:

سوال: "**الحمد**" پر جھٹکا لگانا اور ایسا ہی "**إیاک**" پر جھٹکا لگانا کیسا ہے؟

الجواب

خلاف قواعد تجوید پڑھنا قرآن شریف کا مکروہ ہے، (۲) اگر چہ نماز ہو جاتی ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/۲۴۰)

"نستعین" میں عین پر تشدید پڑھنا:

سوال (۱) زید سورہ فاتحہ میں "**إیاک نعبد وإیاک نستعین**" پڑھتا ہے، جبکہ قرآن شریف میں "**و ایاک نسعین**" لکھا ہے، کیا پڑھا جاوے "**نستعین**" یا "**نستعیّن**" (کے) 'ت' کو 'عین' میں ملا کر تشدید لگا کر پڑھتا ہے، امام کو بار بار ٹو کنے پر صحیح نہیں پڑھتا ہے، کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنی صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) فجر کی سنت مؤکدہ اگر جماعت ہو رہی ہے تو سنت کس وقت تک پڑھی جا سکتی ہے؟ یا جماعت میں شامل ہو جاوے؟ سنت نہ پڑھی جائے ؟

ھو المصوب

(۱) نستعین کا کوئی حرف مشدد نہیں ہے، لہذا مشدد پڑھنا غلط ہے، (۴) امام کو خیال رکھ کر پڑھنا چاہئے، اگر

(۱) الفتاوی الھندیة،الباب الرابع فی صفة الصلاة،الفصل الخامس فی زلة القاری: ۱/۸۷،انیس

(۲) والأخذ بالتجوید حتم لازم ☆ من لم یجود القرآن آثم.(المقدمة الجزریة،باب التجوید: ۱۱،دار المغنی للنشر والتوزیع)

أی من لم یجود القرآن وفی نسخة من لم یصحح القرآن وذلک بأن یقرأ ہ قراء ة تخل بالمعنی أو بالإعراب کما صرح بذلک الشیخ زکریا.(الوافی فی کیفیة ترتیل القرآن الکریم،باب التجوید: ۱/۹۱،دار الکتب العلمیة.انیس)

(۳) إن غیر المعنیٰ فإن أمکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقة کالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مکان الصالحات تفسد صلا ته عند الکل.(الفتاوی الھندیة،الباب الرابع فی صفة الصلاة،الفصل الخامس فی زلة القاری: ۱/۸۷،انیس)

() إن الخطأ إما فی الإعراب أی الحرکات والسکون ویدخل فیه تخفیف المشددوقصر الممدود ==

امام صحیح پڑھنے پر قادر نہیں ہے، تو دوسرے امام کا نظم کیا جائے، ایسے امام کو امامت نہ کرنی چاہئے، اگر امامت کرتا ہے، تو اس کی امامت کراہت کے ساتھ درست ہوگی۔

(۲) فجر کی فرض نماز ایک رکعت بھی ملنے کی امید ہو تو سنت فجر پڑھ لی جائے، اس کے بعد فجر کی فرض میں شامل ہو اور ایک رکعت بھی ملنے کی امید نہ ہو تو فجر کی فرض نماز میں سنت پڑھے بغیر شامل ہو جائے۔(۱)

تحریر: محمد مستقیم ندوی تصویب: ناصر علی ندوی۔ (فتاویٰ ندوۃ العلماء: ۲/ ۳۲۸-۳۲۹)

صیغۂ واحد کو جمع اور جمع کو واحد پڑھنا غلط ہے:

سوال: نماز میں بوقت قراءت واحد کو بصیغۂ جمع اور جمع کو بصیغۂ واحد پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ نماز ہوگی یا نہیں؟ مثلاً: آیت کو آیات پڑھنا اور جنت کو جنات پڑھنا۔

== وعکسهما... والقاعدة عند المتقدمين أن ماغير المعنٰى تغييرًا يكون اعتقاده كفرًا يفسد في جميع ذلك، سواء كان في القرآن أو لا... فالمعتبر في عدم الفساد عند عدم تغيرالمعنى كثيرًا وجود المثل في القرآن عنده والموافقة في المعنى عندهما.(رد المحتار: ۲/ ۳۹۳)(باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،مطلب:مسائل زلة القارى،انيس)

(۱) ومن انتهى إلى الإمام في صلاة الفجر وهو لم يصل ركعتي الفجرإن خشي أن يفوته ركعة ويدرك الأخرىٰ يصلي ركعتي الفجرعند باب المسجد ثم يدخل وإن خشي فوتهما دخل مع الإمام.(الفتاوىٰ الهندية: ۱/ ۱۲۰)(الباب العاشر في إدراك الفريضة،انيس)

قلت:أرأيت رجلاًانتهى إلى المسجد والقوم في الصلاة أيصلي تطوعاً أو يدخل مع القوم في الفريضة؟ قال:لا ؛ولكنه يدخل مع القوم في صلاتهم ولايصلي من التطوع شيئاً إلا أن ينتهي إلى الإمام ولم يكن صلى ركعتي الفجر فإنه يصليهما ثم يدخل في صلاة القوم ،قلت:فإن كان يخاف أن تفوته ركعة من الفجر ؟قال:وإن كان يخاف، قلت:فإن خاف أن يفوته الفجر في جماعة؟قال:أحب ذلك إليَّ أن يدخل مع القوم في صلاتهم ويدع الركعتين.(الأصل الشيباني المعروف بالمبسوط،باب ماجاء في القيام في الفريضة: ۱/ ۱۶۶،إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشي)

عن عائشة قالت:ركعتا الفجر خير من الدنيا ومافيها.(سنن الترمذي،باب جاء في ركعتي الفجر من الفضل (ح: ۴۱۶)

عن أنس قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:ركعتا الفجر أحب إلي من الدنيا وما فيها،قال:وقال عمربن الخطاب:هما أحب إلي من حمر النعم.(مصنف عبدالرزاق،باب ماجاء في ركعتي الفجر من الفضل (ح: ۴۷۷۹)انيس)

عن حمران،قال:ما لقي ابن عمر رضي الله عنهما يحدث إلا وحمران من أقرب الناس منه مجلساً قال:فقال له ذات يوم:ياحمران! إني لأراك ما لزمتنا إلا لنقبسنك خيراً قال:أجل،يا أبا عبدالرحمن قال:انظر ثلاثاً أما اثنتان فانهاك عنهما وأما واحد فآمرك،قال:ماهن يا أبا عبدالرحمن؟قال:لا تموتن وعليك دين إلا ديناً تدع له وفاءً ولا تنتفين من ولد لك أبداً فإنه يسمع بك يوم القيامة كما سمعت به في الدنيا قصاصاً لا يظلم ربك أحداً وانظرركعتي الفجر فلا تدعهما فإنهما من الرغائب.(كتاب الآثار لمحمدبن الحسن الشيباني،باب فضل الجماعة وركعتي الفجر (ح: ۱۱۲)/ وراه ابن أبي شيبة مختصراً،باب في ركعتي الفجر (ح: ۶۳۲۵)/مسند الإمام الأعظم برواية الحصكفي، كتاب الصلاة (ح: ۹۵)انيس)

الجواب

واحد کو بصیغۂ جمع پڑھنا یا جمع کو بصیغۂ واحد پڑھنا غلطی ہے، عمداً ایسا کرنا درست نہیں ہے اور اگر غلطی سے ایسا پڑھا گیا تو نماز صحیح ہے؛ یعنی نماز ہوجاتی ہے، مگر ایسا کرنا نہ چاہئے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۴۷)

نماز میں عام قاری کی غلطیوں کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں موافق فقہ حنفی کے کہ!

آج کل عموماً کیا علماء اور کیا عوام؛ جیسا کہ آنجناب پر بھی روشن ہے، علم تجوید سے بالکل ناواقف ہیں؛ یعنی کسی استاد واقف سے نہیں سیکھتے؛ بلکہ بطور خود بعض حروف میں فرق کر کے بلا خیال مخرج وصفات پڑھتے ہیں۔ مثلاً:

''س'' و''ص'' کے اندر یا ''ت'' اور ''ط'' میں؛ حالانکہ ماہرین فن تجوید لکھتے ہیں کہ باوجود تمیز کے حروف اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتے، خصوصا حرف ض کہ یہ تو عموما خواہ عرب، خواہ عجم کوئی بھی اس حرف کو اس کے مخرج سے نہیں نکالتا، بعض مشابہ ظا اور بعض مشابہ بالذال پھر بعض صاف دال پڑھتے ہیں، بعض دال مفخم، بعض کے پڑھنے میں ایک واؤ بھی سمجھ میں آتا ہے تو ایسی حالت میں کیا حکم ہے، آیا یہ لوگ معذورین کے حکم میں ہیں اور حروف کو سیکھنا اور ان کو مخارج مع صفات کے ادا کرنا ان پر فرض اور ترک سے گنہ گار ہیں؛ کیوں کہ مخارج حرفوں کے مشترک ہوتے ہیں، مگر فرق صفات سے ہوتا ہے یا بوجہ عموم بلوی مطلقاً صحت نماز کا فتوی دیا گیا ہے، اگر دیا ہے تو دلیل تحریر فرمادیجئے؟

اب ایسی حالت میں اگر کوئی شخص حروف کو عمدہ طریقہ سے مخرج سے نکالے اور حرف ضاد کو بھی مخرج سے نکالے، اگرچہ صورت اس کی مشابہ بالظاء ہو تو ایسے شخص کی نماز ان لوگوں مذکور الصدر کے پیچھے کہ جو بطور خود حروف کو متمیز کر کے پڑھتے ہیں اور حرف ضاد کو دال بسیط یا مفخم کر کے یا مشابہ بالظاء پڑھتے ہیں، صحیح ہوگی یا نہیں؟ خاص کر جب کہ یہ شخص جو واقف تجوید ہے واقف مسائل ضرور یہ صلوٰۃ بھی ہو اور دوسرا شخص عالم فقہ حدیث ہو، مگر قراءت اس کی موافق قواعد تجوید نہ ہو؛ بلکہ مثل قراءت مروجہ اس زمانہ کے ہو، اگر اس واقف تجوید کی نماز صحیح نہ ہوئی تو وقت مقتدی ہونے اس قاری کے امام کی اور بقیہ مقتدیوں کی بھی نماز درست ہوگی یا نہیں؟ جیسا کہ جب امی کی اقتدا قاری کرے، اس وقت کسی کی بھی نماز نہیں ہوتی نہ امام کی نہ مقتدیوں کی، احقر کو ان عبارات فقہا سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگ باوجود اہل علم کہلانے کے

(۱) قال فی البزازیة: ولو زاد حرفًا لایغیر المعنی لاتفسد عندهما، إلخ. (رد المحتار، زلة القاری: ۱/۵۹۱، ظفیر) (باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مطلب: مسائل زلة القاری/الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی الهندیة، لاثانی عشر فی زلة القاری: ۴/۴۳، دارالفکر/. انیس)

امامت کے قابل نہیں اور سیکھنا تجوید کا فرض ہے اور اس کے ترک سے ہر وقت گنہ گار ہیں، آیا یہ فہم احقر کا ان عبارات سے صحیح ہے یا نہیں؟

(أنه بعد بذل جهده دائمًا)أی فی اٰناء اللیل و أطراف النهار فمادام فی التصحیح والتعلیم ولم یقدر علیه فصلا ته جائز ة وإن ترک جهده فصلوٰته فاسدة قال فی الذخیرة وأنه مشکل عندی لأن ماکان خلقة فالعبد لایقدر علی تغییره (کالأمی فلا یؤم الامثله ولاتصح صلا ته إذاأمکنه الإقتداء بمن یحسنه أو ترک جهده أووجد قدرالفرض ممالا لثغ فیه هذا هوالصحیح المختار(فی حکم الألثغ).(کذافی ردالمحتار باب الإمامة)(۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب الثغ جوفطرۃً معذور کیا معنی بلکہ مجبور ہے معاف نہیں کیا گیا، بلکہ دواماً اس پر سیکھنا اور کوشش کرنا فرض ہے، یہاں تک کہ جب تک سیکھتا رہے گا تو نماز درست ہوگی، ورنہ نماز فاسد ہوگی اور بعد کوشش کے بھی وہ امی ہے، جب ایسا معذور فطری معذور نہیں تو جو شخص کہ باعتبار فطرت مجبور نہیں، فقط اپنے تساہل سے سیکھنے کا قصد نہیں کرتا، کیوں معذور شمار کیا جاوے اور کیوں نماز اس کی صحیح ہو اور کیوں گنہ گار نہ ہو، البتہ شامی کا ذخیرہ کی عبارت کا نقل کرنا شبہ پیدا کرتا ہے کہ شاید اس حکم کی تصحیح میں کچھ کلام ہے، اگلی عبارت اس سے زائد تصریح کرتی ہے۔

وکذا من لایقدر علی التلفظ بحرف من الحروف وذلک کالرهمن الرهیم والشیتان الرجیم والآلمین إیاک نأبد ونستئین وأنأمت فکل ذلک حکمه مامر من بذل الجهد دائمًاوإلا فلا تصح الصلوٰة به.(۲)

اب اس حکم میں وہ لوگ بھی داخل ہیں یا نہیں جو حرف ضاد کو مخرج سے نہیں نکالتے، اگر نہیں تو کیا دلیل ہے، پھر فقہا کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حرف ظاء سے زیادہ مناسبت ہے نہ ذال سے، جیسا کہ شامی کے زلۃ القاری میں ہے:

وإن لم یمکن إلا بمشقة کالظاء مع الضاد والصاد مع السین فأکثرهم علی عدم الفساد لعموم البلوی. (۳)

دوسری جگہ ہے:

وفیهاإذا لم یکن بین الحرفین اتحاد المخرج ولاقربه إلا أن فیه بلوی العامة کالظاء مکان الضاد لا تفسد عند بعض المشایخ.(۴)

قاضی خان میں ہے:

لوقرأ لظالین بالظاء أوبالذال لاتفسد صلا ته ولو قرأالدالین بالدال تفسد.(۵)

(۱-۲)　ردالمحتار، باب الإمامة، قبیل مطلب إذا کانت اللثغة یسیرة: ۵۸۲/۱، دارالفکربیروت. انیس

(۳)　ردالمحتار، فصل فی زلة القاری: ۶۳۱/۱، دارالفکربیروت. انیس

(۴)　ردالمحتار، فصل فی زلة القاری: ۶۳۳/۱، دارالفکربیروت. انیس

(۵)　قاضی خان علیٰ هامش الهندیة، کتاب الصلاة، فصل فی قراء ة القرآن خطأً وفی الأحکام المتعلقة بالقرآء ة: ۱۴۳/۱، انیس

ان عبارتوں سے جہاں تک معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ مشابہ بالدال پڑھنے سے فاسد ہے اور مشابہ بالظاء پڑھنے سے بعض کے نزدیک فاسد نہیں، مگر قاعدہ متقدمین کے مطابق صحیح نہیں تو ایسی صورت میں جو شخص کہ حرف ضاد کو مخرج سے نکالتا ہے، اس کی نماز آج کل کے علما کے پیچھے جو اکثر دواد پڑھتے ہیں، صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور ایسے شخص کے ہوتے امام کس کو بنانا چاہئے، مکرر امور مسئولہ کو مختصراً عرض کرتا ہوں:

(۱)　تجوید واجب کی کیا مقدار ہے آیا مطلقاً تمیز بین الحروف یا اداء الحروف من المخارج مع الصفات؟

(۲)　امی عندالشرع کون ہے اور قاری کون ہے؟

(۳)　حرف ضاد مخرج سے نہ نکالنے والے خواہ ظاء پڑھیں یا مشابہ بالدال پڑھیں امی ہیں یا نہیں؟

(۴)　جو شخص کہ ضاد کو مخرج سے نکالتا ہے اس کی نماز شخص مذکور کے پیچھے ہوگی یا نہیں اگر نہ ہوگی تو وقت مقتدی ہونے اس قاری کے امام دواد پڑھنے والے کی اور مقتدیوں کی نماز بھی ہوگی یا نہیں؟

(۵)　دواد پڑھنے والا عالم امام افضل ہے یا قاری جو مسائل ضروریہ صلوٰۃ سے واقف ہو؟

(۶)　سائل ایک عبارت رسالہ ’قرأت کی نقل کرتا ہے کہ جو حوالہ دیتا ہے فتح القدیر اور وسیلۃ السعادۃ کا:

”بدانکہ دانستن وخواندن قرآن بہ تجوید کہ آں عبارت از دادن حروفہا است حق آں حروف فرض عین ولازم ست بر ہر کس کہ قرآن خواند از برائے آنکہ بہ تجوید نازل شدہ وہمچنیں از آنحضرت علیہ السلام بوسائط اساتذہ منقول شد چنانکہ در شرح مقدمہ جزری آوردہ اگر چہ فقہائے عظام بسبب آنکہ نماز فرض عین است درزلۃ وخطا کردن از تجوید وسعت کردہ نماز جائز داشتہ اندامابہ ترک امامت ایں چنیں کس فرمودہ اند معلوم است کہ معنی زلت وخطا فعلی ناشائستہ بے اختیار از کسے کہ دانائے آں باشد صادر شدن است نہ آنکہ چیزے راکہ نداننداورا زلۃ گویند، چنانکہ در وسیلۃ السعادۃ کہ یکے از کتب فقہ معتبر است آوردہ کسے کہ از ادائے حروف ورعایت قواعد قرآنی عاجز باشد براو لازم است باقی عمر در شب وروز در تعلیم قرآن بکوشد والانمازش جائز نیست“۔ (کمافی فتح القدیر لابن الہمام)(۱)

تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آج کل جو غافل از علم تجوید عالم وجاہل ہورہے، ان کی نماز نہیں ہوتی اور امامت تو ہرگز نہ کرے، تو امامت ایسے شخص کی جائز ہے یا نہیں؟

(۷)　قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ اپنے رسالہ تلفظ الضاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ ضاد معجمہ سب حروف سے مخرج جدا رکھتا ہے، اگر اپنے مخرج سے نہ نکلا اور کسی حرف کے مخرج سے نکلا ظاء یا دال وغیرہ سے تو وہی ہوگیا نہ کہ ضاد رہا اور اگر حرف معتبرہ سے نہ نکلا تو شمار حروف سے نہ رہا؛ بلکہ مہمل ہوگا، جیسے رضی وغیرہ، علمانے لکھا ہے کہ وہ کلام بالکل مہمل ہوگیا۔

---

(۱)　الصمد بالسين إن كان يجهد الليل والنهار في تصحيحه ولا يقدر فصلاته جائزة ولو ترك جهده ففاسدة ولا يسعه أن يترك في باقي عمره. (فتح القدير، فصل في القراءة: ۳۲۳/۱، دارالفكر بيروت. انيس)

(۸) پھر فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کہ ہر شخص بطور خود جس طرح چاہے، قرآن پڑھے۔

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ ہم قرآن کو اپنی زبان میں ترجمہ کرلیں؛ تاکہ ہم کو پڑھنا آسان ہو، فرمایا کہ ہرگز نہیں؛ بلکہ قرآن پاک انہیں حروف منزل پر رہے، ہاں تفسیر اپنی زبان میں کرلو، حضرت علیؓ نے ترجمہ جائز رکھا، پھر تبدیل حروف کس طرح جائز ہوگی کہ تحریف صریح قرآن کی ہے، جب بہدایت قرآن وحدیث ممانعت پڑھنے لہجہ عجم کی معلوم ہوئی، تب بمقابلہ اس کے اقوال بعض مفسرین مثل تفسیر کبیر وغیرہ کے کہ انسان مکلّف ساتھ تمیز حرف ضاد کے غیر اپنے سے نہیں ہے، سنا نہ جاوے گا؛ بلکہ اس جگہ قول حضرت علیؓ اور امام ابوعمرؒ ودانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا کہ امام قرأت اور تجوید کے تھے مقبول ہوگا کہ ان بزرگوں نے کس طرح تاکید تصحیح وتجوید کی فرمائی ہے، غرض کہ فن قرأت جدا ایک فن ہے کہ مدار اس کا محض نقل اور روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور قیاس کو بالکل دخل نہیں ہے اور جو بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ زمانہ صحابہ میں اہتمام تجوید نہ تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ سب صحابہؓ عربی تھے اور بعض صحابہؓ جو عجمی تھے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح کرلیا تھا اور جو صحابہ باوجود تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی سعی کے ان کی زبان نے مطاوعت نہ کی اور قابو میں نہ آئی وہ معذور تھے، غرض ایسے مضمون ابوعمروؒ دانیؒ اور ملا علی قاریؒ کی کتابوں کو دیکھو کہ یہ لوگ قرأت کے امام تھے اور محدث، مفسر وفقیہ تھے اور یہ لفظ خاص عرب کا ہے، نہ عجم کا، اپنی زبان پر جو عجم کو آسان تھا، وہ ادا کرلیا اور عرب خاص کے جو دو ایک گھر ہیں، وہ اب تک صحیح پڑھتے ہیں، اس وقت کے عرب کا ادائے حروف لائق استدلال نہیں۔

(۹) پھر فرماتے ہیں کہ ضاد کا مخرج چھوڑ کر کے کسی اور حرف کے مخرج سے قصداً ادا کرنا تو حرام ہے، بلکہ بعید نہیں کہ کفر ہو اور اگر قصداً ادا کرنے ضاد صحیح کا کیا پھر سبقت لسانی سے غلطی ہوگئی، اس صورت میں امیدوار معافی حق تعالیٰ کا ہے اور اگر بسبب عدم مطاوعت زبان کے ہے اور زبان قابو میں نہیں ہے تو سیکھنے صحیح ضاد تک اور مشق کر کے صاف کرنے تک معاف ہے اور جو استاد سے سیکھا بھی نہیں اور جان بوجھ کر اسی طرح غلط پڑھتا رہا تو اول گنہ گار غلط خوانی کا اور دوسرا گنہ گار ترک واجب کا اور اگر سیکھا بھی اور صحیح نہ پڑھ سکا تو پھر یہ شخص معذور ہے اور یہ شخص امی ہوگا اور پہلے سیکھنے سے معذور نہ ہوگا اور روایات فقہیہ جواز نماز کی معذور کے حق میں ہیں نہ کہ کاہل کے۔

(۱۰) پھر فرماتے ہیں جواز صلوٰۃ غلط خواں میں فقہا میں اختلاف ہے اور اصح عدم جواز موافق اس قاعدہ اصولیہ کے ہے:

"إذا دار الأمر بين الحظر والإباحة فالفتوى على الحظر". (۱)

(۱) ثم ما يتردد بين الحظر والإباحة يترجح معنى الحظر. (مبسوط السرخسي، كتاب الخنثىٰ: ۱۰۶/۳۰، انیس)

دوسرے یہ کہ سند اور قیاس مسئلہ قرأت کا ساتھ مسئلہ فقہ کے درست نہیں، تیسرے یہ کہ جواز وعدم جواز قرأت کے معنی اور ہیں کہ صحت قرآن ہے اور جواز وعدم جواز صلوٰۃ کے معنی اور ہیں کہ برأۃ الذمہ ہے، پس جب محمول مختلف ہوا تو قیاس مع الفارق ہوا اور وہ باطل ہے، چوتھے یہ کہ جواز وعدم جواز بیچ روایت فقہیہ کے محمول ہے، جواز نماز پر، غرض ہم سب سے درگذرے اور قطع نظر کرتے ہیں کہ قاضی خاں اور شامی اور سب روایات کو فقہاء زلۃ القاری اور غلط خواں کے ذکر میں لائے ہیں بسبب عدم مطاوعت زبان اور عموم بلویٰ جواز کا حکم دیا گیا ہے، پھر جس نے فتوی دیا ہے جواز نماز کا، اس شخص کا حکم ہے کہ جس کی زبان قابو میں نہ ہو اور بعد سیکھنے کے غلط پڑھے۔ (تمام ہوئی عبارت قاری صاحب کی)

لہذا گذارش ہے کہ ان عبارات کے مخالف جو حدیث یا عبارت فقہ واسطے جواز نماز وامامت ایسے شخص کے ہو تحریر فرماویں، فقہاء زمان حال کا فتویٰ جو کچھ ہے وہ ظاہر ہے، مگر چونکہ قاری صاحب بھی اس زمانہ کے محدث وفقیہ ومفسر تھے تو قاری صاحب نے کیوں مخالفت کی، اس واسطے دلیل کی ضرورت ہے کہ کیوں کر نماز ایسے شخصوں کی ہوتی ہے اور گنہ گار کس درجہ کے ہوتے ہیں؟

(۱۱) اگر کوئی شخص استاد ماہر سے تجوید سیکھنا شروع کرے تو اثنائے تعلیم میں لائق امامت ہے یا نہیں؟

(۱۲) اگر جواز نماز وامامت ہے اور پھر بھی کوئی شخص ماہر تجوید بوجہ اس کے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے، اول یہ کہ اقوال متقدمین ومتاخرین میں اختلاف ہے دیگر یہ کہ قاری عبدالرحمٰن صاحب مرحوم ودیگر علماءِ حال کا اختلاف ہے، اس واسطے احتیاط پر عمل کرے اور اعادہ اس نماز کا جو امام غیر مجود وقاری کے پیچھے پڑھی ہے کرے بوجہ بچنے اختلاف کے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۱۳) اور اعادہ نماز فجر وعصر کا بموجب نمبر مذکورہ کے کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

امر اول:

تتبع روایات فقہیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زلۃ القاری کے چند اقسام ہیں اور اکثر اقسام میں روایات توسع کی موجود ہیں، چنانچہ وہ اقسام یہ ہیں: (۱) خطا فی الاعراب، (۲) ابدال حرف بحرف، (۳) تخفیف مشدد، (۴) تشدید مخفف، (۵) زیادت حرف، (۶) نقص حرف، (۷) وصل حرف بکلمہ، (۸) قطع بعض الکلمۃ عن بعض، (۹) وقف وابتداء، (۱۰) ترک مد، (۱۱) زیادۃ کلمہ، (۱۲) نقص کلمہ، (۱۳) تقدیم، (۱۴) تکرار کلمہ، (۱۵) تبدیل کلمہ اور روایات یہ ہیں۔

(۱) **فی ردالمحتار: وأما المتأخرون کابن مقاتل وابن سلام وإسمٰعیل الزاهد وأبی بکر البلخی والهندوانی وابن الفضل والحلوانی، فاتفقوا علٰی أن الخطأ فی الإعراب لایفسدمطلقًا**

ولـوإعـقاده كفرًا؛لأن الناس لايميزون بين وجوه الإعراب،قال قاضی خان:وما قاله المتأخرون أوسع وما قاله المتقدمون أحوط.

(۲) وفيـه: قـال فـی الـخـانية والـخـلاصة: الأصـل فيـماإذا ذكرحرفًامكان حرف وغير الـمـعـنـی (إلٰی قـولـه) قال القاضی أبو عاصم:إن تعمد ذلک تفسد،وإن جریٰ علی لسانه أولا يعرف التمييز لا تفسد، وهوالمختار،حلية وفی البزازية:وهوأعدل الأقاويل،وهو المختار.

(۳) وفيـه:(قـولـه أو تخفيف مشدود)... وفی الفتح:عامة المشائخ علٰی إن ترک المد والتشـديـد كـالخطإ فی الإعراب، ... قلت وقد مرعدم الفساد فی الخطاء فی الإعراب آنفًا فی الرواية الاولیٰ.

(۴) وفيـه: (قـوله وعكسه) قال فی شرح المنية:وحكم تشديد المخفف كحكم عكسه فی الخلاف والتفصيل.

(۵) وفيـه: (قـولـه أوبـزيادة حرف) قال فی البزازية: ولو زادحرفًا لايغيرالمعنی لا تفسد عـنـدهـمـا ... وإن غيّـرأفسـد (بـعـدأسطر) لكن فی المنية:وينبغی أن لا تفسد،ثم قال... أقول والظاهرأن مثل زرابيب ومثانين يفسد عند المتأخرين أيضًاإذلم يذكروافيه خلافاً.

(۶) وفيـه:(قوله أونقص حرفًا) ... إما أن يغيرالمعنیٰ أولا،فإن غير تفسد (إلٰی قوله) وإن لم يغير ... لايفسد إجماعًا.

(۷) وفيـه:(وقـولـه أوبـوصـل حرف بكلمة،الخ) قال فی البزازية: الصحيح أنه لايفسد وفی المنية: لايفسد علی قول العامة.

(۸) وفيـه بـعـد أسـطـر:وأمـا قـطـع بعض الكلمة عن بعض فأفتیٰ الحلوانی بأنه مفسد. وعامتهم قالوا:لا يفسد لعموم البلویٰ فی انقطاع النفس والنسيان وعلٰی هذا لوفعله قصدًا ينبغی أن يـفسـد.وبعضهم قالوا:إن كان ذكر الكلمة كلها مفسدًا فذكر بعضها كذلک وإلا فلا ،قال قاضی خان:وهوالصحيح والأولٰی الأخذ بهذا فی العمد وبقول العامة فی الضرورة.

(۹) وفيـه: (قـولـه :أوبـوقف وابتداء) قال فی البزازية:الابتداء إن كان لايغيرالمعنیٰ تغييرًا فاحشًا لايفسد (إلٰی قوله)وإن غيرالمعنی ... لا يفسد عند عامة المشايخ؛لأن العوام لا يميز ون.

(۱۰) وفيـه: (قـوله: إلا تشـديدرب) عزاه فی الخانية إلٰی أبی علی النسفی، ثم قال:وعامة المشايخ علٰی إن ترک التشديد والمدكالخطإ فی الإعراب لايفسد فی قول المتاخرين.

(۱۱) وفيـه:(قـولـه:ولـو زاد كـلمة)إعلم أن الكلمة الزائدة أما أن تكون فی القرآن أولا، وعـلٰـی كـل،أماإن تغيرأولا،فإن غيرت أفسدت مطلقًا... وإن لم تغير،فإن كان فی القرآن... لم تفسد فی قولهم،وإلا... تفسد وعند أبی يوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ تفسد.

(۱۲) وفيه: (قوله: أونقص كلمة) قال فی شرح المنية: وإن ترک كلمة، من آية، فإن لم تغير المعنٰى ... لاتفسد وإن غيرت... فإنه يفسد عند العامة. وقيل لا، والصحيح الأول.

(۱۳) وفيه: (قوله :أوقدمه) قال فی الفتح: فإن غير... فسدت وإلا فلا عند محمد خلافاً لأبی يوسف، آه.

(۱۴) وفيه: (قوله: وكذا لو كرر كلمة)... قلت ظاهره أن الفساد منوط بمعرفة ذلک، فلو كان لا يعرفه (إلٰی قوله) ينبغی عدم الفساد، وكذا لو لم يقصد شيئًا.

(۱۵) وفی الدر المختار كما لو بدل كلمة بكلمة وغير المعنى نحو: إن الفجار لفی جنات آه أی يفسد. (الدرالمختار مع ردالمحتار :۱/ ۶۳۰-۶۳۳، مطلب مسائل زلة القاری)(۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ بجز زیادت ونقص حرف یا کلمہ یا تقدیم یا تبدیل کلمہ کے جبکہ یہ سب مغیر معنی ہوں اور جمیع اقسام میں اقوال توسع کے پائے جاتے ہیں۔

امر دوم:

فی المقدمة الجزرية :

والأخذ بالتجويد حتم لازم	من لم يصحح القرآن آثم
وهو: إعطاء الحروف حقها	من كل صفة ومستحقها
ورد كل واحد لأصله	واللفظ فی نظيره كمثله (۲)

شعر اول سے تجوید کا وجوب اور ثانی سے رعایت صفت کا اور ثالث سے رعایت مخارج کا ماہیت تجوید ہونا ثابت ہے، پس مجموعۂ روایات بالا واشعار ہٰذا سے معلوم ہوا کہ جواز بمعنی صحت صلوٰۃ اور جواز بمعنی رفع اثم دونوں متلازم نہیں، نہ صحت صلوٰۃ مستلزم رفع اثم کو ہے اور نہ وجود اثم مستلزم فساد صلوٰۃ کو ہے۔

امر سوم:

فی الدرالمختار: وإلا (غير الألثغ به) أی بالألثغ (علٰی الأصح) كما فی البحر عن المجتبى، وحرر الحلبی وابن الشحنة أنه بعد بذل جهده دائمًا حتمًا كالأمی فلايؤم إلا مثله ولاتصح صلاته إذاأمكنه الاقتداء بمن يحسنه.

فی ردالمحتار: أی يحسن ما يلثغ هو به أويحسن القرآن، وهٰذا مبنی علٰی أن الأمی إذاأمكنه الإقتداء يلزمه، وفيه كلام ستعرفه. (۳)

---

(۱) باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، انيس

(۲) باب التجويد: ۱۱، دار المغنی للنشر والتوزيع، انيس

(۳) الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/ ۵۸۲، مطلب فی الألثغ

ثم قال بعد أوراق تحت قول الدر المختار: (بخلاف حضور الأمی بعد افتتاح القاری إذا لم يقتد به و صلیٰ منفردًا فإنها تفسد فی الأصح، آه) مانصه: وهو مخالف لما قبله الذی صححه فی الهداية، فإن ماقبله شامل لما إذا شرعًا معًا أو افتتح الأمی أولا، ثم القاری أو بالعکس، إلیٰ قوله والتحقيق الأول الذی فی الهداية، إلخ. (۱)

اس سے الثغ کا مثل امی کے ہونا اور امی کی نماز کا منفرداً صحیح ہونا علی الراجح معلوم ہوا، اب بعد تحقیق امور ثلٰثہ مؤیدہ بالدلائل والروایات کے جاننا چاہئے کہ حروف کے صحیح ادا نہ کرنے میں ابدال حرف بحرف ہے، جس کا حکم بضمن تحقیق امر اول عبارت خلاصہ سے معلوم ہو چکا کہ تغییر معنی کی تقدیر پر تعمداً موجب فساد صلوٰۃ ہے اور عدم تمییز یا جریان علی اللسان کی صورت میں مفسد نہیں ہے، پس جو لوگ بوجہ مشق و ریاضت نہ ہونے کے ان میں تمائز نہیں کر سکتے، ان کی نماز صحیح ہو جاتی ہے اور بایں معنی معذور ہیں؛ لیکن یہ ضرور نہیں کہ بمعنی عدم اثم بھی معذور ہوں، جیسا امر دوم میں بیان کیا گیا؛ بلکہ تصحیح میں سعی کرنا اس کے ذمہ واجب ہے اور ظاہراً (۲) یہی معلوم ہوتا ہے کہ صحیح ادا کرنے والے کی نماز ایسے شخص کے پیچھے صحیح نہ ہوگی، جب کہ معنی میں تغیر آجاوے گو خود المعنی المذکور معذور سمجھا جاوے اور مقتضا قواعد کا یہ ہے کہ اس حالت خاص میں ایسے قاری کے شریک صلوٰۃ ہوتے ہوئے اور مقتدیوں کی نماز بھی اس غلط خواں کے پیچھے صحیح نہ ہوگی، جیسا امر سوم سے مفہوم ہوتا ہے؛ لیکن یہ کہنا کہ اگر اس نے تصحیح کی کوشش نہیں کی تو خود اس شخص کی نماز بھی صحیح نہیں، غلط ہے، جیسا امر سوم میں احقر نے اس کی تصریح کر دی ہے اور ظاہر بھی ہے؛ کیوں کہ امی میں کسی نے نہیں کہا کہ اگر وہ سعی نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہیں، پس جب یہ شخص مثل امی کے ہے تو اس کے عدم صحت صلوٰۃ کی کوئی وجہ وجیہ نہیں معلوم ہوتی، پس حکم فساد صلوٰۃ کا میرے نزدیک ماؤل ہے کسی تاویل مناسب کے ساتھ، رہا یہ امر کہ ظالین سے نماز فاسد نہ ہوگی، دالین سے ہو جاوے گی، اس کا مبنی یہ سمجھنا کہ ظا اور ضاد میں مشابہت ہے اور قاضی خاں کے جزئیہ سے اس کو مؤید کرنا اور اس بنا پر یہ حکم کرنا کہ ہر جگہ ظاء پڑھنا چاہئے یہ صحیح نہیں، کیوں کہ قاضی خاں ہی میں دوسرے جزئیات اس مبنی کو منہدم کرتے ہیں، چنانچہ مجھ کو یاد پڑتا ہے کہ اس میں غیر المغضوب علیہم اور والعادیات ظبحا پڑھنے کو مفسد صلوٰۃ کہا ہے۔ اس وقت کتاب (۳) موجود نہیں، ورنہ علی الجزم لکھا جاتا؛ لیکن ایسے جزئیات اس میں بالیقین مذکور ہیں۔ پس

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۵۹۳/۱، قبل مطلب الأخذ بالصحيح أولیٰ من الأصح (كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: الأخذ بالصحيح أول من الأصح، انيس)

(۲) یہ پہلی رائے ہے کہ جو بطور استنباط کے قائم کی گئی تھی اس کے بعد کے فتوے میں جو (سوال نمبر: ۲۲۰ پر) واقع ہے اس سے رجوع کیا گیا ہے۔ (تصحیح الاغلاط: ص ۲۰)

(۳) یہ روایات فصل فی التجوید کے سوال اول کے جواب میں مذکور ہیں اب جزم ہو گیا۔

اگر مبنی مذکور صحیح ہوتا تو اس باب میں جمیع موارد ضاد کے برابر ہوتے اور اس فرق کی کوئی وجہ نہ ہوتی۔ پس معلوم ہوا کہ اس کی کوئی اور وجہ ہے جس کو احقر نے اپنی بعض تحریرات (۱) میں ذکر بھی کر دیا ہے اور فقہا کا حکم عدم فساد بالظاء کا اس صورت میں ہے جب عمداً نہ ہو چنانچہ وإن لم یکن إلا بمشقة کہنا خود اس کی دلیل ہے اور اگر عمداً ہو تو فساد میں شبہ نہیں چنانچہ دوسری جزئیات (۲) قاضی خاں کی اس پر مبنی ہیں اور امر اول کی تحقیق میں خلاصہ سے اس کی تصریح کی گئی ہے اور وہ عبارت مطلق ہے کسی حرف کے ساتھ مقید نہیں۔ غرض تقریر مذکور سے معلوم ہوا کہ قصداً ایسا نہ کرے اور اگر بلا قصد بوجہ عدم مشق پڑھا گیا، خواہ پھر کچھ ہی ادا ہو تو خود اس کی نماز ہو جاوے گی؛ لیکن صحیح خواں کی امامت نہ کرے؛ بلکہ صحیح خواں جو مسائل ضروریہ سے واقف ہو وہ احق بالامامت ہے، جیسا سب امور مفصل ومدلل بفضلہٖ تعالیٰ مرقوم ہو چکے، اس تقریر سے اجمالاً اکثر سوالات کا جواب نکل آیا مگر سہولت کے لئے سب سوالات باقیہ کا جواب فرادیٰ فرادیٰ لکھا جاتا ہے۔

(۱)　**أداء الحروف من المخارج مع الصفات، كما مر من الجزرية.** (۳)

(۲)　جس کو قدر "**ما یجوز به الصلاة**" یاد نہ ہو، وہ امی ہے، (۴) اور جس طرح عام طور پر لوگ قرآن پڑھتے ہیں، یہ حکم صحت صلوٰۃ میں صحیح ہے۔ (**كما يفهم من الفتوىٰ الآتية**)

(۳)　**كالأمّي** ہیں۔ (۵)

(۴)　نہیں اور نہیں۔

(۵)　قاری جو مسائل ضروریہ سے واقف ہو امامت میں اقدم ہے۔

(۶)　خود تو اس کی نماز صحیح ہے، **كما مر في الأمر الثالث**، البتہ صحیح خواں کا امام نہ بنے۔

(۷) و (۸) و (۹) و (۱۰)　وجوب مسلم ہے اور اس کی ترک سعی میں گناہ بھی ثابت؛ لیکن عدم صحت صلوٰۃ غیر مسلم ہے، جیسا امر ثالث میں بیان ہوا اور امر اول میں روایات مذکور ہو چکیں اور جب کہ یہ مسائل اختلافی ہیں تو بعض روایات کو لینے میں نہ قاری صاحب پر ملامت ہے، نہ دوسروں پر۔

(۱۱)　جب تک صحیح نہ ہو جاوے **كالأمّي** ہے۔

(۱۲)　احتیاط جائز ہے۔

(۱۳)　جب اس نے روایات عدم صحت پر عمل کیا تو فجر اور عصر کا اعادہ بھی جائز ہے، واللہ اعلم وعلمہ اتم

۲۱ صفر ۱۳۲۲ھ۔ (امداد صفحہ ۱۱۷ ج ۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۲۳۵-۲۴۷)

---

(۱)　اس سے مراد وہی جواب سوال اول فصل فی التجوید کا ہے۔

(۲)　یہ جزئیات فصل فی التجوید کے سوال اول کے جواب میں منقول ہیں۔

(۳)　یہ تجوید واجب ہے۔ انیس

(۴)　یہاں پر تصحیح الاغلاط صفحہ: ۲۰ سے تغیر کیا گیا ہے۔

(۴)　اس سے فتویٰ آئندہ سوال: ۲۲۰ میں رجوع کیا گیا ہے۔

تحقیق متعلق فتوی بالا:

سوال: جناب والا احقر نے جب سے کہ اس فتوے کو دیکھا ہے، جس کو مولوی کفایت حسین صاحب نے درباره قرأت حضور والا کے پاس سے منگایا ہے، اسی وقت سے سخت پریشان ہوں، اگر چہ حکم صاف ہے، مگر واسطے تسکین خاطر کے، اس کے متعلق چند امور دریافت کرتا ہوں، جبکہ یہ بات قرار پائی کہ تجوید فرض ہے اور خاص کر حرف ضاد کو مخرج سے نہ نکالنے والے مثل امی کے ہیں اور ایسے شخص کی اقتداء اگر قاری جو اس حرف کو مخرج سے نکالتا ہے، کرے گا تو نماز کسی کی بھی نہ ہوگی، تو اب ایسی حالت میں اگر یہ قاری جماعت علما میں ہو تو کیا کرے، آیا ان کو اطلاع کرے، مگر اس میں سخت سوء ادبی ہے اور صورت تعالیٰ ہے اور بعض جگہ اندیشۂ فساد ہے، یا اطلاع نہ کرے تو اس میں موافق فتوے کے سب کی نماز فاسد ہے، یا یہ شخص جماعت میں شریک نہ ہو اور ترک جماعت کرے؟ غرض کیا کرے، حضور مجھ کو تشویش لاحق ہے، وہ بہت سخت ہے کہ جس کا زبان تک لانا نہایت گراں ہے؟

الجواب

فی الدرالمختار: (و) لا (غیر الألثغ به) أی بالألثغ (علیٰ الأصح) (إلیٰ قوله) وكذا من لا يقدر علیٰ التلفظ بحرف من الحروف أولا يقدر علیٰ إخراج الفاء إلا بتكرار.

فی ردالمحتار: (قوله: علیٰ الأصح) أی خلافًا لما فی الخلاصة عن الفضلی من أنها جائزة لأن مايقوله صار لغة له أومثله فی التاترخانية وفی الظهيرية: وإمامة الألثغ لغيره تجوز، وقيل لا، ونحوه فی الخانية عن الفضلی وظاهره اعتمادهم الصحة، وكذا اعتمد صاحب الحلية، قال: لما أطلقه غير واحد من المشايخ من أنه ينبغی له أن لايؤم غيره، ولما فی خزانة الأكمل: وتكره إمامة الفأفأ، ولٰكن الأحوط عدم الصحة كما مشی عليه المصنف. وفيه بعد أسطر (تتمة): سئل الخير الرملی عما إذا كانت اللثغة يسيرة، فأجاب بأنه لم يرها لأئمتنا، وصرح بها الشافعية بأنه لو كانت يسيرة بأن يأتی بالحرف غير صاف لم تؤثر، قال: وقواعدنا لا تأباه آه. وبمثله أفتیٰ تلميذ الشارح المرحوم الشيخ إسماعيل الحائك مفتی دمشق. (ردالمحتار: ۳۹۲/۱، مجتبائی)(۱)

فی الهندية: وإن جریٰ علیٰ لسانه أو كان لايعرف التمييز لا تفسد وهو أعدل الأقاويل، والمختار، هكذا فی الوجيز للكردری. (۲)

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار: مطلب فی الألثغ: ۵۸۲/۱ (كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب فی الألثغ، مطلب إذا كانت اللثغة يسيرة، انيس)

(۲) الباب الرابع فی صفة الصلاة، الفصل السادس فی زلة القاری، انيس

ان روایات سے معلوم ہوا کہ جس طرح اکثر عوام الناس کہ بہت سے خاص بھی قرآن پڑھتے ہیں، اس طرح کہ پڑھنے والوں کی امامت میں بھی گنجائش ہے اور عموم بلویٰ کی وجہ سے ان روایات پر عمل جائز ہے اس لئے میرے نزدیک صورت مسئولہ میں نماز صحیح ہوجاتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

(امداد صفحہ: ۱۲۵، ج:۱)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۲۴۷-۲۴۸)☆

☆ **نماز اور خطبہ میں مندرج اغلاط کا حکم:**

سوال: کیا مندرج اغلاط سے نماز اور خطبہ ہوجاتا ہے۔

الجواب

خطبہ ہوجاتا اور نماز میں احتیاط تو یہ ہے کہ فساد کا حکم دے کر اعادہ کردیا جاوے؛ لیکن بوجہ عموم بلویٰ ہونے کے جواز کا حکم دیا جاتا ہے۔(**كما فى الدر المختار: ولو زاد كلمة أو نقص كلمة أو نقص حرفاً...لم تفسدما لم يتغير المعنى ، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ٦٣٢/١،طبع ايچ ايم سعيد، كراچى**)

وأيضًا فى التاتار خانية:الخطاء إذا دخل فى الحرف،لا تفسد؛لأن هٰذا بلوىٰ عامة الناس لا يقيمون الحرف ولا يمكنهم إقامتهاإلابمشقة.(نوع آخرفى زلة القارى،الفصل الأول: ٤٧٨/١،طبع إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراتشى)

وأيضًا فى الهندية: (ومنها)زيادة حرف إن زاد حرفاً فإن كان لا يغيرالمعنىٰ لا تفسد صلا ته عند عامة المشايخ نحو أن يقرأ وانهىٰ عن المنكر بزيادة الباء هكذا فى الخلاصة.(كتاب الصلاة ،الباب الرابع فى صفة الصلاة، الفصل الخامس فى زلة القارى: ٧٩/١،طبع بلوچستان بک ڈپو کوئٹة)(فتاویٰ)

کیا نماز میں مندرج اغلاط باعث تکفیر ہے:

سوال: مسلمان سامعین پر اس قسم کی تخفیف یا اضافہ کس قدر تکفیر کا باعث ہیں۔

الجواب

اس میں تکفیر نہیں ہے،(**كما فى ردالمحتار: وأماالمأخرون كابن مقاتل...فاتفقوا أن الخطأ فى الإعراب لا يفسد مطلقاً ولواعتقاده كفرًا؛لأن أكثرالناس لا يميزون بين وجوه الإعراب.(كتاب الصلاة،مطلب مسائل زلة القارى: ٤٧٤/٢،طبع مكتبة رشيدية،كوئٹة بلوچستان.(باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،انيس)**

وكذا فى فتاوىٰ قاضٰخان: واختلف المتأخرون فى ذلک قال محمد بن مقاتل...لا تفسد صلا ته وما قاله المتقدمون الأحوط؛لأنه لوتعمد يكون كفراً وما يكون كفرًا لا يكون من القرآن وما قاله المتأخرون أوسع؛لأن الناس لا يميزون بين إعراب وإعراب فلا تفسد الصلاة وهذا علىٰ قول أبى يوسف رحمه اللّٰه تعالى ظاهر؛لأنه لا يعتبر الإعراب عرف ذلک فى مسائل.(كتاب الصلاة، فصل فى قراءة القرآن خطأوفى الأحكام المتعلقة بالقراءة: ١٣٩/١، طبع مكتبة علوم اسلامية چمن بلو چستان)

وأيضاً فى الهندية،كتاب الصلاة،الباب الرابع فى صفة الصلاة،الفصل الخامس فى زلة القارى: ٨١/١، طبع مكتبة علوم إسلامية چمن بلو چستان)

==

قراءت میں زبر کی جگہ الف، پیش کی جگہ واؤ پڑھنے کا حکم:

سوال: امام اگر نماز پڑھا رہا ہے اور اس نے قراءت کی بہت سی غلطیاں بھی کیں، مثلاً کہیں الف چھوڑ کر الف کی جگہ زبر بڑھا دیا جیسے ''**الحمد للّٰہ**'' بالالف کی بجائے بالفتحہ '' **الحمد للّٰہ رب العالمین** '' پڑھ دیا اور اسی طرح جہاں مد نہیں، وہاں مد کر دیا، جیسے ''**إیاک نعبد**'' بالضم کے بجائے ''**إیاک نعبدو**''، بالمد پڑھ دیا اور کہیں حروف کی ادائیگی میں کھینچ دیا اور کہیں ضاد کے بجائے دال پڑھ دیا۔ غرضیکہ پانچوں وقت ایسے ہی نماز پڑھاتا ہے تو کیا نماز بالکل درست ہے یا نماز فاسد ہو جائے گی؟ اگر فاسد ہو جائے گی، تو وجہ فساد کیا ہے؟ مفصل و مدلل تحریر فرمائیں۔ اور یہ بھی بیان فرمائیں کہ اب تک جو اس امام کے پیچھے نماز پڑھی گئی ہے تو فساد کی صورت میں کیا ساری کی ساری نمازوں کا اعادہ ضروری ہے یا عدم علم کی وجہ سے نماز ہوگئی اور اب اعادہ کی ضرورت نہیں؟ واضح طور پر بیان فرمائیں تشفی بخش جواب سے نوازیں کرم ہوگا۔

الجواب ______________ حامدًا و مصلیاً

صورتِ مسئولہ میں نماز ہو جائے گی۔

''**ولو قرأإیاک نعبد وأشبع ضم الدال حتیٰ یصیرواوا لم تفسد صلاته**''.(۱)

اس لئے کہ اس میں اس انداز کی غلطیوں سے بچنا عوام کے لئے بہت مشکل ہے؛ لیکن بعض سورتوں میں بعض جگہوں پر نماز فاسد بھی ہو جاتی ہے، اس لئے امام پر لازم ہے کہ فوراً قرآن کی تصحیح پر توجہ دے اور کسی صحیح پڑھنے والے سے الفاظ کی تصحیح کروالے، چونکہ تصحیح مخارج بھی ضروری ہے، اسی وجہ سے حضرات قراء فرماتے ہیں:

والأخذ بالتجوید حتم لازم ☆ من لم یصحح القرآن آثم (۲)

اور حدیث پاک میں ہے:

''**من لم یتغن به فلیس منا**''. (۳)

== البتہ ان کو صحیح کرنا اور غلط سے بچنا لازم ہے۔ (فتاویٰ)

(۱) الفتاویٰ الخانیة علٰی هامش الفتاویٰ الهندیة: ۱۴۱/۱ (کتاب الصلاة، فصل فی قراءة القرآن خطأ وفی الأحکام المتعلقة بالقرآءة ،انیس)

(۲) المقدمة الجزریة، باب التجوید: ۱۱، دار المغنی للنشر والتوزیع، انیس

(۳) سنن ابن أبی ماجة ، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها، باب فی حسن الصوت بالقرآن (ح: ۱۳۳۷)/الصحیح للبخاری، باب من لم یتغن بالقرآن (ح: ۷۵۲۷) انیس

یعنی تصحیح مخارج کے ساتھ قرآن پاک پڑھنا ضروری ہے، جو قرآن پاک بغیر تصحیح مخارج کے پڑھے، گنہگار رہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

الجواب صحیح: بندہ عبدالحلیم۔ حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی (حبیب الفتاویٰ:۱۱۲/۴-۱۱۳) ☆

عوام میں غیر معروف طریقہ سے تلاوت جائز نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی میں ان پڑھوں کی اکثریت ہے اور اَن پڑھوں کے سامنے جس طرح قرآن پاک تحریر ہے، عین اسی طرح پڑھے تو صحیح سمجھتے ہیں، اگر روایت کے ساتھ مثلاً: "**قل هو الله أحد** " کو " **أحدن اللّٰـه الصمد** " پڑھے تو امام صاحب پر وہ مقتدی اعتراض کرتے ہیں، اس صورت میں امام صاحب کو کیا کرنا چاہیے، آیا "**اللّٰـه الصـمد**" جیسا کہ معروف ہے، اسی طرح پڑھے، یا کہ غیر معروف " **نِ اللّٰـه الصمد**" پڑھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

عوام میں غیر معروف طریقہ سے قرآن کریم پڑھنے میں، انتشار اور بدگمانی پیدا ہوتی ہے، اس لیے جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (احسن الفتاویٰ:۸۱/۳)

☆ نماز میں حرف صحیح نہ پڑھنے کا حکم:

سوال: الحمد میں "ح" کے بجائے "ہ" پڑھ دیا تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

نماز ہوجائے گی لیکن اصل یہ ہے کہ اس کو معروف پڑھا جائے۔

"وفي التاترخانية عن الحاوي: "حكي عن الصفار أنه كان يقول: الخطاء إذا دخل في الحروف لا يفسد؛ لأن فيه بلوىٰ عامة الناس، لأنهم لا يقيمون الحروف إلا بمشقة آه، وفيها: إذا لم يكن بين الحرفين اتحاد المخرج ولا قربه إلا أن فيه بلوىٰ العامة كالذال مكان الصاد، أو الزاي المحض مكان الذال والظاء مكان الضاد لا تفسد عند بعض المشايخ إلخ، قلت: فينبغي علىٰ هٰذا عدم الفساد في إبدال الثاء سيناً والقاف همزة كما هو لغة عوام زماننا، فإنهم لا يميزون بينهما ويصعب عليهم جداً كالذال مع الزاي، ولا سيما علىٰ قول القاضي أبي عاصم وقول الصفار". (ردالمحتار: ۴۲۵/۱-۴۲۶ (باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب: إذا قرأ قوله "تعالىٰ جدك" بدون ألف لا تفسد، انيس)

عبارت مذکورہ بالا سے یہ معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں نماز ہوجائے گی البتہ تصحیح کی کوشش ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العبد حبیب اللہ القاسمی۔ (حبیب الفتاویٰ:۱۱۳/۴-۱۱۴)

”یصفون“ کیسے پڑھیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ﴿سبحان ربک رب العزة عما یصفون﴾ لیکن بعض علما سے ”یاصفون“ کیا گیا، ”وسلم علی المرسلین“ خطبہ میں ”والسلام علی المرسلین“ پڑھے دیتے ہیں، اسی طرح تکبیر میں ”اللّٰہ کبر اللّٰہ أکبر لا الٰہ الا اللّٰہ وللّٰہ الحمد“ درمیان سے ”اللّٰہ أکبر“ چھوڑ دیا جاتا ہے، صحیح معنیٰ تحریر فرماویں اور غلط پڑھنے کی صورت میں جو معنیٰ تغیر آتا ہے، آگاہ کریں؟

الجواب

”یاصفون“ مہمل لفظ ہے، جس کا کوئی معنیٰ نہیں ہے، نیز ”والسلام المرسلین“ بھی فحش غلطی ہے، اس کا بھی کوئی معنیٰ نہیں بنتا، اس لئے اگر ایسے جاہل اور ناخواندہ امام کا جہل اپنے لئے عذر ہو بھی جائے؛ لیکن دوسروں کو ایسا امام ہرگز نہیں رکھنا چاہیے۔(۱) (فتاویٰ)

”اللّٰہ أکبر“ کے ہمزہ کو کھینچنا مفسدِ صلوٰۃ ہے:

سوال: ایک امام رکوع وغیرہ میں جاتے وقت ”آللّٰہ آکبر“ کہتے ہیں، نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب

”اللّٰہ“ کی ہمزہ پر اور اسی طرح ”أکبر“ کے ہمزہ پر مد کرنا خطا مفسد صلوٰۃ ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔(۲)

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲/۱۷۶)

☆☆☆

---

(۱) کما فی تنویر الأبصار مع الدر المختار:(والأحق بالإمامة)... (الأعلم بأحكام الصلاة)...(ثم الأحسن وتلاوة) وتجويداً (للقراء ة ثم الأورع). (كتاب الصلاة،باب الإمامة : ۱ / ۵۵۷ ،طبع ایچ ایم سعید کراچی)

وكذا في الهندية:الأولى بالإمامة أعلمهم بأحكام الصلاة هذا...إذا علم من القراء ة قدر ما تقوم به سنة القراء ة ... ويجتنب الفواحش الظاهرة.(كتاب الصلاة،الباب الخامس في الإمامة،الفصل الثاني في بيان من هو أحق بالإمامة : ۱ / ۸۳،طبع بلو چستان،کوئٹہ)

(۲) إذا (أراد الشروع في الصلاة كبر،الخ) (بالحذف)إذ مدّ أحدى الهمزتين مفسد،وتعمده كفر.(الدر المختار على صدر رد المحتار،باب صفة الصلاة،آداب الصلاة: ۱/۴۴۸،ظفير)

وفي المبسوط:ولو مد ألف اللّٰه لا يصير شارعاً وخيف عليه الكفر إن كان قاصداً وكذا لو مد ألف أكبر.(البيانة شرح الهداية،التكبير قبل الركوع وبعد الرفع منه: ۲/۲۲۱،دار الكتب العلمية بيروت.انيس)

اوقاف ورموز کے مسائل

وقف لازم کی شرعی حیثیت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی نماز میں وقف لازم نہ کرے، جیسے ﴿فلاَ یحزُنکَ قَولَهُمْ. اِنَّا نَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یعْلِنُوْنَ﴾الاٰیة (۱) میں "قولهم" پر وقف نہیں کیا تو اس سے نماز میں کوئی خرابی آئے گی یا نہیں؟ اور موضع وقف پر وقف نہ کرنے سے کفر لازم آتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

قرآن کریم میں جہاں وقف لازم لکھا ہوتا ہے، وہاں وقف کا لزوم صرف فن تجوید کے لحاظ سے ہے، (۲) ویسے شرعاً کسی مقام پر بھی وقف لازم نہیں، لہٰذا وقف نہ کرنے سے نہ نماز میں کوئی قباحت آتی ہے اور نہ ہی کفر لازم آتا ہے، صرف تجوید کی رعایت سے وقف لازم پر وقف کرنا ضروری ہے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۶ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۸۶/۳)

مقررہ رموز اوقاف پر وقف کرنے کا حکم:

سوال: قرآن مجید میں تلاوت کرنے والوں کے لیے صحیح اور مناسب موقع محل پر ٹھہرنے اور سانس لینے کی غرض سے علماءِ اوقاف نے وقف کی جو قسمیں کی ہیں، مثلاً تام، مختار، کافی، جائز، حسن، مفہوم، قبیح، متروک وغیرہ اور علامہ سجاوندی نے تو وقف کر کے ان کے لیے رموز اوقاف وضع کئے ہیں، گو ان کی اصطلاحات دیگر علماء اوقاف سے مختلف ہیں، مگر مفہوم تقریباً ایک ہی ہے اور یہ رموز اوقاف ہر ملک میں طبع ہونے والے مصاحف میں پائے جاتے ہیں اور علامہ سجاوندی سے

(۱) سورة یٰسٓ: ۷۶. انیس

(۲) الوقف التام اللازم وحكمه لزوم الوقف عليه والإبتداء بما بعده مالم يوجد مانع من ذلك. (الميزان فی أحكام تجويدالقرآن، الوقف اللازم: ۱۹۹، دارالإيمان القاهرة. انيس)

(۳) الوقف فی اللغة الحبس والكف يقال: أوقفته أی حبسته عنه، واصطلاحاً: قطع الصوت عن القراءة زمناً لـلتنفس فيه ناوياً بعده استئناف القراءة لا معرضا عنها، حكم الوقف: جائز، ما لم يوجد ما يمنعه أو يلزم الوقف. (القول السديد فی علم التجويد، شرح العناصر: ۲۰۷، دارالوفاء المنصورة. انيس)

پہلے بھی ائمہ اوقاف نے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے وقف کی قسمیں کی ہیں اور مواقع وقوف کی پورے قرآن مجید میں تعیین کی ہے اوران کے لیے احکام بیان کئے ہیں اوراس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، مثلاً: **إیضاح الوقف والابتداء للانباری المتوفیٰ: ۳۲۸ھ، الاکتفاء فی معرفة الوقف والابتداء لأبی عمرالدانی المتوفیٰ: ٤٤٤ھ، الاھتداء فی بیان الوقف والابتداء للعلامة ابن الجزری، منارالھدیٰ فی بیان الوقف والابتداء للأشمونی** (یہ کتاب عام دستیاب ہے)، **المرشد للشیخ زکریا الأنصاری**، یہ کتاب منارالھدی کے حاشیہ پر ہے اور بہت سے حضرات نے موضوع خاص کے طور پر اس علم کی خدمت کی ہے، جواب طلب بات یہ ہے کہ علماءِ اوقاف کا وقف کی قسمیں کرنا اوران کے لیے رموز وضع کر کے مصاحف میں شامل کرنا اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور کیا حکم ہے؟

علامہ زرکشی اورعلامہ سیوطی نے وقف کی قسمیں، ان کے احکام اوران کے متعلقات کو بیان کرنے کے بعد اول الذکر نے اپنی کتاب "**البرھان فی علوم القراٰن: ۳٥٤/١**" اورثانی الذکر نے "**الإتقان فی علوم القراٰن: ۸۹/١**" میں لکھا ہے:

وذھب أبو یوسف القاضی صاحب أبی حنیفة إلیٰ أن تقدیر الموقوف علیه من القرآن بالتام والناقص والحسن والقبیح وتسمیته بذٰلک بدعة ومتعمد الوقف علی نحوہ مبتدع قال: لأن القراٰن معجز وھو کاللفظة الواحدة فکله قراٰن وبعضه قراٰن وکله تام حسن وبعضه تام حسن، حکی ذٰلک أبوالقاسم برھان النحوی عنه. (١)

جب یہی بات مولوی حفیظ الدین صاحب اورمولانا سید نذیرحسین صاحب وغیرہ چند اہل حدیث حضرات نے کہی تھی کہ علامہ سجاوندی کی مقرر کردہ رموز اوقاف اوران پر وقف کرنا بدعت ہے اورآیات پر وقف کرنا ضروری اورواجب ہے تو حضرت مولانا رشیداحمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ نے ان کے رد میں "**رد الطغیان فی أوقاف القرآن**" کے نام سے کتاب لکھی اور حضرت نے یہ ثابت کیا کہ ان موقعوں پر وقف کرنا خلاف سنت نہیں ہے، قاضی ابو یوسف کی عبارت سے جوتعارض پیدا ہورہا ہے، اس کو حل فرمائیں اور مفصل ومدلل باحوالہ جواب سے مستفید فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں؟

الجواب ــــــــــــــ باسم ملھم الصّواب

حامدًا ومصليًّا! اوقاف قرآن روایات صحیحہ اوراجماع امت سے ثابت ہیں، ان کو بدعت کہنا صحیح نہیں؛ البتہ ان اوقاف پر ٹھہرنا کسی کے نزدیک بھی واجب نہیں، لہٰذا ان کو واجب سمجھنا یا ان کی پابندی نہ کرنے والے کو گناہگار قرار دینا ضرور بدعت ہے، اس کی ساری تفصیل حضرت مولانا رشیداحمد گنگوہی نوراللہ مرقدہ کے رسالہ "**رد الطغیان فی**

---

(١) **البرھان فی علوم القرآن، النوع الرابع والعشرون: معرفة الوقف: ۳٥٤/١، دارإحیاء الکتب العربیة/ الإتقان فی علوم القرآن، النوع الثامن والعشرون فی معرفة الوقف: ۲۹۸/١، الھیئة المصریة العامة للکتاب. انیس**

أوقاف القرآن'' میں ہے، جس میں حضرت نے روایات اور اجماع سے اوقاف قرآن پر ٹھہرنا ثابت کیا ہے اور جو آپ نے امام ابو یوسف کا قول پیش کیا ہے اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ جس وقت قرآن کریم کی تلاوت میں تسہیل اور تعلیم کی غرض سے مختلف اقدامات کئے گئے تو بعض حضرات نے قرآن کریم میں تحریف کے پیش نظر اس کی مخالفت کی، مثلاً: جب قرآن پاک پر نقطے لگائے گئے یا حرکات ظاہر کی گئیں یا نشان کے طور پر ہر پانچ آیات کے بعد ''خمس'' یا ''خ'' اور ہر دس آیات کے بعد ''عشر'' یا ''ع'' لکھا گیا تو علماءِ متقدمین کا اس میں اختلاف ہوا، بعض حضرات جائز کہتے تھے اور بعض مکروہ کہتے تھے، صحابہ وتابعین کے اقوال میں اس قسم کے اختلاف موجود ہیں؛ لیکن ان تمام اقوال میں مفتی بہ اور مختار قول اسی کو قرار دیا جائے گا، جس کو امت نے اپنے تعامل سے اختیار کر لیا ہو اور تعامل کے خلاف سلف کے جو اقوال ملتے ہیں، وہ اب شاذ ہونے کی بنا پر مفتی بہ نہیں رہے، جہاں تک امام ابو یوسفؒ سے مذکور قول کا تعلق ہے، اس میں دو احتمال ہیں؛ ایک یہ کہ ان کا مقصد اوقاف کو سرے سے بدعت کہنا نہ ہو؛ بلکہ ان اوقاف کے مطابق وقف کو اگر کوئی لازم سمجھے تو اس کو بدعت قرار دینا ہو، اس صورت میں ان کے قول کے اندر کوئی اشکال نہیں؛ کیوں کہ امت کا مفتی بہ مسلک یہی ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ انہوں نے ان اوقاف کو مطلقاً بدعت کہا ہو، اس صورت میں چونکہ امت کا تعامل اس کے خلاف ہو گیا، اس لیے یہ قول انہی شاذ اقوال میں شامل ہوگا، جو متروک ہو چکے ہیں، لہٰذا تعامل امت کے خلاف اس سے استدلال درست نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

احقر عبدالشکور دارالافتاء دارالعلوم کراچی۔ الجواب صحیح: محمد تقی عثمانی، ۱۹/ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ۔

الجواب صحیح: رشید احمد، یوم الترویہ ۱۴۰۰ھ۔ (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۸۷-۸۸)

رموز اوقاف پر ٹھہرنے اور نہ ٹھہرنے کی بحث:

سوال: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ٥ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ٥ اَلَّذِیْ يُوَسْوِس ٥ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ٥ نِ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ. (الآیۃ)

آیت ''لا'' پر اگر سانس ختم یا بند ہو جانے کی وجہ سے وقف کرے اور اخیر لفظ کو نہ دہرا کر آگے بڑھتا چلے تو نماز میں کیا خلل ہے، نیز تیسری مثال میں اگر وقف کر لیا ہو تو آگے ''اَلَّذِیْ'' کہہ کر پڑھا جاوے یا ''نِ الَّذِیْ'' کہہ کر۔

الجواب

آیت ''لا'' پر بضرورت وقف کر دینے میں کچھ حرج نہیں ہے اور لفظ ماقبل کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے اور نماز میں کچھ خلل نہیں ہے اور تیسری مثال میں ''اَلَّذِیْ'' اور ''نِ الَّذِیْ'' دونوں طرح پڑھنا درست ہے، مگر حالت وقف میں ''اَلَّذِیْ'' پڑھنا چاہئے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲/ ۲۲۷)

امام رموزِ اوقاف پر وقف نہ کرے تو بھی نماز صحیح ہے:

سوال: امام نے صبح کی دوسری رکعت میں " إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ" سے " يَاأَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَاغَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الذى" پر سانس توڑا، ایک شخص کہتا ہے کہ اس طرح پڑھنا ناجائز ہے؟

الجواب

اس صورت میں قرأت صحیح ہوئی اور نماز میں کچھ خلل اور فساد نہیں آیا۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۲۸)

"رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" پر سانس روکنا:

سوال(۱) امام "رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" پر پختہ آیت کرتا ہے، نماز میں کوئی حرج تو نہیں؟

"فَعَّالٌ" کے 'عین' پر جزم پڑھنا:

(۲) امام "فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ" میں 'عین' پر جزم کرتا ہے، نماز صحیح ہے، یا نہیں؟

"يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰئِكَةُ صَفًّا" پر وقف:

(۳) امام آیۂ کریمہ "يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰئِكَةُ صَفًّا" پر اگر وقف کرے تو نماز صحیح ہے یا نہیں؟

آیت "لا" پر وقف:

(۴) آیت "لا" پر وقف کردینے سے کچھ حرج ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) کچھ کراہت وغیرہ نہیں ہے۔(۱)

---

(۱) ومنها زلة القارى فلوفى إعراب أوتخفيف مشدّد وعكسه،إلخ أوبوقف وابتداء لم تفسد وإن غيرالمعنى به يفتىٰ. (الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،زلة القارى: ۱/۵۹۱،ظفير)(باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها،انيس)

(۲) عن أم سلمة أنها ذكرت أو كلمة غيرها قرء اة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم :"بسم اللّٰه الرحمن الرحيمo الحمدللّٰه رب العالمين o الرحمن الرحيم o ملك يوم الدين،يقطع قرء اته آيةآية "قال أبوداؤد:سمعت أحمد يقول:القرء اة القديمة مالك يوم الدين.(سنن أبى داؤد،كتاب الهروف والقرء ات (ح: ۴۰۰۱)/مسند الإمام أحمد،حديث أم سلمة زوج النبى صلى اللّٰه عليه وسلم (ح: ۲۶۵۸۳)/مسندأبى يعلى الموصلى،مسند أم سلمة (ح:۷۰۲۲)/المستدرك للحاكم،من كتاب قرء ات النبى صلى اللّٰه عليه وسلم (ح: ۲۹۱۰)/السنن الكبرىٰ للبيهقى، باب الدليل على بسم اللّٰه الرحمن الرحيم من القرآن (ح:۲۳۸۳)انيس)

(۲) فَـعَّـالٌ کے عین میں ادغام ہے، یعنی اس میں دوعین ہے، پہلا ساکن دوسرا متحرک، گویا اصل اس کی یہ ہے: فَعْ عَالٌ، پس اگر اسی طرح پڑھا تو نماز صحیح ہے۔(۱)

(۳) نماز صحیح ہے اور صفاً پر وقف کر دینے سے نماز میں کچھ خلل نہیں آتا۔(۲)

(۴) آیت ''لا'' پر وقف کر دینے میں کچھ حرج نہیں ہے اور نماز صحیح ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۲/۲۴۳)

سورہ فاتحہ میں سکتہ نہ کرنے سے شیطان کا نام نہیں بنتا:

سوال: بعض کا قول ہے کہ ''الـحـمـد''، یعنی سورۂ فاتحہ میں سات جگہ سکتات کرنا چاہئے، اگر یہ سکتات نہ کئے جائیں تو نام شیطانی پیدا ہو جاتا ہے جو کہ مفسد صلوٰۃ ہے۔ یہ قول صحیح ہے کہ غلط؟

الجواب

یہ قول بالکل باطل اور محض لغو ہے۔

کما حققه في القول الفاصل بين الحق والباطل للإمام محمد بن عمرو بن خالد القرشي حيث قال: إعلم أن هؤلاء القائلين زعموا فيما زعموا وغفلوا فيما نقلوا، بل إن مازعموه وسواس صرف وما نقلوه افتراء محض، الخ. (۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۲/۲۲۸-۲۲۹)

---

(۱) الإدغام في اللغة عبارة عن إدخال الشيء في الشيء. (سراج القاري المبتدي، باب الإدغام الكبير: ۳۳، مصطفى الحلبي مصر، انيس)

الإدغام لغة الدمج والإدخال، واصطلاحاً إدخال حرف ساكن في متحرك بحيث يصيران حرفاً واحداً مشدداً. (الميزان في أحكام تجويدالقرآن: ۱۱۲، دارالإيمان القاهرة، انيس)

وقد اتفق القراء على وجوب الإدغام في الحرفين المتماثلين والمتجانسين (إذا سكن الأول منهما وتحرك الثاني). (الميزان: ۱۳۵) انيس)

(۲-۳) إذا وقف في غيرموضع الوقف أو ابتدأ من غيرموضع الإبتداء وإنه على وجهين الأول: أن لايغيربه المعنى تغيراً فاحشاً لكن الوقف والإبتداء قبيح. (المحيط البرهاني، الفصل الثامن في الوقف والوصل والإبتداء: ۳۲۹/۱، دارالفكربيروت. انيس)

إذا وقف في غيرموضع الوقف أو ابتدأ من غيرموضع الإبتداء إن لم يتغيربه المعنى تغيراً فاحشاً ... لا تفسد بالإجماع بين علمائنا ... وإن تغير به المعنى تغيراً فاحشاً ... لا تفسد صلاته عند عامة علمائنا وعند البعض تفسد صلاته والفتوىٰ على عدم الفساد على كل حال، هكذا في المحيط. (الفتاوىٰ الهندية، الفصل الخامس في زلة القاري: ۸۱/۱، دارالفكر. انيس)

(۴) دیکھئے! کتاب مذکور، القول الفاصل بين الحق و الباطل.

"نستعین" پر وقف نہ کرے تو کیا حکم ہے:

سوال: زید نماز میں "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" پر باوجود وقف ہونے کے وقف نہیں کرتا اور یوں پڑھتا ہے "نَسْتَعِیْنُ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" اور "قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدُنِ اللّٰهُ الصَّمَدُ" پڑھتا ہے، اس سے نماز میں کچھ نقصان تو نہیں ہوتا اور قراء سے یہ ثابت ہے یا نہ اور اس طرح پڑھنے سے معنی میں کچھ نقصان آئے گا یا نہ؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اصل یہ ہے کہ "نستعین" پر وقف کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہیں، اسی طرح "قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ" پر آیت کرنا نہ کرنا، دونوں طرح ثابت ہے، پس اگر آیت کی جائے گی تو "اِهْدِنَا" اور "اَللّٰهُ الصَّمَدُ" پڑھا جائے گا اور اگر آیت نہ کی جاوے اور وقف نہ کیا جاوے تو "نُ اهْدِنَا" اور "نِ اللّٰهُ الصَّمَدُ" پڑھا جائے گا، معنی میں کچھ فرق نہیں ہوتا اور قراء دونوں طرح پڑھتے ہیں؛ لیکن زیادہ تر "نَسْتَعِیْنُ" پر اور "اَحَدٌ" پر آیت کرنا ہے اور "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" اور "اَللّٰهُ الصَّمَدُ" علیحدہ پڑھنا ثابت ہے۔ لہٰذا زید کو کچھ ضرورت نہیں کہ وہ "نُ اهْدِنَا" اور "نِ اللّٰهُ الصَّمَدُ" پڑھے؛ بلکہ جیسے اکثر قراء پڑھتے ہیں، اسی طرح پڑھے؛ لیکن اگر اتفاقی زید نے اس طرح پڑھ دیا تو اس پر اعتراض نہ کیا جاوے، اس کو غلط نہ کہا جاوے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۲۴۵-۲۴۶)

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف افضل ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ جب نماز میں پڑھی جائے تو ہر آیت پر وقف کرنا مستحب و افضل ہے، دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بدون وقف کئے مسلسل پڑھنا افضل ہے دونوں میں سے کس کا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ باسم ملهم الصّواب

سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا افضل ہے۔

عن ابن جريج عن ابن أبى مليكة، عن أم سلمة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلّى اللّٰه عليه وسلّم يقطع قرأته يقول (الحمد لله رب العالمين)، ثم يقف ثم يقول: (الرّحمن الرّحيم) ثم يقف. رواه الترمذى. (مشكوٰة المصابيح، ص: ۱۹۱/(۱) شمائل الترمذى، ص: ۵۹۲)(۲)

(۱) كتاب فضائل القرآن، باب آداب التلاوة، الفصل الثانى، رقم الحديث: ۲۲۰۵/سنن الترمذى، باب فى فاتحة الكتاب، رقم الحديث: ۲۹۲۷، انيس

(۲) كتاب القراء ات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب فى فاتحة الكتاب، رقم الحديث: ۲۹۲۷، انيس

وفی کنز العمال عن أبی عثمان النھدی عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالی عنہ أن النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کان یقطع قرأتہ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم، الحمد للّٰہ رب العالمین إلٰی آخرھا،السلفی فی انتخاب حدیث الفراء ورجالہ ثقات.(کنزالعمال:۷۱/۸)(۱)

حدیث ذیل سے بھی اس کی فضیلت ثابت ہورہی ہے:

عن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال:"من صلّی صلوٰۃً ثم لم یقرأ فیھا بأم القرآن فھی خداج" ثلا ثًا،غیر تمام،فقیل لأبی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالی عنہ: إنا نکون وراء الإمام،فقال:اقرأہ بھا فی نفسک،فإنی سمعت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یقول؛قال اللّٰہ تعالی قسمت الصلوٰۃ بیننی وبین عبدی نصفین،ولعبدی ما سأل فإذا قال العبد (الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین)قال اللّٰہ تعالی:حمدنی عبدی،وإذا قال(الرحمن الرحیم)قال اللّٰہ:أثنی علیّ عبدی، فإذا قال:(مالک یوم الدین)قال مجدنی عبدی،(وقال مرۃ فوّض إلیّ عبدی)فإذا قال:(إیّاک نعبد و إیّاک نستعین)قال ھذا بینی وبین عبدی ولعبدی ما سأل:فإذا قال(إھدنا الصّراط المستقیم صراط الذین أنعمت علیھم غیرالمغضوب علیھم ولاالضالّین)،قال:ھٰذا العبدی ولعبدی ما سأل.(الصحیح لمسلم:۱۶۹/۱)(۲)فقط واللّٰہ تعالی أعلم

۳/جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ۔(احسن الفتاویٰ:۳/۲-۸۳)

سورۂ نور میں رجال "لا تلھیھم" کے رجال پر وقف کی تحقیق:

سوال: سورۂ نور رکوع پنجم "یسبح لہ فیھا بالغدو والآصال" تا "ذکر اللّٰہ"، ایک شخص نے لکھا ہے کہ رجال کے بعد سجاوندی نے وقف "ط" لکھا ہے اور اکثر قرآن شریف مطبوعہ میں "لا" بنا ہے، یہ غلط ہے، ابوبکر وغیرہ جو لوگ "یسبح" بصیغہ مجہول پڑھتے ہیں، ان کے نزدیک "الآصال" پر ط ہونا چاہئے اور رجال پر لا اور جو معروف پڑھتے ہیں، ان کے نزدیک رجال پر ط ہونا چاہئے اور "الآصال" پر لا، حفص کی قرأت میں رجال پر لا لکھنا غلط اور سہو کاتب ہے، میں کہتا ہوں کہ اکثر قرآن شریف میں رجال پر لا لکھا ہے اور بعض میں کچھ نہیں، جو قریب المعنی ہے لا کے اور تبادر معنی بھی مشعر ہے کہ رجال پر حفص کے لئے وقف قبیح ہو، جس کی علامت "لا" ہے، اس لئے کہ جملہ "لا تلھیھم" صفت ہے، لہٰذا رجال پر وقف کرنے سے فصل بین الموصوف والصفت ہوگا، جو قبیح ہے اور آیت بھی

(۱) کنزالعمال،فصل فی أذکار التحریمۃ ومایتعلق بھا:۱۰۸/۸،رقم الحدیث:۲۲۱۱۸،مؤسسۃ الرسالۃ/

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الصلاۃ،باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ،رقم الحدیث: ۳۹۵/وکذا فی موطأ الإمام مالک بروایۃ محمدبن الحسن الشیبانی،فی باب افتتاح الصلاۃ: ۶۰/۱،المکتبۃ العلمیۃ/القراءۃ خلف الإمام للبخاری،باب القراءۃ فی الظھر فی الأربع کلھا (ح:۱۲)انیس

نہیں ہے، پس رجال پر ''ط'' بنانا مناسب ہے یا ''لا''، بہر حال تمام قرآن شریف مطبوعہ کا اتفاق موافق قیاس کے معتبر ہوگا اور رسالہ سجاوندی میں رجال پر وقف مطلق سہو کاتب یا اختلاف نسخہ وغیرہ کا محمول ہوگا، یا رسالہ سجاوندی معتبر ہوگا؟

الجواب

میرے نزدیک دونوں توجیہ صحیح ہوسکتی ہیں، مشہور مصاحف کی تقدیر پر تو ظاہر ہے اور سجاوندی کی تقدیر پر، اس طرح کہ رجال کو موصوف نہ کہا جاوے؛ بلکہ بمعنی بعض کے لے کر کلام کو ختم کردیا جائے، آگے جملہ استینا فیہ بطور سوال کے کہا جاوے کہ وہ رجال کیسے ہیں، ایسے ایسے ہیں، **فارتفع الإشکال.**

۱۲/ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ یوم دوشنبہ۔ (تتمہ اولیٰ:۴۵) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۳۱۲)

سورۂ یٰسین شریف میں ''من مرقدنا'' پر وقف لازم صحیح ہے یا سکتہ:

سوال: سورۂ یٰسین میں ''من مرقدنا'' پر اکثر قرآن شریف میں وقف لازم وغیرہ لکھا ہے اور حفص رحمہ اللہ تعالیٰ سے سکتہ منقول ہے، تو سکتہ لکھنا صحیح ہے یا وقف لازم، بصورت اختلاف رسالہ سجاوندی اور منار الہدیٰ (۱) کون زیادہ قابل اعتبار ہے؟

الجواب

میرے نزدیک دونوں میں تعارض نہیں؛ کیونکہ وقف لازم کا حاصل یہ ہے کہ وہاں فصل ہونا چاہئے؛ بوجہ اس کے کہ وصل سے ایہام فساد معنی ہوتا ہے اور یہ غرض سکتہ سے بھی حاصل ہوجاتی ہے، پس وقف باعتبار قطع نفس کے ضروری نہ ہوگا، اس طور پر تعارض نہ رہا۔

۱۳/ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ۔ (تتمہ اولیٰ، صفحہ:۴۵) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۳۱۳)

ثبوت اوقاف کلام مجید:

سوال: یہ جو رموز اوقاف قرآن شریف میں موجود ہیں اور معمول بہا قرأت کے ہیں، ان کا کہیں سے ثبوت مثل آیت وسنت واجماع وقیاس ہے یا نہیں اور جو شخص ان پر قصداً عمل نہ کرے، اس کے حق میں کیا حکم ہے؟

(۱) وروی عن قنبل أنہ قال: سمعت أحمد بن محمد القواس یقول: نحن نقف حیث انقطع النفس إلا فی ثلاثۃ مواضع نتعمد الوقف علیھا: ... وزید عنہ موضع رابع فی ''مرقدنا'' ثم نبتدی ''ھذا ما وعد الرحمن''، آہ، النکزاوی. (منار الھدیٰ فی بیان الوقف والإبتداء، سورۃ الأنعام: ۲۵۰، دار الحدیث القاھرۃ. انیس)

أی واسکت علی الألفین من ''مرقدنا وعوجا'' فتقول: عوجاً بالألف مبدلۃ من التنوین وتسکت وتقول ''قیما'' وکذا تقول: مرقدنا وتسکت ثم تقول: ''ھذا''. (شرح طیبۃ النشر لابن الجزری، باب وقف حمزۃ وحشام علی الھمز: ۱۰۰، دار الکتب العلمیۃ. انیس)

الجواب

(۱) آیات واوقاف کلام مجید کے کتاب وسنت واجماع وقیاس سے ثابت ہیں۔

أما الكتاب:

فقال اللّٰه تعالىٰ:﴿ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلًا﴾(۲)

فرمایا حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ نے کہ معنی ترتیل کے یہ ہیں کہ تجوید حروف کی اور پہچاننا وقفوں کا۔(۳)

فی الصراح ترتیل ہموار خواندن وآرمیدہ وپیدا خواندن۔

وقال اللّٰه تعالىٰ: ولقد اتيناک سبعا سبع آيات.(۴)

وهى الفاتحة. (بیضاوی:۱۲)(۵)

أما السنة:

فعن أم سلمة رضى اللّٰه تعالىٰ عنها قالت كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقطع قرأته يقرأ:(الحمد للّٰه رب العالمين)ثم يقف، (الرحمن الرحيم)،ثم يقف. (سنن الترمذی: ۱۳/۱)(۶)/**وعن أبى هريرة رضى اللّٰه تعالىٰ عنه عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم قال:أن سورة من القرآن ثلاثون آية شفعت لرجل حتى غفرله،وهى سورة تبارک الذى بيده الملک.** (سنن الترمذی: ۱۲۶/۲)(۷)/ **وفى الحديث من ضمن أن يقف على عشر مواضع فى القرآن ضمنت له بالجنة،كذا فى الدرة.** (از نہایات البیان مصنفہ قاری سید محمدی دہلوی مرحوم)

اور اجماع اس لئے کہ آج تک سلف وخلف میں سے کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا؛ بلکہ ہمیشہ اس فن میں تصنیفات فرماتے رہے، کما یعلم من مطالعۃ رسائل القرأۃ اور قیاس یہ کہ کلام میں مواضع ومواقع وصل وفصل ہوا کرتے ہیں تو من جملہ رعایات حسن کلام کے اس کی بھی رعایت ہے، مگر اتنا فرق ہے کہ اہل زبان کو اس میں کچھ تکلف اور مشقت نہیں ہوتی اور غیر زبان والے کو دشواری پڑتی ہے، اس لئے صحابہ کرام ؓ کو حاجت اس کی تعلیم وتعلم کی نہ تھی،

(۱) اس مبحث میں احقر کی ایک تحریر مبسوط ہے جو رسالہ اثبات وقف لازم کے اخیر میں چھپی ہے۔منہ
(۲) سورة المزمل: ٤، انیس
(۳) از مختصر التجوید مصنفہ قاری قادر بخش مرحوم
(۴) آیت بھی وقف بالمعنی الاعم میں داخل ہے۔منہ
(۵) من تفسير سورة الحجر، الآية: ۸۷-۲۱۶/۳، دارإحياء التراث العربى. انيس
(٦) كتاب القراء ات، عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، باب فى فاتحة الكتاب (ح: ۲۹۲۷) انيس
(۷) كتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فى فضل سورة الملک (ح: ۲۸۹۱) انيس

جب قرآن شریف تمام ملکوں میں پھیلا اوران کی زبان عربی نہ تھی، اس لئے خلط ملط کرنے لگےاور بے موقع اور غلط پڑھنے لگے،ان کے لئے علماء سلف نے اعراب قرآن اور رموز واوقاف تجویز فرمائے اورضبط کئے؛ تاکہ ان کی سہولت ہو، پس ثبوت اس کا ادلہ اربعہ شرعیہ سے ہےاورحتی الوسع اس کی رعایت ضروری ہے کہ بعض جگہ خلاف کرنے سے معنی بگڑ جاتے ہیں، چنانچہ سورۂ برأۃ میں آیت ’’**واللّٰه لایهدی القوم الظالمین**‘‘ پرٹھہرنالازمی ہےاوراگر یہاں نہ ٹھہرا،اور’’ **الذین آمنو وهاجروا**‘‘ کےساتھ ملادیں توبالکل معنی فاسد ہوجاویں گے، **کما لایخفی و کفی قدوة بما قال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم ماراه المسلمون حسنا فهو عنداللّٰه حسن** ، (۱)اورجوقصداً اس کےخلاف کرے وہ مخالف جماعت ہے۔واللہ اعلم

محرم ۱۳۱۰ھ۔(امداد:۱/۱۴۱)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۳۰۶۔۳۰۷)

حدیث حضرت ام سلمہؓ پراشکال اوراس کا جواب:

سوال: صرف یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں یہ(لا)علامت ہو،اس جگہ وقف کرنا یانہ کرنا؟ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم وقف فرماتے تھے، یہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے ثابت ہے؛لیکن علماوحفاظ گجرات وقف سے یہاں منع کرتے ہیں،لہٰذا حضور سے دریافت کیا گیا؟

الجواب

نہ کرنا اولیٰ ہے،مگر جہاں منقول ہو،وہاں کرنا اولیٰ ہے۔(۲)

۹/ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ(تتمہ خامسہ،ص:۱۷)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۳۰۷)

(۱) فضائل الصحابة لأحمدبن حنبل،ومن فضائل عمربن الخطاب من حديث أبی بكر (ح: ٥٤١)/مسند الإمام أحمد موقوفاً،مسندعبداللّٰه بن مسعود (ح: ٣٦٠٠)/المستدرک للحاكم،أما حديث ضرة وأبوطلحة (ح: ٤٤٦٥)/ معجم ابن الأعرابی،باب ی (ح: ٨٦١)/المعجم الأوسط،من اسمه زكريا (ح:٣٦٠٢)انيس

(۲) وفيه أن الوقف المستحسن على أنواع ثلاثة:الحسن والكافی والتام،فيجوزالوقف علی كل نوع عند القراء العظام.(مرقاة المفاتيح،كتاب فضائل الأعمال:١٥٠٣/٤،دارالفكر)

عن جابر بن عبدالله قال:خرج علينا رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم ونحن نقرأ القرآن وفينا الأعرابی والعجمی فقال:اقرؤوا فكل حسن وسيجیء أقوام يقيمونه كما يقام القدح يتعجلونه ولا يتأجلونه.(سنن أبی داؤد،باب مايجزی الأمی والعجمی من القرآن (ح:٨٣٠)

(فكل حسن) أی فكل قرء اة مما يقرأ أحدكم من العرب والأعراب والعجم حسن إذا آثرتم ثواب الأجلة علی العاجلة ولا عليكم أن تقيموا ألسنتكم إقامة السهم قبل أی يراش.(شرح الطيبی علی مشكاة المصابيح،باب آداب التلاوة ودروس القرآن:١٦٩٠/٥،مكتبة نزار.انيس)

موضع وقف میں وقف نہ کرنا:

سوال: وقف قرأۃ قرآن مجید مواضع اوقاف میں بجرد اسکان حروف موقوف علیہا بلاقطع انفاس گزر جانا، جیسے کہ عادت اکثر حفاظ کی ہے، جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

شرعاً جائز ہے؛ یعنی گناہ نہیں؛ لیکن عربیت وفن قرأت کے خلاف ہے۔(۱) فقط

۹/محرم ۱۳۲۶ھ۔ (تتمہ اولیٰ، ص:۴۲) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۳۰۷)

حروف مشدد پر وقف کرنے کا طریقہ:

سوال: حروف مشدد پر وقف سکون کے ساتھ کیا جائے یا باشارہ تشدید اور اس حکم میں را ونون اور باقی حروف میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب

قدرے تشدید کا اثر ظاہر ہونا چاہئے، خواہ کوئی حرف ہو۔(۲) فقط

۹/محرم ۱۳۲۶ھ۔ (تتمہ اولیٰ، ص:۴۲) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۳۰۷-۳۰۸)

سورۂ انعام کی دو آیتوں کے وقف پر شبہ کا جواب:

سوال: اوقاف سجاوندی میں اکثر خلجان ہوتا ہے پہلے بھی عرض کیا ہے اس وقت دو جگہ خلجان ہے اگر خیال مبارک میں کوئی توجیہ آوے یا کسی کتاب میں نظر پڑے تو اعلام فرمادیں۔

(۱) **وأقسموا بالله جهد أيمانهم لئن جأتهم آية ليؤمنن بها قل إنما الآيات عندالله ومايشعر كم أنها إذاجاء ت لايؤمنون.** جملہ **ومايشعركم** تالایؤمنون برقرأۃ "ان" مفتوحہ ماقبل سے منقطع ہے، داخل مقولۂ قول نہیں معلوم ہوتا اور درصورت عدم وقف شبہ ہوسکتا ہے کہ داخل مقولہ ہو، لہذا بظاہر عنداللہ پر وقف لازم ہو؛ مگر کسی قرآن یا کتاب میں وقف نہیں لکھا، حضرت نے اپنی تفسیر شریف میں اس آیت کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ بھی تحریر فرمادیں تو بہت ہی اچھا ہو؟

---

(۱) **والوقف عبارة عن قطع الصوت عن الكلمة زمناً يتنفس فيه عادة بنية استئناف القراء ة.(شرح طيبة لنشر لابن الجزرى،مبحث الوقف والإبتداء:٤٣،دارالكتب العلمية بيروت.انيس)**

(۲) **وممه خلاف هب ظبى وهى وهو☆ ظل وفى مشدداسم خلفه.(طيبة النشر فى القراء ات العشر،باب الوقف على مرسوم الخط:٥٦،دارالهدىٰ جدة،انيس)**

(۲) **ألا إنهم من إفكهم ليقولون ولد الله وإنهم لكاذبون** ، چونکہ بظاہر جملہ ''**وانهم لكاذبون**'' ماقبل سے بالکل منقطع ہے اور داخل قول نہیں، لہذا وقف لازم ہے، حالانکہ سجاوندی میں ''لا''لکھا ہے، تعجب ہے، ہاں! اگر قول کے نیچے داخل کریں اور خلاف سیاق ضمیر ''**وانهم مرسلين**''کی طرف پھیریں تو مضائقہ نہیں؛ مگر نہایت بعید معلوم ہوتا ہے اور منار الہدی میں اس جگہ جائز لکھا ہے؟

الأجوبة : اول مکررہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن عامر اور حمزہ نے قرأ سبعہ میں سے ''**انها**'' بفتح ''**ان**'' اور **لايؤمنون** بصیغۂ خطاب پڑھا ہے، تو اس صورت میں جملہ **ومايشعركم** داخل مقولہ ہوسکتا ہے؟

ويكون المعنى مايشعركم أى لاتعلمون بل يعلم الله تعالىٰ أنهاإذاجاءت لايؤمنون ، پس ممکن ہے کہ سجاوندی کی یہی قرأت ہو اور بقیہ قرأت پر بھی ایک توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ قل کا مقولہ کفار نہ ہوں؛ بلکہ کفار کی قسم سن کر جن مسلمانوں کو ان کے ایمان کی طمع اور اس طمع سے تمنا ظہور آیات کی پیدا ہوگئی تھی، ان کو دونوں جملوں سے؛ یعنی **إنماالآيات** سے بھی اور **ومايشعركم** سے بھی فہمائش کی گئی ہو اور کفار کو بوجہ ان کے معاند ہونے کے قابل خطاب نہ قرار دیا گیا ہو۔ واللہ اعلم

دوم: اس وقت اور ابھی چند مواقع یاد آئے کہ جہاں کفار کا قول نقل کر کے اس کو رد کیا ہے اور دونوں کے درمیان وقف لازم نہیں ہے، سو اس میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اصل سے عدول کسی نکتۂ خاصہ کی وجہ سے ہو تو مضائقہ نہیں اور یہاں اصل وقف ہی تھا؛ مگر نکتہ کی وجہ سے عدول کیا گیا اور وہ نکتہ وہی ہو جو شاید جناب نے ایک بار فرمایا تھا کہ تعجیل تنزیہ حق وتعجیل ابطال باطل مقصود ہے۔ (واللہ اعلم) علاوہ اس کے یہ اوقاف اجتہادی ہیں، **والا اجتهاد يحتمل الخطاء والصواب**

اور (۱) یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ وقف لازم وہاں ہوگا، جہاں وقف نہ کرنا موہم خلاف مقصود ہو اور یہاں قرینۂ عقلیہ اس ایہام کا قاطع ہیں؛ کیونکہ عقل اس پر دلالت کرتی ہے کہ ایک ہی شخص ایک امر کا دعویٰ کرے اور خود ہی ساتھ ساتھ تصریحا والتزاما اس کا ابطال کرے، یہ عادۃ ممتنع ہے۔ پس یہاں **وانهم لكاذبون** میں ضمیر تو یقیناً ان ہی قائلین کی طرف ہے۔ پس بناء مذکور پر یہ ممتنع ہے کہ وہ لوگ ولد اللہ بھی کہیں اور اپنے کو اس میں کاذب بھی کہیں، علی ہذا آیۂ **وقالوااتخذ الله ولدًا سبحٰنه** میں بناء مذکور پر یہ ممتنع ہے کہ وہ لوگ **اتخذ الله ولدًا** بھی کہیں اور تنزیہ بھی کریں، پس چونکہ ایہام خلاف مقصود کا نہ تھا، لہٰذا ان مواقع پر وقف لازم نہ ہوا۔ واللہ اعلم

۴؍شوال ۱۳۲۶ھ۔ (تتمہ اولی:۴۲) (امداد الفتاویٰ جدید:۱؍۳۰۸-۳۰۹)

---

(۱) اور نیز غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقف لازم میں ایہام کفر سے بچنے کا اعتبار کیا گیا ہے سو اگر کفار کوئی بات ایمان کی کہیں تو یہ کفر نہیں اسلئے ایسے مقام پر وقف لازم کا التزام نہیں کیا گیا۔ منہ

رفع شبہ بر بعض اوقاف:

سوال: ''**إذ یعدون فی السبت**'' **إذ** ظرف ہے''**القریة**'' کا؛ یعنی ''**واسئلھم عن القریة التی کانت حاضرة البحر**'' میں جو قریہ ہے، اس میں مضاف محذوف ہے، ''**اذ یعدون**'' ظرف ہے اس مضاف کا تو ''اذ'' کو قریہ سے فصل کرنا ناجائز ہوا، یعنی ''بحر'' کو ''اذ'' سے ملا کر پڑھنا چاہیئے، پھر ''بحر'' پر وقف کیا علما نے بے تحقیق لکھ دیا ہے، یا کوئی وجہ ہے تو بیان کریں؟ یہ سورۂ اعراف میں ہوا، اسی طرح سورۂ مومنون میں ''اعناب'' پر وقف لازم کہتے ہیں؛ حالانکہ یہ وقف بھی قبیح ہے؛ کیونکہ ''جنات'' مفعول ہے ''انشانا'' کا، یقیناً اور ''وشجرۃ تخرج'' معطوف ہے ''جنات'' پر، معطوف اور معطوف علیہ میں فصل کرنا؛ خصوصاً جب مفردات ہوں، جملے نہ ہوں، ناجائز ہے، تو ''انشانا'' سے ''للآکلین'' تک وقف کرنا ناجائز ہوا تو ''اعناب'' پر بھی وقف ناجائز ہوا، ناجائز کو لازم کہنا معاذ اللہ سخت گناہ؛ بلکہ اگر دیدۂ و دانستہ کہے تو کافر ہو جاوے، مثلاً: لمس اجنبیہ ناجائز ہے اور اگر کوئی اس کو واجب کہے تو کافر ہو جائے گا، باتفاق مسلمین۔

الجواب ــ

اول چند مقدمات سمجھ لینے چاہیئے۔

مقدمہ اول:　رؤس آیات کے علاوہ کہ وہ مثل قرأت سبعہ کے توقیقی ہیں اور ان میں جو اختلاف ہے، وہ بناء علی اختلاف الروایات ہے اور باقی جتنے اوقاف ہیں، سب امور اجتہادیہ وذوقیہ ہیں اور ذوق لسانی سے ہر لغت میں یہ فصل ووصل مواقع مختلفہ میں استعمال کیا جاتا ہے اور ان میں اختلاف بناء علی اختلاف التفسیر والتاویل والاعراب ہے، مثل اختلاف مسائل قیاسیہ حنفیہ وشافعیہ کے، اسی بناپر اوقاف کے باب میں ائمہ قرأت کی اصطلاح جُدا جُدا ہیں، چنانچہ بعض کے نزدیک یہ انواع ہیں: تام، اتم، کافی، اکفی، حسن، احسن، صالح، اصلح، قبیح، اقبح، اور امام سجاوندی کی یہ اصطلاحیں ہیں: مطلق جائز، مجوز، مرخص اور اس مطلق کی ایک قسم لازم ہے اور بعض کی یہ اصطلاحیں ہیں، تام شبیہہ بتام، ناقص، شبیہہ بناقص، حسن، شبیہہ بحسن، قبیح، شبیہہ بقبیح، چنانچہ یہ اصطلاحیں منار الہدی (۱) میں موجود ہیں، جن کے عنوانات ومعنونات ومواضع تعیین سب مختلف ہیں۔

مقدمۂ دوم:　وقف لازم میں لزوم بمعنی وجوب یا فرضیت نہیں ہے، بلکہ بمعنی استحسان مؤکد ہے اور مدار اس لزوم کا ایہام پر ہے، اگر وصل موہم ارادہ غیر مراد ہو، وہاں وقف لازم سمجھا جاتا ہے۔

---

(۱)　**منار الھدیٰ فی بیان الوقف والإبتداء، تألیف: أحمدبن عبد الکریم بن محمد بن عبد الکریم الأشمونی الشافعی المصری المتوفیٰ، نحو: ۱۱۰۰، الناشر: دارالحدیث القاھرة، مصر، المحقق: عبدالرحیم الطرھونی، عام النشر: ۲۰۰۸م. انیس**

مقدمۂ سوم: اسی طرح وقف قبیح میں قبیح بمعنی لزوم کفر یا معصیت نہیں؛ بلکہ بمعنی عدم استحسان ہے اور مدار اس قبح کا بھی ایہام پر ہے، جہاں فصل موہم ارداہ غیر مراد ہوتا ہے، وہاں وقف قبیح سمجھا جاتا ہے، چنانچہ ہر دو مقدمہ کی دلیل منار الہدیٰ میں ہے:

إذا علمت هٰذا عرفت بطلان قول من قال: لايحل لمن يؤمن بالله واليوم الآخر أن يقف علٰى سبعة عشر موضعًا فإن وقف عليها وابتداء مابعدها فإنه يكفر ولم يفصل والمعتمد ماقاله العلامة النكزاوی أنه لاكراهة إن جمع بين القول والمقول؛ أنه تمام قول اليهود والنصارى والواقف على ذلك كله غير معتقد لمعناه إنما هو حكاية قول قائلها حكاها الله عنهم ووعيد الحقه الله بالكفار والمدار في ذلك كله على القصد وعدمه ومانسب لابن الجزری من تكفير من وقف على تلك الوقوف ولم يفصل ففي ذلك نظر، نعم إن صح عنه ذلك حمل على ما إذا وقف عليها معتقدًا معناه فإنه يكفر سواء وقف أم لا إلٰى آخر ما قال وأطال، (۱) وفيه أيضًا: القبيح وهو مااشتد تعلقه بما قبله لفظا ومعنى ويكون بعضه أقبح من بعض نحو: ﴿إن الله لايستحى﴾، ﴿فويل للمصلين﴾ فإنه يوهم غير ما أراده الله تعالىٰ فإنه يوهم وصفًا لايليق بالباری سبحانه وتعالىٰ ويوهم أن الوعيد بالويل للفريقين وهو لطائفة مذكورين بعده إلٰى آخر ماقال وأطال، (۲) وفي الجزرية: وليس في القرآن من وقف واجب ولاحرام غير ماله سبب، (۳) وقال الملاعلی قاری في شرح البيت: وحاصل معنى البيت بكماله انه ليس في القرآن وقف واجب يأثم القاری بتركه ولاوقف حرام يأثم بوقفه لأنهما لا يبدلأن على معنى فيختل بذهابهما إلا أن يكون لذلك سبب يستد عی تحريمه وموجب يقتضي تحريمه وكان يقصد على مامن اله وإني كفرت ونحوهما كماسبق من غير ضرورة إذ لا يقصد ذلك مسلم واقف على معناه وإذلم يقصد لايحرم عليه لا الوصل ولا الوقف في مبناه. (۴)

اور بناءً علی المقدمۃ الاولیٰ ممکن ہے کہ اس ایہام میں آراء قراء مختلف ہوں۔

مقدمۂ چہارم: امور اجتہادیہ میں اختلاف کرنے سے تضلیل یا تفسیق نہیں ہوسکتی؛ ورنہ تمام مجتہدین پر عافیت تنگ ہوجاوے گی۔

مقدمۂ پنجم: في منار الهدى: يظلمون كاف شرعًا جائز. (۵)

(۱) منار الهدیٰ، مطلب مراتب الوقف: ۱/۳۰، دار الحديث القاهرة، مصر. انيس
(۲) منار الهدیٰ، مطلب مراتب الوقف: ۱/۲۸، دار الحديث القاهرة، مصر. انيس
(۳) طيبة النشر لابن الجزری، مبحث التجويد: ٤١، دار الكتب العلمية بيروت. انيس
(۴)
(۵) منار الهدیٰ، مطلب مراتب الوقف: ۱/۲۸۰، دار الحديث القاهرة، مصر. انيس

وفیہ أیضا: وأعناب جائز، ومثلہ کثیرۃ، ومنھا تاکلون کاف علی أن قولہ وشجرۃ منصوب بفعل مضمر تقدیرہ وإنشاناً شجرۃ وأنبتنا شجرۃ ولیس بوقف إن عطفت شجرۃ علی جنات وحینئذٍ لایوقف علی وأعناب ولاعلی کثیرۃ ولا علی تاکلون. (۱)

مقدمۂ ششم: (۲)**إذ یعدون فی السبت** میں یہ بھی احتمال ہے ''اذ'' ظرف ہو عامل مقدر کا اور یہ کلام مستأنف ہو؛ یعنی جب کہ یہ کہا گیا'' **واسئلھم عن القریۃ التی کانت حاضرۃ البحر** ''**ماکان حالھم** تو اس پر قدرتاً یہ سوال پیدا ہوا کہ معنی اس کا جواب دیا گیا'' **إذ یعدون فی السبت أی کانت تو تلک الحال إذ یعدون فی السبت** اور یہی احتمال سجاوندی کے ذہن میں راجح ہے۔

مقدمۂ ہفتم: **لکم فیھا فواکہ** میں بھی استناف کا احتمال قوی ہے؛ کیوں کہ جب بطور انعام کے یہ کہا گیا ''**فانشأنا لکم بہ جنّٰت من نخیل وأعناب**'' تو یہاں سوال پیدا ہوا'' **أی نعمتہ کان لنا فی أنشائھا**'' اس کا جواب دیا گیا ''**لکم فیھا فواکہ کثیرۃ ومنھا تاکلون**''، سجاوندی نے اسی احتمال کو اختیار کیا ہے۔

مقدمۂ ہشتم: چونکہ علم وقوف نہایت دقیق علم ہے، جس میں بہت سے علوم کی ضرورت ہے، اس لئے بدوں جمع ان آلات وعلوم کے محض تھوڑی سی مناسبت درسی علوم کے سبب اس میں کلام جائز نہیں؛ جیسا جمیع اجتہادیات کا حال ہے۔

بعد تمہید ان مقدمات کے جواب سمجھنا چاہئے کہ سوال کے دونوں موقعوں میں جو وقف لازم ہے، وہ سجاوندی کے قول پر ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ وصل میں ایہام '' **اذ**'' کے ''**واسئل**'' کے متعلقات میں سے ہونے کا اور وہ سجاوندی کے ذہن میں خلاف مراد قرآنی ہے؛ کیوں کہ ان کے نزدیک یہ جملہ مستأنفہ ہے، جیسا کہ مقدمہ ششم میں ظاہر کیا گیا، اس لئے انہوں نے ''بحر'' پر وقف کیا اور ایہام ''اعناب'' کے موصوف اور جملہ '' **لکم فیھا فواکہ کثیرۃ**''کی صفت ہونے کا، الخ، یہ ایہام وقف سے مرتفع نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ وقف کسی طرح اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ اعناب کی صفت نہیں ہے؛ بلکہ نخیل واعناب مجموعہ کی یا جنات کی صفت ہے، لہذا استدلال یوں کرنا چاہئے کہ سجاوندی کے نزدیک یہ کلام مستأنفہ ہے، جیسا کہ مقدمہ ہفتم میں ظاہر کیا گیا ہے اور وصل میں شبہ تھا جنات یا نخیل واعناب کی صفت ہونے کا، جو کہ ان کے نزدیک خلاف مراد قرآنی تھا، اس لئے انہوں نے وقف کیا، رہا شبہ وقف کے قبیح ہونے، سو وہ

(۱) **منار الھدیٰ، مطلب مراتب الوقف: ۶۱/۱، دار الحدیث القاھرۃ، مصر. انیس**

(۲) اصل کتاب مطبوعہ مجتبائی دہلی میں اس جگہ دس مقدمات تحریر ہیں؛ لیکن اسی کے ساتھ ضمیمہ بنام تصحیح الاغلاط، صفحہ: ۱۸ میں اس مقام سے مقدمہ ہشتم نہم کو حذف کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور باقی مقدمات میں اور پھر اصل جواب میں جا بجا ترمیم واصلاح فرمائی گئی ہے، احقر نے تصحیح الاغلاط کی ہدایات کے موافق دونوں مقدموں کو حذف کر کے آٹھ باقی رکھے اور دوسرے مقامات پر بھی قابل ترمیم عبارات میں حضرت کی تحریر کردہ ترمیم درج کردی، صرف تین مقامات ایسے تھے کہ ان میں ضرورت ترمیم کا تو حضرت نے اظہام فرمایا، مگر بعد ترمیم جو عبارت رکھی جائے، وہ تحریر نہیں فرمائی، اس لئے ان مقامات کو بعینہ قائم رکھ کر حضرت کی تحریر کو ان مقامات کو بطور حاشیہ لکھ دیا ہے۔ (محمد شفیع دیوبندی عفا اللہ عنہ)

بیان بالا سے مندفع ہوگیا؛ کیوں کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عدم وقف میں سجاوندی کے نزدیک ایہام خلاف مراد ہے، اس لئے وقف ضروری ہوا، نہ کہ قبیح اور اگر محض فصل کو موجب قبح کہا جاوے، سو اول تو یہ تفسیر قبیح کی کسی نے کی نہیں اور اگر اس جدید اصطلاح کو تسلیم بھی کرلیا جاوے تو وقف کرنے ہی پر کیا موقوف ہے؟ خود موضع ثانی میں فاصل ہونا اتنے بڑے کلام کا "لکم فیها فواکه کثیرة ومنها تاکلون" لزوم قبح کیلئے کافی ہونا چاہئے (بحکم مقدمہ ہشتم)؛ بلکہ ایسا قبح تو قرآن مجید میں صدہا جگہ لازم آئے گا، (۱) مثلاً: آیت مذکورہ "وقیله" میں کہ بنا بر قرأت نصب کے جو کہ قرأت متواترہ ہے، حسب اختیار اخفش جو نحو میں امام جلیل ہے "قیله" کا عطف "سرهم ونجواهم" تجویز کیا گیا ہے کہ جس میں دو آیات کا فصل ہے (بحکم مقدمہ نہم)، پس اگر فصل مطلقا موجب قبح ہو تو ان ائمہ اجلہ نے اتنی قبائح کا لزوم قرآن میں کیسے گوارا کیا، علاوہ (۲) اس کے جو بناءِ شبہات کی ہے کہ "اذ یعدون" میں "اذ" ہے اس مضاف کا، الخ، یا شجرۃ مفعول ہے انشانا کا، الخ، اس میں خود کلام ہوسکتا ہے، اس لئے کہ یہ توجیہ بھی ممکن ہے کہ عامل "اذ" کا محذوف ہو؛ مثلاً: کانت حاضرة یا وقعت القصة یا مثل اس کے، جیسا قرآن میں اس کے نظائر بکثرت موجود ہیں، پس بہر حال لزوم قبح کا کوئی مبنیٰ نہیں پایا جاتا اور بعد اللتیا واللتی اگر خواہ مخواہ کوئی قبح کا قائل ہی ہو اور کسی کو اس میں شرح صدر ہی ہو تو اس کی یہ تحقیق اپنے نفس پر حجت ہوسکتی ہے، قائلین باللزوم پر جن کا مستند دلیل صحیح ہے، حجت نہیں (بحکم مقدمہ اول) پھر لمس اجنبیہ پر جو کہ حرام قطعی اجماعی ہے، قیاس کرنا امر اختلافی اجتہادی کا، اول تو غفلت ہے، معنی لازم وقبیح سے، پھر بوجہ فارق قطعیت واجتہادیت کے کس طرح صحیح ہوگا (بحکم مقدمہ چہارم)، چنانچہ صاحب منار نے "کانت حاضرة البحر" پر وقف ہی قرار نہیں دیا اور اعناب پر وقف جائز مانا (بحکم مقدمہ پنجم)؛ لیکن اس قسم کا اختلاف؛ جیسا صاحب منار نے امام سجاوندی کے ساتھ کیا ہے، ہم جیسوں کو کہ نہ اس قدر علم ہے اور نہ وہ ذکاء، نہ وہ سلامت نظر، جائز نہیں (بحکم مقدمہ دہم)۔ فقط واللہ اعلم

یکم شعبان ۱۳۲۱ھ۔ (امداد: ۱/۱۱۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۳۰۰-۳۰۵)

(۱) یہ اعتراض سائل پر وارد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ وہ لکم فیها کو جنات وغیرہ کی صفت کہتا ہے، پس یہ فصل بالاجنبی نہیں ہے، لہذا اس اعتراض کو ساقط ہونا چاہئے۔ (منہ) تصحیح الاغلاط میں اس جگہ حضرتؒ نے اعتراض کو ساقط لکھا ہے، مگر عبارت کتاب کی تغییر کی صورت نہیں لکھی، اس لئے احقر نے عبارت کو بعینہ قائم رکھ کر تصحیح کی عبارت کو حاشیہ بنا دیا، اسی طرح اس صفحہ کے دوسرے حواشی کا حال ہے۔ (محمد شفیع عفی عنہ) ی ہ اعتراض بھی سائل پر وارد نہیں ہوتا؛ کیوں کہ جملہ معترضہ کا فصل فصل نہیں سمجھا جاتا، برخلاف لازم کے، اس کی توضیح اس سے ہوسکتی ہے "قتلت الیهود لعنهم الله تعالیٰ وأذا قهم عذاب الحریق الأنبیاء بالإتفاق" جائز ہے اور قتلت الیهود الانبیاء میں یہود پر وقف لازم صحیح نہیں، لہذا اس اعتراض کو ساقط ہونا چاہئے۔ (تصحیح الاغلاط: ۱/۱۹)

(۲) یہ صحیح ہے، مگر اس میں اتنا اضافہ اور ہونا چاہیے کہ سجاوندی نے اسی ترکیب کو اختیار کیا ہے اور اسی بنا پر وقف لازم کیا ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ منہ (تصحیح الاغلاط: ۱/۲۰)

قرآن مجید کے مختلف اوقاف کا مسئلہ:

سوال بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ، ماقولکم رحمکم اللّٰہ:

قرآن شریف مطبوعہ ہند میں اکثر مقامات پر علامات وقف جیسے ج۔ط۔ص۔ز۔صلی۔سکتہ۔صل وقف لازم۔وقف غفران۔وقف النبی۔وقف جبرئیل۔وقف منزل لا۔ط۔ج۔ص۔صلی۔وغیرہ ہیں،ان علامات پرحسب قرأت حفاظ ہندوقف کرنا حدیث صحیح متصل السند مرفوع سے ثابت ہے یانہیں اورقرأت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں کہاں کہاں وقف ہوتا تھا؟

الجواب

واللّٰہ الموفق للصواب،أما بعد:

خیر الحدیث کتاب اللّٰہ وخیر الهدی هدی محمدصلی اللّٰہ علیه وسلم وشر الأمور محدثاتها وکل بدعة ضلالة. (رواہ مسلم،والنسائی وزاد) **کل ضلالة فی النار.** (۲)

وقف کرنا علامات مذکورہ پر بدعت ہے اور مرتکب بدعت کا آگ میں داخل ہوگا اور محدث ان علامات کا ابوطیفور خراسانی سجاوندی (۳) ہے کہ اُس نے دو کتابیں اس بارہ میں تالیف کی ہیں،ایک مدلل کہ اس میں دلائل حسبِ قواعد عربیت وقیاس ذکر کئے ہیں اور دوسری ملخص اس میں سے مدلل غیر مدلل کسی ایک میں حدیث کا ذکر نہیں،تو جاننا چاہیے کہ وقف سنت وہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اوران سے سوائے آیت کے کہیں وقف ثابت نہیں۔

عن أم سلمة أنها ذکرت أو کلمها غیرهافقالت قراء ة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بسم

(۱) یہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا رسالہ ہے،جس کا نام"رد الطغیان فی أوقاف القرآن" ہے۔انیس

(۲) اوراللہ تعالیٰ صواب کی توفیق دینے والا ہے۔امابعد بہترین بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور بہترین ہدایت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے اور بُرے اموراس کے نئے پیدا شدہ ہیں اور بدعت گمراہی ہے اوراس کو مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے اور یہ بھی زیادہ کیا ہے کہ ہر گمراہی جہنم میں ہے۔

الصحیح لمسلم،باب تخفیف الصلاة والخطبة (ح: ۸۶۷)/مسند أبی یعلیٰ الموصلی،مسند جابر (ح: ۲۱۱۱)/المنتقٰی لابن الجارود،باب الجمعة (ح:۲۹۷)/سنن النسائی،کیف الخطبة (ح:۱۵۷۸)

وفی روایة أحمد،مسند جابر بن عبداللّٰہ (ح: ۱۴۹۸۴) بعد قوله صلی اللّٰہ علیه وسلم:" وشر الأمور محدثاتها "وکل محدثة بدعة.انیس

(۳) محمد بن طیفور الغزنوی السجاوندی المتوفٰی: ۵۶۰،انہوں نے تفسیر میں"عین المعانی فی تفسیر السبع المثانی" ،قراءت میں"علل القراء ات"،"کتاب الوقف والإبتداء" مطول ومختصر تصنیف فرمائیں ہیں۔تفصیل کے لیے دیکھئے!الوافی بالوفیات:۳/۱۴۷،داراحیاءالتراث وغیرہ۔انیس

الله الـرحـمـن الرحيم،الحمد لله رب العٰلمين،الرحمٰن الرحيم،مٰلك يوم الدين،يقطع قراء ة اٰية اٰية وفـي رواية قـرأالـفـاتـحة كلها وقطعها اٰية اٰية إلٰى اٰخره. (رواه أحـمـد وأبوداؤد،والترمذی،وابن خزيمة،والحاكم،والدارقطني،وغيرهم، كما في الإتقان)(۱)

پس معلوم ہوا کہ درمیان آیت کے وقف کرنا بدعت ہے؛ جیسا کہ حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہوا کہ قرأت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''**بسـم الـلّـه الرحمن الرحيمoألـحـمـد للّٰه رب العالمين o الـرحـمن الرحيم o مٰلک يوم الدين oإلخ**'' تھی ،یعنی قطع فرماتے آپ قرأت اپنی کوآیت آیت ،مگروقف اضطرار میں کہ جب سانس رُک جائے اورآگے چلنے کی طاقت نہ رہےتو درست ہے کہ!'' **لا يكلف الله نفساً إلا وسعها** ''.(۲)

حررہ راجی الی رحمۃ اللہ رب العٰلمین۔ابوالبرکات محمد عفا عنہ اللہ،الصمد حفیظ الدین۔

وقف علامات مذکورہ پرکسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں ہے۔حدیث صحیح سے صرف آیات پروقف ثابت ہے۔

کتبہ: محمد بشیر

الجواب صحیح والمجیب نجیح سنت نبویہ سے اورعمل صحابہ سے اور نیز تابعین سے وقف ثابت ہے۔صرف آیات پر۔پس سوا آیت کے وقف کرنا بدعت ہوگا چنانچہ اس کی تحقیق بخوبی رسالہ ازالہ وتحفۃ القراء میں ہوگئی۔

حررہ الحافظ عبداللہ پشاوری۔مہرعبداللہ

یہ علامات مذکورہ اوران پروقف کرنا قرون صحابہ میں اورکسی حدیث صحیح میں ثابت نہیں صرف آیتوں پروقف کرنا ثابت ہے۔واللہ اعلم بالصواب

کتبہ: سلامت اللہ عفی عنہ

الجواب صحیح: سیدمحمد نذیرحسین، جواب ہذا حسب قواعد نبویہ صحیح ہے،حسبنا اللہ بس،حفیظ اللہ۔الجواب صحیح: سیدمحمدعبدالسلام

بےشک آیات پروقف کرنا سنتِ نبویہ ہے۔خلاف اس کے ثابت نہیں۔

کتبہ: محمد صدیق۔ابویعقوب انصاری

---

(۱)　ام سلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے خود بیان کیا یا کسی غیر نے اُن سے ذکر کیا تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت ایسی تھی ،**بسـم الله الـرحـمـن الـرحيـم. الـحمد لله رب العالمين . الرحمن الرحيم مالك يوم الدين** . کہ ہرآیت کی قرأت کوجداجدا فرماتے تھے،اورایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے سورۃ فاتحہ پوری پڑھی اورایک ایک آیت کوآخرتک جدا فرماتے رہے۔اس کواحمد،ابوداؤد، ترمذی ابن خزیمۃ،حاکم،دارقطنی وغیرہم نے روایت کیا ہے،جیسا کہ اتقان میں ہے۔ (**الإتـقـان فـي علوم القرآن،النوع التاسع عشر في عددسوره وآياته: ۱/ ۲۳۴،الهيئة المصرية العامة للكتاب.انيس**)

(۲)　اللہ تعالیٰ کسی کواس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

سورة البقرة: ۲۸۶. انيس

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصليًا و مسلمًا

امابعد: اس مجیب اوراس کے مصدقین نے نہایت کم فہمی اور غایت جورعلی الائمہ کو کام فرمایا، سنو کہ روایات قرأت قرآن شریف متواتر ومشہور وشاذ سب کے سب معتبر تمام امت کے نزدیک ہیں، کسی عالم حقانی اور مجتہد کو انکار نہیں کہ سب کا استناد بسند صحیح فخرِ عالم علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف ہوتا ہے اور کوئی قرأت نہ ان میں سے بدعت ہے، نہ مخترع، اگرچہ اختلاف الفاظ کا ہو، یا حرکات سکنات کا، یا طرز اداء قرأت کا، یا کچھ اور، اگر ان میں سے ایک شخص نے ایک رائے اور ایک طرز کو اپنے استادوں سے سیکھا ہے تو وہ دوسری روایت وقرأت پر کچھ اعتراض نہیں کرتا، مثلاً: سورۂ فاتحہ میں ''**ملک یوم الدین**'' اور ''**مالک یوم الدین**'' دوقرأت ہیں اور دونوں متواتر، (۱) مگر ''**مالک**'' پڑھنے والا ''**ملک**'' پڑھنے والے پر اور '' **ملک**'' پڑھنے والا ''**مالک**'' پڑھنے والے پر اعتراض نہیں کرتا اور اس کو خاطی نہیں جانتا، ایسا ہی ﴿**واتخذوا من مقام إبراهيم مصلیٰ**﴾ میں ایک نے بکسر خاء پڑھا ہے، بصیغۂ امر، دوسرے نے بفتح خاء بصیغہ ماضی، (۲) مگر یہ اس پر اعتراض نہیں کرتا اور نہ وہ اس پر؛ بلکہ ہر ایک دونوں کو حق اور صحیح جانتا ہے، ثابت بالتواتر، علی ہذا ﴿**والليل إذا يغشى والنهار إذا تجلیٰ وما خلق الذكر والأنثى**﴾ کہ قراء سبعہ ''**وماخلق**'' پڑھتے تھے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ''**والذكر والانثى**'' پڑھتے اور ''**ماخلق**'' نہیں پڑھتے تھے کہ ہم نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ لفظ یہاں نہیں سُنا، مگر ''**ماخلق**'' پڑھنے والوں پر بھی انکار نہیں کرتے تھے۔ (۳) علی ہذا دیگر امور میں کہ ان میں اختلاف ہے ہر شخص جس طرح اس نے استادوں سے سُنا پڑھتا ہے، مگر دوسروں پر اعتراض نہیں کرتا؛ کیوں کہ سب کے پاس سند متصل الیٰ فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود ہے اور یہ

---

(۱) (قوله: مالک يوم الدين) قرأ عاصم والكسائي ويعقوب :مالک، وقرأ الآخرون: ملک. (تفسير البغوی، سورة الفاتحة: ۷٤/۱، دار إحياء التراث العربی)

(۲) ﴿وَاتَّخِذُوا﴾ بالكسر وبها نقرأ لأنها تدل على الغرض. (معانی القرآن للأخفش، سورة البقرة: ۱۵۵/۱، مكتبة الخانجي القاهرة. انيس)

القول فی تأويل قوله ﴿واتخذوا من مقام إبراهيم مصلیٰ﴾ قال أبو جعفر: اختلفت القراء ة فی قراء ة ذلک، فقرأ بعضهم واتخذوا من مقام إبراهيم مصلی بكسر الخاء. على وجه الأمر باتخاذه مصلی، وهی قراء ة عامة المصريين الكوفة والبصرة وقراء ة عامة قرأة أهل مكة وبعض قرأة أهل المدينة. (تفسير الطبری: ۳۰/۲، مؤسسة الرسالة، انيس)

قرئت ''واتخذوا'' بالفتح والكسر. (معانی القرآن وإعرابه للزجاج: ۲۰٦/۱، عالم الكتب. انيس)

(۳) عن علقمة قال: دخلت فی نفر من أصحاب عبدالله الشام فسمع بنا أبو الدرداء فأتانا فقال: أفيكم من يقرأ؟ فقلنا: نعم، فأيكم أقرأ؟ فأشاروا إلیَّ، فقرأت: ''والليل إذا يغشیٰ والنهار إذا تجلیٰ والذكر والأنثیٰ'' قال: أنت سمعتها من في صاحبک؟ قلت: نعم، قال: وأنا سمعتها من في رسول الله صلى الله عليه وسلم وهؤلاء يأبون علينا. (الصحيح للبخاری، باب والنهار إذا تجلیٰ (ح: ٤۹٤۳) انيس)

قراء سبعہ زمانہ مشہود لہا بالخیر میں ہیں اور مقبول تمام امۃ حقہ ہیں کہ یا تابعی ہیں یا تبع تابعین اور روایت ان کی صحابہ کرام وتابعین سے ہے، پس ایسی حالت اختلاف میں ایک کو سنت اور ایک کو بدعت کہنا کتنا بڑا ظلم ہے۔ (معاذ اللہ)

اسی طریق پر حال اوقاف کا ہے کہ یہ قراء سبعہ معتبرہ اپنے اپنے اساتذہ سے جیسا انہوں نے سنا ہے، ویسا ہی پڑھتے ہیں اور ان کے بعد ان کے شاگرد ویسا ہی ادا کرتے چلے آئے تو تقرر اوقاف کا ان طبقات میں ہو چکا ہے، نہ سجاوندی نے وضع کیا، نہ کسی دوسرے نے، البتہ ان کا تسمیہ اصطلاحاً کہ یہ وقف لازم ہے، یہ ط۔ ہے، یہ پیچھے ہوا ہے، سو اس طرز سے قرأت میں کچھ تفاوت نہیں اور تسمیہ اوقاف میں کچھ حرج لازم نہیں آتا اور جیسا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھنا کمی زیادتی کلمات یا تغیر، تبدل حرکات سکنات میں یا تمدید صوت میں مختلف طرح سے ثابت ہوا ہے، ایسے ہی اوقاف کا حال ہے کہ آپ کا فقط ایک طرز وقف کا ہو، یہ ہرگز ثابت نہیں، اسی واسطے یہ قراء سبعہ معتبرہ مثلاً وقف میں اختلاف رکھتے ہیں، نافع مدنی جہاں بلحاظ معنی ٹھہرنا مناسب ہو وہاں ٹھہرتے ہیں اور آیت کی کچھ رعایت نہیں کرتے ہو، یا نہ ہو صرف لحاظ معنی کا کرتے ہیں اور ابن کثیر اور حمزہ جہاں سانس ٹوٹ جاوے، وہاں وقف کرتے ہیں، اگرچہ بیچ میں آیت آجاوے اور عاصم اور کسائی جہاں کلام ختم ہو، وہاں ٹھہرتے ہیں، اگرچہ آیت اس جگہ پر ہو یا نہ ہو اور ابو عمر وبصری آیت پر وقف کرتے ہیں اور یہ سب اپنی وضع کو معمول بہ اور مستحسن جانتے ہیں اور دوسرے کی رائے یا مذہب پر اعتراض یا طعن بدعت کا نہیں کرتے؛ کیوں کہ سب کے پاس حجت شرعیہ موجود ہے۔

الحاصل: ان طبقات میں سب قراء اور ائمہ اعلام اس بات پر اجماع اور اتفاق رکھتے تھے کہ آیت وغیر آیت پر دونوں جگہ وقف جائز ہے اور کسی ایک نے بھی اس وقت میں اس کا خلاف نہیں کیا۔ پس بحکم قول نبی علیہ الصلاۃ والسلام "**لا تجتمع امتی علیٰ الضلالۃ**"(۱) یہ امر جائز ہو گیا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المومنین نولہٖ ما تولیٰ ونصلہٖ جھنم وسآء ت مصیرا﴾(۲) من بعد اگر کوئی خرق اجماع کرے تو وہ خود خاطی ہے۔

---

(۱) میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔

رواہ الطبرانی فی الکبیر، عمرو بن دینار عن ابن عمر (ح: ۱۳۶۲۳) بلفظ:" لن تجتمع أمتی علی الصلاۃ أبداً، فعلیکم بالجماعۃ فإن یداللّٰہ علی الجماعۃ"، وفی المستدرک للحاکم، ومنھم یحی بن أبی المطاع القرشی (ح: ۳۹٤) بلفظ:"لا یجمع اللّٰہ أمتی علی الضلالۃ أبداً"، وفی الکنیٰ والأسماء للدولابی، عن أنس بن مالک (ح: ۹۳۷) بلفظ:"لا تجتمع أمتی علی ضلالۃ".

(۲) اور جس شخص نے ہدایت ظاہر ہونے کے بعد رسول کی نافرمانی کی اور مومنوں کی راہ کے سوا راہ اختیار کی ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے، جس طرف وہ پھر گیا اور اس کو جہنم میں پہنچا دیں گے اور بُرا ٹھکانہ ہے۔

سورۃ النساء: ۱۱۵، انیس

پس جیسا مجیب اوراس کے اتباع نے اختیار کیا ہے، یہ کسی اہل حق کا مذہب نہیں ہے اور گویا مجیب نے تمام اہل حق کو مبتدع ٹھہرایا۔ (معاذ اللہ) اور یہ سب اسی اتقان سے جس سے مجیب اسناد واستدلال کرتا ہے، واضح ہے۔ ہر اہل علم اس کو دیکھ سکتا ہے؛ حالانکہ اس کتاب میں ہرگز کسی طریقہ کو بدعت نہیں کہا؛ بلکہ سب کو جائز اور متعارف لکھا ہے۔ پس ہر اہل عقل وعدل سمجھ سکتا ہے کہ مجیب نے کس قدر جور کیا، سب کو مبتدع بنا چھوڑا اور یہ حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی جو بہ سند صحیح متصل مروی ہے، جس کو امام احمد نے اپنی مسند میں اور نسائی نے ایک اور روایت سے ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کیا ہے، وہ یہ ہے:

حدثنا الليث، عن عبد الله بن عبيد الله بن أبي مليكة، عن يعلٰى بن مملك أنه سأل أم سلمة رضی اللّٰه تعالٰی عنه زوج النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عن قرأة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وصلاته، فقالت: مالكم وصلا ته "كان يصلی ثم ينام قدر ماصلٰی، ثم يصلی قدرما نام، ثم ينام قدر ما صلی حتی يصبح" ونعتت قرأته، فإذا هی تنعت قرأة مفسرة حرفاً حرفاً. (۱)

دیکھئے اس حدیث میں کوئی ذکر وقف علی الآیہ کا نہیں ہے اور دوسری روایت کہ جس میں ذکر وقف کا ہے اور اس کو دارقطنی نے اور ایک روایت سے ابوداؤد نے اور ایک روایت سے ترمذی نے نقل کیا ہے، اس کی سند منقطع ہے کہ عبداللہ بن ابی ملیکہ کے بعد یعلی بن مملک مذکور نہیں، لہذا وہ روایت منقطع ہوئی، یہ جماعت اس زمانہ کی جو اپنے آپ کو محدث کہتے ہیں، وہ حدیث مرسل منقطع کو حجت نہیں جانتے اور نہ اس پر عمل درست جانتے ہیں۔ تعجب ہے کہ اس حدیث منقطع پر کس طرح اعتماد کر کے تمام امت مقبولہ کو مبتدع بنایا، ان کو اپنے قاعدہ کے موافق لازم تھا کہ اس روایت کی طرف التفات نہ کرتے۔ چنانچہ ترمذی نے اس میں کلام کیا ہے۔

حيث قال هٰذا حديث حسن صحيح غريب لا نعرفه إلا من حديث ليث بن سعد، عن ابن أبی

---

(۱) لیث نے عبداللہ ابن عبداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت کی ہے اور وہ یعلی بن مملک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت دریافت کی اور آپ کی نماز کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تم اُن کی نماز پوچھ کر کیا کروگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ کر اتنی دیر سوتے تھے جتنی دیر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور پھر اتنی دیر نماز پڑھتے تھے جتنی دیر کہ سوئے۔ پھر اتنی دیر سوتے تھے جتنی دیر کہ نماز پڑھی اسی طرح صبح فرما دیتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کا بیان فرمایا تو آپ کی قراءت ایک ایک حرف مفسرا بیان فرمایا۔

سنن الترمذی، باب ماجاء كيف كانت قراءة النبی صلی اللّٰه عليه وسلم (ح: ۲۹۲۳) / خلق أفعال العباد للبخاری، باب أفعال العباد: ۵۳/۱، دارالمعارف السعودية / سنن أبی داؤد، باب استحباب الترتيل فی القراءة (ح: ۱۴۶۶) / سنن النسائی، باب ذكر صلاة رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم (ح: ۱۶۲۹) / مسندالإمام أحمد، حديث أم سلمة زوج النبی صلی اللّٰه عليه وسلم (ح: ۲۶۵۶۴) انيس)

مـلـيـكة،عن يعلىٰ بن مملک،عن أم سلمة،وقد روى ابن جريج هٰذاالحديث عن ابن أبى مليكة، عـن أم سلمة أن النبى صلى الله عليه وسلم كان يقطع قراء ته" وحديث الليث أصح،إنتهى.وفيه بـعد يسير حدثنا على بن حجرقال:نا يحيى ابن سعيد الأموى،عن ابن جريج،عن ابن أبى مليكة، عـن أم سـلـمة،قـالـت:كـان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقطع قراء ته يقرأ:(الحمد لله رب العٰـلـميـن)ثم يقف(الرحمٰن الرحيم) يقف،وكان يقرء ها(مٰلک يوم الدين)هٰذا حديث غريب وبـه يقرأ أبوعبيد ويختاره.هٰكذا روى يحيى بن سعيد الأموى،وغيره عن ابن جريج عن ابن أبى مـلـيـكة،عـن أم سـلـمة،وليس إسناده بمتصل لأن الليث بن سعد،روى هٰذاالحديث عن ابن أبى مـلـيـكة،عن يعلى بن مملک،عن أم سلمة... أنها وصفت قرأة النبى صلى الله عليه وسلم حرفاً حرفاً وحديث الليث أصح وليس فى حديث الليث وكان يقرأ مٰلک يوم الدين .(۱)

اسے دیکھو ترمذی نے کیسی منقطع بنا کر استدلال اس جماعۃ کا لغو ٹھہرا دیا۔

مگر ہم لوگ چونکہ مرسل و منقطع ثقہ کو معتبر جانتے ہیں،ہم پر شرح اس حدیث کی ضروری ہے،وہ یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرأت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، جو بیان فرمایا تو یہ نہیں کہا کہ تمام قرآن میں آپ اسی طرح کرتے تھے اور خاص اس ایک طریقہ قرأت اور وقف ہر آیت پر آپ کی قرأت کو حصر نہیں کیا؛ تا کہ اس سے یہ معلوم ہو کہ آپ نے اس کے خلاف نہیں کیا تو ہم کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احیاناً ایسے ہی پڑھا ہے اور احیاناً دوسری طرح بھی پڑھا ہے، جو کہ اجماع قرونِ ثلثہ سے معلوم ہوا،اگر اس میں کوئی لفظ حصر ہوتا تو استدلال ہوسکتا تھا، چونکہ اس میں کوئی لفظ حصر کا نہیں ہے تو ہرگز اس روایت سے تردید اس ایک طریقہ قرأت کے خلاف کی نہیں ہوسکتی۔

---

(۱) چنانچہ کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے ہم اس کو نہیں جانتے مگر لیث بن سعد کی حدیث سے جو ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ یعلی بن مملک سے اور وہ ام سلمہ سے اور ابن جریج نے اس حدیث کو ابن ابی ملیکہ سے روایت کیا ہے اور وہ ام سلمہؓ سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قراءت جدا جدا کرتے دیکھا ہے اور لیث کی حدیث صحیح ترین ہے اور اس میں تھوڑی دیر کے بعد ہے کہ ہم سے حدیث بیان کی علی بن حجر نے کہ ہم کو خبر دی یحیٰ بن سعید اموی نے ابن جریج سے اور وہ ابن ابی ملیکہ سے اور وہ ام سلمہؓ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت کو جدا جدا کر کے پڑھتے تھے کہ الحمد للہ رب العالمین پڑھ کر ٹھہر جاتے تھے پھر الرحمٰن الرحیم پڑھ کر ٹھہرتے تھے۔ پھر مالک یوم الدین پڑھتے تھے۔ یہ حدیث غریب ہے اور اسی کو ابوعبیدہ پڑھتے تھے اور پسند کرتے تھے اور اس طرح نہیں روایت کی یحیٰ بن سعید اموی وغیرہ نے ابن جریج سے اور وہ ابن ملیکہ سے اور وہ ام سلمہؓ سے اور اس کی اسناد متصل نہیں ہیں اس لئے کہ لیث بن سعد نے اس حدیث کو ابن ابی ملیکہ سے روایت کیا ہے اور وہ یعلی بن مملک سے وہ ام سلمہ سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کو حرفاً حرفاً بیان کیا اور حدیث لیث اصح ترین ہے اور حدیث لیث میں یہ نہیں ہے کہ ملک یوم الدین پڑھتے تھے۔

سـنن الترمذى ، كتاب القراء ات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم،باب فى فاتحة الكتاب: ١٨٥/٥،رقم الحديث: ٢٩٢٧،انيس

دیکھو کہ اس ہی حدیث میں طرزِ تہجد آپ کا اس طرح پر روایت کیا ہے کہ آپ ایک مرتبہ کچھ نماز پڑھ کر اتنا ہی سور ہتے تھے، پھر اُٹھ کر دوبارہ آدھی نماز پڑھتے تھے، پھر اسی قدر سور ہتے تھے؛ حالانکہ اور بہت سی روایات میں یہ امر ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی دفعہ ساری تہجد پڑھی ہے۔

استدلال مجیب بروایت ام سلمہ کے موافق لازم آتا ہے کہ جیسے اس روایت میں طریقہ تہجد مروی ہے اس کے سوا، اور جس قدر طریقے ہیں جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل فرمانا روایات صحاح سے ثابت ہے، وہ سب بدعت ہوں۔ (معاذ اللہ) اور اسی روایت میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت ''ملک یوم الدین'' نقل کی ہے؛ حالانکہ دوسری روایت میں ''مالک یوم الدین'' بھی آپ کا پڑھنا ثابت ہے، پس جیسا کہ یہ طرز تہجد اور قرأت'' ملک یوم الدین'' احیاناً ہے، نہ (کہ) دائما، ایسے ہی وقف علی رؤس الآیات احیاناً ہے، نہ کہ دائماً۔

حضرت ام سلمہؓ نے ان تین امور کو جو فرمایا ہے، اس میں کوئی کلمہ حصر کا نہیں ہے کہ نفی دوسرے طریقہ کی ہو جائے، علی ہذا حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قرأت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مفسرۃً حرفاً حرفاً فرمایا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرأت مستعجلاً کہ جس میں صحت لفظ وادائے حروف فوت نہ ہو بدعت ہو جائے؛ بلکہ اس طرح پڑھنا ہی جائز ہے؛ بلکہ بعض صحابہ کے نزدیک افضل ہے، برحسب رائے مجیب چاہیے تھا کہ بدعت اور ناجائز ہو؛ حالانکہ باجماع امت یہ جائز ہے، صرف اختلاف افضلیت میں ہے، چنانچہ علامہ مجدالدین سفرالسعادت میں فرماتے ہیں:

''وعلماء را درین مسئلہ اختلاف ست کہ ترتیل با قلت قرأت افضل است یا سرعت با کثرت قرأت ابن عباس وابن مسعود می گویند؟ ترتیل وتدبر با قلت قرأت افضل است وامیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجماعتے از صحابہ وتابعین و امام شافعی می گوئند سرعت وکثرت قرأت افضل است اگر چہ ہر حرفے رادہ حسنہ است پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمود ہر حرفے رادہ حسنہ است لا اقول الم حرف بل الف حرف ولام حرف ومیم حرف، انتہی۔(۱)

اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ حدیث صحیح متصل السند ام سلمہؓ سے تو یہ ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرأت مفسرہ حرفاً حرفاً پڑھتے تھے، مجیب اور اس کے اتباع نے اس طرز قرأت کو دائمی قرار دے کر قرأت مستعجلا کو بدعت نہیں کہا؛ حالانکہ

(۱) اور علما کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ترتیل قلت قراءت کے ساتھ افضل ہے یا سرعت با کثرت قراءت؟ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ترتیل وتدبر قلت قراءت کے ساتھ افضل ہے اور امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت صحابہ وتابعین کی اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ سرعت وکثرت قراءت افضل ہے؛ کیوں کہ ہر حرف کی دس نیکیاں ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر حرف پر دس نیکیاں ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ الم حرف ہے؛ بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف اور میم ایک حرف۔

حدیث عبداللّٰہ بن مسعود رواہ عبد الرزاق الصنعانی فی المصنف،باب تعلیم القرآن وفضلہ (ح:۶۰۱۷)انیس

ان کی فہم کے موافق اس کا بدعت ہونا بھی ضروری تھا اور حدیث منقطع جس میں "بقطع آية آية" ہے اور حسبِ مذہب مجیب غیر معتبر اس پر اعتماد کر کے اوقاف مستحبہ کو بدعت قرار دیا۔ (معاذ اللہ من ہذا الفہم الردی)

پھر دوسرا عجوبہ یہ ہے کہ سائل حدیث متصل السند سے جواب مانگتا ہے اور مجیب صاحب منقطع السند سے جواب دیتے ہیں۔ (لا حول و لا قوة إلا باللّٰه العلی العظیم) اگر کہا جائے کہ اگر چہ اس جگہ اس روایت سے مستعجلا پڑھنا بدعت معلوم ہوتا ہے، مگر چونکہ دوسری جگہ مستعجلا پڑھنا ثابت ہے، اس لئے وہ بدعت نہ ہوا تو جواب یہ ہے کہ خود اسی حدیث سے بروایت دارقطنی "انعمت علیهم" پر وقف نہ کرنا ثابت ہوگیا؛(۱) باوجودیکہ یہاں پر آیت ہے اور دیگر روایات صحیحہ و نیز اجماع سے اور بہت سے موقع پر باوجود آیت ہونے کے وقف نہ کرنا ثابت ہے، لہٰذا یہ بھی بدعت نہ ہونا چاہیے اور چونکہ ہندوستان میں قرأت عاصم کی شائع ہے تو اہلِ ہند کے اوقاف بھی مثل اوقاف عاصم کے ہیں۔

الحاصل اس کے اوقاف کو بدعت کہنا سخت بے جا ہے، وقف کرنا رؤس آیات پر روایت مذکورہ سے ثابت ہوا اور غیر رؤس آیات پر روایت ہذا اور بہت سی روایات صحیحہ اور اجماع امت سے ثابت ہوا۔ پس قرأت قرآن میں دونوں طرح سے پڑھنا؛ یعنی قرأت مفسرہ حرفاً حرفاً اور مستعجلا دونوں طرح سے درست ہے، ایسے ہی وقف علی رؤس الآیات بھی درست ہے اور عدم وقف بھی اور اصل یہ ہے کہ اوقاف ہی تفسیر قرآن ہیں کہ فصل و وصل سے معنی قرآن کے واضح ہوجاتے ہیں۔

سو ایسی طرح سے پڑھنا کہ جس سے توضیح مطلب ہوجائے مستحسن ہے اور بعض کج فہم جو اس تفسیر کو بدعت کہتے ہیں، یہ اُن کی نہایت ہی کم فہمی ہے؛ کیوں کہ بدعت اس کو کہتے ہیں کہ جس کی نظیر قرونِ ثلثہ میں نہ پائی گئی ہو اور جب کہ یہ خود قرونِ ثلثہ میں پائی گئی تو کوئی ان کو کیسے بدعت کہہ سکتا ہے؟ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ قراء تابعی ہیں، یا تبع تابعی اور خود صحابہ سے روایت کرتے ہیں، اگر بالفرض ان کا وجود قرونِ ثلثہ میں نہ پایا جاتا، تب بھی یہ بدعت نہ ہوتی؛ کیوں کہ ان کی نظیر خود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پائی جاتی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آیت شریف "سمیعا بصیرا" (۲) کو پڑھا تو آپ نے سمع اقدس و چشمان مبارک پر انگلی کا اشارہ فرمایا اور جب آیت شریف "إذا دکّت الارض دکّا دکّا" (۳) تلاوت فرمائی تو انگشتان مبارک کو باہم دبا دیا، پس جیسے یہ فعل آپ کا تفسیر کلام اللہ شریف کی واقع ہوئی ہے، ایسے ہی اوقاف بھی کلام مبارک کی مراد واضح کر دیتے ہیں اور ان سے اس کی تفسیر ہوجاتی ہے۔

---

(۱) سنن الدارقطني، باب وجوب قراءة بسم اللّٰه الرحمن الرحيم (ح:۱۱۷۵) انيس

(۲) سورة النساء:۵۸. انيس

(۳) سورة الفجر:۲۱. انيس

اور سنو کہ سائل نے کیفیت نماز تہجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دریافت کی ہے اور یہ سوال فی الجملہ نامناسب تھا، جیسا کہ کسی شخص نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کیسے رکھتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناخوش ہوئے اور اس سوال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا، پس اس لئے حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا: "**مالكم و صلاته**"، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی نماز تجھ سے کب ادا ہوسکتی ہے تو اس سے کیا کرتا ہے، لہٰذا جو فعل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُشد واُحمر تھا، وہ ام سلمہؓ نے بیان فرمایا کہ یہ طریقہ سب طریق سے احمر واشد ہے اور طریقہ قرأت کا بھی وہی فرمایا کہ جو نفس پر اشد ہے؛ یعنی بقرأت مفسرہ حرفاً حرفاً پڑھنا اور ہر آیت پر وقف کرنا کہ اس میں دیر زیادہ لگتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف بھی زیادہ پڑھنا ہوتا تھا، نہ یہ کہ آپ ہمیشہ نماز وقرآن اسی طرح پڑھتے تھے اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اس کے سوا کوئی طریقہ معلوم ہی نہ تھا؛ بلکہ یہ طریقہ شدید تھا، اس لئے اس کا بیان کرنا مناسب تھا، پس انہوں نے اسی کو بیان فرمایا، سواولاً یہ طریقہ خاص قرأت تہجد کا ہے، نہ مطلق قرأت قرآن کا، نماز وخارج نماز میں، مثلاً: نماز مغرب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ اعراف پڑھی، اگر سورۂ اعراف بقرأت مفسرہ حرفاً حرفاً اور ہر آیت پر وقف کے التزام سے پڑھی جاتی تو مغرب کے وقت مستحب میں ہرگز تمام نہ ہوسکتی؛ بلکہ عشاء کا وقت ہوجاتا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت مستعجلاً قرأت پڑھی تھی، ایسے ہی نماز تہجد میں بھی احیاناً؛ کیوں کہ تہجد میں بھی آپ صلی اللہ علیہ کا ایک رکعت میں سورۂ بقرہ وآل عمران ونساء کا پڑھنا ثابت ہے، حالانکہ وقت تہجد میں بقرأت مفسرہ حرفاً حرفاً بالتزام وقف ہر ہر آیت ساری نماز میں بھی یہ سورتیں نہیں ہوسکتیں۔

رہا حال اوقاف تو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ تمام امت کا اتفاق اس کے جواز پر ہے خلاف پر نہیں ہے۔ بلکہ خود اس حدیث کے اندر حجت موجود ہے۔ دیکھو دارقطنی نے جو اس روایت کو نقل کیا ہے اس میں یہ لفظ ہیں "**وعد بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم، آية ولم يعد عليهم**" (۱) جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "**أنعمت عليهم**" پر وقف نہیں کیا؛ حالانکہ "**أنعمت عليهم**" آیت ہے، نافع مدنی اور ابوعمرو بصری اور ابن عامر شامی تین قاری کہ سبعہ متواترہ کے راوی ہیں اور قرأت ان کی قطعی ہے، ہاں آیت کہتے ہیں اور آیات کا حال سماع سے تعلق رکھتا ہے کہ یہ امر توقیفی ہے، چنانچہ تفسیر کشاف وغیرہ میں مصرح ہے، (۲) اور اتقان وغیرہ میں بھی اس کی تصریح ہے، (۳) اور رسول اللہ

(۱) بسم اللہ الرحمٰن کو آپ نے آیت شمار کیا اور عليهم یعنی غير المغضوب عليهم کو آیت شمار نہیں فرمایا۔ (سنن الدارقطنی، باب وجوب قراءة بسم الله الرحمن الرحيم (ح: ۱۱۷۵) انیس)

(۲) تفسیر الکشاف للزمخشری، سورة البقرة: ۳۱/۱، دار الکتاب العربی بیروت. انیس

(۳) الإتقان فی علوم القرآن، النوع الثامن عشر فی جمعه وترتيبه: ۲۱٤/۱، الهيئة المصرية العامة للكتاب. انیس

صلی اللہ علیہ وسلم وقف آیت پر اسی واسطے کرتے تھے کہ معلوم ہو جائے کہ یہاں آیت ہے اور جب آپ کو یہ معلوم ہو جاتا کہ لوگوں کو یہاں آیت ہونا معلوم ہو گیا تو بسا اوقات نہیں بھی کرتے تھے، پس بتواتر ثابت ہو گیا کہ یہاں آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے اور اس روایت ام سلمہؓ سے یہاں وقف نہ کرنا ثابت ہو گیا اور یہ دونوں فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے ہیں تو اس سے عدم توقف آیت پر ثابت ہو گیا، علی ہذا جہاں اختلاف قرأت آیات میں ہے کہ بعض کے نزدیک وہاں آیت نہیں ہے اور بعض کے نزدیک وہاں آیت ہے۔

پس وہاں بھی یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مرتبہ وہاں وقف کیا بعض مرتبہ نہیں کیا۔تو جن لوگوں نے پہلے وہاں وقف سُن لیا تھا وہ آیت کے قائل ہوئے اور جن کو پہلے سے یہ علم نہ ہوا تھا انہوں نے وہاں نہ ٹھہرائی۔

چنانچہ اتقان صفحہ:۹۶ میں ہے:

(وقال)غير سبب إختلاف السلف في عدد الأمي أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقف على رؤس الآى للتوقيف فإذا علم محلها وصل للتمام فيحسب السامع أنها ليست فاصلة، انتهى.(۱)والله أعلم بالصواب

الحاصل: جواب مجیب کو اور تصحیح اس کے اتباع کی سراسر بے جا ہے اور طعن ناموزوں جماعۃ صحابہ وتابعین پر۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم فقط (تالیفات رشیدیہ ۲۷۳-۲۸۰)

---

(۱) النوع التاسع عشر في عدد سورة وآيات وكلماته وحروفه ،انيس

مسئلہ: قرآن مجید دنیا کی غرض سے پڑھنے والے کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ارشاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

’’جو شخص قرآن مجید حاصل کرے؛ تا کہ اس کی وجہ سے کھاوے لوگوں سے، قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے کہ اس کا چہرہ محض ہڈی ہوگا، جس پر گوشت نہ ہوگا‘‘۔(بیہقی،فضائل قرآن:۵۶)

مسئلہ: مستحب یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والا باوضو قبلہ رو ہو اچھے کپڑے میں ہو۔(قاضی خان،قبیل فصل فی المسجد بہامش عالمگیری:۱/۱۶۱)

(۱) بے وضو بھی پڑھ سکتا ہے لیکن چھو نہیں سکتا ہے۔(۲) جن پر غسل فرض ہو وہ نہ پڑھ سکتا ہے نہ چھو سکتا ہے۔

مسئلہ: اعوذ باللہ الخ (شروع کرتے وقت) پڑھے۔

(۱) اعوذ باللہ الخ ایک مرتبہ پڑھنا کافی ہے۔(۲) ہر سورہ کے شروع میں پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔(حوالہ بالا)

مسئلہ: (اعوذ الخ کے بعد) بسم اللہ الخ پڑھے۔

(۱) حیض ونفاس والی عورت اور جس پر غسل فرض ہو اس مرد وعورت کو تلاوت کرنے کی نیت سے بسم اللہ الخ پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (۲) اور (بترک) برکت حاصل کرنے کے لئے پڑھنا جائز ہے۔(۳) ان کو بسم اللہ الخ کا چھونا بھی منع ہے۔(۴) غیر مسلم پاک صاف ہو کر قرآن مجید چھو سکتا ہے اور پڑھ سکتا ہے۔(درمختار وشامی، باب الغسل:۱/۱۱۹)(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل،ص۶۲۲، ۶۲۳)(انیس)

اردو کتب فتاویٰ

نمبر شمار	کتب فتاویٰ	مفتیان کرام	مطبع
(۱)	فتاویٰ عزیزی	حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ	ایم ایچ سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی
(۲)	فتاویٰ رشیدیہ	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	محمد اسحاق صدیقی اینڈ سنز، تاجران کتب، و مالکان کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۳)	تالیفات رشیدیہ	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	مکتبۃ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۴)	باقیات فتاویٰ رشیدیہ	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ	حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ضلع پربدھ نگر (مظفرنگر) یوپی، انڈیا
(۵)	عزیز الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۶)	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۷)	امداد الفتاویٰ	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۸)	الحیلۃ الناجزۃ	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ	مکتبہ رضی دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۹)	امداد الاحکام	مولانا ظفر احمد عثمانیؒ / مولانا عبدالکریم گمتھلویؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۰)	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۱)	جواہر الفقہ	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۲)	امداد المفتیین	مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۳)	مجموعۂ فتاویٰ عبدالحئی	مولانا ابوالحسنات عبدالحئی لکھنویؒ	مکتبہ تھانوی، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۱۴)	فتاویٰ مظاہر علوم	مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ	شعبۂ نشر و اشاعت مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۵)	فتاویٰ محمودیہ	مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ	مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۶)	فتاویٰ امارت شرعیہ	مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد وغیرہ رحمہم اللہ	شعبۂ نشر و اشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ
(۱۷)	کفایت المفتی	مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ	حفیظ الرحمٰن واصف، کوہ نور پریس، دہلی، انڈیا
(۱۸)	فتاویٰ باقیات صالحات	مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوریؒ	جامعہ باقیات صالحات، ویلور، بنگلور، انڈیا
(۱۹)	فتاویٰ احیاء العلوم	مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوریؒ	جامعہ احیاء العلوم، مبارکپور، یوپی، انڈیا
(۲۰)	منتخبات نظام الفتاویٰ	مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا

(۲۱) نظام الفتاویٰ	مولانا مفتی نظام الدین اعظمیؒ	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۲) خیر الفتاویٰ	مولانا خیر محمد جالندھریؒ	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری ممبئی ۱۰۲
(۲۳) فتاویٰ شیخ الاسلام	حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ	مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۲۴) فتاویٰ حقانیہ	مولانا عبدالحق صاحبؒ پاکستانی	دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشرز، نزد واٹر ٹینک مغل پورہ، حیدرآباد
(۲۵) احسن الفتاویٰ	مولانا مفتی رشید احمد صاحبؒ پاکستانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۲۶) فتاویٰ عثمانی	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب پاکستانی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۲۷) فتاویٰ قاضی	مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۸) فتاویٰ رحیمیہ	مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر، سورت گجرات
(۲۹) کتاب الفتاویٰ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۳۰) محمود الفتاویٰ	مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب	مکتبہ نور، محمود نگر، متصل جامعہ، ڈابھیل
(۳۱) حبیب الفتاویٰ	مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب	سمیع پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹیڈ، دریا گنج نئی دہلی
(۳۲) فتاویٰ فرنگی محل	مولانا محمد عبدالقادر صاحب فرنگی محلیؒ	مطبع نامی نخاس لکھنؤ، یوپی، انڈیا
(۳۳) فتاویٰ ندوۃ العلماء	مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب	مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء مارگ، پوسٹ باکس نمبر ۹۳ لکھنؤ، انڈیا
(۳۴) فتاویٰ بینات	مفتیان جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، پاکستان	مکتبہ بینات، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان
(۳۵) فتاویٰ فریدیہ	مولانا مفتی محمد فرید صاحب پاکستانیؒ	مولانا حافظ حسین احمد صدیقی نقشبندی مہتمم دارالعلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی، پاکستان
(۳۶) فتاویٰ مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانیؒ	جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ، لاہور، پاکستان
(۳۷) آپ کے مسائل اوران کا حل	مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ	مکتبہ لدھیانوی ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان
(۳۸) مرغوب الفتاویٰ	مولانا مفتی مرغوب الرحمٰن صاحب لاجپوریؒ	جامعۃ القرأت کفلیۃ، مولانا عبدالحیٔ نگر، سورت، گجرات
(۳۹) فتاویٰ دارالعلوم زکریا	مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، افریقہ	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی-۶، انڈیا
(۴۰) فتاویٰ شاکرخان	مولانا مفتی محمد شاکرخان صاحب پونہ، انڈیا	مدرسہ بیت العلوم کونڈوا، خردسروے نمبر ۱۴۲، شوکا میوز کے پیچھے، پونہ ۴۸، انڈیا
(۴۱) فتاویٰ ریاض العلوم	مفتیان کرام مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور	مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، چوکیہ گورینی، جونپور (یوپی)
(۴۲) فتاویٰ بسم اللہ	مولانا مفتی اسماعیل بن محمد بسم اللہؒ	جامعۃ القرءات، مولانا عبدالحیٔ نگر، کفلیتہ، سورت گجرات
(۴۳) فتاویٰ یوسفیہ	مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند

مصادر و مراجع

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
		﴿علوم قرآن (مع شروحات)﴾	
(۱)	القرآن الکریم	کتاب اللہ	وحی الٰہی
(۲)	معانی القرآن	ابوالحسن المجاشعی بالولاء بلخی بصری معتزلی، المعروف بہ اخفش اوسط	۲۱۵ھ
(۳)	جامع البیان	ابوجعفر الطبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی	۳۱۰ھ
(۴)	معانی القرآن واعرابہ	ابواسحاق الزجاج، ابراھیم بن سری بن سھل	۳۱۱ھ
(۵)	اُحکام القرآن	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۶)	تفسیر بن ابی حاتم	ابومحمد عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن المنذر التمیمی الحنظلی الرازی ابن ابی حاتم	۳۲۷ھ
(۷)	تفسیر الماتریدی	ابومنصور ماتریدی، محمد بن محمد بن محمود	۳۳۳ھ
(۸)	احکام القرآن	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۹)	الکشف والبیان عن تفسیر القرآن	ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی	۴۲۷ھ
(۱۰)	کتاب الرعایۃ بتجوید القراءۃ	ابومحمد مکی بن ابی طالب القیسی	۴۳۷ھ
(۱۱)	معالم التنزیل فی تفسیر القرآن	محی السنہ، ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی	۵۱۰ھ
(۱۲)	الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل	ابوالقاسم محمود بن عمرو بن احمد الزمخشری جاراللہ	۵۳۸ھ
(۱۳)	الشاطبیۃ	ابومحمد الشاطبی، القاسم بن فیرۃ بن خلف بن احمد الرعینی	۵۹۰ھ
(۱۴)	انوار التنزیل واسرار التأویل (تفسیر بیضاوی)	ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی	۶۸۵ھ
(۱۵)	مدارک التنزیل وحقائق التأویل	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین النسفی	۷۱۰ھ
(۱۶)	تفسیر الخازن	علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بن عمر الشیحی ابوالحسن المعروف بالخازن	۷۴۱ھ

(۱۷)	تفسیر القرآن العظیم	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی	۷۷۴ھ
(۱۸)	البرہان فی علوم القرآن	ابوعبداللہ بدرالدین محمد بن عبداللہ بن بھادر الزرکشی	۷۹۴ھ
(۱۹)	سراج القاری المبتدی	ابن القاصح العذری البغدادی، ابوالقاسم علی بن عثمان بن محمد بن احمد بن الحسن	۸۰۱ھ
(۲۰)	سفر السعادة	علامہ مجدالدین محمد بن یعقوب الشیرازی	۸۱۷ھ
(۲۱)	المقدمة الجزریة	شمس الدین ابوالخیر ابن الجزری، محمد بن محمد بن یوسف	۸۳۳ھ
(۲۲)	طیبة النشر	شمس الدین ابوالخیر ابن الجزری، محمد بن محمد بن یوسف	۸۳۳ھ
(۲۳)	شرح طیبة النشر	شمس الدین ابوالخیر ابن الجزری، محمد بن محمد بن یوسف	۸۳۳ھ
(۲۴)	شرح طیبة النشر	محمد بن محمد بن محمد، ابوالقاسم محبّ الدین النویری	۸۵۷
(۲۵)	الإتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابوبکر	۹۱۱ھ
(۲۶)	المکرّر فی ما تواتر من القراءات السبع وتحرر	ابوحفص سراج الدین النشار الشافعی المصری، عمر بن قاسم بن محمد بن علی الانصاری	۹۳۸ھ
(۲۷)	منار الهدیٰ فی بیان الوقف والابتداء	احمد بن عبدالکریم بن محمد بن عبدالکریم الأشمونی الصری الشافعی	۱۱۰۰ھ
(۲۸)	غیث النفع فی القراءات السبع	ابوالحسن النوری الصفاقسی المقری المالکی، علی بن محمد بن سالم	۱۱۱۸ھ
(۲۹)	روح البیان	ابوالفداء اسماعیل حقی بن مصطفیٰ الاستانبولی الحنفی الخلوتی	۱۱۲۷ھ
(۳۰)	تفسیر عزیزی	حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی	۱۱۵۹ھ
(۳۱)	جواہر تفسیر (اردو ترجمہ)	مولانا محمد محفوظ الحق شاہ چشتی صابری قادری	--
(۳۲)	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ المظہری پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۳۳)	فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۳۴)	روح المعانی	محمود بن عبداللہ شہاب الدین ابوالثناء الحسینی الآلوسی	۱۲۷۰ھ
(۳۵)	فتح البیان فی مقاصد القرآن	ابوالطیب محمد صدیق خاں بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی بخاری قنوجی	۱۳۰۷ھ
(۳۶)	ردالطغیان فی أوقاف القرآن	مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۳۷)	بیان القرآن	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۳۸)	مناھل العرفان فی علوم القرآن	محمد عبدالعزیز الزرقانی	۱۳۶۷ھ

(۳۹)	فوائد تفسیر عثمانی	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۴۰)	الوافی فی کیفیۃ ترتیل القرآن الکریم	عبدالفتاح بن عبدالمغنی بن محمد القاضی	۱۴۰۳ھ
(۴۱)	المیزان فی أحکام التجوید	فریال زکریا العبد	--
(۴۲)	مختصر التجوید	قاری قادر بخش پانی پتی	--
(۴۳)	نہایات البیان	قاری سید محمدی دہلوی	--

﴿عقائد (مع شروحات)﴾

(۴۴)	فقہ اکبر	ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۴۵)	شرح فقہ اکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ

﴿علوم حدیث وسیرت (مع شروحات)﴾

(۴۶)	مسند ابوحنیفہ بروایۃ الحصکفی	امام اعظم ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۴۷)	جامع معمر بن راشد	معمر بن ابی عمرو راشد الازدی	۱۵۳ھ
(۴۸)	موطأ امام مالک	امام دارالہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۴۹)	کتاب الآثار بروایۃ أبی یوسف	ابو یوسف القاضی، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتۃ انصاری	۱۸۲ھ
(۵۰)	الزھد والرقائق لابن المبارک	ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی الترکی ثم المروزی	۱۸۱ھ
(۵۱)	کتاب الآثار بروایۃ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۵۲)	موطأ امام مالک رموطأ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۵۳)	مسند الشافعی بترتیب السندی ر	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن عبدمناف الشافعی القرشی المکی	۲۰۴ھ
(۵۴)	السنن الماثورۃ بروایۃ المزنی	// //	۲۰۴ھ
(۵۵)	مسند ابوداؤد الطیالسی	ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی البصری	۲۰۴ھ

(۵۶)	مصنف عبدالرزاق صنعانی	عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی	۲۱۱ھ
(۵۷)	مسندالحمیدی	ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ القرشی الأسدی الحمیدی المکی	۲۱۹ھ
(۵۸)	الصلاۃ	ابونعیم الفضل بن عمرو بن حماد بن زہیر بن درہم القرشی المروف بابن دکین	۲۱۹ھ
(۵۹)	مسندابن الجعد	علی بن الجعد بن عبید الجوھری البغدادی	۲۳۰ھ
(۶۰)	مصنف ابن ابی شیبہ	حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خورستی	۲۳۵ھ
(۶۱)	مسنداسحاق بن راھویہ	ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحنظلی المروزی، ابن راہویہ	۲۳۸ھ
(۶۲)	مسندامام احمد	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۶۳)	فضائل الصحابۃ	ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۶۴)	المنتخب من مسند عبد بن حمید	ابومحمد عبدالحمید بن نصر الکسی	۲۴۹ھ
(۶۵)	صحیح البخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۶۶)	خلق افعال العباد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۶۷)	احادیث کتاب التاریخ الکبیر	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۶۸)	الادب المفرد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۶۹)	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج بن داؤد القشیری	۲۶۱ھ
(۷۰)	أخبار مکۃ فی قدیم الدھر وحدیثہ	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن العباس المکی الفاکھی	۲۷۲ھ
(۷۱)	سنن ابن ماجہ	حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی القزوینی، ابن ماجہ	۲۷۳ھ
(۷۲)	سنن ابوداؤد	امام حافظ سلیمان بن الاشعث السجستانی الأزدی	۲۷۵ھ
(۷۳)	سنن الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۷۴)	شمائل الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۷۵)	مسندالحارث	ابومحمد الحارث بن محمد بن داھر التمیمی البغدادی الخطیب المعروف بابن ابی اسامہ	۲۸۲ھ

(۷۶) البدع	ابوعبداللہ محمد بن وضاح بن بزیع المروانی القرطبی	۲۸۶ھ
(۷۷) الآحاد والمثانی	ابوبکر بن اَبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۷۸) السنۃ	ابوبکر بن اَبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۷۹) البحر الزخار المعروف بمسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بن خلاد بن عبیداللہ العتکی، البزار	۲۹۲ھ
(۸۰) تعظیم قدر الصلاۃ	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۸۱) القدر	ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی	۳۰۱ھ
(۸۲) سنن النسائی	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۸۳) عمل الیوم واللیلۃ	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۸۴) المسند	حافظ ابویعلی احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
(۸۵) المنتقی	ابن الجارود ابومحمد عبداللہ بن علی النیشاپوری	۳۰۷ھ
(۸۶) مسند الرویانی	ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی	۳۰۷ھ
(۸۷) صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحٰق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۸۸) السنۃ لابن ابی بکر بن الخلال	ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال البغدادی الحنبلی	۳۱۱ھ
(۸۹) مسند السراج /حدیث السراج	ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران الخراسانی النیسابوری	۳۱۳ھ
(۹۰) مستخرج ابوعوانہ	ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم النیسابوری الاسفرائنی	۳۱۶ھ
(۹۱) شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۹۲) شرح مشکل الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۹۳) کتاب الضعفاء	ابوجعفر محمد بن عمرو بن موسی بن حماد العقیلی	۳۲۲ھ
(۹۴) العلل	ابومحمد عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن المنذر التمیمی الحنظلی الرازی ابن اَبی حاتم	۳۲۷ھ
(۹۵) المنتقی من مکارم الأخلاق ومعالیھا	ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر الخرائطی السامری	۳۲۷ھ

(۹۶)	مسند الشاشی	ابوسعید الہیثم بن کلیب بن سریج بن معقل الشاشی البنکثی	۳۳۵ھ
(۹۷)	معجم ابن الأعرابی	ابوسعید بن الأعرابی احمد بن محمد بن زیاد بن بشر بن درھم البصری الصوفی	۳۴۰ھ
(۹۸)	صحیح ابن حبان	ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ التمیمی الدارمی البستی	۳۵۴ھ
(۹۹)	المعجم الأوسط/المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۱۰۰)	مسند الشامیین	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۱۰۱)	عمل الیوم واللیلۃ	ابن السنی، احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط بن عبداللہ	۳۶۴ھ
(۱۰۲)	اخلاق النبی وآدابہ	ابومحمد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الانصاری المعروف بأبی الشیخ الأصفھانی	۳۶۹ھ
(۱۰۳)	سنن الدارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود البغدادی الدارقطنی	۳۸۵ھ
(۱۰۴)	الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۱۰۵)	شرح مذاھب أھل السنۃ	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۱۰۶)	الإبانۃ الکبریٰ	ابوعبداللہ عبیداللہ بن محمد بن محمد بن حمدان العکبری المعروف بابن بطۃ	۳۸۷ھ
(۱۰۷)	معالم السنن	ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن الخطاب البستی المعروف بالخطابی	۳۸۸ھ
(۱۰۸)	فوائد ابن اخی میمی الدقاق	ابوالحسین محمد بن عبداللہ بن الحسین بن عبداللہ بن ہارون البغدادی الدقاق	۳۹۰ھ
(۱۰۹)	الایمان	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحیٰ بن مندہ العبدی	۳۹۵ھ
(۱۱۰)	المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ بن حمدویہ الحاکم النیسا فوری	۴۰۵ھ
(۱۱۱)	حلیۃ الأولیاء وطبقات الاصفیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۱۱۲)	المسند المستخرج علی صحیح مسلم	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۱۱۳)	الطب النبوی	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۱۱۴)	مسند الشہاب	ابوعبداللہ محمد بن سلامۃ بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی المصری	۴۵۴ھ
(۱۱۵)	السنن الکبریٰ/شعب الإیمان	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ

نمبر	کتاب	مصنف	وفات
(۱۱۶)	الأسماء والصفات	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۱۱۷)	معرفۃ السنن والآثار	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۱۱۸)	جامع بیان العلم وفضلہ	ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی	۴۶۳ھ
(۱۱۹)	التمہید لما فی الموطأ من المعانی والأسانید	ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی	۴۶۳ھ
(۱۲۰)	المنتقیٰ شرح الموطأ	ابوالولید سلیمان بن خلف بن سعد الباجی الاندلسی	۴۷۴ھ
(۱۲۱)	الفردوس بمأثور الخطاب	ابوشجاع، شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسر والدیلمی الہمدانی	۵۰۹ھ
(۱۲۲)	شرح السنۃ	محی الدین ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی	۵۱۶ھ
(۱۲۳)	اکمال المعلم بفوائد مسلم	ابوالفضل، عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرون الیحصبی السبتی	۵۴۴ھ
(۱۲۴)	سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہزام التمیمی السمرقندی الدارمی	۵۵۲ھ
(۱۲۵)	المعجم	ابوالقاسم، علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ المعروف بابن عساکر	۵۷۱ھ
(۱۲۶)	کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی	۵۷۹ھ
(۱۲۷)	الروض الأنف	ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد السہیلی	۵۸۱ھ
(۱۲۸)	زاد المعاد فی ہدیۃ خیر الانام	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۱۲۹)	احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام	تقی الدین ابوالفتح الشہیر بابن دقیق العید	۷۰۲ھ
(۱۳۰)	مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	۷۲۰ھ
(۱۳۱)	الکاشف عن حقائق السنن شرح الطیبی	شرف الدین حسین بن عبداللہ بن محمد الحسن الطیبی	۷۴۳ھ
(۱۳۲)	نصب الرایۃ فی تخریج أحادیث الہدایۃ	جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی	۷۶۲ھ
(۱۳۳)	جامع المسانید والسنن الہادی لأقوم السنن	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی	۷۷۴ھ
(۱۳۴)	فتح الباری	زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	۷۹۵ھ
(۱۳۵)	البدر المنیر مختصر تلخیص الذھبی	ابن الملقن سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المصری	۸۰۴ھ

(۱۳۶) تخریج أحادیث إحیاء علوم الدین	ابوعبداللہ محمود بن محمد الحداد	--
عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن العراقی (۸۰۶ھ)		
تاج الدین عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی (۷۷۱ھ)		
محمد بن محمد بن عبدالرزاق الزبیدی (۱۲۰۵ھ)		
(۱۳۷) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	نورالدین محمد بن ابوبکر بن سلیمان الہیثمی	۸۰۷ھ
(۱۳۸) موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان	ابوالحسن نورالدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الھیثمی	۸۰۷ھ
(۱۳۹) المقصد العلی فی زوائد أبی یعلی الموصلی	ابوالحسن نورالدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الھیثمی	۸۰۷ھ
(۱۴۰) فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۴۱) بلوغ المرام	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۴۲) المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۴۳) الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۴۴) عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۴۵) شرح سنن أبی داؤد	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۴۶) المقاصد الحسنۃ	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
(۱۴۷) القول البدیع	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
(۱۴۸) الدرر المنتثرۃ فی الأحادیث المشتھرۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۴۹) قوت المغتذی شرح جامع الترمذی	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۵۰) شرح سنن ابن ماجۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۵۱) الجامع الصغیر	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۵۲) تیسیر المقال	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۵۳) تذکرۃ الموضوعات	محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	۹۸۶ھ

(۱۵۴)	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۵۵)	الموضوعات الکبریٰ	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۵۶)	الموضوعات الکبیر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۵۷)	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۵۸)	التیسیر بشرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۵۹)	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح	مولانا عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ
(۱۶۰)	جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد	العلامۃ محمد بن محمد سلیمان المغربی	۱۰۹۴ھ
(۱۶۱)	شرح الزرقانی علی موطا الإمام مالک	ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد بن شہاب الدین بن محمد الزرقانی المالکی	۱۱۲۲ھ
(۱۶۲)	شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیۃ	ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد بن شہاب الدین بن محمد الزرقانی المالکی	۱۱۲۲ھ
(۱۶۳)	حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجۃ	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالهادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۶۴)	الجد الحثیث فی بیان مالیس بحدیث	احمد بن عبدالکریم بن سعودی الغزی العامری	۱۱۴۳ھ
(۱۶۵)	کشف الخفاء	اسماعیل بن محمد بن عبدالهادی بن عبدالغنی العجلونی الدمشقی الشافعی	۱۱۶۲ھ
(۱۶۶)	نیل الأوطار	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۶۷)	الفوائد المجموعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۶۸)	بذل المجهود فی حل أبی داؤد	المحدث خلیل احمد السہارنفوری	۱۲۹۷ھ
(۱۶۹)	التعلیق الممجد علی موطا الإمام محمد	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۷۰)	مظاہرحق	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
(۱۷۱)	آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۷۲)	التعلیق الحسن علی اٰثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۷۳)	لامع الدراری علی صحیح البخاری	مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ

(۱۷۴) عون المعبود فی شرح سنن أبی داوٗد	ابوالطیب محمد شمس الحق بن أمیر علی بن مقصود علی الصدیقی العظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
(۱۷۵) العرف الشذی شرح سنن الترمذی	علامۃ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۷۶) فیض الباری شرح البخاری	علامۃ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۷۷) تحفۃ الأحوذی شرح سنن الترمذی	ابوالعلی عبدالرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ
(۱۷۸) کوثر المعانی الدراری	محمد الخضر بن سید عبداللہ بن احمد الجکنی الشنقیطی	۱۳۵۴ھ
(۱۷۹) فتح الملہم	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۱۸۰) التعلیق الصبیح علیٰ مشکوٰۃ المصابیح	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۹۴ھ
(۱۸۱) إعلاء السنن	مولانا ظفر احمد بن محمد لطیف عثمانی تھانوی	۱۳۹۴ھ
(۱۸۲) معارف السنن شرح جامع الترمذی	مولانا محمد یوسف بن سید زکریا حسینی بنوری	۱۳۹۷ھ
(۱۸۳) أوجز المسالک إلی موطا امام مالک	مولانا محمد زکریا بن محمد یحییٰ کاندھلوی	۱۴۰۲ھ
(۱۸۴) مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	ابوالحسن عبیداللہ بن بن محمد عبدالسلام بن خاں محمد بن امان اللہ بن حسام الدین رحمانی مبارکپوری	۱۴۱۴ھ
(۱۸۵) إرواء الغلیل فی تخریج أحادیث منار السبیل	محمد ناصر الدین الألبانی	۱۴۲۰ھ
(۱۸۶) تخریج الکلم الطیب	محمد ناصر الدین الألبانی	۱۴۲۰ھ
(۱۸۷) منہاج السنن شرح سنن الترمذی	مولانا مفتی محمد فرید زرویوی	۱۴۳۲ھ
(۱۸۸) شرح الموطأ للإمام مالک	عبدالکریم بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن حمد الخضیر	مدظلہ
(۱۸۹) تکملۃ فتح الملھم	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی	مدظلہ
(۱۹۰) کتاب درس ترمذی	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی	مدظلہ

﴿کتب فقہ احناف﴾

(۱۹۱) الحجۃ علی اہل المدینۃ	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۹۲) کتاب الأصل	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ

(۱۹۳) الجامع الصغیر	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۹۴) کتاب الحجۃ	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۹۵) مختصر الطحاوی	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۹۶) شرح مختصر الطحاوی	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۱۹۷) عیون المسائل	ابوالليث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۳ھ
(۱۹۸) مختصر القدوری	محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان القدوری	۴۲۸ھ
(۱۹۹) النتف فی الفتاوی	ابوالحسن علی بن الحسین بن محمد السغدی الحنفی	۴۶۱ھ
(۲۰۰) المبسوط	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۲۰۱) النکت للسرخسی	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۲۰۲) تحفۃ الفقہاء	علاء الدین محمد بن احمد بن ابواحمد السمرقندی الحنفی	۵۳۹ھ
(۲۰۳) خلاصۃ الفتاویٰ/مجموع الفتاویٰ	طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری	۵۴۲ھ
(۲۰۴) المحیط البرھانی فی الفقہ النعمانی	ابوالمعالی محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن مازہ البخاری	۵۷۰ھ
(۲۰۵) فتاویٰ العتابی علی ھامش مراقی الفلاح	احمد بن محمد بن عمر، ابونصر العتابی البخاری	۵۸۶ھ
(۲۰۶) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی	۵۸۷ھ
(۲۰۷) فتاویٰ قاضی خان	محمود اوزجندی قاضی خان حسن بن منصور	۵۹۲ھ
(۲۰۸) بدایۃ المبتدی وشرحہ الہدایۃ	برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی	۵۹۳ھ
(۲۰۹) قنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۲۱۰) تحفۃ الملوک	محمد بن ابی بکر الرازی	۶۶۶ھ
(۲۱۱) مجمع البرکات	ابوالبرکات بن حسام الدین الدمنوی/المداینی	۶۶۷ھ
(۲۱۲) الوقایۃ (وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ محمود بن عبداللہ بن ابراہیم المحبوبی الحنفی	۶۷۳ھ

(۲۱۳)	الاختیار لتعلیل المختار	عبداللہ بن محمود بن مودود بن محمود ابوالفضل مجد الدین الموصلی	۶۸۳ھ
(۲۱۴)	الفتاویٰ الغیاثیۃ	شیخ داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	۶۸۶ھ کے بعد
(۲۱۵)	مجمع البحرین وملتقی النیرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب المعروف بابن الساعاتی البعلبکی	۶۹۴ھ
(۲۱۶)	منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی	سدید الدین محمد بن محمد بن الرشید بن علی الکاشغری	۷۰۵ھ
(۲۱۷)	کنز الدقائق	حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	۷۱۰،۷۰۱ھ
(۲۱۸)	تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق	فخر الدین عثمان بن علی بن محجن الزیلعی	۷۴۳ھ
(۲۱۹)	شرح مختصر الوقایۃ (شرح وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۲۲۰)	النقایۃ مختصر الوقایۃ	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۲۲۱)	الکفایۃ شرح الہدایۃ (متداولہ)	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی الکرمانی	۷۶۷ھ
(۲۲۲)	النہایۃ شرح الہدایۃ	حسام الدین حسن بن علی بن حجاج السغناقی	۷۷۱ھ
(۲۲۳)	شرح العنایۃ علی الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود البابرتی	۷۸۶ھ
(۲۲۴)	الفتاویٰ التاتارخانیۃ	علامہ عالم بن العلاء الأنصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
(۲۲۵)	السراج الوہاج فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۲۶)	الجوہرۃ النیرۃ فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۲۷)	شرح مجمع البحرین علی ہامش المجمع	ابن الملک، عبداللطیف بن عبدالعزیز	۸۰۱ھ
(۲۲۸)	الفتاویٰ البزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الخوارزمی المعروف بابن بزازی	۸۲۷ھ
(۲۲۹)	معین الحکام	ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی	۸۴۴ھ
(۲۳۰)	البنایۃ شرح الہدایۃ	بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۳۱)	منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک	بدر الدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۳۲)	فتح القدیر علی الہدایۃ	ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید الحنفی	۸۶۱ھ

	کتاب	مصنف	سن وفات
(۲۳۳)	کتاب التصحیح والترجیح علی مختصر القدوری	ابوالعدل زین الدین قاسم بن قطلو بغا الحنفی	۸۷۹ھ
(۲۳۴)	درر الحکام شرح غرر الأحکام	ملا خسرو، محمد بن فرامرز بن علی	۸۸۵ھ
(۲۳۵)	شرح النقایۃ	ابوالمکارم عبدالعلی بن محمد بن حسین البرجندی	۹۳۲ھ
(۲۳۶)	حاشیۃ علی العنایۃ شرح الہدایۃ	سعداللہ بن عیسیٰ بن امیر خان الرومی الحنفی الشہیر بسعدی چلپی وبسعدی آفندی	۹۴۵ھ
(۲۳۷)	ملتقی الأبحر	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۳۸)	الصغیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۳۹)	الکبیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۴۰)	جامع الرموز شرح مختصر الوقایۃ المسمی بالنقایۃ	شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی	۹۶۲ھ
(۲۴۱)	البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق	ابن نجیم زین العابدین بن ابراہیم المصری الحنفی	۹۷۰ھ
(۲۴۲)	الفتاویٰ الحامدیۃ	حامد آفندی القونوی	۹۸۵ھ
(۲۴۳)	تنویر الأبصار وجامع البحار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد الخطیب التمر تاشی	۱۰۰۴ھ
(۲۴۴)	النہر الفائق شرح کنز الدقائق	علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفی	۱۰۰۵ھ
(۲۴۵)	شرح النقایۃ فی مسائل الہدایۃ	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۴۶)	حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق	شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن یونس بن اسماعیل بن یونس الشلبی	۱۰۲۱ھ
(۲۴۷)	نور الایضاح ونجاۃ الارواح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۴۸)	امداد الفتاح شرح نور الایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۴۹)	مراقی الفلاح شرح نور الایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۵۰)	مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر	عبدالرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان الکلیبولی المدعو بشیخی زادہ، المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸ھ
(۲۵۱)	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	خیرالدین بن احمد بن نورالدین علی ایوبی علیمی فاروقی الرملی	۱۰۸۱ھ
(۲۵۲)	الدر المختار شرح تنویر الأبصار	محمد بن علی بن محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن حسن الحصنی المعروف بالعلاء الحصکفی	۱۰۸۸ھ

نمبر	کتاب	مصنف	سن وفات
(۲۵۳)	الفتاویٰ الھندیۃ (عالمگیریہ)	شیخ نظام الدین برہان پوری گجراتی (وجماعۃ من اعلام فقہاء الھند)	۱۱۶۱ھ
(۲۵۴)	حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۵)	حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۵۶)	اسعاف المولی القدیر شرح زادالفقیر	احمد بن ابراہیم تونسی دقدویسی مصری	۱۱۲۲ھ کے بعد
(۲۵۷)	مالابدمنہ (فارسی)	قاضی ثناء اللہ الہندی پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۲۵۸)	ردالمحتار حاشیۃ الدرالمختار (شامی)	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۵۹)	العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۶۰)	مجموعہ رسائل ابن عابدین	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۶۱)	منحۃ الخالق حاشیۃ البحرالرائق	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۶۲)	طوالع الانوار علی الدرالمختار	شیخ محمد عابد بن احمد بن یعقوب الأنصاری السندی الحنفی	۱۲۵۷ھ
(۲۶۳)	مأۃ مسائل	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۶۴)	غایۃ الاوطار	مترجم اول: مولانا خرم علی ملہوری	۱۲۷۱ھ
(۲۶۵)	ترجمہ اردو الدرالمختار	مترجم دوم: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی	--
(۲۶۶)	التحریرالمختار حاشیۃ ردالمحتار	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۲۸۳ھ
(۲۶۷)	اللباب فی شرح الکتاب (القدوری)	عبدالغنی بن طالب بن حمادۃ بن ابراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی	۱۲۹۸ھ
(۲۶۸)	النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۹)	السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۷۰)	عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۷۱)	حاشیہ علی الہدایہ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ

(۲۷۲) نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۷۳) مجموعۃ الفتاویٰ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۷۴) سباحۃ الفکر فی الجھر بالذکر	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۷۵) رسائل الارکان	عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۲۷۶) بوادر النوادر	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۷) بہشتی گوہر	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۸) بہشتی زیور	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۹) محمود الروایہ حاشیہ شرح نقایہ	مولانا اعزاز علی امروہوی	۱۳۷۴ھ
(۲۸۰) جواہر الفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ
(۲۸۱) عمدۃ الفقہ	سید زوار حسین شاہ	۱۴۰۰ھ
(۲۸۲) ترجمہ فتاویٰ عالمگیری	مفتی کفیل الرحمٰن عثمانی بن قاری جلیل الرحمٰن عثمانی بن مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی	۱۴۲۷ھ
(۲۸۳) طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل	مولانا اویس احمد قاسمی	۱۴۳۶ھ
(۲۸۴) جدید فقہی مسائل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	مدظلہ
(۲۸۵) اہم مسائل	جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مہاراشٹر رمرتب مولانا محمد جعفر علی	--

﴿دیگر مسالک کی کتب فقہ﴾

(۲۸۶) المغنی	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۲۸۷) المجموع شرح المہذب	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۸۸) احکام الاحکام فی شرح العمدۃ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الجرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۲۸۹) مواھب الجلیل شرح مختصر خلیل	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن الطرابلسی المغربی المالکی	۹۵۴ھ
(۲۹۰) تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج	شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیثمی شافعی	۹۷۳ھ

(۲۹۱)	مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج	شمس الدین محمد بن احمد الخطیب الشربینی الشافعی	۹۷۷ھ
(۲۹۲)	شرح الزرکشی علی مختصر الخرقی	عبدالباقی بن یوسف بن احمد الزرقانی المصری	۱۰۹۹ھ
(۲۹۳)	شرح مختصر خلیل	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخرشی المالکی	۱۱۰۱ھ
(۲۹۴)	الشرح الکبیر	الشیخ احمد الدردیر	۱۲۰۱ھ
(۲۹۵)	وحاشیۃ الدسوقی	محمد بن احمد بن عرفۃ الدسوقی المالکی	۱۲۳۰ھ
(۲۹۶)	فتاویٰ نور علی الدرب لابن باز	عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز	۱۴۲۰ھ
(۲۹۷)	مجموع فتاویٰ ابن عثیمین	محمد بن صالح بن محمد العثیمین	۱۴۲۱ھ

﴿فقہ مقارن﴾

(۲۹۸)	اختلاف الائمۃ العلماء	ابوالمظفر، عون الدین، یحیٰ بن محمد بن ہبیرہ الذہلی الشیبانی	۵۶۰ھ
(۲۹۹)	الفقہ علی المذاہب الأربعۃ	عبدالرحمٰن بن محمد بن عوض الجزیری	۱۳۶۰ھ
(۳۰۰)	الفقہ الاسلامی وادلّتہ	ڈاکٹر وہبہ مصطفیٰ الزحیلی	۱۴۳۶ھ
(۳۰۱)	الموسوعۃ الفقہیۃ	مرتبہ وزارت اوقاف کویت	--

﴿اصول فقہ﴾

(۳۰۲)	المحصول	فخر الدین الرازی، ابوعبداللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی	۶۰۶ھ
(۳۰۳)	الفروق	ابوالعباس شہاب الدین احمد بن ادریس بن عبدالرحمٰن المالکی المعروف بالقرافی	۶۸۴ھ
(۳۰۴)	کشف الاسرار شرح اصول البزدوی	عبدالعزیز بن احمد بن محمد علاء الدین البخاری الحنفی	۷۳۰ھ
(۳۰۵)	التقریر والتحبیر علی تحریر الکمال	ابن امیر حاج، موسیٰ بن محمد التبریزی الحنفی	۷۳۳
(۳۰۶)	الموافقات	ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ بن محمد اللخمی الشاطبی	۷۹۰ھ
(۳۰۷)	التحریر فی اصول الفقہ	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید، ابن ہمام	۸۶۱ھ
(۳۰۸)	الأشباہ والنظائر	زین الدین بن ابراہیم بن محمد، ابن نجیم المصری	۹۷۰ھ
(۳۰۹)	غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر	احمد بن محمد المکی ابوالعباس شہاب الدین الحسینی الحموی الحنفی	۱۰۹۸ھ

(۳۱۰) مسلم الثبوت	محبّ اللہ بن عبد الشکور البہاری	۱۱۱۹ھ
(۳۱۱) نور الأنوار فی شرح المنار	احمد بن ابی سعید ملا جیون الحنفی	۱۱۳۰ھ
(۳۱۲) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت	عبد العلی محمد بن نظام الأنصاری	۱۲۲۵ھ
(۳۱۳) شرح عقود رسم المفتی	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ

﴿تزکیہ واحسان﴾

(۳۱۴) الترغیب والترہیب	ابومحمد زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری الشامی الشافعی	۶۵۶ھ
(۳۱۵) مجالس الابرار ومسالک الاخیار	احمد بن عبد القادر الرومی الحنفی	۱۰۴۱ھ

﴿لغات، معاجم وادب﴾

(۳۱۶) شمس العلوم ودواء کلام العرب من الکلوم	نسوان بن سعید الحمیری الیمنی	۵۷۳ھ
(۳۱۷) لسان العرب	علامہ ابن الفضل جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور الافریقی المصری	۷۱۱ھ
(۳۱۸) المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر	ابو العباس، احمد بن محمد بن علی الفیومی ثم الحموی	۷۷۰ھ
(۳۱۹) القاموس المحیط	مجد الدین ابو طاہر محمد بن محمد بن عمر الشیرازی الفیروز آبادی	۸۱۷ھ
(۳۲۰) فیروز اللغات	الحاج مولوی فیروز الدینؒ	----
(۳۲۱) مجمع البحار فی لغۃ الاحادیث والآثار	علامہ محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	۹۸۶ھ
(۳۲۲) التعریفات الفقھیۃ	محمد عمیم الاحسان المجددی البرکتی	۱۳۹۵ھ

﴿متفرقات﴾

(۳۲۳) غنیۃ الطالبین (فقہی مسائل پر قیمتی آراء کا مجموعہ)	قطب ربانی محبوب سبحانی عبد القادر بن أبی صالح الجیلی	۵۶۱ھ
(۳۲۴) تلبیس ابلیس	جمال الدین ابوالفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی	۵۹۷ھ
(۳۲۵) مجموع رسائل ابن رجب	زین الدین عبد الرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	۷۹۵ھ
(۳۲۶) حصن حصین	شمس الدین ابوالخیر ابن الجزری محمد بن محمد بن یوسف	۸۳۳ھ

نمبر	کتاب	مصنف	وفات
(۳۲۷)	المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار	ابوالعباس الحسینی العبیدی احمد بن علی بن عبدالقادر تقی الدین المقریزی	۸۴۵ھ
(۳۲۸)	الحرز الثمین للحصن والحصین	علی بن سلطان محمد الھروی المعروف بالقاری	۱۰۱۴ھ
(۳۲۹)	مکتوبات الإمام الربانی	شیخ احمد سرہندی بن شیخ عبدالاحد فاروقی مجدد الف ثانی	۱۰۳۴ھ
(۳۳۰)	حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ

نوٹ : فتاویٰ علماء ہند جلد-۷ کے متن وحاشیہ میں ان کتابوں سے استفادہ ہوا ہے اور متعلقہ جگہ ان کے مطبوعات ومکتبات کی تفصیل درج ہے۔ (انیس الرحمٰن قاسمی)